مشائخ احمد آباد

جس میں شہر کی ابتدائی تاسیس سے لے کر نویں صدی
تک کے بزرگوں کے حالات مذکور ہیں۔

تالیف
مولانا محمد یوسف ابن سلیمان متالا

امرین بک ایجنسی، احمد آباد

مشائخ احمد آباد

(جلد اوّل)

جس میں شہر کی ابتدائی تاسیس سے لے کر نویں صدی
تک کے بزرگوں کے حالات مذکور ہیں۔

تالیف

قطب الاقطاب حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب
مہاجر مدنی قدس سرہ کے خلیفۂ اجل

مولانا محمد یوسف ابن سلیمان مُتالا

PUBLISHER

AMREEN BOOK AGENCY

105, Block-8, Municipal Quarters, Nr. Kanch Ki Masjid
Jamalpur, Ahmedabad-380022
(Mobile : 8401010786)
amreen.book.agency@gmail.com

بسم اللہ الکریم

بخدمت حضرت حافظ صغیر احمد صاحب مدفیوضکم

سیّدی قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمدؔ زکریا مہاجر مدنی قدس سرہ کا علمی، عوامی ہر طرح کی تصانیف کے سلسلہ میں یہ معمول تھا کہ اپنے معاصرین میں سے کسی کی نظر ثانی کو اس پر ضروری سمجھتے تھے چاہے وہ حضرت کے شاگرد ہی کیوں نہ ہوں۔ اس پر عمل کا ارادہ جب میں نے مشائخ احمد آباد کے سلسلہ میں کیا تو چونکہ یہ صدیوں پہلے کے اہل علم کے احوال تھے جن میں صوفیاء، محدثین، مفسّرین شعراء ہر قسم کے حضرات تھے اس لیے سوچا کہ کسی علمی شخصیت کی نظر سے یہ کتاب گذر جائے تو بہت اچھا ہوگا۔ چنانچہ تصنیف بلکہ کتابت کے بعد طباعت کو موقوف رکھا گیا یہاں تک کہ مدینہ طیّبہ قیام کے دوران مفتی اعظم حضرت مفتی محمود حسن صاحب عمرہ کے لیے تشریف لائے تو مفتی صاحب کے وہاں قیام کے دوران احقر انہیں یہ کتاب سناتا رہا کیونکہ مفتی صاحب ان دنوں لکھنے پڑھنے سے معذور تھے اور بحمد اللہ جلد اوّل معتد بہ حصّہ سن کر حضرت نے تشجیعی کلمات بھی فرمائے۔ مگر پھر بھی طباعت کی ہمّت نہ ہوئی کہ کاش کوئی صاحب علم بنظرِ اصلاح پوری کتاب دیکھ لیتا۔ اللہ کا کرم کہ مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اوکسفورڈ اسلامک سینٹر کی دعوت پر برطانیہ تشریف لائے اور ہماری دعوت پر دار العلوم ہولکمپ بری بھی تشریف لائے۔

اس سفر میں حضرت کے ساتھ پروفیسر خلیق احمد نظامی ڈائریکٹر شعبہ تاریخ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی بھی تھے جو مشائخ چشت پر وقیع کتب کے مصنف تھے اور اس

سفر میں حضرت مولانا علی میاں صاحب نے نظامی صاحب کے متعلق یہ کلمات بھی فرمائے کہ ''ایشیا کی اسلامی تاریخ پر نظر میں اس وقت ان کی نظیر نہیں''۔

چنانچہ احقر نے مشائخ احمد آباد کی دونوں جلدیں بقصد اصلاح و تصحیح نظامی صاحب کو پیش کیں اور انہوں نے کتاب کو ملاحظہ فرما کر ذیل کا مکتوب ارسال فرمایا۔

مگر ان کی تمنّا اور خواہش کے مطابق اس پر تفصیلی مقدمہ نہ لکھ سکے یا کوئی تحریر لکھی ہو اور اس کی ترسیل سے قبل معذوری اور بالآخر وقت موعود آپہنچا۔ اللہ تعالےٰ انہیں اس شفقت تعلق اور محبت کی بے حد جزائے خیر دے۔

محمدؐ یوسف

خادم مدرسہ

دار العلوم ہولکمپ بری

برطانیہ

تقریظ

باسمہ تعالی

پوسٹ باکس ۱۹, دارالمصنفین ,شبلی اکیڈمی ,اعظم گڈھ, ۱۳ آگست ۱۹۹۲ء

حضرت مولانائے محترم زید لطفہ ۔۔۔ السلام علیکم ورحمہ اللہ۔

گرامی نامہ باصرہ نواز ہوا جس کے ساتھ ہی آپ کی کتاب کے بعض حصے بھی منسلک تھے, نوازش اور کرم فرمائی کے لئے ممنون ہوں, اللہ تعالی جزائے خیر دے۔

آپ کے جو مضامین آئے تھے وہ سب چھپ گئے ہیں, انہیں روکنے کا وقت ختم ہوگیا۔ اب ان شاء اللہ جو تازہ مضامین بھیجے ہیں, انہیں حسب سہولت اور گنجائش شائع کیا جائے گا۔

معارف کے خاص نمبر کی اشاعت سے معذوری ہے, علاوہ ازیں اس طرح کی نئی اشاعت کے لئے مجلس انتظامیہ سے منظوری بھی ضروری ہے, معلوم نہیں اس کا کیا رویہ ہو, میرے خیال میں وہ بھی اشاعت کی اجازت نہ ہوگی۔ پھر جب آپ کی کتاب چھپ رہی ہے جس کے لئے ایک صاحب آمادہ بھی ہوگئے ہیں تو میرے خیال میں اس کی ابتدا کردیجئے۔۔۔۔۔

والسلام محتاج دعاء

ضیاء الدین

تقریظ

ضیاء الدین ڈیسائی

باسمہ سبحانہ

۱۴ خورشید پارک احمد آباد

۳۸۰۰۵۵

محترمی ومکرمی مولانا دام مجدکم بعد سلام مسنون

کافی دن ہوئے جناب عالی نے تحریر فرمایا تھا کہ مشائخ احمد آباد کی جلد اول کتابت کے لئے بھیج دی گئی ہے اور طباعت کے بعد ایک کاپی مجھے بھجوانے کی مہربانی فرمائیں گے، کتاب کا انتظار ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ ڈاکٹر باقر علی مرحوم کے انگریزی پی ایچ ڈی کے مقالے گجرات کا عربی ادب کی نقل میں آپ کو ارسال نہ کرسکا، میرے مرحوم دوست پروفیسر احمد قریشی صاحب جن کو میں نے نسخہ اس کا دیا تھا ان کے ہاں ان کی اہلیہ کی پاکستان سے واپسی کے بعد میں نے ان کی کتابوں میں دیکھا تو وہ ٹائپ شدہ مسودہ نہیں ملا، نہ یہ پتہ چلا کہ اس کا کیا ہوا، میں خود اکتوبر ۱۹۹۲ء میں پاکستان گیا تھا وہاں بھی باقر علی صاحب مرحوم کے بھائی مرحوم جاوید علی ترمذی کے خانوادے میں تفتیش کی ان کے پاس بھی نسخہ نہیں ہے۔

بمبئی یونیورسٹی میں اس کا نسخہ ہے لیکن وہ لوگ اس کی نقل کی اجازت نہیں دیتے، ویسے میں نے اس مقالے کو دیکھا ہے اور یہ گجرات کے عربی دان علماء کی عربی ادب میں تالیفات سے

متعلق ہے، البتہ ان میں چند مشائخ بھی حضرت شاہ عالم بخاری یا شیخ حسن محمد چشتی وغیرہ مذکور ہیں جن کی عربی تالیفات ہم تک پہنچی ہیں، لیکن مشائخ کے لئے یہ بہت زیادہ کام نہیں دیتی، البتہ جیسا کہ میں نے اپنے گذشتہ خط میں لکھا تھا احمد آباد کی خانقاہ چشتیہ میں منجملہ تقریباً ایک ہزار مخطوطات میں اس کے مشائخ اور بزرگوں کا تذکرہ موسوم بہ مخبر الاولیاء ہے، اس میں احمد آباد کے بزرگوں کے بارے میں نہایت اہم اور نادر معلومات ہیں لیکن اس کی نقل حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے برابر ہے۔

اس کا نہایت ہی ناقص اور غلط نسخہ تقریباً ۱۹۰ صفحوں کا بمبئ ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں ہے، لیکن وہاں سے بھی اس کی نقل کی میری کوشش بارآور نہیں ہوئی، ابھی ابھی مجھے پتہ چلا ہے مخبر الاولیاء کا احمد آباد والا نسخہ ۹۰۰ صفحات پر محتوی ہے اور آخر کے کچھ یا ایک دو اوراق غائب ہیں اگر چہ یہ نسخہ تیرھوی صدی ہجری کے اسی چشتیہ خاندان کے ایک بزرگ رشید الدین لالا چشتی نے لکھا ہے یعنی کافی بعد کی چیز ہے، تاہم اس میں جو معلومات ہیں وہ کسی اور جگہ نہیں ملتیں۔ دوسرے انہوں نے مکرراً انہی کے خاندان کے بزرگوں کے حالات کے لئے چار چھ کتابوں کے حوالے دئے ہیں وہ کتابیں بھی غالباً ان کے ہاں ہوں گی، یہ دیکھنے کو مل جائیں تو ہماری معلومات میں اضافہ ہو۔ ویسے میری کوشش جاری ہے کہ اس کتاب کی نقل نہیں تو کچھ یادداشتیں نقل کرلوں۔ اب دل کے عارضے کے شکار کی وجہ سے میری نقل وحرکت پر کچھ پابندی ہے اور دوڑ دھوپ کے قابل نہیں ہوں، بہر حال دیکھئے اللہ کو کیا منظور ہے۔

ویسے میں ان شاء اللہ مئی کے ۱۵ کے لگ بھگ لندن چار چھ روز کے لئے آرہا ہوں، میں ۲۵

اپریل کو ان شاء اللہ بمبئی سے امریکہ جا رہا ہوں ، وہاں میرے ایک امریکن دوست جو پروفیسر ہیں ان کے ساتھ تاریخ شاہجہاں کے پروجکٹ کے سلسلے میں لندن آنا ہوگا۔لندن سے ہی دونوں ان شاء اللہ ہندوستان ساتھ واپس ہوں گے۔لندن میں برٹش لائبریری اور ملکہ ایلزبتھ کے ذاتی کتب خانے ونڈسر پیلیس میں بادشاہ نام کا نسخہ دیکھنا ہے۔

پتہ نہیں میرا قیام کہاں ہوگا,گذشتہ مرتبہ ہم دونوں ایک ہوٹل میں ٹھہرے تھے۔یہ بھی پتہ نہیں کہ جناب کے دارالعلوم کی جائے وقوع لندن سے کتنے فاصلے پر ہے۔اگر زحمت نہ ہو تو اس خط کی رسید اور ہالکمب کی جائے وقوع کے بارے میں مطلع فرمائیں۔میرا پتہ مندرجہ ذیل ہے:
جناب والا کے مراسلے کا انتظار رہے گا۔اگر نیاز حاصل کرنے کی کوئی صورت نکل آئی تو ان شاء اللہ بالمشافہ تفصیل سے گفتگو ہوگی۔

طالب دعا

ضیاء الدین ڈیسائی

جناب ڈیسائی صاحب مرحوم کے شاید دیگر تاریخی مکاتیب
بھی اسی طرح کے مل گئے تو شائع کریں گے باذن اللہ۔

تقریظ

باسمہ سبحانہ وتعالی

مخدومی المکرّم محسن المعظم ذوالمجد والکرم اطال اللہ ظلال برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج والا بعافیت ہوں گے اور خدائے پاک ہمیشہ بایں فیوض و برکات بصد ہزار عافیت رکھے۔ یہ ناکارہ بھی بدعاء آنمخدوم بحمد اللہ واحسانہ تعالی بخیر ہے۔

جناب والا کی تالیف تاریخ مشائخ احمد آباد کی کتابت قریب بتکمیل ہے، اس کے مقدمہ اور سرورق کا انتظار ہے۔ امید کہ جلد ارسال فرما کر احسان فرمائیں گے۔

جامعہ محمودیہ کے لئے جو سامان ارسال فرمایا تھا بحمد اللہ سب پہنچ گیا۔ مادی معنوی اعلی ترقیات بسہولت وعافیت تمام ضروریات کی تکمیل اور تمام شرور وفتن ومکارہ سے حفاظت کی دعاء کی درخواست ہے، خود یہ نکارہ جناب والا کی دعاء وتوجہ کا بہت محتاج ہے۔ اخلاص و استقامت اور قبولیت کی دعاء فرما کر کرم بالائے کرم فرمائیں۔۔۔

آنانکہ خاک را کیمیا کنند ۔۔۔ آیا بود گوشۂ چشمے بجا کنند

جناب والا کی کریم ذات سے امید ہے کہ محروم نہیں فرمائیں گے۔

والسلام مع الاکرام

العبد فاروق غفرلہ ۔۔۔ ۱۴۱۲/۱۰/۸ھ

جامعہ محمودیہ

مشائخ احمد آباد کی پہلی طباعت کی تیاری کا اس مکتوب میں ذکر ہے۔

تقریظ

باسمہ سبحانہ وتعالی

۳۱ جولائی ۱۹۹۳ء

محترم المقام مولانا متالا صاحب مدفیوضہ, سلام مسنون

"مشائخ احمد آباد" کی دونوں جلدیں پہونچ گئیں۔ عرصہ سے میں ان کے لئے چشم براہ تھا۔ رسید لکھنے میں دیر کا سبب طبیعت کی ناسازی تھی۔ میرے بلیڈر میں پتھر ہیں جن کی وجہ سے پچھلے کچھ دنوں سے شدت کا درد ہونے لگا ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالی شفا عطا فرمائے۔ آمین۔

میں عرصہ سے "مشائخ احمد آباد" کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ان جلدوں کو دیکھ کر طبیعت خوش ہوگئی۔ علم, تعلق اور جذبہ نے مل کر اس میں عجیب دلکشی پیدا کردی ہے۔

۱۔ میرا خیال ہے کہ جلد ایک ہی رہنی چاہئے۔ چونکہ صرف ایک طرف عکس لیا گیا ہے, اس لئے دو جلدوں کا حجم ہوگیا ہے۔ طبع ہو کر حجم ایک جلد کا ہو جائے گا جو نہایت مناسب رہے گا۔

۲۔ کتابت اوسط درجہ کی ہے۔ لیکن دوسری کتابت کی قطعاً ضرورت نہیں۔

۳۔ تصحیح کتابت کا کام احتیاط سے ہو جائے تو بہت اچھا ہو۔

۴۔ آپ مجھ سے کس نوعیت کی تحریر چاہتے ہیں اور اس کو کس طرح استعمال کرنا ہے۔ مقدمہ, پیش لفظ, ریویو یا کیا۔

آپ نے غالبًا "یادِ ایام" } مصنفہ مولانا حکیم سید عبدالحیؒ رحمہ اللہ { پر میری تحریر دیکھی ہوگی۔ بہر حال تعمیل ارشاد ہوگی۔

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ میری بڑی خواہش تھی کہ آپ کے دورہ؟ حدیث میں شرکت کروں، لیکن علالتوں کی وجہ سے ممکن نہ ہوسکا۔ بیوی کی طبیعت بفضلہٖ بہتر ہے۔ وہ بعد سلام آپ کی پرسش احوال کا شکریہ ادا کرتی ہے۔

والسلام

مخلص خلیق احمد نظامی

فہرستِ مضامین

(ق)

فہرست مضامین مقدمہ

فہرست مضامین کتاب

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی نُور   کَزوشُدُ نُورہا پَیدا

حق تعالیٰ شانہ نے سرورِ کائنات فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت وعلم وعرفان کے جس نور کا مخزن بنا کر مبعوث فرمایا تھا۔ اسی نور کا کرشمہ تھا کہ جاہلیت کے عربوں کو لات وعزیٰ کی پرستش اور اس کی ظلمتوں سے نجات دیکر وہ صفاءِ قلب عطا کیا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ مبارک میں انہیں جنت جہنم ایسی نظر آتی گویا نگاہوں کے سامنے ہے۔ پکے ہوئے کھانے سے وہ تسبیح کی آواز سنتے۔

چونکہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اوّل ہیں اور خاتم بھی۔ فرماتے ہیں اول مَاخلق اللّٰہ نور نبیک یاجابر۔ ؎۱ نیز ارشادِ نبوی ہے وانا العاقب الذی لیس بعدہٗ احد۔ ؎۲

اس لئے اصحابِ طلب ہر زمانہ میں نورِ نبوی سے اپنا نصیب ومقدر پاتے رہے اس سلسلہ میں روحانیت کے سلاسل اربعہ اور دیگر سلاسل معروفہ وغیر معروفہ کو اس خدمت کے لئے اس قدر قبول کیا گیا یہاں تک کہ یہ کہا جانے لگا کہ بارگاہِ احدیت ونبوّت سے متعلق خاص ان سلاسل سے وابستگی کے بغیر ممکن نہیں

؎۱ مصنف عبدالرزاق شرح مواہب صفحہ ۴۶ جلد ۱۔ ؎۲ بخاری، مسلم صفحہ ۲۶۱ جلد ۲

حالانکہ ایسا نہیں البتہ مشکل ضرور ہے اسی لئے دور نبوی سے لے کر آج تک جہاں علم ظاہری کی تعلیم و تدریس، تصنیف و تالیف کو سلف نے شغل حیات بنایا وہاں یہ حضرات روحانی سلاسل سے وابستگی کے بغیر زرے علم کو غیر نافع بلکہ مضر سمجھتے تھے۔

راقم کا مقصد مشائخ کے احوال جمع کرنے سے یہی ہے کہ ہم طلبہ اور علم سے وابستگی رکھنے والے اپنے احوال کا ان حضراتِ اکابر کے حالات سے موازنہ کریں تاکہ پتہ چلے کہ آج مراکز علم و تدریس اور اصحاب علم کی اس قدر کثرت کے باوجود ہر طرف عوام اور خواص میں مردنی سی چھائی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ ہر طرف اضطراب و بےچینی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

ان اکابر کے حالات پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ یہ حضرات ظاہر و باطن، شریعت و طریقت کے جامع ہوتے تھے۔ ہمارے ہاں صرف رسمی علوم پر اکتفا کر لی گئی۔ جس روحانیت کے سبب علم میں برکت نورانیت اور تاثیر معلوم ہوتی تھی وہ مفقود ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ گذشتہ صدیوں کے مشائخ و علماء نہ صرف عوام اور ان کے قلوب پر حکمرانی کرتے تھے بلکہ اس زمانہ کے بڑے بڑے سلاطین ان مشائخ کی نظر پر اثر اور صحبت بابرکت سے جنید زمان اور شبلی وقت معلوم ہوتے تھے۔

یہاں بر احمد آباد کے سلاطین میں سے صرف سلطان محمود بیگڑہ اور سلطان مظفر حلیم کے چند واقعات اور ان کے کچھ احوال ذکر کئے جاتے ہیں، جو حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے خانوادہ کے فیض یافتگان میں سے تھے۔ تاکہ اندازہ ہوسکے کہ جب ان مشائخ کرام کی محبت سے سلاطین کا یہ حال تھا تو عوام اور علماء جو ان حضرات کی خدمت میں زیادہ وقت گذارتے تھے انہیں اسی قدر زر خالص بنا چھوڑتے ہونگے۔

تقریظ

فقیہ الامت جامع المعقول والمنقول جامع الشریعۃ و الطریقۃ حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی زید مجدہم

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد ! اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے اخلاقِ فاضلہ کے حامل بندوں کو بھیجا کسی نے یکسوئی کی زندگی گذاری اور مدّت معینہ پر رخصت ہو گئے، کسی نے آہ و بکا کے ساتھ گذارہ کیا کسی نے تلامیذ بہت سے چھوڑے ۔ الغرض ہر ایک کی زندگی میں کچھ اوصاف تھے جو ان کے ساتھ ساتھ ختم ہو گئے ۔ پھر بعد کے لوگوں نے ان کے حالات کو قلمبند کیا، اور بہت کچھ خود بھی فائدہ اٹھایا اور مخلوق کو بھی فائدہ پہنچایا، اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ زیر نظر کتاب ہے، پڑھنے والوں کو اس سے بہت کچھ حاصل ہو سکتا ہے ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جزائے خیر دے حضرت الحاج مولانا یوسف متالا صاحب کو کہ انہوں نے مشائخ احمد آباد کے حالات اخلاق واعمال، خدمات کو جمع کیا، اور امت کے سامنے پیش کر دیا اور اس کا نام بھی مشائخ احمد آباد تجویز کر دیا، احمد آباد ایک مدت دراز تک سفینۂ علم وعمل رہا ہے ۔ ان کے احوال پڑھنے والوں کو بہت فائدہ ہو سکتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو بے حد قبول فرمائے اور مفید و نافع بنائے ۔ آمین ۔ فقط والسلام

املاہ العبد محمود غفرلہ

چھتہ مسجد دار العلوم دیوبند ۲۴ ۴/۱۲ ۱۴ھ،

عرضِ مرتّب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡاَوَّلِیۡنَ وَ الۡاٰخِرِیۡنَ اِمَامِ الۡاَنۡبِیَاءِ وَالۡمُرۡسَلِیۡنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحۡبِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ اَمَّا بَعۡدُ!

گجرات میں مقیم قبائل اور خاندانوں کے جو نام مسلمانوں میں رائج ہیں مثلاً تلفظ املا وغیرہ انکی اصل اور معانی کی تلاش کا خیال ہوا، مختلف زبانوں کی لغات ڈکشنریاں دیکھنے کے بعد بھی کوئی رہنمائی نہ مل سکی تو روضۂ شریفہ کی حاضری پر صلوٰۃ وسلام کے بعد اس کام کی صحیح سمت کی طرف رہنمائی اور تسہیل کے لئے راقم السطور نے دعار وتوجہ کی درخواست کی۔

جس کے فوراً بعد ہی عرض ومعروض قبول ہو جانے کے آثار اس شکل میں ظاہر ہوئے کہ "مُعۡجَمُ الۡقَبَائِلُ الۡعَرَبِیَّۃ" میں وہ تمام قبائل نکل آئے جو اس وقت گجرات میں انہی عربی ناموں کے ساتھ معروف ہیں۔ اور چارٹ کی شکل میں اس کو طبع کیا گیا۔ یہ تھی آپ کے زیرِ نظر کتاب کے لئے کاوش کی ابتداء، اس کے بعد کام کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔

ذخیرۂ کتب کا مطالعہ کر کے مشائخ کے احوال کو جمع کرنے کی کوشش کی معتدبہ حصہ جمع ہو جانے کے بعد اشاعت کے لئے ترتیب یہ سوچی گئی کہ متعدد جلدوں میں اس کو شائع کیا جائے۔ چنانچہ مشائخ احمدآباد آپ کے ہاتھوں میں ہے اللہ تعالیٰ قبول فرما وے، ان حضرات علماء، مشائخ کے معارف وعلوم کو عام فرما وے اور عالم کو ان سے مستفید فرما وے۔ آمین یارب العالمین۔

اس کتاب میں ایسے حضرات کا تذکرہ بھی ہے جنکا طویل قیام نہیں رہا بلکہ اثناءِ سفر میں وقتی طور پر قیام کیا ہوگا، مگر پھر بھی ہم نے یہاں ان کا ذکر اس لئے کر دیا ہے کہ علمی اور روحانی سلسلے ایسے ہیں جس کے لئے اتنا قیام بھی صدیوں تک سلسلہ کی ترویج واشاعت کے لئے بنیاد بن جاتا ہے۔

اہلِ علم وفضل ومشائخ میں سے احمد آباد کے واردین وصادرین تک کو بھی ہم نے اس میں ذکر کیا ہے۔ کیونکہ احمد آبادی (منسوب بہ احمد آباد) حضرات کا ذکر صرف مدِّ نظر نہیں کیونکہ کسی جگہ کی طرف نسبت کے لئے یا تو مولد، مدفن دونوں شرط یا دونوں میں سے ایک ضروری یا جیسا کہ عبداللہ بن المبارک کا قول ہے کہ چار سال وہاں کا قیام ضروری ہے۔ تب اس مقام کی طرف نسبت کی جاسکتی ہے۔ (تدریب الراوی ص۵۳۲)

چونکہ یہ کتاب برطانیہ میں ترتیب دی گئی جہاں مراجع ہندوستان کی طرح بسہولت میسّر نہیں اس لئے جتنے حضرات کے احوال مل سکے ان پر اکتفاء کیا گیا۔ استیعاب کے ارادے سے کتاب کی اشاعت کی تاخیر کی رائے نہیں ہوئی اسی لئے بعض حضرات کے ذکر و تذکرے پر یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ اس میں جن اساتذہ اور تلامذہ کا ذکر ہے ان کے احوال مذکور نہیں۔

اسی بنا پر بعض بہت مشہور حضرات کے احوال میں بھی تشنگی محسوس ہوگی۔ راقم الحروف کا نشو ونما گجرات میں ہونے کے باوجود احمد آباد کی زیارت نہ ہوسکی حالانکہ ہزاروں دفعہ سڑکوں پر نصب کیا ہوا کتبہ کہ احمد آباد یہاں سے اتنے میل ہے نظروں سے گذرتا رہا، دیہاتی پن کا غلبہ یا بے ذوقی کہئے کہ ایسے تاریخی شہر کی زیارت سے محرومی رہی۔

ایک دفعہ زیارت کا شوق ضرور رہا جب میں نے ایک دوست سے

پوچھا کہ آپ کو یہ قبور کے مکاشفہ کی ابتدا کیسے ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ شاہ احمد کھٹوئیؒ کے مزار پر حاضری کے ساتھ ہی یہ سلسلہ انکی ہم کلامی کے شرف سے شروع ہوا۔

قارئین میں سے جو حضرات تاریخ دان ہیں وہ بقصد اصلاح مطالعہ فرمائیں اور راقم الحروف یا ناشرین کو اغلاط سے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ کی اشاعت میں ان اغلاط کی اصلاح کر لی جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان قدسی صفات اولیاء کے مجاہدات اپنانے کی اور ان کے علمی روحانی سلاسل سے وابستہ رہنے کی ہم سب کو توفیق عطاء فرمائے۔ انکی طرح سے عشقِ الٰہی اور عشقِ محمدی کی دولت سے ہمیں بھی سرشار فرمائیں۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تعالیٰ عَلیٰ خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَاٰلِہٖ وصحبہ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

یوسف متالا

جمعۃ المبارک ۱۳ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ

قدوم صحابۂ کرام سب سے پہلے گجرات میں

امیرالمومنین سیدنا عمر بن خطاب رضؓ نے ۱۵ھ/۶۳۶ء میں جب حضرت عثمان بن ابی العاص رضؓ کو بحرین اور عمان کا گورنر بنا کر بھیجا تو انہوں نے اپنے بھائی حکم بن ابی العاص رضؓ کو فوج دے کر گجرات روانہ فرمایا۔ بمبئی کے قریب تھانہ اور بھروچ وغیرہ فتح کرکے یہ فوج سالم و غانم واپس گئی اور دوسری مرتبہ حکم بن ابی العاص رضؓ نے بھروچ وغیرہ کے ساحلی علاقوں پر حملہ کیا اور اپنے بھائی مغیرہ بن ابی العاص رضؓ کو دیبل (یا دیول) جو بندر لاہری سے پانچ میل کے فاصلے پر واقع ہے اس پر حملے کے لیے بھیجا اور دونوں جگہ کامیابی حاصل ہوئی۔

پھر امیرالمومنین سیدنا عثمان رضؓ نے اپنے دور خلافت میں ہندوستانی علاقے پر برابر توجہ مرکوز رکھی اور گورنر عراق عبداللہ بن عامر بن کریز کو اس کا حکم دیا جنہوں نے تحقیق کیلئے حکیم بن جبلہ العبدی کو بھیجا۔

امیرالمومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے ۳۹ھ/۶۵۹ء میں حارث بن مرہ عبدی کو اس طرف بھیجا اور انہوں نے کامیابی حاصل کی اور وہ (۴۲ھ/۶۶۲ء) میں شہید ہوئے۔

سیدنا حضرت معاویہؓ کے دور میں (۴۴ھ/۶۶۴ء) میں مہلب ابن ابی صفرہ نے اس علاقے میں جہاد کے تسلسل کو جاری رکھا۔ والی سجستان عباد بن زیاد ۵۳ھ سندھ اور کچھ فتح کرتے ہوئے گجرات کی بندرگاہ قندھار (گندھار) آئے سخت مقابلہ ہوا۔ یاقوت حموی نے لکھا ہے۔ وفتحها بعد ان أصيب رجال من المسلمين (معجم البلدان صفحہ ۱۶۲)

یہاں تک کہ ۸۶ھ/۷۰۵ء میں ولید بن عبدالملک کے دورِ خلافت

تھا چونکہ حجاج بن یوسف عراق کا گورنر تھا۔ اس لئے اس نے حضرت محمد بن قاسم کو سندھ و ہند پر مامور فرمایا۔ اور ۹۳ھ/ ۷۱۱ء بروز جمعہ محمد بن قاسم دیبل (سندھ) پہنچے۔ اور راجپیر کے قریب تک کے سارے گجرات کے علاقے کو فتح کر لیا۔ اسی لئے جب محمد بن قاسم نے راجہ داہر کو مارا ہے بھروچ میں اس وقت مسلمانوں کی آبادی اس قدر تھی کہ انہوں نے اس فتح کی خوشی میں اپنے یہاں بھروچ اور کھیڑہ میں راجہ داہر کے قاتل مسلمان مجاہد اور مقتول راجہ داہر اور ہر دونوں کا مجسمہ بطور یادگار نصب کیا۔ سلہ

اور ایک روایت یہ ہے کہ بھروچ اور کھیڑہ میں راجہ داہر اور اس کے قاتل قشم بن ثعلبہ اور محمد بن قاسم تینوں کی یادگاریں قائم کی گئیں۔ مگر مقدر کہ حضرت محمد بن قاسم کو صرف تین سال ملے ورنہ اسی وقت سے یہاں مضبوط و مستحکم حکومت قائم ہو جاتی۔

جب ۹۶ھ میں خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے حکم سے آپ معزول کر کے واپس بلا لئے گئے تو آپ کے بعد یزید ابن ابی کبشہ سکسکی پھر حبیب بن مہلب پھر عمر بن مسلم باہلی اس علاقے میں آئے۔ اس کے بعد ۱۰۷ھ میں جنید بن عبدالرحمٰن مرّی نے سندھ میں استحکام کے بعد گجرات کا رخ فرمایا۔ اور مارواڑ اور وہاں سے مانڈل جو ویرم گاؤں کے قریب ہے وہاں سے ڈھنج اور وہاں سے بھروچ تشریف لائے۔ اور خود جنید مالوہ کی طرف چلے گئے۔ اور حبیب بن مرّہ کو اجین کی طرف بھیجا اسی سفر میں بھرمد اور بھیل مان کے گجراتی علاقے بھی فتح ہوئے (یہ ڈھنج نہر والہ پٹن سے آگے رادھن پور کے قریب آباد تھا۔)

جنید بن عبدالرحمٰن کے بعد تمیم ابن عتبی پھر حکم بن عوانہ وغیرہ دوسرے حضرات

سلہ خلافت امویہ اور ہندوستان ص۲۸۵۔

اس علاقے پر مامور ہوتے رہے ۔ یہاں تک کہ عباسی دور شروع ہوا اور ۱۴۰ھ کے لگ بھگ خلیفہ منصور عباسی کی طرف سے ہشام بن عمرو تغلبی حاکم سندھ نے عمر بن جمل کو گجرات کی طرف خبر گیری کے لئے بھیجا ۔ وہ بھروچ کے قریب باربد (بھاڑ بھوت) پر لنگرانداز ہوئے ۔ اور خود ہشام بن عمرو نے ایک بحری بیڑا گندھار (گندھارا) کیلئے روانہ کیا جو ایک بڑا شہر اور مشہور بندرگاہ تھی ۔

اہل بیت میں سے الاشتر عبداللہ بن محمد اپنے والد کے شہید کئے جانے کے بعد کوفہ آئے وہاں سے بصرہ پھر منصورہ سندھ ہوتے ہوئے یہاں قندھار پہنچے تھے ۔ [۱]

ابن بطوطہ اپنے سفر میں کاوی سے جہاز میں سوار ہو کر یہیں اترے تھے ۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ یہاں کے راجہ کا نام جالسی ہے وہ بادشاہ اسلام کے ماتحت ہے ۔ اور ہر سال خراج ادا کرتا ہے ۔ جب ہم قندھار پہنچے تو وہ ہمارے استقبال کو باہر آیا تعظیم کی اور اپنا محل خالی کر دیا اور ہمیں اس میں اتارا ۔ غرض ہشام بن عمرو تغلبی فاتحانہ قندھار میں داخل ہوئے اور ایک بدھ مدرسے کی جگہ مسجد تعمیر کروائی ۔

خلیفہ مہدی عباسی نے ۱۵۹ھ / ۷۷۵ء میں عبدالملک بن شہاب مسمعی کو جہاد کے لئے بھیجا جن کے ساتھ فوج کے علاوہ منظوعین (والنٹیر VOLENTEER) علماء و مشائخ کی ایک جماعت بھی تھی ۔ یہ مجاہدین بھروچ کے قریب بھاڑبھوت شہر میں اترے اور یہاں فتح پائی مگر یہاں کے قیام میں وبا پھیلی جس میں فوج کے کافی مجاہدین شہید ہو گئے ۔ جن میں ابوبکر، ربیع ابن صبیح سعدی بھی ہیں ۔ جو جلیل القدر تابعی اور عظیم محدث ہیں ۔

---

[۱] مقاتل الطالبین ص ۳۱۱ ۔

اس کے تقریباً چالیس سال بعد مامون کے دور خلافت میں فضل بن ماہان نے بمبئی اور سورت کے درمیان "سندان" نامی ساحلی شہر فتح کیا جس کے متعلق فتوح البلدان میں ہے۔

كان الفضل بن ماهان مولى بني سامة فتح سندان وغلبها وبعث الى المامونؒ بفيل وكاتبه ودعا له في مسجد جامع اتخذه بها ۔

بنو سامہ کے غلام فضل بن ماہان نے سندان فتح کرکے اس پر غلبہ حاصل کر لیا۔ اور خلیفہ مامون کی خدمت میں ہاتھی بھیجا اور اس سے خط وکتابت جاری کی اور اس کے لئے جامع مسجد میں دعا کی جسے اس نے سندان میں تعمیر کیا تھا۔

(فتوح البلدان ص۴۳۳)

"سندان" اس قدر اہمیت کا حامل تھا کہ بنو ہبّار کے دارالسلطنت منصورہ کے چار دروازوں میں سے ایک کا نام "باب سندان" تھا۔ سندان کی یہ حکومت اس قدر مضبوط تھی کہ فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ "ان کے یہاں ایک بہت بڑا بحری بیڑا بھی تھا۔ چنانچہ لکھا ہے:

فلما مات قام محمد بن الفضل بن ماهان مقامه فسار في سبعين بارجة الى الهند فقتل منهم خلقا وافتتح فالي ورجع الى سندان وقد غلب عليها اخ له ۔

(فتوح البلدان ص۴۳۲)

فضل بن ماہان کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا محمد بن فضل بن ماہان جانشین ہوا۔ اور ستر جہازوں کا بیڑا لے کر ہندوستان کے بحری ڈاکوؤں کی سرکوبی کے لئے نکلا اوران کی بڑی تعداد کو ختم کردیا۔ نیز اس نے پالی (بالی تھانہ) کو فتح کیا اور جب سندان واپس آیا تو اس کا بھائی

سندان پر قبضہ کرچکا تھا۔

سندان کی حکومت کا حلقہ ابن خرداذبہ ۔۔۔۔۔ کی روایت کے اعتبار سے دہنج، پالی، اور بھروچ تک پھیل گیا تھا۔ پالی گھوگہ بندرگاہ کے قریب واقع ہے یہاں پالی تھانہ کا جینیوں کا مندر بھی بہت مشہور تھا۔

بحری قزاقوں کی سرکوبی کر کے محمد بن فضل واپس آئے تو ان کے بھائی ماہان بن فضل بن ماہان قابض ہو چکے تھے۔ مگر اس کو تو ہٹا کر عوام کی حمایت کیوجہ سے سولی دے کر ہلاک کر دیا گیا لیکن یہ نوخیز حکومت اس اختلاف کی متحمل نہ ہوئی اور مقامی غیر مسلموں نے دوبارہ سندان پر قبضہ کرلیا البتہ جامع مسجد اور اس کے اندرونی انتظام کو اپنے حال پر رہنے دیا۔

فتوح البلدان میں ہے۔

"وغلبوا علی سندان فترکوا مسجدها للمسلمین یجمعون فیہ ویدعون للخلیفۃ۔"

آپس کے اسی اختلاف کو ابو العتاھیہ (م ۲۱۱ھ/ ۸۲۶ء) نے ان اشعار میں ذکر کیا ہے۔ ۔

ما علی ذا افترقنا بسندان وما ھکذا عھدنا الاخاء

ہم نے کس بات پر سندان میں باہمی افتراق و اختلاف کیا ہم نے تو اس طرح کی بھائی بندی نہیں دیکھی تھی۔

تضربی لناس بالمهند البیض علی غدرھم وتنسی الوفاء

تم لوگوں کو انکی بے وفائی پر ہندوستان کی شمشیر براں سے مار رہے ہو اور ان کی وفاداری کو بھول گئے ہو۔ (الاغانی ص ۵۲ ج ۴ طبع بیروت ۱۹۵۵ء)

بعد میں سندان (سنجان) ولہب رائے گجرات کے راجہ کی حکومت کا حصہ بن گیا جیسا کہ ابوالحسن، علی بن حسین مسعودی ۳۰۳ھ/۹۱۵ء میں ہندوستان آئے اس وقت سندان ولہب رائے کے ماتحت تھا۔ مسعودی لکھتے ہیں کہ:" یہاں سونے اور چاندی کی کانیں ہیں اور لین دین اسی سے ہوتا ہے۔ اور میں ہند کے ضلع لار (بھروچ سے تھانہ تک) کے شہر میمور (چیمور) میں داخل ہوا جو ولہب رائے کی سلطنت میں داخل ہے۔ اور یہ واقعہ ۳۰۴ھ/۹۱۶ء کا ہے۔ آجکل چیمور پر جو بادشاہ ہے وہ جاج (جھانجھ) کے نام سے مشہور ہے اور اس وقت یہاں دس ہزار مسلمان ہیں جن میں بیاسرہ کے علاوہ سیراف، بصرہ، بغداد نیز دیگر ممالک کے لوگ ہیں۔ اگر اسی ایک شہر کے دس ہزار مسلمانوں کا حساب کیا جائے اور چھ سو سال تک المضاعف کیا جائے کہ ہر دس سال میں آبادی دوگنا ہو جاتی ہے تو کروڑ سے زیادہ تعداد ہو جائے گی۔ نتیجہ نکلے گا کہ گجرات میں مقیم مسلمان انہیں عربوں کی نسل سے ہیں۔ جنہوں نے شادیاں کر کے اسی ملک کو اپنا وطن بنا لیا ہے۔ یہاں تاجروں کی جماعت میں بڑے بڑے لوگ موجود ہیں جیسے موسیٰ ابن اسحاق، سید ابوری اور ہزمند کے عہدے پر آجکل ابوسعید ہیں جو ابن زکریا کے نام سے مشہور ہیں اور ہزمند اس عہدے کا نام ہے جس پر تمام مسلمان متفق ہو کر ایک شخص کو اپنے میں سے جو بڑے پائے کا ہو مقرر کرتے ہیں پھر اس کے حکم کے تابع رہتے ہیں گویا وہ امیر قوم ہوتا ہے۔

"ابوریحان بیرونی ۴۰۸ھ/۱۰۱۷ء نے بھی اپنی کتاب "الہند" میں سندان کو بڑے شہروں میں ذکر کیا ہے۔
گجرات کے مشہور شہر بیرونی نے یہ گنوائے ہیں۔
۱۔ انہلواڑہ سومنات ۲۔ لار دیش یعنی بھروچ ۳۔ رہن جوڑ یعنی راندیر

۵ کچھ ۶ کھمبایت ۷ اساول ۸ سندان ۹ سوپارہ ۱۰ تھانہ ۱۱ دوارکہ ۱۲ بھیلمان ۔

اسی علاقے میں آباد مسلمانوں کے ساتھ جو نوابی طرز کے چھوٹی چھوٹی حکومتیں محدود ہوکر رہ گئی تھیں چاروں طرف کی بڑی غیر مسلم حکومتیں انکو ستاتی رہتی تھیں۔ انہی مظالم کے ازالے کے لیئے عباسی خلیفہ کا اشارہ پاکر سلطان محمود غزنوی نے غیر مسلم حکومتوں کی گوشمالی کے لیۓ اس علاقے کے متعدد بار دورے فرمائے ۔ اور فتح کی اطلاع بغداد بھیجی اور عباسی خلیفہ کی طرف سے خلعت آئی ۔ ان کا مقصد مظلوم مسلمانوں کی نصرت تھا خود شہر پٹن گجرات میں بھی انکی آمد کے وقت بعض مشائخ اور علماء تھے ۔ اسی لیۓ انہیں نہر والہ پٹن بہت پسند آیا ۔ آپ کا ارادہ غزنی پر شہزادہ مسعود کو متعین کرکے خود دوسرا پایۂ تخت پٹن کو بناکر اس میں قیام کا تھا مگر ارا کین حکومت نے اتفاق نہ کیا ۔

یہاں کے مسلمانوں اور مشائخ کے بلانے پر آپ آئے تھے کیونکہ شیخ محمد بن حسن بن علی عراقی (متوفی ۴۱۶ ھ) جو محمود شاہ منگرولی کے نام سے مشہور رہیں ان کے پاس ایک بڑھیا فریاد لے کر آئی کہ میرا اکلوتا بیٹیا مارا گیا شیخ محمد ابن حسن نے غیر مسلم حکام سے فریاد کی مگر شنوائی نہ ہوئی تب آپ نے اس بڑھیا کی معرفت سلطان محمود کو خط بھیجا جس میں یہاں کے مسلمانوں کی مشکلات بتاکر لکھا کہ تم ہندوستان پر حملے کرتے ہو مگر خاص پٹن کے مسلمانوں کو جو تکالیف ہیں ان کو دور نہیں کرتے چنانچہ سلطان محمود خط پڑھتے ہی چل پڑے

احمدآباد کی بناؤ تعمیر ابتدائی نویں صدی ہجری میں ہے ۔ مگر دہاں ۱۴ ار ربیع الاول ۴۴۵ ھ کا مسجد کا ایک کتبہ ملتا ہے جو سلطان محمود غزنوی کے چند ہی سال کے بعد کا ہے ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان یہاں بھی

قدیم زمانہ سے آباد تھے۔ کتبہ کی عبارت یہ ہے۔

ھٰذا المسجد فی الرابع والعشرین من ربیع الاوّل و سنۃ خمس واربعین واربعمائۃ۔

مولانا ابوظفر ندوی تاریخ گجرات میں لکھتے ہیں کہ :

اساول جو احمدآباد بسنے کے بعد اس سے ملحق ہوگیا ایک مرکزی اور تجارتی مقام تھا، مسلمانوں کی بڑی آبادی تھی۔ ایک مسجد کا کتبہ برآمد ہوا ہے اس پر ہے

ھٰذا المسجد فی الرابع والعشرین ربیع الاول سنۃ خمس واربعین واربع مائۃ ۴۴۵ھ آجکل کانچ کی مسجد جمال پور میں کتبہ موجود ہے۔ [1]

اس کے بعد کے قریبی دور میں علماء، محدثین بھی ملتے ہیں جیساکہ مندرجہ ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ۴۴۵ھ سے پہلے گجرات میں تصنیف وتالیف کا کام جاری تھا۔ مولانا ابوظفر ندوی نے بھروچ کے محکمۂ قضاء کے کتب خانہ کی جن کتابوں کو دیکھا اس میں عین الوفاء بھی ہے وہ لکھتے ہیں: عین الوفاء فی ترجمۃ الشفاء، شفاء قاضی عیاض (متوفی ۴۴۵ھ) کی سیرت نبوی میں مشہور اور مستند کتاب ہے، عین الوفاء کے نام سے ابوبکر بن احمد بھروچی نے خود مصنف کے اشارہ سے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی عیاض اور ابوبکر بھروچی دونوں ہم عصر ہیں۔

سلطنتِ گجرات

سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں ہندوستان کے نظم ونسق میں جو ابتری پھیلی اس کا اثر گجرات پر بھی پڑا۔ گجرات کے گورنر نظام مفرح راستی خاں نے

[1] معارف، تاریخ گجرات ص ۲۵۲۔

علم بغاوت بلند کیا محمد تغلق ایک کمزور حکمراں ثابت ہوئے۔ وہ اس بغاوت پر قابو نہ پا سکے بالآخر انہوں نے اپنے ایک امیر ظفر خاں کو گجرات کا گورنر نامزد کیا۔

ظفر خاں حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت کے عقیدت مند اور مرید تھے۔ اور حضرت والا نے انہیں بادشاہت کی دعا سے سرفراز فرمایا تھا۔ اگرچہ انکی طبیعت میں ہوس اقتدار کو مطلق دخل نہیں تھا تاہم جب ۸۰۱ھ میں امیر تیمور گورگان نے دہلی پر حملہ کرکے تغلق خاندان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا تو اس انتشار اور خانہ جنگی کے ماحول میں ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا کہ صوبہ گجرات میں ایک مضبوط حکومت کی بنیاد رکھیں۔ چنانچہ حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ کی دعا کی یہ تاثیر تھی کہ علماء و مشائخ کے مشورے اور امراء دربار کے اصرار پر ۸۱۰ھ میں انہوں نے مظفر شاہ کا لقب اختیار کرکے گجرات کی خود مختار بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

سلطان مظفر خاں بانیٔ سلطنت گجرات کا انتقال ۸۱۳ھ میں ہوا۔ ان کے مرنے کے بعد ان کے پوتے احمد شاہ تختِ سلطنت پر متمکن ہوئے وہ بھی اس خانوادہ بخاریہ کے انتہائی عقیدتمند تھے۔ اور حضرت مخدوم کے پوتے حضرت قطب العالم برہان الدینؒ کے دامن ارادت سے وابستہ تھے۔ حاجی دبیر آصفی لکی نے جن کا اصل نام عبداللہ محمد بن عمر ہے۔ ایک کتاب سلطان مظفر خاں والیٔ گجرات اور انکی اولاد احفاد کے بارے میں ظفر الوالہ بمظفر وآلہ کے نام سے ترتیب دی۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں!

وسبقت الاشارة فی ترجمة مظفر سلطان گجرات الیٰ البشارة له بالسلطنة من القطب الربانی مولانا جلال الدین المخدوم جہانیاں قدس سرہٗ [1]

یعنی گجرات کے سلطان مظفر کے حالات میں یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے کہ

---

[1] ۱۹۱۲ء مطبوعہ لندن۔

ان کو سلطنت کی خوشخبری حضرت قطب ربانی مولانا جلال الدین مخدوم جہانیاں جہانگشت نے دی تھی ۔ [1]

زین البلاد احمد آباد

کچھ نام کے بارے میں : بانیوں اور باشندوں نے تو اس شہر کو احمد آباد نام دیا ۔ اسی نام پر شعرا نے بنا و ناسیس کی تاریخ بتانے والے اشعار کہے مگر شہنشاہ جہانگیر مسلسل سفر یا کسی وجہ سے احمد آباد پہونچکر بیمار ہو گئے تو انہوں نے کچھ اور نام بھی دیئے ۔ وہ خود فرماتے ہیں ۔

مجھے حیرت ہے کہ اس شہر کے بانی کو اس نامبارک مقام میں کونسی خوبی اور لطافت نظر آئی تھی کہ اُس نے یہاں شہر بسایا ، پھر اُس کے جانشینوں پر بھی آفریں ہے کہ انہوں نے بھی اپنی عمریں اس خاک ڈان میں گذار دیں ۔ اس کی ہوا مسموم ہے ، زمین ریگ زار ہے ، پانی کمیاب ہے ، گرد و غبار کی کثرت ہے ، پانی نہایت بُرا اور ناگوار ہے ، شہر کے کنارے جو نالہ بہتا ہے ۔ برسات کے دنوں کے علاوہ ہمیشہ خشک رہتا ہے ، کنویں کا پانی کھارا بلکہ کڑوا ہے ۔ شہر کے جو تالاب ہیں وہ دھوبیوں کے کپڑا دھوتے رہنے کیوجہ سے صابون کی جھاگ سے اس قدر بھرے رہتے ہیں کہ انکا پانی کچی لسّی کی طرح دکھائی دیتا ہے ۔ حیثیت رکھنے والے لوگوں نے اپنے گھروں میں پانی کے ذخیرے بنائے ہوئے ہیں جنہیں برسات کے دنوں میں بارش کے پانی سے بھر لیا جاتا ہے ۔ اگلی برسات تک انہی ذخیروں سے پانی لے کر پیا جاتا ہے ۔ لیکن ایسا پانی جس تک ہوا کا گذر نہ ہو اس کے مضر اثرات ظاہر ہیں ۔ شہر کے باہر سبزہ و گل کے بجائے تھوہروں کی

---

[1] خطہ پاک اوچ ص۲۳۱ ۔

جھاڑیاں لگی ہوئی ہیں ۔ ایسی ہوا جوان ٹھوھروں پر سے ہو کر آتی ہو اس کے اثرات کیا ہوں گے اس کا قیاس کرنا آسان ہے

اے تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم

میں نے اس سے پہلے احمدآباد کو گردآباد کا نام دیا تھا اب سمجھ میں نہیں آتا کہ اُسے سموم ستان کہوں یا بیمارستان ، ٹھوہرآباد کہوں یا جہنم زار جوان سب اوصاف کا حامل ہے ۔ اگر برسات کا موسم رکاوٹ کا باعث نہ ہوتا تو ایک دن بھی اس مصیبت کدہ میں ٹھہرنا گوارہ نہ کرتا ۔ [1]

سبحان رائی نے غلطی سے خلاصۃ التواریخ ص۵۵ میں اس کو اکبر کے الفاظ میں پیش کیا ہے بلکہ جہانگیر کا یہ سفر احمدآباد اکبر کا سفر بنا کر لکھ دیا ہے ۔

یہ کل آٹھ نام شہنشاہ جہانگیر نے بیماری سے تنگ ہو کر اس شہر کو دیئے ہیں اگرچہ اورنگزیب عالمگیر احمدآباد کو ہندوستان کی زیب و زینت کہا کرتے تھے ۔ [2]

شاید اس میں اس بات کو بھی دخل ہو کہ اورنگزیب پیدائشی گجراتی ہیں ۔ اس لئے کہ آپ کی جائے ولادت دوحد (داھود) گجرات ہے ۔ چنانچہ توزک جہانگیری ص۲۰ پر لکھا ہے ۔

"ہفتہ ۱۱ رماہ آبان کو دوحد پرگنے میں نزول اجلال کیا ، اتوار ۱۲ رماہ آبان سن ۱۳ جلوس کو بمطابق ۱۵ ذیقعدہ ۱۰۲۷ھ طالع میزان کے نوے درجہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آصف خاں کی لڑکی کے بطن سے شاہجہاں کو ایک فرزند عطا کیا ۔ امید ہے کہ اسکی پیدائش اس سلطنت کے لئے مبارک ثابت ہوگی ۔ پرگنہ دوحد کی منزل میں تین دن قیام رہا"

اور حضرت شیخ عبدالحق محمد دہلوی رح بھی سال بھر گجرات میں مقیم رہے انکے نام فیضی کا خط ہے جسمیں وہ ۔

---

[1] توزک جہانگیری ص۲۰۹ [2] مرآۃ احمدی جلد اول ص۲۷

احمدآباد کو رشکِ گلشنِ فردوس کے نام سے موسوم کرتے ہیں ۔ ان کے اشعار یہ ہیں ؎

منم کہ کشتۂ گجراتیاں بیدادم — خراب عشوۂ خوبان احمدآبادم
سہی قوی ز سر ناز جلوۂ نمود — کہ ہم چو سایہ بدنبال آں بیفتادم
بہر طرف کہ خرامید سرو آزادی — غلام او شدم و خطِ بندگی دادم
چو رشک گلشن فردوس احمدآباد ست — از دمباد بر دم کنند چوں آدم!
بروں نرفتن از آں جا تصور یست محال — چرا بروں نروم من ہم آدمی زادم
بحسن مردم گجرات یاد نیست و لے — بمیروند جوانانِ دہلی از یادم
حدیث عشق تو فیضی کہ نقل متان است — بزم جرعہ کش دہلوی فرستادم

ایک شاعر یہاں کی آب و ہوا کی تعریف اس طرح کرتا ہے ؎

ہوایش معنبر چو باد بہار — نسیمش معطر چو مشک تتار
بصورت نمودار باغ بہشت — ہمہ خاک او مشک و عنبر سرست
ریاضش مفرح تر از بوستان — و زرد بوستان ارم بوستان
شدہ صیت او در بسیط زمین — ز ملک عرب تا بسر حد چین

اخبار الاخیار میں شاہ عالم کے حالات میں شیخ لکھتے ہیں !

آپ قطب عالم کے بیٹے تھے ، آپ کا نام شاہ منجھن لقب شاہ عالم تھا۔ آپ کی قبر احمدآباد میں ہے ، آپ کا روضہ اس علاقہ کے رہنے والے لوگوں کی زیارت گاہ ہے اور ایک ایسے پاکیزہ ، بلند لطیف اور نظیف علاقہ میں واقع ہے جو بہت کشادہ اور وسیع خطہ ہے ، جمعرات کو شہر کے اچھے اور برے سبھی لوگ آپ کے مزار پر جاتے اور رات بھر وہیں رہتے ہیں ۔

مشہور ہے کہ شاہ عالم کی تصوف اور سلوک میں کچھ عجیب سی حالت تھی اکثر اوقات آپ پر مستی کا عالم چھایا رہتا تھا کبھی کبھی ریشمی لباس بھی پہن لیا

کرتے تھے، اور ملامتیہ فرقے کے پیرو کار نظر آتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ کی ولایت پر کھلے اور واضح دلائل موجود تھے، اور شیخ احمد کھٹو آپ کی تربیت وارشاد کے ذمہ دار تھے، آپ کثیر الکرامات بزرگوں میں تھے، ۸۰۰ھ میں آپ نے وفات پائی جس کے عدد کو لفظ، فخر، ظاہر کرتا ہے، شیخ قطب عالم اور شاہ عالم کے کچھ خلفا بھی احمد آباد میں مدفون ہیں، گجرات کے مشہور شہر پٹن میں خاص طور پر شیخ نظام الدین اولیاء کے مشہور خلیفہ شیخ حسام الدین ملتانی کا مزار بہت مشہور ہے جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ یہ علاقہ ایسا ہے کہ یہاں سے عشق ومحبت کی خوشبو آتی ہے اور اس کے جنگلوں اور کھنڈروں سے ولایت کی برکت کے انوار درخشاں معلوم ہوتے ہیں، یہ شہر ہمیشہ اہل دل کی آماجگاہ ہے اسلئے آج بھی اس میں اہل دل بستے ہیں۔ ؎

بہر زمین کہ نسیمے ززلف او زدہ است ہنوز از سر آں بوئے عشق می آید

غرضیکہ آپ اپنے وقت کے علماء اور مقبولان درگاہ رب العلیٰ لوگوں میں سے تھے اور آپ کی برکت کے اثرات ابھی تک اس شہر میں نظر آتے ہیں۔

بانیٔ احمد آباد

سلطان احمد شاہ

سلاطین گجرات کے یہاں ہمیشہ یہ ضابطہ اور طریقہ رہا کہ اپنی اولاد کے لئے وہ خاں کا لفظ بڑھاتے تھے۔ اور جب تخت سلطنت پر پہنچتے تو اپنے لئے سلطان کا لقب اختیار کرتے۔ اس لئے جب سلطان مظفر شاہ کا انتقال ہو گیا تو ۱۴ رمضان المبارک ۸۱۳ھ میں ان کے صاحبزادے احمد خاں نے سلطان احمد شاہ کا لقب اختیار کیا اور سلطان احمد کے لقب سے

ساتھ تخت سلطنت پر بیٹھے ، سب سے پہلا فتنہ جو آپ کے دور سلطنت میں اٹھا وہ مودود فیروز خان کی طرف سے تھا جو بڑودہ کے امراء میں سے تھے ۔ اس کو فرو کیا گیا ۔ بھروچ سے واپسی میں اُساول پہنچ کر آپ کو اسا بھیل کی بیخ کنی کا خیال پیدا ہوا ۔

اسی سال میں بدرالمحققین شیخ احمد کھٹو گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی رخصت اور اجازت سے آپ نے احمدآباد شہر کی آبادی کے لئے اس کی بنیاد رکھی ۸۱۴ھ میں آپ نے ایدر کے راجہ پر فوج کشی کی اور اس نے فرار کی راہ اختیار کی اور بعد میں نادم ہوکر معافی مانگی اور معتدبہ رقم کی پیشکش کی سلطان نے اس کو معاف کردیا

پہلے سلطان علاء الدین نے ایک خطِ طولانی اسلامی گجرات میں کھینچ دیا تھا جو پٹن سے لے کر بھروچ تک تھا جس سے اسلام کی روشنی ظاہر ہوتی تھی اور یہ اسلامی علاقہ بن گیا تھا لیکن ابھی اطراف و جوانب میں کفر کی ظلمت باقی تھی جس کو سلاطین گجرات نے بتدریج آہستہ آہستہ اچھی طرح صاف کیا ان میں سے بہت سی جنگوں سے کفر کی ظلمت دور کرنے میں یہ سلطان احمد خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ انہوں نے ۸۱۶ھ میں گرنار کے کفار کے خلاف عَلَم جہاد بلند کیا جو سوراشٹر میں تھے ۔ راجہ منڈلیک کو شکست دی وہ قلعہ بند ہوا ۔ اسی طرح گرنار پہاڑ کے دامن میں جوناگڑھ نامی جو قلعہ تھا ۔ اس پر سلطان نے قبضہ کیا سوراشٹر کے اکثر زمیندار آپ کے مطیع و فرمانبردار ہو گئے ۔

۸۱۹ھ میں قصبہ دھار کی جانب آپ نے فوج کشی کی ۔ ۸۲۱ھ میں سوکٹرہ پر حملہ کیا اور اس کو فتح کر کے ۸۲۲ھ میں سوکٹرہ کا حصار اور قلعہ آپ نے تعمیر کیا وہاں عظیم الشان مسجد آپ نے تعمیر فرمائی ۔ اسی سال میں سوکٹرہ کے مضافات میں مانکی نامی جگہ میں آپ نے شہر پناہ بنائی ۔

آپ کے حکم کے بموجب اسی مدت میں شمس خاں دندانی جو سلطان کے عم زاد بھائی تھے اور ناگور میں حاکم تھے وہ اجازت لے کر واپس آ گئے ۔ ان کو دندانی اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے دندانِ رباعیہ معمول سے زیادہ طویل تھے ۔

۸۲۳ھ میں خاص طور پر آپ نے مملکت کے تمام اطراف میں نظم و ضبط کی بحالی کے لئے کوشش کی اور جہاں کہیں تھوڑی سی بے انتظامی دیکھی اور سرکشی و بغاوت کو دیکھا تو اسے ختم کیا ۔ باغیوں کے تمام مراکز کو گرادیا اور ان کی جگہوں پر مساجد تعمیر کی گئیں، قلعے بنائے گئے ، محافظین متعین کئے گئے ، سب سے پہلے اس سلسلے کا قلعہ چتوڑ میں تعمیر کیا گیا اس کے بعد قصبہ دھاھود جو کوہستان کے درمیان میں ہے اس کو آباد کیا گیا ، وہاں قلعہ و شہر پناہ تعمیر کی گئی ۔ اسی طرح اس کے بعد کاریٹھ کا قلعہ تعمیر کیا گیا اس لئے کہ سلطان علاؤ الدین خاں نے ۷۰۴ھ میں اس کو تعمیر کیا تھا وہ مرمت طلب ہو گیا تھا ، اس کی مرمت کی گئی ۔ ۸۳۰ھ میں ایدر کے راجہ کی طرف سے عہد شکنی کی بنا پر فوج کشی کی گئی وہ بھاگ کر کوہستان چلا گیا ۔

ایدر سے دس کوس پر سلطان احمد شاہ نے گجرات کی سرحد پر احمد نگر نامی شہر آباد کیا اور شہر کا سارا قلعہ پتھر سے تعمیر کرایا اور خود اس کو اپنی اقامت کا شرف بخشا ۔ اس کے بعد ۸۳۱ھ میں کہی کو فتح کیا گیا ۔ اس کے بعد دو سال تک دارالسلطنت میں رہ کر ملک کا نظم و ضبط درست کیا خاص طور پر آپ نے فوجیوں کی تنخواہ وغیرہ کے معاملے پر توجہ دی اور ان کے لئے نصف تنخواہ کی جاگیر اور نصف تنخواہ نقد دینے کا فیصلہ کیا جو سلطان بہادر کے دور تک اسی طرح چلتا رہا ۔

ملک کو مستحکم کرنے کے بعد ہر سال سلطان کبھی ایدر کی جانب فوج کشی

کرتے اور کبھی نصیر خان اسیر کے راجہ پر فوج کشی ہوتی، کبھی سلطان احمد بہمنی کی تادیب کی جاتی کبھی میواڑ یعنی میوات کی جانب فوج بھیجی جاتی کبھی خود تشریف لے جاتے کبھی فوجیوں کو بھیجا جاتا۔

پوری آپ کی مدتِ سلطنت میں کہیں آپ کو شکست نہیں ہوئی ہمیشہ لشکر گجرات فتح یاب رہا جیسا کہ منڈو، دکن اور میوات وغیرہ پر ہمیشہ فوج کشی میں کامیابی رہی یہانتک کہ ۸۴۶ھ میں آپ نے احمد آباد میں داعی اجل کو لبیک کہا اور آپ کو مانک چوک میں واقع قبرستان میں جامع مسجد کے سامنے دفن کیا گیا ہے۔ آپ ۷۹۳ھ ۱۹ ذی الحجہ میں پیدا ہوئے تھے اور بیس سال کی عمر میں آپ تخت سلطنت پر بیٹھے اور تینتیس سال چھ مہینے اور بائیس دن سلطنت کرکے اللہ کو پیارے ہوگئے۔ آپ کی عمر باون سال اور چند ماہ ہوئی۔ آپ شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے جن کو شیخ رکن الدین کان شکر کہا جاتا ہے جو عدل وتقوی اور سخاوت و بزرگی میں بے نظیر تھے۔

سلطان کے داماد نے جوانی کے نشے میں کسی کو ناحق قتل کردیا۔ سلطان نے اس کو قاضی کے سامنے بھیجا قاضی نے مقتول کے ورثاء کو دیت پر راضی کرلیا مگر جب سلطان کے پاس قصہ پہنچا تو سلطان نے کہا کہ مجھے دیت منظور نہیں اس لئے کہ اس طرح تو ارکانِ سلطنت ناحق قتل و خون پر دلیر ہو جائیں گے۔ تو یہاں دیت کی بہ نسبت قصاص اولیٰ ہے اور حکم دیا کہ قاتل سے سربازار اس کا قصاص لیا جائے اور سولی پر لٹکا دیا جائے۔ چنانچہ اسی کے بموجب چوبیس گھنٹے ان کی لاش لٹکی رہی دوسرے دن آپ نے حکم فرمایا اور اس کو دفن کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان کے اُمراء اور فوجیوں اور سپاہیوں میں سے کسی نے ناحق خون کی ہمت پھر نہیں کی۔ اس کے

قریب ایک دوسرا قصہ آپ کے متعلق منقول ہے کہ ایک دفعہ سلطان سابرمتی کے کنارے محل کے بالاخانے پر بیٹھے دریا کا نظارہ کر رہے تھے اتنے میں دیکھا کہ کوئی سیاہ چیز پانی پر تیرتی ہوئی آرہی ہے آپ نے حکم فرمایا پھر اس کو لایا گیا دیکھا کہ ایک مٹکا ہے اس میں کسی مردہ شخص کی لاش رکھی ہوئی ہے آپ نے شہر کے تمام کلالوں کو اور مٹی کے برتن بنانے والوں کے متعلق حکم دیا پھر انہیں حاضر کیا گیا۔ آپ نے پوچھا کہ یہ مٹکا کس نے بنایا ایک نے کھڑے ہوکر کہا کہ میں نے اور مجھ سے احمدآباد کے اطراف میں فلاں شخص رہتا ہے اس نے بنوایا تھا۔ اس کو حاضر کیا گیا تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ اس نے کسی بقال کو مار کر اس میں ڈال کر پانی میں پھینک دیا تھا۔ تو سلطان نے اس سے بھی قصاص لیا۔ ان دو ناحق خون کے سوا آپ کے ۳۲ رسالہ بلکہ ۳۳ رسالہ دور سلطنت میں تیسرے قتل کا قصہ پیش نہیں آیا۔

سلطان احمد شاہ اچھے شاعر بھی تھے۔ آپ نے سید برہان الدین قطب العالم رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں یہ شعر کہے ہیں۔ ؎

قطب زمانۂ ما برہان بس است مارا
برہان او ہمیشہ چوں نامش آشکارا [1]

بنا احمدآباد

سلطان مظفر خاں کی وفات کے بعد ان کے پوتے سلطان احمد تخت نشین ہوئے وہ بھی شیخ احمد کھتوی کے مرید ہو گئے تھے ان سے ایک [2] دن سلطان احمد نے التماس کی کہ حضور مجھے حضرت خضر سے ملائیے۔ آپ نے فرمایا

---

[1] مرآت احمدی جزو اول صفحہ ۳۵۷ [2] خزینۃ الاصفیاء ج ۱۔

میں حضرت خضر سے پوچھتا ہوں ۔ اگر وہ مان گئے تو بہتر ۔
انہوں نے پوچھا تو حضرت خضر نے کہا انہیں چالیس دن تک عبادت خداوندی میں رہنا چاہئے ۔ چنانچہ سلطان ایک ماہ تک چلہ میں رہے پھر حکم ہوا کہ دو چلے مزید کاٹیں تین چلے مکمل کر دیئے گئے تو سلطان احمد حضرت شیخ احمد کے حجرے میں بیٹھے تھے کہ نماز صبح کے بعد حضرت خضر تشریف لائے ۔ دورانِ گفتگو سلطان احمد نے درخواست کی حضور مجھے عجائبات دنیا سے کوئی حیران کن چیز دکھائیں آپ نے فرمایا ! دریائے سابرمتی کے کنارے پر جہاں آجکل صحرا ہے ایک شہر آباد تھا اس شہر کا نام تھا باداں باد ۔ وہاں کے لوگ بڑے خوشحال اور امیر تھے ایک دن مجھے بھوک لگی میں اس شہر میں گیا ۔ ایک حلوہ فروش کی دکان پر پہنچا اور تین تنکے دے کر حلوہ خریدنا چاہا دکاندار نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا تم مجھے درویش دکھائی دیتے ہو ۔ میں تم سے پیسے نہیں لونگا ۔ ہاں حلوہ جس قدر چاہو کھالو ۔ کچھ عرصہ بعد میں پھر وہاں سے گذرا تو وہاں شہر والوں بازاروں اور محلات کا نام ونشان نہیں تھا ۔ ان کھنڈرات پر ایک ڈیڑھ سو سالہ بوڑھا بیٹھا نظر آیا ۔ میں نے اس سے شہر کے حالات دریافت کئے تو کہنے لگا ۔ شہر کا حال تو مجھے بھی معلوم نہیں ہے ہاں میں نے اپنے بوڑھوں سے سنا ہے کہ یہاں ایک شہر تھا ۔ جس کا نام باداں باد تھا ۔ سلطان نے حضرت خضر سے اجازت لی کہ اگر آپ چاہیں تو میں اسی مقام پر ایک شہر آباد کرنے کا حکم دوں ۔ حضرت خضر نے کہا ہاں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن ایک شرط یہ ہے کہ سارے ملک سے ایسے چار اشخاص لائیں جائیں جن کا نام احمد ہو ۔ انہوں نے اپنی (شعوری) عمر میں نماز عصر کی سنتیں بھی قضا نہ کی ہوں ۔ اور وہ اس شہر کا بنیاد رکھیں اور اس کا نام احمد آباد رکھا جائے ۔ چنانچہ

چار ایسے آدمی تلاش کرنے کا حکم دیا گیا۔ سارے ملک گجرات میں صرف دو اشخاص احمد نامی ملے۔ ایک قاضی احمد اور دوسرے ملک احمد تھے۔ لیکن ان دونوں کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ملتا۔ حضرت شیخ احمد نے فرمایا تیسرا احمد میں ہوں، سلطان احمد یہ سنکر کہنے لگا چوتھا احمد میں ہوں۔ مجھ سے آج تک عمر کی سنتیں قضا نہیں ہوئیں۔ چنانچہ چاروں ملکر دریائے سابرمتی کے کنارے پہنچے حضرت خضر نے جس جگہ کی نشاندہی کی تھی وہاں بتاریخ سات ذیقعدہ ۸۱۳ھ میں احمد آباد کی بنیاد رکھی۔ تین سو ساٹھ محلے بنائے گئے ہر ایک محلہ ایک پورا قصبہ تھا۔ (موجودہ دور میں کالونی کی تعمیر اسی طرز پر ہو رہی ہے)

مرآۃ سکندری میں لکھا ہے کہ گجرات کے سلطان احمد نے احمد آباد کی بنیاد ڈالی اس کی تعمیر کا آغاز ذیقعدہ ۸۱۳ھ / ۱۴۱۱ء اور اختتام ۸۱۶ھ / ۱۴۱۳ء میں ہوا۔ احمد نام کے چار آدمیوں نے اس کی بنیاد رکھی یعنی قطب المشائخ۔ شیخ احمد کھٹو، سلطان احمد (رسی کا ایک سرا سلطان نے پکڑا اور دوسرا شیخ احمد نے) شیخ احمد اور ملا احمد۔

اس طرح ۸۱۳ھ / ۱۴۱۳ء میں شہر احمد آباد کا سنگ بنیاد آپ کے مبارک ہاتھوں سے رکھا گیا۔

شیخ احمد کھٹو جب سنگ بنیاد رکھنے کے لیے تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں ایک بزرگ کو بیٹھا دیکھا۔ ان بزرگ نے آپ کو آواز دی۔ آپ ان کے پاس گئے تھوڑی دیر تک دونوں بزرگ بیٹھے رہے۔ پھر آپ... ان بزرگ سے اجازت لے کر رخصت ہوئے اور پھر احمد آباد کا سنگ بنیاد رکھا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت شیخ احمد کھٹو سے کسی خادم نے دریافت کیا کہ وہ

بزرگ کون تھے ۔حضرت نے بتایاکہ وہ حضرت خضر تھے ۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ جاؤ بنیاد رکھو بہت اچھا شہر ہوگا ۔ سلہ

خاتمہ مرآۃ احمدی میں ہے کہ : وہ چار احمد نامی حضرات جو احمد آباد کی تعمیر کے سنگ بنیاد رکھتے وقت موجود تھے۔ اور بارہ بابا جو قلعہ احمدآباد کی تعمیر میں مؤید اور معاون تھے وہ یہ ہیں (۱) شیخ احمد کھٹو، جن کا مزار سرکھیج میں ہے ۔ (۲) سلطان احمد بادشاہ بانی احمدآباد ۔ (۳) ملک احمد جن کا مزار کالو پور دروازے کے پاس ہے ۔ (۴) قاضی احمد بجہر کہ ان کا ذکر پٹن کے بزرگوں کے حالات کے ساتھ ہے ۔

بارہ بابا میں سے :۔

۱ بابا خوجو ، ۲ بابا لارو ، ۳ اور باباکرامت ۔ یہ تینوں دھولقہ میں مدفون ہیں ۔ ۴ بابا علی شیر ، ۵ بابا محمود ۔ یہ دونوں بزرگ سرکھیج میں مدفون ہیں اور وہیں مقیم تھے ۔

بَابَا علی شیر :۔ یہ صاحب جذب و حال تھے اور برہنہ رہتے ۔ جس وقت حضرت گنج بخش احمد کھٹو ملاقات کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو ہندی (گجراتی) زبان میں فرماتے ۔ لوگروں لاؤ ۔

لوگروں لاؤ شرع ناکوٹ آوے یعنی کپڑا لاؤ کہ حصار شرع آرہے ہیں ۔ ۶ باباتوکل نصیرآباد میں مدفون ہیں ۔ ۷ بابا لوٹی ۔ جن کو بابو محمد کہتے تھے ۔منجھوری میں مدفون ہیں ۔ ۸ بابا احمد ہنگوری جو نعلبندی کے نام سے مشہور تھے یہ خود تو نعلبند نہیں تھے ۔ نخاس چوک میں مسجد نعلبند سے متصل جو کہ پرانی مسجد ہے اور تمام نعلبند روزانہ وہیں بیٹھتے ہیں اسمیں آپکی بیٹھک تھی۔اس سبب سے

سلہ مرآۃ سکندری ص ۲۴، ۲۵، ۲۷، ۲۸ ، بحوالہ تاریخ ادبیات ص ۵۴۹/ج ۴

لقب بھی نعلبندی پڑ گیا ۔ سلطان نظام الدین اولیاء سے بواسطہ آپ کو خرقہ ارادت ملا ۔ ۹ بابا لدھا ۔ جو کھڑکی کے نزدیک مدفون ہیں ۔ ۱۰ بابا دھوکل جو دہلی دروازہ اور شاہپور دروازہ کے مابین مدفون ہیں ۔ ۱۱ بابا سیاح جو بیر مکانم میں مدفون ہیں ۔ ۱۲ بابا کمال کرمانی ۔ ان کی قبر بہرام پورا ایک مینار والی مسجد سے متصل واقع ہے ۔ اس میں اختلاف ہے ۔ بعض کہتے ہیں کہ بابا کمال کرمانی اس جگہ مدفون ہیں ، بعض کہتے ہیں کہ بابا کمال مالوی وہاں مدفون ہیں ۔ اس بزرگ کو بھی سلطان نظام الدین اولیاء کے سلسلہ سے خرقہ ارادت ملا تھا ۔

بابا ٹوٹوی حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے مرید ہیں بابا دھوکل جو بابا توکل کے مرید ہیں ۔ اور بابا توکل نظام الدین اولیاء کے مرید ہیں ۔ شاہ ولایت جو دھولقہ میں مدفون ہیں نظام الدین اولیاء کے خلفاء میں سے ہیں ۔ جن کو مخصوص طور پر گجرات کی جانب آپ نے رخصت فرمایا تھا ۔

مذکورہ بزرگوں ، باباؤں میں سے اکثر اس بزرگ کے ہمراہی تھے اور یہ شاہ ولایت ظفر خاں کی حکومت کے دور میں احمدآباد آئے تھے ۔ چونکہ ایک دوسرے کے ہم وطن تھے ۔ اس لئے ایک دوسرے کے ساتھ عزت واحترام سے پیش آتے تھے ۔ اور انہوں نے ان کو جگہ بھی دی اور ان کی خدمت کی اور اخیر عمر تک وہ یہیں رہے اور یہیں انتقال کیا ۔ ؎۱

خاتمہ مرآۃ احمدی میں ہے کہ !

اور ۸۱۵ھ میں تین سال کی مدت میں حصار یعنی احمدآباد کا قلعہ تعمیر کیا گیا ۔ جس کے بارہ دروازے تھے ۱ دروازہ سہار نپور ، ۲ دروازہ کالوپور ۳ دروازہ اسلوریہ ، جو دروازہ بنداور دروازہ رائے پور کے

؎۱ خاتمہ مرآۃ احمدی صد ۹۲ ۔

درمیان تھا، ۷ دروازہ خانپور، ۸ دروازہ رائے گڑھ، ۹ دروازہ خانجہاں،
۷ دروازہ شاہ پور، ۸ دروازہ ایدریہ، جس کو دہلی دروازہ بھی کہتے ہیں۔
۹ دروازہ دریاپور، جو دروازہ شاہ پور اور ایدریہ کھڑکی کے درمیان تھا۔
۱۰ دروازہ جمال پور، ۱۱ دروازہ بند اور ۱۲ دروازہ رائے پور۔

جس کی یہ سمتیں تھیں مشرق میں دروازہ سہارنپور، دروازہ کالوپور اور دروازہ اسلوریہ جو دروازہ بند اور دروازہ رائے پور کے درمیان واقع تھا۔ مغربی جانب میں جو دریائے سابرمتی کے کنارے پر واقع تھے۔ وہ دروازے یہ ہیں۔ ۱ دروازہ خانپور، ۲ دروازہ رائے گڑھ اور ۳ دروازہ خانجہاں۔

شمالی دروازے یہ ہیں، ۱ دروازہ شاہ پور، ۲ دروازہ ایدریہ جس کو دہلی دروازہ بھی کہتے ہیں ۳ اور دروازہ دریاپور۔

جنوبی دروازے یہ ہیں ۱ دروازہ جمال پور، ۲ دروازہ بند، اور دروازہ رائے پور۔

صاحب مرآۃ احمدی مرزا محمد حسن کتاب ہفت اقلیم کے مصنف کی طرف سے نقل کرتے ہیں کہ: احمدآباد شہر لطافت کے اعتبار سے اور آبادی کی کیفیت کے اعتبار سے دنیا بھر کے تمام شہروں پر ترجیح رکھتا ہے عمارتوں کی نزاکت ونزاہت کے اعتبار سے دوسرے شہروں سے مستثنیٰ ہے اگر یوں کہا جائے کہ عالم کے کل شہروں میں اس عظمت اور راستگی کا دوسرا شہر موجود نہیں ہے تو یہ مبالغہ نہیں ہوگا۔

اس کے بازار دوسرے شہروں کی بنسبت نہایت وسیع اور پیراستہ اور مرد وعورت یہاں کے بہت خوبصورت حق یہ ہے کہ اس خوبی کا شہر بہت کم ہی ہوگا اسی لئے اس کو زین البلاد اور عروس مملکت بھی کہتے ہیں۔

سترہ۱۷ چکلے یعنی چوراہے تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ ۱ چکلہ بازار، ۲ میں پولیہ، ۳ مانکچوک، ۴ دھیکو، ۵ لیمڑی، ۶ بھنڈری، ۷ اژدر پور، جس کو ایرپور بھی کہتے ہیں۔ اور عرف میں اس کو کھاریہ کہتے ہیں، ۸ رائے پور ۹ اسلوریہ، ۱۰ جمال پور، ۱۱ رائے گڑھ، ۱۲ خانپور، ۱۳ شاہ پور، ۱۴ ایڑریہ، ۱۵ دریاپور، ۱۶ صدر جہاں ۱۷ اور جوہری باڑہ۔

یہاں ہر چوراہے پر چبوترے بنے ہوئے تھے اور محافظ دستے یہاں متعین رہتے تھے

مَسَاجِدْ

چار سو پچاس، اور ایک روایت میں پانچ سو عالیشان مسجدیں بنائی گئیں تھیں۔ جو دور دور سے سنگِ خارا لاکر اس پتھر کے ذریعے تعمیر کی گئی تھیں جو سلاطین، شہزادوں اور حتیٰ کہ خواتینِ حرم کے نام سے منسوب تھیں۔

پُورہ جات

اژدر پور	سمیع پور	ملتان پور
کالوپور	غیاث پور	دریاپور
تاج پور		
جمال پور	شیخ پور	مقصود پور
عیسن پور	عثمان پور	ماہ پور
میٹھی پور	شاہ پور	منیر پور
سور پور	قاضی پور	لودی پور
اساروہ وآس پور	حاجی پور	سکندر پور

احمد پورہ
ہیبت پورہ
بکلی پور
ہری پور
ہرہر پور
روپ پور
کالو پور
رسول پور
غالب پور
سیدآباد عرف سرس پور
برسپور
میتھا پور
جمنا پور
صاحب پور
سلیم پور
کھیم پور
نصیر پور
رسول پور
پرما پور
سارنگپور
افضل پور

بیکن پور
طوغان پور
راجپور
کومتی پور
مریم پور
عالم گنج وارہ
پور بہاؤالدین پور
کالنکی وارہ
دلال پوری
گوپال پوری
معظم پور
منجھن پور
بالی پور
شاہ گنج
نواپورہ
سلطان پور
کشور پور
معصوم پور
مراد گنج
ہین پور
بیگم پور

رحمت پور
سید پور
چنگیز پور
کینکو پور
کنکال پوری
ہیر پور
فرخ پور
زور آور پور
رسول آباد
رول پورہ
حامد پورہ
عثمان پور
عبدل پور
فیروز پور
صلابت پور
شرق پور
شادمان پور
عادل پور
سلطان پور
قاسم پور
فتح پور



جامع مسجد، سلطان احمد شاہ اول، مانک چوک، احمد آباد



جامع مسجد جدید، سلطان احمد شاہ اول، مانک چوک، احمد آباد



اندرونی منظر، شاہی مسجد۔ سرخیز، احمد آباد



شاہی مسجد کا اندرونی زاویہ و گنبد مزار حضرت شیخ گنج احمدؒ (حضرت شیخ احمد کھٹوؒ)



شاہی مسجد، سائڈ کے دالان کا بیرونی منظر، سرخیز، احمد آباد



جھولتا منارہ، مسجد سیدی بشیرؒ، سارنگ پور، احمد آباد



سیدی سعید کی مشہور جالی کی مسجد، لال دروازہ، احمد آباد



جامع مسجد قدیم، لال دروازہ، احمد آباد



بیرونی منظر، مسجد حضرت قطب عالمؒ، وٹوا، احمد آباد



مسجد حضرت شاہ عالمؒ، شاہ عالم روڈ، احمد آباد



پتھر والی مسجد، دلی چکلہ، احمد آباد



مسجد حضرت شاہ پیر محمدؒ، پیر محمدؒ روڈ، احمد آباد



مسجد رانی سپری (صبری) استوریادروازہ، احمد آباد



مسجد رانی روپ متی، مرزاپور، احمد آباد



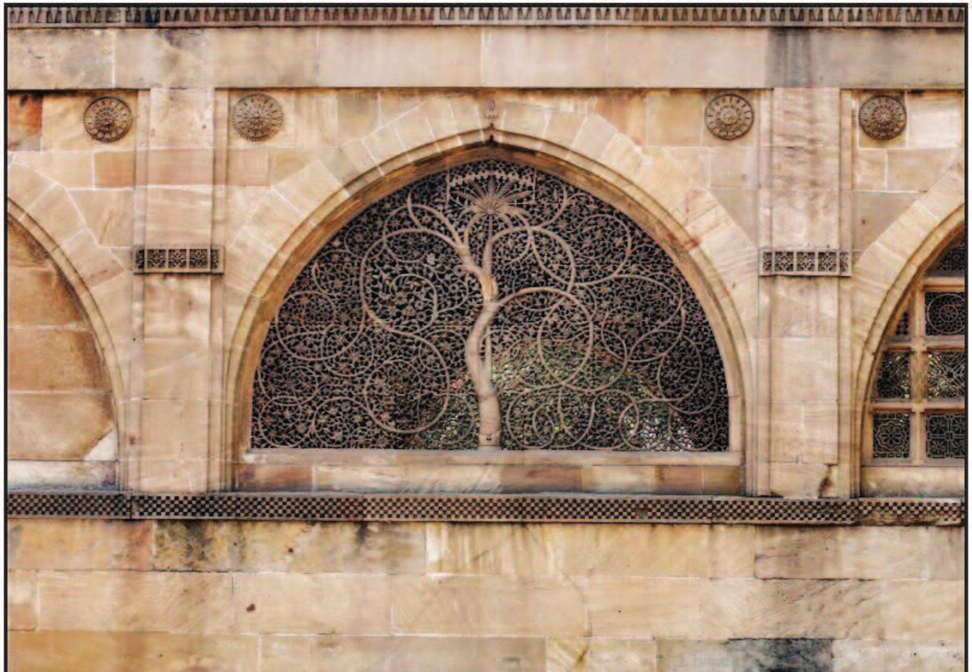
بیرونی منظر، مسجد حضرت ابو محمد بخاریؒ، عرف بابا لوَلوی، منجوری، احمد آباد



اندرونی منظر، مسجد حضرت ابو محمد بخاریؒ، عرف بابا لولوی، منجوری، احمد آباد



سیدی سعید کی مشہور جالی کی مسجد، لال دروازہ، احمد آباد



سیدی سعید کی مشہور جالی کی مسجد، لال دروازہ، احمد آباد



بیرونی منظر، مسجد محافظ خان، احمد آباد



مسجد محافظ خان، احمد آباد



مسجد و مینار دولت خان، سارنگ پور، احمد آباد



مسجد حضرت شمع برہانیؒ، عثمان پورہ، احمد آباد



مسجد اچھوت کوئی، دودھیشور، احمد آباد



اندرونی منظر، پتھر والی مسجد، استویا، احمد آباد

کمال الدین پور	خوان پور	سرہ پور
عیسیٰ پور	قطب پور	ایرندا پور
رحیم پور	حسن پور	اربہا پور
میران پور	محمود پور	خضر پورہ
خانپور		

چہار دیواری کی تعمیر

سلطان محمود معروف بہ بیگڑہ ۸۶۳ھ / ۱۴۵۹ء میں تخت نشین ہوئے۔ نویں صدی کا آخری حصہ ان کے لیے آسودگی و اطمینان کا زمانہ تھا۔ چنانچہ ۸۹۲ھ ۱۴۸۷ء میں انہوں نے احمد آباد کی چار دیواری تعمیر کروائی اور اس کے دروازے پر ایک پتھر نصب کرایا جس میں آیت کریمہ: وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا، کندہ تھی (غالبًا اسی لیے احمد آباد کو دارالامان بھی لکھا گیا ہے جیسا کہ عبدالرحیم خانخانان احمد آباد کو دارالامان لکھتے ہیں۔) [1]

مآثر رحیمی کے مصنف نے گجرات کے شہر احمد آباد کی بھی بہت تعریف کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ! اپنی نزہت اور لطافت کے لحاظ سے ہندوستان میں ایسا کوئی اور شہر نہیں۔

حکیم ازرقی نے اس کے متعلق جو نظم لکھی ہے اس کے تین چار اشعار یہ ہیں۔

---

[1] مقالات عرشی ص ۳۳۔

درختانش از عود و برگ از زمرد | نہالش زمینا و خاکش زعنبر
بگشتی چو اندیشہ مرد عاشق | بخوبی چو رخسارۂ یار دلبر
بہ یک سوئے ایں باغ خرم سرائے | پُر از صفہ و کاخ و ایوان و منظر
نہ گویم کہ عین بہشت است لیکن | بہشت است اندر سرائے مکرر [۱]

فرشتہ لکھتے ہیں کہ سلطان احمد شاہ جب ایک جنگ کے سلسلے میں قصبۂ اساول میں پہنچے تو وہاں کی آب و ہوا ان کو پسند آئی اور ۸۱۳ھ کے اواخر میں شیخ احمد کھٹو کے استخارہ اور استشارہ سے دریائے سابرمتی کے کنارے ایک شہر کی بنیاد ڈالی اور اس کا نام احمد آباد رکھا جو چند دنوں میں آباد ہو کر شاہانِ گجرات کا دارالسلطنت ہوگیا اور قصبہ اساول اس کا ایک محلہ بن گیا۔ امراء و سلاطین کے مکانات پختہ ہیں یعنی گچ اور اینٹ سے بنے ہوئے ہیں بقیہ گھر کھپریل ہیں۔ بازار اس قدر وسیع و فراخ ہیں کہ دس گاڑیاں پہلو بہ پہلو چل سکتی ہیں۔ دکانیں پختہ ہیں۔ اور قلعہ اور مسجد جامع بھی تعمیر کی گئی ہے شہر کے باہر تین سو ساٹھ پورے آباد ہیں اور ہر ایک میں بازار مسجد اور دیوار بند ہے۔

خلاصۃ التواریخ میں ان پوروں کی نسبت لکھا ہے!

تاگرد شہر بادر ہر یکے پیدا بازار مسجد خانقاہ و منار و کتابہائے شگرف درست.

فرشتہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے!

"و در باب معموری و دیگر خصوصیات احمدآباد اگر گفتہ شود کہ در تمامی ہندوستان بلکہ در کل جہان بایں عظمت و آراستگی شہرے موجود نہ شدہ مبالغہ نبودہ باشد،" [۲]

---

[۱] ہندوستان سے محبت و شیفتگی کے جذبات ص ۱۱ [۲] تمدنی کارنامے ص ۱۲

صاحب مرآۃ احمدی نے لکھا ہے کہ ابتداء میں جب احمدآباد، آباد کیا گیا تو چونکہ اس وقت آبادی زیادہ نہ تھی۔ اس لئے گجرات کے ہر ایک امیر اور شاہزادے نے ایک حصار کے اندر اپنے رہنے کیلئے ایک جگہ متعین کرلی اور یہی جگہ ان کے نام کی نسبت کے ساتھ پورہ کے نام سے مشہور ہوگئی۔ مثلاً تاج پورہ اور جمال پورہ وغیرہ، لیکن جب شہر پوری طرح پرآباد ہوگیا تو شہر کے باہر آبادی شروع ہوئی۔ اور نہایت کثرت سے پورے آباد ہوگئے۔ جن کی تعداد ۳۶۰ بلکہ ایک روایت کے مطابق ۳۸۰ تھی۔ اور یہ تمام پورے گجراتی امراء نے اپنے نام پرآباد کئے تھے۔ اور انہی میں خدم وحشم کے ساتھ سکونت رکھتے تھے۔

یہ پُورے درحقیقت چھوٹے چھوٹے شہر تھے۔ جن میں تمدن کے تمام ضروری ساز و سامان موجود تھے۔ چنانچہ صاحب مرآۃ احمدی نے پورہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

دپورہ عبارت از جملہ بزرگے است مشتمل بر عمارات عالی و مزار از نفائس و نوادر کہ ہرکدام درحقیقت شہریست عظیم؛

ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں کہ ہر پورہ کثرت آبادی کے لحاظ سے گویا ایک شہر تھا۔ تذکرۃ الملک کے مؤلف نے لکھا ہے کہ عثمان پور میں کم از کم کاریگروں کی بارہ ہزار دکانیں ہیں اور فتنہ و فساد کے ظہور سے پہلے تمام پورے تاجروں، کاریگروں اور اہل کاروں سے بھرے ہوئے تھے۔ اور نہایت پرتکلف اور شاندار عمارتیں ان میں موجود تھیں۔ بعد کو یہ پورے ویران ہوگئے اور اکبر کی فتح کے بعد ان کی آبادی میں کافی تغیر تبدل ہوگیا صرف بعض کے نام باقی رہ گئے۔

پورہ جات کا تعارف

چند پوروں کو آباد کرنے والوں کے نام حسبِ ذیل ہیں ۔

قاضی پور:۔ شاہ پور ایک قدیم آبادی تھی ۔ عالمگیر کے زمانے میں قاضی القضاۃ خواجہ عبداللہ نے اس کو نئے سرے سے اپنے نام پر آباد کیا ۔

حاجی پور:۔ حاجی بہار الدین المخاطب بعضد الملک نے جو سلطان محمود بیگڑہ کے امرا میں تھے اس کو آباد کیا اور اس میں ایک مسجد بنوائی ۔

دریا پور:۔ اس کو سلطان محمود بیگڑہ کے امرا میں سے دریا خاں نے آباد کیا ۔

پناہ پور:۔ بہادر خاں ناظم صوبہ نے جس کا نام محمد پناہ تھا ۔ عالمگیر کے زمانے میں اس کو اپنے نام سے آباد کیا ۔

جہانگیر پور:۔ جہانگیر کے نام پر آباد کیا گیا ۔

ہیبت پور:۔ سلاطین گجرات کے امرا میں اس کو ہیبت خاں نے آباد کیا ۔

بی بی پور:۔ سلاطین گجرات کے عہد میں بی بی ماں نے جو خاندان چشتیہ سے تعلق رکھتی تھیں اپنی سکونت کے لیے اس کو آباد کیا تھا ۔ اور ان کا مزار مسجد و خانقاہ کے ساتھ اس میں موجود تھا ۔

نور اللہ پور:۔ اس کو شیخ نور محمد نے جن کا خطاب امانت خاں تھا فرخ سیر کے زمانہ میں آباد کیا ۔

سارنگ پور:۔ امرائے محمودی میں ایک سارنگ کا آباد کیا ہوا تھا ۔

افضل پور:۔ سلطان محمود ثانی کے امرا میں افضل خاں نے اسکو آباد کیا ۔

طوغان پور:۔ طوغان نے جو امرائے محمودی میں تھا اس کو آباد کیا۔
منجھن پور:۔ شاہ عالم قدس سرہٗ کے نواسے سید مسعود نے اس کو اپنے نانا کے نام پر آباد کیا۔
بابی پور:۔ اس کو صفدر خاں بابی نے آباد کیا۔
نواپور، گنج پور، سلطان پور۔ سیّد عبدالرحیم رفاعی نے آباد کیا۔
معصوم پور:۔ معصوم قلی عرف شجاعت خاں نے اس کو نئے سرے سے آباد کیا۔
مراد گنج:۔ شاہزادہ مراد بخش کے زمانۂ نظامت میں آباد ہوا۔
وھاب گنج:۔ عالمگیر کے زمانے میں قاضی القضاۃ عبدالوہاب نے اپنے نام سے آباد کیا۔
سیّد پور:۔ سلطان احمد کے امراء میں سید عطاء اللہ نے آباد کیا۔
چنگیز پور:۔ سلطان محمود ثانی کے غلام چنگیز خاں نے آباد کیا۔
بہادر گنج:۔ سلطان بہادر گجراتی نے آباد کیا۔
اکرم پور:۔ اکرم الدین خاں صدر صوبہ نے بہادر شاہ کے زمانے میں آباد کیا۔
مفاخر پور:۔ اسی زمانے میں اکرم الدین خاں کے بھائی ابوالمفاخر خاں نے آباد کیا۔
علیم پور:۔ خداوند خان ملک علیم الدین نے جو سلطان احمد کے امراء میں تھا۔ اس میں ایک مسجد بنوائی اور اس کا مقبرہ بھی یہیں ہے۔
فرج پور:۔ اس کو قاضی پور بھی کہتے ہیں۔ ابوالفرج خاں قاضی شہر نے عالمگیر کے زمانے میں آباد کیا اور ایک مکان اور پر تکلف مسجد بنوائی۔ اور یہیں قیام اختیار کیا۔

نور گنج:۔ جس زمانے میں جہانگیر گجرات میں مصروف سیر و شکار تھا۔ نورجہان بیگم کے نام پر آباد ہوا۔

زورآور پور:۔ جوانمرد خاں بابی نے نئی عیدگاہ کے نزدیک اپنے چھوٹے لڑکے کے نام پر آباد کیا۔

رسول آباد:۔ حضرت شاہ عالم قدس سرہٗ نے آباد کیا تھا۔ اور یہیں سکونت رکھتے تھے۔ اور آپ کا مزار بھی یہیں ہیں۔

پورہ رضوی خاں:۔ عالمگیر کے زمانے میں رضوی خاں صدر صوبہ نے آباد کیا۔

عیش آباد:۔ رسول آباد اور موضع بٹوہ کے درمیان ملک عیش المخاطب بہ نظام الملک نے جو امرائے محمودی میں سے تھے اپنے نام پر آباد کیا تھا۔ اندر ایک مسجد، تالاب، باغ اور اپنا مقبرہ اس میں بنوایا تھا۔ اور اس کے گرد ایک پختہ فصیل قائم کی تھی۔

خودن پورہ:۔ امرائے سلاطین گجراتیہ میں ملک خودن نے آباد کیا۔ چونکہ یہاں زیادہ تر حضرت شاہ عالم کے خادم اور مرید رہتے تھے اس لئے حضرت ممدوح نے اس کا نام خویدم پورہ رکھ دیا۔

قطب پور:۔ حضرت قطب عالم قدس سرہٗ کے زمانہ قیام میں انہی کے نام سے آباد ہوا۔

قاسم پور:۔ عالمگیر کے زمانے میں میر قاسم نے آباد کیا۔

راجو پور:۔ حضرت شاہ عالم کے نواسوں نے آباد کیا۔

خانپور:۔ سید حسن خاں نے عالمگیر کے زمانے میں آباد کیا۔

عثمان پور:۔ حضرت قطب عالم قدس سرہٗ کے خلفاء میں سید عثمان نے آباد کیا۔

نورنگ پور:۔ عالمگیر کے زمانے میں نورنگ نے آباد کیا۔
صلابت پور:۔ صلابت خاں نے آباد کیا۔
شادمان پور:۔ اکبر کے زمانے میں اعظم خاں کے لڑکے شادمان نے آباد کیا۔
شیخ پور:۔ سلطان محمود بیگڑہ کے پیر شیخ رحمت اللہ نے آباد کیا
سلطان پور:۔ کمال الدین جوانمرد خان نے اسکو اپنے لڑکے کے نام پر آباد کیا۔[1]

تعمیرات:۔ مولانا جناح الدین لکھتے ہیں کہ ا احمد شاہ (۴۴۲ھ/۱۴۱۱ء) کے عہد کے ساتھ ایک نئے دور کی ابتدا ہوئی جس میں بڑے بڑے فنی حوصلے حسب منشا تکمیل کو پہنچے اور اس کے دارالسلطنت احمدآباد کا شمار ان شہروں میں ہوتا ہے جو فن تعمیر کے بہت سے حسین نمونوں سے آباد ہیں۔ احمدآباد کی جامع مسجد مغربی ہندوستان میں اپنی قسم کی بہترین عمارت مانی جاتی ہے لیکن ساتھ ہی وہ ایک زندہ بڑھتے ہوئے امیدوں سے لبریز طرز کی مثال ہے۔ گویا عمارتوں کا بننا، پھولوں کا کھلنا ہے جس سے طبیعت کی شگفتگی عیاں ہوتی ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ بنانے والوں کا خیال اور نظریۂ زندگی خون کی طرح گردش کرتے ہوئے ان کے ہاتھوں کے ذریعہ ان چیزوں میں پہنچ گیا ہے، جو ان کے ہاتھوں نے بنائی ہیں۔ اس مسجد میں روشنی پہنچانے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ خود بہت سبق آموز ہے۔ اس لئے کہ روشنی کا پہلے رخ بدلا جاتا ہے پھر اس کا عکس اس طرح سے ڈالا جاتا ہے کہ پوری مسجد میں روشنی یکساں پھیلتی ہے۔ مرکزی اور بغلی حصوں کی ترتیب اس مسئلے کو بہت خوش نما طریقے سے حل کرتی ہے کہ بلندی کے رجحان سے روشنی کی ضرورت کو کیسے پورا کیا جائے۔ اور عمارت کی تقریباً ہر خصوصیت ایسی

---

[1] تمدنی کارنامے ۱۴۱۔

ہے کہ فن تعمیر سے کسی بھی دلچسپی رکھنے والے کو تعریف کرنے پر مجبور کر دے گی۔ جامع مسجد سے احمد شاہ کے محل تک جو راستہ تھا۔ اس پر تین دروازہ کے نام کا ایک فتح دروازہ ہے۔ اب اس کے گرد دکانیں ہیں۔ جس کی وجہ سے اس کی شان جاتی رہی ہے مگر اس کے محرابوں کا حسن اب بھی نمایاں ہے۔ [1]

والئ گجرات سلطان مظفر خاں کی خوش ذوقی اور فن تعمیر سے اس کی دلچسپی کی عام شہرت تھی۔ چنانچہ سلطان حسین لنگاہ نے قاضی محمد اوچوی کو گجرات بھیجا تاکہ وہاں کی عمارات کے نقشے تیار کروا کے لائیں۔ انہوں نے گجرات پہنچ کر احمد شاہ کی خدمت میں اپنی آمد کا مقصد بتایا۔ احمد شاہ نے بڑی خوشی سے اس کو اجازت دی۔ ان دنوں احمد آباد نیا نیا بسایا گیا تھا۔ قاضی محمد نے ان تمام نو تعمیر شدہ محلات کے خاکے تیار کئے اور واپس ملتان پہنچ کر سلطان حسین لنگاہ کی خدمت میں پیش کئے اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ اگر سلطنت ملتان کا تمام محصول بھی خرچ کر ڈالیں تو بھی احمد آباد کے محلات جیسا ایک محل تعمیر نہیں ہو سکتا۔ [2]

تعمیرات

سلاطین گجرات نے جو شہر بسائے ان شہروں کی رونق، آبادی، اور وسعت کا یہ حال تھا کہ آج بھی ان کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

احمد آباد اتنا بڑا تھا کہ ایک طرف وہ سرکھیج سے ملتا تھا اور دوسری طرف محمود آباد سے۔ محمود ثالث کے عہد میں احمد آباد و محمود آباد کے درمیان کی سڑک کے دو رویہ دوکانیں اور مکانات بنوا کر اور درخت

---

[1] تمدنی کارنامے ص۱۷۱ [2] خطۂ پاک اوچ ص۱۴۹۔

لگاکران کو ایک کر دیا گیا تھا۔ اس وقت احمد آباد کی آبادی بیس لاکھ تھی، کھنبایت جو ایک بڑا بندرگاہ تھا اسکی آبادی آٹھ دس لاکھ تھی اسی طرح جوناگڑھ اور چانپانیر وغیرہ کی آبادی بھی لاکھوں کی تھی۔ احمد نگر بھی اس زمانے میں آبادی کے لحاظ سے ایک بڑا شہر سمجھا جاتا تھا۔ بھروچ کی آبادی بھی کچھ کم نہ تھی۔ مغلیہ عہد میں سورت کی آبادی بارہ لاکھ تھی۔

گجراتی سلاطین نے سڑکیں، پل، لنگر خانے، شفاخانے، مسافر خانے تالاب، یتیم خانے اس کثرت سے بنوائے کہ ان کا شمار مشکل ہے۔

سڑکیں:۔ سلطان احمد آباد نے جب احمد آباد بسایا تو ہر جگہ وسیع سڑکیں بنوائیں۔

فرشتہ نے لکھا ہے کہ ! احمد آباد کی سڑکیں اس قدر کشادہ اور چوڑی تھی کہ دس دس گاڑیاں آسانی کے ساتھ پہلو بہ پہلو چل سکتی تھیں محمود اول کے وقت میں ایک بڑی سڑک پٹن سے بڑودہ تک تیار کی گئی تھی۔ جس کے دونوں کنارے سایہ دار درخت بھی لگائے گئے تھے۔ اسی طرح محمود ثالث کے عہد میں احمد آباد سے محمود آباد تک ایک سڑک تیار کی گئی تھی جس کے دونوں جانب دوکانیں تھیں۔ چانپانیر میں ایک عالی شان قصر تھا جس کا نام دلکشا تھا۔

بہادر شاہ اکثر اسی محل میں رہتا تھا۔ اس سے متصل ایک بہت وسیع اور عظیم الشان مکان تھا جس کو دربار کہتے تھے۔ غیر ممالک کے سفراء یہیں ان کی خدمت میں باریاب ہوتے تھے۔ انہی کے عہد میں ایک محل اور تھا جس کی عام طور پر بڑی شہرت تھی اس کا نام سنگار منڈپ تھا۔

محمود ثالث نے محمود آباد میں دو میل لمبا جو آہو خانہ تیار کرایا تھا۔ اس میں متعدد قصر اور مختلف قسم کی عمارتیں بھی بنوائی تھیں۔ اسی عہد میں

دریا خاں نے احمدآباد میں ایک عالی شان گنبد تعمیر کروایا تھا۔ یہ تمام گجرات اور کاٹھیاواڑ میں اپنے طرز کی واحد اور بے مثل عمارت تھی۔ اس وقت تک گجرات میں جتنی عمارتیں تعمیر ہوئی تھیں وہ جینی طرز کی اور سنگی ستونوں پر قائم کی جاتی تھیں، مگر یہ ایرانی اور عربی طرز کا اور پکی اینٹوں پر قائم کیا گیا تھا چونکہ یہ طرزِ تعمیر گجرات کے لیے بالکل نیا تھا۔ اس لئے اس کی گنبد کی بڑی شہرت ہو گئی۔

بعض مقامات میں جو عمارتیں بنیں وہ اپنی خوبصورتی، دلاویزی اور شان وشکوہ میں بہت بے نظیر تھیں مثلاً منگلور، کھنبایت، بھروچ، احمدآباد کی جامع مسجدیں۔ ہلتے مینارے مینار لرزاں (احمدآباد کی قدیم مسجدوں میں اکثر دو ہی مینار ہوتے تھے جن کی خصوصیت یہ تھی کہ ایک مینار کو ہلایا جاتا تو دوسرا مینار بھی ہلنے لگتا تھا، بعض انگریز انجنیئروں نے بے حد کوشش کی لیکن دونوں میناروں کا تعلق معلوم نہ کر سکے) جھوٹ کاکی کی مسجد، جالی کی مسجد. رانی سپری کی مسجد، احمدآباد میں صناعی کے بہترین نمونے ہیں۔ ضلع پٹن کے موضع سمہ میں ایک ایسی مسجد تعمیر ہوئی تھی جس میں بارہ برجوں کے لحاظ سے بارہ خانے بنائے گئے تھے کہ ہر ماہ چاند اپنے برج سے دکھائی دے۔ عالمگیر کے عہد تک یہ مسجد موجود تھی۔ شاہجہاں نے بھی احمدآباد میں شاہی باغ کے ساتھ دریا کے کنارے جو محل تعمیر کرایا تھا وہ اپنی نظیر آپ تھا۔

خاص احمدآباد میں پانچ سو پتھر کی مسجدیں تعمیر کی گئیں۔ شاہجہاں گورنر کی حیثیت سے احمدآباد میں عرصہ تک رہے۔ یہیں کی عمارتوں کو دیکھکر اس کو عمارتوں کا ذوق پیدا ہوا۔ اسی ذوق کا نتیجہ تاج محل ہے! اس نے یہاں بھی دریا کے کنارے ایک شاہی باغ اور شاہی محل تعمیر کرایا تھا۔

اٹھانوے گنبد کی مسجد

سلطان احمد نے ۸۱۷ھ (۱۴۱۴/۱۵ء) میں مانک چوک کے قریب ایک عظیم الشان مسجد بنوائی جس میں "ملوک خانہ" کے علاوہ تین سو باون ستون تھے، دروازہ ملوک خانہ میں بارہ "تخت ملوک خانہ" میں آٹھ اور جنوبی وشمالی بازوؤں میں دو سو بارہ ستون تھے۔ اور اسی طرح دیگر بہت سے ستونوں کے علاوہ ۹۸ گنبد تھے۔ [1]

احمد آباد کی جامع مسجد

جہانگیر اپنی توزک میں لکھتے ہیں کہ:

۲۶ رماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) منگل کے دن جامع مسجد دیکھنے کے لیے گیا جو بازار میں واقع ہے۔ ان فقراء میں سے چند کو جو وہاں موجود تھے تقریباً پانچ سو روپے اپنے ہاتھ سے خیرات کیے۔ یہ مسجد سلطان احمد بانی شہر احمد آباد کی بنوائی ہوئی ہے۔ جو تین دروازوں پر مشتمل ہے۔ ہر دروازے کے رخ پر ایک بازار ہے۔ اور اس دروازے پر جو مشرقی جانب واقع ہے سلطان احمد کا مقبرہ ہے۔ اس کے گنبد میں سلطان احمد اور اس کا بیٹا محمد اور اس کا پوتا قطب الدین محو استراحت ہیں۔ مقصورہ کو چھوڑ کر صحن مسجد کا طول ایک سو تین گز اور عرض نواسی گز ہے۔ صحن کے اردگرد پونے پانچ گز عرض کے ایوان بنائے گئے ہیں صحن کا فرش تراشی ہوئی اینٹوں سے تعمیر ہوا ہے اور ایوان کے ستون سنگ سرخ کے ہیں۔ مقصورے

---

[1] توزک جہانگیری صفحہ ۲۲۹،۲۴۰

کے تین سو چوّن ستون ہیں ۔ ان ستونوں کے اوپر گنبد بنایا گیا ہے ۔مقصورے کا طول پچھتر گز اور عرض ۷ ۳ ر گز ہے ۔ مقصورے کا فرش اور محراب و منبر سنگ مرمر سے بنائے گئے ہیں ۔ اور پیش طاق کے دونوں بازوؤں میں تراشیدہ پتھر کے دو گول مینار ہیں ۔ جو تین نشست گاہوں پر مشتمل ہیں جن میں نہایت نازک نقش و نگاری کی گئی ہے ۔ اور داہنی جانب منبر کے متصل مقصورہ کے کونے میں علیحدہ شاہ نشین بنایا گیا ہے ۔ جس کے ستونوں کے درمیان سنگین تختے نصب کئے گئے ہیں ۔ اور شاہ نشین کے اطراف چھت تک سنگین جالیاں کھڑی کی گئی ہیں ۔ اس تعمیر کا مقصد یہ ہے کہ جب بادشاہ نماز جمعہ اور عیدین کے لئے مسجد میں حاضر ہو تو وہ اپنے مقربوں اور مصاحبوں کے ساتھ اسی اونچی نشست میں جسے اس علاقے کے لوگوں کی اصلاح میں "ملوک خانہ" کہتے ہیں ، نماز ادا کرے ۔ ممکن ہے کہ یہ تصرف و احتیاط اس بنا پر کیا گیا ہو کہ بادشاہ عام ہجوم سے محفوظ رہے ۔

مصنف مرآۃ احمدی علی محمد خان کے بیان کے مطابق تو صرف احمد آباد میں پتھر کی پانچ سو مسجدیں تھیں ۔

مقابر میں شیخ احمد کھٹو کا مقبرہ سرکھیج میں آج تک ماہرین فن کی نگاہوں کا مرکز ہے ۔

شہنشاہ جہانگیر کا تخمینہ ہے کہ اس مقبرہ کی تعمیر پر پانچ لاکھ روپیے صرف ہوئے ہیں ۔ حضرت شاہ عالم کے مقبرہ کے علاوہ دریا خاں کے مقبرہ کا گنبد تمام گجرات کی عمارتوں میں ممتاز ہے ۔ سرکھیج میں محمود اول کے مقبرہ پر سنگ مرمر کا جو کام ہوا ہے وہ اپنی ندرت و باریکی کے لحاظ سے بہت پر کشش ہے ، جامع مسجد احمد آباد کے شہ نشیں پر جو سنگ مرمر کی محراب

ہے۔ وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے ، وہاں کی ہر مسجد میں مصلّے کے پاس جو سورج مکھی بنی ہوئی ہے ۔ وہ بھی نقش و نگار کا عجیب وغریب نمونہ ہے ، اس زمانہ کی قبروں پر سورج مکھی کی تو بہت کم لیکن قندیل کی شکل بہت زیادہ سنگِ مرمر کی بنی ہوتی ہے ۔ صناعی کے لحاظ سے وہ بھی عجیب چیز ہے ۔

سیدّ میراں کی تعمیرات

جہانگیر اپنی توزک میں لکھتے ہیں ! کشتی میں بیٹھ کر دریائے محمود آباد میں مچھلی کا شکار کھیلنے کے لئے گیا ۔ دریائے محمود آباد کے کنارے سید مبارک گجراتی (مرأۃ سکندری انہیں کی سرپرستی میں تصنیف ہوئی تھی) کا مقبرہ واقع ہے جو گجرات کے عمدہ امراء میں سے تھے ۔ اور اس عمارت کو ان کے بعد ان کے فرزند سید میراں نے بنوایا تھا ۔ اس کا نہایت بڑا اور عالیشان گنبد ہے ۔ اور اس کے اردگرد چونے اور پتھر سے نہایت مضبوط چاردیواری بنائی گئی ہے ۔ تخمینہ یہ ہے کہ اس کی تعمیر پر دو لاکھ روپے خرچ ہوئے ہونگے ۔ سلاطین گجرات کے جو مقبرے میری نظر سے گزرے ہیں ان میں سے کوئی اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچتا ۔ [1]

باغات

سلطان محمود بیگڑہ نے طرح طرح کے باغات لگوائے ، کوئی فقط میووں کا تھا ، کوئی صرف پھولوں کا ، کوئی محض پھلوں کا ۔ اس نے آم ، انار ، کھرنی ، گولر ، ناریل ، بیل ، مہوہ ، جامن ، کے کثرت سے درخت لگوائے محمد آباد (چاپانیر) میں اس نے متعدد باغ لگوائے جنہیں آم بیحد نفیس و خوشبودار ہوتے تھے ، انار ، انجیر ، انگور ،

---

[1] توزک جہانگیری ص۲۵۱ ۔

بادام، سیب، کیلا، امرت پھل، سدا پھل، نارنگی، تاڑ پھلی (تاڑ) ناریل، کٹھل، بدبل، کمرخ، فالسہ، اعلیٰ درجہ کا بکثرت پیدا ہوتا تھا، آملہ اور بڑ کا ایک باغ عہد عالمگیر تک باقی تھا۔

محمود نے پھولوں کا جو چمن لگایا تھا اس میں گل لال، گل سیوتی، چنبیلی، چمپہ، بیلا، موگرا، جائی، جوہی، کرنی مولسری، کیوڑہ، کیتکی طرح طرح کے خوشبو دار پھولوں کے درخت تھے۔ خربزے کی کاشت بڑے اہتمام سے کرائی اور ان کے خربزے آج تک مشہور رہیں۔

سلطان محمود کے ایک ملازم نے سلطان کے لئے خراسانی طرز کا باغ بنایا سلطان نے اس کا نام "باغ بھالول" رکھا، گو باغ تو اب موجود نہیں ہے لیکن وہ زمین چاپانیر اور گودھرہ کے درمیان موجود ہے۔ [1]

اس کے بعد تو گجرات میں باغبانی کا مذاق عام ہو گیا، اور امراء نے بھی باغ لگانے شروع کر دیئے۔ سلطان محمود نے خاص احمد آباد میں بڑے اعلیٰ پیمانہ کا پانچ میل لمبا اور ایک میل چوڑا باغ لگوایا۔ اس کا نام باغِ فردوس تھا۔

مرآۃ احمدی میں ہے کہ لوگوں کا بیان ہے کہ اس میں نو لاکھ درخت تھے اسی لئے اس باغ کا دوسرا نام نولکھی باغ تھا، اس میں آم، کھرنی، اور آملہ کے درخت زیادہ تھے۔

بعض تاریخوں میں ہے کہ پٹن سے بڑودہ تک آم، اور کھرنی کے کئی لاکھ درخت لب سڑک تھے۔ اسی لئے کھرنی تمام ہندوستان سے زیادہ اور اچھی گجرات میں ہوتی ہے۔ محمد قاسم فرشتہ نے بھی اپنی کتاب طبِ فرشتہ میں اس کو لکھا ہے۔

---

[1] مرآۃ سکندری صفحہ ۱۰۹ طبع دوم بمبئی۔

درختوں کی کثرت کیوجہ سے احمدآباد کا موسم بہت خوشگوار اور سرد ہوگیا تھا۔ چنانچہ سلطان محمود گرمیوں کا موسم احمدآباد اور جاڑا جوناگڑھ میں گزارتے اور برسات چاپانیر میں۔

علیم الدین خداوند خاں پہلے شخص ہیں جنہوں نے انجیر اور نیزہ کے درخت دکن سے منگوا کر گجرات میں لگوائے جو تمام ملک میں رواج پاگیا۔ احمدآباد کے ایک محلہ عیسن پور میں جو باغات لگائے گئے تھے۔ ان میں آم، کھرنی اور تاڑ کے درخت بہت اچھے تھے۔ اس باغ کے گل مونگرہ کی بڑی شہرت تھی، باٹوہ سے عیسن پور اور عیسن پور سے رسول آباد تک سڑک کے ہر دو جانب اس قدر گھنے آم اور کھرنی کے درخت لگے تھے کہ اس کے سایہ میں مسافر کو جنت کا مزہ آتا تھا۔

سلطان قطب الدین نے کانکریہ تالاب کے بیچ میں ایک مختصر سا باغ لگایا تھا، جس کا نام نگینہ باڑی تھا۔ بڑی فرحت بخش جگہ تھی۔ اس تالاب کے جانبِ جنوب وہ ایک اور باغ لگوا رہے تھے لیکن اسی درمیان میں ان کا انتقال ہوگیا۔ اور باغ نامکمل رہ گیا، اس کا نام موگرہ باغ تھا۔

محمود ثالث کے عہد میں محمود آباد میں جو آہو خانہ بنا تھا، اس کے ساتھ ایک بہت بڑا باغ بھی تھا، اس میں یہ اہتمام تھا کہ اس کے درختوں کی شاخوں میں رنگین کپڑے لپٹے جاتے، اور موسم خزاں میں مصنوعی پھول لگائے جاتے۔

سلاطین کے باغبانی کے اس ذوق وشوق کو دیکھکر دولت مندوں کو بھی اس کا شوق پیدا ہوا، اور انہوں نے بھی بکثرت باغ لگوائے، جو سلطنتِ مغلیہ کے آخری دور تک باقی رہے، چنانچہ ہری کا باغ، رستم باغ، گلاب باغ، توت باغ، باغِ غسل خانہ واقع بھدر، باغِ شاہی، کاریز باغ، باغ

حویلی، (شاہجہاں) شاہ باڑی، باغ چاپانیر، جیت باڑی، فتح باغ، باغ ارم اسی شوقِ عام کے نتائج ہیں۔

کوکب فلک جو سلطان مظفر چہارم اور اکبر بادشاہ کے عہد کی تصنیف ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ کیر دنج میں آم کے پانچ لاکھ درخت تھے۔

یہ شوق امیروں اور دولت مندوں سے گزر کر غریبوں میں بھی پیدا ہوگیا تھا چنانچہ ایک غریب بڑھیا نے بھی باغ لگایا۔ جس میں پانی کی بڑی کمی تھی بادشاہ کے حکم سے اس میں کنواں کھدوایا گیا۔

دلکش باغات

"تذکرہ الملوک" کے مصنف کے حوالے سے صاحب مرآۃ احمدی نقل کرتے ہیں کہ صرف ایک عثمان پورہ میں کاریگروں کی بارہ ہزار دکانیں تھیں، اطرافِ شہر میں متعدد باغات تھے، جس میں لالہ دریا چین، انواع واقسام کے پھول، پودے درخت دلکش عمارتیں بڑے بڑے آبشار اور پانی سے بہتی ہوئی نہریں تھیں۔ جسکے چاروں طرف خوبصورت درخت لگے ہوئے تھے۔

باغات میں سے باغ نگینہ، جو کاکریہ تالاب کے وسط میں بنایا گیا تھا۔ اور وہ کاکریہ تالاب جس کی لمبائی ساڑھے سات سو ہاتھ تھی۔ کاکریہ اس کو اس لئے کہا جاتا ہے کہ حضرت شاہ عالم رح جن کے نکاح میں پہلے سلطان محمود بیگڑہ کی خالہ مرکی تھی۔ جب بی بی مرکی کا انتقال ہوگیا تو حضرت شاہ عالم نے بی بی مرکی کی ہمشیرہ بی بی مغلی جو بیوہ ہوچکی تھیں اور سلطان محمود بیگڑہ اس وقت یتیم تھے اس لئے آپ نے بی بی مغلی سے نکاح کیا اور اس طرح سلطان محمود بیگڑہ کی براہ راست تربیت آپ نے فرمائی۔

غرض حضرت شاہ عالم تالاب کی کھدائی کے وقت جب وہاں پہنچے

تو آپ کے پیر میں کنکر چبھا جس پر آپ نے فرمایا کہ کیا کنکر ہے؟ (کانکڑہ گجراتی میں کہا جاتا ہے) وہیں سے کانکڑسے کانکریہ تالاب مشہور ہوا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ سلطان نے جب آپ سے پوچھا کھدائی کے وقت کہ کس جگہ بنایا جائے تو آپ نے کنکر پھینک کر جگہ بتائی۔ اس لئے اس کو کانکریہ تالاب، کہا جاتا ہے۔ کانکڑیہ تالاب کے چاروں طرف سلطان محمود کا ارادہ باغات کے بنانے کا تھا۔ اسی لئے جنوبی سمت میں آپ نے باغ کی بنیاد رکھی تھی۔ جس کو باغ موگرہ، بھی کہتے ہیں جو ناتمام رہ گیا تھا۔

اسی طرح وہاں احمدآباد کی شاہ باڑی، بھی بہت مشہور ہے جو سابرمتی کے کنارے پر باسٹھ بیگھہ میدان پر تعمیر کیا گیا تھا۔ باغ کی باہر کی پچاس بیگھہ زمین بھی اسی کے متعلق تھی۔

سلطان محمود بیگڑہ کا بنوایا ہوا ایک باغ حویلی کے علاقہ میں، کترار، جگہ میں تھا، جس میں سلطان محمود نے صرف پھلدار نولاکھ درخت لگوائے تھے اس لئے اس کا نام ہی نولاکھ پڑ گیا تھا۔

اسی طرح باغ شعبان جو سلطان محمد بن سلطان احمد کے غلام کا بنایا ہوا تھا۔ یہ عظیم الشان باغ تھا۔ جو موضع رکھیال، میں تھا۔

، باغ درخت ھلیلہ، یہ بھی موضع رکھیال میں مشہور تھا۔

اسی طرح سابرمتی کے کنارے پر رستم خاں کا بنوایا ہوا رستم باغ بھی مشہور تھا جو ساٹھ بیگھہ زمین پر پھیلا ہوا تھا۔

رستم باغ کے قریب ہی میں گلاب باغ اور باغ توت مشہور تھے جو گلاب کے پھول اور اس کا عطر کشید کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔

پرگنہ حویلی میں، باغ شاہی، جو ایک سو پانچ بیگھہ زمین پر بنایا گیا تھا۔ یہ باغ شاہی مقصود پور

میں جو پرگنہ حویلی کے دیہاتوں میں ہے۔ اور سابرمتی کے کنارے پر جو شاہجہاں کے حکم سے اس کے وکیلوں نے بنایا تھا۔ جس میں پانی پہنچانے کے لئے ایک سو بیل اور ستر اشخاص باغبانی کے ماہرین متعین تھے اور مزدور صفائی کرنے والے نگرانی کرنے والے، تحویلدار، حساب وکتاب رکھنے والے، اسکے علاوہ تھے۔

"فرمان باڑی"، فرمان باڑی کے نام سے سابرمتی کے مغربی سائیڈ پر بھی ایک باغ تھا: فتح باغ، جب مرزا عبدالرحیم خانخانان نے دکن کے حاکم سلطان مظفر حسین پر فتح پائی تو اس فتح کی خوشی میں سرکھیج میں فتح باغ بنایا گیا تھا۔

"جیت باغ"، سیف خاں نے عبداللہ خاں فیروز پر جنگ میں فتح پائی تو اس جگہ اس نے جیت باغ کے نام سے جیتل پور نامی جگہ میں ایک باغ بنایا تھا جس میں بطور خاص باولی بنائی گئی تھی کہ جو "داھری باولی" کے نام سے مشہور تھی۔ [1]

باغ فتح

جہانگیر اپنی توزک میں لکھتے ہیں!

"اس میدان جنگ میں خانخاناں نے جو باغ لگایا ہے وہ دریائے سابرمتی کے کنارے پر واقع ہے، اس باغ میں اس نے ایک عالی شان عمارت کے ساتھ اس کے مطابق ایک چبوترہ بھی دریا کے کنارے تعمیر کرایا ہے۔ باغ کے اردگرد چونے اور پتھر کی نہایت مضبوط دیوار کھینچی گئی ہے اس باغ کا رقبہ ایک سو بیس جریب ہے۔ اور بلاشبہ یہ ایک بہترین سیرگاہ

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی صفحہ ۲۲۱

ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی تعمیر پر دو لاکھ روپے خرچ ہوئے ہوں۔ مجھے یہ باغ بہت پسند آیا کہا جا سکتا ہے کہ تمام صوبہ گجرات میں اس جیسا کوئی باغ نہیں ہوگا۔ مبارک شنبہ (جمعرات) کی رات وہیں گزار کر جمعہ کے دن شہر واپس آیا ۲۲ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن باغ فتح میں گلاب کے پھولوں کی سیر کے لئے گیا۔ پھولوں کا ایک تختہ خوب کھلا ہوا تھا۔ اس ملک میں گلاب بہت کم ہوتا ہے اس قدر پھولوں کا ایک جگہ دکھائی دینا بہت غنیمت ہے۔ گل لالہ کا لالہ زار بھی بُرا نہ تھا۔ باغ کے انجیر کے درختوں پر پکے ہوئے انجیر لگے ہوئے تھے۔ میں نے چند انجیر اپنے ہاتھ سے توڑے ان میں سے جو بڑا تھا، اُسے تُلوایا اس کا وزن ساڑھے سات تولے نکلا۔[1]

جہانگیر بادشاہ کی مؤلف مرآۃ سکندری کے باغ میں سیر

جہانگیر اپنی توزک میں لکھتے ہیں:

۲۸ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن رستم خاں باڑی کی سیر کے لئے گیا۔ باڑی اہلِ ہند کی اصطلاح میں باغ کو کہتے ہیں یہ باغ میرے بھائی شاہ مراد نے اپنے بیٹے رستم خان کے نام پر بنوایا تھا۔ دن کے آخری حصے میں شیخ سکندر کے باغ میں گیا جو اس کی حویلی میں واقع اور رستم باڑی سے قریب ہے، انجیر خوب پکے ہوئے تھے۔ اپنے ہاتھ سے توڑ کر خوب کھائے۔ میوے اپنے ہاتھ سے توڑ کر کھانے کی لذت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔

میں نے زندگی میں اب تک اپنے ہاتھ سے انجیر توڑ کر نہیں کھائے

---

[1] توزک جہانگیری ص ۲۴۴۔

تھے۔ اس کے علاوہ شیخ سکندر کی سرفرازی بھی مقصود تھی اس لیئے میں اس باغ میں بلاتکلف چلا گیا۔ شیخ سکندر گجراتی الاصل اور معقول انسان ہے۔ اور سلاطین گجرات کے حالات اُسے خوب یاد ہیں۔ تقریباً آٹھ نو سال سے وہ سلطنت کے امراء کے زمرے سے منسلک ہے۔

چونکہ فرزند شاہجہاں نے رستم خاں کو جو اس کے عمدہ ملازموں میں سے ہے۔ احمد آباد کی حکومت پر مقرر کیا تھا۔ لہٰذا میں نے اس فرزند کی سفارش پر رستم باڑی کو رستم کے نام کی مناسبت سے اس کو بخش دیا [1]

جہانگیر اپنی توزک میں لکھتے ہیں!

؛ نگینہ نامی باغیچے میں جو دولت خانے کے اندر واقع ہے اور جسے سلاطینِ گجرات میں سے کسی بادشاہ نے بنوایا تھا محفل منعقد کی۔ اس باغیچے میں انگور کا ایک تختہ بالکل پک چکا تھا۔ میں نے حکم دیا کہ اپنے ہاتھ سے انگور توڑ کر کھائیں۔" [2]

گلاب کی کاشت

باغات اور پھول پھلواری کی کثرت کا اندازہ اس قصہ سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک بزرگ کے لیئے معالج نے گلقند تجویز کیا سلطان گجرات کو جب اس کا علم ہوا تو بارہ چھکڑے (بیل گاڑیاں) گلقند سے بھری ہوئی ان کی خدمت میں بھیج کر پیغام بھجوایا کہ معاف کیجئے کہ سفر میں ہوں اس لیئے اتنا ہی بھیج سکا ہوں۔ سوال ہوتا ہے کہ اتنی بڑی گلقند کی مقدار سلطان کے لیئے سفر میں ساتھ کیوں رکھی جاتی ہو گی۔ مورخین اس کا جواب بھی

---

[1] توزک جہانگیری ص ۲۴۲، ۲۴۱ [2] ایضاً ص ۲۵

لکھتے ہیں کہ دراصل سلطان کے لیئے گلقند کے عرق کو مشروب کے طور پر کشید کیا جاتا تھا۔ اس لیئے اتنی مقدار میں گلقند ساتھ رکھا جاتا تھا۔

جہانگیر کا تالاب کاکریہ کے کنارے قیام

جہانگیر اپنی توزک میں لکھتے ہیں!

۲۲ر ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۷-۱۶۱۶ء) کو ہفتے کے دن کاکریہ کے تالاب کے کنارے قیام کیا۔ یہ تالاب شہر احمد آباد کے بانی سلطان احمد کے پوتے قطب الدین محمد نے بنوایا تھا۔ اس کے اردگرد پتھر اور چونے کی پختہ سیڑھیاں بنائی گئی ہیں اور تالاب کے درمیان ایک مختصر سا باغیچہ اور مکان بنا ہوا ہے۔ تالاب کے کنارے سے مکان تک ایک پل ہے تاکہ آمدورفت کا راستہ ہو سکے۔ چونکہ اس عمارت کی تعمیر پر ایک عرصہ گذر چکا ہے اس لئے جا بجا یہ عمارت ٹوٹ پھوٹ گئی ہے اور کوئی جگہ ایسی باقی نہیں رہی ہے جہاں انسان بیٹھ سکے اس زمانے میں جبکہ میں نے احمد آباد آنے کا ارادہ کیا تو گجرات کے بخشی صفی خان نے شاہی خزانے سے اس کی شکست و ریخت کی مرمت کرائی اور باغیچے کو بھی صاف کرایا۔ اس طرح اس نے باغیچے اور عمارت کو نیا رنگ و روپ بخشا، بلاشبہ یہ قیام گاہ نہایت پُرفضا اور دلکش ہے مجھے اس کی وضع بہت پسند آئی۔ اس حصے مین جس میں پل واقع ہے۔ نظام الدین احمد نے جو میرے والد کے زمانے میں کچھ عرصہ گجرات کا بخشی رہا تھا۔ اس تالاب کے کنارے ایک باغ لگوایا تھا۔[1]

---

[1] توزک جہانگیری ص۲۳۵۔

ساخت
یہ تالاب کس قسم کا تھا اسکے متعلق

لکھا ہے کہ رائے پور دروازہ سے ۱/۲ امیل فاصلے پر یہ حوضِ قطب، واقع ہے۔ یہ ۷۲/ایکڑ میں پھیلا ہوا ہے، اس کا دور ایک میل سے زیادہ ہے، اس کے ۳۴ رگوشے ہیں۔ اس کے ہر جانب ۱۹۰ راطراف ہیں۔ اس کو سلطان قطب الدین نے ۸۵۵ھ/۱۱۵۱ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچایا، چاروں طرف پتھر کے زینے ہیں، چھ راستے ہیں جن کے اوپر گنبد ہیں، وسط میں ایک جزیرہ تھا، جو ۴۸ رکمانوں کے پل کے ذریعے خشکی سے ملا ہوا تھا، ایک باغ بھی تھا جس کو نگینہ باڑی کہتے تھے اس سے آگے ایک محل تھا جسکا نام گھٹا منڈل تھا سلطان قطب الدین موسم گرما اسی محل میں گذارتا تھا، وسط تالاب میں ایک چھوٹا حوض بھی تھا، جس میں فوارہ لگا تھا، شمالی جانب ایک کمرہ تھا، (جو غالباً تالی کے لیے ہوگا) اس خیال سے کہ یہ گرمیوں میں خشک نہ ہو جائے اس کو گیارہ میل کی طویل نہر کھود کر کسی ندی سے ملا دیا گیا تھا۔

جہانگیر توزک میں لکھتے ہیں کہ!

اتوار کے دن ۲۳ ررجب ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ء) کو حکیم علی کے گھر حوض دیکھنے کے لئے گیا، میرے مقرب مصاحب جنہوں نے یہ حوض پہلے نہیں دیکھا تھا۔ میرے ساتھ تھے۔ اس طرح کا ایک حوض انہوں نے حضرت عرش آشیانی کے زمانے میں لاہور میں بھی بنوایا تھا۔ یہ حوض چھ گز لمبا اور چھ گز چوڑا ہے۔ حوض کے برابر میں ایک گھر بنا ہوا ہے۔ جو نہایت روشن ہے۔ اس گھر کا راستہ بھی پانی سے ہوکر جاتا ہے۔ لیکن عجیب

بات یہ ہے کہ اس راستے سے گھر میں پانی نہیں آتا۔ اس گھر میں دس بارہ آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش ہوگی۔ حکیم نے نقد اور جنس سے جو چیزیں اس وقت اس کے پاس تھیں بطور نذر پیش کیں۔ میں اس گھر کے ملاحظے کے بعد جب تمام مقرب مصاحب گھر میں داخل ہوگئے۔ حکیم کو دو ہزاری منصب سے سرفراز کرکے اپنے دولت خانے کو لوٹ آیا۔ [1]

کارخانے

احمدآباد گجرات کے کارخانوں کی بھی بڑی شہرت ہے لکھتے ہیں!

نویں صدی کے شروع میں گجرات کا پایۂ تخت احمدآباد۔ آباد کیا گیا۔ اور پچاس برس میں اس قدر ترقی کر گیا کہ ہندوستان میں کوئی شہر اس کا مقابل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ سلطان محمود بیگڑہ کو خصوصیت سے اس کی ترقی کا بڑا خیال تھا۔ ان کے عہد میں ہر قسم کے اہلِ کمال یہاں جمع ہوگئے تھے تاریخ کے تتبع سے جہاں تک پتہ چلتا ہے اسی وقت سے یہاں کاغذ کے کارخانے قائم ہوئے۔ اور رفتہ رفتہ اس قدر ترقی ہوئی کہ خاص احمدآباد کے علاوہ پٹن اور کھنبایت میں اس کے بڑے بڑے کارخانے قائم ہوگئے۔ پٹن دنہروالہ) کے کاغذ کا نام ہی پٹنی ہوگیا۔ احمدآباد کے کاغذ کی خاص خوبی اس کی سپیدی (سفیدی) اور چکنا پن ہے۔

مرآۃ احمدی میں ہے!

کاغذسازی کے کارخانوں سے اگرچہ دولت آبادی اور کشمیری کاغذ بہت ہی عمدہ بنتا ہے۔ لیکن سفیدی اور چمک میں احمدآبادی کا مقابلہ نہیں کرسکتا

---

[1] توزک جہانگیری ص ۲۶۲۔

اور یہ مختلف قسم کے تیار کئے جاتے ہیں۔ [۱]

مبارک نام کا اثر

اس مبارک نام کا اثر ہر طرح سے ظاہر ہوا۔ یہاں اصحابِ طریقت بھی ہوئے، شیوخ، علم و معرفت بھی اور دنیوی فنون میں کمال رکھنے والے اہلِ صنعت و حرفت بھی۔ یہاں کی پارچہ بافی کے متعلق تیسری صدی کا ایک عرب سلیمان تاجر لکھتا ہے کہ: اس ملک سے اچھے کپڑے اور کہیں نہیں ہوتے۔ سوتی کپڑے اتنے نفیس اور باریک ہوتے ہیں کہ انگوٹھی کے حلقہ میں آسانی سے سما جاتے ہیں :

وہ لکھتا ہے :۔ اس طرح کے بعض کپڑے ہم نے خود (اور کہیں) نہیں دیکھے :

مرآۃ احمدی میں ہے!

: محمود شاہ اول کے دور میں احمد آباد میں کمخواب، قسطی، مخمل، چکن، کارچوب کا کام بہت عمدہ قسم کا ہوتا تھا اور یہاں کے کاریگروں کے نام ایران، توران، روم اور شام تک مشہور تھے :! (جلد ۲ ص ۲۰۵)

خلاصۃ التواریخ میں لکھا ہے کہ!

: احمد آباد میں زری کا چیرہ، فوطہ، جامہ دار، مخمل، زربفت، خارا وغیرہ بہت اچھے تیار ہوتے تھے۔ اور روم، فرنگ اور ایران کے کاریگروں کی تقلید کی جاتی۔ قسطی تو بہت عمدہ تیار ہوتی۔ لوگ اس کو تحفہ کے طور پر ہاتھوں ہاتھ لے جاتے (خلاصۃ التواریخ ذکر گجرات)

---

[۱] تمدنی کارنامے ص ۲۴۹، ۲۵۰ ۔

یہاں کے کاریگروں نے شاہجہاں کے دور میں مخمل اور زربفت کا ایک خیمہ ایسا قیمتی بنایا تھا جو ایک لاکھ روپے میں تیار ہوا تھا۔ (بادشاہ نامہ جزء۲ صفحہ)

یہ کاریگر اپنے فن کے اس قدر ماہر تھے کہ جے پور کے راجہ جے سنگھ (غالباً مندھراج) نے جے پور کو اپنے یہاں کا احمد آباد ثانی بنانا چاہا تو بڑے بڑے انعامات دے دلاکر احمد آباد سے کاریگروں کو لے گیا۔

گجرات کے یہ اہلِ صنعت ایسے تھے کہ دنیا کے دور دراز گوشوں میں ان کی صناعی کی شہرت پھیل گئی۔

سیّاح باربوسہ کا کہنا ہے کہ گجرات کے ریشمی کپڑے مشرقی افریقہ اور پیکو تک جاتے ہیں واتھا کے بیان کے مطابق گجرات کے کپڑے فارس، تاتار، شام، تبریز، عرب اور حبش لیجاتے تھے

مگر افسوس کہ انگریزوں کے ظلم نے اس صنعت وحرفت کو چوپٹ کرکے رکھدیا۔

نیز لکھا ہے کہ: ایوانِ خاص وعام میں جشن نوروزی اور جشن جلوس منعقد کرنے کا انتظام کیا بادشاہ حسب الحکم ایوان چہل ستون کے سامنے سونے چاندی کے ستونوں پر مخمل زربفت کا شامیانہ نصب کیا گیا۔ جس پر مقیش کی جھالر لگی تھی۔ یہ شامیانہ ایک لاکھ روپے کے خرچ سے گجرات کے ہنرمندوں نے تیار کیا تھا۔ سامنے کا تمام صحن رنگین اور مرصع کپڑوں کے فرش سے گلزار بنا ہوا تھا۔ شامیانے کے نیچے ایک مربع چبوترا بنایا تھا۔ جس کے چاروں ضلعوں پر سنگین جالی دار محجر تھے۔ عین وسط میں پر مرصع تخت رکھا گیا تھا ۔ جس پر جواہر نگار چتر سایہ فگن تھا۔ چتر کی جھالر موتیوں کی کثرت سے جگمگ کررہی تھی۔ دیوانِ خاص وعام کے در ودیوار، طاقوں

اور چھت کو نیز نقار خانے کی عمارت اور صدر دروازے کی محرابوں پر زردوز مخمل، ایرانی زربفت اور رومی ریشم اسطرح لپیٹا تھا کہ سارا مکان گل وگلزار بنا ہوا تھا۔ ان میں سے ہر حصے کی آرائش نامی امرائ اور شاہزادوں کے سپرد کی گئی تھی علاوہ ازیں اس بہشت منظر محفل میں جگہ جگہ مرصع، مینا کار طلائی ظروف بھی رکھے ہوئے تھے جو جشن کی شان وشکوہ کو دوبالا کر رہے تھے۔ [1]

زربفت گجرات میں تیار شدہ شامیانہ کا حال لکھا گیا ہے کہ!

۱۲ر فروردیں (۲ر اپریل ۱۶۳۵ء) کو حضرت شاہ جہاں نے مخملی زربفت کا وہ شامیانہ ملاحظہ فرمایا۔ جو صوبہ دار گجرات سپہدار خاں نے چوراسی ہزار روپے کی لاگت سے تیار کرواکے بطور پیش کش ارسال کیا تھا۔ ستون چاندی کے تھے جن پر سنہری ملمع تھا ۱۹ر فروردیں (۹ر اپریل ۱۶۳۵ء) کو دولت خانہ شاہی میں شرف آفتاب کا جشن منایا گیا۔ جواہرات اور طلائی مینا کاری سے قصر سلطنت کے در و دیوار اس طرح جگمگاتے تھے کہ چرخ چہارم کی چمک دمک نظروں سے گر گئی۔ دودمان تیموری کے چشم وچراغ شاہجہاں صاحب قران ثانی نے اس انجمن میں تخت طاؤس پر بیٹھ کر ایسی سخاوت کی کہ ابر نیساں شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ [2]

شاہ جہاں نامے میں ہے کہ!

۱۲ر اسفندار ۹ر ربیع الثانی ۱۰۶۳ھ مطابق ۹ر مارچ ۱۶۵۳ء عمر کے چونسٹھویں قمری سال کا جشن تلادان منعقد ہوا۔ سرکاری کارپردازوں نے ایوان خاص وعام کے سامنے ۹۶ رگز لمبی ۳۸ رگز چوڑی مخمل اور زربفت کی بارگاہ کھڑی کی جسے گجرات کے کارخانوں میں ہنرمند کاریگروں

---

[1] شاہجہاں نامہ صفحہ ۶۸، ۶۹ ج۲ [2] ایضاً صفحہ ۸۱ ج۲ -

نے اسّی ہزار روپے کی لاگت سے تیار کیا تھا۔ یہ سراپردہ ۴۴ نقرئی ستونوں پر جن کے طلائی کلس تھے، قائم ہوا۔

مجموعی وزن چار لاکھ بیس ہزار تولے (۱۳۱ من ۱۰ سیر) تھا۔ دولت خانہ شاہی میں رنگارنگ فرش فروش اس نزاکت سے بچھائے گئے کہ آسمان کو رشک آیا۔ [1]

جشن تلادان کے تحت لکھا ہے کہ!

عمر کے پینسٹھویں قمری سال کا جشن تلادان بتاریخ یکم ربیع الثانی ۱۰۶۴ھ (۱۹ فروری ۱۶۵۴ء) جمعرات کے دن منعقد ہوا۔ دولت خانہ شاہی کا صحن رنگارنگ فرش فروش سے بہشت بریں کا نمونہ بن گیا۔ احمد آباد کے کاریگروں نے لاکھ روپے کی لاگت سے مخمل بادلہ باف کا سراپردہ تیار کیا تھا جس کے نقش ونگار، باغ و بوستاں کو شرماتے تھے۔ چاندی کے چوالیس ستون جن پر کلس چڑھے ہوئے تھے اس بارگاہ کو سنبھال رہے تھے۔ جس کا کل وزن ۱۲۷ من ۳۲ سیر ۲ تولے تھا۔ سراپردے کے گرداگرد چاندی کا کٹہرا تھا۔ ایوانِ شاہی کے اندر باہر درودیوار پر چین اور ختا کے ریشم کے پردے اور زردوز مخمل کے تھان لپیٹے گئے تھے ایوان کی محرابوں پر نقرئی زنجیروں میں مرصع کار طلائی گولے لٹک کر آب وتاب دکھا رہے تھے۔ تختِ شاہی کے چاروں طرف طلائی ستونوں پر ٹھہرے ہوئے موتیوں سے مرصع شامیانوں کا عالم دیدنی تھا۔ جابجا طلائی اور مینا کار تخت اور کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ مرصع چتر جن پر موتیوں کی بیش بہا جھالریں جھول رہی تھیں شان وشوکت میں اضافہ

---

[1] شاہ جہاں نامہ ج ۳ ص ۶۱۳۔

کرتے تھے۔ صاحبقران ثانی شاہجہاں نے تختِ سلطنت پر جلوس کر کے سونا بکھیرنا شروع کیا۔ [1]

جشنِ عشرت کی تفصیل شاہجہاں نامے میں لکھی ہے کہ:

پھر ایوانِ خاص و عام کی آرائش کی نوبت آئی۔ مختلف ملکوں کے نایاب پارچات سے اس رنگین عمارت کے بام و در کو سجا کر دلہن بنا دیا۔ حجروں اور دالانوں میں فرنگ، روم، چین، اور ختا کے زر دوز مخملی پردے آویزاں ہوئے۔ بائیس گز اونچے اور سوا دو گز محیط والے چار نقرئی ستونوں پر شاہی خیمہ دل بادل کھڑا کیا گیا۔ اس کی لمبائی ۷۰ گز اور چوڑائی ۴۵ گز تھی جو احمدآباد کے کارخانے میں سال بھر کی محنت سے تیار ہوا تھا۔ ایک لاکھ روپے لاگت آئی۔ رنگینی اور بلندی کا یہ حال تھا کہ دسواں آسمان کہیں تو زیبا ہے۔ ۳۲۰۰ مربع گز رقبہ اس کے نیچے تھا جس پر ایک ہزار آدمی بیٹھ سکتے تھے تین ہزار تیز دست فراشوں نے اسے برپا کیا۔ اس کے گرداگرد زربفت مخمل کے شامیانے سنہری روپہلی چوبوں پر کھڑے بہار دکھا رہے تھے۔ چاروں طرف نقرئی محجر لگایا تھا۔ دل بادل کے نیچے بڑے بڑے خیمے زربفت، مخمل اور گجراتی و ایرانی دیبا سے آراستہ کلابتون کی ڈوریاں نقرئی ستونوں پر کسی ہوئی۔ جابجا رنگین مرصع چتر جن پر موتیوں کی جھالریں، ان سے موتیوں کی لڑیاں لٹکتی ہوئی ایسی معلوم ہوتی تھیں گویا کہکشاں اور ثریا آسمان پر نمودار ہیں۔ مناسب فاصلے پر مرصع اور زریں تخت رکھے ہوئے۔ اس آراستہ و پیراستہ ایوان کے بیچوں بیچ مربع تخت گاہ تھی جس کے گرد سنہری کٹھرا جگمگا رہا تھا۔ اس پر بادشاہی تخت رکھا گیا جو لعل و یاقوت

---

[1] شاہجہاں نامہ ج ۲ ص ۶۳۲۔

اور گوہر و زمرد کی کثرت سے رشکِ فلک بنا ہوا تھا۔ جواہرات کی چمک دمک سے نظر خیرہ ہوتی تھی۔ عرشِ اعظم کا نمونہ معلوم ہوتا تھا۔ شامیانے کو چار طلائی ستون سنبھالے تھے۔ جن کے سربند قیمتی جواہرات سے آراستہ تھے۔

جہاز سازی جہاز سازی کے کارخانے گھوگھہ کھنبایت اور سورت میں قائم تھے۔ توپ سازی کے کارخانے بھی بڑے اعلیٰ پیمانے کے تھے۔ محمود ثالث کے عہد میں جزیرہ دیو کو پرتگیزوں سے واپس لینے کے لئے جو جنگی تیاری کی گئی تھی، اس کے لئے توپ اور جہاز خاص طور سے گجرات ہی میں تیار ہوئے تھے۔

بہادر شاہی توپ سلاطین گجرات میں بہادر شاہ کو توپوں سے عشق تھا۔ اس نے طرح طرح کی توپیں جمع کیں۔ اور ایسی توپیں بنوائیں کہ ہندوستان میں اس وقت تک کسی نے نہیں دیکھی تھیں۔ رومی خان ترکی جیسا ماہر فن بہادر شاہ کے توپ خانہ کا افسر اعلیٰ تھا لیلی، مجنوں اور دو دوسری سلیمانی، مصری توپیں وہ خود اپنے ساتھ لایا تھا، بہادر شاہی نام کی ایک توپ گجرات میں تیار کی گئی تھی۔ مغل سلطنت کے بانی بابر بادشاہ کے ہندوستان میں آنے اور پانی پت کی جنگ سے قبل ہندوستان کے بعض صوبوں میں اعلیٰ پیمانہ پر توپ خانہ موجود تھا، اور اس میں گجرات کو فخر و تقدم حاصل تھا۔

بندوق بندوق بھی یمن کے راستہ سے سب سے پہلے گجرات میں آئی۔ چنانچہ مظفر شاہ کے آخری عہد میں بارہ ہزار بندوق باز فوج میں موجود تھے

تلوار:- مولانا ابو ظفر لکھتے ہیں: یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے

کہ گجرات کی تلوار سب سے بیش قیمت ہوتی کیونکہ آب وہوا کے علاوہ وہاں کے ایک مخصوص کنویں کا پانی تلواروں کی آب کے لئے بے حد مفید تھا۔ سروہی کے ہتھیار آج بھی مشہور رہیں جو گجرات کا مشرقی پہاڑی علاقہ ہے۔

احمد آباد کے مدارس

سلاطین گجرات میں سلطان محمود بیگڑہ سے بڑا کوئی دوسرا بادشاہ نہیں گذرا، ۸۶۳ھ سے ۹۱۷ھ تک انہوں نے حکومت کی ان کا دربار علمار فضلار سے بھرا رہتا تھا، بڑی بڑی عمارتیں ان کے عہد میں تعمیر ہوئیں، منجملہ ان کے مدارس بھی تھے۔ تاریخ مرآۃ احمدی کے مصنف لکھتے ہیں کہ اس بادشاہ نے مسافروں کے آرام کے لیے سرائیں، طالب علموں کے لئے مدرسے اور مسلمانوں کے لیے مسجدیں تعمیر کرائیں۔

مدرسہ سیف خاں

مرآۃ احمدی کے مصنف لکھتے ہیں کہ محمد صفی صوبہ دار گجرات نے جن کا لقب سیف خاں تھا، احمد آباد میں قلعہ ارک کے پھاٹک کے سامنے ایک عظیم الشان وخوش منظر مدرسہ تعمیر کرایا۔ مدرسہ کا نام مدرسۃ العلمار تھا، سالِ تعمیر ۱۰۳۲ھ اس شعر سے نکلتا ہے۔ ؎

سال اتمام زمعار رقضا جستم وگفت ✤ مسجد و مدرسہ و دار شفائے آباد

مدرسہ شیخ الاسلام

قاضی اکرام الدین خاں المخاطب بہ شیخ الاسلام نے اپنے ذاتی مصارف سے احمد آباد میں ایک بہت عالیشان مدرسہ بنوایا، جس کی تعمیر میں ایک لاکھ ۲۴ ہزار روپے صرف ہوئے تھے، تعمیر کا آغاز ۱۱۰۲ھ اور انجام ۱۱۱۱ھ میں ہوا، متصل دوکانوں کے علاوہ دو گاؤں بھی وقف تھے اس مدرسہ

کے مشہور مدرس مولانا نورالدین گجراتی تھے۔ [1]

مدرسہ سرخیز سرخیز میں جہاں شیخ احمد کھتو کا مزار ہے، ایک بہت بڑا مدرسہ [2] تھا، مزار کی عمارتیں محمد شاہ نے تعمیر کی تھیں، اور غالباً مدرسہ کی عمارت بھی محمود شاہ و مظفر شاہ کے عہد حکومت میں تعمیر ہوئی تھیں فقیہ احسن العرب الداجھولی اس مدرسہ کے اساتذہ میں بہت ممتاز درجہ رکھتے تھے۔

مدرسہ وجیہ الدّین احمدآباد میں علامہ وجیہ الدین کا مدرسہ سب سے زیادہ مشہور رہے، اس مدرسہ میں طلبہ کو وظائف بھی ملتے تھے، تقریباً ۶۵ سال تک علامہ ممدوح نے اس میں تعلیم دی، اور بعد وفات یہیں پیوند زمین ہوئے۔ ان کے بعد اُن کے فرزندِ رشید مولانا عبداللہ جانشین ہوئے، صادق خاں نام ایک امیر نے مدرسہ کی عمارت از سرِ نو تعمیر کی، جس میں طلبہ کے رہنے کے واسطے مکانات بنوائے اور وظائف کا معقول انتظام کیا۔

مدرسہ عثمان پور سابر ندی کے کنارے ایک گاؤں تھا، جس کو اس کے بانی عثمان متوفی ۸۶۳ھ نے اپنے نام پر آباد کیا تھا۔ شیخ عثمان نے وہاں ایک مدرسہ [3] بھی قائم کیا، محمد شاہ گجراتی کو شیخ سے بڑی عقیدت تھی، شیخ نے مدرسہ کے لئے اس عقیدت سے مختلف فوائد حاصل کئے، جن میں سے یہ قابلِ ذکر ہے کہ، طلبہ کی تعلیم کے لئے شاہی کتب خانہ کی تمام کتابیں حاصل کرکے وقف کردیں۔

مرآۃ احمدی سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دیوان صوبہ گجرات مکرمت خاں کے نام عالمگیر نے ایک فرمان بھیجا، جس میں حکم دیا گیا، تھا کہ مملکت

---

[1] یادایام [2] ایضاً [3] ایضاً۔

محروسہ کے تمام علاقوں میں مدرس مقرر کئے جائیں۔ طالب علموں کو میزان سے لے کر کشاف تک تعلیم دیجائے اور ان کو سرکاری خزانہ سے حسب رائے صدر صوبہ وتصدیق مہر مدرس وظائف دیئے جائیں، چنانچہ تین مدرس ایک احمدآباد، دوسرے سورت، اور تیسرے پٹن میں مقرر کئے گئے۔ اسی کتاب سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۰۸۷ھ میں قلعہ بھدر (احمدآباد) کے مدرسے، مسجد اور دارالشفاء کی مرمت کے لئے روپیہ ادا کیا گیا۔

ولی اللہ کا مدرسہ احمدآباد میں موجودہ تیلیاں پل کے پاس جو مسجد ہے وہ اسی مدرسہ کی بقیہ یادگاروں میں سے ہے۔ پہلے یہاں بہت بڑا مدرسہ تھا، احمد بن سلیمان چونکہ فلسفہ، منطق، اقلیدس، حساب اور فلکیات میں بڑے ماہر تھے ان کے شاگرد بھی ان فنون میں بڑے ماہر ہوئے چنانچہ ان فنون کی تعلیم اس مدرسہ میں بڑے اعلیٰ پیمانہ پر ہوتی تھی۔

مولانا عماد الدین الموجود (۱۱۵۵ھ/۱۷۴۲ء) مولانا نورالدین اور مولانا ولی اللہ اپنے اپنے وقت میں اس مدرسہ کے مدرسِ اعلیٰ اور نگراں رہے، اس کے ساتھ ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا، افسوس ہے کہ مرہٹوں کی لوٹ مار میں یہ مدرسہ تباہ ہوگیا۔ پھر معمولی طور پر اندرون شہر میں کالوپور کی اس مسجد میں جس کو آج کل ولی اللہ کی مسجد کہتے ہیں ایک مدرسہ قائم کیا گیا، یہ بھی بند ہوگیا۔[1]

دارالارشاد احمدآباد میں ایک مدرسہ دارالارشاد کے نام سے قائم کیا گیا تھا جس میں علوم دینیہ کی تعلیم ہوتی تھی۔ یہ کب قائم ہوا کس نے قائم کیا اور کب بند ہوگیا کچھ معلوم نہیں ہے صرف اتنا پتہ چلتا ہے

---

[1] گجرات کی تمدنی تاریخ ص ۲۱۴۔

کہ ۱۱۱۲ھ/۱۷۰۰ء میں یہ موجود تھا، اس میں ایک کتب خانہ بھی تھا اس کتب خانہ کی ایک کتاب "مخازن المعروف" محبیّ قاضی نورالدین صاحب بھروچ کے کتبخانہ میں اس وقت موجود ہے۔ یہ معلومات مجھے اس سے حاصل ہوئیں۔ [1]

صنعتی مدارس

صنعتی مدارس بھی احمدآباد میں بکثرت تھے مگر ان کا طرز آج کل کے ٹیکنیکل مدارس سے مختلف تھا دستور یہ تھا کہ ایک کارخانہ کھولا جاتا تھا کاریگر اس میں کام کرتے تھے اور طلبہ کو اس میں عملی تعلیم دیجاتی تھی ان میں بعض ایسے بھی ہوتے جو نوشت و خواند سے بالکل محروم ہوتے لیکن اس تعلیم میں ان کا نمبر پڑھے لکھے لڑکوں سے اچھا آتا کارخانے سے جو طلبہ فارغ ہوکر نکلتے وہ زیادہ تر اسی کارخانے میں ملازم ہوجاتے اور ایسا اچھا کام کرتے کہ ان کی مصنوعات کو دیکھکر غیر ملکی حیرت زدہ رہ جاتے۔ اس میں تاجروں اور کاریگروں کے لڑکے زیادہ داخل ہوتے اور بڑے شوق سے تعلیم حاصل کرتے۔

اسی طرح انجنیرنگ، موسیقی، اور دیگر چیزوں کے بھی متعدد مدارس تھے جن میں ہندو اور مسلمان بلا روک ٹوک کے تعلیم حاصل کرتے تھے اور وہاں سے فارغ ہوکر گجرات کے آسمان پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکتے۔ ۸۹۰ھ/۱۴۸۵ء میں "گنپتیا" نامی ہندو اس عہد کا ایک ماہر انجنیر تھا اور رابشر داس ناگر پٹنی مصنف فتوحات عالمگیری گیارہویں صدی ہجری میں اپنے وقت کا بہترین ادیب۔ [2]

علمی مراکز اور کتبخانے

جب گجرات میں خودمختار حکومت قائم ہوئی تو سلطان احمد (متوفی ۸۴۶ھ) کے دربار میں ہر قسم کے علوم و فنون کے ماہر جمع ہوگئے اور ان لوگوں کے فیض صحبت سے انہوں نے مدرسوں، مسجدوں، سراؤں اور رفاہِ عامہ کے دوسرے کاموں کی بنیاد

[1] گجرات کی تمدنی تاریخ ص۲۱۵ [2] ایضاً ص۲۱۶۔

رکھی۔ ان میں کتب خانہ بھی تھا۔ اس کتب خانہ کا تذکرہ تاریخ میں اس طرح آتا ہے کہ ان کے مرنے کے بعد ان کے لڑکے محمد شاہ (متوفی ۸۵۵ھ) نے شاہی کتب خانہ سے کتابیں نکال کر مدرسہ شمع برہانی کے طلبہ کے پڑھانے کیلئے وقف کیں۔ یہ کتب خانہ ۹۸۰ھ تک قائم رہا۔

اکبر نے جب گجرات فتح کیا تو اس کی کچھ کتابیں تقسیم کر دیں۔ اس میں سے کچھ کتابیں شیخ عبد الحق محدث اور کچھ ملا عبد القادر بدایونی اور فیضی کے حصہ میں آئیں باقی شاہی کتب خانہ میں داخل ہوئیں۔

عثمان پورہ کا کتبخانہ

شیخ محمد عثمان الملقب بہ شیخ برہانی خلیفہ حضرت قطب عالم (متوفی ۸۵۷ھ) (احمد آباد) بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ آپ نے سابرمتی ندی کے اس پار ایک گاؤں بسا کر اس کا نام عثمان پورہ رکھا۔ اس میں ایک مسجد اور ایک مدرسہ سلطان محمد شاہ گجراتی کے ذریعہ تعمیر کرایا جس کا نام مدرسہ شمع برہانی تھا۔ اس مدرسہ کے ساتھ ایک کتبخانہ بھی تھا جس میں دوسری کتابوں کے علاوہ شاہی کتب خانہ کی وقف شدہ کتابیں بھی تھیں ۸۰۳ھ تک وہ خود نگراں رہے۔ ان کے بعد بھی عرصۂ دراز تک یہ سب یادگاریں قائم رہیں پھر مرہٹوں کی لوٹ مار میں تباہ ہو گئیں اب صرف مسجد اور مقبرہ یادگار باقی ہے۔

خانقاہ سرخیز کا کتبخانہ

حضرت شیخ احمد کھٹوی (متوفی ۸۴۵ھ) نے سرخیز (احمد آباد) میں تالاب، مسجد اور خانقاہ خود تعمیر کرائی۔ آپ کے بعد سلطان محمد شاہ گجراتی نے مقبرہ اور مدرسہ بنوایا غالب گمان یہ ہے کہ اس مدرسہ کے ساتھ کتب خانہ ضرور ہو گا لیکن ایک واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ احمد اپنی خانقاہ میں ذاتی کتبخانہ بھی رکھتے تھے

چنانچہ ایک موقع پر حدیث کی کتاب مصابیح اپنے کتبخانہ سے نکال کر حاضرین میں سے ایک شخص کو ایک حدیث سنائی۔ جس نے آپ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا تھا۔

شاہ عالم کا کتبخانہ گجرات (احمد آباد) کے مشہور بزرگ حضرت سید محمد شاہ عالم (متوفی ۸۸۰ھ) ایک باعمل عالم تھے۔ مطالعہ کتب کا آپ کو بڑا شوق تھا۔ کثرتِ مطالعہ کی بنا پر آپ کے دونوں ہاتھوں میں ٹیک لگانے سے نشان پڑ گئے تھے۔ آپ کے پاس ایک بڑا کتب خانہ تھا جس میں عام کتابوں کے علاوہ نایاب کتابیں بھی تھیں۔ چنانچہ مولانا صدر جہاں جب آپ سے ملنے گئے تھے تو آپ نے امام رازی کا ایک ایسا نایاب نسخہ ان کو دکھایا جس کی خبر مولانا صدر جہاں کو نہ تھی۔

آپ کے جانشین بھی اس کو برابر ترقی دیتے رہے۔ سید جعفر بدر عالم (متوفی ۱۰۸۵ھ) کے وقت میں یہ کتب خانہ عروج پر تھا۔ آپ نے خود بھی سینکڑوں کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھ کر داخلِ کتب خانہ کیں۔ ایک دفعہ رات کے وقت راستہ میں ایک سائل نے قرآن کا نسخہ طلب کیا۔ آپ نے کہا کہ آج کتب خانہ سے دیکھ کر دیں گے۔ اس نے کہا کہ جو آپ کے پاس اس وقت موجود ہے وہ کیوں نہیں دیتے۔ آپ ہمیشہ اپنے ساتھ ایک قرآن مجید رکھتے تھے مجبوراً وہی دیدیا۔ مرہٹوں کی یورش کے زمانہ میں ان کی لوٹ مار کے خوف سے آپ کی اولاد شہر پناہ کے اندر چلی آئی تھی جس کی بنا پر کتبخانہ کی کافی حفاظت نہ ہوسکی۔ جس سے آہستہ آہستہ کتب خانہ تباہ ہو گیا۔ لیکن کچھ بچی ہوئی کتابیں آج بھی ان کے سجادہ نشین اولاد کے قبضہ میں ہیں۔[1]

---

[1] تمدنی کارنامے ص۲۸۳۔

شاہجہاں کا کتب خانہ

شاہجہاں بادشاہ کے عہد ۱۰۶۲ھ میں اس کتبخانہ کے ناظم کچھ دنوں کے لیے سید علی ابن سید جلال مقصود عالم بن سید محمد مقبول عالم تھے، یہ گجرات کے شہر احمد آباد میں پیدا ہوئے۔ اور اپنے بھائی سید جعفر بدر عالم کی سفارش سے اس عہدہ جلیلہ پر سرفراز ہوئے، ان کا سلسلۂ نسب احمد آباد گجرات کے مشہور بخاری خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت شاہ عالم سے ملتا ہے نہایت لائق اور صاحب علم لوگوں میں سے تھے۔ اورنگزیب عالمگیر سے لے کر محمد شاہ کے زمانہ تک شاہی کتب خانہ اپنی اصل حالت پر قائم رہا۔ [۱]

مدرسہ ہدایت بخش کا کتبخانہ

احمد آباد میں مولانا شیخ نور الدین یگانۂ روزگار عالم اور متقی صوفی تھے فلسفہ منطق، ریاضی کی تعلیم مولانا احمد بن سلیمان متوفی ۱۰۷۷ھ سے حاصل کی تھی، جو مخدوم شیخ ابراہیم بن سلیمان کے حقیقی بھائی تھے، ان کے لیۓ شیخ الاسلام نے ایک عمارت مدرسہ ہدایت بخش کے نام سے تیار کرادی تھی، اس کی تعمیر میں ایک لاکھ چوبیس ہزار روپیہ خرچ ہوئے تھے، ۱۱۰۱ھ میں مدرسہ کی عمارت، مسجد اور دار الاقامہ کی عمارتیں بن کر تیار ہوئیں۔ اسی کے ساتھ ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا جس میں ہر فن کی کتابیں موجود تھیں خواص کے سوا عوام بھی اس کتب خانے سے فیضیاب ہوتے تھے، افسوس کہ مرہٹہ گردی میں یہ کتب خانہ تباہ ہو گیا۔ اس کی متعدد کتابیں کتب خانہ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ حیدرآباد میں موجود ہیں محلہ والوں کی دیکھ بھال سے مسجد البتہ اب تک قائم ہے

مدرسہ ولی اللہ کا کتب خانہ

احمد آباد میں تلیا ل کے متصل جو مسجد ہے اسی کے ساتھ ایک بڑا مدرسہ تھا ۱۱۵۵ھ میں مولانا بہاؤ الدین اس کے ناظم تھے، اس کے متعلق ایک بڑا کتب خانہ تھا۔

[۱] تمدنی کارنامے صفحہ ۲۸۰۔

جس میں تقریباً ہر فن کی کتابیں موجود تھیں اور بہت سی فن کی منتخب کتابیں تھیں، مرہٹہ گردی میں اس مدرسہ اور کتب خانہ کا حال بھی ابتر ہوگیا، اس خاندان میں جب علمی چرچا کم ہوگیا تو کتب خانہ کی حفاظت کا خیال بھی جاتا رہا، اہل خاندان نے شائقین کو خود بہت سی کتابیں دیدیں، کچھ کیڑوں کی نواضع میں صرف ہوئیں، غرض اس طرح تمام کتب خانہ منتشر ہوگیا، بقیہ کتابیں جو اس وقت موجود ہیں ان سے قیاس ہوتا ہے کہ کتب خانہ بہت بڑا اور گوہرہائے نایاب کا بیش بہا خزانہ ہوگا، کیونکہ اس علمی خزانہ کے لٹ جانے کے باوجود آج بھی اس میں بہت سی نایاب اور بیش بہا کتابیں موجود ہیں جو احمد آباد کی درگاہ، حضرت پیر محمد شاہ کے کتب خانہ میں وقف کردی گئی ہیں۔

شیعہ بوہروں کا کتبخانہ

احمد آباد گیارہویں صدی ہجری کے وسط تک شیعہ اسمٰعیلی بوہروں کا مرکز رہا ہے۔ ان کا والی یا داعی یہیں رہتا تھا، اور ان کے مدارس بھی زیادہ تر یہیں قائم تھے داعی کے زیر نگرانی ایک بڑا عالی شان کتب خانہ بھی تھا جس میں ہر فن کی کتابیں تھیں ۱۰۶۵ھ کے بعد کتب خانہ جام نگر کاٹھیاواڑ میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ کتب خانہ آج بھی داعی وقت سیدنا طاہر سیف الدین کی نگرانی میں بمقام (سورت) اچھی حالت میں ہے قوم کے مخصوص علماء اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں ۱۰۰۰ھ (دسویں صدی) کے آخر میں یہاں ایک اور کتب خانہ سلیمانی بوہروں کی طرف سے قائم کیا گیا تھا جس میں زیادہ تر مذہبی کتابیں تھیں یہ کتبخانہ بھی آج تک ان کے داعی کے پاس موجود ہے۔[1]

احمد آباد کے محکمۂ قضاۃ کا کتب خانہ

اسلامی عہد میں احمد آباد کے

---

[1] تمدنی کارنامے صـ۲۸۶۔

قاضی شہر کا درجہ بہت بلند ہوتا تھا، وہ پورے ضلع کے محکمۂ قضاۃ کا نگران بھی ہوتا تھا، اس لئے اس کے پاس کتب خانہ بھی ضروری تھا۔ چنانچہ احمد آباد کے قاضی شہر کے پاس اس وقت بھی ایک کتب خانہ موجود ہے جو اسلامی سلطنت کے زمانہ سے عہدۂ قضاۃ کے ساتھ چلا آرہا ہے۔ لیکن اولاد بے علم ہونے کے سبب سے اس کا بیشتر حصہ ضائع ہو گیا ہے۔ اب سنا ہے کہ کچھ حفاظت کا خیال پیدا ہوا ہے اور کتابیں صندوقوں سے نکال کر الماریوں میں رکھی گئی ہیں۔

شیخ حضرمی کا کتب خانہ

احمد آباد میں شیخ عبدالقادر حضرمی متوفی ۱۰۳۸ھ ایک مشہور بزرگ گذرے ہیں ان کی تصنیفات میں سے "النور السافر فی اعیان القرن العاشر" بڑی مشہور کتاب ہے۔ خیال آتا ہے کہ سول اسپتال سے مشرق کو جو گلی گئی ہے، اس کے اختتام کے بعد محلہ جوہری باڑہ میں ان کی قبر ہے۔ ان کے پاس ایک بڑا کتب خانہ تھا لیکن اب بجز مقبرہ کچھ نہیں ہے۔ شیخ عبدالقادر بڑے مورخ، محدث اور صوفی تھے۔ اس لئے غالباً تصوف، تاریخ اور حدیث کی کتابیں اس میں زیادہ رہی ہونگی۔ [1]

اعتماد خاں گجراتی کا کتب خانہ

گجرات کا یہ بھی وہ بلند پایہ کتب خانہ تھا جس میں نہایت نفیس و نادر کتابیں جمع تھیں، اور جو اکبر کی فتح گجرات تک موجود تھا۔ اکبر نے اس کتب خانہ پر قبضہ کرنے کے بعد اس کی کچھ کتابیں شاہی کتب خانہ میں داخل کر دیں اور کچھ ارباب علم کو دے دیں۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ "انوار المشکوٰۃ" کا نسخہ ان کے حصہ میں آیا تھا۔

گجرات مغلیہ سلطنت میں شامل ہونے کے بعد مغل بادشاہوں کی توجہ کا مرکز بنا رہا۔ عالمگیر کا اسے زیب و زینت ہندوستان کہنا ظاہر کرتا ہے

[1] تہذیبی کارنامے ص۲۴۴

کہ گجرات نے اکبر سے لے کر عالمگیر کے عہد تک علم و ادب اور صنعت و حرفت میں غیر معمولی ترقی کی تھی ۔

لیکن گجرات کے علاقہ میں جو کچھ علمی، اور ثقافتی سرمایہ مسلم عہد میں جمع ہوا تھا۔ اس کا بہت بڑا حصہ مرہٹوں کی تاراجی کے زمانہ میں برباد ہوگیا ۔ پھر بھی گجرات کے کتب خانوں کے کچھ باقیات احمدآباد، بھروچ اور کھمبایت وغیرہ کے صوفیوں قاضیوں اور عالموں کے گھرانوں میں ابھی تک موجود ہیں ۔ لکھا ہے کہ کچھ کتابیں احمدآباد کی درگاہ حضرت پیر محمد شاہ میں بھی محفوظ ہیں ۔ [1]

قاضی برہان الدین کا کتبخانہ

افسوس کہ اس کتب خانہ کا ذکر کہیں نہیں ملتا ، حالانکہ قاضی موصوف بقول مصنف یادایام کثرت افادہ میں یکتائے روزگار تھے ، اور گجرات میں علم ان ہی کی وجہ سے پھیلا ۔ لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ممدوح نہایت عمدہ کتب خانہ رکھتے تھے ۔

اسی طرح گجرات کے دوسرے مشائخ اور علماء مولانا راجح بن داؤد (متوفی ۹۰۴ھ/۱۴۹۸ء) قاضی جگن (متوفی ۹۲۰ھ) مولانا علاء الدین (متوفی ۹۴۹ھ) مولانا عبدالملک (متوفی ۹۷۰ھ) شیخ حسن محمد (متوفی ۹۸۲ھ) مفتی قطب الدین (متوفی ۹۹۹ھ) مولا احمد کردی (متوفی ۱۰۸۷ھ) سید محمد رضوی (متوفی ۱۱۱۱ھ) وغیرہ کے کتب خانے تاریکی میں ہیں حالانکہ یہ حضرات اتنے جلیل القدر عالم ، محدث ، فقیہ اور مصنف تھے جن پر ہندوستان ہمیشہ فخر کیا کرے گا ۔

مدرسہ شیخ الاسلام کا کتب خانہ

یہ اس اعتبار سے نہایت ممتاز تھا کہ اس کا استعمال صرف مدرسہ کے طلباء

---

[1] مولوی ابوالحسنات ندوی کی کتاب صـ۲ـ ۔

تک محدود نہ تھا، بلکہ ہر اہلِ ذوق اس سے استفادہ کرسکتا تھا۔ یہ مدرسہ قاضی اکرام الدین خاں المعروف بہ شیخ الاسلام نے احمد آباد میں ایک لاکھ چوبیس ہزار روپے میں تعمیر کرایا تھا، اور اس کی عمارت نو سال (۱۱۰۲ – ۱۱۱۱ھ) میں مکمل ہوئی تھی کہا جاتا ہے کہ یہ مدرسہ مولانا نورالدین کے لئے تیار ہوا تھا، جنہوں نے اپنی زندگی علم کی خدمت میں صرف کردی تھی اور علامہ وجیہہ الدین کے بعد گجرات میں باعتبار درس وتدریس وکثرتِ تصانیف کے ان سے بڑھ کر کوئی اور عالم نہیں ہوا۔ انہوں نے ۱۱۵۵ھ/۱۷۴۲ء میں وفات پائی اور اسی مدرسہ میں دفن ہوئے۔

بعض دیگر کتب خانے

مولانا شیرانی کے متعلق لکھتے ہیں کہ ! انہوں نے گجرات کاٹھیاواڑ کا سفر کرنے کا ارادہ کیا۔ چونکہ موسم گرما کی تعطیلات میں گجرات میں زبردست بارشیں ہوتی ہیں اس لئے انہوں نے ۱۶ ستمبر سے ۳۰ ستمبر تک دو ہفتے کی چھٹی لی اور گجرات روانہ ہو گئے۔ اس سفر میں انہوں نے احمد آباد، بڑودہ، بمبئی اور جے پور کے بعض کتب خانے دیکھے۔

احمد آباد میں پیر محمد شاہ کی درگاہ کا کتب خانہ، سید بڑے صاحب کا کتب خانہ، سید جلال الدین مشہدی کا کتب خانہ، اور حسینی پیر کا کتب خانہ دیکھا بعض لوگوں مثلاً قاضی احمد آباد کے پاس عمدہ مجموعے تھے لیکن انہوں نے دکھانے سے انکار کردیا۔ بمبئی میں محمدیہ اسکول کی لائبریری اور پروفیسر نجیب اشرف صاحب کا کتب خانہ نظر سے گزرا۔ بڑودہ میں جامع مسجد لائبریری دیکھی لیکن اس میں صرف مطبوعہ کتابیں تھیں۔ جے پور میں خوش قسمتی سے انہیں دائرے کے مہد دیوں کے ایک کتب خانے کا کچھ حصہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ کتب خانہ کسی مقدمے کے سلسلے میں دائرہ سے ریاست

کے صدر مقام میں لایا گیا تھا۔ اس میں انہوں نے خاص مہدوی فرقے کے لوگوں کی گوجری اور راجستھانی اردو میں لکھی ہوئی کتابیں دیکھیں۔ اس سے انہیں اپنے مضمون "دائرے کے مہدیوں کا اردو ادب کی تعمیر میں حصہ" کے لیے کافی مواد میسر آیا۔

ولی اللہ کا کتب خانہ

۱۱۵۵ھ میں مولانا عماد الدین کے زیر اہتمام جو مدرسہ قائم کیا گیا تھا۔ اسی کے متعلق ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا۔ جس میں تقریباً ہر فن کی کتابیں موجود تھیں۔ اور فن کے لحاظ سے بعض بڑی نادر تھیں۔ مرہٹہ گردی میں مدرسہ اور کتب خانہ دونوں کا حال ابتر ہوگیا۔ مولانا عماد الدین کے خاندان میں رفتہ رفتہ علم کا چرچا کم ہوگیا۔ جس کے نتیجہ میں کتب خانہ کی حفاظت کا خیال بھی جاتا رہا۔ کچھ کتابیں بعض اہل علم کو دے دی گئیں اور کچھ کیڑوں کی نذر ہوگئیں لٹ جانے کے بعد بھی کچھ نایاب اور بیش قیمت کتابیں اس میں موجود تھیں۔ جن میں سے ایک، پانچویں صدی کی حدیث کی کتاب ہے ایک اور نادر کتاب ابوریحان بیرونی کی ہے جس کا کوئی دوسرا نسخہ یورپ اور ایشیا میں آج تک دستیاب نہیں ہو سکا ہے۔ اس کتب خانہ کا بقیہ ذخیرہ کتب خانہ درگاہ پیر محمد شاہ میں منتقل کردیا گیا تھا۔ [1]

کتب خانہ آصف خاں

عبدالعزیز آصف خاں متوفی ۹۶۱ھ/۱۵۵۳ء گجرات کے بہترین وزیروں میں سے تھے بہت بڑے عالم و فاضل، صاحبِ ذوق، اہل علم کے قدردان، ان کا ایک عظیم الشان ذاتی کتب خانہ بھی تھا۔ جس میں بڑی نایاب کتابیں تھیں، وہ مکہ سے اپنے کتب خانہ کے لیے بہت سی کتابیں بھی خرید کر لا رہے تھے لیکن منگلور پہنچے تو دریا میں طوفان آگیا، خود تو بچ گئے لیکن جہاز ڈوب گیا، اور تمام

---

[1] گجرات کی تمدنی تاریخ ص ۲۲۶۔

تحائف سفر ضائع ہو گئے۔ اِن کو اپنی بجلی کی تلوار، غلام، اصیل گھوڑے اور بیش قیمت اور نادر کتابوں کے تلف ہو جانے کا عمر بھر افسوس رہا ان میں ایک نسخہ مشکوٰۃ شریف کا بھی تھا، جو اُس کے مؤلف ولی الدین خطیب تبریزی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، یہ کتاب انہوں نے مکہ مکرمہ میں خریدی تھی، اور قیمت میں اُس کے وزن کے برابر سونا دیا تھا۔ اس کے علاوہ چالیس اشرفی اس کے دلاّل کو دی تھی۔ [1]

صحیح مسلم کا سب سے قدیم نسخہ سلطان محمود کے کتبخانہ میں

مولانا امتیاز علی عرشی اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں :

صحیح مسلم کا ایک قدیم نسخہ ھندوستان میں :۔ کتبخانہ رام پور میں مسلم شریف کا ایک پرانا نسخہ محفوظ ہے جو جمادی الاخریٰ ۷۸۷ھ / ۱۳۸۵ء میں لکھا گیا تھا۔ اس کی کتابت کا کام دو فاضلوں نے مل کر انجام دیا ہے۔ پہلی جلد کے کاتب کا نام محمد بن احمد بن محمد اور دوسری کے کاتب کا نام ابراہیم بن حاجی سلیمان بن محمد بن یحییٰ ہے مقام کتابت : قلعہ دار الامان ؛ ہے۔

کتاب کو تین حصوں میں لکھا گیا ہے۔ پہلے حصے کے آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ دوسرے حصے کے خاتمے میں درج ہے۔

: تم المجلد الثانی من صحیح مسلم یوم الجمعۃ الخامس من جمادی الاخریٰ سنۃ سبع وثمانین وسبعمائۃ بقلعۃ دار الامان حماھا اللہ تعالیٰ عن الحدثان بید العبد الضعیف المحتاج الی رحمۃ اللہ الاحد، محمد بن احمد ابن محمد حامداً ومسلماً ومستغفراً ؛ (ورق ۲۸۵ ب)

---

[1] ظفر الوالہ ج ۱ ص ۲۹۹ لندن۔

آخرکتاب میں حسبِ ذیل ترقیمہ ملتا ہے ۔ تم الجلد الثالث، وھو اٰخر الکتاب، من صحیح مسلم بن الحجاج رحمۃ اللہ علیہ بحمد للہ تعالیٰ وحسن توفیقہ فی الثالث والعشرین من جمادی الاخریٰ سنۃ سبع وثمانین وسبعمائۃ علیٰ ید العبد الضعیف المسکین الغریق فی بحار الخطایا الراجی الی رحمۃ واھب العطایا، ابراھیم بن حاجی سلیمان بن محمد یحییٰ اصلح اللہ شانہ ورحم اسلافہ ۔ (ورق ۲۰۵ ب)

کتاب کے حواشی میں جگہ جگہ قرأت وسماع کی یادداشتیں مندرج ہیں انہیں سے اکثر کے ساتھ تاریخیں بھی موجود ہیں، جن سے بآسانی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ اسکی قرأت میں کتنا وقت لگا ۔ انہیں سب سے پہلی تحریر ورق ۳ الف کے حاشیے پر درج ہے، جس کی تاریخ جمادی الاولی ۷۸۷ھ (۱۳۸۵ء) ہے۔ مگر آخری جلد کے خاتمے پر جو تاریخ سماع درج تھی، وہ حاشیئے کے ساتھ کٹ گئی ہے اسلئے واقعی تاریخ ختم قرأت تو بتانا ممکن نہیں، لیکن اس سے پہلے اندراج کی تاریخ سلخ جمادی الاخری ۷۸۷ھ (۹ جولائی ۱۳۸۵ء) ہے اوران دونوں کے درمیان صرف ۱۲ صفحوں کا فصل ہے، جو ان پڑھنے والوں کی رفتار قرأت کے بیش نظر ایک دن سے زائد وقت کا متقاضی نہیں معلوم ہوتا۔ اسلئے کہا جاسکتا ہے کہ یکم رجب کو یہ کام انجام پاگیا تھا ۔ دوسرے اور تیسرے حصوں کے آخر میں استاد نے قاری کا نام تفصیل سے لکھا تھا ۔ اب صرف دوسری کا سماع باقی ہے جو حسبِ ذیل الفاظ پر مشتمل ہے ۔ :بلغ سماع مولانا وحِبّنا ومخدومنا احد العلماء الاعاظم الاکارم مجمع انواع من الممادح والمفاخر والفضائل والمعالی والکمالات العلمیہ والعملیۃ، شمس الملۃ والدنیا والدین علی الاسم والمنزلۃ بن مولانا الاعظم عماد بناء الافادۃ، اعلی اللہ تعالیٰ شئونہا وافصح براھینھما. فی المجلس الخامس والعشرین فی الثانی عشر من جمادی الثانیہ سنۃ سبع وثمانین وسبع مائۃ. والحمد کلہ اللہ ۔ (ورق ۳۸۵ ب)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سامع کا نام شمس الدین علی بن عماد تھا، اور وہ جاہ ومنزلت رکھنے والی شخصیت کے حامل تھے، ورنہ اسے استاد ایسے القاب کے ساتھ یاد نہ کرتے

مذکورہ سماع کے بعد اس کتاب کو کسی اورمحدث نے اپنے بیٹے یحییٰ کو پڑھایا تھا۔ اس سماع کا پہلا اندراج ورق ۵۸ الف پر ان الفاظ میں کیا گیا ہے ۔

(بلغ سماع ولدی وفلذۃ کبدی یحییٰ، احیاہ اللہ حیوۃ طیبۃ

ووفقه للعلم النافع والعمل المرافع ۲۰ر رجب سنة ۸۰۵ھ؛

اس کے بعد ورق ۲۶۱ ب پر لکھا ہے!

؛ بلغ سماع ولد یحییٰ من والدہ الکاتب، احسن اللہ الیھما.

من سنة خمس وثمان مائۃ. ومن ھنا سمع ولدی عبد

الرحمٰن جعلہ اللہ تعالیٰ من حزبہ المفلحین ؛

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سماع کا اندراج کرنے والے بزرگ کے ایک اور بیٹے عبدالرحمٰن بھی آخری حصے میں شریک سماع تھے۔

اس سلسلے کا آخری اندراج ورق ۵۰۰ الف پر ملتا ہے۔ جو ۲۷ر رمضان سن مذکور کو کیا گیا تھا۔

حواشی پر اختلاف نسخ بھی پایا جاتا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ مصحح نے حسب ذیل ۵ر نسخوں سے اس کے متن کی تصحیح کی ہے!

(۱) نسخہ صنا الجلودی | جلودی سے مراد ہیں ابو احمد محمد عیسیٰ بن محمد بن عبدالرحمٰن الزاہد الجلودی النیشاپوری متوفیٰ ۳۶۸ھ (۹۷۹ء)

انہوں نے ابراہیم بن محمد بن سفیان النیشاپوری متوفیٰ ۳۰۸ھ (۹۲۰ء) سے صحیح مسلم کی روایت کی، اور ابو عبداللہ حاکم نیساپوری کے بقول ان کے بعد الکسائی سے روایت صحیح کرنے والا کوئی راوی بھی ثقہ نہیں ہے۔

جلودی کے خصوصی شاگرد جن سے سلسلۂ روایت چلتا ہے، ابوالحسین عبدالغافر بن محمد بن عبدالغافر الفارسی الفسوی النیساپوری متوفی ۴۴۸ھ (۱۰۵۶ء) ہیں ان سے الحافظ حسن السمرقندی نے کچھ اوپر تیس بار اور ابو سعید البحیری نے کچھ اوپر بیس بار صحیح مسلم کی قرأت کی تھی اس لئے ان کا نسخہ اہم شمار کیا جانا چاہیے۔

(۲) **نسخہ مغربیہ**:۔ علامہ نووی نے دیباچہ شرح مسلم میں لکھا ہے کہ مشرق میں صحیح مسلم بروایت ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان عن الامام مسلم مروج ہے۔ لیکن بلاد مغرب میں اس کا رواج ایک اور سند سے ہے۔ جو صرف وہیں پائی جاتی ہے اور وہ ہے ابو عبداللہ محمد بن یحییٰ الحذاء التیمی القرطبی، عن ابی العلیٰ عبدالوہاب بن عیسیٰ بن عبدالرحمٰن بن ماہان البغدادی، عن ابی بکر احمد بن محمد بن یحییٰ الاشقر الفقیہ الشافعی، عن ابی محمد القلانسی، عن مسلم بن الحجاج القشیری۔

میری دانست میں ہمارے نسخے کے مصحح نے "نسخہ مغربیہ" سے یہی نسخہ مراد لیا ہے جو بروایت مذکورہ بلاد مغرب میں مروج تھا۔

(۳) **نسخہ حافظ اسماعیل اصفہانی**:۔ اس سے مراد الحافظ ابوالقاسم اسمٰعیل بن محمد بن الفضل القرشی الاصفہانی الملقب بقوم السنۃ ہیں، جو ۴۵۷ھ (۱۰۶۵ء) میں پیدا ہوئے اور آخر سن ۵۳۵ھ (۱۱۴۱ء) میں انتقال کر گئے۔ یہ ابن مردویہ وغیرہ کے شاگرد اور حافظ ابن عساکر صاحب تاریخ دمشق کے استاد ہیں

علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ (ج۴ ص۲۷) میں عبدالجلیل بن محمد کوباہ کی زبانی اس عہد کے ائمہ بغداد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام احمد بن حنبل کے بعد بغداد میں ان سے بڑا فاضل اور حافظِ حدیث نہیں آیا۔

(۴) **نسخہ حافظ عبدالغنی مقدسی**:۔ حافظ عبدالغنی سنہ ۵۴۱ھ (۷-۱۱۴۶ء) میں پیدا ہوئے اور سنہ ۶۰۰ھ (۴-۱۲۰۳ء) میں فوت ہوئے ہیں۔ تاج الکندی کا قول ہے کہ دارقطنی کے بعد ان جیسا محدث کوئی نہیں ہوا۔ فن حدیث میں ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ [1]

(۵) **نسخہ مکیہ**:۔ کتاب کے ورق ۴۹۵ ب کے حاشیے میں اس نسخے کا حوالہ ہے۔ مجھے اس کے بارے میں پتہ نہ چل سکا کہ یہ کس کا نسخہ تھا۔

[1] تذکرۃ الحفاظ ۴/۱۶۰۔

قرأت وسماع کے علاوہ حاشیوں میں الفاظ کی تشریح اور مطالب کی توضیح بھی ملتی ہے۔ ان میں سے بعض کے آخر میں کاتب کا نام "محمود عماد" لکھا ہوا ہے۔ انہوں نے ایک جگہ "تقریب" اور دوسری جگہ "التقریب والتہذیب" کا حوالہ دیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں ابن حجر عسقلانی متوفی سنہ ۸۵۲ھ (۱۴۴۹ء) کی تالیف ہیں، اور ان میں سے التہذیب سنہ ۸۰۸ھ (۱۴۰۵ء) میں اور التقریب سنہ ۸۲۷ھ (۱۴۲۴ء) میں لکھی گئی تھی۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ مذکورہ حاشیے سنہ ۸۲۷ھ کے بعد لکھے گئے تھے۔

اس نسخے سے پہلے قاری شمس الدین علی بن عماد کے نام کے پیش نظر یہ کہنا درست معلوم ہوتا ہے کہ "محمود عماد" ان کے چھوٹے بھائی تھے۔

نسخے کے سرورق پر حسب ذیل تحریریں اور مہریں ثبت ہیں

(۱) مہر عبدالرحیم خانخانان:۔ اس مہر کے اندر لکھا ہے "عبدالرحیم بن محمد بیرم ۹۹۱" اور مہر کے نیچے یہ عبارت درج ہے: "صحیح مسلم در حدیث کہ در شہور سنہ ۹۹۲ در، دارالامان احمد آباد داخل کتاب خانۂ خاصہ شدہ"

(۲) مہر موسوی خاں:۔ اس مہر کے اندر منقوش ہے: "موسوی خاں ۱۰۲۹" اور مہر کی دائیں جانب یہ عبارت درج ہے: اللہ اکبر صار مما صار لخادم الفقراء الاحقر موسوی خاں علی اکبر عفی عنہ۔

وحسبک قول الناس فیما ملکتہ ؛ لقد کان ھذا مرۃ لفلان

(۳) مہر حسن الحسنی:۔ اس مہر میں منقوش ہے: "المتوکل علی اللہ الغنی

حسن الحسنی "؛ مہر کے اوپر لکھا ہے "؛ اللہ اکبر۔ شرفنی باعطار ہذا الکتاب النفیس الشریف۔ جعلہ اللہ من الفائزین بالدرجۃ العلیا۔ حرّرا قل مخلصہ حاجی حسن الحسینی القزوینی عفی عنہ، وعن والدیہ حرمۃ النبی وآلہ علیہم السلام "؛

منقوط حصہ کبھی ضائع ہوگیا ہے، اسلئے معطی کا نام معلوم نہ ہو سکا، لیکن بظاہر یہ عبدالرحیم خانخاناں ہی تھے۔

(۴) حاجی حسن کی تحریر کے نیچے لکھا ہے: "؛ انتقل من السید الاجل لطریق الہبۃ والعطیۃ الی اقل محبیہ مرزا علی الحسینی الجیلانی "؛

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجی حسن الحسنی نے یہ کتاب علی الحسینی کو تحفے میں دے دی تھی۔

(۵) ایک محو شدہ مہر کے نیچے لکھا ہے: "؛ قد انتقل الی بالشرار الصحیح الشرعی فی سلخ صفر للسنۃ العشرین والالف الہجریہ وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ۔

(۶) مہر مولوی امان اللہ:۔ اس کے نیچے صاحب مہر نے لکھا ہے: "؛ انتقل الیّ "؛ من مشتری ورثۃ بالابتیاع الشرعی "؛ لیکن مہر مٹادی گئی ہے اور اس کے محاذ میں کسی نے لکھا ہے: "؛ مہر مولوی امان اللہ کہ در معرکہ نادر شاہ شہید شدہ "؛

دیگر مہروں اور تحریروں کے علاوہ نسخے میں دو جگہ (ورق ۲ الف اور ۳۱۷ الف) سلطان محمود گجراتی کی مہر ہے۔ ان میں سے پہلی جگہ مہر کے نیچے کسی نے شنجرف سے لکھا ہے "؛ مہر سلطان محمود گجراتی "؛ مہر کے اندر یہ شعر کھدا ہوا ہے

تا بلوح آسماں باشد منوّن مہر و ماہ
جاودان باد انشان خاتم محمود شاہ

اور شعر کے ساتھ یہ دعائیہ جملہ بھی درج ہے۔ "؛ خلّد اللہ ملکہ وسلطانہ "؛

اُردو اور گجرات

اُردو کے مؤرخ لکھتے ہیں !

خود مختار رہونے والے صوبوں میں سے ایک صوبہ گجرات تھا۔ جس کے حاکم ظفر خاں نے مظفر شاہ کا خطاب اختیار کر کے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا اور سکہ جاری کیا مظفر شاہ (م ۸۱۳ھ/۱۴۱۰ء) نے اپنے دربار کو سجانے کے لیئے اہلِ علم وفضل کی خوب خوب سرپرستی کی اور اس کے بعد بھی سلاطینِ گجرات علمار فضلار اور صوفیائے کرام کو معاشی و معاشرتی سطح پر ایسی سہولتیں بہم پہنچاتے رہے کہ وہ جوق در جوق گجرات کی طرف ہجرت کرتے رہے ۔

صاحب مرآۃ احمدی نے لکھا ہے کہ !

"چوں ہمگی ہمت والا نہمت سلاطین گجراتیہ مصروف بر رواج دین مبین وحمایت بیضہ اسلام بود، بخواہش تمام وابرام مالاکلام اکثر بزرگان واھل اللہ وعلمار وفضلار را درکمال احترام طلب داشتہ برعایت وجہ معاش وحسنِ سلوک تکلیف سکنا دریں دیار فرمودنگاہ داشتہ اند وبعضے باستماع اوصافِ حمیدہ وفضائل پسندیدہ سلاطین مذکورہ نظر برہدایت جمہور وارد گشتہ توطن اختیار نمود۔"

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے پہلے اردو زبان ادبی سطح پر اپنی روایت بناتی ہیں گجرات ہی میں نظر آتی ہے ۔

گجری ادب کی یہ خالص ہندوی روایت اس عرصے میں دھل منجھ، کرانتی صاف اور مقبول ہو جاتی ہے کہ بعد کی نسلیں بھی اپنے متصوفانہ خیالات کے اظہار کے لئے اسی روایت کی مخصوص ہیئت کو پسند کرتی ہیں ۔

"مرشد نامہ" میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی (م ۹۴۵ھ/ ۱۵۳۷ء) اسی صنف کو استعمال کرتے ہیں "گرو گرنتھ صاحب" میں یہی ہیئت نظر آتی ہے۔ دکن میں میراںجی شمس العشاق (۹۰۲ھ/ ۱۴۹۶ء) ابراہیم عادل شاہ جگت گرو (م ۱۰۳۶ھ/ ۱۶۲۶ء) برہان الدین جانم (۹۹۰ھ/ ۱۵۸۲ء) شاہ داول (۱۰۶۷ھ/ ۱۶۵۶ء) وغیرہ بھی اسی صنفِ سخن کو اپنا ذریعہ اظہار بناتے ہیں۔ یہاں تک کہ اٹھارویں صدی عیسوی میں شاہ عبداللطیف بھٹائی (م ۱۷۵۲ء) بھی اپنے صوفیانہ خیالات کیلئے اسی ہیئت کو اپنے تصرف میں لاتے ہیں۔

گجرات میں قدیم اردو کے جو نمونے ملتے ہیں ان میں یا تو صوفیائے کرام کے ملفوظات ہیں جن سے اس زمانے کی عام بول چال کی زبان کا اندازہ ہوتا ہے یا پھر شاعری کے وہ نمونے ہیں جو شاہ باجن، قاضی محمود دریائی، شاہ علی جیو گاؤدھنی اور خوب محمد چشتی کے قلم سے نکلے۔ گجرات میں پہلی بار ہمیں اس زبان میں تخلیق کرنے کی مسلسل روایت کا پتا چلتا ہے جو اس دور میں اس طور پر کہیں نظر نہیں آتی۔

اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ شمال سے آئی ہوئی زبان جب گجرات کی زبان میں گھلی ملی تو اس عمل میں امتزاج سے ایک ایسی شکل ظہور میں آئی جو بعد میں ممتاز ہو کر گجری اردو کہلائی۔ [۱]

وہ زبان جسے آج ہم اردو کے نام سے جانتے ہیں برعظیم کے دور دراز علاقوں میں بھی نہ صرف اپنی خدوخال بنا رہی تھی بلکہ گجرات و دکن میں شمالی ہند سے پہلے ادبی زبان کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ [۲]

---

[۱] تاریخ ادب اردو صفحہ ۹۱ تا ۹۳ [۲] تاریخ ادب اردو ڈاکٹر جمیل جالبی صفحہ ۸۷۔

دکن پر اثر گجرات

اس عہد کی تواریخ دکن سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ گجرات سے بہت سے ادیب اور عالم بیجاپور آیا کرتے تھے۔ وہاں کی سلطنت کے زوال پر ابراہیم عادل شاہ نے وہاں کے تمام ادیبوں کو اپنے دربار میں بلالیا۔ چنانچہ گجرات کے ان پناہ گزینوں نے دکن میں اردو کا ادبی ذوق بڑھانے میں بڑا حصہ لیا ہے۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ بیجاپور کے بعض اردو مصنفین جیسے شاہ برہان، اپنی زبان کو گوجری کہتے ہیں۔ یہ ہوسکتا ہے کہ گجرات کے اثر سے دکن کی ادبی زبان بڑی حد تک بدل گئی ہو اور جو لوگ اس متبدلہ زبان میں لکھ رہے ہوں وہ اپنی زبان کو گوجری کہنے لگے اور پرانی زبان دکنی کہلانے لگی۔ [۱]

اردو میں اہالی گجرات کی دلچسپی کا ایک قدیم تر ثبوت مولانا فضل الدین محمد بن قوام بلخی کی تصنیفات سے بھی ملتا ہے۔ جو قصبہ کڑی واقع گجرات کے باشندے ہیں۔ مولانا فضل الدین اپنی تصنیف "شرح مخزنِ اسرار" میں جو ۹۵۰ھ کے بعد لکھی گئی ہے۔ فارسی کے بعض الفاظ کے اردو مرادف بتلاتے ہیں۔ ان کی فرہنگ "بحر الفضائل" میں جو ۸۲۰ھ میں تالیف ہوئی ہے تین سو سے زیادہ اردو الفاظ ملتے ہیں جو مختلف فارسی و عربی الفاظ کی تشریح کی غرض سے بیان ہوئے ہیں اس کے علاوہ وہ موٗلف ہندوستان کے جغرافیے، نجوم، ماہ و سال، موسیقی، اوزان اور پھولوں پر بھی مختصر مختصر اطلاع دے رہے ہیں۔ سب سے آخر میں ایک باب دیا ہے جس میں بعض ایسے ہندی الفاظ کا ذکر کیا ہے جو ہندی شاعری میں کارآمد ہیں۔

---

[۱] مقالات شیرانی صفحہ $\frac{۳۰۴}{ج ۱}$ ۔

مولانا کے اصل الفاظ یہ ہیں ۔

"باب چہارم در بعض الفاظ ہندوی کہ در نظم ہندوی استعمال کنند"

ان امور سے واضح ہے کہ گجرات میں ان ایام میں یعنی فرہنگ "بحر الفضائل" کی تالیف کے وقت ہندی یعنی اردو میں عام طور پر کافی دلچسپی کا اظہار کیا جاتا تھا ۔

گجرات میں ہندی نظم کے ابتدائی حامیوں کے نام اور حالات سے ہم قطعاً تاریکی میں ہیں ، اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ نظم وہاں موجود تھی ، چنانچہ "بحر الفضائل" میں ایک شعر ملتا ہے ؎

دیکھ پیکھ پی پر گھر جاوے
نس نس نینو نیند نہ آوے

۸۲۷ھ میں مولانا محمد بن قوام کڑئی نے فرہنگ "بحر الفضائل" تالیف کی ہے اس فرہنگ سے پتا چلتا ہے کہ گجرات میں ان ایام میں ہندی شاعری کا کافی چرچا تھا ۔ مولانا نے اپنی فرہنگ کے آخری باب میں صرف ایسے الفاظ کا ذکر کیا جو ہندی نظم میں مستعمل تھے ۔

اِس باب کا عنوان ھے : "باب چہارم در بعض الفاظ ہندوی کہ در نظم ہندوی استعمال کنندہ" (بحر الفضائل قلمی)

نیز مولانا شیرانی لکھتے ہیں کہ یہ بات قابل توجہ ہے کہ بحر الفضائل کا مصنف گجرات کا رہنے والا ہے ۔ نیز لکھا ہے کہ اردو زبان ہمارے مزعومہ نظریے کے برخلاف مغلیہ عہد سے بہت قدیم ہے ۔ ذیل میں ہم چند الفاظ کی فہرست "بحر الفضائل" سے نقل کرتے ہیں تاکہ اردو زبان کے ، جو اس زمانے میں ہندی یا ہندوی کے نام سے موسوم تھی ۔ ذخیرۂ الفاظ کا اندازہ کیا جا سکے ۔

جنبھائی (جمائی) ، پالک، ترپھلہ، گھر گھت (گرگٹ) کنوار، چونہ، برھتہ، جلاھہ، چکناچور، کوڈھ (کوڑھ) دشمناگی ، سانڈھ، بڑی لونگ، ہری چولائی ، بیر، بکھان کرتیں (گانا گانا) بھوج پتر، ملائی، جنجرو، (گھونگرو) اکھروت (اخروٹ) سوور (سؤر) تانبہ، گدگدی ۔[1]

قدیم اُردو فقرے

سلطان محمود نے اپنے لئے ایک رباب تیار کرایا تھا، جو چھ مہینے میں جاکر تیار ہوا تھا۔ کاریگر رباب لے کر جو مرصع بجواہر تھا بادشاہ کی خدمت میں جارہا تھا کہ راستہ میں قاضی نجم الدین صاحب سے ملاقات ہوگئی انہوں نے اس کو مذہب کے خلاف سمجھ کر توڑ ڈالا، بادشاہ کو جب معلوم ہوا تو اس نے قاضی صاحب کو کچھ نہیں کہا ہنستے ہوئے صرف یہ کہا

"نیچی ہیری ہر کوئی جھورے"

قطب العالم نے حضرت راجو قتال کی پیدائش پر شاہ محمود سے فرمایا

"بھائی محمود! خوش ہو اساں تھیں وڈا انساں تھیں وڈا سا ڈے گھر جلال جہانیاں آیا"

اب قطب عالم کے فرزند شاہ عالم عرف شاہ منجھن (م ۸۸۸ھ/۱۴۸۲ء) کے یہ فقرے دیکھئے جو اس دور کی عام بول چال کی زبان پر روشنی ڈالتے ہیں۔ حضرت شاہیہ نے سلطان شاہ عزنی (م ۹۲۲ھ/۱۵۱۶ء) کے بارے میں کہا "جو راجن جی اونہایا ہووے تو تجھ جیسے فقیروں کی برسوں تین

[1] تاریخ ادب اردو صفحہ ۱۰۲ ۔

۱۔ اپنوں کو کیا کشف ہوئے یا نہ ہوئے کام اس کا ہے۔
۲۔ کیا ہوا جو مجھ کوں سوا مجھ کوں ہوتیں کیا خدا کو اپنڑیا خدا کو ان پڑنے کی استعداد ہو
۳۔ جیسی تجلی پکڑے تیسا ارادہ دیوے۔ اگر عبد کی تجلّی پکڑے عبدیت ارادہ دیوے۔
۴۔ عارف اسے کہویں جو خدا سے بھریا ہوئے۔
۵۔ اگر کسی کوں تھوڑی بھی صفا ہوئے جو حرام لقمہ کھاوے یا حرام فعل کرے تو تیج پاوے۔ دوجے بار بھی پاوے تیجے بار بھی پاوے۔

اسی طرح ایک اور مخطوطہ میں شاہ وجیہ الدین علوی کے بہت سے اردو فقرے ملتے ہیں جو فارسی عبارت کے درمیان استعمال میں آئے ہیں ان میں سے چند ایک یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

۶۔ رات دن خدا جنوں کی مدح کرے۔
۷۔ نہ نہ بول تو ذوق نہ ہووے۔
۸۔ اپنوں کو کیا فائدہ۔
۹۔ آپیں جبک دھبک امار کر قبول کرے گا۔
۱۰۔ جب ترقی پکڑیں گے آپیں درس کہیں گے۔
۱۱۔ آقا شیخ عربی کا تقوی کہاں میرا امکان کہاں۔
۱۲۔ سب چھوڑ بیٹھے تو شتاب فائدہ ہو جاوے۔
۱۳۔ یک ہوں یا دو ہوں۔
۱۴۔ ایک گھری یا دو گھری یا چار گھری۔
۱۵۔ تمہی ایہاں رہتے ہو۔
۱۶۔ دیکھوں کیاں صفتاں ہوتیاں ہیں۔

کناسی کرے ، تحفۃ الکرام ج ا صا۳۱ میں یہ فقرہ اس طرح ملتا ہے ۔
؛ جوراجن جی کا اونہ بہایا ہووے تو تجھ جیسے فقیروں کی برسوں نین کناسی کرے ؛ ایک اور جگہ آیا ہے کہ ؛ روزے مخدوم سید راجو قدس سرہ بسلطان فیروز اتفاق ملاقات افتاد و در اوّل گفتہ از سلطان پرسیدند ؛
؛ کا کا فیروز چنگا ہے ، سلطان مرحوم گفت حالانکہ خو زادہ پرسش فرمود ؛
؛ کا کا چنگا شد یعنی نیک شد ، شیخ یحییٰ گجراتی کے متعلق ، جو نظام الدین اولیاء کے مرید ، شیخ لطیف کے فرزند اور شیخ عزیز اللہ متوکل کے والد ہیں ۔ یہ مشہور تھا کہ ؛ وقت شیخ یحییٰ جیسا پڑے نیبا سہے ، اپنی پیڈن کسے نکیے ،
سلطان قطب الدین نے جسے حضرت شاہیہ (شاہ عالم) سے حد درجہ عقیدت تھی ، ان کی مدح میں یہ شعر کہا ۔

منجھن شاہ جہانیاں جس دنیا سبحان
شاہوں کیرا شاہ توں دو نہ جل تیری آن

رائے کھیڑا احمد آباد کی مسجد میں یہ کتبہ (۹۶۲ھ / ۱۵۵۵ء) آج بھی موجود ہے ؎

بنا دیں سمجھائیے کر باندہے ساجی پال
بانو مسجد کے تیئں بیچیں ملک جلال
تاریخ اس مسیت کی ہوئی سو یوں مشہور
مسجد جامع کے بیچ میں ڈھٹایا ہے نور (۹۶۲ھ)

وجیہ الدین علوی گجراتی کے مریدوں نے بحر الحقائق کے نام سے ایک مجموعہ مرتب کیا تھا ۔ جس میں سوال فارسی میں ہیں اور ان کے جواب جو شاہ وجیہ الدین نے دیئے ہیں اردو میں ہیں ۔ یہ چند جوابات دیکھئے جن سے اس زمانے کی زبان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔

۱۷۔ فقیر پر فرض تو نہیں ۔

جہانگیر کی اردو ترجمہ کی فرمائش

تیرہویں سال جلوس میں جہانگیر محمود آباد گجرات میں مقیم تھے ۔ سید محمد نبیرہ حضرت شاہ عالم گجراتی سے کہاکہ آپ مجھ سے کچھ مانگیں ۔ وہ انکار کرتے ہیں لیکن بادشاہ اصرار کرتا ہے ۔ آخر میں کلام مجید کی قسم دیتا ہے ۔ سید عرض کرتے ہیں کہ جب بادشاہ سلامت نے کلام پاک کی قسم دلائی ہے تو پھر مجھ کو ایک کلام مجید ہی مرحمت ہو جائے ۔ اس پر جہانگیر نے ایک قرآن مجید جو یاقوت المستعصمی کے ہاتھ کا نوشتہ تھا ۔ اور کتب خانہ شاہی کے نوادرات میں شمار ہوتا تھا منگوا کر سید کو پیش کیا اور اپنے قلم سے اس کی پشت پر ہدیہ کی تاریخ و نام و مقام وغیرہ لکھ دی ۔ بعد میں سید صاحب سے فرمائش کی کہ آپ کلام مجید کا ترجمہ کر کے مجھے اپنے فرزند سید جلال کے ہاتھ بھجوادیں اس موقع پر جہانگیر کے الفاظ ہیں :۔

"بمشار الیہ فرمودیم کہ مصحف بہ عبارت سلیس خالی از تکلف و تصنع ترجمہ نماید و اصلا بشرح و بسط و شان نزول آں مقید نشدہ بہ لغات ریختہ قرآن را لفظ بہ لفظ فارسی ترجمہ کند و یک حرف بر معنی تحت اللفظ نیفزا ئد و بعد از تمام آں مصحف مصحوب فرزند خویش جلال الدین سید روانہ درگاہ سازد "۔ ص ۲۴۳

ریختہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ زبان ریختہ یعنی اردو میں مطلوب ہے ، جہانگیر کے دربار میں ایرانی علماء و فضلاء کی کمی تھی جو فارسی ترجمے کی فرمائش احمد آباد کے ایک بزرگ سے کی جاتی ؟ اردو ترجمے کی صورت میں یہ فرمائش بالکل بجا ہے ۔ کیونکہ گجرات میں ان ایام میں اردو زبان میں تصنیف و تالیف

کا سلسلہ جاری تھا اور گوجری یا گجری اردو میں کتابیں لکھی جاتی تھیں اگرچہ بعض مصنفین کا خیال ہے کہ فارسی ترجمہ ہی کا حکم تھا جو کیا گیا۔ ؎

اہل سُنّت کا احمدآباد

صاحب ظفرالوالہ ؁۹۷۰ھ کے واقعات میں فرماتے ہیں کہ ؁۹۷۰ھ کے محرم میں چنگیز خاں نے وہ حرکتیں کیں جو شیعے عشرہ محرم میں کیا کرتے ہیں حالانکہ احمدآباد کی تاسیس و بنا کا ان عقائد و اعمال پر ہے جس پر اہل سنت والجماعت ہیں اس لئے چنگیز خاں کے اس قبیح فعل پر مدح سرائی کرنے والے کم اور اس کے شاکی زیادہ تھے۔ خاص طور پر شاکی حضرات میں احمدآباد کے سادات اور ائمہ حضرات تھے ان میں سے التقی النقی قطب وقت صدرالشریعہ مولانا میاں وجیہ الدین علوی تھے چنگیز خاں نے حرکت کی کہ عاشورہ کی صبح دارالسلطنت میں وہ اور اس کے ساتھی نکلے اور سر سے پیر تک سب کالا لباس زیب تن کئے ہوئے تھے یہاں تک کہ سواری بھی کالی تھی اور کالا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے مگر گھر کے دروازے ہی پر گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور علم ٹوٹ گیا اس لئے دوسرا علم اس کے سر پر بلند کیا گیا۔

صاحب ظفرالوالہ فرماتے ہیں کہ کسی کو اس میں تردد نہیں ہو سکتا کہ چنگیز خاں اہل توحید میں سے تھے، سنی بھی تھے اور شیعوں کا یہ شعار ان میں عقیدے اور مذہب کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ جہالت کی وجہ سے تھا جو اپنے کمال کو پہنچ گئی تھی۔ اور یہ کہ ومثلہ لا یدخل فی الشیعۃ ولا یخرج من اھل السنۃ والجماعۃ کہ ایسا آدمی شیعوں میں نہیں جا سکتا اور اہل سنت سے نہیں نکل سکتا۔ جب کہ ان کی مجالست معاشرت بیٹھنا اٹھنا

؎ مقالات شیرانی ص۴۴۳،۴۴۴ ج۲

نمازیں سب اہلِ سنت کے ساتھ تھا، اور اہلِ سنت کے مشائخ کا ادب وغیرہ سب اس میں موجود تھا۔

چنگیز خاں کے متعلق لکھا ہے کہ اجتمع فی دیوانہ من روساء العجم و فضلاء الامم ما لم یجتمع لغیرہ۔ [1]

عُلمار و مشائخ کی قدردانی

حکومت کی طرف سے عالموں، صوفیوں، مسجد کے اماموں اور درویشوں کو بکثرت وظائف دیئے جاتے۔ گجرات کے عالموں اور صوفیوں کے علاوہ غیر ملکی عالموں کو بھی وظیفے ملتے تھے۔

جاگیریں دو قسم کی ہوتی تھیں، موروثی اور غیر موروثی، موروثی زیادہ تر سپاہیوں مساجد کے اماموں اور مشائخ کو دی جاتی تھیں۔ چنانچہ سلطان قطب الدین احمد کے زمانے میں گجرات کا دو حصہ سپاہیوں کے قبضہ میں تھا اور ایک حصہ مساجد کے اماموں، مشائخ، صوفیہ اور علمار کے نام تھا۔

موسیقی : غنیۃ المنیۃ، ہندی موسیقی پر ایک تالیف ہے جو فیروز شاہ تغلق کے عہد (۷۵۲ھ سے ۷۸۹ھ) میں امیر شمس الدولہ والدین ابراہیم حسن ابو رجا حاکم گجرات کی فرمائش پر لکھی گئی ہے۔ یہ تالیف ہندی ماخذ پر مبنی ہے۔ اور دو قسم چار باب اور اٹھارہ فصلوں پر حاوی ہے۔ چنانچہ: قسم اول۔ باب اول: در معرفت سرود (۴ فصل)

باب دوم: در معرفت مزامیر (۲ فصل)

---

[1] ظفر الوالہ بمظفر والہ ص

قسم دوم: باب اول در بیانِ رقص (نہ فصل) باب دوم در شرائط و آداب سرود (۸ فصل)

اس سے پیشتر ایک عربی تالیف: فرید الزمان فی معرفۃ الالحان، جس کا موضوع ایرانی موسیقی ہے، اسی والی کے اشارے سے ترجمہ ہو چکی ہے۔

گویا بخشو :- راجہ مان نے موسیقی میں بے حد ترقی کی ہے۔ 'دھرپد' کو اس کے تصرفات نے کمال پر پہنچا دیا۔ اس کے دربار میں اچھے اچھے موسیقی دان جمع تھے جن میں بعض اس فن کے امام مانے جاتے ہیں مثلاً نایک بخشو جو مسلمان ہے اور اسی راجہ کا تربیت یافتہ ہے نایک بخشو راجا مان کی وفات کے بعد کچھ عرصے تک اس کے فرزند راجہ بکرماجیت کے پاس رہا۔ اس کے بعد وہ کالنجر کے راجہ کیرت کے پاس چلا گیا، وہاں سے گجرات بہادر شاہ گجراتی (۹۳۲ھ و ۹۴۳ھ) کے دربار میں چلا گیا۔ اور باقی عمر وہیں بسر کی بخشو کے بعد کے بعد تان سین نے موسیقی میں نام پیدا کیا تان سین شیخ محمد غوث گوالیاری کا مرید ہے۔ ابتدا میں وہ رام چند ربگھیلہ کے پاس تھا۔ جب جلال الدین اکبر نے اس کی شہرت سنی تو اپنے دربار میں بلا لیا۔

ساداتِ احمد آباد

۱۔ سادات بخاریہ :- حضرت قطب العالم اور حضرت شاہ عالم کی اولاد ہیں۔

۲۔ سادات قادریہ :- جو پیرانِ پیر سید عبد القادر جیلانی کی اولاد میں سے ہیں، ان میں سے سید جمال پتھری رحمۃ اللہ علیہ، سید عبد الجلیل اور سید عبد الخالق رحمۃ اللہ علیہ مشہور و معروف ہیں۔

سادات میں سے ایک دوسرا خاندان سادات شیرازی کا ہے۔

جن میں سے سید احمد جعفر شیرازی اور ان کی اولاد ہیں ۔ اسی طرح سید کمال الدین شیرازی جن کا مزار پرانے اساول میں مسجد آدینہ کے پیچھے واقع ہے تیسرے سید ابو تراب شیرازی اور ان کی اولاد ہیں ۔

۴ سادات :۔ میں سے سادات رفاعی ہیں جو سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہیں ۔ ان میں سے سید عبدالرحیم ہیں جن کا مزار احمد آباد کے قلعہ کے باہر سلطان پور میں واقع ہے ان کی اولاد میں شاہ علی جی گام دھنی وغیرہ ہیں ۔

۵ سادات مشہدی :۔ اس خاندان میں سید شرف الدین مشہدی ہیں جو مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ کے داماد ہیں اور انکا مزار بھروچ میں ہے سادات میں سے سادات عیدروسیہ ہیں جو سید شریف ابو بکر عیدروس حضرموتی کی اولاد میں سے ہیں ۔ سید شیخ عیدروس کا مزار جوہری واڑہ میں ہے اور ان کی اولاد سورت اور بھروچ میں آسودہ لحد ہیں ۔

۷ سادات ترمذی :۔ جو مخدوم سید یحییٰ ترمذی کی اولاد میں سے ہیں جو مخدوم جہانیاں کے خلیفہ تھے جن کا مزار بڑودہ کے علاقہ میں تالاب کے نزدیک واقع ہے ، جو تالاب ماتریہ کے نام سے مشہور ہے ۔

۸ سادات سید یعقوب :۔ جو مخدوم سید بدر بھکری کی اولاد میں سے ہیں اور وہ بھی مخدوم سید جہانیاں کے خلیفہ تھے ۔

۹ سادات عریضی :۔ سید خوند میر اور سید یعقوب یہ دونوں سید سادات عریضی میں سے ہیں جن کا مزار پی پی پور میں واقع ہے ۔

۱۰ سادات زیدیہ :۔ سید عثمان شمع برہانی یہ سادات زیدیہ میں سے ہیں ۔ (خاتمہ مرآت احمدی صـ ۶۲)

احمد آباد کی آخری جھلک

ظفرالوالہ میں لکھا ہے کہ گجرات مظفر کی سلطنت کے دور میں ارضِ معمور میں ربع سکون پر شمار ہوتی تھی۔ ہمایون کے حادثے سے یہ آثار مٹ گئے۔ پھر دوبارہ سلطان محمود کے دور میں آبادی شروع ہوئی۔ فوج کی تعداد بھی لاکھوں تک پہنچ گئی، اکبر کے حملے کے وقت بھی بارہ ہزار گھوڑے سوار فوجی تھے۔

۱ ساٹ سو گھوڑے سوار محمد رابغ خاں کی امارت میں ترکوں میں سے تین سو عماد الملک رستم خاں کے جھنڈے کے تحت اور میں سے چار سو سوار ان کے امیر ہیبت خان کے جھنڈے کے تحت غوریوں میں سے چھ سو سوار ان کے امیر امین خاں کے جھنڈے کے تحت مغلوں میں سے پانچسو محمد سلطان کے جھنڈے کے تحت، سادات بخارا میں سے پانچسو سوار ان کے امیر کے جھنڈے کے تحت اور ان کے امیر سید حامد بن سید میران بن سید مبارک بخاری تھے۔ افغان میں سے چار ہزار ان کے امیر شیر خان فولادی کے جھنڈے کے نیچے تھے اور تمام گجراتیوں میں سے مخلوط پانچ ہزار تھے جو اختیار الملک سلطانی کے جھنڈے کے تحت تھے۔ تین سو ہاتھی تھے پانچسو پیتل اور تانبے کی توپیں تھیں چھ ہزار کوکبان اور بارہ ہزار بندوقیں تھیں جو امیر بن جہانگیر اور اسد خاں کے ساتھ تھیں۔ اس کے علاوہ گھوڑے سوار اور پیادہ فوجی جو ایک لاکھ سے کم نہیں ہونگے۔ [۱]

---

[۱] ظفرالوالہ بمظفر والہ ص۲۶۵۔

دولت گجرات کے خزانے میں جواہرات اس قدر اعلیٰ تھے کہ اس عہد میں کوئی ہندوستانی سلطنت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

جواہر نامہ میں لکھا ہے کہ جوہریوں کا قول تھا کہ الماس پندرہ قیراط سے زیادہ ادھر دیکھنے میں نہیں آیا مگر گجرات کے خزانے میں تیس یا چالیس قیراط کا الماس موجود ہے۔

یہی سبب تھا کہ اکبر بادشاہ نے اعتماد خاں گجراتی کو جو مظفر شاہ آخری سلطان گجرات کا وزیر تھا اپنے جواہر خانہ کا ناظم بنا دیا تھا۔

بہادر شاہ اپنی فیاضی کیلئے مشہور تھے جب کبھی وہ انعام دیتے تھے تو ایک لاکھ سے کم رقم ان کی زبان پر نہیں آتی تھی۔ اس لئے وزیروں سے مشورہ کرکے کم قیمت کا ٹنکہ بنوایا جو ۲۱ دوکڑے کا تھا۔ یہ تانبے کے پیسے کے برابر تھا۔ اس حساب سے بہادر شاہی ٹنکہ کی قیمت آجکل کے حساب سے ۸ رہوتی تھی پھر بھی ظفرالوالہ میں ہے کہ جب ۵۳۴ا/۱۶/۴۱ ۹ھ میں بہادر شاہ نے چتوڑ فتح کیا ہے اس وقت ایک کروڑ قدیم گجراتی سکہ دلی کے چالیس کروڑ کے برابر تھا۔ گویا ایک گجراتی ٹنکہ کے چالیس ہندوستانی ٹنکے ملتے تھے۔

"ٹنکہ" سفید ایک تولہ خالص نقرہ کے برابر ہوتا تھا۔

سلطان سکندر لودی کہا کرتا تھا۔

"مدار بادشاہ دہلی برگندم وجوار است وبنیاد بادشاہِ گجرات برمرجان ومروارید کہ ہشتاد وچہار بندر در تحت شاہِ گجرات است" [1]

مؤرخین نے گجرات کی اقتصادی خوش حالی، اس کی عمارتوں کی خوبصورتی اور اُس کی صحت بخش آب وہوا کی تعریف کی ہے، معاصر مؤرخ محمود بخاری

---

[1] مراۃ سکندری۔

احمد آباد میں دولت کی فراوانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"در معموری و آبادانی آں چناں بود کہ تمام ترازو ہائے بقالان عمود و کفتین زرد بود کہ ریسمان ابریشم داشت و تمام اہل شوق را نیز سنگ و ترازو از زر بود"

مغلوں کے ہاتھوں بربادی

جب ہمایوں کے مقابلہ میں گجراتیوں کو شکست ہوگئی، اور مغل رسم کے مطابق ہمایوں نے خونی لباس پہن لیا۔ اور قتلِ عام شروع کرادیا تو میاں منجھو اسی حالت میں اس کی خدمت میں باریاب ہوئے، اور اس کی فرمائش پر موسیقی کی ایسی تان کھینچی کہ ہمایوں بیخود ہوگیا، اور اس کے قدموں پر نثار ہونے لگا، اور فوراً سرخ لباس تبدیل کردیا۔ اس کے بعد منجھو نے اپنے ہزاروں گجراتی ہم وطنوں کو اپنا رشتہ دار ظاہر کرکے، اُن کی جان بچائی۔ ہمایوں نے میاں منجھو کی بڑی قدردانی کی، اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے کہ اس کے مصاحب اور ہم جلیس ہو گئے۔ لیکن ان کا دل ان خونی مغلوں میں نہ لگا، اور بھاگ گئے، بہادر شاہ ان کا اتنا قدردان تھا کہ وہ جب اس کے یہاں پہنچے ہیں تو بہادر شاہ نے کہا کہ میاں منجھو تم مجھے مل گئے تو سمجھو کہ گجرات کی سلطنت واپس مل گئی۔

تاریخی کتب جو گجرات پر لکھی گئیں وہ حسب ذیل ہیں

(۱) مظفر شاهی :۔ جس میں سلطان مظفر شاہ اوّل کے دور کا ذکر ہے (۱۱۰۶/۲۸۶)
(۲) احمد شاهی :۔ سلطان احمد شاہ کے عہد کو نظم میں بیان کیا گیا ہے جو، حلوی شیرازی کی تصنیف ہے۔ (۱۱۰۳)
(۳) محمود شاهی :۔ جس کا دوسرا نام ماثر محمودیہ بھی ہے جو محمود شاہ کبیر کے دور سلطنت کی تاریخ ہے۔ اس کے مصنف شمس الدین شیرازی ہیں جو زیرک کے لقب سے مشہور ہیں۔ (۱۱۰۶/۹۶۶)
(۴) طبقات محمود شاهی :۔ جس میں سیدنا آدمؑ کی تخلیق سے لیکر ۹۱۵ھ تک کے حالات مذکور ہیں جو شیخ عبدالکریم بن عطار اللہ شیرازی نے سلطان محمود شاہ کبیر کے دور میں تصنیف کی۔ (۱۱۲۰/۲۲۰)
(۵) مظفر شاهی :۔ اس میں سلطان مظفر بن محمود شاہ تک کے حالات مذکور ہیں۔ یہ ہلالی کی تصنیف ہے۔ (۱۱۰۶/۲۸۷)
(۶) بہادر شاهی :۔ جو سلطان بہادر شاہ بن مظفر کے عہد میں لکھی گئی اس کے مصنف حسام خاں ہیں۔ (۱۱۰۵/۹۶۷)
(۷) مرآۃ سکندری :۔ جو سکندر بن محمد نے ۱۰۲۰ھ میں سلاطین گجرات کے حالات میں لکھی۔
(۸) مرآۃ احمدی :۔ یہ بھی گجرات کی تاریخ ہے جو مرزا علی محمد نے تصنیف کی۔
(۹) تاریخ صغیر :۔ یہ بھی گجرات کی تاریخ ہے، شیخ ابو تراب بن کمال الدین حسینی کی لکھی ہوئی ہے۔

(۱۰) ظفر الوالہ بمظفر وآلہ :- اس میں عربی زبان میں گجرات کی تاریخ ہے ۔ جو شیخ عبداللہ بن محمد عمر دبیر آصفی مکی کی تصنیف ہے ۔

(۱۱) تحفۃ السادات :- یہ فارسی میں آرام کشمیری کی تصنیف ہے جو سید مبارک حسینی بخاری کے لئے تصنیف کی گئی ہے ۔

(۱۲) یادِ ایّام :- حضرت مولانا سید عبدالحیٔ حسنی کی تصنیف ہے، اردو زبان میں ہے ۔

تاریخ گجرات اور گجرات کی تمدنی تاریخ ۔ یہ دونوں تصنیفات مولانا ابوظفر ندوی کی ہیں ۔

نوٹ :- جن کتابوں کے سامنے مابین القوسین نمبر پڑے ہوئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ انڈیا آفس لائبریری لندن میں یہ کتابیں اس نمبر پر دستیاب ہیں ۔

حضرت شاہ شیروانی چشتی

م۹۴۷ھ ۱۳۴۸ء

آپکا اسم گرامی سلیم الدین ہے۔ اور آپ کا وطن شیروان تھا۔ آپ وہاں سے ہندوستان تشریف لائے۔ اور احمدآباد میں رہائش اختیار فرمائی۔ آپ طریقت میں حضرت شمس الدین ترک پانی پتی رح سے مستفید ہوئے۔

حضرت شمس الدین ترک پانی پتی رح نے آپ کو طریقہ چشتیہ میں خرقہ خلافت عطا فرماکر آپ کو لاہور جانے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ آپ نے کافی عرصہ لاہور میں گذارا۔ اور ہزاروں طالبانِ حق کو راہ طریقت پر گامزن فرمایا۔ آپ سلسلہ چشتیہ کے ان بزرگوں میں سے ہیں جنہوں نے لاہور میں قیام فرماکر عوام وخواص میں رشد وہدایت کا کام کیا۔ آپ کم گو تھے اور اکثر وقت استغراق فی اللہ میں گذرتا۔

مفتی غلام سرور لاہوری آپ کے بارے میں خزینۃ الاصفیاء میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔ آپ کا شمار علمائے مشائخ چشت اور شیخ شمس الدین ترک پانی پتی رح کے اجل خلفاء میں ہوتا ہے۔ آپ پر جذب واستغراق کی حالت طاری رہتی تھی۔ آپ عمر کے آخری حصہ میں لاہور سے احمدآباد تشریف لے آئے اور احمدآباد میں ہی ۹۴۷ھ مطابق ۱۳۴۸ء میں داعی اجل کو لبیک کہا (احمدآباد سے مراد یہ علاقہ ہے چونکہ اسوقت احمدآباد آباد نہیں کیا گیا تھا) آپنے وصال کے وقت وصیت فرمائی کہ جب میں انتقال کرجاؤں تو میرا جنازہ پنجاب لے جایا جائے۔ چنانچہ آپ کی رحلت کے بعد مریدین آپؒ کے جسدِ خاکی کو لے کر لاہور پہنچے۔ لیکن وہ رات کا وقت تھا اس لئے مریدین نے شہر سے باہر ہی رات گذاری جب انہوں نے صبح کو آپ کا جنازہ اٹھانا چاہا تو وہ اس کو نہ اٹھا سکے۔ چنانچہ وہیں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ آپ کا مزار مزنگ اڈہ کے پاس ہے۔

صاحب تذکرہ چوہٹر بندگی نے آپکی وفات پر قطعہ تاریخ وفات یوں تحریر کیا ہے سہ

سِرِّ رَبّانی چو شد اندر جناں ہست سالِ آں شہ والا مکان
زبدۂ دین سِرِّ رَبّانی سعیدؔ ؎ سِرِّ رَبّانی ولی مسعودؔ دان سلہ
۹ ۴ ۷ ھ ۹ ۴ ۷ ھ

شیخ کمال الدین علامہ قدس سرہٗ

متوفی ۷۵۶ھ — ۱۳۵۵ء

آپ حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رح کے خلیفۂ اعظم تھے اور آپ کے خواہرزادہ بھی تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت حسن رض سے ملتا ہے۔ چونکہ آپ علوم حدیث، فقہ، اصولِ فقہ میں یگانۂ روزگار تھے۔ اس لئے آپ کو علامہ کے خطاب سے یاد کیا جاتا تھا۔ خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد آپ احمدآباد گجرات تشریف لے گئے (یعنی بعد میں تعمیر ہونے والے احمدآباد کے قریبی علاقہ میں) جہاں آپ کو بڑی شہرت ملی۔

آپ کی اولاد اور خلفاء آج (خزینۃ الاصفیاء کی تصنیف) تک احمدآباد میں موجود ہیں مولانا کمال الدین رح شجرۃ الانوار اور شجرہ چشتیہ کی تحقیق کے مطابق ۷۵۶ھ/۱۳۵۵ء میں فوت ہوئے تھے آپکا سانحۂ وفات حضرت شیخ نصیر الدین کی رحلت سے ایک سال پہلے ہوا تھا۔ سہ

چوں کمال الدین ولی باصفاء رفت از دنیا بفردوس بریں
رحمت حق گو وصال پاک او ہم سفر باتقی اہلِ یقین سلہ
۷۵۶ھ
۱۳۵۵ء

سلہ گلزار صوفیاء صـ۱۰۲ ۔ سلہ خزینۃ الاصفیاء صـ۲۱۹/۲ج ۔

شیخ رضی الدّین عثمان گنج علم

آپ کی ولادت ۶۶۷ھ/۱۲۶۸ء میں اور وفات ۷۷۰ھ/۱۳۶۸ء میں ہوئی۔
آپ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے استاد اور حضرت شاہ رکن العالم ملتانی کے مرید و خلیفہ تھے۔ علم و فضل میں غیر معمولی دستگاہ رکھتے تھے اور اسی بنا پر گنج علم کے لقب سے مشہور ہوئے۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ نے حضرت موصوف کے ایک فتویٰ کی تائید میں جو عبارت تحریر فرمائی ہے اس سے ان کی جلالتِ شان اور علمی منزلت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے حضرت مخدوم نے لکھا ہے۔

اصاب فیما اجاب الاستاذ الاجل المرشد الکامل الاکمل شیخی الشیخ رضی الدّین گنج علم نفعنا اللہ وایاکم بعلموکمالہ وافاض اللہ علینا فیوضہ ونوالہ۔

ترجمہ:۔ جلیل القدر مرشد کامل و اکمل میرے شیخ حضرت رضی الدین گنج علم نے صحیح جواب مرحمت فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں ان کے علم و فضل اور کمالات و فیوض سے بہرہ ور ہونے کا موقع عطا فرمائے۔ [1]

آپ بڑے صاحب کمال بزرگ تھے۔ تاریخی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے پہل اُوچ میں حضرت رضی الدین عثمان کے جد امجد حضرت حاجی رجب غزنوی غالباً شہاب الدین غوری کی معیت میں تشریف لائے اور یہیں اوچ میں سکونت اختیار فرمائی۔ لیکن ان کا انتقال پٹن (نہروالہ) گجرات میں ہوا ۔ اور وہ سیّد احمد کبیر رفاعی کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ مشہور صحابی حضرت ابوہریرہ رض کی اولاد میں سے تھے۔

---

[1] خطہ پاک اُوچ صفحہ ۱۸۸۔

صاحبزادہ جمال الدین خنداں رو

آپ حضرت رضی الدین عثمان کے بیٹے تھے ۔ اپنے عہد کے بہت بڑے اصحاب کمال اور ارباب علم و فضل میں سے تھے ۔

مرآۃ المناقب میں ہے کہ حضرت مخدوم زکریا ملتانی جب اوچ تشریف لائے تو یہاں انہوں نے ایک بچے کی پیشانی میں آثار سعادت کی جھلک پائی اس کے حق میں دعا فرمائی ۔ حضرت مخدوم بہاؤ الحق رح نے اس ہونہار بچہ کو عمر کے آخری لمحوں تک فراموش نہیں فرمایا انتقال سے کچھ عرصہ پہلے اپنے صاحبزادے گرامی شیخ صدرالدین عارف سے فرمایا : اُوچ میں ایک درویش رہتا ہے ۔ وہ جوہر لطیف کا مالک ہے اور صاحب استعداد ہے اس نے ابھی تک کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی ہمارے ہی خانوادے سے فیض یابی اس کے مقدر میں لکھی ہوئی ہے اگرچہ وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکا لیکن وہ تمہارے پاس ضرور آئے گا ۔ جذبہ حق نے اس میں مجذوبانہ کیفیت پیدا کر دی ہے ۔ جب وہ تمہارے پاس پہنچے تو اسے تین دن تک ایک حجرے میں بٹھا کر تلاوت قرآن کریم میں مشغول رکھنا تاکہ اس کے جذبات عشق و مستی سکون آشنا ہو جائیں اور شعور کے ساتھ آداب صحبت بجالانے کے قابل ہو سکے ۔ اس کے بعد اسے اپنے پاس بلا کر حضرت شہاب الدین سہروردی کے خرقہ مبارک کے سوا باقی جو کچھ تمہارے پاس ہے نصف اس کے سپرد کر دینا ۔

چنانچہ حضرت زکریا ملتانی رح کے وصال کے بعد جب مولانا جمال الدین خنداں رو حضرت شیخ صدرالدین عارف کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شیخ عارف نے اپنے والد ماجد کی وصیت کے مطابق اوچ کے اس نامور عالم کو خرقہ خلافت کے ساتھ ساتھ وہ تمام تبرکات بھی حصہ رسدی کے طور پر عطا فرما دئے جو ان کے پاس تھے ۔

حضرت شیخ جمال الدین خنداں رو رح اوچ میں خانقاہ جمالیہ میں درس و تدریس کا شغل فرماتے تھے اور اس عہد کی اوچ کی تمام نامور شخصیات ان کے فیوض علمی سے

بہرہ ور ہوئیں ۔ علم شریعت کے ساتھ ساتھ طریقت و معرفت میں بھی آپ کا مقام بہت بلند تھا ۔ سلطان غیاث الدین تغلق آپ کا مرید تھا ۔ آپ کا انتقال غالباً ۷۲۵ھ/ ۱۳۲۴ء میں ہوا ۔ [1]

آپ کے علمی پائے کا اندازہ اس سے ہوگا کہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا بیان ہے کہ حضرت جمال خنداں رو رح ان کتابوں کا درس دیا کرتے تھے ۔

ھدایہ ، بزدوی ، مشارق الانوار ، مشکوٰۃ المصابیح اور عوارف المعارف ۔ [2]

سلسلۂ راقم الحروف بمخدوم جہانیاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

راقم الحروف کا سلسلہ یوں ہے [1] یوسف از قطب الاقطاب شیخ الحدیث مولانا محمد [2] زکریا مہاجر مدنی ، از حضرت [3] مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی ، از قطب العالم حضرت مولانا [4] رشید احمد گنگوہی ، از سید الطائفہ حضرت مولانا حاجی [5] امداد اللہ مہاجر مکی ، از حضرت میاں جیو [6] نور محمد جھنجھانوی ، از حضرت حاجی [7] عبد الرحیم [8] ، از شاہ عبد الباری ، از شاہ [9] عبد الہادی ، از شاہ [10] عضد الدین ، از شاہ [11] محمد مکی ، از شاہ [12] محمدی ، از شیخ [13] محب اللہ الہ آبادی ، از شیخ [14] ابو سعید ، از شیخ [15] نظام الدین ، از شیخ [16] جلال الدین ، از شیخ [17] عبد القدوس گنگوہی ، از درویش [18] محمد بن قاسم ، از سید [19] بڈھن بہرائچی ، از [20] سید اجمل ، از [21] مخدوم جہانیاں جہاں گشت ، از [22] سید جلال الدین بخاری ، از شیخ [23] عبد اللہ بن علی ، از شیخ [24] عبید بن ابو القاسم ، از شیخ [25] ابو المکارم فاضل ، از شیخ [26] قطب الدین ابو الغیث ، از شیخ [27] شمس الدین علی افلح ، از شیخ [28] شمس الدین حداد ، از [29] پیران پیر سید عبد القادر جیلانی ،

---

[1] خطۂ پاک اوچ مقدسہ ص ۱۵۸-۱۵۹ [2] ایضاً

از شیخ ابو سعید[۲۱] مخزومی، از شیخ ابو الحسن[۲۲] قرشی، از شیخ ابو الفراح[۲۳]، از شیخ عبدالواحد[۲۴] بن عبدالعزیز، از شیخ ابو بکر[۲۴] شبلی، از شیخ جنید[۲۵] بغدادی، از شیخ سری[۲۶] سقطی، از شیخ معروف[۲۷] کرخی، از شیخ داؤد[۲۸] طائی، از شیخ حبیب[۲۹] عجمی، از امام حسن[۳۰] بصری، از امیر المؤمنین حضرت علی[۳۱] کرم اللہ وجہہ، از سید الکونین فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ۔ [۱]

حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت

وفات ۱۰ ذی الحجہ ۷۸۵ھ — ۱۳۸۲ء

حضرت قطب العالم برہان الدین، حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت کے پوتے تھے ۔ مناقب برہانی میں مذکور ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت اپنی سیاحت گجرات کے درمیان جب "بٹوہ" پہنچے تو آپ نے اس جگہ قیام فرمایا جہاں آج کل حضرت قطب العالم کا مزار ہے آپ نے اس جگہ [illegible] فرمایا ۔

اینہاں اساڈے پاواں دی خوشبو لے

اسلئے [illegible] میں حضرت مخدوم جہانیاں کے حالات تحریر کئے جاتے ہیں ۔

حضرت سید جلال الدین حسین مخدوم جہانیاں جہانگشت، حضرت سید احمد کبیر کے فرزند اکبر اور حضرت سید جلال سرخ بخاری کے پوتے تھے ۔ آپ ۱۴ شعبان المعظم ۷۰۷ھ کو شب برأت میں اوچ میں پیدا ہوئے ۔

آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد بزرگوار حضرت سید احمد کبیر، اپنے عم محترم سید صدر الدین محمد اور شیخ جمال خنداں رو کے زیر سایہ ہوئی ۔ فقہ و اصول فقہ کی معیاری کتابیں مثلاً ھدایہ اور اصول بزدوی وغیرہ آپ نے علامہ شیخ

[۱] کلیات امدادیہ، ارشاد مرشد ص ۹۸ ۔

بہاء الدین اوچی سے پڑھیں۔

حضرت علامہ بہاؤ الدین کی وفات کے بعد آپ ملتان تشریف لے گئے۔ جہاں آپ ایک سال رہے۔ اور شیخ ابوالفتح، رکن الدین، شاہ رکن عالم ملتانی کی نگرانی میں مولانا موسٰی نبیرۂ حضرت زکریا ملتانی اور ان کے چچازاد بھائی مولانا مجدالدین کے زیرِ تدریس رہے۔ ملتان کے زمانۂ قیام میں آپ نے مولانا شاہ رُخ عالم سے بھی استفادۂ علمی کیا۔

در منظوم میں ہے کہ آپ سبعۂ قرأت کے قاری تھے۔ آپ تحصیلِ علم کی غرض سے حجاز بھی تشریف لے گئے جہاں مکہ معظمہ میں آپ نے شیخ عبداللہ یافعی سے اور مدینہ منورہ میں شیخ عبداللہ مطری سے تصوف وحدیث کی کتابوں کا درس لیا۔ مدینہ منورہ میں شیخ عبداللہ مطری کی صحبت میں دو برس کا عرصہ گذارا۔ صحاحِ ستہ کے علاوہ شیخ شہاب الدین سہروردی کی مشہور تصنیف عوارف المعارف کا سبق بھی شیخ عبداللہ مطری سے لیا۔ معمول یہ تھا کہ تہجد کے وقت سبق پڑھتے۔ شیخ عبداللہ مطری کو آپ کے حال پر خصوصی شفقت وعنایت تھی۔ مدینہ منورہ کے زمانۂ قیام میں ایک مرتبہ مسجدِ نبوی میں امامت کا شرف بھی حاصل کیا۔

حضرت مخدوم نے عوارف المعارف کا درس جس نسخہ سے لیا تھا وہ خود حضرت شہاب الدین سہروردی رح کے زیرِ نظر رہ چکا تھا۔

حضرت مخدوم جہانیاں نے عوارف المعارف کا سبق شیخ شرف الدین محمود تستری سے بھی ان کے وطن شوکارہ (عراق) پہنچ کر حاصل کیا۔

سیر وسیاحت

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی زندگی کی ایک امتیازی خصوصیت انکی جہاں نوردی اور ان کا شوق سیاحت ہے۔ لطائفِ اشرفی میں ہیں۔

آپ نے زمین کے بہت بڑے حصہ کا سفر کیا۔ اور چہار سلسلوں کے تمام مشائخ اور بزرگوں کے ایک بڑے گروہ سے شرفِ ملاقات حاصل کیا۔ ایک سو تیس سے زیادہ صاحبِ ارشاد مشائخ سے اکتسابِ فیض کیا۔ اور خرقہ خلافت و اجازت حاصل کیا۔ اخبار الاخیار میں ہے حضرت شاہ عبدالحق محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں۔

"سیاحت بسیار کردہ و از بسیارے از اولیاء نعمت و برکت یافتہ"

بہت سیر و سیاحت فرمائی تھی۔ اور بے شمار اولیاء اللہ سے روحانی برکات و فیوض حاصل کئے۔

اس سیر و سیاحت کے پیچھے جو مقصد کارفرما تھے وہ حضرت مخدوم ہی کی زبانی سنئے فرماتے ہیں۔

سلطان محمد تغلق نے مجھ کو شیخ الاسلام مقرر کیا اور چہل خانقاہیں میری تحویل میں دے دیں۔ شیخ رکن الدین ابوالفتح (شاہ رکن عالم ملتانی رح) مجھے خواب میں دکھائی دیئے اور فرمایا۔ تو حج کو چلا جا ورنہ غرق ہو جائے گا۔ صبح کو شیخ کے امام نے بھی کہا کہ شیخ کا حکم ہے جلد روانہ ہو جاؤ۔ تیاری کی کیا ضرورت ہے، میں نے حضرت مخدوم والد سے اجازت طلب کی اور روانہ ہو گیا۔ میرے پاس زادِ سفر نہیں تھا۔ لیکن حق تعالیٰ نے بے حد انعامات و اکرامات سے نوازا اور زادِ سفر کی یہ سبیل فرمائی کہ ایک عزیز جو سفرِ حج کے ارادہ سے روانہ ہوا تھا۔ واپس آگیا اور اس کا سفر خرچ مجھے مل گیا۔ ساتھ ہی گھوڑا بھی سواری کے لئے دیا۔ میں نے وہ گھوڑا مولانا نظام الدین کڑہ کو دیدیا۔ جو دِق کے مریض تھے اور خود پیادہ حجِ بیت اللہ کیلئے روانہ ہوا اور انواع و اقسام کی نعمتوں سے بہرہ یاب ہوا۔

مخدوم جہانیاں کا لقب ایک روایت میں ہے کہ عید کے مبارک دن آپ حضرت بہاؤ الحق زکریا ملتانی کے مزار پر

حاضر ہوئے اور اپنی عیدی طلب کی ۔ حضرت مخدوم نے فرمایا تمہاری عیدی یہ ہے کہ تم مخدوم جہانیاں کے خطاب سے سرفراز کئے گئے ۔ بعدازاں آپ اپنے مرشد حضرت شاہ رکن عالم کے مزار پر حاضر ہوئے ۔ وہاں سے بھی عیدی کی درخواست کی جس کا حسب سابق جواب ملا ۔ جب آپ احاطہ مزار سے باہر تشریف لائے تو ہر شخص کی زبان پر مخدوم جہانیاں جہاں گشت ، کے الفاظ تھے ۔ بعض پرانے قلمی مسوّدوں میں جہانیاں جہانگیر ، بھی مرقوم ہے ۔

آپ کی ذات سے لاکھوں انسانوں نے ظاہری اور باطنی فیض پایا ۔ اور ہزارہا نفوس نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ۔ تمام عمر آپ دین اسلام کی تبلیغ واشاعت میں مصروف رہے ۔ اور ہمیشہ حلال روزی پر گزر بسر کیا ۔ چنانچہ ، الدرالمنظوم ، میں ہے ، حضرت مخدوم مکہ معظمہ میں حصول علم اور فیوض باطنی کی تحصیل میں مشغول تھے ۔ وجہ معیشت کتابت تھی ۔ دن میں تعلیم میں مصروف تھے اور رات کو دو تین جز لکھ کر اس کی اجرت حاصل فرماتے اور اس سے اپنا پیٹ بھرتے ۔ [1]

سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں ہندوستان کے نظم ونسق میں جو ابتری پھیلی اس کا اثر گجرات پر بھی پڑا ۔ گجرات کے گورنر نظام مفرح راستی خاں نے علم بغاوت بلند کیا ۔ محمد تغلق ایک کمزور حکمراں ثابت ہوئے ۔ وہ اس بغاوت پر قابو نہ پا سکے ۔

بالآخر انہوں نے اپنے ایک امیر ظفر خاں کو گجرات کا گورنر نامزد کیا ۔ ظفر خاں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا عقیدت مند اور مرید تھا ۔ اور حضرت والا نے اسے بادشاہت کی دعا سے سرفراز فرمایا تھا ۔ اگرچہ اس کی طبیعت میں ہوس اقتدار کو مطلق دخل نہیں تھا ۔ تاہم جب ۸۰۱ھ میں امیر تیمور گورگان نے

---

[1] الدرالمنظوم صفحہ ۲۶

دہلی پر حملہ کرکے تغلق خاندان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ تو اس انتشار اور خانہ جنگی کے ماحول میں اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا کہ صوبہ گجرات میں ایک مضبوط حکومت کی بنیاد رکھے۔ چنانچہ حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت کی دعا کی تاثیر تھی کہ علماء و مشائخ کے مشورے اور امراء دربار کے اصرار پر ۸۱۰ھ میں اس نے مظفر شاہ کا لقب اختیار کرکے گجرات کی خود مختار بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ سلطان مظفر خاں بانی سلطنت گجرات کا انتقال ۸۱۴ھ میں ہوا۔

ان کے مرنے کے بعد ان کے پوتے احمد شاہ تخت سلطنت پر متمکن ہوئے۔ وہ بھی اس خانوادہ بخاریہ کے انتہائی عقیدت مند تھے۔ اور حضرت مخدوم کے پوتے حضرت قطب العالم برہان الدین کے دامن ارادت سے وابستہ تھے۔ حاجی دبیر آصفی مکی نے جن کا اصل نام عبداللہ محمد بن عمر ہے۔ ایک کتاب سلطان مظفر خاں والئ گجرات اور انکی اولاد واحفاد کے بارے میں "ظفر الوالہ بمظفر و آلہ" کے نام سے ترتیب دی ہے۔ اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

وسبقت الاشارۃ فی ترجمۃ مظفر سلطان گجرات الی البشارۃ لہ بالسلطنۃ من

القطب الربانی مولانا جلال الدین المخدوم جہانیان قدس سرہ،

یعنی گجرات کے سلطان مظفر کے حالات میں یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے کہ اس کو سلطنت کی خوشخبری حضرت قطب ربانی مولانا جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے دی تھی۔

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی فرماتے ہیں۔

"حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے کرامات کا صدور بڑی کثرت سے ہوتا تھا۔ شاید ہی متاخرین صوفیاء میں کسی سے اتنی کرامتیں رونما ہوئی ہوں۔ مگر حضرت والا ان کرامات کو شرف و کمالات کا سبب نہیں جانتے تھے۔ بلکہ فرماتے تھے کہ یہ ممکن ہے

کہ ایک آدمی ہوا میں اڑے، پانی پر چلے اس کے لیے آسمان اور زمین کی طنابیں کھینچ سکتی ہیں مگر اس وقت تک درجۂ ولایت پر فائز نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی رفتار، گفتار اور کردار میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوشِ پاکی اتباع نہ کرے۔

آپ جاہل صوفیوں کے سخت خلاف تھے۔ فرمایا

اکن عالما باحکام الفقہ ولا تکن من جہال الصوفیۃ فانہم لصوص الدین وقطاع الطریق علی المسلمین ۔ (مقررنامہ صہ۲۱)

مسائل فقہیہ کا علم ضروری ہے۔ جاہل صوفی مت ہو کہ یہ لوگ دین کے چور اور ڈاکو ہوتے ہیں جو مسلمانوں کی متاع دین پر ہاتھ صاف کرتے ہیں۔

خزانہ جلالی میں ہے کہ حضرت مخدوم نے فرمایا۔

یکے از علامات قیامت آنست کہ علمار فاسق گردند وصوفیا جاہل باشند،

قیامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ علمار بدراہ ہو جائیں اور صوفی جاہل ہوں۔ (مقررنامہ ۲۲)

حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت مسلکاً اہلِ سنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ جامع العلوم میں ہے کہ

ولا نتبراء من احد من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھذا بیننا وبین الروافض لانہم یتبرءون من الصحابۃ الا عن علی رضی اللہ عنہ فنرد علیہم بقولہ علیہ السلام اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم وان ابیستوعبتم فالاخبار فی فضائلہم کثیرۃ یطول ذکرھا ھنا ولا نوالی احداً من الصحابۃ دون احد وھذا بیننا وبین الشیعۃ لانہم والوا علیا علی جمیع الصحابۃ وھذا قریب من مذھب الروافض ایضاً ۔

ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی سے اظہار بیزاری کرنے کے روادار نہیں ہیں۔ ہمارے اور روافض کے درمیان یہ مسئلہ اختلاف کا باعث ہے کیونکہ وہ حضرت علی کے سوا باقی تمام صحابہ سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں ہمارے پاس روافض کے رد

میں یہ حدیث ہے کہ ۔

میرے صحابی ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے تم جس کی پیروی کروگے ہدایت پاؤ گے ۔ اور اگر انکار کروگے تو گمراہ ہو جاؤگے ۔

پس ہم صحابہ کو واجب الاحترام مانتے ہیں کہ ان کے فضائل میں بے شمار احادیث مروی ہیں لیکن شیعہ صرف حضرت علی بن ابی طالب کے قائل ہیں ۔ اور باقی صحابہ کو نظرانداز کرتے ہیں ۔ اور یہ اعتقاد رافضیوں کے اعتقاد سے زیادہ قریب ہے ۔

یہ عجیب سوئے اتفاق ہے کہ آج انکی مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے سجادہ نشینان بارگاہ میں اپنے آباؤ اجداد کی جھلک کم پائی جاتی ہے ۔ ـــــ بلکہ عملاً بے راہروی اور فسق و فجور میں مبتلا ہوکر ؛ نام نیک رفتگان ،، کو ضائع کر رہے ہیں اسے کہتے ہیں ؛ مدزاغوں کے تصرّف میں عقابوں کا نشیمن؛ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح کے خلفاء کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی ۔ الدرالمنظوم میں بیالیس ۴۲ خلفاء کے نام ملتے ہیں جو اپنے دور کے عظیم الشان بزرگ اور شیوخ طریقت تھے ۔ آپ کے خلیفہ اعظم آپ کے حقیقی بھائی سید صدرالدین راجو قتال ہوئے ان کے علاوہ شیخ اخی راجگیری ، شیخ علم الدین ترمذی ، شیخ سراج الدین ، سید اشرف جہانگیر سمنانی ، سید شرف الدین مشہدی شیخ تاج الدین بھکری ، سید محمود شیرازی ، سید سکندر بن مسعود ، شیخ علاء الدین علی ، سید ناصرالدین محمود اور اس قبیل کے دیگر حضرات کو بھی آپ کی بارگاہ سے خرقہ خلافت واجازت حاصل ہوا ۔

مریدین کی تعداد ؛ ثمرات القدس ،، کی روایت کے مطابق پونے دو لاکھ کے قریب تھی ۔ خود حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح کو ایک سو چالیس سے زیادہ مشائخ طریقت سے نسبت باطنی حاصل تھی ۔ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب اولیاء دہلوی کے چار خلفاء سے آپ نے باطنی فیض حاصل کیا ۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح سے بھی آپ کو خصوصی محبت و عقیدت تھی۔ اور ہمیشہ اپنی اس خوش بختی پر نازاں رہے کہ انہوں نے حضرت شیخ کے دیکھنے والوں کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ [1]

ایک دفعہ بادشاہ کے ہاتھ میں تلوار دیکھی جس کا قبضہ سونے کا تھا۔ آپ نے فوراً ٹوکا۔ بادشاہ نے وہ تلوار فوراً اسلحہ خانہ میں جمع کروا دی۔

دہلی کے زمانہ قیام میں جب آپ بادشاہ سے رخصت ہوئے تو شاہی خاندان کے کچھ بچے بھی طلبِ دعا کیلئے حاضر ہوئے۔ انہیں ریشمی لباس میں ملبوس دیکھ کر فرمایا "ریشم کا لباس مردوں کیلئے حرام ہے اس کا وبال شہزادوں کے سرپرستوں پر آئے گا"

کوئی شخص جوشِ عقیدت میں پاؤں چومنے کو جھکتا تو اسے سختی سے روک دیتے اور فرماتے ہمارے مذہب میں سجدۂ تحیت جائز نہیں ہے۔ ایک مرتبہ کسی مرید نے آپ کو قطب عالم، شیخ الشیوخ اور سید السادات کے القاب لکھے فرمایا "میرے لئے ایک ہی لقب گدائے عالم کافی ہے یہ لکھا کرو"

وفات: ۱۰ ذی الحجہ ۷۸۵ھ کو علم وعمل کا یہ آفتاب غروب ہوگیا آپ کی خانقاہ اوچ بخاری کے شمال مغربی گوشے میں واقع ہے۔ لوحِ مزار پر یہ شعر کندہ ہے جو تاریخِ وفات کو ظاہر کرتا ہے۔

تاریک گشت جملہ جہاں بے جمال شاہ
تاریخ بود ہفتصد و ہشتاد و پنج سال [2]

خاتمہ مرآۃ احمدی میں آپ کے متعلق اتنا ہے۔

مخدوم جہانیاں جلال الدین حسین بخاری کے متعلق "جامع العلوم" میں لکھا ہے کہ آپ

---

[1] الدرالمنظوم صفحہ ۲۵۹ [2] خطۂ پاک اوچ صفحہ ۲۲۴،۲۲۵۔

محدّث اور فقیہ تھے ۔ اصول وفروع دونوں میں امام ابو حنیفہ رح کے مذہب پر فتویٰ دیا کرتے تھے، مگر نماز میں فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے ۔

ان کے پوتے حامد الکبیر بن محمود بن حسین الاچی اور جلال الدین احمد بن یعقوب بن محمود بن سلیمان البتی کے متعلق صراحت ملتی ہے کہ یہ دونوں فن حدیث میں مخدوم صاحب کے شاگرد تھے ۔ [۱]

شیخ سما الدّین

م ۱۷ جمادی الاولیٰ ۹۰۱ھ مطابق یکم فروری ۱۴۹۶ء

شیخ سما الدّین نے حضرت مخدوم جہانیاں کے بھائی اور اپنے والد کے پیر ومرشد شیخ راجو قتال کو نہ صرف دیکھا تھا بلکہ ان سے کسی حد تک مربوط بھی رہ چکے تھے ، ان کے والد بزرگوار کا اسم گرامی خواجہ بدھ فتح اللہ تھا ۔ ایک بار انہوں نے اپنے ایک پڑوسی ملک نامی کی انتہائی منت سماجت پر اس کی جاگیر کی درستی محصول کی ذمہ داری قبول کرلی لیکن چند دنوں بعد سلطان المشائخ سید صدرالدین کو خواب میں دیکھا کہ وہ اس کام سے منع فرماتے ہیں ۔ چنانچہ خواجہ فتح اللہ اس کام کو چھوڑ کر اپنے گھر لوٹ گئے لیکن ملک کی دوبارہ منت سے مجبور ہوکر خواجہ کو اس کی جاگیر پر پھر جانا پڑا ، لیکن اسی دن بالا خانہ پر وضو کر رہے تھے کہ سلطان المشائخ نمودار ہوئے اور انہوں نے خواجہ بدھ کو نیچے دھکیل دیا ۔ خواجہ بچ گئے لیکن اس کام سے علیحدگی اختیار کرکے اہل اللہ

---

[۱] خاتمہ مرآۃ احمدی صہ ۶۲ [۲] سیرالعارفین صہ ۱۲۱

کے زمرے میں داخل ہو گئے ، اور شیخ راجو قتال سے رابطہ ارادت استوار کرکے سہروردیہ سلسلہ میں شامل ہو گئے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ سماء الدین بھی باپ کے ہمراہ شیخ راجو کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ۔

شیخ سماء الدین کو بچپن سے عبادت میں جس قدر شغف تھا اس کا حال سیر العارفین[1] میں خود شیخ کے حقیقی بھائی شیخ اسحاق کے حوالہ سے بیان ہوا ہے کہ بارہ سال کی عمر سے تہجد کی نماز کبھی فوت نہیں ہوئی ۔

اخبار الاخیار ص۲۱۱ سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ موصوف کے استاذ مولانا ثناء الدین تھے جو میر شریف جرجانی کے شاگرد رہ چکے تھے ۔

مولانا ثناء الدین بڑی صلاحیت کے عالم تھے چند سال شیراز میں رہ کر سید شریف سے بھی علوم حاصل کرکے اپنے ہم عصروں میں بے حد ممتاز ہو گئے ۔ ان کے والد قطب الدین بہرام تھے جو کبر سنی تک لاولد تھے کلام اللہ کے حافظ تھے ہر شب جمعہ کو حضرت بہاء الدین زکریا اور ان کے صاحبزادے حضرت صدر الدین کے مقبرے پر حاضر ہوتے ۔ اور ایک ختم قرآن کے بعد واپس آتے ۔ ایک شب ختم کلام کے بعد غنودگی طاری ہوئی ۔ حضرت شیخ صدر الدین کو خواب میں دیکھا کہ وہ خرمے دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ایک خود کھاؤ اور دوسرا اپنی زوجہ محترمہ کو کھلا دو ۔ انشاء اللہ تم کو فرزند نیک بخت حاصل ہوگا ۔ ابھی اس جگہ سے نکل رہے تھے کہ ایک بزرگ نے دو خرمے دیئے اور ان دونوں کے حسب ارشاد عمل کرنے کا نتیجہ مولانا ثناء الدین کی ذات بابرکات تھی ۔

بہرحال شیخ سماء الدین نے مولانا ثناء الدین سے علم حاصل کیا ۔

---

[1] سیر العارفین ص۱۴ ۔

خرقۂ خلافت اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ شیخ سماء الدین شیخ کبیر نبیرہ سید جلال الدین بخاری کے مرید تھے، اور سیر العارفین سے اس کی پوری وضاحت ہوتی ہے۔ چنانچہ جیسا اشارہ ہو چکا ہے بچپن میں ان کے والد خواجہ بدھ نے انہیں بھی شیخ راجو کا معتقد کر دیا تھا، لیکن باقاعدہ ان سے خلافت نہ ملی تھی، ان کی وفات کے بعد شیخ سماء الدین نے حضرت شیخ المشائخ شیخ کبیر الدین اسماعیل کی طرف رجوع کیا۔

سیر العارفین میں خود شیخ مذکور کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام صدر الدین محمد المعروف بہ شیخ راجو قتال (جو حضرت شیخ کے والد کے پیر و مرشد تھے) کے انتقال کے بعد وہ ایک روز حضرت کبیر الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر شفقت و مرحمت کے طالب ہوئے، حضرت شیخ کبیر نے ایک دوسرے صوفی درویش شیخ فضل اللہ کا ذکر کیا۔ اور ان سے خرقۂ خلافت دلانے کا وعدہ کیا، لیکن شیخ سماء الدین نے کچھ بھی نہ کہا اور مکان واپس چلے آئے، کچھ دنوں بعد پھر شیخ کبیر کے آستانہ پر گئے اور وہی درخواست پیش کی مگر شیخ نے گذشتہ موقع کی طرح پھر شیخ فضل اللہ کا تذکرہ کیا اس پر شیخ سماء الدین نے کہا کہ۔

"پیری و مریدی و مرشدی و مسترشدی بہ رابطۂ قلبی و فرط محبت نہادہ اند و من این معنی نسبت حضرت مخدومی مستحکم و مستقیم می یابم"

اس جواب سے شیخ کبیر اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً اٹھ کر ان سے بغل گیر ہوئے اور حجرۂ خاص میں لے جا کر تلقین و ذکر شروع کیا، ان ہی ایام[1] میں شیخ سماء الدین کے دل میں ترک علم ظاہری کا خیال راسخ ہو گیا تھا، شیخ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ اساس دین کی بنیاد علم ظاہری پر ہے، اس لئے اس کو ترک کرنے کا خیال

---

[1] سیر العارفین ص۱۲۲ ۔

ختم کر دینا چاہیئے - چند وجوہ سے انہیں اپنا وطن چھوڑنا پڑا - اخبار الاخیار میں ہے کہ ؛ از ملتان بنابر بعضے وقائع کہ در آں دیار واقع شدہ برآمد،

سفرِ گجرات

ناگور میں کچھ دنوں قیام کے بعد شیخ سماء الدین گجرات کی طرف چلے گئے ، اس وقت انکی عمر ۶۵ رسال کی تھی ، اس لحاظ سے ان کا سفر ۸۶۲ھ کے قریب ہوا ہوگا ، گجرات کے قیام میں انکی ملاقات شیخ وجیہ الدین احمد سے ہوئی جو بقول صاحب سیر العارفین اس وقت ۱۲۰ رسال یا ۱۲۳ رسال کے تھے - وہ علوم ظاہری میں ابو حنیفہ وقت اور علوم باطنی میں بایزید زمانہ تھے ، شیخ کے آنے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ان کے ساتھ باوجود نا شناسائی کے ایسا برتاؤ کیا جو کوئی خورد اپنے بزرگ کے ساتھ کرتا ہے ۔ حالانکہ دونوں کی عمر میں تقریباً ۶۰ رسال کا فرق تھا اور اپنا ایک خاص مصلیٰ شیخ سماء الدین کی خدمت میں پیش کیا ۔

گجرات سے واپسی پر شیخ سماء الدین رنتھمبور کی طرف آئے اور یہاں کے قلعہ کے قریب بلانیہ ربیانہ نام کے ایک قریہ میں قیام کیا ، اسی قریے میں شیخ جمالی نے شیخ سماء الدین سے بیعت کی تھی ۔

شیخ سماء الدین رنتھمبور سے بیانہ آئے یہاں ان کا قیام زیادہ دنوں تک معلوم ہوتا ہے ، شیخ سماء الدین بیانہ سے دہلی چلے آئے اور تا آخر حیات یہیں مقیم رہے ۔ اس عہد میں دہلی کا تاجدار بہلول لودھی تھا وہ شیخ سماء الدین کا بے حد عقیدت مند تھا اور ان کی خدمت میں کبھی کبھی حاضر ہوتا تھا ، شیخ کو بھی بہلول سے بڑی محبت تھی ، اس سے بہلول لودھی کی اس عقیدت کا پتہ چلتا ہے جو اس کے فقراء مشائخ سے تھی ، اور غالباً اسی ارادت مندی کا نتیجہ تھا کہ اس نے اپنی ایک لڑکی کی نسبت ایک صوفی درویش شاہ عبداللہ قریشی سے کر دی ، جو ملتان کے رہنے والے اور حضرت بہاء الدین زکریا کی اولاد میں سے تھے ۔ شاہ عبداللہؒ موصوف نہ صرف شیخ سماء الدین

کے ہم وطن تھے بلکہ دونوں ایک ہی سلسلہ سہروردیہ سے مربوط تھے۔
بہلول کی وفات ۸۹۴ھ میں ہوئی، اس کے بعد اس کا لڑکا سکندر لودھی تخت نشین ہوا۔ باپ کی طرح وہ بھی درویشوں کا بیحد عقیدت مند تھا۔ حضرت شیخ سماءالدین سے بھی بڑی ارادت رکھتا تھا، چنانچہ جب تخت نشینی کے لئے اس کو دعوت دی گئی تو سب سے پہلے وہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر دعا کا طالب ہوا۔ [1]

اخبار الاخیار میں ہے کہ آخر وقت میں شیخ کی بصارت جاتی رہی تھی مگر خدا نے بغیر دوا کے ان کی آنکھیں روشن کردیں۔ شیخ نے طویل عمر پائی آپ نے ۱۷ جمادی الاولیٰ ۹۰۱ھ بمطابق یکم فروری ۱۴۹۶ء کو تقریباً سو سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ انتقال سے پہلے آپ اپنے بڑے لڑکے شیخ عبداللہ کو دیکھنا چاہتے تھے جو ایک مدت سے صحرا نشین ہو گئے تھے۔ شیخ جمالی ان کی تلاش میں جانے کو تیار تھے اور شیخ سماءالدین نے بیٹے کے نام ایک اشتیاق نامہ بھی لکھا تھا جس میں یہ شعر درج تھا۔ [2]

طاقت و صبر مرا نیست بریں ہجر طویل
قدم رنجہ بنہ برسر ایں پیر علیل!

مگر دوسرے دن چاشت کے وقت شیخ جمالی کو طلب کرکے فرمایا، معلوم نہیں شیخ عبداللہ کا دیدار نصیب ہوتا ہے یا نہیں، میری خواہش یہ ہے کہ تم میرے پاس سے الگ نہ ہو ورنہ ایسا نہ ہو کہ میرے جنازے میں شریک نہ ہوسکو، اس کے بعد تقریباً ایک ہفتہ استغراق کا عالم طاری رہا مگر ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرکے نماز پڑھتے۔ پھر محویت طاری ہو جاتی، یہاں تک کہ سترہویں جمادی الاوّل کو بعد نماز عشاء آنکھ کھولی تبسم فرمایا اور رحلت کی۔ شیخ جمالی نے یہ قطعہ نظم کیا ہے۔

مرشد انس و ملک شاہ سماءالدین چوں رفت
اے جمالی برسر یر عرش آمد گام او!

[1] معارف م۱ جلد ۵۷ ۔ [2] اخبار الاخیار ص۲۴۵

ہشت خلد آمد بنام او اگر پرسد کسے
سال تریخش بگو ہشت آمدہ برنام او

ہشت کے ۵۰۷ ہوتے ہیں اس میں سماء الدین کے ۲۰۱ شامل کرنے سے ۹۰۱ھ ہوگا
مؤلف خزینۃ الاصفیاء نے یہ قطعہ لکھا ہے۔

سماء الدین ولی سہروردی! | کہ وارض وسماکش رواں شد
چو از حکم قضا رخت سفر بست | قضا تاریخ ترحیلش بیاں شد
دگر مہتاب جنت گشت روشن | ہم عارف متقی سالش عیاں شد

آپکی تجہیز وتکفین کے وقت دہلی کے اکابر مشائخ وعلماء موجود تھے، شیخ جمالی نے حضرت حاجی عبدالوہاب، مولانا عبداللہ الہ داد، شیخ نصیرالدین اور حضرت زبدۃ الانام کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے، ان میں اول الذکر سید جلال بخاری کی اولاد میں تھے، جو حضرت مخدوم جہانیاں کے جد اور سلسلہ سہروردیہ کے ایک ممتاز رکن تھے۔ حضرت حاجی ملتان سے دہلی آکر سکونت پذیر ہو گئے۔

مولانا عبداللہ الہ داد شیخ جمالی کے استاد اور عہد سکندری کے سب سے ممتاز عالم تھے، بہلول لودھی کے زمانے میں ملتان سے دہلی آگئے۔

تیسرے شیخ سماء الدین کے چھوٹے صاحبزادے تھے اور آخری کی شخصیت کا تعین نہیں ہو سکا، شیخ سماء الدین کا مقبرہ حوض شمسی پر ہے ان کے پہلو میں ان کے خاندان کے بعض دوسرے افراد بھی مدفون ہیں، سیر العارفین سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت قطب الدین بختیار نے ان کے مدفن کا نشان مقرر کیا تھا

معمولات شیخ سماء الدین اکابر اولیاء میں تھے، آپکی حیات کا ہر سانس عبادت وطلب رضائے الٰہی میں صرف ہوتا تھا، آپ کا باقاعدہ دستور تھا جس میں تبدیلی مشکل سے ہوتی۔ سیر العارفین میں ہے کہ آدھی رات کو تجدید

وضو کر کے نماز شروع کرتے اور تقریباً ایک پہر نوافل میں گذارتے، نصف پہر ورد میں صرف ہوتا پھر صبح صادق تک مراقبہ میں رہتے۔ اس کے بعد فجر کی سنت مؤکدہ ادا کرتے اور نماز فجر با جماعت پڑھتے، نماز چاشت کے بعد کچھ مراقبہ کرتے اور پھر درس ا تدریس میں مشغول ہو جاتے، تفسیر، حدیث اور اصول فقہ کا خاص طور پر درس دیتے، جس میں کبھی کبھی علماء تک شریک ہوتے۔ اس کے بعد مریدوں کی تربیت کی طرف متوجہ ہوتے اور ہر مرید کی اصلاح فرماتے۔ عصر تک یہ کام جاری رہتا، پھر مغرب تک استغراق کا عالم رہتا۔ نماز مغرب و اوابین ادا کر کے مراقبہ میں چلے جاتے، نماز عشاء سے فارغ ہو کر مسجد سے گھر آتے، کھانا کھاتے، کچھ دیر استراحت فرماتے مگر ذکر جاری رہتا اس طرح صبح سے شام تک سوائے عبادت کے دوسرا شغل ہی نہ رہتا تھا

شیخ جمالی آپ کے داماد تھے۔ [1] شیخ جمالی نے لکھا ہے کہ ایک روز ایک درویش شیخ سماء الدین کی خدمت میں آئے ان کے پاس مکتوبات عین القضاۃ ہمدانی کا ایک نسخہ تھا حضرت نے اسے اپنے ہاتھ میں لیا اور چند ورق مطالعہ کرنے کے بعد شیخ عین القضاۃ کا ایک واقعہ نقل کیا۔ ایک بار ان کی بیس[2] جگہ دعوت تھی لیکن وہ حجرہ سے باہر نہ نکلے اور ہر جگہ موجود بھی تھے، شیخ جمالی کے دل میں شبہ پیدا ہوا چنانچہ حسب معمول جب وہ طشت و مشربہ لے کر شیخ سماء الدین کے کمرہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ شیخ اپنی جگہ پر موجود ہیں اور چاروں کونوں میں اُن کی چار صورتیں کھڑی ہیں اس کے بعد خود فرمایا کہ درویشوں میں یہ قوت ہوتی ہے کہ ایک ہی وقت میں کئی جگہ حاضر ہو جائیں لیکن یہ باتیں ہر شخص سے کہنے سننے کی نہیں ہیں۔ [۲]

---

[1] معارف ۲ ج ۵، ص ۱۱۱ [2] سیر العارفین ص ۱۲۵، معارف ۱ ج ۷۵۔

سیّد صدر الدّین راجو قتال

قطب العالم کے پیر و مرشد

(متوفی ۱۹ رجمادی الاخری ۸۲۷ھ / ۱۶ رمئی ۱۴۲۴ء)

آپ حضرت سیّد احمد کبیر بن سید جلال سرخ بخاری رح کے چھوٹے فرزند اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح کے برادرِ حقیقی اور خلیفہ اجل تھے۔ ۲۶ رشعبان ۷۳۰ھ / ۱۲ رجون ۱۳۲۸ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹ رجمادی الاخریٰ ۸۲۷ھ / ۱۴۲۴ء کو انتقال فرمایا۔ علم و عمل کے جامع اور شریعت و طریقت کے ماہر تھے مرآۃ العالم میں تحریر ہے۔

صدر الدین راجو قتال اپنے والد احمد کبیر کے مرید و خلیفہ تھے اور اپنے بڑے بھائی مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے بھی خرقہ خلافت پایا۔ اور ان کے بعد۔۔۔ جانشین اور خلیفہ ہوئے۔ آپ علوم ظاہری، اصول، معاملات اور اشارات میں جامعیت رکھتے تھے اور ہند کے اجل مشائخ میں سے تھے۔

اپنی عمر عزیز کا بیشتر حصہ اپنے برادر بزرگ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی صحبت میں بسر کیا۔ اور سفر و حضر میں حضرت مخدوم رح کے فیوض ظاہرہ و باطنہ سے بہرہ یاب ہوتے رہے۔ حضرت مخدوم فرمایا کرتے تھے۔

خالق حقیقی نے ہم کو امور خلقت میں مشغول کیا۔ اور برادر عزیز صدر الدین کو اپنی ذات کے عشق میں مستغرق کر رکھا ہے۔

چونکہ طبیعت میں جلال کا عنصر غالب ہے اس لئے "قتال یا کتال کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اس سلسلہ میں اُوچ کے ہندو حاکم "نواہون" کا واقعہ مشہور ہے جس سے شانِ جلالی اور افتاد طبع کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے مرض الموت کے ایام میں ، نواہوں ، عیادت کی غرض سے حاضر ہوئے ۔ اور حضرت والا کی تعریف میں ایک ایسی بات انکی زبان سے بے ساختہ نکل گئی جس سے توحید و رسالت کا اقرار مترشح ہوتا تھا ۔ آپ نے اسے قبولِ اسلام کا حکم دیا ۔ نواہوں کو اس میں تامل ہوا اس لئے راتوں رات بھاگ کر دہلی پہنچے ۔ فیروز تغلق سے ان کے مراسم دوستانہ تھے ۔ حضرت صدرالدین راجو قتال نے دہلی تک اسکی وجہ سے سفر کیا ۔ مشہور بزرگ قاضی عبدالمقتدر تھانیسری کے صاحبزادے مولانا محمد تھانیسری نے ، نواہوں ، کی جاں بخشی کے لئے حیلہ شرعی سے کام لیا ۔ اس پر آپ مولانا محمد تھانیسری سے بگڑ گئے ۔ اور ان پر ایک نگاہ غضب آلود ڈالی اور فرمایا تمہاری گفتگو دیانت سے خالی ہے تم اپنے کفن و دفن کی فکر کرو ۔ آپ کا یہ کہنا تھا کہ مولانا محمد تھانیسری کے پہلو میں درد اٹھا اور اس حد تک بڑھا کہ مرغ بسمل کی طرح زمین میں لوٹنے لگے ۔ قاضی عبد المقتدر اور دیگر علماء و فضلاء نے ان کی آپ سے سفارش کی فرمایا جو ہونا تھا وہ ہوچکا ۔ اب انکی تجہیز و تکفین کا اہتمام کرو ۔ اور غم نہ کرو ۔ مولانا محمد تھانیسری کے ہاں جو لڑکا پیدا ہونے والا ہے وہ اپنے وقت کا مشہور زمانہ عالم اور ولی اللہ ہوگا ۔ چنانچہ مولانا محمد تھانیسری کے انتقال کے ۲ دو ماہ بعد ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا جس کا نام ابو الفتح رکھا گیا ۔ یہ بچہ آگے چل کر بہت بڑے عالم فاضل اور خدا رسیدہ بزرگ ثابت ہوئے ۔ ان کا مقبرہ جون پور میں مرجع خلائق ہے ۔

ملفوظات میں لکھا ہے کہ سید صدرالدین راجو قتال کے ہاتھ پر تین لاکھ چالیس ہزار سے زیادہ افراد نے بیعت کی ۔

ایک نومسلم دین محمد کا حال مناقب الولایت میں اس طرح تحریر ہے کہ یہ نومسلم پہلے

ہندو تھے (حضرت راجو قتال کی) صرف گفتگو سنتے ہی مسلمان ہوگئے۔ (آپ نے) انکا نام دین محمد رکھا اور اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اور سہروردیہ طریقہ میں داخل کیا۔

حامد گنج بخش لکھتے ہیں کہ وہ صرف ان کے دیکھنے ہی سے مسلمان ہوگئے۔ اور اس طرح تین سو کافر آئے اور مسلمان ہوئے۔

آپ کی اولاد کافی تھی مگر خلافت و سجادگی اپنے بھتیجے سید ناصرالدین محمود کے صاحبزادے سید فضل اللہ کے سپرد کی جن کا مزار اُوچ میں آپ کے مزار سے متصل جانب جنوب واقع ہے۔ آپ کے خلفار کی تعداد بھی سینکڑوں سے متجاوز ہے مشہور خلفار میں قطب العالم سید برہان الدین احمد آبادی، شیخ کبیرالدین، اسماعیل بخاری، حاجی سید عبدالوہاب، شاہ داؤد قریشی، شیخ اسماعیل قریشی اور سید احمد مخدوم جہاں شاہ کے اسمار قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت راجو قتال کا ۱۹ رجمادی الآخر ۸۲۷ھ/۱۴۲۴ء کو وصال ہوا اور اُوچ میں دفن ہوئے۔

حضرت راجو قتال کے حالات میں حاجی حامد گنج بخش نے ایک کتاب "مناقب الولایت" لکھی ہے۔ [1]

سیّد تاج الدّین

سیّد جلال مخدوم جہانیاں رح کے خلیفہ تھے۔ آپ کا مزار احمد آباد شہر کے اندر محمد بیگ خاں کی حویلی کے نزدیک مرزا پور میں واقع ہے۔ [2]

---

[1] مخدوم جہانیاں ص۱۸۳۔ خطہ پاک اوچ ص۲۳۵۔ [2] خاتمہ مرات احمدی ص۱۰۳۔

بابا اسحاق مغربی اور حضرت شیخ احمد کھٹوی سرکھیج

(م ۶۴۳ ھ سے ۷۷۶ ھ)

شیخ احمد کھٹوی، شیخ اسحاق مغربی کے خلیفہ تھے۔ شیخ مغربی اپنی طول عمری کی وجہ سے حضرت شیخ ابو مدین مغربی سے فیض یافتہ تھے۔ تحفۃ المجالس میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ اسحاق مغربی اپنے پیر ابو مدین مغربی کی وفات کے بعد اپنے پیر و مرشد کے اشارے سے برصغیر ہندوستان کے سفر پر روانہ ہوئے۔ سلطان فیروز شاہ کے زمانہ میں اجمیر شریف آئے اور حضرت خواجہ اجمیری کے مزار پر انوار پر قیام کیا۔ ایک عرصہ تک یہاں قیام فرمایا۔ ایک رات حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رح نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ آپ ناگور کے علاقہ میں قصبہ کھٹو / کھاتو میں چلے جائیں اور وہاں کام کریں۔

خطۂ پاک اوچ نامی کتاب میں ہے کہ آپ شیخ معین الدین اجمیری رح کے معاصر ہیں۔ آپ کو حضرت اجمیری نے کھٹو (کھاتو) بھیجا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منامی ارشاد نہیں بلکہ بیداری کا واقعہ ہے۔

آپ کھٹو (کھاتو) پہنچے۔ فقر و فاقہ میں زندگی گذارنی شروع کر دی۔ اور خلقِ خدا کو روحانیت سے مالا مال کرتے رہے۔ ایک وقت آیا کہ سلطان فیروز شاہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اظہار نیازمندی کی بادشاہ کو دیکھ کر مزید بے پناہ مخلوق آپ سے فیض یاب ہونے لگی۔ آپ نے ۷۷۶ھ/۷۶۳ھ/۱۳۶۱ء میں وفات پائی

شیخ اسحاق پیر روشن دل — آنکہ در خلق ذات او طاق است
رکن رقم سال رحلتش سرور — آنکہ مشہور جملہ آفاق است
مہدی متقی امین اللہ! — نیز سردار عالم اسحاق است
۷۷۶ھ — ۷۷۶ھ — ۷۷۶ھ

جہانگیر اپنی توزک میں گجرات کے سفر کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"چون مزار شیخ احمد کھتو بر سر راہ واقع بود نخست بدانجا رفتہ فاتحہ خواندہ شد کھتو نام قصبہ ایست از سرکار ناگور و مولد شیخ از آنجاست"

لیکن شیخ کی پیدائش کے معاملے میں جہانگیر کو سہو ہوا ہے۔ آپ کی پیدائش کھتو نہیں بلکہ دہلی کی ہے۔ جیسا کہ ابوالفضل نے آئین میں تحریر کیا ہے۔

لقب جمال الدین در دہلی سال ہفت صد و سی و ہفت بزاد۔ از بزرگ زاد ھای آنجاست۔ مرید و خلیفہ بابا اسحاق مغربی، نام او نصیر الدین علاوہ ازیں۔ شیخ احمد کھتو در سال ہفت صد سی ہفت در دہلی متولد شد۔ سلہ بحرالتواریخ۔

شیخ وجیہ الدین (یوسف ثانی)

جمالی لکھتے ہیں

حضرت شیخ وجیہ الدین، کو لوگ ان کے حسن و جمال کی وجہ سے یوسف ثانی کہا کرتے تھے وہ فسق و فجور میں مستغرق رہتے تھے اور ہمیشہ شراب پیتے تھے۔ ایک روز سوار ہو کر جا رہے تھے کہ ان کا گزر بابا اسحاق مغربی کی خانقاہ کے دروازے سے ہوا۔ بابائے مذکور اپنی خانقاہ کے دروازے پر کھڑے تھے، انہوں نے (شیخ وجیہ الدین احمد) کو دیکھا تو آدھے مثقال کے وزن کا ایک ڈھیلا اٹھا کر شیخ (وجیہ الدین) احمد کے مارا اور کہا کہ اے لڑکے! کب تک فسق و فجور میں مبتلا رہے گا۔ یہ سنتے ہی شیخ وجیہ الدین احمد بیہوش ہوگئے اور گھوڑے سے زمین پر گر پڑے۔ جب بابا اسحاق نے یہ دیکھا تو ان کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ کچھ دیر کے بعد ان کو خانقاہ کے اندر لائے، تھوڑا سا پانی طلب کیا خود پیا اور بقیہ ان کے منہ میں ڈال دیا۔ شیخ ہوش میں آ گئے اور بیعت کر لی اور جو مال و متاع ان کے پاس تھا وہ سب بابا اسحاق کے سامنے پیش کر دیا جو مستحقین میں تقسیم کر دیا گیا۔

سلہ (مقالات شیرانی ص ۱۹/۱)

تھوڑے ہی عرصے میں وہ قطب کے درجے پر فائز ہوئے ۔ چنانچہ ہندوستان کے اکثر بادشاہ ان کے مرید ہوئے ۔ شیخ وجیہ الدین احمد نے شادی نہیں کی وہ پندرہ سال تک حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کے مجاور رہے اور وہاں سے گجرات آئے ۔ سلطان احمد گجراتی کہ جو ایک عالم اور حافظ قرآن تھے ان کے مرید ہوئے ۔ اس زمانے میں ان کا مقبرہ شہر احمد آباد کے نزدیک قصبہ سرکھیج میں ہے ۔ انکی پائنتی گجرات کے بہت سے بادشاہوں کی قبریں ہیں ۔

شیخ احمد کھٹو ملقب بہ گنج بخش جمال الدین، شہاب الدین

متوفی ۱۰رشوال/۱۴رشوال ۸۴۹ ھ

شیخ شہاب الدین احمد بن عبداللہ کھٹوی سرکھیجی رح ۷۳۷ ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے ۔ اور حکمت الہٰی نے کھٹو میں پہنچایا ۔ جو جودھپور کے ضلع ناگور میں کھاٹو نا کے دو موضع ہیں جو ایک دوسرے سے دو تین میل کے فاصلے پر ہیں دونوں میں امتیاز کرنے کی خاطر مشرقی قصبے کو چھوٹی کھاٹو اور مغربی کو بڑی کھاٹو کہتے ہیں کھاٹو جدید تلفظ ہے قدیم صورت کھٹو ہے ۔ تمام پرانی کتابوں، فرامین اور کتبوں میں یہ نام بہ صورت ،کھٹو، ملتا ہے ۔ بڑی کھاٹو کسی زمانے میں نہایت اہم مقام رہا ہے ۔ اس میں بہت سی مساجد، مزارات اور دیگر پرانے آثار موجود ہیں، ان میں سب سے قدیم ایک مسجد ہے جو سلطان شمس الدین التمش (متوفی ۶۳۲ ھ) کے دور سے تعلق رکھتی ہے ۔

اسی عہد کا ایک کتبہ بھی موجود ہے ۔ سنگ مرمر کے اس کتبے پر جو عربی میں کندہ ہے رمضان ۶۲۹ھ تاریخ دی گئی ہے ۔ کتبے کی تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابتدا میں التمش کے عہد میں کسی تالاب پر نصب کیا گیا تھا ۔ یاد رہے کہ اس علاقے میں پانی کی قلت کے سبب برسات کا پانی بڑے بڑے تالابوں میں محفوظ کیا جاتا ہے ۔ جو سال بھر استعمال ہوتا ہے آجکل یہ کتبہ حضرت اسحاق مغربی کی درگاہ میں جو آٹھویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں ۔ موجود ہے انہی حضرت اسحاق مغربی (متوفی ۷۷۳ھ) کے مرید مشہور بزرگ شیخ احمد کھٹو تھے ۔ جن کا مزار سرکھیج (گجرات) میں واقع ہے ۔ یہ اپنے پیرخانے کی نسبت سے کھٹو کہلاتے ہیں ۔ جہانگیر اپنی توزک میں گجرات کے سفر کے سلسلے میں لکھتا ہے ۔

"چوں مزار شیخ احمد کھٹو بر سر راہ واقع بود نخست بدانجا رفتہ فاتحہ خواندہ شد ۔ کھٹو نام قصبہ الیست از سرکار ناگور و مولد شیخ از آنجاست ،،

لیکن شیخ کی پیدائش کے معاملے میں جہانگیر کو سہو ہوا ہے ۔ آپ کی پیدائش کھٹو نہیں بلکہ دہلی کی ہے جیسا کہ ابوالفضل نے آئین میں تحریر کیا ہے ۔

لقب جمال الدین در دہلی سال ہفت صد و سی و ہفت بزاد از بزرگ زادہا ئی آنجاست ۔ مرید و خلیفہ (بابا اسحاق مغربی) نام او لفیر الدین ۔۔۔۔۔۔،،

علاوہ ازیں "شیخ احمد کھٹو در سال ہفت صد سی ہفت در دہلی متولد شد [۱]

جیسا ہم چاہتے تھے آپ کے حالات نہ مل سکے اسلئے کہ سب سے قدیم تلمیح کتاب مرقاۃ الوصول الی اللہ والرسول میں ملتی ہے جو شیخ احمد کھٹو کے حالات میں نویں صدی ہجری کے وسط کی تالیف ہے ۔ جو حضرت شیخ احمد کے کسی معتقد محمد قاسم نامی نے مرتب کی ہے ۔ اس کا قلمی نسخہ احمد آباد میں حسینی پیر کے کتب خانے میں موجود ہے [۲] دیگر کتابوں سے ہم نے یہاں کچھ حالات جمع کر دیئے ہیں ۔

[۱] بحر التواریخ [۲] مقدمہ مقالات شیرانی صفحہ ۱۹،۱۸ ۔

شیخ احمد بچپن میں بابا اسحاق تک کیسے پہنچے اس میں روایات مختلف ہیں ایک روایت یہ ہے کہ -

آپ کے آباء واجداد دہلی کے باشندے تھے ۔ آپ کا بچپن بھی دہلی میں گذرا ۔ ایک بار دہلی میں بچوں کے ساتھ آپ کھیل رہے تھے کہ سخت طوفان اور آندھی آئی ۔ جو آپ کو وہاں سے کسی اور طرف لے گئی ۔ مسافروں کی طرح آپ بے یار و مددگار ہو گئے ۔ اس زمانے آپ کسمپرسی کی حالت میں اِدھر اُدھر گھوم کر وقت گذارا کرتے ۔ ایک دن بابا اسحاق مغربی سے ملاقات ہو گئی ، جو اس وقت کے بڑے کامل درویش تھے ۔ وہ آپ کو اپنی قیام گاہ کھٹو میں لے آئے جو اجمیر کے قریب ایک گاؤں ہے ۔ اس طرح آپ نے بابا اسحاق مغربی کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی ۔

دوسری روایت یہ ہے کہ ۔ صاحب معارج الولایت فرماتے ہیں کہ شیخ احمد کھٹو کے پیر و مرشد بابا اسحاق میرٹھ کی طرف آئے دریائے جون (جمنا) کے کنارے ایک توت کے درخت کے نیچے چند روز یاد خداوندی میں گذارے اور وہاں سے کھٹو نامی موضع میں آ کر مقیم ہو گئے ۔ انہی دنوں دہلی میں زبردست طوفان آیا تمام ماحول میں اندھیرا چھا گیا دہلی کا ایک بچہ جسے اس کی دایہ گھر سے باہر لائی ہوئی تھی ، تاریکی میں گم ہو گیا ۔ اور پھرتا پھرتا ایک ایسے مقام پر آ پہنچا جہاں ایک قافلہ ٹھہرا ہوا تھا ۔ صبح قافلے والوں نے ایک خوبصورت بچے کو دیکھا تو اسے اپنے ساتھ لے لیا ۔ اور دوآبہ (پنجاب) کی طرف روانہ ہو گئے ۔ یہ بچہ ایک شخص نجیب نسّاج کے ہاتھ آ گیا ۔ یہ شخص پنجاب کے ایک قصبے دہند وانہ سے روئی کی تجارت کو دہلی گیا ہوا تھا چنانچہ وہ بچے کو اپنے گھر لے آیا ۔ اتفاقاً مولانا شہاب الدین ہمدانی کے پوتے مولانا صدرالدین اسی گاؤں میں گئے ہوئے تھے ۔ وہ جناب ابو اسحاق کو ملنے کے لئے کھٹو گئے تو آپ نے انہیں فرمایا کہ اگر بچہ اس شکل و صورت کا ملے تو میرے لئے لانا ۔

اس نسبہ میں آپ نے جب اس بچے کو غور سے دیکھا تو وہ واقعی اسی شکل وصورت کا تھا۔ جس کی خواہش حضرت شیخ اسحاق نے کی تھی۔ چنانچہ آپ نے بنیب نساج سے وہ بچہ لیا اور حضرت کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے اسے اپنی فرزندی میں رکھ کر پرورش کی اور اس کا نام شیخ احمد رکھا۔

ان دنوں اس بچے کی عمر چار سال تھی جو بعد میں شیخ احمد کھٹو کے نام سے مشہور ہوئے شیخ احمد بارہ سال کی عمر کے ہوئے تھے کہ حضرت اسحاق نے انہیں دہلی میں بزرگانِ چشت کے مزارات کی زیارت کے لئے ساتھ لیا شیخ احمد کے بھائی نے انہیں پہچان لیا اور کہا یہ تو میرا بھائی ملک نصیرالدین ہے۔ وہ سیاہ اندھیری میں گم ہوگیا تھا۔ اس وقت آپ کے والدین ابھی تک زندہ تھے انہوں نے اصرار کیا مگر بچے نے شیخ اسحاق سے جدا ہونا قبول نہ کیا۔ ان دنوں مخدوم جہانیاں جہاں گشت قدس سرہٗ اوچ شریف سے دہلی میں قیام پذیر تھے۔ سلطان فیروز شاہ اور دوسرے امرائے سلطنت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

شیخ اسحاق نے اپنے بیٹے شیخ احمد کو کہا۔ اگر تم چاہو تو تمہیں مخدوم جلال الدین جہانیاں سے بیعت کرالوں انہوں نے کہا کہ میں آپ کا مرید ہوں آپ ہی میرے مخدوم ہیں۔ مجھے نئی جگہ بیعت کی کیا ضرورت ہے۔ بچے کی بات سنکر شیخ اسحاق بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ ہندوستان کے شہنشاہ تمہارے دروازے پر حاضری دیا کریں گے۔

شیخ اسحاق کی محبت کا یہ عالم تھا کہ شیخ احمد کھٹو کو ایک لمحہ کے لئے نہیں بھولتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے شیخ احمد کو بھی حسن وجمال سے نوازا تھا کہ جو بھی آپ کو دیکھتا بے اختیار ہو جایا کرتا تھا۔ اور آواز میں بڑی جاذبیت تھی۔ شیخ احمد کی عمر بیس سال ہوئی تو شیخ اسحاق نے آپ کو لباس خلعت سے نوازا اور خرقہ خلافت کے ساتھ

ساتھ اپنے پیرانِ کرام کے تبرکات اور روحانی امانتوں سے بھی نواز دیا اور خود فوت ہوگئے[۱]

بابا اسحاق مغربی کا سلسلہ شیخ ابو مدین مغربی سے جا کر ملتا ہے اور یہ اس قدر عالی سلسلہ ہے کہ صرف پانچ بزرگوں کے واسطہ سے سید الکونین فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے کیونکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح اخبار الاخیار میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کے سلسلہ کے تمام بزرگوں کی عمریں ڈیڑھ سو برس سے زائد تھیں ۔

سفرِ حج

آپ کے پیر و مرشد حضرت بابا اسحاق مغربی کا وصال بعمر ۱۱۶ ر ۷۷۶ھ/۶۲-۷ھ میں ہوا ۔ ان کا مزار کھٹو میں مرجع خواص و عوام ہے ۔ [۲]

پیر و مرشد کی رحلت کے بعد ۷۸۳ھ میں آپ حج کے لئے روانہ ہوئے ۔ حج سے فراغت پر مدینہ منورہ روانہ ہوئے ۔ جب قافلہ مدینہ منورہ کی سرحد میں داخل ہوا ۔ اور گنبد خضرا کا نظارہ ہوا تو آپ پر والہانہ کیفیت طاری ہوئی اونٹ سے اتر گئے اور پیادہ درود شریف کا ورد کرتے ہوئے اور نعتیہ اشعار پڑھتے ہوئے دربار رسالت میں حاضر ہوئے ۔

حجاز سے واپسی

حجاز سے واپسی پر حضرت ٹھٹھہ ہوتے ہوئے اُچھ پہنچے اور وہاں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح سے ملاقات ہوئی ۔ اور ان کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے ۔ اُچھ سے آپ کھٹو پہنچے ۔ پھر آپ دہلی تشریف لے گئے اور مسجد خانجہاں میں آپ نے قیام فرمایا ۔

مسجد خانجہاں میں

مسجد خانجہاں میں آپ کا زیادہ وقت مراقبہ، ذکر و فکر اور تحصیل میں گذرا ۔ عبادت و ریاضت میں ایسے مشغول ہوئے

---

[۱] خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۲۹۵ ۔ گلزار ابرار صفحہ ۱۴۳ ۔ اخبار الاخیار ۔ تذکرہ اولیائے پاک و ہند صفحہ ۱۹۵ ۔ تذکرہ صوفیائے میوات ۔ نزہۃ الخواطر صفحہ ۴۵ ج ۱۹ ۔ [۲] تاریخ صوفیائے گجرات ۔

کہ دن بھر روزہ سے رہتے۔ اور شام کو کھلی کے ایک ٹکڑے سے روزہ افطار فرماتے۔ اور جب چلہ کشی شروع فرمائی تو شیخ عبدالحق رح فرماتے ہیں کہ چالیس روز میں صرف ایک کھجور کھایا کرتے تھے۔

اسی زمانہ میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت دہلی تشریف لائے۔ جب انکو معلوم ہوا کہ آپ مسجد خانجہاں میں ٹھہرے ہوئے ہیں تو آپ سے ملاقات کے لئے پہنچے۔ اور آپ کو بڑی دعائیں دیں۔

تیمور کا حملہ

۱۳۹۸ء میں تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ دہلی پہنچ کر اس نے تخت و تاج پر قبضہ کیا۔ اس وقت دہلی کا بادشاہ محمود تغلق تھا۔ تغلق دہلی چھوڑ کر گجرات چلا آیا شیخ احمد کھٹو اس وقت دہلی میں مقیم تھے۔ تیمور کی فوج نے لوٹ مار کر کے بہت سے لوگوں کو گرفتار بھی کر لیا۔ ان لوگوں میں آپ بھی تھے تیمور کو جب بزرگی اور کرامات کی خبر پہنچی تو اس نے آپکی رہائی کا حکم دے دیا۔ اور سواری بھیج کر اپنے پاس بلا لیا۔

آپ نے تیمور سے قیدیوں کی رہائی کے لئے کہا اور لوٹ مار اور قتل و غارت گری بند کرنے پر زور دیا۔ تیمور نے آپ کی بات مان لی اور آپ سے متاثر ہوا بلکہ معتقد ہو گیا۔ [۱]

سفر سمرقند

تیمور کی درخواست پر آپ اس کے ساتھ سمرقند پہنچے سمرقند میں کچھ دن قیام کے بعد ہندوستان لوٹے۔ ہندوستان آتے ہوئے بلخ، ہرات، اور قندھار بھی تشریف لے گئے۔ قندھار کے گورنر نے آپ کا خیر مقدم کیا۔ اور آپ سے قندھار میں قیام کی درخواست کی لیکن آپ نے اس کو منظور نہ فرمایا۔ وہاں سے آپ ملتان تشریف لائے اور ملتان سے پٹن پہنچے۔

---

[۱] تاریخ صوفیائے گجرات۔

پھر آپ نے سرکھیج میں سکونت اختیار فرمالی اور تادم حیات یہیں مقیم رہے ۔

اخبارالاخیار میں آپ کی گجرات تشریف آوری کا حال اس طرح لکھا گیا ہے کہ ظفر خاں جو فیروز شاہ کی حکومت کی طرف سے نہر والہ کا حاکم تھا ۔ جو سلطان مظفر کے لقب سے مشہور ہوا ، اس نے آپ کو دہلی کی اقامت کے دوران تعلقات کی بنا پر مجبور کیا کہ آپ گجرات تشریف لائیں اور یہیں مستقل سکونت اختیار فرمائیں چنانچہ آپ تشریف لائے ۔ اور سرکھیج میں رہنے لگے [1]

سلطان مظفر خاں کی وفات کے بعد ان کے پوتے سلطان احمد تخت نشین ہوئے وہ بھی شیخ احمد کے مرید ہو گئے تھے ۔ ایک دن سلطان احمد نے التماس کی کہ حضور مجھے حضرت خضر سے ملائیے ۔ آپ نے فرمایا میں حضرت خضر سے پوچھتا ہوں ۔ اگر وہ مان گئے تو بہتر انہوں نے پوچھا تو حضرت خضر نے کہا ۔ انہیں چالیس دن تک عبادتِ خداوندی میں رہنا چاہیئے سلطان ایک ماہ تک چلہ میں رہے پھر حکم ہوا کہ دو چلے مزید کاٹیں ، تین چلے مکمل کر لیئے گئے تو سلطان احمد حضرت شیخ احمد کے حجرے میں بیٹھے تھے کہ نماز صبح کے بعد حضرت خضر تشریف لائے ۔ دورانِ گفتگو سلطان احمد نے درخواست کی حضور مجھے عجائباتِ دنیا سے کوئی حیران کن چیز دکھائیں ۔ آپ نے فرمایا ۔ دریائے سابرمتی کے کنارے پر جہاں آج کل صحرا ہے ایک شہر آباد تھا ۔ اس شہر کا نام تھا باداں باد وہاں کے لوگ بڑے خوش حال اور امیر تھے ایک دن مجھے بھوک لگی میں اس شہر میں گیا ۔ ایک حلوہ فروش کی دکان پر پہنچا اور تیس تنکہ دیکر حلوہ خریدنا چاہا دکاندار نے مجھے دیکھتے ہی کہا تم مجھے درویش دکھائی دیتے ہو میں تم سے پیسے نہیں لونگا ۔ ہاں حلوہ جس قدر چاہو کھالو ۔ کچھ عرصہ بعد میں پھر وہاں سے گذرا تو وہاں شہر ، شہر والوں ، بازاروں اور محلات کا نام و نشان نہیں تھا ۔ ان کھنڈرات پر ایک ڈیڑھ سو

---

[1] اخبارالاخیار صفحہ ۳۴۴ ۔

سالہ بوڑھا بیٹھا نظر آیا۔ میں نے اس سے شہر کے حالات دریافت کیے تو کہنے لگا شہر کا حال تو مجھے بھی معلوم نہیں ہے۔ ہاں میں نے اپنے بوڑھوں سے سنا ہے کہ یہاں ایک شہر تھا۔ جس کا نام باداں باد تھا۔ سلطان نے حضرت خضر سے اجازت لی کہ اگر آپ چاہیں تو میں اسی مقام پر ایک شہر آباد کرنے کا حکم دوں۔ حضرت خضر نے کہا۔ ہاں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن ایک شرط یہ ہے کہ سارے ملک سے ایسے چار اشخاص لائے جائیں جن کا نام احمد ہو۔ اور انہوں نے اپنی (شعوری) عمر میں نماز عصر کی سنتیں بھی قضا نہ کی ہوں اور وہ اس شہر کا سنگ بنیاد رکھیں۔ اور اس کا نام احمد آباد رکھا جائے۔ چنانچہ چار ایسے آدمی تلاش کرنے کا حکم دیا گیا۔ سارے ملک گجرات میں صرف دو اشخاص احمد نامی ملے۔ ایک قاضی احمد اور دوسرے ملک احمد تھے۔ لیکن ان دونوں کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ملتا۔

حضرت شیخ احمد نے فرمایا تیسرا شخص احمد میں ہوں۔ سلطان احمد یہ سنکر کہنے لگا چوتھا احمد میں ہوں۔ مجھ سے آج تک عصر کی سنتیں قضا نہیں ہوئیں چنانچہ چاروں ملکر دریائے سابرمتی کے کنارے پہنچے حضرت خضر نے جس جگہ کی نشان دہی کی تھی وہاں بتاریخ ۷ ر ذیقعدہ ۸۱۳ھ احمد آباد کی بنیاد رکھی۔ اطراف میں تین سو ساٹھ پورے بنائے گئے، ہر ایک پورہ ایک مکمل شہر تھا۔ جیسا کہ صرف عثمان پورہ میں جو تین سو ساٹھ میں سے ایک تھا۔ اس میں صرف کاریگروں کی دوکانیں دس بارہ ہزار تھیں۔ [1]

مرآۃ سکندری میں لکھا ہے کہ گجرات کے سلطان احمد نے احمد آباد کی بنیاد ڈالی۔ اس کی تعمیر کا آغاز ذیقعدہ ۸۱۳ھ / ۱۴۱۱ء اور اختتام ۸۱۶ھ / ۱۴۱۴ء میں ہوا۔ احمد نام کے چار آدمیوں نے اس کی بنیاد رکھی یعنی قطب المشائخ شیخ احمد کھٹو۔ سلطان احمد رسی کا ایک سرا سلطان نے پکڑا اور دوسرا سرا شیخ

[1] خزینۃ الاصفیاء ص ۲۹۸۔

احمد نے) شیخ احمد اور ملا احمد۔ اسی سلطان نے ۱۴۱۴ء/۸۱۶ھ میں مانک چوک کے قریب ایک عظیم الشان مسجد بنوائی۔ جس میں "ملوک خانہ" کے علاوہ تین سو باون ستون تھے۔ دروازۂ ملوک خانہ میں بارہ "تخت ملوک خانہ" میں آٹھ اور جنوبی و شمالی بازوؤں میں دو سو بارہ ستون تھے۔ اور اسی طرح دیگر بہت سے ستونوں کے علاوہ ۹۸ گنبد تھے۔ محمود ثانی کے زمانے میں دستور تھا کہ ربیع الاول کی یکم سے بارہویں تک علماء وصلحاء اور مشائخ وغیرہ ان کے دربار میں حاضر ہوتے۔ بخاری شریف کا درس وغیرہ ہوتا۔ بارھویں کو سلطان خود آنے والوں کی خدمت کرتے۔ ان کے ہاتھوں پر پانی ڈالتے اور وزیر طشت پکڑے رہتے۔ اس روز بہت زیادہ نقدی اور پارچہ انعام میں دیا جاتا۔[۱] اسی طرح ۱۰ ۸ھ/۸۱۳ھ میں شہر احمد آباد کا سنگ بنیاد آپ کے مبارک ہاتھوں سے رکھا گیا۔

شیخ احمد کھٹو جب سنگ بنیاد رکھنے کے لئے تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں ایک بزرگ کو بیٹھا دیکھا۔ ان بزرگ نے آپ کو آواز دی آپ اُن کے پاس گئے تھوڑی دیر تک دونوں بزرگ بیٹھے رہے۔ پھر آپ ان بزرگ سے اجازت لے کر رخصت ہوئے اور پھر احمد آباد کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت شیخ احمد کھٹو سے کسی خادم نے دریافت کیا کہ وہ بزرگ کون تھے حضرت نے بتایا وہ حضرت خضر تھے انہوں نے فرمایا ہے کہ جاؤ بنیاد رکھو بہت اچھا شہر ہو گا۔

[۲] شہر کی تاسیس کے بعد ۸۱۲ھ میں احمد آباد کی جامع مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا جس کی تاریخ ان کلمات سے نکلتی ہے۔ "خیر و بخیر"

---

[۱] مرآۃ سکندری، صفحہ ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۸۔ بحوالہ تاریخ ادبیات ص۵۴۹ ج ۴
[۲] تاریخ صوفیائے گجرات بحوالہ تاریخ سلاطین گجرات۔

سلاطین سے تعلقات

شیخ احمد کھٹو نے دہلی اور گجرات کے کئی سلاطین و بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ فیروز تغلق، غیاث الدین تغلق، ابوبکر تغلق، ناصر الدین تغلق، محمود تغلق یہ سارے شاہان دہلی حضرت کی بہت تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ گجرات کے بادشاہوں میں بھی سلطان مظفر شاہ، احمد شاہ اور سلطان محمد آپ کے معتقد تھے بلکہ احمد شاہ نے تو حضرت کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لی تھی۔ [۱]

شیخ احمد کھٹو کی سوانح

محمود بن سعید ایرجی نے تحفۃ المجالس کے نام سے آپ کے ملفوظات جمع کئے ہیں۔ ساتھ ساتھ سوانح وکوائف بھی۔ اس کتاب میں آپکی عبادت و ریاضت کشف و کرامات اور تبحر علمی کے بہت سے واقعات مرقوم ہیں۔ چند واقعات درج ذیل ہیں۔

آپ خود فرماتے ہیں کہ یہ فقیر جب زیارت خانہ کعبہ کے ارادہ سے جہاز پر سوار ہوا۔ تو ایک دن وضو کرنے میں اتفاق سے پاؤں پھسل گیا اور میں سمندر میں جا گرا۔ گرتے ہی یا حافظ یا حفیظ یا رقیب یا وکیل یا اللہ کا ورد کرتا رہا میں پانی کی سطح پر تھا اور یہ وظیفہ زبان پر تھا اتنے میں مجھے اپنے پاؤں کے نیچے پتھر سا معلوم ہوا پس اس پر کھڑا ہو گیا۔ پانی کمر تک تھا میں نے ان اسماء مبارکہ کا ورد برابر جاری رکھا اسکے بعد ملاحوں نے مچھلی کی طرح اوپر اٹھا لیا۔ اس کے ساتھ ہی شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ مکرمہ پہنچ کر حج کیا اور مدینہ منورہ کو روانہ ہوا۔ مدینہ منورہ میں ہمارے ساتھ امام خانجہاں اور شیخ تاج الدین سرکھیجی کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ ہم مسجد نبوی میں تھے

---

[۱] تاریخ صوفیائے گجرات بحوالہ ہسٹری آف گجرات۔ توزک جہانگیری صفحہ ۹۴۔

ساتھیوں نے کہا کھانے کا انتظام کرنا چاہیئے میں نے کہا کہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہوں ۔ وہ لوگ باہر گئے اور کھانے سے فارغ ہوکر واپس آئے ۔ ہم نے ایک ساتھ عشاء کی نماز پڑھی نماز پڑھکر وہ حضرات سوگئے اور میں تسبیح میں مشغول ہوگیا ۔ ناگہاں آواز آئی رسول اللہ کا مہمان کون ہے ؟ میں نے خیال کیا کسی اور کو آواز دی جارہی ہے پھر دوسری اور تیسری مرتبہ جب یہ آواز آئی تو میں یہ سمجھا کہ یہ آواز مجھے دی جارہی ہے میں اٹھا اور اس کے سامنے آگیا دیکھا کہ وہ شخص ایک طبق ہاتھ میں لئے ہوئے کھڑا ہے ۔ اس نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے ۔ میں نے دامن پھیلا دیا اس نے کھجوریں میرے دامن میں ڈال دیں اور طبق لے گیا وہ کھجوریں میں نے کھائیں وہ اتنی لذیذ اور میٹھی تھیں کہ اس کا بیان نہیں ہوسکتا کھجوریں کھاکر سوگیا ۔ رات کو ایک خواب دیکھا اور یہی خواب میرے ساتھیوں نے دیکھا کہ :

ایک نہایت پر فضا مقام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام تشریف فرما ہیں اور ایک عورت زیور سے آراستہ وہاں موجود ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس عورت کو قبول کرلو میں نے عرض کیا کہ بابا (اسحاق) نے قبول نہیں کیا ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کیطرف اشارہ کرکے فرمایا ''یہ تمہارے باپ ہیں'' میں نے دیکھا تو حضرت علی اپنی انگلی دانتوں میں دبائے کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ بابا احمد رسول اکرم ؐ کے حکم کی تعمیل کرو'' اور اس عورت کو قبول کرلو ۔ چنانچہ میں نے اس عورت کو قبول کرلیا شیخ احمد کھٹو فرماتے ہیں کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ عورت دنیا کی صورت مثالی تھی ۔ آج جو ہمارے یہاں دنیا کی بہتات ہے وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ

علیہ وسلم کا صدقہ ہے ۔

مدینہ منورہ سے واپسی کے وقت ہم تینوں ساتھی آخری سلام کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضر ہوئے ۔ روضہ مبارک کے خدام دس گز کے فاصلے پر ہاتھوں میں کالے دستانے چڑھائے کھڑے تھے مجھ سے کہا یہ عمامہ لو میں نے جواب دیا ہمارے مرشد نے عمامہ نہیں باندھا وہ ٹوپی پہنتے تھے ۔ اس پر خدام نے کہا رات خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ آپ کو دس گز کپڑا عمامہ باندھنے کے لئے دیا جائے اور ساتھ ارشاد فرمایا ہے کہ احمد شاہ کو ہمارا حکم ہے کہ یہ عمامہ اپنے سر پر باندھ لے اور مخلوق خدا کو اسلام کی دعوت دے ۔ چنانچہ وہ کپڑا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عطیہ تھا میں نے ہاتھ میں لیا اس کو چوما اور سر پر باندھ لیا اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دہلی کی مسجد خانجہاں میں رہ کر پہلے سے زیادہ ریاضت و عبادت اور مجاہدہ کیا جائے اسی اثنا میں سیّد جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں کو بھی یہ ندائے غیبی سنائی دی کہ ایک جوان صالح دہلی کی مسجد خانجہاں میں مشغول عبادت ہے اور بہت ہی ریاضت کر رہا ہے چنانچہ جب ہم حج سے واپس آئے تو مسجد خانجہاں میں سید جلال الدین میری ملاقات کو تشریف لائے وہ مسجد کے قریب پہونچے تو ان کے ایک معتقد نے آکر مجھے اطلاع دی کہ مخدوم جہانیاں آپ سے ملنے کیلئے آرہے ہیں میں فوراً اٹھا اور مسجد کے دروازہ پر پہونچا وہ پالکی پر سوار تھے پالکی سے اترے اور نہایت شفقت و پیار سے مجھے گلے لگایا دیر تک سینے سے لگائے رکھا پھر پالکی میں بیٹھ کر واپس تشریف لے گئے ۔ ایک جگہ سفر کا تذکرہ ہے

فرماتے ہیں اس فقیر نے بلا کسی رفیق اور سامان کے تنہا سفر کیا ہے اور پورے گیارہ سال تک برہنہ پا جس شہر اور قصبہ میں جاتا وہاں کی مسجد میں رات بسر کرتا۔ یہ سفر اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر اور ریاضت ومجاہدہ کے سلسلہ میں ہوتے تھے ایک دن فرمایا فقیروں کی مجلس میں آنا آسان ہے مگر وہاں سے اپنے کو صحیح سالم واپس لیجانا مشکل ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ میں ایک دفعہ سمرقند کی مسجد میں جا پہنچا وہاں ایک فقیہ طلبہ کو پڑھا رہا تھا میں فقیروں کی سی ٹوپی اور درویشوں کے لباس میں تھا۔ طلبہ سے دور ہو کر بیٹھ گیا ایک طالب علم حسامی پڑھ رہا تھا۔ اس نے غلط اعراب پڑھے۔ میں نے آواز سے کہا کہ 'اعراب غلط میخوانی' میری آواز سنتے ہی فقیہ اپنی جگہ سے اٹھا اور مجھ سے ملا۔ وہاں سے اٹھ کر اپنی مسندِ درس کے قریب لے گیا۔ علم اصول کے بارے میں مجھ سے کچھ سوالات پوچھے میں نے صحیح جواب دیا۔ میری علمی جانچ کر کے مجھ سے بولا۔ اس علم کے باوجود یہ معمولی کپڑے اور فقیروں سی ٹوپی کیوں پہن رکھی ہے میں نے جواب دیا۔

اگر عمدہ کپڑے پہنوں تو نفس بدخوئی کی طرف مائل ہو جائے گا اس لئے اس فقیر نے اپنے آپ کو اس لباس میں چھپا رکھا ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ بہت بڑا تاجر تقریباً تیس سیر مصری اور مشک کا ایک نافہ ہمارے پاس اس زمانے میں لایا جب کہ ہم مسجد خانجہاں میں تھے میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں اور ہمیں کب سے جانتے ہیں اس نے جواب دیا کہ میں شیخ نور کا مرید ہوں جو پنڈوہ میں رہتے ہیں اور میں اس وقت وہیں سے آرہا ہوں اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ دہلی آچکا ہوں گذشتہ دنوں دہلی سے سامان تجارت کی خرید و فروخت کے بعد شیخ نور کی خدمت میں حاضر ہوا

تو انہوں نے پوچھا کہ دہلی میں کن کن مشائخ سے ملاقات کی ؟ میں نے جن بزرگوں سے ملاقات کی تھی سب کے نام بتا دیئے ۔ شیخ نے دریافت فرمایا کہ شیخ احمد کھٹّو سے بھی ملے ۔ چونکہ آپ سے نہیں ملا تھا اس لئے خاموش ہو گیا شیخ نے فرمایا کہ جب شیخ کھٹّو سے نہیں ملے تو آپ کا دہلی جانا بالکل بے کار ہے اس کے بعد پریشانی کی حالت میں وہاں سے روانہ ہوا اور شیخ کے حکم کے مطابق آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں ۔

اس کے بعد فرمایا اس شخص کے پیر شیخ نور سے میری کبھی ملاقات نہیں ہوئی لیکن انہوں نے اپنے کشف سے جو خدا کی ایک خاص نعمت ہے مجھے خود ہی پہچان لیا شیخ احمد کھٹّو کے مرید محمود بن سعید ایرجی اپنی کتاب تحفۃ المجالس میں لکھتے ہیں کہ سلطان فیروز کو بھی شیخ کھٹّو سے بہت عقیدت و محبت تھی ۔ امیر تیمور کے دہلی آنے سے پندرہ دن قبل شیخ نے اپنے کچھ مریدوں اور خود سلطان فیروز کو اس کے دہلی پر قابض ہونے کی خبر دیدی تھی ۔ چنانچہ سلطان فیروز شیخ کی پیشن گوئی کیوجہ سے دہلی چھوڑ کر جونپور چلا گیا ۔ شیخ کو بھی فیروز نے ساتھ چلنے کو کہا مگر آپ نے فرمایا کہ ہمیں تو دہلی والوں ہی کے ساتھ رہنا ہے بالآخر شیخ اور آپ کے کچھ متعلقین مغلیہ فوج کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے آپ کی بزرگی اور عظمت کی جب امیر تیمور کو اطلاع ہوئی تو اس نے ان تمام لوگوں کو جو شیخ کے ہمراہ گرفتار ہوئے تھے بڑی عزت و ادب سے رہا کر دیا ۔

شیخ فرماتے ہیں کہ ہمارے ساتھ چالیس فقیر جیل میں قید تھے غیب سے روزانہ اللہ تعالیٰ ہمارے پاس چالیس گرم گرم روٹیاں بھیجدیا کرتے تھے ۔

آپ نے فرمایا کہ میں ننگے پاؤں اور بلا کسی ساز و سامان کے سفر کیا کرتا تھا اور کسی شہر یا بستی میں پہونچکر رات مسجد میں گذارا کرتا تھا خدا تعالیٰ نے

اپنے فضل وکرم سے مجھے احتلام سے بھی محفوظ رکھا ۔ میں ہمیشہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتا رہا سفر میں بھی روزے رکھتا اور اتنی ریاضت کرتا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا اگرچہ سفر میں مشقتیں اور تکلیفیں بے شمار ہوتی ہیں لیکن میرا دل ہمیشہ مسرور رہتا تھا میں برہنہ پا اور پیادہ اس لئے سفر کرتا تھا کہ حدیث شریف ہے وامشوا حفاۃً عراۃً ستروں اللہ جھرۃ ای عیانا ۔ شیخ عبدالحق نے لکھا ہے کہ شیخ احمد کھٹو کے یہاں فقراء امراء وسلاطین ہر ایک کے لئے دسترخوان وسیع تھا ۔

صاحب تحفۃ المجالس لکھتے ہیں کہ ایک رات شیخ احمد نے مولانا محمد قاسم رح سے کہا کہ تم فلاں گاؤں چلے جاؤ ۔ قصہ یہ تھا کہ مولانا نماز تراویح میں تمام قرآن سن چکے اور صرف سبح اسم ربك کے بعد والا حصہ رہتا تھا ۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ آج رات قرآن سنکر صبح سویرے فلاں کام کے لئے فلاں جگہ روانہ ہو جاؤنگا شیخ احمد نے فرمایا کہ مولانا آپ ابھی فلاں گاؤں چلے جائیں مگر مولانا اس خیال سے خاموش رہے کہ اگر نفی میں جواب دیتا ہوں تو شیخ ناراض ہو جائیں گے اور اگر چلا جاتا ہوں تو قرآن کریم پورا نہ سن سکونگا چنانچہ شیخ نے پھر حکم دیا کہ آپ فلاں گاؤں ابھی چلے جائیں ۔ شیخ کے اس ح پر مولانا سلام کرکے اس گاؤں کی جانب روانہ ہو گئے جہاں ان کو جانا تھا ۔ اس گاؤں کا نام قصبہ دھولکہ تھا چنانچہ مولانا قصبہ دھولکہ پہنچے تو اسوقت عشاء کی نماز کا وقت ہو چکا تھا اس لئے وضو کرکے فوراً مسجد میں چلے گئے ۔ امام کے ساتھ عشاء کے فرض پڑھے پھر نماز تراویح شروع ہوئی تو امام نے سورہ سبح اسم ربك ہی سے پڑھنا شروع کیا اور مولانا کا قرآن ختم ہو گیا ۔ پھر مولانا کام سے فارغ ہو کر اس گاؤں سے واپس آئے اور شیخ کی

خدمت میں عرض کیا کہ حضرت معاف فرمائیں میں نے آپ کے حکم کی تعمیل میں ذرا تامل اس لئے کیا تھا کہ مجھے اس بات کا خطرہ تھا کہ کہیں تمام قرآن سننے کی سعادت سے محروم نہ رہوں۔ شیخ احمد نے فرمایا کہ مولانا! تمہارے کسی دنیاوی کام کیوجہ سے شیخ دینی کام میں نقصان واقع نہیں ہونے دیگا۔

وصال حضرت شیخ احمد کھٹو ایک طویل مدت رشد و ہدایت فرماتے رہے جب زندگی کے ایک سو گیارہ سال ہوئے تو خدا کی طرف سے بلاوا آگیا۔ چنانچہ ۱۴ر شوال ۸۴۹ھ کو واصل بحق ہوئے آپ کا وصال محمد شاہ کے زمانہ میں ہوا۔

صاحب خزینۃ الاصفیار فرماتے ہیں۔ حضرت شیخ احمد کی عمر شریف ایک سو سے تجاوز کر گئی تھی آپ نے صلاح الدین کو جو راجپوتوں کا ایک لڑکا تھا اور بچپن سے آپ کی زیر تربیت رہا تھا۔ اپنا جانشین بنایا، خرقہ خلافت عطا فرمایا۔ آپ ایک سو گیارہ سال کی عمر میں واصل بحق ہوئے۔

شرح جلال اور معارج الولایت میں لکھا ہے کہ آپ کی ولادت ۷۳۸ھ میں ہوئی تھی اور ایک سو گیارہ سال کی عمر میں بروز جمعرات دس شوال ۸۴۹ھ میں فوت ہوئے۔ یہ زمانہ سلطان محمد بن سلطان احمد بادشاہ گجرات کا تھا۔

صاحب معارج الولایت نے آپ کا سن ولادت مخدوم الاولیار ۷۳۸ھ اور سن وصال قطب الاولیار ۸۴۹ھ اور سن عمر قطب ۱۱۱ھ سے نکالا ہے۔ احمد آباد سے قریبی فاصلہ پر آپ کا مزار پر انوار موضع سرکھیج میں واقع ہے۔ ؎

شیخ احمد بود مرغوب خدا — رہنمائے حق فقیر بے نظیر
امجد آفاق احمد مجتبیٰ ۷۳۸ھ — سرور دین مصرع تولیدش بگیر ۷۳۸ھ [1]

---

[1] خزینۃ الاصفیار صفحہ ۳۰۰۔

خطۂ پاک اوچ میں تحریر ہے کہ۔

حضرت گنج احمد مغربی گجرات کے نامور بزرگانِ طریقت میں سے تھے۔ آپ بابا اسحاق مغربی کے مرید و خلیفہ تھے۔ یہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے ہمعصر تھے۔ بظاہر یہ قرین قیاس ہے اس لئے کہ حضرت معین الدین اجمیری رح کی وفات ۶۳۲ھ میں اور بابا اسحاق مغربی کی ۷۶۲ھ میں وفات ہے اور عمر ڈیڑھ سو برس ہوئی تو گویا ۵۸۷ھ میں ولادت ہوئی۔ اس لئے بابا اسحاق انہی کے مشورہ سے کھٹو میں قیام پذیر ہوئے۔ بابا اسحاق مغربی کا مزار کھٹو ضلع ناگور میں ہے۔ جو ایک قدیم تاریخی قصبہ ہے۔ مزار پر خط کوفی میں کتبہ لگا ہوا ہے۔ مغربی سلسلہ کے بزرگوں نے بڑی طویل عمریں پائی۔ حضرت گنج احمد مغربی کی عمر بھی ڈیڑھ سو یا ایک سو گیارہ برس کے لگ بھگ ہوئی۔ انہوں نے دہلی کے زمانہ قیام میں حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت سے بھی فیض باطنی حاصل کیا۔ حضرت گنج احمد مغربی رح کو یہ خصوصی امتیاز بھی حاصل ہے کہ ان کے اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف چھ واسطوں سے نسبت ہے۔ (اخبار الاخیار)

آپ کے بارے میں یہ عام شہرت ہے کہ علم کیمیا کے زبردست ماہر تھے۔ حضرت گنج احمد مغربی حضرت قطب العالم کے ہمعصر بزرگوں میں سے تھے۔ عمر بھر مجرد رہے ان کا مزار احمد آباد سے سات کوس کے فاصلے پر سرکھیج نام کی بستی میں ایک پر فضا مقام پر واقع ہے۔ مزار پر حاضری سے ایک خاص روحانی کیف و سرور حاصل ہوتا ہے اور طمانیت قلب کا احساس دل و دماغ پر چھا جاتا ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مزار کسی ولی کامل اور عارف باللہ کا ہے۔ [1]

---

[1] خطۂ پاک اوچ صفحہ ۲۹۵۔

گجراتیوں کی مرغوب غذا کھچڑی

سلطان احمد شاہ اول کے عہد میں مسلمانوں میں کھچڑی کا رواج ہو گیا تھا۔ ۸۱۲ھ احمد آباد اور کاٹھیاواڑ میں رات میں کھچڑی کھائی جاتی تھی۔ اور سورت میں دن میں رات میں کھانے کا دستور قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے۔ احمد شاہ اول اور شیخ احمد کھٹو دونوں رات ہی میں کھچڑی کھاتے تھے۔ [۱]

عرف بابو کا قدیمی استعمال

محمود بن سعید ایرجی کی "تحفۃ المجالس" کے ایک اقتباس سے جو "اخبار الاخیار" میں منقول ہے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ احمد کھٹو (متوفی ۸۴۹ھ) اپنے مرشد شیخ اسحاق مغربی کو "باباجیو" اور "بابوجیو" کے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ [۲]

جہانگیر بادشاہ کی شیخ احمد کھٹو کے مزار پر حاضری

جہانگیر اپنی توزک میں لکھتے ہیں۔

۶ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ ۱۶۱۷ء کو مبارک شنبہ جمعرات کے دن باغ فتح کی سیر کیلئے گیا جو موضع سرخیز میں واقع ہے۔ راستے میں ایک ہزار پانچ سو روپے نچھاور کئے چونکہ شیخ احمد کھٹو کا مزار سرراہ واقع تھا اس لئے وہاں حاضر ہو کر فاتحہ خوانی کی۔ کھٹو ایک قصبہ کا نام ہے جو سرکار ناگور میں واقع ہے۔ یہی قصبہ شیخ احمد کھٹو کی پیدائش گاہ ہے۔ شیخ سلطان احمد کے زمانے میں تھے جس نے شہر احمد آباد کی بنیاد رکھی تھی۔

سلطان احمد، شیخ سے نہایت عقیدت و اخلاص رکھتا تھا۔ اس علاقے کے لوگ بھی ان سے نہایت عقیدت رکھتے ہیں اور انہیں اکابر اولیاء میں شمار کرتے ہیں۔ ہر جمعہ کی شب میں ان کے مزار پر شریف و ذلیل ہر قسم کے لوگ کثرت سے

---

[۱] گجرات کی تمدنی تاریخ صفحہ ۱۶۲ ۔ [۲] مقالات شیرانی ج ۱ صفحہ ۱۴۵ ۔

ان کے مزار کی زیارت کیلئے حاضر ہوتے ہیں ۔ سلطان محمود کے بیٹے سلطان احمد نے شیخ کے مقبرے ومسجد اور خانقاہ کی عالی شان عمارتوں کی بنیاد رکھی تھی ۔ اور مقبرے کے متصل جنوبی حصے میں ایک بڑا تالاب بنوایا تھا ۔ تالاب کے گرد وپیش کو پتھر اور چونے سے پختہ کیا تھا ۔ یہ عمارتیں محمود کے بیٹے قطب الدین کے زمانے میں مکمل ہوئیں ۔ تالاب کے کنارے شیخ کے مزار کی پائنتی میں گجرات کے سابقہ بادشاہوں کے مقبرے بنے ہوئے ہیں ۔ گنبد کے اندر سلطان محمود بیگرہ اور اس کا بیٹا سلطان مظفر اور اس کا پوتا محمود شہید، جو سلاطین گجرات کا آخری فرمانروا تھا ابدی نیند سو رہے ہیں ۔ سلاطین گجرات کے مقبرے کے قریب ان کے امرار کے گنبد ہیں ۔ بلاشبہ شیخ احمد کھٹو کے مقبرے کی عمارت نہایت عالی شان اور اس کا محل وقوع نہایت نفیس ہے ۔ تقریباً پانچ لاکھ روپے اس عمارت پر صرف ہوئے ہونگے [سلہ] واللہ اعلم بالصواب

آپ کا مدرسہ شیخ احمد کھٹو ی متوفی ۸۴۹ھ ۔ ۱۴۴۵ء نے سرخیز (سرکھیج) میں خانقاہ، مسجد، اور تالاب بنوایا تھا ۔ وفات پانے پر محمد شاہ دوم نے ان کا مقبرہ اور مدرسہ وغیرہ بنوایا اس کے ساتھ طلبہ کے رہنے کے لئے ایک دارالاقامہ بھی تھا جو عرصہ تک قائم رہا ۔ ۱۹۲۱ء تک اس کے حجروں کے آثار موجود تھے ۔

محمود اور ان کے لڑکے مظفر کے عہد میں حسن العرب اس مدرسہ کے افسر اعلیٰ تھے ۔ [سلہ]

آپ کا کتب خانہ سرکھیج میں شیخ احمد کھٹو ی مستقلاً قیام پذیر تھے جہاں اپنی زندگی میں انہوں نے مسجد، تالاب اور خانقاہ تعمیر کرائی ۔ محمد شاہ نے آپ کے بعد اسی جگہ مقبرہ اور ایک مدرسہ بنوایا جس میں کتب خانہ بھی رہا ہوگا ۔ لیکن شیخ احمد کھٹو ی کے پاس اپنا ذاتی کتبخانہ بھی تھا ۔ چنانچہ ایک موقع پر حدیث کی کتاب مصابیح

سلہ تو زک جہانگیری صفحہ ۲۴۳ ۔ ۲۴۴ سلہ گجرات کی تمدنی تاریخ مسلمانوں کے عہد میں صفحہ ۱۲۵

اپنے کتب خانہ سے نکال کر حاضرینِ مجلس کو ایک حدیث سنائی تھی ۔ سلہ

مرقاۃ الوصول میں ہے کہ قاضی عبدالرزاق مبارک ابوالحی جو آپ کے مخلص ملازموں میں سے تھے وہ اس کتب خانہ کے ناظم اور کاتب تھے ۔ لوگ ان کو قاضی بڈھ مبارک بھی کہتے تھے ۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں اتنی زیادہ کتابیں تھیں کہ اس کے انتظام کے لیے ایک مستقل ناظم اور کاتب رکھنا پڑا ۔ حضرت شیخ کتابوں کے مطالعہ کے بڑے شائق تھے ۔ سلہ

مرآۃ احمدی میں سابقہ مذکورہ احوال سے کچھ مختلف حالات ذکر کئے گئے ہیں ۔ لکھا ہے کہ مخدوم شیخ احمد کھٹو جو گنج بخش کے لقب سے مشہور رہیں ۔ اسی طرح آپ کو گنج گیر بھی کہا جاتا ہے ۔ آپ کو باطنی نعمت حضرت بابا اسحاق سے ملی ۔ جن کے آپ مرید تھے ، اور انہیں کے خلیفہ مجاز تھے ۔ بابا اسحاق کا مزار کھٹو میں ہے جو سلسلہ مغربیہ سے تعلق رکھتے ہیں ۔ جب آپ بیت اللہ کے ارادہ سے چلے تو پٹن کے راستہ سے کھنبایت پہنچے ۔ اور وہاں سے جہاز میں سوار ہوئے ۔ اس وقت راستی خاں وہاں کے صوبہ دار تھے ۔ اور پٹن میں راستی خاں کے والد فتح الملک سے بھی ملاقات ہوئی ۔ اور حرمین کے سفر سے واپسی میں لوٹتے ہوئے ٹھٹھ کے راستے سے واپس تشریف لائے اور وہاں سے بخارا کی طرف روانہ ہوگئے جس کی تفصیل شیخ ابوالقاسم نے کتاب الکبیر میں تحریر فرمائی ہے ۔

۸۰۲ھ میں جبکہ مظفر خاں کی حکومت تھی ابھی انہوں نے استقلال کا اعلان نہیں کیا تھا ۔ اور علم سلطنت بلند نہیں کیا تھا ۔ اس وقت آپ گجرات پہنچے اور سرکھیج میں بدا بوہرہ نامی شخص کے ہاں قیام فرمایا اور بعد میں سرکھیج میں مستقل سکونت اختیار فرمائی جب احمد آباد کا سنگ بنیاد رکھا جارہا تھا ۔ اس وقت سلطان احمد کی درخواست پر

سلہ تحفۃ المجالس قلمی مجلس ۴۸ ، مرقات الوصول صفحہ ۵ (بحوالہ گجرات کی تمدنی تاریخ صفحہ ۲۲ ۔ سلہ ایضاً ۔

رسی کا سرا آپؒ کے دستِ مبارک میں تھا۔ آپ کی کرامات اور خرقِ عادات بیان سے باہر ہیں۔ اس کا اکثر حصہ ملفوظات میں بھی لکھا گیا ہے۔

۸۴۹ھ میں ۱۴ شوال پنجشنبہ کے روز زوال سے پہلے آپ نے رحلت فرمائی آپ کی تاریخ وفات نظم میں کہی گئی۔ ؎

طاء میم علے ثمان مائۃ　　کان دال ویامن شوال

عمرہ دل انہ قطب　　راح یوم الخمیس قبل زوال

آپ نے عمر بھر نکاح نہیں کیا۔ عمر ترک وتجرید میں گزار دی۔ آپ کا مزار سرکھیج میں معروف ہے۔ آپکی خانقاہ، مسجد، تالاب کی بنیاد سلطان قطب الدین بن سلطان احمد شاہ نے رکھی۔ اور ان کے صاحبزادے محمد شاہ نے اس کو مکمل کیا۔

سلطان محمود بیگڑہ اور سلطان مظفر حلیم بھی آپ کی پائنتی میں مدفون ہیں اسی طرح آپ کے تمام خدام اور خلفا ریکھی وہیں مدفون ہیں۔ [1]

ظفرالوالہ میں شیخ احمد کھٹو کے متعلق آصفی لکھتے ہیں۔

شہاب الدین شیخ احمد کھٹو سرکھیجی رحمۃ ۷۲۲ھ میں کھٹو میں پیدا ہوئے جو ناگور کے اطراف میں ہے۔ اور آپ نے بروز جمعرات زوال سے پہلے ۱۴ شوال ۸۴۹ھ کو اپنے جائے سکونت سرکھیج میں وفات پائی۔

کسی نے ان کا مرثیہ کہا ہے جس کا مطلع یہ ہے۔ ؎

انّ خذنا لنا الم ببال　　نحی کالظین وھو مثل جبال

تاریخی بیت کہا گیا ہے۔

طآءومیم علے ثمان مائۃ　　کان دال یاءمن شوال

آپ کی مدّت عمر بتانے والا شعر۔ ؎

---

[1] خاتمہ مرات احمدی صـ۲۳۔

عمرہ دلنا علیٰ انہ قطب — مات یوم الخمیس قبل الزول

سلطان محمد بن احمد کی مجلس میں بعض شعراء نے آپکا مرثیہ کہا ۔

شیخ احمد امام دین و دنیا — سوئے فردوس می شد خرم وشاد

فلک می گفت در تاریخ آں سال — شہ عالم محمد را بقا باد [1]

شیخ احمد کھٹو کی سلطان گر اور پیر گر بھی

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ مشہور ہے کہ شاہ عالم کی تصوف اور سلوک میں کچھ عجیب سی حالت تھی ، اکثر اوقات آپ پر مستی کا عالم چھایا رہتا تھا ۔ کبھی کبھی ریشمی لباس پہن لیا کرتے تھے ، اور ملامتیہ فرقے کے پیرو کار نظر آتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ کی ولایت پر کھلے اور واضح دلائل موجود تھے ۔ اور شیخ احمد کھٹو آپ کی تربیت و ارشاد کے ذمہ دار تھے ، آپ کثیر الکرامات بزرگوں میں تھے ، ۸۸۰ھ میں آپ نے وفات پائی جس کے عدد کو لفظ "مختر" ظاہر کرتا ہے ، شیخ قطب عالم اور شاہ عالم کے کچھ خلفاء بھی احمد آباد میں مدفون ہیں ، گجرات کے مشہور شہر پٹن میں خاص طور پر شیخ نظام الدین اولیاء کے مشہور خلیفہ شیخ حسام الدین ملتانی کا مزار بہت مشہور ہے جن کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے ، یہ علاقہ ایسا ہے کہ یہاں سے عشق و محبت کی خوشبو آتی ہے ۔ اور اس کے جنگلوں اور کھنڈروں سے ولایت کی برکت کے انوار درخشاں معلوم ہوتے ہیں ، یہ شہر ہمیشہ اہلِ دل کی آماجگاہ ہے اس لئے آج بھی اس میں اہلِ دل بستے ہیں ۔

شعر

بہر زمیں کہ نسیمے ز زلف او زدہ است — ہنوز از سرآں بوئے عشق می آید

غرضیکہ آپ اپنے وقت کے علماء اور مقبولان درگاہ رب العلیٰ لوگوں میں سے تھے ، اور آپ کی برکات کے اثرات ابھی تک اس شہر میں نظر آتے ہیں ۔

[1] ظفر الوال صفحہ ۲۰۱ جلد ۱

مخدوم شیخ صلاح الدین

ان کے والد، توکاجیو، نامی ہندو تھے۔ حضرت شیخ گنج بخش رح کی خدمت میں پہنچ کر مسلمان ہوئے، جس وقت توکاجیو، اسلام قبول کرنے کیلئے آپ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت شیخ تلاوتِ قرآن میں مشغول تھے۔ حضرت شیخ نے توکاجیو سے فرمایا کہ بابا طالب آؤ اور رکھو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ اس کے بعد آپ نے اسلام کی ان کو تعلیم فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا کہ تھوڑا پانی لاؤ جس میں سے حضرت نے تھوڑا پانی نوش فرمایا اور بقیہ توکاجیو کو جس کا نام اب شیخ طالب تھا، اس کو عطا فرما کر ارشاد فرمایا کہ اس کو پی لو، چنانچہ شیخ طالب نے وہ پانی پی لیا۔ اس کے بعد حضرت شیخ نے وہ قرآن پاک جس میں سے آپ پڑھ رہے تھے شیخ طالب کو دے کر فرمایا کہ پڑھو۔ عظمتِ الٰہی اور حضرت شیخ کی برکت سے بابا طالب قرآن پڑھنے لگے۔ اس وقت سے ان کا نام شیخ طالب مقرر ہوگیا اور ہمیشہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔

ایک دن سلطان محمد نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ توکاجی تو مسلمان ہو گئے ان کے ایک اور بھائی ہیں مولاجی۔ ان کو بھی آپ بلائیے۔ چنانچہ شیخ نے ان کو بلوایا اس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا کہ توکاجی کی دو بیویاں ہیں۔ ان میں سے ایک جو شہر لاش میں ہے وہ حاملہ ہے اس سے لڑکا پیدا ہوگا وہ ہمارا ہوگا۔ چنانچہ شیخ نے بادشاہ کو حکم فرمایا، سلطان محمود نے مولاجی کو لاش نامی شہر بھیج دیا۔ مولاجی کے لاش شہر پہنچنے کے چھ روز بعد توکاجی کی بیوی کو اللہ نے ایک لڑکا دیا اور اس کے بعد مولاجی دونوں ماں اور بیٹے کو شیخ کی خدمت میں لے کر پہنچے۔ یہاں پہنچنے کے تین ماہ بعد ماں کا انتقال ہوگیا۔ اور اس کے دو ماہ بعد بچے کے والد توکاجیو (جن کا نام شیخ طالب ہوچکا تھا) وہ بھی انتقال کر گئے۔ اس بچے کا نام صلاح الدین رکھا گیا۔ اس کو حضرت نے اپنی فرزندی میں قبول فرمالیا

اور پرورش فرمائی ، اور حضرت کی پیشین گوئی پوری ہوئی ۔ حضرت خود فرماتے تھے کہ جب صلاح الدین ایک سال کا ہوا تو میرے پیٹ پر کھیل رہا تھا ۔ اتفاقاً وہ اچانک آگ میں گر گیا ۔ وہاں سے میں نے اس کو ہاتھ ڈال کر کھینچ لیا ۔ جب یہ چار سال کا ہوا تو ایک دن میں نے اس سے کہا کہ بابا صلاح الدین ایک دفعہ جب تو بہت چھوٹا تھا تو ، تو آگ میں گر گیا تھا ۔ میں نے ہاتھ ڈال کر تجھے کھینچ لیا تھا ، صلاح الدین نے برجستہ جواب دیا کہ حضرت سلامت یہ کیا آگ ہے وہاں کی آگ سے بھی آپ ہمیں نکالیئے ۔ حضرت نے ارشاد فرمایا ارے کیوں نہیں بلکہ جو تم پر اور تمہاری اولاد پر شفقت و لطف کا معاملہ کرے گا اس کو بھی ہم اس آگ سے نکالیں گے ۔ باذن اللہ ۔

جب حضرت شیخ گنج بخش شیخ احمد کھٹو کا آخری وقت آیا تو سلطان محمد عیادت کیلئے حاضر ہوئے اور قاضی عبدالحیٔ بن منصور کو بھی ساتھ لاکر حضرت کے سامنے پیش کیا اور حضرت سے عرض کیا حضرت اس گھر کے چراغ کی روشنی کیلئے کسی کو حکم فرما دیجئے ۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ بچہ یعنی صلاح الدین یہ ہمارا فرزند ہے یہ انشاء اللہ چراغ روشن رکھے گا ۔ کچھ دیر کے بعد سلطان نے پھر عرض کیا کہ اس گھر کے چراغ کو روشن رکھنے کا کام بڑا عظیم ہے اور یہ بچہ بہت چھوٹا ہے ۔ یہ قاضی صاحب اس کے بہت مناسب ، لائق اور بزرگ آدمی ہیں ۔

حضرت نے فرمایا کہ چھوٹا بچہ چھوٹا نہیں ہے ۔ اور اس فقیر کو بھی مردہ نہ شمار کیجئے اِنَّ اَولیاءَ اللہِ لَا یموتُونَ ۔ اس کے بعد سلطان نے شیخ صلاح الدین کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر پر رکھا اور بہت زیادہ ان کی تعظیم و تکریم بجالائے ۔ [1]

---

[1] خاتمہ مرات احمدی صـ ۳۶

غوث الوریٰ حسن فقیہہ

مُتوفیٰ ۲۸ رجب ۸۴۹ھ/۲۹/اکتوبر ۱۴۴۵ء

آپ بھی گجرات کے جلیل القدر مشائخ میں سے ہیں۔ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کے پوتے حضرت شاہ رکن الدین کان شکر کے مرید اور خلیفہ مجاز تھے۔ آپ کے والدِ ماجد قاضی قطب الدین بھی بہت بڑے بزرگ تھے۔ آپ نے ان سے بھی خلافت حاصل کی بعد ازاں حضرت گنج احمد مغربی شیخ احمد کھٹو کی سرخیزی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا پھر حضرت قطب العالم برہان الدین رح کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔ علوم شریعت وطریقت کے زبردست عالم تھے۔ گجرات کا ایک عالم آپ کا مرید ومعتقد تھا۔ آپ نسباً سادات باقریہ میں سے تھے ۲۸ رجب ۸۴۹ھ ۲۹ راکتوبر ۱۴۴۵ء میں انتقال فرمایا مزار مبارک پٹن میں ہے۔ [1]

ابوالبرکات سراج الدین سیّد محمّد

معروف بہ حضرت شاہ عالم

ولادت ۹ رذیقعدہ ۸۱۷ھ/۱۴۱۴ء وفات ۲۲ جمادی الاخریٰ ۸۸۰ھ/۲۰ راکتوبر ۱۴۷۵ء

شاہ عالم حضرت قطب عالم کے صاحبزادے ہیں بشارت نبوی سے آپ کا نام سید محمد رکھا گیا۔ لیکن منجھلے بیٹے ہونے کی وجہ سے منجھن میاں کے لقب سے مشہور تھے والدہ ماجدہ کا نام بی بی آمنہ بنت کریم خاں بن عماد الدین خداوند خاں (از امرائے گجرات) والدہ ماجدہ کو سلطان خاتون کہتے تھے۔

---

[1] خطۂ پاک اوچ صفحہ ۳۰۷۔

؛ وارث علی ، سے تاریخ ولادت نکلتی ہے اس کے مطابق آپ کی ولادت ۹ ذیقعدہ ۸۱۷ھ/۱۴۱۴ءمیں ہوئی۔ تعلیم و تربیت والدِ ماجد کی نگرانی میں ہوئی ، علوم ظاہری میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ والد ماجد کی صحبتِ بابرکت میں رہکر راہ سلوک طے کیا۔ اور ان سے خلافت واجازت سے سرفراز ہوئے ۔ اس طرح صرف سترہ سال کی عمر میں خلافت کے ساتھ حضرت مخدوم جہانیاں کا خرقہ پایا۔

شاہ عالم کو حضرت شیخ احمد کھٹو سے بڑی عقیدت تھی اور انکی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کیا اور خرقہ خلافت واجازت پایا۔ [1]

شاہ عالم کا نکاح

حواشی مکلی نامہ میں ہے کہ جام تغلق جونہ اس وقت اندرونی اختلافات کیوجہ سے سخت پریشان تھا اور وہ باہر سے مدد کا خواہاں تھا ۔مولانا محمد صدیقی ملتانی نے جو جام تغلق جونہ کے پیر تھے ۔ اسے مشورہ دیاکہ وہ اپنی دونوں بیٹیوں کو گجرات میں بیاہے ۔ ایک سلطان محمد سے اور دوسرے کو قطب عالم کے فرزند شاہ عالم سے ۔

چنانچہ جام تغلق جونہ نے اپنی دونوں بیٹیوں کو جام خیرالدین اور جام صلاح الدین سمیت مولانا محمد صدیقی کے ذریعے گجرات روانہ کیا ۔ اس رشتے سے مقصد سیاسی فائدہ اور اپنی حکومت کی تقویت مدنظر تھی ۔ گجرات پہنچنے کے بعد بی بی مغلی کی شادی سلطان محمد کے ساتھ اور بی بی مرکی کی شادی شاہ عالم کے ساتھ ہوئی ۔ حالانکہ جام تغلق جونہ نے بی بی مغلی کو شاہ عالم کے لئے اور بی بی مرکی کو سلطان محمد کے لئے بھیجا تھا ۔ لیکن یہ تبدل و تغیر سلطان محمد اور جام تغلق جونہ کے بھیجے ہوئے آدمیوں کی سازش سے ہوا۔ اس کا امکان ہے کہ اس منصوبے میں خود مولانا محمد صدیقی بھی شامل تھے ۔

بہر حال بی بی مغلی کا نکاح سلطان محمد والئ گجرات (۸۴۶ - ۸۵۵ھ) سے ہوا اور بی بی مرکی کا عقد قطب عالم (۷۹۰ - ۸۵۸ھ) کے فرزند شاہ عالم (۸۱۷ - ۸۸۰ھ)

[1] گلزار ابرار صفحہ ۱۲۰

کے ساتھ ہوا ۔ یہ نکاح (۸۴۷ ۔ ۸۴۸ ھ) میں ہوئے تھے ۔ بی مغلی کے بطن سے ۸۴۹ ھ میں فتح خان نامی لڑکا پیدا ہوا جو آئندہ چلکر سلطان محمود بیگڑہ کے نام سے گجرات کا بادشاہ ہوا بی بی مرکی کے بطن سے جو شاہ عالم کے اولاد ہوئی ان میں دو لڑکیاں بی بی امان اور بی بی دچھین اور ایک لڑکا بیگ محمد عرف بھیکن پیدا ہوئے

سلاطین کے تعلقات

آپ نے گجرات کے چار بادشاہوں کا زمانہ پایا یعنی محمد شاہ، قطب شاہ، داؤد شاہ اور سلطان محمود بیگڑہ، سلطان قطب الدین (قطب شاہ) آپ کے والد ماجد کے بہت معتقد تھے اور آپ کے بھی نیاز مند تھے ۔ سلطان محمود بیگڑہ پر آپ کا بہت اثر تھا بلکہ اپنے آپ کو حضرت کا خادم سمجھتے تھے ۔[۱]

اوصاف وکمالات

آپ صاحب کرامات ومقامات تھے ۔ عشقِ رسول میں سرشار تھے ۔ اکثر وقت یادِ الہٰی میں گذارتے ۔ توکل وقناعت اور سخاوت وشجاعت آپ کا شیوہ تھا ۔

آپ کے زمانہ میں سہروردی سلسلہ عروج پر تھا ۔ بادشاہ امراء اور درباری آپ کے معتقد تھے آپ کے خلفاء میں داور الملک عبداللطیف نے بہت شہرت پائی ۔ قطب عالم اور شاہ عالم کے خلفاء کی ایک جماعت احمد آباد میں آسودۂ لحد ہے ۔ نیز پٹن میں بھی بہت سے ہیں[۲]

وفات :- شاہ عالم نے ترسیٹھ سال کی عمر پائی ۔ اور ۲۰ رجمادی الاخریٰ ۸۸۰ ھ مطابق ۲۰ راکتوبر ۱۴۷۵ء شب شنبہ کو بوقت سحر اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے ۔ مزار احمد آباد کے محلہ رسول آباد میں مرجع خواص وعوام ہے[۳]

---

[۱] تاریخ گجرات، گلزار ابرار صفحہ ۱۶۰۔ [۲] پاک وہند صفحہ ۲۰۴، ۲۰۵۔ [۳] گلزار ابرار اخبار الاخیار صفحہ ۳۴۵

آپ کی وفات کی "آخر الاولیاء" سے تاریخ مستفاد ہوتی ہے۔ نیز کسی نے کہا ہے

عین یاء علی ثمان مائۃ کان کاف من جمادی الآخر

عشرۂ تابع بعصر نبی راح فی لیل سبت وقتِ سحر

خلفائے کرام:- آپ کے چھوٹے بھائی سید محمد زاھد، قاضی محمود دریائی بیربوری، قاضی سید اسمٰعیل اصفہانی، شریف ابوبکر عیدروس، شیخ حسام الدین متقی ملتانی قاضی نجم الدین، ملک عبداللطیف داور الملک خواجہ احمد بن دوس۔ [1]

شاہ عالم کا لقب مرزا محمد حسن نے مرآۃ احمدی کے خاتمہ میں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شاہ عالم لقب عطا کئے جانے کا قصہ مفصل ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ۔

شاہ بارک اللہ چشتی، حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رح کے مرید اور انکے خلیفہ تھے۔ آپ کا مقبرہ ایدر دروازہ کے باہر بارہ حاجی پور کے نزدیک واقع ہے۔ جب حضرت شاہ عالم کو حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ سے شاہ عالم کا خطاب عنایت ہوا۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس سے فرمایا گیا کہ آپ کو حق تعالیٰ کی طرف سے شاہ عالم کا خطاب عنایت کیا جاتا ہے۔ آپ نے عرض کیا کہ میں اس کا اظہار کس طرح کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں اپنے والد اور پیر قطب عالم کے پاس جانا چاہئے وہ آپ کو شیخ بارک اللہ چشتی کے پاس بھیجیں گے۔ اور خطاب کا ظہور اس جگہ سے ہوگا۔

الغرض حضرت شاہ عالم حضرت قطب العالم کی خدمت میں پہنچے۔ جیسے ہی حضرت قطب العالم کی نظر حضرت شاہ عالم پر پڑی تبسم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آئیے شاہ عالم تمہیں شیخ بارک اللہ چشتی کے پاس جانا چاہئے۔ ان کو رخصت فرما دیا۔ حضرت شاہ عالم

---

[1] ۔ ملخصاً یادِ ایام صفحہ ۲۹۹

حسب حکم شیخ بارک اللہ چشتی کے پاس پہنچے ۔ اس وقت شیخ بارک اللہ دیوار کی تعمیر میں مشغول تھے ۔ تمام مریدین مٹی اور اینٹیں پہنچا رہے تھے ۔ حضرت شاہ عالم بھی اپنے سر کے اوپر ایک برتن میں مٹی کو بھر کرکے پہنچے ۔ جیسے ہی شیخ نے اس حال میں آپکو دیکھا فرمایا کہ آیئے شاہ عالم آپ کو تو چتر شاہی زیب دیتا ہے اور اس مٹی سے بھرے ہوئے برتن کو لیکر کام میں لگایا اور دیوار پر سے نیچے اترے اور اپنے بھائی شیخ عطاء اللہ کے گھر میں پہنچے جو کہ ان کے بھائی تھے دیکھا کہ لوبیا سے بھری ہوئی دیگ تیار ہے اس کو اٹھا کرلائے اور حضرت شاہ عالم کو عطا فرمائی اور رخصت فرمایا اور خدام سے فرمایا کہ شاہ عالم کیساتھ جاؤ اور جس جگہ پہنچکر تم سنو کہ آسمان وما فیہا وزمین وما علیہا شاہ عالم بول رہے ہیں وہاں سے واپس آجانا شاہ عالم لوبیا کی دیگ سر پر رکھکر قطب عالم کیخدمت میں جانے کیلئے چلے راستہ میں دروازۂ وسط پر جب پہنچے جو تین دروازوں میں سے درمیانی دروازہ ہے جو احمد آباد کے بازار میں واقع ہے وہاں پہنچے تو وہاں ایک ڈھول بجانے والا تھا جو لنگڑا تھا اور دیکھ نہیں سکتا تھا وہ ہمیشہ ڈھول بجا کر بھیک مانگا کرتا تھا ۔ جب اس کے قریب پہونچے تو حق تعالیٰ نے اس کو صحیح سالم کر دیا ۔ پیر دیا زبان دی، کان اور آنکھیں دیں اور وہ کھڑا ہو گیا اور شاہ عالم، شاہ عالم کہنے لگا ۔ دوسرے لوگ بھی اس کو سن کر دکانوں میں اور ہر جگہ آسمان وزمین اور سب مخلوق شاہ عالم شاہ عالم کہنے لگی اس وقت شاہ عالم شیخ بارک اللہ کے خدام کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ اب تم یہاں سے واپس چلے جاؤ تمہارے شیخ کا یہیں تک آنے کیلئے حکم تھا ۔ چنانچہ خدام وہاں سے واپس لوٹے اور حضرت شاہ عالم نے قطب العالم کی خدمت میں پہنچ کر ماجرا عرض کیا اور لوبیا سے بھری ہوئی دیگ حضرت کو پیش کی اور وہاں سے یہ گجرات میں مثل چلی کہ چشتیوں نے پکائی اور بخاریوں نے کھائی ۔ [1] منجملہ آپ کی کرامات کے مردہ کو زندہ کرنے کی کرامت بہت مشہور رہی ہے ۔ جو

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی ص۲۳ ۔

مرآۃ احمدی سے یہاں نقل کی جاتی ہے کہ ملک فخرالدین بن ملک سیف الدین بن اژدرخاں جو سلطان احمد شاہ کے داماد تھے۔ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز ان کے والد ملک سیف الدین نے حضرت شاہ عالم سے درخواست کی کہ میری ولادت بھی حضرت کی دعا سے ہوئی ہے۔ تو حق تعالیٰ مجھے بھی آپ کی کرامت سے لڑکا عطا فرمائیں چنانچہ لڑکے کی ولادت ہوئی اس کے بعد ایام طفولیت میں ان کی روح قبض کر لی گئی فرماتے ہیں کہ میرے والد حضرت قطب عالم کی خدمت میں (جبکہ اساول میں مقیم تھے) پہنچے اور انتہائی اضطراب اور بے چینی کے عالم میں کلاہ ارادت اور شجرہ بھی لے کر گئے کہ اگر میرا بچہ زندہ نہ ہو تو یہ دونوں میں حضرت کو واپس کر کے جنگل میں نکل جاؤں گا۔

جب حضرت قطب العالم کی خدمت میں پہنچے اور اضطراب کا اظہار کیا اور اضطراب و پریشانی حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ تو قطب العالم نے فرمایا کہ میاں منجھلا (کہ اکثر حضرت شاہ عالم کو آپ اسی نام سے یاد فرمایا کرتے تھے) کے پاس جاؤ۔ انہوں نے آپ کی خدمت میں جا کر بہت زیادہ عاجزی کی کیفیت سننے کے بعد مقصد کے پورا ہونے میں متأمل ہوئے۔ اور فرمایا کہ شاید ان کی عمر اتنی ہی رہی ہو گی۔ اس لئے دعا اور توجہ سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ کہتے ہیں کہ میرے والد نے گستاخانہ یہ جملہ خدمت میں عرض کیا آخرت میں سفارش کے وقت بھی اسی قسم کا جواب دے دیجئے گا۔

حضرت شاہ عالم نے اس جواب سے اعراض فرمایا اور اندر محل سرا میں چلے گئے۔ میرے والد نے شاہ بھیکن کو وسیلہ بنایا۔ ان سے پریشانی حال عرض کی انہوں نے ان کے دل کی جلن اور پریشانی مشاہدہ کر کے اندر جا کر حضرت شاہ عالم سے خود دل کے مدعا کے پورا ہونے کی درخواست کی۔ حضرت شاہ عالم نے فرمایا اگر میں ان کے بیٹے کے عوض میں تمہیں دے دوں تو راضی ہو۔ تو یَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ کے مضمون کے موافق انہوں نے یہی آیت جواب میں عرض کی۔

حضرت شاہ عالم ان کو اپنے حجرہ میں لے گئے اور ہندی زبان میں مناجات کرنی شروع کی، کہ راجن بگر وتی بدل بگروتا۔ کہ ان کے بدلہ میں اس کو لے لیجئے ادھر یہ عرض کرنا تھا کہ ادھر شاہ بھیکن کی روح تسلیم بحق ہوگئی۔ اسی وقت حضرت شاہ عالم کی زبان پر انا للہ وانا الیہ راجعون کا کلمہ جاری ہوا۔

خدام میں سے کسی نے سیف الدین سے جاکر کہا کہ شاید آپ کا صاحبزادہ انتقال نہ کر گیا ہو اچھی طرح دیکھ لیجئے کہ شاید سکتہ کے عالم میں رہا ہو۔ میرے والد نے جب یہ بشارت سنی تو گھر واپس لوٹے، راستے میں ہی خبر ملی کہ میں زندہ ہوں۔ مگر میرے والد کو مخدوم زادہ کے انتقال کی خبر نہیں تھی بعد میں جب اطلاع ملی تو بہت افسوس کیا۔

انکی والدہ بی بی مرکی کا مزار جامع جونہ کے مقبرے میں ہے جو دریائے سابرمتی کے کنارے پر احمد آباد میں واقع ہے۔ [1]

جہانگیر کی شاہ عالم کے مزار پر فاتحہ خوانی

جہانگیر اپنی توزک میں لکھتے ہیں: چونکہ اس منزل میں شاہ عالم کا مزار سر راہ پڑتا ہے میں وہاں فاتحہ پڑھ کر آگے بڑھا اس مقبرے پر ایک لاکھ روپیہ خرچ ہوا ہوگا۔

شاہ عالم قطب عالم کے بیٹے ہیں۔ ان کا سلسلہ مخدوم جہانیاں پر منتہی ہوتا ہے۔ اس ملک کے عوام وخواص کو ان سے عقیدت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شاہ عالم مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ جب وہ کئی مردوں کو زندہ کر چکے تو ان کے والد کو اس کی اطلاع ہوئی۔ اور انہوں نے ان کو اس سے منع کرتے ہوئے کہا اللہ کے کارخانۂ قدرت میں مداخلت کرنا گستاخی اور طریقۂ بندگی کے خلاف ہے۔

اس کے بعد جہانگیر نے مردہ زندہ کرنیکا قصہ جو گذر چکا تفصیل سے لکھا ہے۔ اس کے

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی ص ۴۹۔

بعد جہانگیر لکھتے ہیں ۔

مختصر یہ کہ علاقۂ گجرات میں حضرت شاہ عالم کے متعلق اس قسم کی بہت سی باتیں مشہور ہیں ۔ میں نے خود سید محمد سے جو حضرت شاہ عالم کے سجادہ نشین اور صاحب علم و فضل اور معقول انسان ہیں پوچھا کہ ان باتوں کی کیا حقیقت ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد اور دادا سے بھی یہی باتیں سنی ہیں اور مجھے یہ باتیں تواتر سے پہنچی ہیں ۔ صحیح علم اللہ ہی کو ہے ۔ اگرچہ یہ باتیں عقل سے بعید ہیں ۔ لیکن چونکہ لوگوں میں انتہائی شہرت رکھتی ہیں لہذا ان کے عجیب و غریب ہونے کی بنا پر میں نے یہاں لکھدی ہیں ۔

انکی رحلت سلطان محمود بیگڑہ کے زمانے میں اس سرائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف ۸۸۰ھ میں ہوئی ۔ ان کے مقبرے کی عمارت تاج خان تریانی کی بنوائی ہوئی ہے ۔ جو سلطان مظفر بن محمود کے امراء میں سے تھے ۔ [۱]

شاہ عالم کا فیضِ احمد آباد سے بہار تک

صوبہ بہار میں پھلواری شریف ایک مشہور خانقاہ ہے جو بڑے بڑے اہل اللہ اور اصحابِ طریقت کی آماجگاہ رہی ہے ۔ اس خانقاہ کے مؤسس اول حضرت شاہ محمد مجیب اللہ بھی اوچ کے خانوادہ سہروردیہ بخاریہ کے منتسبین میں سے تھے شجرۂ طریقت حسبِ ذیل ہے ۔

شاہ محمد مجیب اللہ، شاہ عتیق اللہ، شاہ عبدالمقتدر، شیخ عبدالنبی، محمد شیر، عزت شاہ، سید برہان، سید شاہ عالم، مخدوم عبداللہ، سید ناصرالدین محمود، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت ۔

شاہ محمد مجیب اللہ کا انتقال ۱۱۹۱ھ/ ۱۷۷۷ء میں ہوا ۔ [۲]

---

[۱] توزک جہانگیری صفحہ ۲۴۸ ، ۲۴۷ ۔ [۲] تذکرہ ابوالنجیب عبدالقادر سہروردی ۔

بہار کی ایک مشہور خانقاہ قصبہ منیر میں واقع ہے۔ اس خانقاہ کے شیخ طریقت شاہ محمد مبارک بھی اوچ کے بخاری خاندان کے توسط سے سلسلۂ عالیہ سہروردیہ سے منسلک تھے آپ شاہ نعمت اللہ کے خلیفہ تھے، اور شاہ نعمت اللہ سید محمد مقبول کے مرید و خلیفہ تھے جو حضرت شاہ عالم احمد آبادی کی چھٹی پشت میں تھے۔

مدرسہ شاہ عالم

مولانا ابو ظفر ندوی نے آپ کے مدرسے کے متعلق لکھا ہے کہ گجرات کے مشہور و معروف مقدس بزرگ حضرت شاہ عالم متوفی ۸۸۰ھ ۱۴۷۵ء کے جانشین نے انکی یادگار میں یہ مدرسہ قائم کیا تھا۔

اس میں ہر قسم کے علوم و فنون کی تعلیم ہوتی تھی۔ یہاں سے بڑے بڑے لوگ تعلیم پاکر نکلے اس کے ساتھ دارالاقامہ بھی تھا۔ اس میں رہنے والے طلبہ کو وظیفے بھی ملتے تھے۔ اس پر کئی گاؤں وقف تھے۔ مولانا شیخ نورالدین شیخ الکل اسی مدرسہ کے تعلیم یافتہ تھے۔

سید محبوب عالم کے وقت میں یہ مدرسہ بڑے عروج پر تھا، مرہٹہ گردی میں پورا مدرسہ تباہ ہوگیا۔ [۱]

شاہ عالم کا کتب خانہ

حضرت محمد شاہ عالم متوفی ۸۸۰ھ/۱۴۷۵ء تنے بڑے زبردست عالم تھے اور مطالعہ کتب کا اتنا شوق تھا کہ مطالعہ کیلئے ٹیک لگانے سے دونوں ہاتھوں میں نشان پڑ گئے تھے۔ [۲]

ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا جس میں عام کتابوں کے علاوہ نایاب اور نادر کتابیں بھی تھیں۔ چنانچہ جب مولانا صدر جہاں ان سے ملنے گئے تو ان کو امام رازی کی ایک کتاب کا ایسا نسخہ دکھایا جس کی موصوف کو خبر نہ تھی۔ [۳]

ان کے جانشین بھی اس کتب خانہ کو برابر ترقی دیتے رہے۔ سید جعفر بدر عالم

---

[۱] گجرات کی تمدنی تاریخ صفحہ ۱۹۸۔ [۲] مرآۃ احمدی صفحہ ۲۶۵/۱ج۔ [۳] خاتمہ مرآۃ احمدی صفحہ ۶۴ بحوالہ گجرات کی تمدنی تاریخ صفحہ ۲۱۲

متوفی ۸۰۵ھ/۱۴۰۲ء کے زمانے میں یہ بڑے عروج پر تھا۔ ہزاروں کتابیں خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر کتب خانہ میں داخل کیں۔ ایک مرتبہ رات کے وقت راستہ میں ایک سائل نے قرآن پاک کا ایک نسخہ طلب کیا فرمایا صبح کو آنا کتب خانہ سے دیدونگا۔ اس نے کہا کہ اس وقت آپ کے پاس جو موجود ہے اسی کو دیدیں، آپ نے بے مجبوراً دے دیا۔ اورنگزیب عالمگیر کے عہد تک یہ کتب خانہ بہترین حالت میں تھا مرہٹوں کی جنگ میں اس کا بڑا حصہ جل گیا جو بچا لوٹ مار کے ڈر سے آپ کے اخلاف شہر پناہ کے اندر رہے آئے لیکن کافی حفاظت نہ ہونے کیوجہ سے آہستہ آہستہ کتب خانہ برباد ہوگیا۔ حضرت شاہ عالم کے ملفوظات کا ایک قلمی نسخہ جواہر میوزیم اوٹاوہ میں موجود ہے جو غالبًا دسویں صدی ہجری کا مکتوبہ ہے اس میں آپ کے اقوال، کرامات اور اس زمانہ کے بہت سے واقعات درج ہیں۔ [1]

حلیہ اور زبان

داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ان کا حلیہ شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا سے ملتا جلتا تھا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح اپنی مشہور تصنیف اخبارالاخیار میں کہتے ہیں کہ کبھی کبھی ملامتی فرقہ کے قدم بہ قدم چلتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ کی ولایت ظاہر تھی جس کی خاص علامات بھی تھیں، گجرات کے مشہور بزرگ شیخ احمد کھٹو نے آپ کی تربیت کی مشہور چشتیہ بزرگ شاہ بارک اللہ چشتی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بشارت کے تحت حضرت سراج الدین بن قطب عالم کو شاہ عالم کے لقب سے سرفراز فرمایا تھا۔ اس واقعہ کو حضرت شاہ عالم نے اپنے والد قطب عالم کے گوش گزار کیا۔ تو اسی موقع پر انہوں نے یہ ہندوی فقرہ کہا تھا کہ "چشتیوں نے پکائی اور اُسے بخاریوں نے کھائی" جس سے پتہ چلتا ہے کہ باپ اور بیٹا دونوں

---

[1] اسلامی کتب خانے صـ۲۷۹۔

ہندی جانتے اور سمجھتے تھے ۔ میر علی شیر قانع نے تحفۃ الکرام میں حضرت شاہ عالم کا ہندی فقرہ ۔ ،، ارجن جی کا اونہ بہایا ہوئے تو تجھ سے فقیروں کی برسوں تئیں کناسی کرے ،، نقل کیا ہے ۔ جو انہوں نے سلطان غزنی (رشتہ دار شاہان گجرات) کے انہیں سلام نہ کرنے کے موقع پر کہا تھا ۔ اس طرح انہوں نے قصبہ نڑیاد (نزد احمدآباد) کے ایک شخص شیخ محمد عرف میاں الولک کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا :، ارے میاں الولک بولتے کیوں نہیں ،،

مرزا محمد حسن نے مرآۃ احمدی میں شاہ عالم کا فقرہ میاں الولک اللہ بوک بولتے کیوں نہیں کا ذکر کیا ہے ۔ مرآۃ احمدی میں حضرت شاہ عالم رح کا ایک اور فقرہ : راجن جی بکرو ٹے بدل بکروٹا ، بھی ہے پروفیسر ابراہیم ڈار نے مضمون گوجری اور اردو زبان کی نشو و نما میں اہل گجرات کا حصہ، میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت شاہ عالم نے محمود شاہ بیگڑہ کو کہا تھا ، پڑھ ڈوکرے ،، (یعنی پڑھ میرے بیٹے) میر علی شیر قانع نے تحفۃ الکرام میں حضرت شاہ عالم کا ایک دوہا نما ہندی بیت بھی درج کیا ہے ۔ ؎

کاندھی کا راجا تم سر کوئی نہ بوجھے
سکیں کا راجا تم سر کوئی نہ بوجھے

اس قسم کے مقولے ملفوظات اور جملے ان کے مجموعہ ، ملفوظات جمعات شاہی ، میں کئی جگہ ملتے ہیں ۔ مولوی عبدالحق نے اپنی تالیف ' اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا حصہ ، میں اور حافظ محمود شیرانی نے اپنے مضمون ، گوجری یا گجراتی اردو سولہویں صدی عیسوی میں ، بھی ان کو نقل کیا ہے ۔

ظفر الوالہ میں ہے کہ ایک دن سلطان قطب الدین شاہ عالم کی مجلس میں حاضر ہوئے تو گفتگو اس پر چل رہی تھی کہ نیک صالح اولاد والدین آباد و اجداد کے انتقال کے بعد ان کے حیات کا سبب ہوتی ہیں ۔ سلطان قطب الدین کو اس کی تمنا ہوئی کہ

کاش میری بھی اولاد ایسی ہوتی ۔ تو شاہ عالم اچانک ان سے فرمانے لگے ان کے تمنا کرنے کے فوراً بعد ہی کہ آپ کے بعد آپ کے بھائی کیلئے ایک عظیم شان ہو گی ۔ چنانچہ سلطان قطب الدین نے مایوسی سے اپنا سر جھکا لیا ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ کہ جب سلطان قطب الدین فوت ہو گئے تو تخت سلطنت پر پہلے ان کے صاحبزادے داؤد بیٹھے مگر ان میں اہلیت نہیں تھی ۔ اسلئے سب امراء وزراء اس کے معزول کرنے پر متفق ہو گئے ۔ اور عماد الملک شعبان مریم سلطنت پر داخل ہوئے اور ان کی والدہ سے سلطان محمود بیگڑہ کو مانگا ۔ ابھی وہ تو معذرت ہی کر رہی تھی کہ اتنے میں سلطان محمود آ گئے ۔ عماد الملک نے ان کو سلام کیا اور ان کو اٹھا لیا اور ان کو بیت الحرم سے باہر دار السلطنت کی طرف لے آئے اور ان کو بادشاہ بنا دیا ۔ اس کے بعد داؤد جو بادشاہ بن گئے تھے وہ روپوش ہو گئے اور اس کے بعد وہ نظر نہیں آئے۔[1]

شاہ عالم کا خاندان اور اسکی متعلقہ عمارتیں

آپ کے مبارک خانوادہ کو سادات شاہیہ، اور حضرت قطب العالم کے دوسرے فرزندوں سے جو اولاد ہوئی ان کو سادات قطبیہ، کہا جاتا ہے ۔

آپ کا مزار رسول آباد پورہ میں کہ جہاں آپ سکونت پذیر تھے ۔ وہاں بنایا گیا جہاں پر آپ کی بارگاہ اور مسجد اور عالیشان خانقاہ واقع تھی ۔ وہاں کے مزار کے اطراف کی عمارت تاج خاں نرپالی جو کہ سلطان محمود بیگڑہ کے امراء میں سے تھے اور آپ کے معتقد تھے ۔ انہوں نے تعمیر کروائی ۔ اور مسجد محمد صالح بدخشی نے تعمیر کروائی اور اس پر دو مینارے نجابت خاں نے بنوائے ۔

رباط اور خانقاہ پہلے سلطان محمود شہید نے تعمیر کروائی ۔ اس کے بعد اس کو بڑھا کر سیف خاں نے عمارت کو اور بڑھایا ۔ دروازہ نہال باکر دل جو حویلی کے

---

[1] ظفر الوالہ صفحہ ۱۴ ۔

پرگنہ میں ہیں ۔ اور انبا ریلی، جلا لپور وغیرہ کی چھ جاگیریں جو دھولقہ کی پرگنہ میں ہیں ۔
اور ماثر باسنہ اور مونده باسنہ وغیرہ میں ہیں ۔ وہ سادات شاہیہ کی معاش کے لیے وقف کی گئیں ۔ آپ کے پانچ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں ۔ شاہ راجو، سید بڈھن، سید شیخ محمد، بی بی راجی، بی بی امت اللہ ۔ یہ آپ کی اولاد بواجو ندا (جو ملک اسحاق کھوکھر جو قصبہ نادوت کے امیر تھے کی صاحبزادی) سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ۔ اور سید بیگ محمد اور بی بی امان اور بی بی منجھلی یہ اولاد بی بی مرکا (جو سندھ کے والی جام جونہ کی صاحبزادی) سے ہوئی ۔ اور سید سلطان محمد سونکلی نامی آپ کی ام ولد سے ہوئی ۔ [1]

شیخ محمدؒ

شیخ محمد جو گجرات کے ولی تھے دراصل قصبہ نڑیاد کے متوطن تھے ۔ ایک روز شیخ موصوف اپنے گھر کے آگے بیٹھے ہوئے سبزی دھو رہے تھے ۔ اتفاقیہ حضرت شاہ عالم نمودار ہوئے ۔ شیخ محمد نے انہیں آتا دیکھ کر دل میں کہا کہ آج جب تک شاہ عالم مجھے کوئی خطاب نہیں دیں گے میں انکی کسی بات کا جواب نہیں دونگا ۔ یہ ٹھان کر انہوں نے شاہ عالم کی طرف سے منہ موڑ لیا ۔ شاہ عالم نے آواز دی ۔ شیخ محمد نے جواب نہیں دیا، دوبارہ آواز دی لیکن صدائے برنخاست ۔ سہ بارہ پکارا، شیخ محمد ٹس سے مس نہیں ہوئے ۔ اس وقت شاہ عالم مسکرائے اور بولے ۔

"ارے میاں الو لک یا اللہ لوک بولتے کیوں نہیں ؟" گجرات کے محاورہ میں بھولے بھالے آدمی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ تو بالکل اللہ لوک (مجہول) آدمی ہے ۔

جب لقب مل گیا تب شیخ محمد اٹھے اور حضرت شاہ عالم کو چومنے لگے ۔ نڑیاد کے دروازہ کے باہر احمد آباد کی جانب میاں اللہ لوک کی قبر ہے ۔ [2]

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی صہ ۲ ۔ [2] مقالات شیرانی صہ ۱۵۳ ۔

شاہ محمد راجو

شاہ محمد راجو بن حضرت شاہ عالم ۔ آپ کی ولادت لفظ وارث حسینؑ سے مستفاد ہوتی ہے ۔ حضرت قطب عالم کی طرف سے آپ کو بلا واسطہ خلافت واجازت ملی تھی ۔ اس لئے حضرت شاہ عالم آپ کو اپنے پیر بھائی سے تعبیر کرتے تھے ۔

سلوک کے مریدین کی تعلیم اور طلباء علم کی تکمیل ان کے سپرد کی گئی تھی ۔ نیز حضرت شاہ عالم نے بھی اپنی طرف سے انکو خرقہ اور سجادہ عنایت فرمایا تھا ۔ آپ مادر زاد ولی تھے ۔ آپ کے خوارق عادات کشف وکرامات ایام طفولیت ہی سے اخیر عمر تک برابر ظاہر ہوتے رہے ۔

حضرت شاہ راجو سنن و رواتب و فرائض کے علاوہ روزانہ ایک ہزار رکعت نفل رات و دن ادا فرماتے ۔ جو آپ نے آبائے کرام سے روزمرہ کی عبادت ورثہ میں پائی تھی ۔ جب بدن ضعیف ہو گیا تو پانچ سو کھڑے ہوکر اور پانچ سو بیٹھ کر ادا فرماتے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں آبائے کرام سے شرمندہ ہوں کہ وہ ساری ایک ہزار کھڑے ہوکر ادا فرماتے تھے ۔

آپکی رحلت یکم محرم الحرام کو واقع ہوئی ۔ حضرت شاہ عالم کی قبر کے پاس آپ بھی مدفون ہیں[1]

سید محمد شاہ عالم کے پوتے

توزک جہانگیری میں جہانگیر لکھتے ہیں کہ!

ہفتہ (۲ر شوال) کو شاہ عالم کے پوتے سید محمد کو حکم دیا کہ جو کچھ ان کا

---

[1] خاتمہ مراۃ احمدی ص ۳۹

جو چاہے مانگ لیں، اور انہیں اپنی خواہش کا اظہار کرنے کے لئے قرآن کی قسم دی انہوں نے کہا کہ چونکہ قرآن کی قسم دی گئی ہے اس لئے ان کی التجا ہے کہ انہیں ایک قرآن شریف دیا جائے۔ جسے وہ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھیں اور تلاوت کرکے مجھے ثواب پہنچاتے رہیں۔ میں (جہانگیر) نے ان کی خواہش کو پورا کرتے ہوئے مختصر تقطیع کا یاقوت سے تحریر کیا ہوا ایک بے نظیر اور نادر قرآن شریف انہیں عنایت کیا۔ اور اس کی پشت پر اپنے ہاتھ سے تحریر کیا کہ مذکورہ تاریخ کو مذکورہ مقام پر یہ قرآن مجید سید محمد کو عنایت کیا گیا۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ میر نہایت نیک فطرت آدمی ہیں اور ان کا وجود مغتنمات میں سے ہیں، ذاتی شرافت علم و فضل حسن اخلاق اور پسندیدہ صفات و عادات رکھنے کے علاوہ خوش مزاج اور ہنس مکھ بھی ہیں۔ میں (جہانگیر) نے ماوراالنہر کے لوگوں میں میر جیسا خوش مزاج طبیعت کا آدمی آج تک نہیں دیکھا۔ میں (جہانگیر) نے انہیں فرمایا کہ قرآن شریف کو ایسی سادہ و سلیس عبارت میں ترجمہ کریں جو تکلف و تصنع سے خالی ہو۔ تفسیر لکھنے اور آیتوں کے شانِ نزول بیان کرنے کی بجائے یہ ترجمہ لفظی اور عام فہم فارسی[2] میں ہو۔ اور اس امر کا پورا پورا اہتمام برقرار رکھیں کہ الفاظ کے معنیٰ بیان کرنے میں ایک تشریحی لفظ کا بھی اضافہ نہ ہو۔ اور جب یہ کام مکمل ہو جائے تو اپنے بیٹے جلال الدین سید کے ہاتھ دربار میں بھیج دیں۔

میر کا بیٹا بھی دنیوی و روحانی علوم سے آراستہ نوجوان ہے نیک بختی و سعادت مندی ان کے چہرے سے ٹپکتی ہے۔ میر کو ان جیسے قابل فرزند کی ذات پر ناز ہے اور سچ بات بھی یہی ہے کہ ان جیسا بیٹا فخر کے قابل ہے۔ اچھے نوجوان ہیں۔[1]

---

[1] توزک جہانگیری ص ۲۰۵ [2] یعنی بزبان ریختہ۔ دیکھئے مقدمہ کتاب میں ص ۸۶،۸۵

میاں قطب الدین

میاں قطب الدین بن محمود بن بابو بن شیخ صدر الدین بن شیخ الیاس بن شیخ جلال جو حاجی جلال نورا کے نام سے معروف ہیں اور حاجی جلال نورا جو سلطان ابراہیم بن ادھم بلخی کے خاندان سے ہیں ۔ جو شیخ بابو چشتی کے مرید تھے جن کا مزار بندر کھمبایت میں ہے آپ بھی حضرت شاہ عالم کے خلفاء میں سے تھے آپ کا سن ولادت ۸۷۶ھ ہے ۔

حضرت شاہ عالم نے اپنے سر مبارک کی دستار دیگڑی ا ان کے سر پر رکھی اس کے کنارے پر یہ لکھا ہوا تھا کہ آپکی ارشاد و اجازت کا خرقہ میاں مخدوم کے حوالہ کیا گیا۔

شیخ قطب الدین فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت شاہ عالم کی خدمت میں حاضر تھا بغیر کسی سیاق و سباق کے آپ نے ارشاد فرمایا کہ قطب الدین شریعت کے لوگ قاضی کے حکم سے آئے تو انہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھیجا ہوا خیال کرنا چاہیئے اور ان کے واجبی توقیر و تعظیم بجالانی چاہیئے ۔ میں رسول آباد سے جب اپنے گھر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بعض قرض خواہ جن سے سپہ گری اور فوج کی ملازمت کے دوران میں نے قرض لیا تھا وہ قاضی کے آدمیوں کو لے کر میری تلاش میں آپہنچے ہیں جب مجھے دیکھا تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انہوں نے مجھے بہت زیادہ طعن و تشنیع کیا تو اس وقت حضرت کے ارشاد کا بھید سمجھ میں آیا حضرت کے ارشاد کے بموجب میں تواضع بجالایا ۔ حضرت شاہ عالم کا ہمیشہ اپنے متعلقین کو یہ طریقہ مقرر کیا گیا تھا کہ ـــــــ شریعت مطہرہ کو تمام امور پر مقدم رکھا جائے ۔

ناسی سال عمر گذار کر آپنے ۹۴۴ھ ۲۰ رجمادی الثانی کو انتقال فرمایا ۔ آپکا مزار خانپور میں واقع ہے بلہ

لہ خاتمہ مرات احمدی صفحہ ۹۴ ۔

شاہ بھیکن

شاہ بھیکن بن حضرت شاہ عالم ۔ آپ کا نام سید بیک محمد جو شاہ بھیکن کے نام سے بعد میں معروف ہوئے ۔ آپ کی والدہ ماجدہ (جام جونہ کی صاحبزادی) بی بی مرکی ہیں ۔ جن کے نکاح کا مفصل حال مرات سکندری میں لکھا گیا ہے ۔
اور شاہ عالم ؒ کے حالات میں قریب ہی میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے اور آپکی رحلت کا عجیب قصہ بھی اسی عنوان کے ذیل میں گزر چکا ہے ۔

سید محمد مقبول عالم
(م ۱۰۴۵ ھ)

سید محمد مقبول عالم ۔ سید محمد آپ حضرت شاہ عالم کے صاحبزادے ہیں ، آپکی والدہ ماجدہ آمنہ بنت سید نصر اللہ ہے ۔ آپکی ولادت ۹۸۹ ھ ۱۴ رجب کو ہوئی اور تاریخ ولادت کیلئے یہ مصرعہ کہا گیا : من دوست داماں آل رسول ، اپنے والد ہی سے علوم کی تحصیل کی ، زندگی بھر درس و تدریس میں لگے رہے حضرت شاہ عالم نے اپنے وصال کے دو سال پہلے اپنا خرقہ اور سجادہ آپ کو عنایت فرما دیا تھا ۔ ۱۰۴۵ ھ میں انتقال ہوا خاندانی قبرستان میں مدفون ہیں[1]

---

[1] خاتمہ مراۃ احمدی صفحہ ۴۰ نزھۃ الخواطر ج ۵ صفحہ ۱۶۰

ملک عبداللطیفؒ داور الملک

۱۳ ذیقعدہ ۸۷۹ھ/۸۸۹ھ یکم دسمبر ۱۴۷۴ء/۱۴۸۴ء

ملک عبداللطیف بن ملک محمود آپ قریشی الاصل ہیں۔
سلطان محمود بیگڑہ کے امراء میں سے تھے اور قصبہ امردن میں آپ کا مزار ہے

آپ حضرت شاہ عالم کے مرید تھے اور ان سے خلافت پائی تھی اور حضرت شاہ عالم کے وضو اور پانی استنجا وغیرہ کی خدمت آپؒ کے سپرد تھی۔

شاہان دکن کے ایک صاحبزادے کو برص لاحق ہوا آپ کی خدمت میں اس کو لایا گیا حضرت کی توجہ سے وہ ٹھیک ہو گیا۔ جس کا قصہ یہ ہوا کہ ایک شب حضرت شاہ عالم تہجد کی نماز کے لئے وضو میں مشغول تھے ملک عبداللطیف کھڑے ہوئے تھے تو اس بچہ کو حاضر کیا گیا حضرت شاہ عالم نے ملک عبداللطیف سے فرمایا کہ اس طشت کا پانی اس بچہ کے اوپر ڈال دیں حسب حکم وہ پانی اس کے سر کے اوپر ڈال دیا گیا جو باقی بچ جائے وہ پی لے۔ وہ شہزادہ فوراً ٹھیک ہو گیا۔ اور ملک عبداللطیف سے فرمایا کہ آج سے سالار مسعود غازی کا مرتبہ بارگاہِ خداوندی سے تمہیں عطا کیا گیا ہے اسکا تصرف تمام عالم میں عموماً اور ملک دکن پر خاص طور پر ظاہر ہوگا۔

کہتے ہیں کہ جب سلطان محمود بیگڑہ کے پاس آپ نے امیر کا مرتبہ پایا اور داور الملک کے خطاب سے مشرف ہوئے تو باوجود تحمل دنیاداری کے آپ ہمیشہ صلاح وتقوی میں مصروف رہتے۔ آپ کے تقوی کا اثر آپ کی سواریوں اور گھوڑے پر بھی پڑ چکا تھا یہاں تک کہ سلطان نے آپ کو امردن کا فوجدار بنا کر بھیجا تو اکثر اوقات اس علاقے کے کفار کے ساتھ جہاد کی نیت سے غزوے اور جہاد میں

مشغول رہتے ۔ ایک روز اتفاقاً بیچ کچھ کی جانب کچھ کے رن عبور کر کے اندر داخل ہو گئے تین روز کے بعد وہاں سے واپس لوٹے جہاں قریب میں آباد جگہ ملی وہاں ایک درخت کے نیچے تھوڑی دیر کے لئے آرام کرنے کے لئے لیٹے اس دوران آنکھ لگی جب بیدار ہوئے تو دیکھا کہ آپ کے ساتھیوں کے گھوڑے قریب کے کھیت میں چر رہے ہیں ساتھیوں سے کہنے لگے ۔ خدا سے ڈرتے نہیں ہو کہ گھوڑوں کو دوسرے کے کھیت میں دانے چرنے کیلئے چھوڑ دیا تو وہ کہنے لگے کہ آج تیسرا دن ہے کہ سواریاں اور سوار دونوں کھانے پینے سے محروم ہیں ہم تو خود برداشت کر سکتے ہیں ۔ مگر جانور تو اس طرح خود اپنے آپ کو نہیں روک سکتا ۔ ملک عبداللطیف فرمانے لگے اگر تمہارا تحمل کرنا محض للہ ہوتا تو اس کا اثر تمہاری سواریوں پر بھی پڑتا وہ بھی تمہاری موافقت کرتیں یہ فرما کر گھوڑے کی لگام سر سے اتار دی اور اس کو کھیت میں چھوڑ دیا مگر آپ کا گھوڑا اسی طرح کھڑا رہا اور چرنے کی طرف اس نے کوئی میلان ظاہر نہیں کیا آپ نے کچھ کے علاقہ کی سرزمین کا واقعی بہت اچھی طرح بندوبست کیا کہ امرون کے قصبہ کے سرکش راجپوت اطاعت و فرمانبرداری کرنے لگے ۔

ایک روز ایک فتنہ پرداز نے ملک کے سامنے یہ بات بنائی کہ فلاں راجپوت جو میرے خاص لوگوں میں سے ہے میرے رشتہ داروں میں سے ہے اس کے پاس بے مثال تلوار ہے اگر وہ کسی وقت خدمت میں آجائے تو اس سے لے کر ملاحظہ فرمائیے دیکھنے والی ہے ۔ البتہ اس نے شرارت سے اس راجپوت سے کہا ملک تجھے مار ڈالنے کا ارادہ کرتے ہیں اور اس کی نشانی یہ ہوگی جب تو انکی خدمت میں جائے گا تو تیری ہی تلوار غلاف سے نکال کر تجھے قتل کر دیں گے ۔ یہ سنکر وہ فکر مند ہوا اور اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جس وقت ملک تلوار میرے ہاتھ سے لے اس سے پہلے کہ اس کو غلاف سے نکالے تو پہلے ہی ان کو قتل کر دینا ۔ تو جب وہ

راجپوت ملک کے پاس پہنچا ملک عبداللطیف خالی الذہن تھے اس کی تلوار دیکھنے کے لیے قبضہ پر ہاتھ رکھا کہ فوراً راجپوت کے ہمراہیوں نے ملک کو شہید کر دیا یہ قصہ ۸۷۹ھ ۱۳/ ذی قعدہ کو پیش آیا آپکی قبر اس قصبہ میں بنائی گئی۔ [۱]

نزھۃ الخواطر میں ہے کہ۔

خدا نے انہیں اپنی طرف متوجہ کیا تو شیخ عبداللہ حسینی بخاری سے بیعت ہوئے اور دنیوی مشاغل چھوڑ کر بس طریقت کے ہوگئے۔ جس کے بعد ان سے عجیب وغریب مکاشفات کا ظہور ہوا۔

آپ نے ۱۳/ ذیقعدہ ۸۸۹ھ/ یکم دسمبر ۱۴۸۴ء کو شہادت پائی۔ بعض حضرات نے آپ کی تاریخ وفات لفظ "ذیقعدہ" سے نکالی ہے۔ آپ کے مزار پر سلاطین کا تعمیر کردہ بہت بڑا گنبد ہے۔ [۲] (مرآۃ سکندری)

شیخ الاسلام خواجہ احمد بن دوسن

م ۱۲/ شوال ۸۸۵ھ - ۱۵/ دسمبر ۱۴۸۰ء

خواجہ احمد بن دوسن۔ حضرت شاہ عالم کے خلفاء عظام میں سے تھے اور جو اجازت نامہ حضرت شاہ عالم نے اپنے خط خاص سے لکھ کر ان کو مرحمت فرمایا تھا۔ اس اجازت نامہ میں آپ کا لقب "مسکین اللہ" لکھا گیا ہے جس کی نقل روضات شاہی کی نویں جلد میں ہے ایک دفعہ حضرت شاہ عالم خواجہ احمد صاحب کا ذکر فرما رہے تھے کہ وہ حاجت کے وقت کسی مخلوق کو زندہ سمجھتے ہی نہیں کہ اس کی طرف اپنی التجا لے کر جائیں بلکہ تمام مخلوق کو مردہ اسی وحدہ لاشریک کو زندہ شمار کرتے ہیں اس کے بعد حضرت شاہ عالم نے فرمایا کہ مردوں کی راہ ہے۔ اس راہ میں جو شجاعت

---

[۱] خاتمہ مرآۃ احمدی ص۵۔ [۲] نزھۃ الخواطر ص۱۲۵۔

اور بہادری برتتا ہے وہ کامیاب ہوتا ہے اور بزدل خاسر رہتا ہے۔ اس کے بعد عربی کے چند اشعار پڑھے اور فرمایا کہ فقر کی تلوار کھانا کچھ آسان نہیں ہے مرید صادق کے لیئے ایک سچی ارادت ضروری ہے اس کے بعد یہ فارسی کا شعر پڑھا۔ ؎

معشوق از دو عالم چوں فرو شد بخوبی　　عاشق نباید الا از ہر دو کون فردی
ہر دو بہی نیارد در راہ عشق رفتن　　در راہ عشق باید مردی و شیر مردی

آپ تیرہ شوال ۸۸۵ھ بمطابق ۱۵ دسمبر ۱۴۸۰ء کو مالک حقیقی سے جا ملے اور احمد آباد کے قلعہ شاہپور کے دروازے کے پاس دفن ہوئے۔ ؎[1]

حضرت مولانا محمد صدیق رح

متوفی ۱۴ ذیقعد ۸۷۹ھ ۲۱ مارچ ۱۴۷۵ء

آپ کا مولد ملتان ہے۔ علم و عرفان سے لیس ہو کر آپ نے سندھ کو میدان عمل بنایا جہاں قبیلہ جام بئیا سے جام جوناں آپ کی توجہات عالیہ سے منصب خلافت تک پہنچ گئے۔ مگر قبیلہ جام کی باہمی چپقلش شیخ محمد صدیق اور آپ کے خلیفہ جام جوناں کو مع اہل و عیال گجرات لے آئی۔ رفقائے سفر میں آپ کے خلیفہ خاص شیخ عبداللہ بھی تھے۔ یہ تمام نو واردین احمد آباد پہنچ کر حضرت شاہ عالم کے دامن عقیدت سے وابستہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ تینوں نے حضرت شاہ عالم سے خلافت بھی پائی۔ اور جام جوناں کی صاحبزادی کو شاہ عالم نے اپنی حرم کیلئے قبول فرمایا جس سے قرابت و مصاہرت بھی استوار ہو گئی۔

یاد رہے کہ جام جوناں سلطان محمود ابن سلطان محمد کے نانا تھے جیسا کہ آپ

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی صفحہ ۵۴۔

شاہ بھیکن کے بھی رشتہ میں نانا تھے۔ اور آپ کی رہائش گاہ سابرمتی کے کنارے اساول میں قلعہ نما ہے جو ملک کوٹ کے نام سے مشہور رہے۔

شیخ محمد صدیق کی ابدی آرام گاہ بھی چودہ ذی قعدہ ۹۰۸ھ کو ۲۱ مارچ ۱۵۰۲ء اِسی کے قریب قرار پائی۔

شیخ عبداللہ بھی اپنے مرشدِ ازل کے پہلو میں آرام فرما ہیں۔[1]

ملک محمد اختیار اور شیخ کبیر الدّین

ملک محمد اختیار سلطان محمود بیگڑہ کے امراء میں سے ایک امیر تھے۔ جب سلطان محمود بیگڑہ تخت نشین ہوئے اور تمام امراء کو خان کا خطاب دیا تو ملک محمد نے یہ خطاب اپنے لئے اختیار نہیں کیا اور عرض کیا کہ میرا نام محمد ہے اس سے بہتر خطاب اور کونسا ہو سکتا ہے۔ ایک روز ملک محمد اختیار پالکی پر سوار ہو کر مٹھاپور کی طرف جا رہے تھے۔ گرمی کا زمانہ تھا، تھوڑی دیر کے لئے اِملی کے درخت کے نیچے ٹھہر گئے۔ دیکھا کہ ایک مسجد کے کونے میں بیٹھ کر ایک بزرگ بچوں کی تعلیم میں مشغول ہیں یہ شیخ کبیر الدین تھے جن کا اسم گرامی سلطان التارکین۔ شیخ حمید الدین ناگوری تھا۔ ملک تھوڑے دیر سونے کے بعد اٹھے اور نماز اس شیخ کی امامت میں ادا کی فارغ ہونے کے بعد شیخ کی نگاہ کرم ملک اختیار پر پڑی ایک ہی نگاہ میں شیخ نے ملک محمد کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ تھوڑی دیر کے لئے تو ملک کے ہوش و حواس گم ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو اپنے گھر واپس لوٹ گئے۔ علی الصباح دوبارہ اس طرف کو پہنچے اور اس طرح شیخ کی خدمت میں برابر آنے جانے لگے شیخ نے ایک دفعہ خلوت میں فرمایا کہ آپ کے ساتھ تو دنیاداری بہت لگی ہوئی ہے۔ یہاں آپ کس تقریب سے تشریف لا رہے

---

[1] اکابرین گجرات صفحہ ۴۲

ہیں اور اس دوران آپ نے اپنے اہم کاموں کو بھی چھوڑ رکھا ہے اگر آپ کو خدا طلبی کا داعیہ ہے تو پھر سوئی اندر سے دست بردار ہونا ہوگا ورنہ پھر دردِ سری کی ضرورت نہیں ملک نے عرض کیا کہ آج میں اپنے دل سے مشورہ کرونگا دیکھتا ہوں کہ کس طرف میرا نصیب رہنمائی کرتا ہے۔ حضرت نے فرمایا ٹھیک ہے ایسا ہی ہو جائے ملک اپنے گھر آئے اور تمام اہل حق کے حقوق مع زیادتی کے اپنی طرف سے ادا کر دئے اور جتنی مملوکات جاریات اور باندیاں تھیں ان کو بلا کر جو کسی سے نکاح کا تعلق قائم کرنا چاہتی تھی ان کا نکاح کرا دیا یاان کے نکاح کا انتظام کر دیا اور جو آزاد ہونا چاہتی تھی ان کو آزاد کر دیا اور سارا حساب کتاب سلطان کے حوالے کر کے عرض کیا کہ اب مجھے کسی چیز کی آرزو باقی نہیں اب میں دنیا سے دست کش ہونا چاہتا ہوں

یہ تمام چیزیں جس کو چاہیں آپ پہنچا دیں۔ سلطان سمجھے کہ شاید کسی بات سے آپ رنجیدہ ہیں بہت زیادہ دلجوئی کی کوشش کی ملک کہنے لگے کہ عمر کا ایک حصہ میں نے سلطان کی خدمت انجام دی اب میں چاہتا ہوں کہ کسی ایسے کی خدمت میں رہوں جنہوں نے محبوبیت کی خلع خود سلطان کے سر پر رکھی ہے اور ان کو سب کا مخدوم بنایا ہے یہ کہا اور اٹھ کر اپنے گھر واپس چلے آئے۔ سلطان نے دریا خاں کو اور علی خاں کو جو ملک محمد اختیار کے دوستوں میں سے تھے ان کو بلایا اور ان کے سامنے ماجرا بیان کیا۔ دونوں نے عرض کیا ہم جا کر انہیں سمجھاتے ہیں سلطان نے معافی نامہ جو ملک نے دیا تھا وہ ان کے حوالے کیا یہ دونوں حضرات ملک کے گھر پہونچے ملک ان کا مقصد سمجھ گئے اور فرمایا کہ تم تھوڑی دیر ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں ملک نے نائی کو بلایا اور فرمایا کہ میری حجامت بنا دو۔ اس کے بعد فرمایا بالوں کو دیکھتے ہوئے کہ یہ سب حرام غذا سے پرورش پائے ہوئے ہیں، دنیا کے ساتھ اس حرام غذا سے پرورش

یافتہ بالوں کو بھی الوداع کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد اپنی اہلیہ کو بلایا اور فرمایا جو کچھ تمہاری ملک میں ہے وہ تو اپنے حال پر ہے تم کو میں رخصت کرتا ہوں اپنے والدین کے گھر جاؤ۔ اگر نکاح کی خواہش ہو تو پھر نکاح کا اختیار بھی تمہیں باقی ہے ہم خدا کی راہ میں تمام علائق اور تعلقات کو چھوڑتے ہیں۔ اہلیہ نے عرض کیا کہ اگر اس رستہ کا سلوک میری جدائی ہی کے ساتھ مشروط ہے تب تو میں کیا کہہ سکتی ہوں ورنہ جس رستہ پر تم قدم رکھو گے مجھے اپنا سایہ تصور کر لیجیئے کہ سایہ کی طرح میں آپ کے ساتھ ہی رہونگی، چوں سایہ ہمرہیم بہر سو رواں شدی۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ فانی دولت کے زمانے میں تو میں آپ کی یار جانی کہلاؤں اور دولت جاودانی کے حصول کے وقت میں آپ سے جدائی اختیار کروں ملک نے فرمایا کہ اگر موافقت چاہتی ہو تو موافقت کر سکتی ہو۔ لیکن یہ زیور زر و جواہرات سب کو اپنے آپ سے دور کر دو اور اپنا لباس بدل کر کنیز کا لباس پہن لو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اس کے بعد ملک نے اپنی اہلیہ کا ہاتھ پکڑا اور دریا خاں الف خاں کے سامنے مجلس میں سے ــــــ گذر کر شیخ کے مکان کی طرف روانہ ہو گئے۔ ساتھیوں نے جب یہ حال مشاہدہ کیا تو حیران رہ گئے اور جا کر سلطان سے واقعہ عرض کیا اور کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو آسیب لگ گیا ہے۔ اور جنون طاری ہو گیا ہے۔ ملک اسی حال میں شیخ کی خدمت میں پہنچے دیکھ کر شیخ نے فرمایا خوش آمدی و خوش آمد مرا از آمدنت، ہزار جان گرامی فدائے ہر قدمت۔ شیخ اٹھے اور ملک کی اہلیہ کو اپنے بچوں کے پاس لے گئے اور فرمایا کہ اس کو زمانے کے ابراہیم بن ادہم کی اہلیہ سمجھو۔ اور اس کی صحبت کو غنیمت سمجھو اور ان کی خدمت گذاری میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑنا۔ اس کے بعد شیخ ملک محمد اختیار کی ارشاد، رہنمائی اور سلوک کی طرف توجہ فرما ہوئے۔ ملک

نے طریقت مقدم رکھا۔ سلوک طے کرنے لگے۔ کہتے ہیں کہ روزانہ پانی سے بھرا ہوا کوزہ سر پر رکھکر دریائے سابرمتی سے پانی آپ لے کر بازاروں سے ہوکر گذرتے اور شیخ کے یہاں پہنچاتے ملک کو اس حال میں دیکھ کر لوگ دیوانگی اور حماقت سمجھتے مگر

چند دنوں ہی بعد ان عوام کا رویہ بدل گیا اور وہ ملک پر فریفتہ ہوگئے آپ پر فدا ہونے لگے۔ ہزاروں کی تعداد میں مخلوق آپ کی دست بوسی اور پیر بوسی کے لیے ملک محمد اختیار کے پاس آنے لگی۔ اس طرح کی یہ شہرت جب شیخ کو ناپسند ہوئی تو ملک نے اس کی تدبیر یہ کی کہ لوگوں سے چیزیں لینی شروع کیں دوسرا طرف اگرچہ دوسروں کو دے دیتے تھے مگر اس طرح رفتہ رفتہ مخلوق کو آپ سے تنفر ہوگیا اور جو آپ ان کو بھگانا چاہتے تھے وہ مقصد حاصل ہوگیا اس کے بعد روحانی ترقی خوب ہوئی۔ اور حق تعالیٰ کی بارگاہ سے آپ کو محمد اختیار کا خطاب ملا جو یہ مشہور رہا۔ کہتے ہیں کہ حضرت شاہ عالم بخاری کے مریدوں میں سے ایک

ملک محمد اختیار کی خدمت میں عقیدت مندی سے حاضری دینے لگا کسی نے حضرت شاہ عالم سے عرض کیا کہ فلاں مرید ملک محمد اختیار کی خدمت میں جاتا ہے اور ان سے بہت کا طالب ہے۔ حضرت شاہ عالم نے فرمایا کہ فکر کی ضرورت نہیں اور یہ شعر انہوں نے پڑھا۔ ؎

ہر کہ را باشد دو عالم بختیار　　　او کند خدمتِ محمدؐ اختیار!

ایک روز حضرت شاہ عالم کی اتفاق سے راستہ میں ملک محمد اختیار سے ملاقات ہوگئی۔ دونوں نے ایک دوسرے سے خرقہ طلب کیا۔ ملک محمد کہنے لگے کہ عطا تو شاہوں کی طرف سے ہونی چاہیئے۔ حضرت شاہ عالم نے فرمایا کہ ملک بھی انہی میں ہیں۔ اخیر میں حضرت شاہ عالم نے پیراہن ملک محمد کو عطا فرمایا اور ملک محمد نے اپنی کلاہ

حضرت شاہ عالم کو عطا کی، حضرت شیخ کبیر الدین اور ملک محمد اختیار دونوں کی قبریں راجپور اور سرسپور کے درمیان بوا ہیر کے مقبرہ سے متصل واقع ہے
خاتمہ برات احمدی ص۹۸

احمد میاں مخدوم

(متوفی ۲۲ ربیع الاول ۸۸۲ھ/۲ جولائی ۱۴۷۷ء)

شیخ میاں مخدوم احمد بن برہان بن ابراہیم بن محمد خان غوری آپ کے والد محترم برہان شیخ احمد کھٹو کے عقیدت مند تھے، جن سے آپ نے اولاد کے لئے دعا کی درخواست کی، شیخ احمد کھٹو نے لڑکے کی خوشخبری دیکر فرمایا کہ ہمارے نام پر اس کا نام احمد رکھنا۔ چنانچہ ۸۱۷ھ ۱۴۱۴ء میں آپ کی ولادت ہوئی اور حفظ قرآن کے بعد حضرت شاہ عالم سے تعلق ارادت قائم کیا، اور علمی سلسلہ مولانا صدر جہاں سے جوڑا اور علوم و فنون سے فراغت کے بعد چند سال مشغل دنیوی کے بعد تمام علائق کو خیرآباد کہہ کر دس سال سے زیادہ عرصہ خلوت و ریاضت میں گذرا۔

شاہ عالم کی وفات کے دو سال بعد ۲۲ ربیع الاول ۸۸۲ھ ۲ جولائی ۱۴۷۷ء میں آپ نے اس عالم ہست و بود کو خیرآباد کیا، راجپور احمد آباد میں خانقاہ و مسجد کے نزدیک آپ کی قبر بنائی گئی۔

گ ۴۶۲ھ، تاریخ دکن۔

قاضی سید اسمٰعیل اصفہانی رح

(م ۲۶ ربیع الاوّل ۸۶۵ھ ۸ جنوری ۱۴۶۱ء)

صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں شیخ فاضل قاضی اسماعیل بن عبداللہ اصفہانی فقہ واصول میں یکتائے زمانہ تھے بچپن ہی میں اپنے والد کے ہمراہ گجرات تشریف لے آئے اور اپنے والد کے سوا دوسرے علمائے گجرات سے بھی پڑھا۔ آپ بھروچ میں قاضی مقرر ہوئے جہاں برسوں داد انصاف دیتے رہے پھر بعہد سلطان محمود الکبیر احمد آباد کی قضا تفویض ہوئی اور یہاں بھی سالہا سال تک اس منصب پر متمکن رہے۔

طریقت میں شیخ محمد بن عبداللہ الحسینی گجراتی سے فیض حاصل کیا۔ آخر ۲۶ ربیع الاول ۸۶۵ھ ۸ جنوری ۱۴۶۱ء کو آسودۂ لحد ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔[۱]

خاتمہ مرآۃ احمدی میں لکھا ہے کہ:

قاضی سید اسمٰعیل اصفہانی بن سید برہان قدس سرہٗ۔ نہایت متقی اور باوقار تھے۔ بندر بھروچ کے قضا کی خدمت آپ کے سپرد تھی جب حضرت شاہ عالم کو بندر بارا اور سلطانپور کے ارادے سے اس طرف سفر کا اتفاق پیش آیا تو قاضی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور حضرت سے تعلق ارادت قائم کیا۔ اور فقرائے شاہی کے رنگ میں رنگے گئے۔ ایک روز مجلس عالی میں حاضر تھے کہ شراب طہور کا ذکر آیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا۔ تو قاضی نے ازروئے شوق یہ سوال کیا۔ آیا شراب طہور کا خارج میں وجود ہے اس کو پیا جاسکتا

---

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۳ صـ۲۲ـ۲۹۔

ہے یا اس سے مراد محبت اور معرفت ہے اور اس کی صورت تاسئی میسر آسکتی ہے یا صرف قابلیت اور استعداد کو کہا جاتا ہے۔ حضرت شاہ عالم نے تبسم فرمایا کہ جی ہاں اس کا خارج میں بھی وجود ہے اور اس کا پینا ممکن ہے۔ قاضی نے عرض کیا کہ اگر اس کا پینا عالم میں ممکن ہے تو پھر آنحضرت کو تو ضرور میسر ہو گی مجھے امید ہے کہ اسکا ایک آدھ گھونٹ مجھے بھی نصیب ہو جائے۔ تو حضرت شاہ عالم نے فرمایا بہت خوب چند رات بطریق التزام تہجد کے وقت ہمارے پاس آیا کرو شاید کچھ حصہ پاؤ۔ قاضی حسب الحکم اس وقت حاضر ہونے لگے اور اس وقت کے منتظر رہے جب اس کا وقت قریب آیا اور حضرت شاہ عالم نے ایک شب اس کا ایک قطرہ قاضی کے حلق میں ٹپکا دیا قاضی کہتے ہیں کہ پہلے اس شراب کی مستی طاری ہوئی اس طرح پر کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بہشت و دوزخ کے حالات مجھ پر منکشف کر دیئے۔

جب قاضی صاحب ارادت مندوں کی صف میں آ گئے تو آپ نے قضا کی حالت میں عمامہ کا شملہ جو لمبا چھوڑتے تھے اس کو موقوف کر دیا تو ایک روز حضرت شاہ عالم نے قاضی سے فرمایا تم نے شملہ لٹکانا کیوں موقوف کر دیا کہ پہلے تو آپ ارسالِ شملہ کرتے تھے۔ لوگ سمجھیں گے کہ ارشاد و تصوف سے ارسال شملہ کا کوئی خاص بھید ہو گا۔ ایک ہفتہ کے بعد سلطان محمود حضرت شاہ عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ درخواست کی قاضی سید اسمٰعیل کو حکم ہوا کہ وہ احمد آباد کی قضا قبول فرمائیں ورنہ یہ شہر ویران ہونے کو ہے۔ حضرت شاہ عالم نے ان سے فرمایا کہ چند روز عوام کی مصلحت کی خاطر تقلید قضا ضرور کیجئے۔ قاضی نے استعفار دے دیا اور کہنے لگے۔ ؎

لذت دیوانگاں را دیدہ ام! بادشرمم باز اگر عاقل شوم

حضرت شاہ عالم نے بہت تاکید سے فرمایا کہ تمہیں قبول کرنی ہو گی مجبوراً قاضی نے عرض کیا کہ میں قبول کرتا ہوں لیکن اس شرط سے کہ حق تعالیٰ شانہ اس ذوق و حال کو کہ جواب مجھے عنایت ہوا ہے وہ مرنے سے پہلے پھر مجھے حاصل ہو جائے اور عود کرآئے حضرت شاہ عالم نے کچھ دیر تامل فرمایا پھر ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ شانہ سے درخواست کی گئی کہ آپ کو اس حالت میں پھر واپس لوٹائے اور فقراء کے زمرے میں آپ کا حشر فرمائے۔

کہتے ہیں کہ حضرت شاہ عالم کی جنازے کی امامت قاضی سید اسمٰعیل ہی نے فرمائی تھی۔ آپ کی قبر احمدآباد میں اندو پور میں واقع ہے۔ [۱]

مولانا صدر جہاں حسام الدین

گجرات میں بنبانی خاندان علم و فضل میں بہت مشہور تھا۔ اس خاندان میں مولانا فیض اللہ - - - - - - ، مولانا زین العابدین، مولانا حسام الدین قاضی صدر الدین، اور مولانا منہاج الدین بن صدر الدین بڑے پایہ کے عالم اور مصنف گذرے ہیں۔

صدر جہاں قاضی صدر الدین کا اصل وطن چانپانیر تھا لیکن بود و باش احمدآباد میں تھی۔ اور مدرسہ بھی یہیں تھا۔ [۲]

آپ حضرت شاہ عالم کے معاصر ہیں۔ آپ کا مزار نورگنج میں واقع ہے۔ مولانا صدر جہاں جو اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم اور متقیوں میں شمار ہوتے تھے۔ ان سے سبق پڑھنے کے لئے روز مولانا میاں مخدوم صاحبزادہ شاہ عالم ان کے پاس جاتے اور جب حضرت شاہ عالم کے احوال ان کے

---

[۱] خاتمہ مرآت احمدی ص۵۵۔ [۲] گجرات کی تمدنی تاریخ ص۲۰۲،۲۰۱۔

سامنے بیان کئے جاتے تو بے ادبی سے اس کا انکار کرتے تھے۔ میاں مخدوم اپنے دل میں عہد کرتے تھے کہ دوبارہ اب مولانا کے ساتھ نہیں آئیں گے۔ لیکن جب حضرت شاہ عالم کی خدمت میں جاتے تو تبسم فرماتے ہوئے پوچھتے کہ آج میاں مخدوم تم مولانا کے پاس گئے۔ سبق پڑھا وہ عرض کرتے کہ جی ہاں شاہ عالم فرماتے کہ مولانا کی صحبت ہرگز ترک نہ کرنا۔ بہت زیادہ مفید ہے، اور مولانا کا وجود اس زمانے بہت غنیمت ہے اس بنا پر میاں مخدوم کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ مولانا کے پاس جائیں۔ غرضیکہ یہ قضیہ بار بار پیش آتا رہتا۔ یہاں تک کہ ایک روز مولانا نے اس معاملہ میں بہت زیادہ مبالغہ کیا اور میاں مخدوم پر گریہ طاری ہوگیا اور زار و قطار رونے لگے مولانا نے رونے کا سبب پوچھا تو کہنے لگے کہ مجھے آپ کے احوال پر رونا آتا ہے کہ سید جو صحیح النسب بھی ہیں اور جو سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و احوال، افعال، اقوال کے متبع آپ کے زمانے میں آپ کے شہر میں موجود ہیں اور آپ ان کی خدمت سے محروم ہیں بلکہ ان کے انکار میں مبتلا ہیں۔ مولانا نے کچھ دیر تامل فرمایا اور کہنے لگے کہ اگر تمہارے پیر ہمارے ساتھ چار شرطیں منظور کرلیں تو میں انکی زیارت کے لئے آسکتا ہوں پہلی شرط یہ کہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ وہ ریشمی لباس پہنتے ہیں جس روز میں آؤں اس روز مسنون لباس پہنیں دوسرے یہ کہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان کا بستر زر بسخت کا ہوتا ہے۔ جس روز میں آؤں تو یہ بھی نہیں ہونا چاہئے۔ میاں مخدوم کہنے لگے کہ ہمیشہ ان کا لباس اور ان کا فرش بستر مسنون ہوتا ہے اور جس لباس کے ساتھ وہ خلوت میں ہوتے ہیں اسی لباس کیساتھ وہ باہر آتے ہیں اور باہر آنے کے بعد حق تعالیٰ شانہ کمالک الملک یتصرف فی ملکہ کیف یشاء کے تقاضہ کے موافق وہی لباس لوگوں کے نظروں میں ریشم معلوم ہوتا ہے۔ مولانا نے کہا کہ تیسری شرط یہ ہے کہ وہ میرے ساتھ علمی گفتگو کریں اور ایسا

مسئلہ ذکر کریں کہ جو محصّلین کے درمیان بالفعل متداول نہ ہو اور علماء کے درمیان مشہور نہ ہو۔ چوتھے یہ کہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ الوداع کے وقت ہر شخص کو کچھ نہ کچھ نقدی وہ عطار فرماتے ہیں تو وہ مجھے نہ دیں کہ معیشت کی کوئی وجہ معین اور کمائی کا کوئی ظاہری طریقہ وہ رکھتے نہیں ہے۔ بلکہ جناتوں کو تابع کیا ہوگا اور جنات لوگوں کے مال سے چرا کر لاتے ہوں گے اور وہ حرام مال ہے۔ اگر یہ چاروں شرطیں قبول کریں تو میں آسکتا ہوں میاں مخدوم نے عرض کیا کہ بسم اللہ سوار ہو جائیے کہ الخیر لا یؤخر۔ مولانا نے فرمایا کہ پہلے تم جاؤ اور معلوم کرو کہ اگر وہ قبول کرتے ہیں۔ میاں مخدوم کہنے لگے کہ جیسے ہی آپ نے یہ شرائط اپنے دل میں سوچی ہیں حق تعالیٰ نے ان کو اس پر مطلع کر دیا ہے پیغام پہنچانے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ مولانا کہنے لگا کہ اللہ! تمہارا ان کے متعلق ایسا اعتقاد ہے غرض کہ مولانا اور میاں مخدوم سوار ہو کر شہر سے رسول آباد پہنچے۔

مولانا کہتے ہیں کہ تم پہلے چلے جاؤ اور خبر کردو میاں مخدوم کہنے لگے کہ اگر میں جاؤں گا تو تمہیں یہ خیال گزرے گا کہ میں نے ان کو اطلاع کر دی ہے اس لئے پہنچ کر ان حضرات نے دربان سے کہا کہ اندر خبر کردو۔ دربان نے خبر کر دی۔ جواب آیا کہ دیوان خانہ میں بیٹھو۔ جب یہ حضرات دیوان خانے میں پہنچے تو دیکھا کہ بورئے کا فرش بچھا ہوا ہے جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے ہیں اور کھجور کے پتوں سے بُنا ہوا ہے مولانا میاں مخدوم کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ یہ ایک شرط تو اپنے آپ ہی پوری ہو گئی۔ میاں مخدوم کہنے لگے انشاء اللہ تمام شرطیں اسی طرح پوری ہو جائیں گی۔ جب تھوڑی دیر کے بعد حضرت شاہ عالم تشریف لائے سامنے پہنچے دیکھا کہ ایک لنگی باندھے ہوئے ہیں اور کمبل کا اُدلی کرتا پہنے ہوئے ہیں اور اس کمبل کا ایک دستار سر پر باندھے ہوئے ہیں۔ اشارہ کر کے میاں مخدوم کو مولانا کہنے لگے کہ دو شرطیں یہ ہو گئیں حضرت شاہ عالم مولانا سے پوچھنے لگے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی رؤیت ملائکہ کو بھی ہوگی

یا نہیں۔ مولانا کہنے لگے کہ نہیں فرمایا قرآن پاک کی آیت ہے فَمَنْ کَانَ یَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا وَّلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖ اَحَدًا یہ تو خود عام ہے کس وجہ سے ان کو حق تعالیٰ شانہٗ کی رویت نہیں ہوگی؟ مولانا نے عرض کیا کہ ملائکہ لطیف ہیں حق تعالیٰ شانہٗ کی تجلیات کی تاب نہیں رکھ سکتے اور بشر اپنی کثافت کیوجہ سے تجلی کی تاب کی طاقت رکھتے ہیں۔ حضرت شاہ عالم نے فرمایا کہ وہ حکیم مطلق جو انسانوں کی کثافت کے واسطے سے رویت کی قدرت دے سکتا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ دوسرے امر کے ذریعہ ملائکہ کو بھی اس کی قدرت دیدے۔ مولانا نے عرض کیا کہ ہم تو نقل کی اتباع کرنے والے ہیں اور سلف سے منقول اس بارے میں کوئی چیز آئی نہیں۔ حضرت شاہ عالم نے فرمایا کہ امام فخرالدین رازی نے ایک رسالہ اثبات رویت میں تحریر فرمایا ہے اور اس میں فرماتے ہیں کہ الرّؤیۃ ثابتۃ لجبرئیل ولمیکائیل ولاسرافیل ولعزرائیل ولحملۃ العرش ولسائر الملائکۃ کافۃً۔ اور رسالہ منگوا کر تصحیح نقل بھی فرمائی۔ مولانا کہنے لگے کہ یہ رسالہ اور یہ نقل اب تک میں نے دیکھی نہیں تھی۔ حضرت شاہ عالم فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت ذوالقرنینؑ کو بسط رزق عطا کیا گیا تھا تباوت تو کجا وہ تو کمال اطاعت اور کمال انقیاد رکھتے تھے۔ پس بغی فی الارض اور بسط رزق کے درمیان تلازم کی صورت کیسے ممکن ہو سکے گی۔ مولانا نے اس کا کوئی جواب دیا۔ حضرت شاہ عالم نے فرمایا کہ یہ جواب فلاں تفسیر میں مذکور ہے اور اس بارے میں یہ بحث میرے خیال میں آتی ہے اور وہ بیان فرمائی۔ مولانا اس بحث کا جواب نہ سمجھ سکے کوئی دوسرا جواب دیا اس کو بھی حضرت شاہ عالم نے کسی دوسری تفسیر کا حوالہ دیکر رد فرما دیا یہاں تک کہ مولانا نے دس جواب نقل کئے۔ حضرت شاہ عالم نے دسوں دس جوابات کو تفاسیر میں ان کا حوالہ ذکر کرکے اس پر بحث قائم کرکے

ان پر اعتراض کر کے ان کو رد فرما دیا بالآخر مولانا عاجز ہو گئے اور خود حضرت شاہ عالم سے رفع اشکال کے لیے عرض کیا کہ آپ اس کا جواب مرحمت فرمائیں۔ حضرت شاہ عالم نے فرمایا کہ کتب عربیہ میں مقرر ہے کہ جب فعل کی اسناد کسی فاعل پر ظاہر کرتے ہیں تو ہونا یہ چاہیئے کہ وہ فعل اس فاعل کا محتاج ہو جیسا کہ بنی الامیر المدینۃ یہ اس وقت کہیں گے کہ بنائے مدینۂ عظیم وہ امیر کی قدر و منزلت کا محتاج ہو جیسا کہ یہاں پر حق تعالیٰ شانہ نے بَسَطْتُ بَسَطْنَا بُسِطَ نہیں فرمایا بلکہ و لو بسط اللّٰہ فرمایا پس وہ بسط جو حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کا محتاج ہوگا وہ بغی کو مستلزم ہوگا اور ملازمت درست ہوگی۔

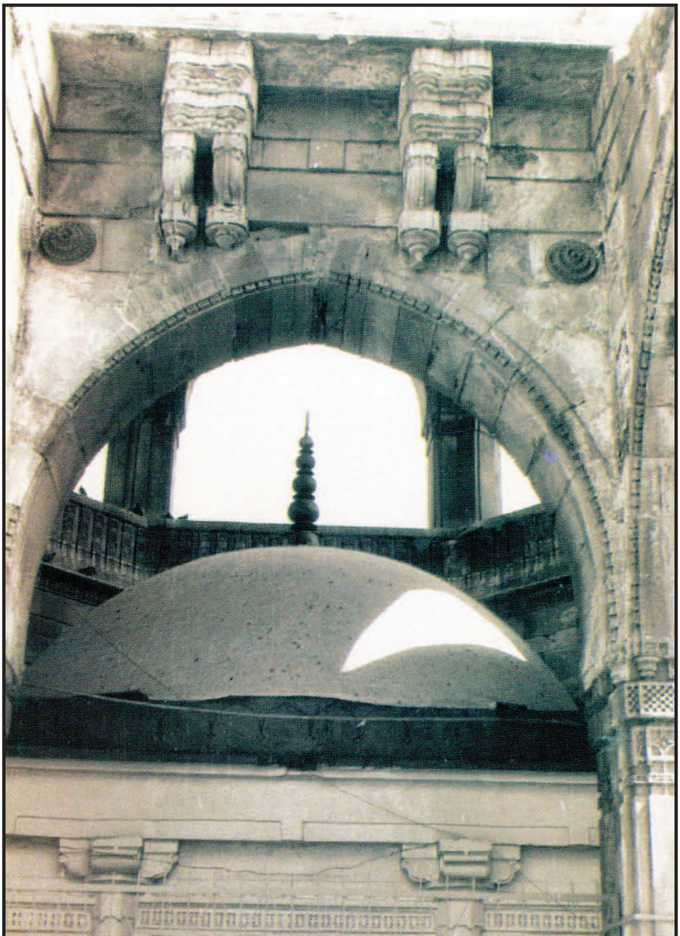
اس لئے کہ اس جیسا بسط خود اب تک وجود میں نہیں آیا کہ اگر سات ہزار عالم ستر کروڑ در ستر کروڑ عالم کسی کو دے دیں پھر بھی حق تعالیٰ کی قدرت میں وہ کوئی چیز نہیں۔ مولانا نے اس جواب کی تحسین فرمائی کہنے لگے کہ یہ تو حضرت کو علم لدنی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت شاہ عالم فرمانے لگے کہ تم اپنے ایک کلمہ لدنی کے ذریعے میری اس مشقت کو کیوں ضائع کر رہے ہو یہ فرما کر مطالعہ کے وقت ہاتھ ٹیکنے کی وجہ سے جو گھٹے پڑ گئے تھے وہ دکھائے۔ مولانا رخصت ہو کر جب دہلیز پر پہنچے تو اپنی چادر کے کونے پر بوجھ محسوس کیا۔ دیکھا تو مٹھی بھر سونا ساتھ باندھا ہوا تھا۔ میاں مخدوم سے ایک طرف منہ کر کے فرمانے لگے کہ تین شرطیں تو پوری ہوئیں۔ اور چوتھی پوری نہیں تم یہ سونا کاٹ لو۔ میاں مخدوم نے کہا زیادہ امتحان نہ لیجئے سوئے ادب کو چھوڑ دیجئے۔ بے ادبی چھوڑ دیجئے اور یہ سونا لے لیجئے مولانا کہنے لگے کہ یہ نہیں ہو سکتا البتہ ضرور یہ سونا کاٹ لو میاں مخدوم کہنے لگے کہ! جب تک میں جواب لے کر آتا ہوں آپ یہیں پر منتظر رہئے مولانا دہلیز پر بیٹھ گئے اور میاں مخدوم نے اندر جا کر ماجرا عرض کیا۔ حضرت شاہ عالم فرمانے لگے کہ مولانا سے کہئے کہ آپ عالم ہیں مفتی شہر ہیں اگر ہمیں فتویٰ کی حاجت پڑتی ہے تو ہمیں چاہیئے کہ آپ سے آپ سے استفتاء کریں آپ سے پوچھیں۔ آپ خود منصف بن کر انصاف کیجئے کہ یہ سونا



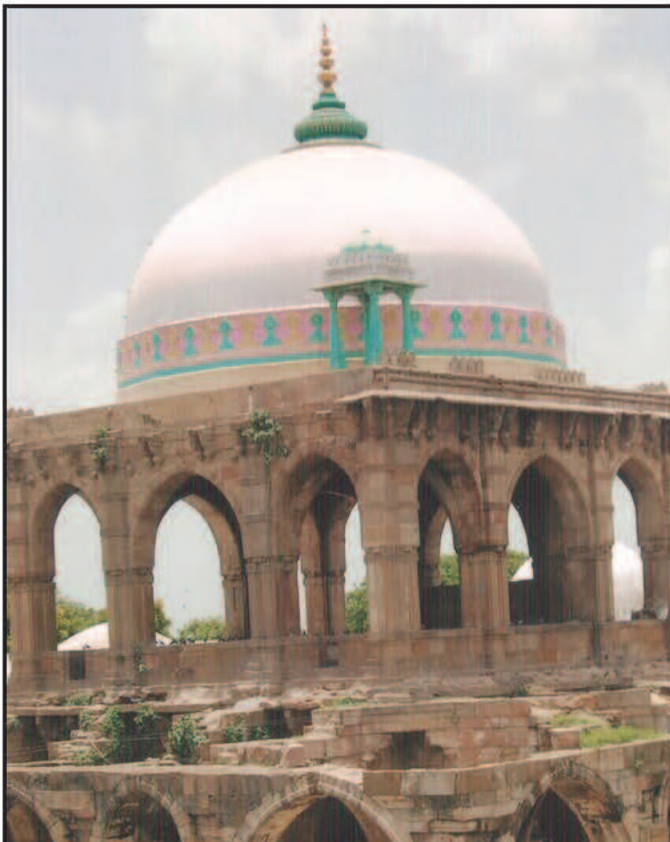
مقبرہ حضرت گنج احمدؒ عرف شیخ احمد کھٹوؒ، سرخیز، احمد آباد



مقبرہ حضرت گنج احمدؒ، عرف شیخ احمد کھٹوؒ، سرخیز، احمد آباد



مقبرہ حضرت شاہ قطب عالمؒ، والد محترم حضرت شاہ عالمؒ، وٹوا، احمد آباد



مزار حضرت شاہ قطب عالمؒ، وٹوا، احمد آباد



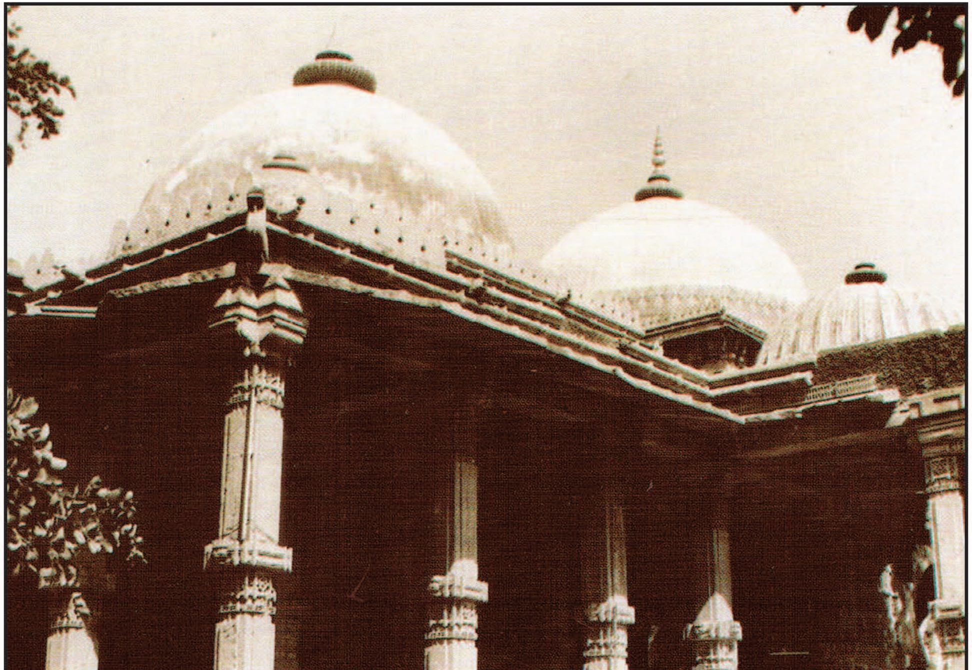
صدر دروازہ، مقبرہ حضرت قطب عالمؒ، وٹوا، احمد آباد



مقبرہ حضرت سلطان عالمؒ، حضرت قطب عالمؒ کے پوتے، وٹوا، احمد آباد



مقبرہ حضرت شمع برہائیؒ، عثمان پورہ، احمد آباد



مقبرہ حضرت قدم رسولؐ، شاہ عالم روڈ، احمد آباد



تین دروازہ، احمد آباد



پانچ کنواں دروازہ، احمد آباد



مزار حضرت موسیٰ سہاگ، دلی دروازہ، شاہی باغ، احمد آباد



مقبرہ حضرت شاہ وجیہ الدین علویؒ، خان پور، لال دروازہ، احمد آباد



مقبرہ حضرت شاہ عالمؒ، شاہ عالم روڈ، احمد آباد



مزار مبارک حضرت شاہ عالمؒ، شاہ عالم روڈ، احمد آباد

میں نے تمہیں دیا ہے۔ یا میرے کسی آدمی نے تمہیں دیا ہے یا آپ اپنے گھر سے اٹھا کر اس کو لائے ہو۔ ان صورتوں میں اس کا لینا میرے لیئے کیسے روا اور جائز ہو سکتا ہے۔ وہ خالق تعالیٰ جو سونے کو کانوں میں معدنوں میں پیدا کرتا ہے، وہ چادر کے کونے میں بھی پیدا کر سکتا ہے لہٰذا اب اسکا لینا آپ کیلئے اولیٰ ہوگا یا میرے لئے آپ مجھے ہبہ کردیں تو میں لے سکتا ہوں میاں مخدوم نے آکر مولانا سے پیغام پہنچایا۔ مولانا اس سونے کو لے کر کہنے لگے کہ میاں تمہارے پیر جیسے طریقت میں کامل ہیں اسی طرح شریعت میں بھی کامل ہیں۔ اس روز سے پھر برابر پابندی سے مولانا خدمت میں حاضر ہونے لگے اور اپنے دامن کو فیوض سے بھرنے لگے۔ [1]

زگردکوئی خوبان میفشاندم دامن تقوی
چہ دانستم کہ روزی خواہم آزانتو تیا کردن

صدرجہاں کا مدرسہ

گجرات میں بنبانی ایک مشہور خاندان گذرا ہے جس کے زیادہ تر افراد اہلِ علم اور مصنف ہوئے ہیں اور ان کی تصانیف گجرات کے تمام مدارس میں زیر درس رہی ہیں۔ اسی خاندان کے گل سرسبز قاضی صدرالدین کے لڑکے ملک القضاۃ صدرجہاں حسام الدین بنبانی تھے جو بڑے جید عالم اور فاضل تھے۔ ان کا ایک مدرسہ تھا جو سلطان محمود اعظم کے عہد تک قائم تھا۔ اس خاندان کے لوگوں کی کتابیں زیادہ تر فنِ تفسیر، نحو، ادب اور حدیث میں ہیں۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ اس مدرسہ میں انہی علوم کی تعلیم ہوتی تھی۔ حضرت شاہ عالم کے صاحبزادہ میاں مخدوم اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل تھے۔

---

[1] خاتمہ مرآت احمدی صہ ۹۸۔

مولانا شیخ احمد

م ۹۰۸ھ تقریباً

مولانا شیخ احمد جو میاں مخدوم کے لقب سے مشہور رہوئے ہیں آپ کا شجرۂ نسب یوں ہے ۔ احمد بن برہان بن ابو محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن محمد خان غوری جو سلطان دہلی کے حکم سے یہ محمد خاں غوری ناگورہ حکومت کی اور یہ سلطان محمد غوری سلطان معزالدین محمد کی اولاد میں سے ہیں جو سلطان شہاب الدین محمد غوری کے نام سے مشہور ہے جو سب سے پہلے بادشاہ ہیں ۔ جو غزنی سے ہندوستان آئے اور اس علاقہ کو نور اسلام سے منور فرمایا ۔ کہتے ہیں کہ میاں مخدوم شیخ برہان الدین کے یہاں لڑکا نہیں تھا ۔

حضرت شیخ احمد کھٹو کی خدمت میں حاضر ہوکر درخواست کی دعا فرمایئے اللہ تعالیٰ مجھے لڑکا مرحمت فرمائے ۔ حضرت شیخ احمد کھٹو نے لڑکے کی بشارت دی اور فرمایا کہ فرزند نرینہ ہوگا ، لڑکا ہوگا ۔ اس کو میرے نام (احمد) سے موسوم کرنا اور اس کو بزرگی کا مرتبہ بھی نصیب ہوگا ۔ حضرت شیخ احمد میاں مخدوم نے ظاہری علوم مولانا صدر جہاں سے حاصل کیے ۔ بارہ سال کی عمر میں حضرت شاہ عالم قدس سرہٗ سے بیعت وارادت کا شرف حاصل کیا بارہ سال حضرت شاہ عالم کی خدمت میں گزارے اور دوسرے بارہ سال حضرت کے ظاہری و باطنی امور کے شغل اور حضرت کی طرف سے وزارت میں اور خانقاہی اور گھریلو کاموں کے ادا کرنے میں گذارے ۔ کہتے ہیں حضرت سے ارادت قائم کرنے کے بعد ہاتھ کو کبھی زیر ناف تک نہیں لیگئے حتیٰ کے سونے کی حالت میں بھی ہاتھ کو گردن سے لپیٹ کر سوتے ۔

اور رسول آباد میں سکونت پذیر ہونے کے باوجود ادب کے خاطر استنجاء اور پاخانہ سے فراغت اس جگہ کبھی نہیں کرتے تھے ۔ حضرت شاہ عالم کے وصال

کے بعد دس سال بقیدِ حیات رہے اور چونسٹھ سال عمر گذار کر ۲۲ ربیع الثانی کو آپ نے انتقال فرمایا۔ تاریخی کلمہ بعضوں نے "اخیر الاولیاء" کہا ہے۔

احمدآباد میں واقع تاجپور میں آپ کو آسودہ لحد کیا گیا جہاں آپ کی خانقاہ اور آپ کی مسجد ہے۔ لہ

سیّد جلال الدّین ابو محمد شاہ عالم

(م ۱۰۰۳ھ ۱۴ ذوالقعدہ)

سیّد جلال الدین بن سید حسن بن سید احمد عبدالغفور بن سید احمد بن سید راجو بن حضرت شاہ عالم۔ آپ کی ولادت ۹۵۹ھ میں ۶ ذی قعدہ کو احمدآباد میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ خوندا گوہر ملک خضر کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کی ذاتِ عالی ایک زمانے کے گذرنے کے بعد حضرت شاہ عالم کے سلسلہ سے وابستگی کا ذریعہ اور باعث برکت رہ گئی تھی۔ جب یہ علاقہ بہت سے انقلابات سے گذرا اور اکبر بادشاہ کا زمانہ آیا تو نائب شہر خاں اعظم کی کوشش سے آستانہ عالیہ شاہیہ کی سجادگی آپ کے نام مقرر کی گئی۔ آپ حضرت شیر محمد بن احمد بن سید عرب شاہ بن حضرت سید راجو قدس سرہٗ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ سلوک ان کی تعلیمات سے اتمام تک پہنچایا۔ اور آپ نے ظاہری علوم حضرت مولانا میاں وجیہ الدین رح سے حاصل کئے تھے۔ ایک مرتبہ سید ابو تراب شیرازی نے ضیافت کی بہت سے بزرگانِ دین کو مدعو کیا۔ سید جلال بھی تشریف لے گئے۔ سردی کا زمانہ تھا راستے میں کسی سائل نے آپ سے تبرک مانگا تو آپ جو پیراہن اوڑھ کر سردی میں آرہے تھے وہی اس کو بخش دیا جب ہوا زیادہ تیز ہوگئی اور سردی بڑھ گئی

لہ خاتمہ مرأت احمدی ص۲۴۔

توسید جلال کے ساتھی خادم سید امین محمد سے کہا گیا کہ حضرت کے لئے دوشالہ لائیے وہ باہر آئے ۔ اس وقت ان کے پاس موجود نہیں تھا امین محمد پریشان کھڑے تھے ۔ کہ حضرت کیلئے دوشالہ کا انتظام کیسے کریں کہ اتنے میں دیکھا کہ سامنے سے حضرت کے مریدوں میں سے ایک صاحب تشریف لا رہے ہیں اور دوشالہ ان کے پاس ہے ۔ وہ آئے اور کہنے لگے کہ حضرت کی خدمت میں ہدیہ کرنے کیلئے میں اس کو لایا ہوں ۔ دیر تک میں یہاں حضرت کے لئے اس کو لے کر منتظر تھا فطری اور جبلی جود وسخا کا جذبہ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ گھر کے خانہ داری کے کپڑے اور لباس اور ظروف و برتن تک حضرت نے تمام سخاوت کر دیئے تھے ۱۰۰۲ھ میں ۱۴ ذوالقعدہ کو نصفِ شب میں آپ نے انتقال فرمایا اور مقبرہ شاہیہ میں دفن کئے گئے ۔ [1]

سیّد جعفر بدرِ عالم
متوفی سنہ ۱۰۸۵ھ

آپ سیّد جلال مقصود عالم کے فرزند شاہ عالم کی اولاد سے تھے ۔ ولادت ۱۰۲۳ھ بمقام احمدآباد ہوئی ، سات سال کی عمر میں قرآن مجید ختم کیا ۔ اپنے والد اور جدِ امجد سے تحصیل علم کیا ۔ تفسیر و حدیث میں کمال حاصل تھا ، خوش نویس بھی تھے ، خط نستعلیق میں ید طولیٰ حاصل تھا ، ایک دفعہ صرف دو روز میں مکمل قرآن مجید کی کتابت کی اس نسخے

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی ص۴۰ ، نزہۃ الخواطر ص $\frac{160}{5}$ ۔

کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک فقیر نے آپ سے قرآن مجید مانگا آپ نے دوسرے دن دینے کا وعدہ کیا، فقیر نے کہا وہ رکھا ہوا نسخہ کیوں نہیں دیتے آپ کو فوراً لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون والی آیت یاد آئی چنانچہ وہ نسخہ فقیر کے حوالے کر دیا۔

۱۰۵۴ھ میں شاہ جہاں سے ملاقات ہوئی اس نے آپ کو صدارت کا عہدہ دینا چاہا مگر آپ نے انکار کر دیا۔

۱۰۸۵ھ میں رحلت ہوئی۔ احمد آباد میں مدفون ہیں۔ [1]

سید ابوالمجد محمد بن جعفر محبوبِ عالم

م ۱۰ رجمادی الاخری سنہ ۱۱۱۱ھ

فقیہہ محمد بن جعفر بن جلال بن محمد حسینی بخاری۔ جن کی کنیت ابوالمجد ہے۔ اور محبوب عالم کے لقب سے آپ مشہور ہیں۔ شیخ جلال الدین حسینی بخاری اُچی کے خاندان سے ہیں۔ آپ کی ولادت گجرات میں ۲ ربیع الاول ۱۰۴۷ھ میں

ہے۔ اپنے والد محترم سے آپ نے پڑھا۔ اور دیگر علمائے احمد آباد سے بھی آپ نے علم حاصل کیا۔ پھر درس و تدریس کو مشغلہ بنایا۔ آپ کے تلامذہ میں شیخ نورالدین بن محمد صالح مشہور رہیں۔ آپ نے قرآن کریم کی فارسی میں تفسیر (لوبھ ۱۰۳۶ھ) بھی لکھی۔ اسی طرح عربی میں جلالین کے نہج پر آپ نے ایک تفسیر لکھی، اسی طرح حدیث میں آپ کی مشکوٰۃ کی شرح زینۃ النکات فی شرح المشکوٰۃ (تذکرہ ص ۲۱۴) بڑی مشہور رہے۔ اسکے علاوہ آپ کی دیگر تصنیفات بھی ہیں۔

---

[1] تذکرہ قادیان ہند ص ۱۲۶۔

۱۰رجمادی الاخریٰ ۱۱۱۱ھ کو آپ نے وفات پائی۔ احمدآباد میں آپ کو دفن کیا گیا۔ [۱]

تفسیر شاہیہ یہ سید محمد محبوب عالم بن سید جلال جعفر بدر عالم شاہی رضوی متوفیٰ ۱۱۱۱ھ کی تصنیف ہے۔ فارسی زبان میں ہے تمام تر اہل بیت کی روایت سے تفسیر کی ہے۔ یادایام مؤلفہ مولانا حکیم عبدالحیؒ کے صـ۶۱ پر اسی تفسیر کا ذکر ہے۔ تین جلدوں میں ہے۔ حاشیہ میں جابجا تصحیح ہے۔ اس کتب خانہ میں اس کی صرف دو جلدیں ہیں۔ دھروج کے قاضی صاحب کے کتبخانہ میں تھی) [۲]

سیّد جلال حمید عالم

م ۲۰ ذی الحجہ ۱۱۰۴ھ

شیخ جلال الدین بن محمد بن جعفر بن جلال بن محمد حسینی بخاری۔ آپ فقر و تصوف کے مشہور عالم تھے۔ آپ ابوالمجد محبوب عالم کے فرزند تھے۔ ولادت احمدآباد میں ۱۰۶۳ھ میں ہوئی، والدگرامی سے تحصیل علم کیا۔ پھر مدت العمر درس و تدریس میں مشغول رہے۔ والد ہی سے سلوک و تصوف میں بھی کمال حاصل کیا۔ [۳]

میدان تصنیف میں بھی آپنے قدم رکھا "مرآۃ الرویا فی تاویل الاحلام"، اور "مفتاح الحاجات فی الاذکار والاشغال" مشہور رہیں۔

آخر عمر میں ایک سخت بیماری میں مبتلا ہوئے اور ایک مدت تک ہر قسم کی غذا ترک کردی تھی۔ صرف انجیر اور انار پر اکتفا تھا۔ ۲۰ ذی الحجہ ۱۱۰۴ھ کو وفات ہوئی

---

[۱] مرات احمدی [۲] گجرات کی تمدنی تاریخ صـ۲۳۱ [۳] تذکرہ قاریان ہند۔

احمدآباد میں مدفون ہیں۔ [۱]

سید جعفر مجید عالم

وفات سنہ ۱۱۰۹ھ

آپ سید جلال حمید عالم کے بیٹے تھے۔ ولادت احمدآباد میں ۱۰۸۱ھ ربیع الثانی میں ہوئی۔ نو سال کی عمر میں قرآن مجید تجوید کے ساتھ حاصل کیا۔ احمدآباد ہی میں نشو ونما پائی۔ فضل وصلاح میں مشہور ہوئے۔

اپنے والد ماجد سے علوم دین اور تصوف وسلوک کی منزلیں طے کیں پھر درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔ اور والد صاحب کے جانشین ہوتے۔ آپ صاحب کشف وکرامات اور صاحب وجد وحال تھے اکثر اوقات جو قول زبان پر جاری ہوتا اسی طرح ظہور پذیر ہوتا۔

آپ کی وفات محرم ۱۱۰۹ھ/ ۱۱۲۰ء میں ہوئی، آپ کے انتقال کیوقت والد محترم سید جلال الدین حمید عالم بقید حیات تھے۔ احمدآباد میں مدفون ہوئے۔ [۲]

سید محمد محمود عالم

(م سنہ ۱۱۴۹ھ)

سید محمد محمود عالم سید محمد بن سید جعفر مجید عالم، آپکی ابتدائی زندگی کو چھوڑ کر اخیر عمر میں آپ پر جذبۂ الٰہی کا اور شغل بحق کا غلبہ ہوگیا تھا ۱۱۴۹ھ ۹ر شعبان کو آپ

---

[۱] نزہتہ الخواطر عربی ۱۱۴ ج۶ ص۸ [۲] خاتمہ مرأۃ احمدی ص۴۵ تذکرہ قاریان ہند نزہتہ الخواطر۔

نے انتقال فرمایا۔ اپنے پدر بزرگوار کے پائنتی میں آپ کو دفن کیا گیا آپ کے بعد سید عبدالشکور بن موسیٰ آپ کے بھتیجے سجادہ نشین ہوئے۔ [۱]

سید محمد مراد

سادات مشہدی میں سے سید محمد مراد ہیں آپ حضرت سید محمد محبوب عالم کے شاگرد تھے۔

آپ کا مزار نوتار میں ہے۔ [۲]

شیخ نورالدین

(متوفی ۹ر شعبان ۱۱۵۵ھ/۸ر اکتوبر ۱۷۴۲ء)

شیخ عالم صالح نورالدین بن محمد صالح آپکا مولد و منشا احمدآباد ہے آپکا شمار ان علماء میں ہے جنہوں نے اپنی زندگی علم کی خدمت میں فنا کردی اور دنیا کے عیش و آرام سے کوئی تمتع حاصل نہیں کیا آپکی ولادت ۱۰ر جمادی الاولیٰ ۱۰۶۳ھ/۱۶۴۳ء میں ہوئی انکی والدہ ماجدہ بھی عالمہ زاہدہ تھیں اپنے لڑکے کو فارسی خود پڑھائی۔ سات دن میں گلستاں پڑھا دی۔ دس سال کی عمر میں حفظ کی تکمیل کی۔ درسی کتابیں مولانا احمد بن سلیمان اور مولانا فریدالدین سے پڑھیں، علوم حدیث شیخ محمد بن جعفر حسینی بخاری سے حاصل کئے۔ نیز سلوک بھی ان کی خدمت میں رہ کر طے کیا اور بڑا مقام حاصل کیا۔ علامہ وجیہہ الدین کے بعد گجرات میں باعتبار درس و تدریس اور کثرت تصانیف کے ان سے بڑھ کر کوئی نہیں تھا۔ علامہ ممدوح کی تمام کتب درسیہ کی شروح و حواشی لکھے۔ آپ نے ایک سو ستر کتابیں تصنیف کیں۔

---

[۱] خاتمہ مرآۃ احمدی ص ۴۵۔ [۲] ایضاً ص ۶۔

محمد اکرم الدین آپ کے شاگرد و مرید تھے۔ یہ شیخ الاسلام ابن قاضی القضاۃ عبدالوہاب بھورا کے فرزند تھے۔ احمد آباد کے صوبیدار مقرر ہوئے تو ایک لاکھ چوبیس ہزار کے خرچ سے ایک عظیم الشان مدرسہ اور خانقاہ کی عمارت تعمیر کرائی اور آپ کے لیے خاص کر دی۔ سید محبوب عالم سے خرقہ خلافت پہنا۔

شیخ نورالدین نہایت عابد و زاہد تھے شب میں دو مرتبہ اٹھ کر نماز پڑھتے تھے اور لیٹنے سے پہلے ایک ہزار مرتبہ لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ اور ایک ہزار مرتبہ درود شریف کا معمول تھا۔ اس کے علاوہ روزانہ قرآن مجید ختم کرنے کا بھی معمول تھا۔ ۱۱۴۲ھ میں حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔

آپ نے قرآن کی تفسیر التفسیر النورانی للسبع المثانی کتب خانہ پیر محمد شاہ کے نام سے تصنیف فرمائی۔ تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھا، بخاری کی شرح لکھی جو "نور القاری شرح صحیح البخاری" کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے علاوہ بھی آپ کی بہت سی تصانیف ہیں مثلاً الحاشیۃ القویمۃ علی الحاشیۃ القدیمۃ، حاشیہ شرح مواقف، حاشیہ شرح مقاصد۔ حاشیہ شرح مطالع، حاشیہ تلویح۔ حاشیہ عضدیہ۔ حاشیہ شرح وقایہ۔ حاشیہ مطول۔ شرح ملا۔ حاشیہ قطبی۔ شرح کافیہ کا حاشیہ۔ حاشیہ بر منہل۔ شرح تہذیب المنطق، شرح فصوص الحکم وغیرہ جنکی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو تک ہے۔

آپکی وفات منگل ۹ شعبان ۱۱۵۵ھ/۱۸ اکتوبر ۱۷۴۲ء کو ہوئی اور اپنے مدرسہ کے قریب احمد آباد میں مدفون ہیں۔ نور اللہ مرقدہٗ۔ [1]

---

[1] تاریخ گجرات۔ نزہۃ الخواطر ۳۹۔ تذکرہ قاریان ہند ج ۲ ص ۲۱۔ اعیان الحجاج تاریخ ادبیات مسلمانان ہند و پاک ج ۲ ص ۲۲۹۔ ج ۵ گجرات کی تمدنی تاریخ ص ۲۳۱۔

آپ کی شرح بخاری کے متعلق مولانا ابوظفر ندوی لکھتے ہیں کہ :
نورالقاری فی شرح بخاری ، یہ علامہ نورالدین بن حاجی محمد صدیق احمدآبادی متوفی (۱۱۵۵ھ/۴۲-۱۷۶۱ء) کی شرح بخاری شریف ہے ۔ جو نایاب ہے (جو بھروچ کے قاضی صاحب کے کتب خانہ میں تھی) ۔ ۲ ۵

خاتمہ مرآۃ احمدی سے یہاں آپ کے مفصل حالات نقل کیے جاتے ہیں ۔ لکھا ہے کہ مولانا شیخ محمد نورالدین بن شیخ محمد صالح ۔ آپ کی ولادت ۱۰ ر جمادی الاولیٰ ۱۰۶۳ھ میں ہوئی ۔ خداطلبی اور علمی تشنگی کا داعیہ شروع ہی سے آپ کی جبلت میں ودیعت تھا اور السعید من سعد فی بطن امہ کے مطابق ھدایت اور بزرگی کے آثار شروع ہی سے آپ پر روشن اور درخشاں معلوم ہوتے تھے اسکا لئے شیخ سعدی کی گلستاں بچپن میں معنیٰ سمیت اپنے والد ماجد سے صرف سات روز میں پڑھی اور اکثر علوم ظاہری کی تحصیل خوند صاحب ، مولانا احمد بن سلیمان سے کی اور علم باطنی اور قرأت وحدیث سید محمد ابوالمجد محبوب عالم کی خدمت میں رہ کر حاصل کی اور سلوک کو اتمام تک پہنچایا اور ان سے ارادت قائم کی اور ان سے خلافت سلسلہ سہروردیہ اور اجازت وخلافت بقیہ جمیع سلاسل میں حاصل کی ، علوم عربیہ میں آپ یکتائے روزگار تھے آپ کے علم کا شہرہ اطراف عالم میں دور دور تک پہنچ چکا تھا دور دور سے طلباء آکر مدرسہ ہدایت بخش میں قیام کرتے جو محمد اکرم الدین نے (جو شیخ الاسلام کے خطاب سے مخاطب تھے اور صوبہ احمدآباد کے صدر تھے اور حضرت کے مرید تھے انہوں نے) ایک لاکھ اور کئی ہزار روپیہ صرف کرکے مدرسہ تعمیر کیا ۱۱۰۲ھ میں اس مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی اور بتدریج زمین اور تعمیرات وغیرہ کا کام ۱۱۰۹ھ میں مکمل ہوا ۔ اور مسجد کی تعمیر اتمام کو پہنچی ۔

مسجد کی تاریخ تکمیل اس کلمہ سے مستفاد ہوتی ہے "ھُوَالْمَسْجِدُ اُسِّسَ عَلَے التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ" اور مدرسہ کی بقیہ عمارتوں کی تکمیل کی تاریخ اس کلمہ سے "مدرسۃ فیھا الھدیٰ للعالمین" ایک لاکھ چوبیس ہزار روپیہ عمارتوں میں صرف کیا۔ غرض حضرت مولانا نورالدین کی ذات اپنے زمانے میں مرجع خلائق تھی اور آپ اپنے زمانے کے بڑے علماء میں سے تھے۔ آپ کی تصنیفات وتالیفات ہر علم میں ملتی ہیں اور اکثر کتب کے آپ کے شروح وحواشی ہیں۔ ایک سو ستّر سے زائد کتابیں آپ نے تصنیف فرمائیں۔ سورہ فاتحہ کی تفسیر نظم میں ہے جس کے بارہ ہزار بیت ہیں۔ اس طرح پارہ الم کی تفسیر چھ ہزار بیت میں آپ نے فرمائی ہے یہ تصانیف آپکے علم وفضل، فصاحت وبلاغت کی شاہد ہیں۔

۱۱۴۴ھ میں آپ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے اور وطن واپس لوٹے اور ریاضت ومجاہدات وعبادات میں مشغول رہے۔ باوجود درس وتدریس اوراد وظائف کے روزانہ آپ ایک قرآن کریم ختم فرماتے تھے اور ہر رات میں دو دفعہ صلوۃ اللیل اور تہجد کے ادا کرنے کا معمول تھا اور جب بھی آنکھ کھلتی اور پہلو بدلتے ایک ہزار دفعہ لا الہ الا اللہ اور ایک ہزار دفعہ درود شریف پڑھتے آپ کی عمر کے پندرہویں سال سے لے کر اخیر عمر تک آپ کا اربعینہ چلہ اور اعتکاف کبھی فوت نہیں ہوا۔ اور شاہی وظیفہ آپ نے کبھی قبول نہیں فرمایا باوجود اسباب ظاہری کے کبھی بھی سونا چاندی کو آپ نے نہیں لیا۔ جب آپ کی عمر شریف ۹۱ برس کی ہوئی تو شنبہ کے دوپہر کو نو شعبان ۱۱۵۵ھ میں آپ نے وصال فرمایا۔ آپ کی تاریخ وفات اسقدر کہی گئیں کہ ان کو ایک رسالے میں جمع کیا گیا جن میں سب سے اکمل تاریخ ہے "وارث رسالت است"۔

مدرسہ سے متصل آپ کے خانقاہ میں آپ کو دفن کیا گیا آپ کے پانچ صاحبزادے

آکر مقیم ہوئے تھے ، رات عبادت و ریاضت میں اور دن درس و تعلیم میں صرف کرتے تھے
آپ کے مشہور شاگردوں میں شیخ محمد طاہر احمدآبادی ہیں ۱۱۱۹ھ/ ۱۷۰۷ء میں
اسی جگہ ان کا انتقال ہوا ۔ اور شاہ بھیکن کے روضہ میں مدفون ہوئے " یَکْتُبُ مِنْ
کَاْسٍ کَانَ مِزَاجُهَا کَافُوْرًا " سے تاریخ وفات نکلتی ہے ۔

مولانا ابوظفر ندوی لکھتے ہیں کہ اس مدرسہ کے سالانہ اخراجات کا کوئی بندوبست نہیں تھا ۔ مدرسین اور طلبہ بہت پریشان رہتے تھے ۱۱۱۲ھ میں طلبہ نے شیخ غلام محمد منصب دار شاہی کے توسط سے ایک درخواست بادشاہ کی خدمت میں ارسال کی ۔ اس درخواست کی نقل میرے عزیز اور لائق دوست حکیم بہاء الدین صدیقی (ہردوئی) کے پاس موجود ہے ۔ شیخ غلام محمد ان ہی کے جد امجد تھے جو عالمگیری منصب دار تھے اور شاہزادہ اعظم شاہ صوبہ دار احمدآباد (۱۱۱۳ھ) کی ملازمت میں رہتے تھے ۔ یہ صاف طور پر پتہ نہیں چلتا کہ وہ کس عہدے پر تھے اور ان کا کیا کام تھا ۔ لیکن ان کے وارثوں کے پاس جو کتب اور فرامین وغیرہ حوادث زمانہ سے بچ گئے ہیں ان میں زیادہ تر ایسی درخواستیں ہیں جن کو بادشاہ تک پہنچانے کی ان سے التجا کی گئی ہے جس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ درباری پیش کار تھے ۔

۱۱۱۶ھ میں احمدآباد میں انکا انتقال ہوا اور جنازہ احمدآباد سے ان کے وطن گوپامئو (ضلع ہردوئی) میں لایا گیا ۔ اور وہیں دفن کئے گئے ۔ پھر ان کے لڑکے غلام حسن اور پوتے غلام نبی سرکاری ملازمت میں آئے ۔

انہی فرامین اور خطوط میں ایک نقل مدرسہ " ہدایت بخش " کے طلبہ کی بھی ہے جو اس وقت میرے پیش نظر ہے اور اسی کی مدد سے مندرجہ ذیل سطور کا اضافہ کرتا ہوں جس کے لئے میں شیخ غلام محمد کے پرپوتے محمد بہاؤالدین گوپامئوی کا شکرگذار ہوں ۔

اس وقت اس مدرسہ میں سات ماہر فن اساتذہ تعلیم دیتے تھے جن کے نام یہ ہیں ۱ ملا محمد حسین ۲ ملا شیخ محمد ۳ سید ہاشم ۴ سید احمد ۵ ملا عبدالغنی ۶ شیخ اللہ بخش اور ۷ شیخ نورالدین استاد کل کے شاگرد رشید مولانا شیخ فرید گجراتی، لیکن بدقسمتی سے درخواست دینے سے پہلے ہی انکی وفات ہوگئی۔ خود شیخ نورالدین استاد کل اس کے افسر اعلیٰ تھے۔ ان معلموں نے طلبہ کی درخواست پر اپنا اپنی سفارشیں بھی لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک نے لکھا ہے: "هذه المدرسة الشامخة البناء مشحونة بالمحصلين والعلماء وهم مفتقرون الى كرم السلطان المزني للفضلاء" دوسرے نے لکھا ہے: "هذه المدرسة الراسخة الاساس معمورة بتكميل الناس واهلها محتاجون الى تفضل الخليفة الخارج اوصافه عن القياس" ایک صاحب نے لکھا ہے: "هذه المدرسة الرفيعة الشان معمورة من الطلبة واهل العرفان وهم محتاجون الى تفضل خليفة الرحمان" ایک مدرس نے تحریر کیا ہے: "هذه المدرسة العلية موطن لاهل العلوم الدينية والمعارف اليقينية وهم فرقة ضعيفة الاحوال، شاغلون عن المعاش لشغلهم بامور المعا داحوجين الى تفضيل خليفة الله" ملا عبدالغنی صاحب تحریر فرماتے ہیں: "هذه المدرسة رفيعة القدر مسكونة للمساكين الفضلاء وطلاب العصر المفتقرة الى اعانة الخليفة الساعي في اعلاء كلمة الله الشريفة" شیخ احمد لکھتے ہیں: "هذه مدرسة منيفة مشحونة بطلبة خفيفة وهم محتاجون الى التفضل من باب الخليفة الذي لا يعني البيان باوصاف الجليلة" ان میں سے ہر شخص نے اپنے آپ کو علامہ نورالدین کا شاگرد اور مرید بتایا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اسی مدرسہ کے تعلیم یافتہ تھے اور استاد نے ان سب کو اسی مدرسہ میں معلم

رکھ لیا۔ اور یقیناً یہ اپنے تمام معاصرین میں درس، و تدریس کے لحاظ سے ممتاز رہے ہونگے۔[1]

کتب خانہ مدرسہ ہدایت بخش مولانا شیخ نورالدین احمد آباد میں یگانۂ روزگار عالم تھے۔ متقی، صوفی، عالم اور فلسفہ و منطق و ریاضی کے بڑے ماہر تھے۔

شیخ الاسلام نے ہدایت بخش، کے نام سے ان کے لئے جو مدرسہ قائم کیا تھا اس کے ساتھ ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا جس میں ہر فن کی کتابیں موجود تھیں۔ خواص کے ساتھ عوام بھی اس کتب خانہ سے فیض یاب ہوتے تھے۔ مرہٹہ گردی میں مدرسہ و کتب خانہ دونوں برباد ہوگئے۔ اس کتب خانہ کی کچھ کتابیں، کتب خانہ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ میں منتقل کر دی گئی تھیں۔ اور کچھ قاضی نورالدین (قاضی بھروچ) کے کتب خانہ میں۔[2]

نورالعرفان مؤلفہ شیخ محمد عرفان متوفی ۱۱۴۷ھ کی تصنیف ہے جس میں مدرسہ ہدایت بخش کے اوصاف درج ہیں۔

نور معرفت: مصنفہ شاہ محمد ولی، یہ بھی مدرسہ ہدایت بخش کے اوصاف میں ہے۔[3]

مدرسہ ہدایت بخش کا مطب

مدرسہ ہدایت بخش کے لئے ایک سرکاری طبیب مقرر تھا جو طلبہ کی طبی نگرانی کرتا تھا۔ اور مفت علاج کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا۔[4]

بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ مخدوم نورالدین رحمۃ اللہ علیہ کے پانچویں صاحبزادے بہاؤالدین

---

[1] گجرات کی تمدنی تہذیب ص۲۱۰تا۲۱۱ [2] گجرات کی تمدنی تاریخ ص۲۲۵ [3] ایضاً ص۲۲۴ [4] ایضاً ص۲۲۰

ہیں جو صغر سنی میں انتقال کر گئے ۔
حضرت شیخ نورالدینؒ کی تین صاحبزادیوں کے نام حمیدہ، سعیدہ، اور عفیفہ ہیں جو بہت نیک اور صالحہ تھیں۔ [1]

شیخ محمد صالح عرف بیر بابا

آپ مخدوم العالم شیخ نورالدین کے صاحبزادے تھے اسم بامسمیٰ تھے صاحب علم وتقویٰ، جود وسخا تھے۔ آپ اپنے والد ماجد کے جانشین ان کے شاگرد اور انکے مرید تھے ابتدا سے لیکر انتہا تک تمام علوم آپ نے اپنے والد محترم سے حاصل کئے سات سال کی عمر میں قرآن تجوید کے ساتھ حفظ کر لیا تھا اور خوب یاد تھا اس طرح کہ محمد اعظم شاہ جب اس علاقہ کی صوبہ داری پر متعین ہو گئے تو آپکا شہرہ سنکر آپ کو اپنے پاس بلوایا آپ نے بہت اچھی طرح "سورۂ رحمٰن" سنائی۔ سنکر بہت خوش ہوئے اور آپ کو نقدی اور تاجپور کا علاقہ (جو پرگنہ بیرمکا نو میں ہے) جاگیر کے طور پر مرحمت فرمایا۔ اور ان کو اپنے ہاتھ سے فرمان عطا کیا ۔
اسی طرح دو مرتبہ سلاطین مغلیہ کے طلب پر وہاں آپ پہنچے ایک محمد فرخ سیر کے عہد میں۔ دوسرے شاہ بادشاہ کے زمانے میں - ہر مرتبہ آپ کا اعزاز و اکرام کیا گیا اس علاقہ کے امراء و فضلاء بھی آپ کی قابلیت اور استعداد کے معترف ہوئے۔ غرض آپ صلاح و تقویٰ علم و حلم کے پیکر تھے" اور الولد سر لابیہٖ کا مصداق تھے ۔ ۱۶ رجمادی الثانی ۱۱۴۰ھ آپ نے شاہ جہاں آباد میں انتقال کیا اور وہاں سے آپ کا صندوق لاکر آپ کے جدی قبرستان میں جہاں مولانا محمود پیش امام مدفون ہے وہاں آپ کو دفن کیا گیا آپ کے انتقال سے پیشتر ہی خواب

---

[1] خاتمہ مرأت احمدی صلا ۔

میں کسی نے دیکھا تھا کہ مرادبخش خطاب ملا ہے اور اسی کلمہ سے آپ کی تاریخ وصال مستفاد ہوتی ہے۔

آپ کے پانچ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھی۔ [1]

قاضی محمد رکن الحق خاں بن مولانا نورالدین

مرآت احمدی کے خاتمہ میں جن بزرگوں کا حال مذکور ہے وہ مولانا نورالدین رح کے صاحبزادے صاحب ترجمہ محمد رکن الحق خاں قاضی نے صاحب مراۃ احمدی کو فراہم کئے مگر افسوس کہ خود آپ کے حالات نہ مل سکے۔ [2]

شیخ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ

شیخ نورالدین رحمۃ اللہ علیہ کے چوتھے صاحبزادے شیخ فخرالدین ہیں جن کا عرف شیخ بزرگ تھا۔ آپ اگرچہ مادرزاد گونگے اور بہرے تھے مگر عقل و فراست میں مرتبہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ خط نستعلیق بہت خوبصورت لکھتے تھے بارہا آپ نے کلام اللہ تحریر فرمایا۔ آپ کو پارہ عم یاد تھا۔ اور اسی حفظ لکھتے تھے [3]

قاضی شمس الدین شیبانی رح

۷۴۰ھ/۱۳۳۹ء - ۸۰۹ھ/۱۴۰۶ء

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح فرماتے ہیں کہ!

آپ بہت بڑے عقلمند تھے۔ سلطان محمد تغلق کے زمانے میں دہلی سے نارنول

---

[1] خاتمہ مرات احمدی [2] ایضاً صـ۲۴ ۔ [3] ایضاً صـ۹۱ ۔

تشریف لے گئے تھے۔ ابتدائی زمانہ میں شادی سے پہلے حج کے ارادے سے نکلے۔ راستہ میں جب گجرات پہنچے تو ایک مسجد میں دیکھا کہ ایک معتزلی منبر پر اپنے مذہب معتزلہ کے پیشِ نظر بندوں کے خالق افعال ہونے پر تقریر کر رہا ہے۔ اس نے اپنی تقریر کے دوران لوگوں سے کہا کہ دیکھو یہ میرا ہاتھ ہے۔ اگر میں اسے کھولنا چاہتا ہوں تو یہ کھلتا ہے اور اگر مٹھی بند کرنا چاہتا ہوں تو بند ہو جاتی ہے۔ قاضی شمس الدین صاحب کھڑے ہوئے اور آپ نے اس معتزلی سے فرمایا کہ اگر آپ اپنے تمام افعال کے خالق ہیں اور اپنے وجود کے متعلق سب کچھ کر سکتے ہیں تو پھر اپنے ہاتھ کو پیٹھ پر لے جا کر کیوں نہیں ملا سکتے؟ قاضی شمس الدین کا یہ اعتراض حاکم گجرات کو بہت پسند آیا۔ اور اس پسندیدگی کا اظہار اس طرح کیا کہ دار الحرب سے جو لونڈیاں آئی تھیں ان میں سے ایک لونڈی شیخ کی خدمت میں پیش کی جس کے بطن سے آپ کو اولاد ہوئی۔ اللہ رب العزت نے آپ کی اولاد میں اس طرح برکت عطا فرمائی کہ سب کو علم سے نوازا۔ آپ کی اولاد میں سے ایک بزرگ جن کا لقب تاج الافاضل تھا۔ ان کے پانچ لڑکے تھے جو سب کے سب عالم، متقی اور بڑے عقلمند تھے۔ آپؒ (یعنی تاج الافاضل رح) کے ایک صاحبزادے قاضی مجد بھی تھے جو شیخ احمد مجد کے والد تھے۔ ان سے بھی سات لڑکے ہوئے جو سب کے سب عالم باعمل تھے۔[1] آپ مجد الدین فیروز آبادی کے ہمعصر ہیں۔

شیخ علم الدّین

(م ۸۰۹ھ - ۱۴۰۶ء)

شیخ فاضل علامہ علم الدین بن سراج الدین بن کمال الدین عمری دہلوی۔ اکابر مشائخ چشتیہ میں سے ایک تھے مولد و منشاء گجرات ہے۔ اپنے والد اور دوسرے

---

[1] اخبار الاخیار ص ۳۲۴، ص ۳۲۵۔

علماء سے پڑھ کر فائق الاقران ہوئے۔ اور اپنے والد کی رحلت کے بعد منصب مشیخت پر متمکن ہوئے۔ شیخ بدرالدین محمد بن احمد مالکی دمامینی شارح مغنی اللبیب کے زاویہ میں مقیم ہوئے۔ ان کے پاس برسوں رہے۔ ممدوح آپ کے تبحر علمی کے بڑے مداح تھے[1] شیخ علم الدین معاصر صاحب قاموس ہیں۔

شیخ محمد بن ابوبکر دمامینی

(وفات ۸۲۷ھ - ۱۴۲۳ء)

علامہ بدرالدین محمد بن ابوبکر بن عمر بن ابوبکر بن محمد سکندری ہندی مالکی مشہور بہ ابن دمامینی ۷۶۳ھ (۱۳۶۱ء) میں بمقام اسکندریہ آپ کی ولادت ہوئی اسکندریہ ہی میں فضلائے وقت سے درسی علوم حاصل کئے۔ بہار ابن دمامینی سے علم حدیث کی تحصیل کی۔ آپنے دیگر اساتذہ سے بھی پڑھا جن میں شیخ عبدالوہاب الفروی، قاہرہ میں شیخ سراج ابن الملقن اور مکہ مکرمہ میں قاضی ابوالفضل شوبری سرفہرست ہیں۔

فراغت کے بعد اسکندریہ ہی میں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور مختلف مدارس میں فقہ و ادب کا درس دیتے رہے۔

ایک عرصہ بعد آپ اسکندریہ سے قاہرہ تشریف لائے اور جامع ازہر میں علم نحو پڑھانے کا تقرر ہوا۔ ایک مدت بعد پھر اسکندریہ لوٹ آئے ۸۰۰ھ میں حج بیت اللہ کیا۔ حج سے فراغت کے بعد جب وطن لوٹے ہیں تو جامع مسجد اسکندریہ کے خطیب مقرر ہوئے۔ ۸۱۹ھ میں پھر حج کے لئے تشریف لے گئے۔

---

[1] نزھۃ الخواطر ص۱۳۵ ج۱۳۹

۸۲۰ھ میں یمن تشریف لائے ۔ یہاں تقریباً ایک سال تک جامع زبید میں مسند درس آراستہ فرمائی پھر ۸۲۰ھ ہی میں ہند کا سفر کیا ۔ اور شعبان کے آخر میں سلطان احمد بن محمد بن مظفر کے عہد میں گجرات تشریف لائے، مولانا عبد الحی نے یاد ایام میں آپکی ہندوستان آمد کی تاریخ ۸۰۰ھ لکھی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں

> علوم ادبیہ کے امام علامہ بدر الدین محمد بن ابی ابو بکر الدمامینی کا نام آپ نے سنا ہوگا وہ ۸۰۰ھ میں گجرات تشریف لائے اور برسوں احمد آباد میں درس و تدریس فرماتے رہے ۔ تسہیل ابن مالک کا نسخہ احمد آباد ہی میں ان کو ملا تھا جس کی ایک مبسوط شرح لکھ کر احمد شاہ گجراتی کے نام پر معنون کی ۔ علاوہ اس کے شرح مغنی اللبیب، شرح صحیح بخاری اور عین الحیٰوۃ، خلاصہ حیٰوۃ الحیوان یہ تینوں کتابیں اسی بادشاہ کے نام پر معنون کی تھیں ۔ [1]

بہر حال جب آپ گجرات تشریف لائے تو سلطان احمد بن محمد مظفر گجراتی کا دور تھا۔ بادشاہ کے یہاں آپ کو بہت عروج حاصل ہوا اور لوگوں نے آپ سے خوب استفادہ کیا

تصانیف :- آپ ایک مدرس اور خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ زبردست مصنف بھی تھے چنانچہ آپ نے اس میدان میں بھی نمایاں خدمات انجام دی ہیں ۔ چند تصانیف کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے ۔

(۱) شرح تسہیل لابن مالکی الطائی جو تاریخ الفوائد کے نام سے موسوم ہے ۔ تاریخ الفوائد میں لکھا ہے کہ جب میں گجرات پہنچا تو یہاں مجھے یہ کتاب (تسہیل ابن مالک) دستیاب ہوئی ۔ میرے ساتھی طلبہ نے اس کی شرح کی درخواست کی چنانچہ میں نے اس کی شرح لکھی ۔ اس شرح کے مقدمہ میں احمد شاہ گجراتی کا ذکر خیر بھی ہے ۔

(۲) مصابیح الجوامع شرح صحیح بخاری جس کی ابتداء اس طرح فرمائی ۔ الحمد للہ الذی فی خدمۃ السنۃ النبویہ اعظم سیادۃ الخ اس شرح میں کچھ ابواب اور غریب الفاظ و اعراب کی بحث بھی ہے ۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے یہ شرح

[1] یاد ایام بحوالہ کشف الظنون ۔

احمد شاہ گجراتی کے لئے لکھی ہے ۔

(۳) عین الحیوٰۃ ۔ علامہ دمیری کی کتاب الحیوان کا اختصار ہے ۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوئی ۔ الحمد للہ الذی اوجد بفضلہ حیوٰۃ الحیوان ۔ اس کتاب کو لکھ کر سلطان احمد شاہ گجراتی کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کی ۔ اس کتاب کی تکمیل شعبان ۸۲۳ھ میں ہوئی ۔ [1]

(۴) کتاب : المنہل الصافی ؛ ہے ۔ جو محمد بن عثمان البلقی کی کتاب ۔ الوافی ؛ کی شرح ہے ۔ ابن الدمامینی نے یہ کتاب احمد شاہ اول بہمنی والیٔ دکن (۱۴۲۱ء/۱۴۳۴ء ۸۲۵ھ تا ۸۳۸ھ) کی طرف منسوب کرکے ان کو پیش کی تھی اس نسبت پر ظفر الوالہ میں لکھا ہے کہ نام دونوں کا احمد تھا ۔ صرف بہمنی کا اضافہ کوئی دشوار نہ تھا ۔ ابن الدمامینی نے یہ شرح بھی ہندوستان وارد ہونے کے بعد لکھی المنہل الصافی کے سلسلہ میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اسے انہوں نے صرف تین ماہ کے قلیل عرصے میں تصنیف کیا ۔ اور احمد شاہ کی خدمت میں پیش کی ۔ کتاب کے مقدمے میں البلقی کے تعارف اور علم النحو کی اہمیت سے بحث کی ہے ۔ اور پھر : الوافی فی النحو ؛ کے حسن ترتیب اور افادیت کا تذکرہ کیا ہے ۔ دمامینی (ماہم بمبئی) قیام کے دوران المنہل کو تصنیف کیا ۔

(۵) کتاب تحفۃ الغریب ہے ۔ جو ابن ہشام کی معرکۃ الآراء کتاب ؛ مغنی اللبیب ؛ کی شرح ہے ۔ حاجی خلیفہ نے کتاب مغنی اللبیب کی پچاس سے زائد شروح کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک شرح ابن دمامینی کی لکھی ہے جس کا نام ؛ تحفۃ الغریب بشرح مغنی اللبیب ؛ ہے ۔

---

[1] الضوء اللامع ج ۷ ص ۱۸۵ ، تاریخ ادبیات ج ۲ ص ۱۷۵

علم نحو میں دمامینی کی یہ تیسری تصنیف ہے یہ شرح ۸۲۴ھ/۱۴۲۱ء میں لکھی گئی تھی اس وقت آپ نہروالہ میں مقیم تھے۔ یہ تینوں کتابیں آپ نے ہند میں اور ہندی سرپرستی میں لکھی تھیں۔ بہت ہی قیمتی تصانیف ہیں۔ بغیۃ الوعاۃ میں سیوطی نے ان کتابوں کے مصنف کی بہت تعریف کی ہے۔ [۱]

ان کے علاوہ ابن الدمامینی کی تصنیفات میں سے الفتح الربانی، شرح القصیدۃ الخزرجیہ، مقاطع الشرب، شمس المغرب فی المرقص والمطرب، جواہر البحور فی العروض، اظہار التعلیل المغلق فی النحو، نزول الغیث الذی انسجم فی شرح لامیۃ العجم للصفدی۔ اور مجموعہ اشعار الفواکہ البدریہ قابلِ ذکر ہیں۔ ابن العماد، سیوطی، اور سخاوی وغیرہ نے ابن الدمامینی کی بڑی تعریف کی ہے۔ سخاوی نے ایک جگہ قصائد و قطعات میں تعریف کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ وہ فنون ادب پر کلام کرنے والوں میں سے ایک تھے۔ ادبا نے ان کی فضیلت کا اعتراف کیا ہے اور قصائد و قطعات میں تعریف و مدح کی ہے آپ بڑے خوشنحط تھے اور دستاویز نویسی میں بڑی پختگی حاصل تھی۔

آپ کی وفات ۸۲۷ھ/۱۴۲۴ء میں ہوئی۔ اور گلبرگہ میں دفن ہوئے۔ بقول ابن فہد آپ کو زہر دیا گیا تھا۔ [۲] بعضوں نے لکھا کہ انگور میں زہر دیا گیا تھا۔

ابن دمامینی لغت و نحو اور فقہ و حدیث کے امام ہونے کے علاوہ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ اور ان کے اشعار مختلف کتبِ تراجم میں بکھرے پڑے ہیں۔ چند اشعار حسب ذیل ہیں۔

---

[۱] عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص۱۹۹ [۲] الضوء اللامع ج ۷ ص۱۸۵ بحوالہ تاریخ ادبیات ج ۲ ص۱۷۵

قلت لہ والدجیٰ مول ! ونحن بالانس فی التلاقی
قد عطس الصبح یاجیبی فلا تشمتنہ بالفراق
یاعذولی فی مغن مطرب حرک الاوتار لما سفرا !
کم یهزالعطف منہ طربا عند ما یسمع منہ وترا
لاما عذاریث هما اوقعا قلب المحب الصب فی الحین
فجد لہ بالوصل واسمح بہ ففیک قد هام بلا مین
اللہ اکبر یامحراب طرتہ کم ذا تصلی بنار الحب من صاح
وکم اقمت باحشائی حروب هوی فمنک قلبی مفتون بمحراب [1]

ایک رباعی میں وہ زمانے کا یوں شکوہ کرتے ہیں ۔

رمانی زمانی بما ساء نی ! فجاءت نحوس وغابت سعود
واصبحت بین الوریٰ بالمشیب علیلاً فلیت الشباب یعود

(۱) میرے زمانے نے مجھے ایسے تیر مارے ہیں جو مجھے بہت ناگوار گذرے ہیں ۔ اور جن کے باعث نحوستیں آگئیں ۔ اور خوش بختیاں غائب ہوگئی ہیں ۔
(۲) اب میں دنیا والوں میں بڑھاپے میں تشنہ لب پھرتا ہوں کاش جوانی لوٹ آتی ۔ [2]

دمامینی کی کتب ذیل میں سے بعض دستیاب ہیں ۔

(۱) تحفۃ الغریب فی شرح مغنی اللبیب ۔

مخطوطات ۔ برلن ۸ ــ ۶۷۲۷ ــ بوتھ ، ۷۶۹ ــ لیڈ ، ۲۱۷ ــ اسکر ۲۰۳
قاہرہ ، ۴/۵ ، ۷۵ ــ ینی ۹۸ ــ ۱۰۸۸ ــ حمیدیہ ، ۱۸۱۶ ــ نور عثمانیہ ، ۴۲۰۶ ۔
ینی جامع ۷۳۹ ــ ندوہ ۲۷۶ ــ آصفیہ ، ۲/۴۴ ، ۱۶۴ ــ علی گڑھ [12] ــ بانکی پور ، ۲۱۲۰ ۔

---

[1] البدر الطالع ج ۲ صــ ۱۵۱ ۔ [2] الضوء اللامع ج ۷ ص ۱۸۴ ۔ نزھۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۲۷
اتحاف النبلاء ص ۳۱۶ تاریخ ادبیات ج ۴ ص ۱۴۶،۱۴۷،۱۶۰۔

(۲) تعلیق الزائد علی تسہیل الفوائد وتکمیل المقاصد ۔

(۳) المنہل الصافی فی شرح الوافی ۔ لوحقہ ۲ ۷ ۹ ۔ رام پور، ۵۶ ۵ بانکی پور ۱۲۲۸ ۔

ظفرالوالہ میں آپ کا تذکرہ یوں ہے ۔

سلطان احمد کی وفات کے بعد بدر دامینی سلطان دکن احمد شاہ بہمنی کے پاس سفر کر گئے اور اپنی تالیف شرح المنہل کی انکی طرف نسبت کی چونکہ سلطان کا اور شیخ کا بھی نام احمد ہے ۔ اس لئے سلطان کو صرف لفظ بہمنی بڑھانے کی تکلیف کرنی تھی ۔ مگر اس قدر زیادتی سے وہ مستغنی تھے ۔ سخاوی کی الضوء اللامع میں ان کے مولد، نسب اور وفات کے متعلق تفصیل موجود ہے اور نسب یوں ہے ۔ احمد بن ابی بکر بن عمر بن ابی بکر بن محمد بن سلیمان بن جعفر ابن یحییٰ بن حسین بن محمد بن احمد بن ابی بکر بن یوسف بن علی بن صالح ابن ابراہیم البدر القرشی المخزومی السکندری المالکی ۔ لیکن سخاوی نے الضوء اللامع میں آپ کا نسب محامدہ میں ذکر کیا ۔ آپ کا مولد ۷۹۰ ھ ہے سکندریہ میں آپ پیدا ہوئے وہاں نشو ونما پائی ۔

آپ کے ترجمے میں لکھا ہے کہ آپ بڑے اچھے آدمی تھے تمام لوگوں سے الگ تھلگ رہنے والے تھے ۔ اپنے علاقے میں بڑی وجاہت والے عالم فاضل تھے ۔ بڑے حساس تھے ۔ ادب سے خاص لگاؤ تھا ۔ ۸۲۰ ھ کے قریب گلبرگہ میں آپ نے وفات پائی ۔

سخاوی کے علاوہ دوسروں نے یہ بھی کہا ہے "مَاتَ فِیْھَا مَسْمُوْمًا"، کہ گلبرگہ میں آپ کو زہر دیا گیا جس سے آپ کی وفات ہوئی ۔ [1]

---

[1] ظفرالوالہ ج ۱

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے آپ کے حالات بستان المحدثین میں تحریر کیا ہے کہ

تعلیق المصابیح ابواب الجامع الصحیح بدرالدین دمامینی

یہ کتاب ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر بن عمر بن ابی بکر قرشی مخزومی اسکندری کی تصنیف ہے۔ ان کا لقب بدرالدین ہے۔ اور دمامینی (یا ابن الدمامینی) کے نام سے مشہور ہیں۔

آپ اس حدیث کی شرح میں (جس میں حضرت صفیہ رضؓ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف تھے اور وہ آپؐ کی زیارت کے لئے مسجد میں تشریف لائی تھیں۔ جب مکان کو واپس جانے لگیں تو چونکہ رات زیادہ ہوگئی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پہنچانے کے لئے مسجد سے باہر تشریف لائے۔ راستہ میں ایک انصاری ملے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت صفیہ رضؓ کے ہمراہ دیکھ کر ایک طرف ایک گوشہ میں ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ: تَعَالَ هِيَ صَفِيَّةُ، (یعنی کچھ کھٹکا مت کرو چلے آؤ یہ تو صفیہ رضؓ ہیں) یہ کہتے ہیں کہ تعالَ کا لام ہمیشہ مفتوح پڑھا جاتا ہے خواہ مفرد سے خطاب کیا جائے یا غیر مفرد سے، خواہ مذکر سے یا مؤنث سے۔ ابی فراس بن حمدان کے بہت سے عمدہ اشعار میں مؤنث کو خطاب کرنے کے وقت لام کا کسرہ بھی واقع ہوا ہے۔ ان اشعار کی لطافت کے باعث میں چاہتا ہوں کہ ان کو نقل کروں۔ جب اس نے اپنے قریب ایک کبوتری کو نوحہ زن دیکھا تو یہ ابیات نظم کئے۔

ابی فراس بن حمدان کے چند اشعار

اقول وقد ناحت بقربي حمامةٌ   ایاجارتا هل تشعرين بحالي

جب میرے قریب ایک کبوتری نوحہ زن ہوئی تو میں اس سے کہتا ہوں اے میری پڑوسن
کیا تجھ کو میرے حال کی کچھ خبر ہے۔

مَعَاذَ النَّوَىٰ مَاذُقْتِ طَارِقَةَ النَّوَىٰ وَلَا خَطَرَتْ مِنْكِ الْهُمُوْمُ بِبَالِ

غم فرقت سے پناہ! خدا کرے تو کبھی کھٹکھٹا دینے والی جدائی کا مزہ نہ چکھے۔ اور
نہ کبھی غم تیرے دل میں واقع ہو۔

أَيَا جَارَةً مَا أَنْصَفَ الدَّهْرُ بَيْنَنَا تَعَالِي أُقَاسِمْكِ الْهُمُوْمَ تَعَالِي

اے پڑوسن میرے تیرے درمیان زمانہ نے انصاف نہیں برتا۔ چلی آتا کہ ہم غم کو باہم
تقسیم کرلیں چلی آ۔

تَعَالِي تَرَيْ رُوحًا لَدَيَّ ضَعِيفَةً تَرَدَّدُ فِي جِسْمٍ يُعَذَّبُ بَالِ

آجاتا کہ تو میرے پاس ایک ایسی کمزور روح کو دیکھے۔ ایسے جسم میں جو بوسیدہ
ہو گیا ہے اور عذاب دیا جاتا ہے۔

أَيَضْحَكُ مَاسُوْرٌ وَتَبْكِي طَلِيقَةٌ وَيَسْكُتُ مَحْزُوْنٌ وَيَنْدُبُ سَالِي

کیا قیدی ہنستا ہے اور آزاد روتا ہے۔ کیا غمزدہ خاموش رہتا ہے غمگین اور
بے غم نوحہ گر ہوتا ہے۔

لَقَدْ كُنْتُ أَوْلَىٰ مِنْكِ بِالدَّمْعِ مُقْلَةً وَلٰكِنَّ دَمْعِي فِي الْحَوَادِثِ غَالِي

بیشک میری آنکھ آنسو کیلئے تجھ سے زیادہ مستحق تھی۔ لیکن میرے آنسو حوادث
میں بہنے سے بالاتر ہیں۔

بدر الدین رح کی ولادت ۸۴۳ھ میں ہوئی۔ ابتداء ہی سے تحصیل علم میں مشغول
رہے۔ اور اسی میں نشو و نما پائی۔ سرعت ادراک اور قوت حافظہ میں اپنے ہمعصروں
میں یکتا تھے۔ خصوصاً علوم ادبیہ، نحو اور نظم و نثر میں تو سب پر صاف برتری

حاصل تھی، فقہیات، علم شروط اور سجلات میں بھی اصحاب فن کے ساتھ مشارکت تامہ رکھتے تھے۔ جامع ازہر میں ایک عرصہ تک علم نحو کے درس میں مشغول رہے پھر اسکندریہ لوٹ آئے۔ تحصیل مال کی طرف راغب ہوئے تو ایک بڑا کارخانہ کھولا اس میں بہت سے جولاہوں کو اجرت پر رکھ کر کام میں لگایا۔ تقدیر الٰہی سے عمارتِ کارخانہ میں آگ لگ گئی۔ اور سُوت و روئی نیز اس صنعت کا بہت سا سامان نذرِ آتش ہوگیا۔ بہت سا قرضہ ان کے ذمہ باقی رہ گیا۔ جب قرضداروں نے تنگ کرنا شروع کیا تو مجبوراً اسکندریہ سے صعید (بالائی مصر) کی طرف چل دیئے قرضداروں نے بھی انکا تعاقب کیا۔ آخر کار قاہرہ میں گرفتار ہوکر آئے۔ تقی الدین بن حجۃ اور ناصر الدین البارزی (کاتب السر) انکی پرورش و حمایت کے لئے کمربستہ ہوئے اور ان کا حال ایک حد تک اصلاح پذیر ہوگیا۔ پھر وہاں سے یمن کی طرف رحلت کی اور وہاں سے بلاد ہند پہنچے۔ اور شہر احمد آباد و گجرات میں جو اس وقت حسن آباد کے نام سے مشہور تھا آئے۔ یہاں انہیں اقبال نصیب ہوا۔ اور انہوں نے سلطانِ وقت سے بہت فائدہ اٹھایا۔ اب ان کی زندگی نہایت خوشحالی سے گزرنے لگی یہاں تک کہ ماہِ شعبان ۸۲۸ھ میں انتقال ہوگیا۔ چونکہ ان کی موت ناگہانی واقع ہوئی تھی اس وجہ سے لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ کسی نے ان کو زہر دیدیا ہے۔ واللہ اعلم (آپ شہر گلبرگہ، دکن میں مدفون ہیں)

علم حدیث میں ان کی صرف یہی شرح ہے مگر علم ادب میں ان کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں سے شرح تسہیل اور شرح خزرجیہ ہے، عروض میں ان کی تالیف جواہر البحور ہے۔ الفواکہ البدریہ بھی اُن ہی کی منظومات میں سے ہے۔

؛ مقاطع الشرب اور نزول الغیث[1] فی الارض علی الغیب الذی انسجم فی شرح لامیہ العجم والغیث الذی انسجم، بھی ان کی تالیف کردہ ہے۔ یہ (شرح لامیۃ العجم)

---

[1] نزول الغیث الذی انسجم فی شرح لامیۃ العجم للصفدی۔

علامہ صفدی کی تالیف ہے۔ جو صلاح الدین کے لقب سے ملقّب اور علم ادب میں یکتا و مشہور ہیں۔ جواہر البحور کی ایک شرح بھی لکھی ہے۔ اور تحفۃ الغریب فی شرح مغنی اللبیب بھی ان (بدرالدین) کی ہی تالیف ہے۔ ان کی منظومات میں سے یہ چند اشعار سپرد قلم ہیں۔

علامہ بدرالدّین دمامینی کے چند اشعار

أَيَا عُلَمَاءَ الْهِنْدِ إِنِّیْ سَائِلٌ — فَمُنُّوْا بِتَحْقِيْقٍ بِهٖ يَظْهَرُ السِّرُّ

اے علماء ہند میں ایک سوال پیش کرتا ہوں — پس راز کو حل کرنیوالی تحقیق سے واقف فرما کر مجھکو ممنون فرمائیں

أَرٰى فَاعِلًا لِلْفِعْلِ أُعْرِبَ لَفْظُهٗ — بِجَرٍّ وَلَا حَرْفٌ بِهٖ يُمْكِنُ الْجَرُّ[1]

ایک فعل کا فاعل ہے جسے جر کا اعراب دیا گیا ہے — حالانکہ کوئی حرف ایسا نہیں ہے جس سے جر دیا جا سکے

وَلَيْسَ بِمَحْكِيٍّ وَلَا بِمُجَاوِرٍ — لِذِى الْخَفْضِ وَالْإِنْسَانُ بِالْبَحْثِ يُضْطَرُّ

اور نہ وہ محکی ہے اور نہ کسی مجرور کے متصل ہے — اور انسان تفتیش و تحقیق کرنے پر مجبور ہے

فَهَلْ مِنْ جَوَابٍ عِنْدَكُمْ أَسْتَفِيْدُهٗ — فَمِنْ بَحْرِكُمْ مَا زَالَ يُسْتَخْرَجُ الدُّرُّ

تو کیا تمہارے پاس کوئی جواب ہے جس سے میں استفادہ کرسکوں — کیونکہ تمہارے سمندر سے ہمیشہ موتی ہی نکلتے ہیں۔

مترجم کہتا ہے کہ اس سے مراد لفظ صنبر ہے جو ذیل کے شعر میں ہاج کا فاعل واقع ہوا ہے۔ یہ شعر طرفۃ بن العبد کا ہے۔

بِجِفَانٍ تَعْتَرِیْ نَادِيَنَا — وَسَدِيْفٍ حِيْنَ هَاجَ الصِّنَّبْرِ

یہ اشعار بھی ان ہی کے ہیں۔

---

[1] بعض نے یہ شعر اس طرح لکھا ہے۔

فَمَا فاعل قد جر بالخفض لفظہ — صریحًا ولا حرف یکون بہ جر

اَلَایَا عَذَارِیُکَ هُمَا اَوْقَعَا قَلْبُ الْمُعَنّٰی لِصَبِّ فِی الْحَیْنِ

اے معشوق! اپنے رخساروں کی خبر لے۔ اس لئے کہ انہوں نے میرے مصیبت زدہ حیران دل کو موت کی ہلاکت میں ڈالدیا ہے

فَجُدْ لَہٗ بِالْوَصْلِ وَاَسْمِعْ بِہٖ فَکَیْفَ قَدْ ھَامَ بِلَا مَیْنٍ

پس اسکو وصل دیکر اسکے ساتھ سخاوت و بخشش سے پیش آ۔ اور ایسا تو کیوں نہ کرے جبکہ وہ بغیر جھوٹ کے (یعنی سچ مچ) سرگشتہ اور حیران ہے۔

یہ اپنے استاد سے ایک عجیب لطیفہ نقل کرتے ہیں کہ میں ایک روز اسکندریہ میں ان کے درس میں حاضر تھا ان کے تلامذہ میں سے ایک شخص نے انکی کتاب مختصر جو فقہ میں ہے پڑھتا تھا۔ کتاب الحج چل رہی تھی۔ اسی مجلس میں بعض ایسے طلبہ بھی حاضر تھے جو بحث و اعتراض کے زیادہ دلدادہ تھے۔ اتفاقاً اس میں ایک ایسی عبارت واقع ہوئی جس میں مضاف الیہ کی طرف ضمیر راجع ہوتی تھی۔ طالب علم مذکور نے جرأت کرکے استاد سے پوچھا نحوی کہتے ہیں کہ مضاف الیہ کی طرف ضمیر کو نہیں پھیرنا چاہیئے تو پھر یہ عبارت کیسے درست ہوئی۔ شیخ نے جواب میں فوراً یہ آیت پڑھی۔ قال اللہ تعالیٰ کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا۔ یعنی یحمل کی ضمیر حمار کی طرف جو مضاف الیہ ہے راجع ہے اس جواب میں جو لطافت ہے وہ پوشیدہ نہیں۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ مضاف الیہ کی طرف ضمیر کا لوٹانا منع نہیں ہے البتہ اگر مضاف اور مضاف الیہ دونوں کی طرف ضمیر کا راجع ہونا ممکن ہو تو اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ مضاف کی طرف ضمیر کو راجع کریں۔ کیونکہ کلام سے مقصود مضاف ہی ہوتا ہے۔ [1]

---

[1] بستان المحدثین صفحہ ۲۔

شیخ غوث الدین

متوفی ۲۲ر صفر ۸۳۵ھ - ۲۸ر اکتوبر ۱۴۳۱ء -

شیخ عالم فقیہ غوث الدین قادری بغدادی، آپکا وطن بغداد تھا وہاں سے ہندوستان تشریف لاکر احمد آباد کو اپنا وطن بنالیا تھا - جہاں خود ایک مدرسہ کی تعمیر کرائی جس میں برسوں مسندِ تدریس کو زینت بخشی۔ تعلیم وتلقین دونوں سے مسترشدین کو مستفیض فرمایا - حضرت شیخ یعقوب خوند میر اور ان کے علاوہ بے شمار مشائخ نے آپ سے استفادہ کیا تھا - قدس سرہٗ

۲۲ر صفر المظفر ۸۳۵ھ/ ۲۸ر اکتوبر ۱۴۳۱ء کو عالم ملکوت کو کوچ فرمایا - [1]
آپ بھی قلقشندی کے معاصر ہیں -

مُلّا جعفر

م ۱۳ر صفر ۸۴۶ھ ۲۱ر جون ۱۴۴۲ء

جماعت جعفریہ کے بانی، مُلّا جعفر، پٹن (گجرات) میں پیدا ہوئے، اور اسی جگہ ابتدائی تعلیم حاصل کی، متوسط تعلیم احمد آباد کے مدرسہ میں ختم کر کے یمن چلے گئے۔ جہاں سید شمس الدین علی داعی وقت تھے، چند سال کے بعد وہ ہندوستان واپس آئے، مگر چونکہ والئی ہند ملا حسن بن آدم کی اجازت کے بغیر گئے تھے، اسلئے سیدنا علی بن داعی وقت نے ان کو تعلیمی سند نہ عطا کی، اور نہ کوئی خطاب، ہندوستان پہنچ کر انھوں نے بغیر اجازت نماز پڑھادی، اس پر داعی اور ملا جعفر میں خوب خوب گرما گرم بحث ہوئی، آخر ملا جعفر

---

[1] نزہۃ الخواطر اردو ۱۵۱ عربی ۱۵۱ صـ ۱۱۷/۳

احمد آباد سے پٹن آئے۔ اور لوگوں کو تشیع سے تسنن کی طرف دعوت دینی شروع کی، اور اس میں بہت کامیاب رہے۔ یہ واقعہ تقریباً ۸۳۰ھ کا ہے، جو احمد شاہ اول بانی احمد آباد کا عہد ہے۔ ملا جعفر نے گجرات کا دورہ کر کے اپنی تبلیغ کو بڑی وسعت دی ۸۴۶ھ ۱۴۴۲ء میں بعہد محمد شاہ بن احمد شاہ وہ احمد آباد آئے، دربار میں ان کی بڑی عزت افزائی ہوئی عرصہ تک اپنے فرائض ادا کرتے رہے، آخر شیعہ بوہروں نے چانپانیر آنے کی دعوت دی، جو ایک خود مختار راجہ کا پایۂ تخت تھا۔ جب جعفر صاحب وہاں پہنچے تو چند دنوں کے بعد شیعہ بوہروں نے بر سر بازار ۱۳ صفر آپ کو قتل کر دیا اسی جگہ ان کا مزار ہے، اس کے بعد انکا کوئی جانشین نہ ہوا، لیکن جعفری اورنگزیب عالمگیر کے عہد تک ان سے مناظرہ اور مکالمہ کرتے رہے آجکل جعفری اپنے کو جعفری نہیں کہتے، بلکہ سُنی بوہرہ کہتے ہیں۔ [1] ملا جعفر علامہ مقریزی کے ہمعصر ہیں،

سیّد محمّد خدا بخش

م ۵ جمادی الثانی ۸۴۷ھ

سید محمد جو سید خدا بخش کے نام سے معروف ہیں۔ میر سیّد محمد بن حضرت سید حسین جو حضرت سراللہ المتعال کے مرید تھے۔ سراللہ المتعال مخدوم سید راجو قتال کے مرید تھے۔ اور حضرت قطب عالم کے خلیفہ تھے آپ اُوچ شریف سے بی بی سعادت خاتون (جو حضرت قطب عالم کی والدہ ہیں) کے ہمراہ حضرت سید راجو قتال کے حکم سے یہاں تشریف لائے تھے۔ حضرت قطب عالم کے ہمرکاب آپ پٹن پہنچے تھے۔ اور علم صوری و معنوی کا اکتساب اپنے والد بزرگ کی خدمت سے انہوں

---

[1] معارف ج ۵۴ ص ۲۲۳، ۲۲۴۔ تذکرہ علامہ شیخ محمد بن طاہر پٹنی ص ۲۵

نے کیا تھا۔ اور اپنے پیر و ستگیر سے بھی علوم حاصل کئے تھے۔ آپ فقیہ کامل اور بڑے محدث تھے، اور سلسلہ چشتیہ سے آپ ارادت رکھتے تھے۔

۵ رجمادی الثانی ۸۴۷ھ میں دوشنبہ کے روز آپ نے رحلت فرمائی۔ سلہ

؛ آپؒ حافظ ابن حجر عسقلانی رح کے معاصر ہیں،

شیخ حاجی رجبؒ

ظفر الوالہ میں صرف اتنا لکھا ہے کہ!

جس وقت عماد الملک جالور اور سانچور کو فتح کرنے کے لیے مامور ہوئے تو قطب ربانی شیخ حاجی رجب کے آنگن میں پہلے جاکر اترے یہ ۸۵۰ھ میں ہوا۔ سلہ

شیخ عزیز اللہ مندوی

م ۲۳ / صفر سنہ ۸۵۲ھ ۲۶ / اپریل سنہ ۱۴۴۸ء

فقیہ عزیز اللہ بن یحییٰ بن لطف اللہ عمری مندوی۔ شہاب فرخ شاہ عمری کابلی کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت رکن الدین مودود گجراتی کی خدمت میں برسوں باریاب رہے حتیٰ کہ مرتبہ کمال تک پہنچے۔ پھر احمد آباد اور دکن کے کئی شہروں سے گذر کر منڈو (مالوہ) میں فروکش ہو گئے۔ زہد، توکل اور قناعت وضبط میں کوئی انکا نظیر نہ تھا۔

سلہ خاتمہ مرأت احمدی صہ ۱۱۴۔ سلہ ظفر الوالہ صہ ۲۶/۱۲۰

کسی قسم کا نذرانہ قبول نہ کرتے نہ اپنے پاس کسی چیز کا اندوختہ رکھتے ۔ایک مرتبہ قلب پر قبض کی سی کیفیت طاری ہوئی تو تلاش پر معلوم ہوا کہ بی بی صاحبہ نے ایک روٹی کا ٹکڑا بچا لیا تھا جسے بچے کیلئے دودھ میں بھگو دیا جب شیخ کو اس بات کا علم ہوا تو بی بی صاحبہ کو حکم دیا کہ دودھ میں بھیگی ہوئی روٹی کسی کو دیدیں اور آئندہ کبھی گھر میں کسی قسم کا اندوختہ جمع نہ رہنے دیں (بحوالہ گلزار ابرار)

شیخ کے پانچ فرزند تھے (۱) سعد اللہ (۲) رحمت اللہ (۳) حسن سرمست (۴) نصر اللہ (۵) شہر اللہ ۔(بحوالہ مجمع البحار) کتاب خزینۃ الاصفیاء میں جو آپ کا سنِ رحلت ۹۱۲ھ لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہو سکتا ۔ آپ حافظ ابن حجر عسقلانی کے ہمعصر ہیں ۔

شاہ موسیٰ سہاگ

م ۸۵۳ھ ۔ ۱۴۴۹ء

حضرت شاہ موسیٰ سہاگ مردِ کامل تھے ۔ شاہ سکندر بود کے مرید تھے ۔ سدا سہاگ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے ۔ہجڑوں کے ہمراہ محفل سماع کرتے اور گاتے تھے ۔ [1]

آپ کی کرامتوں کا شہرہ بہت تھا ۔ایک مرتبہ احمد آباد میں بارش نہیں ہو رہی تھی بادشاہ نے شہر کے قاضی کو دعاء کرنے کے لئے کہا قاضی نے کہا کہ میرے دعاء کرنے سے کچھ نہ ہوگا ۔

آپ شاہ موسیٰ سہاگ سے دعا کرائیے ، وہ دعا کرینگے تو ضرور بارش ہوگی ۔ بادشاہ اور قاضی دونوں حضرت کے مکان پر حاضر ہوئے اور آپ سے التجا کی کہ دعا کریں کہ بارش ہو اور خشک سالی دور ہو ۔آپ نے فرمایا تم دونوں کو دھوکہ ہوا ہے ۔ شاہ موسیٰ تو

---

[1] نزھۃ الخواطر اردو صـ۵۲۷ ۔ تذکرہ صوفیائے میوات صـ۲۲

کوئی اور ہونگے ان کے پاس جاؤ اور ان سے دعا کراؤ میں تو ایک گنہگار بندی ہوں اور یہاں لوگوں میں رہکر اپنا گذارا کرتی ہوں۔ بادشاہ اور قاضی برابر اصرار کرتے رہے چنانچہ آپ راضی ہو گئے۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو تھے آپ نے دعا کی کہ اے میرے خاوند اگر تو نے میری التجا قبول نہ کی اور پانی نہ برسایا تو میں اپنا سہاگ چھوڑ دونگی۔ یہ کہہ کر اپنی چوڑیاں توڑنے لگے کہ آسمان پر ابر نمودار ہوا اور زور کی بارش ہوئی۔ [۱]

آپ زنانہ لباس پہنتے تھے۔ احمد آباد کے علماء نے ایک دفعہ آپ کو جامع مسجد بلایا آپ وہاں گئے۔ علماء نے آپکی مرضی کے خلاف آپ کا زنانہ لباس اتروایا اور آپ کو سفید لباس پہنایا۔ وضو کرکے آپ نماز میں شریک ہوئے اللہ اکبر کہتے ہی وہ سفید لباس سرخ ہو گیا۔ نماز کے بعد آپنے فرمایا کہ میرا میاں کہتا ہے کہ تو سہاگن رہ اور یہ مولوی کہتے ہیں رانڈ ہو جا میں تو میاں کے کہنے پر چلونگی۔ یہ کرامت دیکھ کر علماء متعجب ہوئے اور آپ کو آپ کے حال پر چھوڑ دیا۔

شاہ موسیٰ سہاگ کی وفات ۸۵۳ھ ۱۴۴۹ء میں ہوئی۔ مدفن احمد آباد گجرات ہے۔ [۲]

مرزا حسن نے آپ کے متعلق لکھا ہے کہ:

مشہور ہے کہ آپ بھی سلسلۂ چشتیہ سے ارادت کا تعلق رکھتے تھے اور ہاتھوں میں چوڑیاں پہنتے تھے اور رقاصہ اور رگانے والوں کے طائفہ میں رہتے تھے، اور اس لباس میں رہکر اپنے آپ کو پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے

روضات شاہی میں لکھا ہے کہ میاں موسیٰ درویش جو موسیٰ سہاگ کے نام

---

[۱] اولیائے ہند و پاکستان صفحہ ۳۲۰۔ تذکرہ صوفیائے گجرات۔ [۲] نزہۃ الخواطر اردو صفحہ ۵۲۳
تذکرہ صوفیائے میوات صفحہ ۶۶۔

سے مشہور تھے، شہر احمدآباد میں سکونت پذیر تھے اور ہمیشہ اپنے ہاتھ میں چوڑیاں پہنتے تھے ایک روز جب کہ آپ کا وقتِ موعود آپہنچا تو حضرت شاہ عالم کو مکشوف ہوگیا۔ حضرت نے اپنے خلیفۂ خاص میاں مخدوم سے فرمایا کہ میاں موسیٰ سہاگؒ کا انتقال ہوگیا، تم جلدی جلدی جاؤ اور ان کے تجہیز و تکفین وغیرہ میں شریک ہوجاؤ اور خبردار! ان کی چوڑیاں ان کے ہاتھ سے نہ نکالنا؛ کما تعیشون تموتون؛ کے موافق ان کو سپردِ خاک کردیا گیا۔ اسی طرح وہ زندگی کے ایام میں اپنے آپ کو عامیانہ لباس ۔۔ میں رکھ کر لوگوں سے چھپانا چاہتے تھے تو مرنے کے بعد بھی انکی قبر نامعین رہی کہ چار قبروں میں سے جو اس احاطہ میں ہیں۔ معلوم نہیں کہ آپ کی قبر کونسی ہے۔ ۔ ۔ باغ شاہی کے کنارے پر آپ کا مزار ہے دہاں چار قبریں ہیں۔ [1]

شیخ کبیرالدّینُ ناگوری

(م ۱۷ر ذیقعدہ ۸۳۵ھ/۸۵۶ھ ۱۵ر جولائی ۱۴۳۲ء/۱۴۵۲ء)

شیخ کبیرالدین ابن فریدالدین بن عبدالعزیز ناگوری مشہور عالم ربانی، بڑے بزرگ اور بلند مرتبہ ولی تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں آپ کو کمال حاصل تھا۔

ان کی یادگاران کی تصانیف ہیں۔ منجملہ ان کے ایک بہت اہم شرح المصباح فی النحو ہے جس کا نام وزن ہے۔ گلزار ابرار میں تحریر ہے کہ کافروں کی فرقہ پردازیوں کیوجہ سے ہجرت کرکے گجرات تشریف لائے اور احمدآباد میں اقامت اختیار کی اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور عرصۂ دراز تک آپکا چشمۂ فیض جاری

---

[1] خاتمہ مرآت احمدی ص۲۳۔

رہا۔ بہت سے لوگوں نے آپ سے نفع حاصل کیا اور آپ سے فیض یاب ہوئے آپ سے مستفید ہونے والوں میں اہم ترین شخصیت شیخ حسین بن خالد ناگوری کی ہے۔

وفات: ۱۰ ذیقعدہ ۸۳۵ یا ۸۵۶ھ میں وفات پائی اور احمد آباد میں دفن ہوئے۔ ۱۵ جولائی ۱۴۳۲ء یا ۱۴۵۲ء [1]

آپ تقی الدین الفاسی رح کے ہم عصر ہیں۔

خزینۃ الاصفیاء میں آپ کے متعلق اس طرح لکھا ہے کہ!

آپ حضرت شیخ فرید بن عبدالعزیز صوفی حمیدالدین ناگوری قدس سرہم کی اولاد میں سے تھے۔ اور اس سلسلہ میں مرید بھی تھے۔ علوم ظاہری اور باطنی میں کمال حاصل تھا، آپ کی کتاب "ضوء المصباح" بڑی بلند پایہ تصنیف ہے۔ آپ کافی عرصہ ناگور میں رہے مگر جب ناگور میں ہندو مسلم فساد ہوا تو آپ ناگور کو چھوڑ کر گجرات چلے آئے۔ اور ۵ ربیع الاول ۸۵۸ھ/۴ مارچ ۱۴۵۴ء کو رحلت فرمائی۔

قطعۂ تاریخ

بخت چو رفت از جہاں فنا
کبیر آں شہ پیر برنا و پیر
بتاریخ ترحیل آں شاہ دین
بگو قبلہ اہل جنت کبیر

---

[1] اذکار ابرار۔ تذکرہ صوفیاء میوات۔ اخبار الاخیار نزہۃ الخواطر اردو ص۱۶۹ ایضاً عربی ص۱۲۹ ص۱۶۲

شیخ کمال الدین کرمانی

(۸۶۵ھ — ۱۴۶۸ء م)

شیخ کمال الدین کرمانی، اولیار سالکین راہ خدا میں سے تھے۔ آپ کے شیخ طریقت شیخ نعمت اللہ کرمانی ہیں۔ آپ ہندوستان وارد ہوئے اور احمد آباد میں اقامت اختیار فرمائی اور قبول عظیم آپ کو حاصل ہوا۔ آپ نے ۸۷۵ھ میں انتقال فرمایا۔ ؎

خاتمہ مرأت احمدی میں ہے کہ

حضرت قطب عالم ایک مرتبہ شیخ کمال کرمانی کی زیارت کے لئے تشریف لیگئے تھے۔ اور آپ کے دستِ مبارک میں سیاہ دانوں کی تسبیح تھی۔ شیخ کمال کہنے لگے کہ سیاہ دانوں کی تسبیح موروثِ فقر ہے۔ حضرت فرمانے لگے کہ کوئی شخص بطور فخر کے فقر کو اختیار کئے ہوئے ہو اس کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں۔ شیخ کمال نے دونوں ہاتھ اپنے سر پر مار کر عرض کیا کہ کمال کی کیا مجال ہے کہ آپ کے موروثی اختیاری فقر کا قصہ زبان پر لائے۔ لیکن اس قسم کی تسبیح رکھنا موجب فقر اضطراری ہے۔ اس لئے گستاخی میری طرف سے ہوئی۔ حضرت قطب عالم نے اپنی تسبیح کو کھول لیا اور شیخ کمال نے بھی اپنی تسبیح کو جو مرجان کے دانوں کی تھی کھول لیا۔ اور اب دونوں تسبیح کے دانوں کو ملا کر دو تسبیح جو سرخ اور سیاہ دانوں پر مشتمل تھیں بنالی گئی۔

ایک قطب عالم نے رکھ لی اور ایک شیخ کمال نے رکھ لی۔ یہ شیخ کمال سید نعمت اللہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ اور سید نعمت اللہ شیخ مکہ عبداللہ یافعی کے مرید اور خلیفہ تھے شیخ کمال کرمانی کی قبر بہرام پور میں واقع ہے۔ ؎

آپ ابن الہمام کے معاصر ہیں۔

؎ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۲۹ ص ۱۲۲ ۔ ؎ خاتمہ مرأت احمدی ص ۹۶ ۔

شیخ حسن بن محمدؒ اساولی

(متوفی ۱۳ رشوال ۸۷۰ھ/۲۷ رمئی ۱۴۶۶ء)

شیخ حسن بن محمد اساولی ۔ آپ کا معروف نام اڈہن ہے خطہ گجرات کے ممتاز شیخ طریقت ہیں ۔ آپ عالم ارواح اور عالم اجسام دونوں کے رموز سے آگاہ اور عقلی اور نقلی کتب کے عالم تھے ۔

آپ کی ولادت ۸۱۴ھ/۱۴۱۱ء میں ہوئی ۔

آپ نے بہت سے مشائخ سے ملاقات کی اور ان سے فیض حاصل کیا ۔ طریقت میں حضرت عبداللہ بن محمود حسینی سے فیض حاصل کیا ۔ ان کے بعد شیخ نصیر بن جمال نوساوری کی خدمت میں رہے اور خرقہ خلافت سے نوازے گئے ۔

آپ نے ۱۳ رشوال ۸۷۰ھ ۲۷ رمئی ۱۴۶۶ء کو انتقال فرمایا ۔ آپکی قبر اساول میں ہے ۔ اساول احمد آباد کی ایک بڑی بستی کا نام ہے ۔ [1] (آپ قاسم بن قطلو بغاء کے معاصر ہیں)

بی بی خوندکاروی والدہ سید خوندمیر

بی بی خوندکاروی گیارہویں صدی ہجری یعنی سترہویں صدی عیسوی کی ایک بزرگ خاتون ہیں ۔ برصغیر میں جہاں مردوں نے اسلام کی خدمت اور دین کی تبلیغ کے لئے بزرگی کا مسلک اور تصوف کا راستہ اختیار کیا ہے عورتوں میں سے بھی بعض نے

---

[1] گلزار ابرار صـ۱۵۳ ۔ نزھۃ الخواطر عربی ۱۹۱۔ ج ۳ صـ۲ ۔

مقدور کیجر اس مرتبہ و شرف کو پایا ہے۔

مولوی نور احمد فریدی نے سید خوند میر اور انکی والدہ بی بی جیو کا حال لکھا ہے سید خوند میر کے متعلق مرزا محمد حسن، مرآۃ احمدی، جلد دوم میں لکھتے ہیں کہ سید بڈا ابن سید یعقوب کے بیٹے تھے۔ خلافت اپنے چچا سید شادی بن سید یعقوب بن سید محمود کبیر برادر سید حسین خنک سوار (خلیفہ حضرت سلطان الاولیاء والمشائخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ) سے حاصل کی تھی۔ جب حضرت خوند میر ابھی دودھ پیتے بچے تھے تو ان کی والدہ بی بی جیو وضو کرتیں، دوگانہ ادا کرتیں اور بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اٹھا کر کہتیں۔ یا الٰہی اگر یہ بچہ تیرے پسندیدہ لوگوں میں سے ہے تو اسے زندہ رکھیو ورنہ اسے موت دے دیجیو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خوند میر کو وہ نادر رجہ عطاء کیا کہ خود بی بی خوند جیو ان کی مرید ہوئیں۔ بڑی ہی صالحہ، عابدہ، شب بیدار اور نیک خاتون تھیں۔ کئی تذکرہ نگاروں نے ان کا اور ان کے اوصاف کا ذکر کیا ہے۔ عبدالجبار ملکاپوری نے "محبوب ذی المنن تذکرہ اولیائے دکن" میں ان کے حال میں لکھا ہے کہ رابعہ ثانیہ تھیں۔ بی بی پورہ واقع احمد آباد میں مدفون ہیں۔ میر علی شیر قانع نے "تحفۃ الکرام" میں بھی انکے اوصاف کا ذکر کیا ہے۔[1]

شیخ خوند میر

(م ۱۰ ربیع الثانی ۸۷۴ھ/۱۲ اکتوبر ۱۴۶۹ء)

شیخ فقیہ خوند بن سید بڈھا بن یعقوب بن محمود حسینی۔ آپ کا مولد منشاء گجرات ہے۔ اپنے چچا شادی بن یعقوب سے پڑھا اور انہی سے طریقت میں سرفراز ہو کر

---

[1] تاریخ ادبیات ج ۶ ص ۲۴۲۔

پٹن سے احمد آباد تشریف لائے ۔ یہاں شیخ عبداللہ بن محمود حسینی سے اکتساب کیا۔
آپ نہایت بارعب شخصیت کے مالک تھے ۔ آپ سے ہزاروں افراد نے
کسب فیض کیا ۔ آپ کے کشوف کرامات مشہور ہیں ۔ آپ نے ۱۰ ربیع الثانی
۸۷۴ھ/ ۱۶ اکتوبر ۱۴۶۹ء میں رحلت فرمائی ۔ [1]
خاتمہ مرآت احمدی میں آپ کا ذکر تفصیل سے ہے لکھا ہے کہ :
سادات عریضی میں سید خوندمیر ہیں ۔ سید خوندمیر بن سید بڈھا بن سید
یعقوب ۔ آپ نے بیعت کا تعلق اپنے چچا سے استوار کیا تھا اور انہی سے خلافت
پائی تھی، جن کا اسم گرامی سید شادی بن سید یعقوب بن سید محمود بن سید کبیر۔
جو سید حسین خنک سوار کے بھائی ہیں ۔ اور یہ سید حسین خنک سوار حضرت سلطان
المشائخ نظام الدین اولیاء رح کے خلیفہ تھے ۔ ولایت عجم سے آکر پٹن میں مقیم ہوئے
اور وہیں مدفون ہیں ۔ بیان کرتے ہیں کہ جب سید خوندمیر ایام ——
رضاعت میں دودھ کے خواستگار ہوتے تو آپ کی والدہ ماجدہ بی بی جیو
تازہ وضو فرماتیں اور دوگانہ نماز ادا فرماتیں اور حق تعالیٰ شانہ، سے دعا کرتیں
کہ الٰہی اگر یہ بچہ تیری بارگاہ میں مقربین میں سے ہونے والا ہے تو اس کی حفاظت فرما
ورنہ اس کا خاک ہو جانا بہتر ہے ۔ اس دعا کے بعد وہ آپ کو دودھ پلاتیں ۔
ڈھائی سال کی عمر کے بعد والدہ ماجدہ نے آپ کی تربیت فرمائی ۔ اور آپ کے
چچا والدہ کی اس پرورش کرنے میں انکی مدد فرماتے تھے ۔ آپ کے چچا نے آپ
کے ظاہر و باطن کی اچھی طرح تربیت فرما کر بارہ سال ہی کی عمر میں اپنا قائم مقام بنا دیا
تھا ۔ اور اس کے بعد وہ رحلت فرما گئے تھے ۔ —— آپ چچا کی رحلت کے

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۳ ۔

بعد مخدوم سید حسین کی بشارت پر اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ پٹن سے منتقل ہو کر احمد آباد میں سکونت پذیر ہو گئے۔ یہاں آکر نکاح کیا اور حضرت سید برہان الدین قطب عالم کی خدمت میں رہکر فیضیاب ہونے لگے۔ نیز شیخ عبدالفتاح سے بھی تلقین حاصل کرتے رہے۔ اور ان سے بھی فیوض پاتے رہے۔ سید عبدالفتاح جو سید علاؤالدین کے خلیفہ تھے اور وہ سید محمود گیسو دراز کے خلیفہ تھے۔ سید خوندمیر کہا کرتے تھے کہ جو نعمت میں حاصل کرتا ہوں اس کو تین حصوں میں منقسم کرتا ہوں ایک اپنے لئے اور ایک اپنے فرزندوں کے لئے اور ایک بندگان خدا کے لئے۔ اگر وہ نیک صلحار میں سے ہوں تو میں ان پر ایثار کرتا ہوں کہتے ہیں کہ ملک شعبان جو سلطان احمد کے وزیر تھے یہ آپ کے یعنی سید خوندمیر کے بڑے معتقد تھے مگر وہ امور سلطنت میں انتظام، امور سلطنت کی نگرانی اور انتظامات کی ذمہ داری کی بنا پر حاضر خدمت نہیں ہو سکتے تھے اس لئے اپنے صاحبزادے ملک خوش باش کو آپ کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے کہ وہ روزانہ آپ کی خدمت میں جائے اور دعا کے لئے درخواست کرے۔ ایک روز بی بی جی جو سید خوندمیر کی والدہ ماجدہ تھیں۔ انہوں نے سید سے فرمایا کہ ملک شعبان سے قبرستان کی زمین مانگو۔ سید خوندمیر نے وزیر کے صاحبزادے

ملک خوش باش سے فرمایا اور انہوں نے ملک شعبان وزیر تک پیغام پہنچایا۔ ملک شعبان نے بارہ گاؤں کا پروانہ ان کے نام لکھدیا مگر قبول نہیں کیا، اس وقت ملک خوش باش نے عرض کیا کہ میں نے خود اپنے لئے ایک قبرستان کی جگہ لی ہوئی ہے اگر آپ چاہیں تو قبول فرمائیں۔ بی بی جی بہل کے اوپر سوار ہو کر وہاں گئیں اور اس جگہ کو ملاحظہ فرما کر کہنے لگی کہ "این جائے ما است"، کہ یہ ہماری جگہ ہے۔ اس کے

بعد جب پہلے ملک خوش باش کا انتقال ہوا تو ان کو اسی جگہ دفن کیا گیا اور سید خوندمیر کا انتقال ۴ ۷ ۸ ھ ۴ ربیع الثانی کو ہوا۔ اور بی بی پور میں اپنے والدہ ماجدہ کے مقبرہ میں آپ کو دفن کیا گیا۔ بی بی جی خود اپنے صاحبزادے سید خوندمیر سے بیعت تھیں آپ کے والد ماجد بڑے صاحبِ تقویٰ تھے۔ ان کی والدہ ماجدہ مغلی جو مولانا ضیاء کی صاحبزادی تھیں بڑی ورع و تقوی والی اور عفیف پاکدامن خاتون تھیں بزرگوں سے فیض پایا تھا۔ جب ان کے شوہر کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت بیٹے کی عمر ڈھائی سال تھی ان کی پرورش و تربیت کی جب کمال کو پہنچے تو ان کی مرید ہوئیں۔ ایک روز اپنے صاحبزادے کو ایک اشرفی دی کہ بازار سے کپڑا خرید کر لے آو۔ اتفاق سے راستہ میں ان کے ہاتھ سے اشرفی گر گئی جب زمین پر گری تو دیکھا کہ وہاں پہلے سے ایک اشرفی پڑی ہوئی تھی تو دو اشرفیاں ہیں دونوں کو زمین پر چھوڑ کر گھر واپس پہنچے پوچھا کپڑا کیوں نہیں لائے عرض کیا کہ اشرفی میرے ہاتھ سے گر گئی تھی جب میں نے دیکھا تو ایک کے بجائے دو تھیں میرے دل میں خوف آیا کہ مبادا کسی دوسرے کا حق ہو جو میرے ہاتھ میں آجائے اس لئے میں نے دونوں ہی کو وہاں چھوڑ دیا معلوم نہیں تھا کہ میری کون سی ہے اور پہلے سے گری ہوئی کونسی ہے۔ ۴ رجمادی الثانیہ کو انہوں نے وفات پائی[۱]

: آپ قاسم بن قطلوبغا اور صاحبُ النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرۃ، ابن تغری البردی کے ہم عصر ہیں۔

---

[۱] تما تر مراۃ احمدی صـــ

سیّد یعقوب چشتی

سیّد یعقوب چشتی سید خوندمیر کے صاحبزادے ہیں۔ اور اپنے والد محترم سے بیعت تھے، بچپن میں بڑے صبیح و ملیح نہایت خوبصورت تھے۔ ملک محمد اختیار کو خیال گذرا کہ اتنے خوبصورت لڑکے ہیں کہ ایک ہی نظر میں وہ ہمیشہ کیلئے منظور بن جاتا ہے سیّد خوندمیر نے کشف باطن سے ملک محمد اختیار کا حال معلوم کر لیا تو بچے کو پاکیزہ لباس پہنا کر ملک کے سپرد کر دیا کہ اس کو میں آپ کی فرزندی میں دیتا ہوں، ملک محمد اختیار اپنی صحبت میں ان کو رکھنے لگے علم ظاہری و باطنی سے انکو آراستہ کیا اور نہایت ہی شفقت کی وجہ سے خوند سعید لقب دیا کرتے تھے۔ ایک روز سیّد خوندمیر نے ملک محمد اختیار سے درخواست کی کہ اپنے سر کی کلاہِ مبارک سید یعقوب کو عنایت کیجئے۔ سید یعقوب نے انکار کرتے ہوئے عرض کیا کہ یہ عنایت میرے بھائی ملک مسکین پر ہو جائے جو ملک محمد اختیار کے صاحبزادے تھے۔ اپنے گھر جب پہنچے تو سیّد خوندمیر نے سید یعقوب کو ڈانٹا کہ میں نے تمہیں ایک کام کے واسطے سپرد کیا ہوا تھا آج وہ میسر آرہا تھا اور تم نے انکار کر دیا۔ کچھ نقدی سیّد یعقوب کو دی اور فرمایا کہ اس کا میوہ خرید کر حضرت ملک کی خدمت میں لے جاؤ اور عرض کرو کہ مجھے بہت تمنا اور آرزو ہے کہ وہ کلاہِ مبارک عنایت ہو جائے۔ جب حضرت ملک کی خدمت میں پہنچے اور آرزو ظاہر کی تو تو فرمانے لگے کہ یہ خوند سعید کی طرف سے نہیں ہے بلکہ یہ بڑے خوندکار کی طرف سے درخواست ہے اور اپنے سامنے بلوا کر نعمت ایثار فرمائی اور کلاہِ مبارک اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر رکھی اور فرمایا کہ اگر کام سونپنا اور نعمتوں کا عنایت کرنا میرے ہاتھ میں ہوتا تو اپنے فرزند کو دیتا مگر ہم تو

امانتدار ہیں، حق تعالیٰ شانہ، کا خزانہ ہمارے ہاتھ میں امانت ہوتا ہے جہاں حکم ہوتا ہے وہاں دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ آپ کے متعلق حکم ہوا ہے کہ تم فرزند سے بھی زیادہ عزیز ہو۔ اس وقت سید یعقوب نے اپنے بھائی ملک مسکین کے لیئے پھر سفارش کی تو فرمایا کہ تم اپنی طرف سے دے دو۔ اس پر سید یعقوب نے وہ کلاہ مبارک ملک مسکین کو دے دیا۔ ان کے ملفوظات میں ملتا ہے کہ شاہ عالم و سید یعقوب کے درمیان بڑا زبردست اتحاد تھا۔ ستر دفعہ اس طرح کی صحبتیں رہی ہونگی کہ از راہ محبت ایک دوسرے کے کپڑے ادل بدل لیتے تھے اور یہ کہکر پہنتے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کہ یہ پیراہن خلافت میں پہن رہا ہوں سلاطین و امراء صلحاء و مشائخ، اہل سلوک ہر طبقہ کے لوگ آپ کی خدمت میں آتے ہر ایک اپنا مدعیٰ عرض کرتے اور فیضیاب ہوتے اور معمولات کی اس قدر پابندی فرمایا کرتے تھے گویا معلوم ہوتا تھا کہ اوراد کا فوت ہوجانا اس درویش کے نزدیک موت سے بھی بدتر ہے۔ فرماتے کہ: الفوت اشد من الموت ۹۲۷ھ ۲ ذی قعدہ آپنے انتقال فرمایا۔ لہ آپ قاسم بن قطلوبغا کے ہم عصر ہیں۔

شیخ محمود بن عبداللہ بخاری

از ۲۳ رمضان المبارک سنہ ۸۰۹ھ تا ۱۴ ذیقعدہ سنہ ۸۸۰ھ

۲ مارچ ۱۴۰۷ء - فروری/مارچ ۱۴۷۶ء

شیخ محمود بن عبداللہ بن محمود بن الحسین حسینی بخاری۔ آپ کا لقب ناصرالدین اور کنیت ابوالحسن تھی۔ گجرات کے مشہور مشائخ میں سے تھے، مولد پٹن اور مدفن قریہ بٹوہ احمد آباد ہے سلطان خاتون بنت خداوندخاں انکی والدہ تھیں۔ اپنے والد سے برسوں پڑھتے

لہ خاتمہ مرات احمدی ص۔

رہے اور ان کی رحلت کے بعد مسندِ مشیخت پر متمکن ہوئے ۔ بہت سے لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا۔ ؎ بحوالہ مرآۃ احمدی

شاہ جلال الدین

(م ۸۸۱ھ - ۱۴۷۶ء)

آپ حضرت شیخ پیارا کے خلیفہ اعظم تھے ۔ بڑے صاحبِ تصرف اور کامل شیخ طریقت تھے ۔ آپ کا وطن گجرات تھا، مگر بنگال میں زندگی بسر کی ، اخبار الاخیار اور معارج الولایت میں لکھا ہے کہ آپ اپنی خانقاہ میں ایک شاہانہ تخت پر بادشاہوں کی طرح بیٹھتے تھے اور اپنے مریدوں اور خادموں کے نام بادشاہوں کی طرح فرمان جاری کیا کرتے تھے ۔ آخر ایک بدباطن شخص نے بادشاہِ وقت کے کان بھرے کہ شاہ جلال الدین آپکی سلطنت کے اندر ایک متبادل سلطنت چلا رہے ہیں یہ سلسلہ قائم رہا تو ایکدن آپکو اپنی سلطنت سے ہاتھ دھونا پڑے گا ۔ بادشاہ اس کی باتوں میں آگیا ۔ اور فوج کو حکم دیا کہ شاہ جلال الدین اور ان کے مریدوں کو قتل کر دیا جائے ۔ چنانچہ فوج نے بڑھ کر خانقاہ پر حملہ کرکے آپ کو مریدوں سمیت قتل کر دیا ۔ فوج خانقاہ میں آپ کے مریدوں کو تہہ تیغ کر رہی تھی ۔ تو شاہ جلال الدین یا قہار یا قہار کا نعرہ لگا رہے تھے ۔ مگر جب آپ پر تلوار چلائی گئی تو آپ نے تین بار یا رحمٰن یا رحمٰن کا نعرہ مارا آپ کا سر تن سے جدا ہو کر گر پڑا آپ کے سر سے اللہ اللہ ، اللہ کی آواز آ رہی تھی ۔ ؎ آپ قاسم بن قطلوبغا کے ہم عصر ہیں ،

آپ کی شہادت کا یہ واقعہ ۸۸۱ھ/۱۴۷۶ء میں ہوا ۔

؎ نزھۃ الخواطر ص ۱۹۵ ۔

رفت چوں از جہاں سجادہ بریں
شیخ والا جلال عالی جاہ

گفت سرور بسال رحلت او
والی حق جلال شہنشاہ [1]

شیخ احمد بن برہان الدین آخر الاولیاء

(متوفی ۲۲ ربیع الثانی ۸۸۲ھ / ۱۲ اگست ۱۴۷۷ء)

شیخ عالم صالح احمد بن برہان بن ابو محمد ابن ابراہیم بن محمد الغوری شاہان غوریہ گجراتیہ کی نسل سے تھے۔ مولد و منشا گجرات ہے۔ شیخ صدر جہان گجراتی سے پڑھا اور طریقت میں شیخ محمد بن عبداللہ حسینی البخاری سے فیضیاب ہوئے حتی کہ مرتبۂ کمال تک پہنچے اور ان سے بہت سے لوگوں نے اکتساب کیا۔

اپنے شیخ کی وفات کے بعد ۲۲ ربیع الثانی ۸۸۲ھ / ۱۲ اگست ۱۴۷۷ء میں وفات پائی اور تاج پور ملحقہ احمد آباد میں آسودۂ لحد ہوئے انکی عمر ۶۴ سال تھی بعض حضرات نے ان کی تاریخ وفات آخر الاولیاء لکھی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ [2]

(آپ قاسم بن قطلوبغا کے معاصر ہیں)

---

[1] خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۳/۲، اخبار الاخیار صفحہ ۱۷۳ [2] نزھۃ الخواطر اردو ۴/۷۰
نزھۃ الخواطر عربی ۴/۵ صفحہ ۲، مرآۃ احمدی۔

مخدوم العالم محمد بن اسمٰعیل بن ابوالقاسم بن ابوجعفر بن ابویوسف یعقوب نہروالی

(م ۱۳/جمادی الاولیٰ ۸۸۲ھ مطابق ۲۲/اگست ۱۴۷۷ء)

آپ علماء، صلحاء اور محدثین کے خانوادۂ عظمیٰ کے فرد فرید تھے۔ شریعت محمدیہ و سنتِ نبویہ کے شیدائی، صائم الدھر قائم اللیل بزرگ تھے۔

پٹن کے مایۂ ناز تعمیرات جلیلہ میں سے ظفر خاں معروف بہ سلطان مظفر اول کا تعمیر کردہ گنبد آپ ہی کی اجازت و مشورہ سے تعمیر کیا گیا تھا۔ جبکہ آپ کی زبانی سلطان مظفر کو معلوم ہوا کہ یہ مسجد الف خاں سنجر کی تعمیر کردہ ہے اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے اس میں دس نمازیں ادا فرمائی ہیں چنانچہ سلطان مظفر نے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے مصلیٰ پر دس روز کا اعتکاف فرمایا اور مسجد کے سامنے آپ کی اجازت سے ایک گنبد تعمیر کروایا۔ گنبد کا حسن و جمال اور اس کی وسعت ان اشعار سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ [۱]

بحکم سیّد الاقطاب مخدوم — زہندوستان بپٹن شاہ مظفر
بشارت یافت از مخدوم عالم — نشستہ معتکف در زیر منبر
بامر شاید سلطان اعظم — بماندہ پیش او مخدوم اکبر
بحکم شاہ ستونہا را بمسجد — شمردہ مردماں از راہ اظہر
ستونہا پنج ہزار و پنجصد و پنج — درآں مسجد نہادہ شد برابر
چوں درآمد مظفر دید مسجد — بہ صحنش کرد گنبد یک مقرر
بگو تاریخ سال گنبد او — بدہ ہفت صد نود و پنج بر سر [۱]

---

[۱] تذکرہ دوام، دستور الخلافہ، مراقب الطالبین

حق تعالیٰ نے آپ کو ۱۰۰ برس کی عمر طویل ——— عطا فرمائی اور تیرہ جمادی الاولیٰ کی شب میں ۸۸۲ھ / ۱۴۷۷ء میں آپ نے رحلت فرمائی ۔ (آپؒ قاسم بن قطلوبغا ؒ کے معاصرین ہیں ؛

مخدوم بن برہان الدّین

(م ۸۹۰ھ / ۱۴۸۵ء)

مخدوم بن برہان الدّین ہندی ۔ آپ نے شیخ راجح بن داؤد کے علاوہ دیگر علماء سے بھی تعلیم حاصل کی ۔ تقریباً چالیس سال کی عمر میں ۸۹۰ھ / ۱۴۸۵ء میں انتقال ہوا ۔ جہاں آپ درس دیتے تھے وہی آپ کی رہائش گاہ تھی اور بعد میں اسی جگہ دفن ہوئے ۔ [۱]

(آپؒ ابوبکر العامری (صاحب بہجۃ المحافل) کے ہم عصر ہیں ؛

سیّد غوث الدّین بغدادی قادری

(م ۲۲ رصفر ۸۹۵ھ بمطابق ۱۴ رجنوری ۱۴۹۰ء)

پیرانِ پیر سیّد عبدالقادر جیلانی رح سے آپ کو قرابت حاصل تھی اور بغداد کے مرجع خواص و عوام مشائخ میں سے تھے ۔

خواب میں سیّد الکونین فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ احمد آباد جا کر دعوتِ دینِ اسلام کی تبلیغ کا کام انجام دیں ۔

دوسری طرف یہی حکم نبوی میزبانوں کو بھی بلا واسطہ خواب میں دیا گیا چنانچہ جب آپ پہنچے تو دیکھا کہ آپ کے لئے قیام کے تمام انتظامات کے بعد انتظار ہو رہا ہے آپ نے تشریف آوری کے بعد ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی جس سے تھوڑی ہی مدت میں

---

[۱] الضوء اللامع ۔

بہت فیض عام ہوا ۔

آپ نے رشتہ ازدواج شاہ علم الدین چشتی کی صاحبزادی سے قائم کیا ۔ چند ہی سال قیام کے بعد حرمین اور وطن کی کشش آپ کو واپس دیار عرب لے گئی اور حج زیارت اور اقربار سے ملکر دوبارہ اکتالیس ۴۱ سال کی عمر میں جب آپ دوبارہ گجرات پہنچے اس وقت ـــــــــ سینکڑوں کی تعداد آپ کے خلفاء ومریدین کی ساتھ تھی ۔ بعضوں نے اسی قافلہ کی تعداد بارہ سو بتائی ہے ۔

اثنار سفر میں جب یہ قافلہ کچھ میں اترا ہے تو وہاں کا ہندو راجہ اجنبیوں کی اتنی بڑی جمعیت دیکھ کر حملہ کے لیئے تیار ہوگیا ۔ آپ کی کرامت کہ دشمن کی فوج کی سواریاں چلنے سے معذور ہوگئیں اور فوج کے سپاہی آنکھوں سے محروم ہوگئے اللہ نے راجہ کو ہدایت دی اس نے مع اپنی رعایا کے اسلام قبول کیا اور نومسلم راجہ نے اپنی دختر نیک اختر کو آپ کے نکاح میں پیش کیا جن سے آپ کے صاحبزادے شیخ ابوسعید، عبدالجبار متولد ہوئے جو بڑے ہوکر صاحب سلسلہ شیوخ میں سے ہوئے ۔

اقوام وافراد کی ہدایت کے نبوی بارگاہ سے سپرد فرمودہ فریضے کو انجام دینے کے بعد ۲۲ صفر ۸۹۵ھ (۱۴ جنوری ۱۴۹۰ء) کو آپ نے رحلت فرمائی اور احمدآباد میں مدفون ہوئے ۔ [1]

؛ آپؒ علامہ سخاویؒ کے ہم عصر ہیں ؛

---

[1] اکابرین گجرات

حضرت شیخ محمود راجن بن علیم الدین عمری

(متوفی ۲۲ر صفر ۹۰۰ھ ۲۰ر نومبر ۱۴۹۴ء)

آپ کا نام محمود اور لقب راجن ہے۔ آپ اپنے والدِ ماجد شیخ علم الدین رح کے مرید و خلیفہ ہیں۔ آپ نے خاندانِ سہروردیہ اور شطاریہ کا خرقہ شیخ قاذن رح کے ہاتھوں پہنا، ایک خرقہِ خلافت چشتیہ سلسلہ کا شیخ ابوالفتح رح سے بھی حاصل کیا، جو حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز رح کے مرید و خلیفہ تھے۔ اور ایک خرقہ خلافت چشتیہ سلسلہ کا شیخ عزیز اللہ المتوکل علی اللہ رح بن شیخ یحییٰ بن شیخ لطیف الدین سے بھی پہنا جو حضرت سلطان المشائخ محبوبِ الٰہی کے خلیفہ تھے۔ شیخ عزیز اللہ، شیخ زاھد چشتی کے مرید و خلیفہ تھے۔ اور ایک خرقہ خلافت انہوں نے اپنے پیر بھائی شیخ رکن الدین کان شکر سے بھی پہنا تھا۔ حضرت شیخ محمود راجن کو خاندانِ سلسلہ مغربیہ کی خلافت بھی حضرت شیخ احمد کھٹو سے پہنچی تھی۔

وصال:۔ حضرت شیخ محمود راجن کا وصال ۲۲ر صفر ۹۰۰ھ مطابق ۲۰ر نومبر ۱۴۹۴ء بروز جمعۃ المبارک صبحِ صادق کے وقت ہوا۔

مزارِ مبارک:۔ آپ کو پہلے احمدآباد گجرات میں دفن کیا گیا تھا، مگر پانچ ماہ بعد آپ کے بیٹے شیخ جمال الدین چشتی جمن نے آپ کے جسدِ مبارک کو وہاں سے نکالا اور پیرانِ پٹن نہروالہ محلہ مبارک پورہ میں دفن کیا جیسا کہ فخرالاولیا میں لکھا ہے۔

خلفاء:۔ آپ کے خلفا بہت تھے مگر سلسلہ چشتیہ آپ کے بیٹے شیخ جمال الدین جمن سے جاری ہوا۔ مؤلف مناقب نے آپ کے سلسلہ چشتیہ کے تمام سلاسل

اور سلاسلِ سہروردیہ، شطاریہ، مغربیہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ [1]

و آپؒ علامہ سخاویؒ کے ہم عصر ہیں،

شیخ محمدؒ فلاوہ قدس سرہٗ

م سنہ ۹۰۰ھ / سنہ ۱۴۹۴ء

صاحب اخبار الاخیار اور مولانا جمالی نے سیر العارفین میں محمد ملاوہ لکھا ہے، جبکہ صاحب خزینۃ الاصفیاء نے فلاوہ لکھا ہے۔ آپ ابتدائے کار میں حضرت شیخ احمد بدایونی کے چہیتا مرید تھے ریاضت و مجاہدہ میں ایک مدت دراز طویل وقت صرف کیا۔ پھر حضرت جلال گجراتی کی صحبت میں آئے اور عشق کے معاملات کو درست کرکے اعلیٰ مقامات پر پہنچے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت شیخ محمد مجلسِ سماع میں تشریف فرما تھے۔ قوالوں نے ایک ایسی غزل چھیڑ دی جس میں بُعد و فراق کے احوال و کیفیت کی ترجمانی تھی۔ شیخ کو اس قدر رقت اور وجد طاری ہوا کہ روح جلنے لگی۔ ایک واقف حال نے قوالوں کو کہا کہ اب ایسی غزل چھیڑو جس میں قرب و وصال کی کیفیت بیان کی گئی ہو۔ قوالوں نے اشعارِ وصل شروع کئے تو شیخ کے دل کی کیفیت خوشگوار ہو گئی اور چہرے پر رونق آ گئی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ از سرِ نو زندگی آ گئی ہے۔ اور شیخ میں تازہ روح کام کرنے لگی ہے۔

ایک بار آپ کے گھر آگ لگ گئی۔ غلّہ دان میں جس قدر آئندہ فصل کے لئے بیج رکھا تھا تمام کا تمام جل گیا۔ فصل کا موسم آیا تو آپ کو بتایا گیا کہ سارا بیج تو عرصہ ہوا جل گیا تھا فرمانے لگے، ہم تو خود سوختہ جاں ہیں، ہمارے پاس جلے ہوئے بیجوں کے سوا اور کیا

---

[1] نزھۃ الخواطر ص۳۵۳، مناقب المحبوبین ص۲۷۔

ہوگا، پھر بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اٹھا کر کہنے لگے: اے اللہ! ہر بار تو اپنے کرم اور مرضی سے میرے کام سنوارتا ہے اب میری التجا پر فضل فرما۔ میرے پاس غلہ دانہ میں وہی بیج ہے جو جل گیا تھا اب میرے پاس تو کچھ بھی نہیں تیرا فضل ہی ہونا چاہئے۔ اب میں تو جلا ہوا بیج ہی اپنے کھیت میں ڈالوں گا۔ اور کیا کر سکتا ہوں، کہتے ہیں کہ جلے ہوئے بیج سے اتنی فصل ہوئی کہ ایک ایک بوٹے کے ساتھ سات سات خوشے نکلے اور ایک ایک خوشے میں بھرے ہوئے دانے لوگوں نے دیکھے تو حیران رہ گئے۔ یہ بات بادشاہ وقت سکندر لودھی کے سامنے بیان کی گئی تو بادشاہ نے دو نفل ادا کر کے اللہ کا شکر ادا کیا کہ میرے عہد حکومت میں ایسے ایسے صاحبِ کرامت لوگ بھی موجود ہیں جن کی دعا سے جلے ہوئے بیج سے بھرپور فصل پیدا ہوتی ہے۔

ایک مجلسِ سماع میں آپ پر وجد طاری تھا اور آپ رقص کر رہے تھے۔ اس علاقہ کا ایک امیر اور رئیس ہندو وہاں سے گذرا۔ مجلسِ سماع کے پاس کھڑا ہو کر سننے لگا۔ چند لمحوں بعد اس پر رقت طاری ہوگئی وہ چلا کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا، مجھے یہاں سے لے چلو۔ ورنہ میں اپنے دین سے دست بردار ہو کر مسلمان ہو جاؤنگا اس کے ساتھیوں نے اسے اٹھایا اور دور لے گئے۔ کچھ وقت کے بعد وہ ہوش میں آیا تو کہنے لگا، یہ مسلمان اپنے خدا کو اٹھائے رقص کر رہے تھے۔ اگر چند لمحے اور ٹھہرتے تو میں مسلمان ہو چلا تھا۔ اور ان کے پاؤں میں گر کر ہندو مت سے توبہ کرنے والا تھا۔

معارج الولایت نے آپ کا سنِ وفات ۹۰۰ھ لکھا ہے۔ آپ کا مزار بلا وہ مضافات قنوج میں ہے۔ ؎

چو از دنیا بفردوس بریں رفت محمد طارج معراج اسرار

وصال او زپیر محترم گیر ۹۰۰ھ ۱۴۹۴ء — وگرفرما محمد تاج ابرار ۹۰۰ھ ۱۴۹۴ء

" آپ علامہ سخاوی کے ہمعصر ہیں "

شیخ رزق اللہ رح

(م ۲۰ ربیع الاوّل سنہ ۹۸۹ھ ۲۳ اپریل سنہ ۱۵۸۱ء)

آپ کا تخلص مشتاق تھا۔ آپ بھی شیخ محمد ملاوہ کے مریدوں میں سے تھے۔ اور شیخ آپ پر خصوصی عنایت فرمایا کرتے تھے۔ شیخ رزق اللہ مردِ کامل، فاضل فواد، روزگار اور یادگارِ سلف صالحین تھے۔ فضائل صوری اور معنوی میں جامع تھے اسی طرح مشربِ عشق و محبت، سلامت عقل اور وسعت حوصلہ و صبر کے مالک تھے۔ دوامِ حضور اور مستقل مزاج ہونے میں یکتائے روزگار تھے۔ بانوے برس کی عمر تک پہنچ جانے کے باوجود آپ کے اندر عشق و ذوق اسی طرح تازہ تھا جس طرح کہ جوانی کے عالم میں تھا۔ ؎ ع

من اگرچہ پیر شدم عشق جوان است ہنوز

آپ کی شان پر بڑا صادق آتا ہے۔ آپ سے جو کوئی ملاقات کرتا اس سے ایسے معارف آمیز اور محبت انگیز نکات بیان فرمایا کرتے تھے جنہیں اہل وجد اور اہل ذوق سن کر تڑپ جایا کرتے تھے، قصے اور مشائخ کے احوال اور ہندوستان کے بادشاہوں کی تاریخ بڑی خوش اسلوبی اور روانی کے ساتھ بیان فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی مثل بہت کم اولیاء اللہ گذرے ہیں۔ آپ نہایت اطمینان اور بے نظیر انداز

سلہ اخبار الاخیار ص ۳۰۳ ، خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴ ۔

سے گفتگو کیا کرتے تھے، محبت کی باتوں کو بڑے شوق سے کہتے اور سنتے تھے۔ اور اس وقت اکثر و بیشتر آبدیدہ ہوا کرتے تھے۔ آپ کثیر الاسفار تھے اور ان سفروں میں لوگوں کی صحبت حاصل کرکے بڑے تجربہ کار بن گئے۔ آپ ہمیشہ فقیروں، درویشوں اور مشائخ کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے، ہندی اور فارسی کے شاعر بھی تھے، مدتِ دراز تک ہندی زبان میں شعر کہتے رہے۔ آپ کی نظموں کا مجموعہ 'بیان وجوت نرنجن' نہایت مقبول

ہے، ہندی زبان میں جب شعر کہتے تو اپنا تخلص راجن اور فارسی میں مشتاق رکھتے تھے ۸۹۷ھ/۱۴۹۱ء میں پیدا ہوئے اور ۲۰ ربیع الاول ۹۸۹ھ/۲۴ اپریل ۱۵۸۱ء میں عالم دنیا سے عالم پائیدار میں چلے گئے۔ مصنف اخبار الاخیار نے ان کی تاریخ وفات اس طرح کہی ہے

قطعہ

مخدومی عارف زماں مشتاقے | ولے گفت بوقت نقل مشتاق حقم
حقے جو بتاریخ وفاتش نگریست | نوک قلمش ہماں سخن کرد رقم

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ و علی جمیع اسلافنا۔ [1]

شیخ سعد اللہؒ

(۸۵۱ھ/۱۴۴۷ء — ۹۱۷ھ/۱۵۱۱ء)

آپ شیخ محمد ملاوہؒ کے مرید تھے۔ سلطان سکندر کے دورِ حکومت میں جب شیخ ملاوہ دہلی تشریف لائے تو آپ کی خدمت میں شیخ سعد اللہ ایک عرصہ دراز تک آتے جاتے اور خدمت کرتے رہے۔ شیخ سعد اللہ نے درد و عشق اور ثابت قدمی کے اپنے شیخ سے سبق سیکھے تھے۔ اور مصنف اخبار الاخیار کے آپ بڑے چچا تھے [2]

---

[1] اخبار الاخیار صفحہ ۲۷۶ [2] ایضاً صفحہ ۲۷۵ ۔

خواجہ حسین ناگوری

۱۳۹۰ء/۷۹۲ھ - ۱۴۹۵ء/۹۰۰ھ

آپ صوفی حمید الدین ناگوری کی اولاد میں سے تھے۔ بڑے ولی اللہ اور صاحب کرامات و صاحب مقامات عالیہ تھے۔ علم شریعت، طریقت، حقیقت کے جامع بزرگ تھے تمام ساکنانِ ناگور کے نزدیک آپ مسلم بزرگ تھے۔ ذوق میں

کامل، عشق میں اکمل اور علم میں اتم، زہد و تقویٰ میں اعرف تھے۔ شیخ وحید کی اولاد میں سے اور شیخ کبیر کے مریدوں میں سے تھے۔ اپنے شیخ کا گجرات میں عرصہ دراز تک خدمت کرتے رہے۔ اللہ کے فضل و کرم اور ذاتی محنت کی بدولت ظاہری علوم سے فراغت حاصل کر لینے کے بعد اپنے وطن تشریف لائے اور عرصہ دراز تک خواجہ معین الدین رح کے مزار پر مجاور رہے اور خدا کی عبادت کرتے رہے۔

جس زمانے میں اجمیر غیر آباد تھا اور اس کے اردگرد شیروں کی چراگاہیں تھیں اس وقت خواجہ معین الدین کے مزار کے قریب اقامت فرما رہے۔ پھر خواجہ صاحب ہی کے اشارے سے اجمیر کو چھوڑ کر ناگور چلے گئے اور علم دین کی تعلیم اور ارباب یقین کے طریقہ کی تلقین میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے ایک تفسیر بنام: نور الہٰی، (عربی ادبیات میں اس کا نام نور النبی ہے) لکھی ہے۔ جس میں ہر پارے کی علیحدہ علیحدہ تفسیر ہے۔ اور ہر ایک کی جدا جدا جلدیں ہیں۔ اس میں آپ نے حل تراکیب اور قرآن کریم کے وہی معنیٰ جو دوسرے مفسرین نے لکھے ہیں۔ بڑی وضاحت سے بیان کیے ہیں۔ مفتاح کی قسم ثالث پر بھی آپ نے ایک شرح[1] لکھی ہے۔ علاوہ

---

[1] تذکرہ صفحہ ۔

ازیں اور بھی متعدد کتابوں کے مصنف تھے ۔

کہتے ہیں کہ سوانح شیخ احمد غزالی کی بھی شرح لکھی ہے ۔ آپؒ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں فنا تھے ۔ چنانچہ اپنا گھر، کنواں اور ایک باغ جو آپؒ کا اثاثہ تھا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر وقف کر دیا تھا ۔

اتفاقاً غیب سے چار آدمی آئے جنہیں کوئی نہیں جانتا تھا اور یہ چاروں کوڑھی تھے اور یہ مرض اتنا سخت تھا کہ انگلیوں سے خون اور پیپ ٹپک رہا تھا ۔ انہوں نے آپ سے کھانا طلب کیا ۔ خواجہ صاحب نے جو کھانا اپنے لئے رکھا تھا وہ ان کے حوالہ کر دیا ۔ انہوں نے وہ کھانا کھا کر تھوڑا سا اس برتن میں بچا دیا ۔ اور خواجہ صاحب سے کہا کہ اسے تم کھا لینا ۔ چنانچہ خواجہ صاحب نے وہ پس خوردہ سب کھا لیا ۔ اس دن کے بعد خواجہ صاحب کے لئے خدا تعالیٰ نے ایک دوسرا دروازہ کھول دیا ۔

منقول ہے کہ اہلِ ناگور کے رواج کے مطابق آپ کے پاس بھی ایک بیل گاڑی تھی جس پر سوار ہو کر خود ہی چلایا کرتے تھے اور خود ہی گاڑی کے بیلوں کی نگہداشت کیا کرتے تھے پھٹے پرانے کپڑے زیب تن فرمایا کرتے تھے ۔ آپ کی اولادیں سے شیخ عبدالقادر نامی ایک شخص جو فقیرانہ مسلک رکھتا تھا دہلی آیا ۔ اس کے پاس آپکی اکثر بیشتر چیزیں تھیں ان چیزوں میں آپ کی پگڑی، کرتہ، پائجامہ بھی تھا ۔ لیکن ان کپڑوں کی کیفیت یہ تھی کہ ان میں سے ایک دو کپڑے تو ایسے تھے کہ جنکی قیمت بمشکل ایک پیسہ فی گز ہو گی ۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ سماع میں آپ پر ایک حالت طاری ہوئی آپ اسی حالت میں جنگل کی طرف روانہ ہوئے ۔ ایک خاکروب آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا ، وہ اور کچھ غزل خواں بھی آپ کے پیچھے پیچھے ہو لئے ۔ یہ نو مسلم

ظاہراً و باطناً پاکیزہ اور صاف تھا، شہر ناگور کے باہر ایک بڑا حوض ہے۔ شیخ اس حوض پر حالتِ جذب میں اس طرح چلنے لگے جیسے کوئی زمین پر چلتا ہے یہ نومسلم بھی آپ کے پیچھے اس طرح چلتا رہا کہ کبھی گرتا اور کبھی اٹھتا اور پھر چلتا۔
منقول ہے کہ مندو کے بادشاہ سلطان غیاث الدین خلجی نے آپ کو بلایا مگر آپؒ اس کے پاس تشریف نہ لے گئے ایک دفعہ سلطان کے پاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک لایا گیا۔ لوگوں نے بادشاہ سے کہا اگر موئے مبارک کی اطلاع خواجہ حسین کو ہو جائے تو بے اختیار فوراً یہاں آجائے۔ چنانچہ بادشاہ نے آپ کو اطلاع کرادی تو آپؒ اسی وقت مندو کا قصد کرکے درود شریف پڑھتے ہوئے نہایت ذوق و شوق سے روانہ ہوئے۔ اور جب مندو کے نزدیک پہنچے تو بادشاہ اپنے شاہی اعزاز کے ساتھ آپ کے استقبال کے لئے آیا۔ جب اس نے دیکھا کہ ایک غبار آلود پھٹے پرانے کپڑوں والا اپنی گاڑی خود چلاتے ہوئے آرہا ہے تو وہ سمجھا کہ خواجہ حسین شاید کوئی اور ہونگے جب لوگوں نے بتلایا کہ خواجہ صاحب یہی ہیں تو اس نے خواجہ صاحب کا مزاج پوچھنا چاہا لیکن شیخ کو اس کے جواب کی فرصت کب تھی وہ تو بے خودی کے عالم میں موئے مبارک کے دیدار کے لئے آرہے تھے۔ کہتے ہیں کہ موئے مبارک کی زیارت کے بعد بادشاہ آپ کو اپنے والد بزرگوار کی قبر پر لے گئے اور اس کے لئے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے دعا کی اور کشف کے ذریعہ صاحب قبر کی جو حالت معلوم ہوئی وہ بتلادی اس کے بعد سلطان بادشاہ نے آپ کو بڑے قیمتی تحائف دینا چاہے مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔ کہتے ہیں کہ ان تحائف کو دیکھکر خواجہ صاحب کے لڑکے کے دل میں کچھ رغبت پیدا ہوئی۔ شیخ کو کشف کے ذریعہ

اس کا علم ہوگیا تو فرمایا اے بیٹے! یہ سانپ ہیں اور سانپ کو کوئی شخص بھی رکھنا پسند نہیں کرتا۔

خواجہ صاحب کی مزار کی بالائی عمارت سلطان غیاث الدین خلجی نے بنوائی تھی البتہ آپ کے روضہ کا دروازہ مندو کے دوسرے بادشاہوں نے بنوایا تھا۔ شیخ حمید الدین صوفی ناگوری کے روضہ اور دروازہ کی عمارت اور مقبرہ اور ناگور کی چار دیواری سلطان محمد تغلق نے بنوائی تھی۔ سلہ آپؒ کے مزید حالات آئین دوم ص۲۲۲ اور تذکرہ ص۹۴ میں مل سکتے ہیں۔

مؤلفؔ تاریخ مظفر شاہی

(ولادت ۸۴۸ھ / ۲۶ مارچ ۱۴۴۵ء)

نہ تو خود مصنف نے کتاب میں اپنا نام بتایا ہے اور نہ کسی اور کتاب سے ان کے نام اور حالات کی تفصیل ملتی ہے۔ البتہ ۱۴۴۲ء - ۱۴۴۴ء/۸۴۷ھ-۸۴۸ھ کے تحت مذکورہ واقعات سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ اس سال ۱۸ ذی الحجہ کو پیدا ہوئے تھے، جب انکے والد سلطان علاؤ الدین بن احمد بہمنی کی مہم قلعہ مدکل ورنگل میں شریک تھے۔

مؤلف نے دیباچے میں کتاب کا بھی نام نہیں دیا۔ تاہم انڈیا آفس لائبریری میں اس کا جو مخطوطہ موجود ہے اس پر "تاریخ مظفر شاہی" ہی لکھا ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ یہ "مظفریہ خاندان" کی تاریخ ہے جو محمود شاہ بیگڑہ کے عہد میں لکھی گئی، ۱۴۸۴ء/۸۸۹ھ تک یا اس کے لگ بھگ کے واقعات پر مشتمل ہے اور رنگین و مرصع نثر میں

سلہ نزہۃ الخواطر ص۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶۔

لکھی گئی ہے۔ [1]

شیخ یوسف

ولادت ۸۴۹ھ / ۱۴۴۵ء

شیخ یوسف بن احمد بن محمد جمال ملتانی ۸۴۹ھ/۱۴۴۵ء میں بمقام احمدآباد آپ کی ولادت ہوئی شیخ نظام الدین غوث الملک سے معقولات میں شرح مواقف اور اللوامع پڑھی۔ دیگر اساتذہ سے نحو، صرف، منطق اور تاریخ کی تعلیم حاصل کی۔ تحصیل علوم سے فراغت کے بعد درس و تدریس کی طرف متوجہ ہوگئے۔

علامہ سخاوی نے "الضوء اللامع" میں لکھا ہے کہ سلطان محمود نے آپ کو سلطنت کے حساب وکتاب کا ذمہ دار مقرر کیا تھا۔ [2]

شیخ قاسم بن داؤد

ولادت ۸۶۹ھ / ۱۴۶۴ء

شیخ قاسم بن داؤد بن محمد بن عیسیٰ بن احمد۔ آپ شیخ راجح بن داؤد کے بڑے بھائی ہیں ۸۶۹ھ/۱۴۶۴ء میں ولادت ہوئی۔

علامہ سخاوی نے "الضوء اللامع" میں تحریر فرمایا ہے کہ شیخ قاسم نے مکہ مکرمہ میں مجھ سے پڑھا ہے اور میری الفیہ کی شرح کی کتابت میں مدد کی ہے۔ [3]

---

[1] تاریخ ادبیات فارسی ج ۱ ص ۲۸۷ [2] الضوء اللامع۔ [3] ایضاً۔

قطب العالم سید برہان الدین ابو محمد عبد اللہ بخاری

ولادت ۱۴ رجب ۷۹۰ھ وفات ۸۵۷ھ

سید برہان الدین ابو محمد عبد اللہ بخاری۔ جو قطب العالم بن سید ناصر الدین محمود بن سید الاقطاب مخدوم جہانیاں بخاری کے لقب سے مشہور رہیں۔ جن کا نسبی سلسلہ سید جعفر مثنیٰ جو حضرت امام حسن عسکری کے برادر ہیں وہاں پہنچ کر منتہی ہوتا ہے۔ آپ ۷۹۰ھ میں ۱۴ رجب دوشنبہ کی رات کو صبح کے قریب پیدا ہوئے۔ دس سال کی عمر میں والد ماجد کا انتقال ہوگیا۔ اور شاہ راجو قتال جو والد محترم کے چچا تھے آپ کے کفیل بنے۔ اور انہوں نے آپ کی تربیت کی، اور دو سال میں آپ کو مرتبہ ہدایت تک پہنچا کر فرمادیا کہ گجرات والوں کی رشد و ہدایت کا کام آپ کو سپرد کیا جاتا ہے اس لئے آپ وہاں تشریف لے جائیں

اس لئے آپ اپنی والدہ کے ساتھ (جن کا نام بی بی ہاجرہ اور لقب سعادت خاتون تھا) ۸۰۲ھ میں پٹن تشریف لائے۔ اس زمانے میں حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے صاحبزادے شیخ رکن الدین کان شکر پٹن میں مقیم تھے۔ جن کو پیران پٹن بھی کہا جاتا ہے۔

سید راجو قتال کے مشورہ سے آپ انکی خدمت میں رہے اور ظاہر و باطن کی اصلاح میں مشغول ہوئے۔ احمد آباد کے سلطان مظفر چونکہ سید الاقطاب مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے مرید تھے۔ اس لئے انہوں نے جب سنا تو انہوں نے صاحبزادے کا خاطر خواہ استقبال کیا پٹن میں اس وقت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کے نواسے شیخ رکن الدین کی خانقاہ تھی۔ ان سے باطنی ترقیات حاصل

بد کیں ۔ اور ظاہری علوم مولانا شیر علی سے حاصل کئے جنکا مدرسہ اس زمانہ میں پٹن میں مشہور تھا جب سلطان احمد شاہ نے احمد آباد تعمیر کیا تو قطب العالم سے درخواست کی کہ آپ پٹن سے احمد آباد تشریف لاکر یہاں قیام فرمائیں ۔ پھر آپ وہاں سے منتقل ہوکر احمد آباد تشریف لے آئے ۔ قطب العالم کی احمد آباد آمد پر سلطان احمد شاہ نے قصیدہ لکھا اور خدمت میں حاضر ہوکر شعراء کی طرح خود کھڑے ہوکر انہوں نے وہ قصیدہ پڑھا جس کا یہ مطلع ہے ۔ ؎

قطب زمانۂ ما برہان بس است مارا   برہان او ہمیشہ چوں نامش آشکارا

قصیدہ سنانے کے بعد سلطان نے دعا کی درخواست کی ۔ تو آپ نے فرمایا کہ آپ کے خاندان کے لئے ہمارے جدامجد مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحہ نے دعا کی ہے ۔ سلطان نے عرض کیا کہ انہوں نے ہمارے جدامجد سلطان مظفر کی اولاد کے لئے دعا کی ہے ۔ اور ان کے لئے سلطنت کی دعا کی ہے ۔ آپ شہر کی آبادی اور قبولیت کے لئے دعا فرمائیں ۔ اس پر قطب عالم نے فرمایا کہ

احمد آباد ابد الاباد انشاء اللہ الرؤف بالعباد ۔ قطب عالم نے پرانے اساول میں سابرمتی کے کنارے سکونت اختیار کی اور وہاں پر ایک مسجد کی تعمیر کی احمد آباد کے قیام میں شیخ احمد کھٹو سے بھی روحانی تربیت پائی اور ان کی طرف سے خلافت ملی کچھ عرصہ کے بعد آپ موضع بٹوہ میں مقیم ہو گئے ۔ اور سلطان نے سرکاری طور پر رہائش وغیرہ کے تمام انتظامات کئے ۔ اور وہاں ۔۔ آپ مرجع خواص و عام بنے اور آپ کے کشف و کرامات بڑی مشہور ہوئیں جن میں سے یہ کیا ہے لوہے ہے لکڑ ہے کہ پتھر ہے ؟ کے کلمات کا کرشمہ اب تک مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کلمات کی برکت سے اس میں لوہا لکڑی پتھر تینوں خاصیتیں بیک وقت ایک ہی چیز میں پیدا کر دیں ۔ مگر اس کی شہرت پر حضرت نے خادم

کو حکم فرمایا کہ اس کو ایک کونے میں دفن کردو۔ اور آپ نے دھمکی بھی دی کہ جو اس کو نکالے گا وہ مقطوع النسل ہوگا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک معتقد نے کہا مجھے بےنسل ہونا منظور ہے لیکن میں اس کو نکالوں گا۔ اس کے بعد وہ تبرک نکالا گیا اور وہ زیارت گاہ خواص وعوام بنا۔

اس کا ایک حصہ کاٹ کر اکبر دہلی لے گئے اور اس کا ایک حصہ احمدآباد میں باقی رہا۔

قطب العالم ۸۵۷ھ میں انتقال کرگئے اور ۶۸ رسال چار مہینے چوبیس روز زندگانی گزار کر آپ نے انتقال فرمایا۔ تاریخ انتقال ۸ رذی الحجہ ہے۔ تاریخِ وفات: مطلع یوم الترویہ؛ سے نکلتی ہے اور احمدآباد کے موضع بٹوہ میں آپ کو دفن کیا گیا۔

قطب العالم کے بارہ[۱۲] صاحبزادے اور سترہ صاحبزادیاں تھیں۔[۱] آپ پٹن پہنچکر شیخ رکن الدین کے مہمان ہوئے جو حضرت بابا فریدالدین شکرگنج کے نواسے تھے۔ شیخ رکن الدین نے آپ کی بہت خاطر مدارات کی۔

سید شرف الدین مشہدی سے ملاقات

سید شرف الدین مشہدی کو (جو بھروچ میں رہتے تھے)

جب آپ کے پٹن میں قیام کا علم ہوا تو وہ آپ سے ملنے کے لئے پٹن روانہ ہوئے راستہ میں احمدآباد رکے پھر سرکھیج شیخ احمد کھٹو کی خدمت میں پہنچے پھر پٹن پہونچکر قطب عالم سے ملاقات کی۔

---

[۱] خاتمہ مراۃ احمدی صفحہ ۲۶۔

سید گیسودراز سے ملاقات آپ کی عمر تقریباً چودہ سال تھی کہ سید گیسودراز دکن سے گجرات تشریف لے گئے۔ اور پھر جب قطب عالم سے ملاقات کی اور آپ کے اندر قطبیت کے آثار دیکھے تو بڑے خوش ہوئے اور فرمایا کہ: میرے بزرگوں سے جو فیض مجھے ملا ہے وہ میں آپ کو بطور تحفہ دینا چاہتا ہوں"۔

نکاح:۔ حضرت قطب عالم کا پہلا نکاح بادشاہ وقت کی صاحبزادی سے ہوا پھر دوسری بار بادشاہ کے وزیر امین الدین خداوند خاں کی صاحبزادی سے ہوا ان دو کے علاوہ ایک اور خاتون سے بھی آپ کا نکاح ہوا ہے۔ آپ کی کئی اولاد ہوئیں جن میں یہ چند حضرات مشہور ہیں۔ (۱) شاہ عالم (۲) شیخ محمود دریا نوش (۳) حضرت شاہ زاہد (۴) حضرت شاہ محمد امین (۵) حضرت سید احمد شاہ پیر

سلاطین سے تعلقات سلطان مظفر شاہ آپ کے دادا حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت کے مرید تھے۔ قطب عالم جب گجرات میں رونق افروز ہوئے اور پٹن میں قیام فرمایا تو مظفر شاہ حضرت کو خراج عقیدت پیش کرنے حاضر خدمت ہوئے اور آخر تک حضرت کے عقیدت مند رہے۔ اسی طرح سلطان احمد شاہ بھی بہت معتقد رہے۔

پھر احمد شاہ کے بعد سلطان قطب الدین تخت نشین ہوئے تو وہ بھی حضرت کے مرید ہوگئے۔

اوصاف وکمالات:۔ آپ نہایت زاہد عن الدنیا تھے۔ توکل و قناعت کی دولت سے مالا مال تھے۔ اکثر ریاضت و مجاہدات میں وقت گذارتے جود وسخاوت میں مشہور تھے۔ شریعت و حقیقت و طریقت میں کامل تھے۔

آپ کی عمر نو ۹ سال تھی کہ ایک دن خیال آیا کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری میں ہوتا تو قدم بوسی کا شرف حاصل ہوتا۔ اسی رات کو سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ ؎۱

کرامات:۔ آپ کی کرامات بے شمار ہیں کہتے ہیں کہ ایک دن علی الصباح گھر سے مسجد تشریف لے جا رہے تھے۔ اچانک آپ کے پیر میں کوئی چیز لگی۔ بے ساختہ آپ کی زبان سے نکلا کہ یہ پتھر ہے یا لوہا ہے یا لکڑ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تینوں صفتیں اس میں پیدا کر دیں۔ کبھی پتھر نظر آتا ہے کبھی لوہا اور کبھی لکڑی۔ ؎۲

مرأت احمدی کی عبارت ہے: قضارا پائے ایشاں بہ آنچوب خورد افتاد چنانچہ مجروح گشت و خون آلود گردید بر زبان مبارک گذشت: کیا ہے لوہا ہے لکڑی ہے کہ پتھر ہے۔

شہنشاہِ ہمایوں نے اس یادگار کو دیکھا اور اکبر بھی جب احمد آباد آیا تو متبرک یادگار کو دیکھا اور اس کا آدھا حصہ آگرہ لے گیا۔ ؎۳

وفات:۔ ۸ رذی الحجہ ۸۵۷ھ کو یاحیّ یاقیوم کہتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوگئے آپ کی تاریخ وفات ان کلمات سے نکلتی ہے۔

«مطلع یوم الترویۃ» مزار احمد آباد میں ہے۔

قطب العالم کی زبان تحفۃ الکرام، اخبار الاخیار، اور بعض دوسری کتابوں میں حضرت قطب عالم رح کے حالات کے ضمن میں ہندی

؎۱ تاریخ صوفیائے گجرات ؎۲ گلزار ابرار ص۱۴۷ ؎۳ مرأۃ سکندری اخبار الاخیار ص۲۴۹ تذکرہ قاریانِ ہند ج ا ص۱۳۳ ،تذکرہ اولیائے پاک و ہند ص۱۹۸ ،۳۲۔

ملفوظات بھی دیکھنے میں آئے ہیں ۔ جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ بزرگ موصوف نے مقامی زبان کو استعمال کیا ہے ۔

اور اس میں پنجابی عنصر زیادہ ہے ۔ جس کی وجہ شاید یہ ہے کہ حضرت قطب عالم کی پیدائش اوچ شریف کی ہے ۔ اور انکی ابتدائی پرورش پنجاب اور پنجابی ماحول میں ہی ہوئی ۔ اس سلسلہ میں حضرت قطبِ عالم کی زبان سے ادا ہونے والے چند فقرے دیکھیئے ۔ جو مختلف کتابوں میں محفوظ ہیں ۔

(الف) تساں راجے اساں خواجے (یعنی تم بادشاہ اور ہم وزیر)

(ب) بھائی محمود خوش ہوا اساں تھیں وڈا تساں تھیں وڈا، اساڈے گھر جلال جہانیاں آیا ۔

(ج) کیا ہے لوہا ہے کہ لکڑی ہے کہ پتھر ہے ۔

لوہا ہے لکڑ ہے پتھر ہے ۔

پتھر ہے یا لوہا ہے یا لکڑی ۔

(د) بیٹی تساڈ نصیب دھیوں دیسجہ ۔

چشتیوں نے پکی اور اسے بخاریوں نے کھائی [1] ، حضرت قطب عالمؒ ابن قاضی شہبہ صاحب تاریخ مدینہ کے معاصر ہیں ،

---

[1] تاریخ ادبیات ج ۶ ص ۲۱۱ ۔

قطبِ عالم کی اولاد نسبی و روحانی

حضرت شاہ عالم

سنہ ۱۴۷۹ء

سید محمود بن قطبِ عالم

حضرت شاہ عالم جنکا ذکر پیچھے گذر چکا ہے

آپ کے صاحبزادے سید محمود جن کا عرف شاہ بدا تھا۔ آپ کی ولادت باسعادت ۸۰۹ھ میں ۲۳ رمضان المبارک کو پٹن میں ہوئی۔ والدۂ محترمہ کا اسم گرامی بی بی سلطان خاتون بنت خداوند خان ہے۔ آپ قطب العالم کے مرید تھے ان سے اجازت و خلافت پائی اور قطب العالم کے بعد سجادہ نشین ہوئے نیز سید راجو قتال نے بھی آپ کے نام خلافت نامہ اُوچ شریف سے ارسال کیا۔ ۸۸۴ھ میں یکم ذوالقعدہ کو بٹوہ میں آپ نے انتقال فرمایا اور قطب العالم کے پاس آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کے پانچ صاحبزادے تھے۔ ۱ شاہ پیارن، ۲ سید ذاکر محمد، ۳ سید شیر محمد، ۴ سید جلال الدین جن کو شاہ شیخ جیو کہتے تھے۔ اور ۵ شاہ عتیق اللہ۔

شیخ جیو اگرچہ آپ کے چھوٹے فرزند تھے لیکن کمالات صوری اور معنوی میں تمام سے بڑھے ہوئے تھے۔ انکی ولادت باسعادت اساول میں ہوئی ہے۔[1]

تاریخ اولیائے گجرات کے مصنف لکھتے ہیں۔

آپ قطبِ عالم کے صاحبزادے اور حاکم گجرات خداوند خاں کے نواسے تھے

آپ مرج البحرین ہیں۔ اس لئے کہ اپنے والد

---

[1] خاتمہ مرات احمدی ص ۲۹۔

سے بھی تعلق ارادت کے بعد خلافت ملی اور اوچ شریف سے شاہ راجو قتال کی طرف سے بھی خرقۂ خلافت پایا۔

۸۸۴ھ/۱۴۷۹ء بمقام بٹوہ آپ نے وفات پائی۔ اور والد محترم کی قبر کے نزدیک مدفون ہیں۔ آپ کے پانچ صاحبزادے تھے۔ شاہ پیارن [1]، سید ذاکر محمد [2]، سید شیر محمد [3]، سید جلال الدین معروف بہ شیخ جیو، شاہ عتیق اللہ۔ [1]

مقالاتِ شیرانی میں ہے کہ:

جب قطب عالم کے فرزند سید محمود المعروف بہ شاہ بڈھ کے ہاں ۸۵۲ھ میں شاہ شیخ جیو پیدا ہوئے تو نئے مولود کی خوشخبری حضرت کی خدمت میں پہنچائی گئی آپ بے حد مسرور ہوئے اور اپنے ایک مرید کو خطاب کر کے مسرت کے لہجے میں کہنے لگے۔

"بھائی محمود خوش ہدا اساں تھیں وڈا تساں تھیں وڈا ساںڈے گھر جلال جہانیاں آیا ہے"۔ [2]

مولانا سید جیو

چنگیز خاں کے ساتھ صلح کرانے کے لئے شہر کے جو ائمہ جمع ہوئے تھے۔ ان میں مولانا سید جیو بھی تھے جو سید برہان الدین قطب عالم قدس سرہٗ کی اولاد میں سے تھے ــــــ اور شاہ ابو تراب تھے اور سلسلۂ قطب الدین میں سے جناب ملک شیر و تھے اور مولانا شیخ ماہ تھے اور علامہ مدار الملک محمود پیارو تھے۔ مگر فتنہ پردازوں کے اثر کی وجہ سے صلح جو انجام کو پہنچنے کے قریب ہو گئی تھی، وہ نہ ہو سکی۔ [3]

---

[1] اکابرین گجرات ص ۴۶۹ [2] مرآت احمدی، مقالات شیرانی ص ۱۵۳ ج ۱ [3] ظفر الوالہ بمظفر والہ ص ۴۹۹ - تاریخ اولیائے گجرات

ابن قطب عالم

چوتھے فرزند شاہ حامد۔ آپ بھی قطب العالم کے مرید اور ان کے خلیفہ تھے۔
پانچویں فرزند سید صالح، آپ بھی قطب العالم کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ان سے بڑے عجیب واقعات سرزد ہوئے۔

چھٹے شاہ امین اللہ۔ یہ بھی قطب العالم کے مرید اور خلیفہ تھے۔ جب آپ کو قبر میں رکھدیا گیا اور قبر بند کردی گئی، دفن کرکے لوگ واپس آئے تو رات سید محمد زاہد نے خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ میری ایک انگلی صندوق کے تختے کے نیچے دبی ہوئی ہے اس کو نکلوا دیجئے خواب سمجھ کر اعتبار نہیں کیا گیا تین دن مسلسل خواب کے بعد جب قبر کو کھولا گیا تو دیکھا واقعی پیر کی انگلی تختے کے نیچے پھنسی ہوئی ہے اور اس میں سے خون بہہ رہا ہے۔ انہوں نے اس کو درست کرکے دوبارہ آپ کو دفن کیا۔

ساتویں صاحبزادے سید محمد زاہد۔

آٹھویں سید محمد اصغر جو شاہ شیخ محمد کے نام سے مشہور تھے انہوں نے اپنا سلوک اپنے بڑے بھائی سید ناصر الدین کی خدمت میں رہ کر اتمام کو پہنچایا۔

نویں سید محمد صادق۔ انہوں نے بھی بڑے بھائی سے ارشاد و تربیت پائی۔ جوانی ہی میں انتقال کیا۔ آپ کی ۲۰ سال عمر ہوئی۔

دسویں فرزند سید محمد راجو۔ آپ بھی حضرت قطب العالم کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کو بچپن میں کسی واقعہ پر حضرت قطب العالم نے بارہ صاحبزادوں کی بشارت دی تو وہ پوری ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بارہ صاحبزادے عنایت کئے آپکی قبر محمد آباد معروف بہ چانپانیر میں واقع ہے۔

گیارہویں شاہ سالم آپ قطب العالم کے مرید تھے۔ اور خلافت اپنے بڑے بھائی سے پائی۔ آپ اہلِ سماع میں سے تھے۔ بعض دفعہ تین چار روز آپ پر حال طاری رہتا۔ کھانا، پینا متروک ہو جاتا۔ آپ بھی قطب العالم کے قریب مدفون ہیں۔

بارہویں سید علم الدین۔ ایام شیر خوارگی میں انتقال کر گئے۔

قطب العالم کے خلفاء میں سید عثمان جو شمع برہانی کے لقب سے معروف ہیں جو قطب العالم کے خلیفۂ خاص اور آپ کے متبنیٰ تھے اس علاقے کے مشائخ کبار سے صغر سنی میں مرید ہوئے اس کے بعد قطب العالم کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا اور انکی صحبت میں رہ کر مقامات علیا اور سلوک کی منازل طے کیں۔ جب حضرت شمع برہانی کی طرف خلائق کا رجوع ہوا تو حضرت قطب عالم کے ارشاد سے آپ بہاؤ الدین پور منتقل ہو گئے۔ اور وہاں بھی طلباء، علماء، امراء، سلاطین کا اس قدر ہجوم ہوا کہ تنگی ہونے لگی۔ تو وہاں سے آپ اس جگہ منتقل ہو گئے (جو احمد آباد سے متصل) عثمان پور کے نام سے مشہور رہا۔ حالانکہ اس جگہ پر سب سے پہلے تنہا آپ نے اپنا خیمہ گاڑا تھا بعد میں آبادی بڑھی اور ایک پورہ آباد ہو گیا۔ جو عثمان پور کے نام سے معروف ہوا۔

آپ کی تصانیف بکثرت ہیں جن میں سے مدارج المعارج مشہور رہے۔ آپ کبھی ذوق شوق میں غزل کہتے۔ ایک غزل کا مطلع یہ ہے۔ [1]

عرش فرشیست کہ در خلوت درویشاں است
رنجہ کنجیست کہ ہم صحبت درویشاں است

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی ص ۳۔

شیخ محمد عثمانؒ الملقب بہ شمع برہانی

(م ۱۵ر جمادی الاولیٰ ۸۶۳ھ ۱۹ر مارچ ۱۴۵۹ء)

آپ کے قدرے تفصیل سے حالات اس قدر مل سکے ہیں کہ آپ گجرات کے ممتاز مشائخ میں سے تھے۔ طریقت میں شیخ برہان الدین سے مستفیض ہوئے جن کی برسوں تک خدمت کی اور آخر ان سے "شمع برہانی" کا خطاب پایا۔ سلطان محمود بن احمد آپ کے بے حد معتقد اور آپ کے شاگرد تھے۔

نور احمد فریدی نے لکھا ہے کہ آپ حضرت قطب العالم شیخ عبدالجلیل جوہر شاہ بندگی (م ۱۴۵۳ء/ ۸۵۷ھ) کے خلیفہ تھے۔ سید ابوظفر ندوی نے بھی مرآۃ احمدی کے حوالے سے ایسا ہی لکھا ہے۔ ممکن ہے دونوں بزرگوں سے خرقۂ خلافت حاصل کیا ہو۔ سابرمتی ندی کے پار عثمان پورہ کے نام سے جو بستی آپ نے آباد کی۔ اس کی آبادی ایک زمانے میں اتنی بڑھ گئی تھی کہ دس ہزار گھر صرف کاریگروں کے تھے۔

شمع برہانی نے ایک مدرسہ کے علاوہ ایک کتب خانہ بھی قائم کیا تھا۔ جو مرہٹوں کی لوٹ مار کے دوران تباہ ہوگیا۔

طلبا مسجد کے متعدد حجروں میں رہتے تھے۔ شمع برہانی کے کتب خانے کی بہت سی کتابیں اکبر بادشاہ فتح گجرات کے بعد اپنے ساتھ لے گیا۔ جن میں کچھ کتابیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور کچھ ملا عبدالقادر بدایونی اور کچھ مشہور شاعر فیضی کو ملیں اور باقی شاہی کتب خانے میں داخل کردی گئیں۔

آپ نے ۲۰ر مارچ ۱۴۵۹ء/ ۱۵ر جمادی الاول ۸۶۳ھ کو وفات پائی اور سابرمتی دریا کے کنارے عثمان پور میں آپ کو دفن کیا گیا۔

تصوف میں آپکی تصانیف میں سے "مدارج المدارج" مشہور رہے لیکن افسوس کے تذکروں میں کرامات کا ذکر تو کیا گیا ہے مگر تصنیف پر روشنی نہیں ڈالی گئی۔ آپ شعر بھی کہتے تھے۔ جن میں فقر و درویشی اور سلوک و طریقت کے رموز بلیغ انداز میں بیان فرماتے تھے۔ ایک غزل کا مطلع یہ ہے۔ [1]

عرش و فرش است کہ در خلوت درویشاں است
رنج گنج است کہ ہم صحبت درویشاں است

"خطۂ پاک اوچ" کے مصنف لکھتے ہیں:

آپ نہایت عابد و زاہد اور متوکل و قانع بزرگ تھے۔ آپ کی درگاہ کے خادم نے ایک مرتبہ شکایت کی کہ لنگر کا خرچہ پورا نہیں پڑتا۔ آپ نے فرمایا "سابرمتی دریا کے کنارے جاکر وہاں سے روزانہ خرچہ لے آیا کرو" خادم حکم کے مطابق دریا پر جاتا اور دیکھتا کہ بجائے پانی کے اشرفیاں بہہ رہی ہیں ضرورت کے مطابق رقم وہاں سے لے آتا۔ یہ برکت آپ کے خاندان میں ایک عرصہ تک قائم رہی۔

حضرت قطب العالم نے آپ کو اپنے صاحبزادہ حضرت شاہ عالم کی طرح خزانۂ الہیٰ میں تصرف کی طاقت عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ سابرمتی کے کنارے وضو کے لیے تشریف لائے۔ سوچ رہے تھے کہ اگر کوئی برتن ہوتا تو اہلیہ کے لئے بھی وضو کا پانی لے جاتا اتنے میں ایک ہندو لڑکا جس کا نام کرادھو تھا تانبہ کے برتن میں پانی لینے کے لئے دریا کے کنارے پہنچا آپ نے اسے دیکھا تو فرمایا "اگر یہ برتن مجھے دے دو تو میں پانی گھر پہنچا کر برتن واپس کردونگا۔ اس نے آپ کی بات مان لی۔ آپ پانی لے کر گھر پہنچے اور اس

---

[1] نزہۃ الخواطر اردو ص۱۲۲ تاریخ گجرات ص۱۳۰ تاریخ تمدن گجرات ص۱۹۶ تاریخ ادبیات ج۵ (فارسی ادب) ص۱۲۵۔

رڑکے کو برتن واپس کرتے ہوئے فرمایا ؛ تم بھی ہمارے پاس ہی آجاؤ گے اور یہیں رہو گے ۔

اس وقت آپ کے مکان کے ارد گرد دور دور تک کوئی بستی نہ تھی اس لئے بچہ آپ کی بات سن کر متعجب ہوا اور دل میں سوچنے لگا کہ اس اجاڑ جگہ پر کون آکر رہے گا ۔ جب وہ دریا پر دوبارہ برتن بھرنے کے لئے گیا تو دیکھا بجائے پانی کے اشرفیاں بہہ رہی ہیں ۔ جب واقعہ کا چرچا ہوا تو لوگ دھڑا دھڑ آپ کے پاس آنے لگے اور بہت جلد یہاں ایک بستی بس گئی جو عثمان پورہ کے نام سے ابتک مشہور ہے ۔ آپ کی طرف رجوعِ خلق بہت زیادہ تھا ۔ بے شمار غیر مسلم آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے ۔ [1]

عثمان پورہ کا کتب خانہ عثمان پورہ میں سلطان محمد شاہ کی مدد سے ایک مسجد اور ایک مدرسہ تعمیر کرایا گیا جس کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی تھا جس میں اور کتابوں کے علاوہ شاہی کتب خانہ کی وقف شدہ کتابیں بھی تھیں ۔

۸۶۳ھ/۱۴۵۸ء تک تو شیخ عثمان خود اس کے نگراں اور منتظم رہے پھر ان کے لڑکے اور پوتے اس کے ناظم ہوئے مرہٹوں کی لوٹ مار میں یہ تباہ ہوگیا مسجد اور مقبرہ اب تک بطور یادگار قائم ہیں ۔ [2]

سید عثمان شمع برہانی اور آپ کے خانوادہ سے محمود بیگڑہ اور دیگر سلاطین کو بہت عقیدت تھی ۔ اس کا ثبوت ان کے مزار اور مسجد کی پرشکوہ عمارتوں سے ملتا ہے ۔ جو آج سید عثمان کے خطاب شمع برہانی کے نام سے مشہور رہا اور سابرمتی کے مغربی کنارے پر مرجع خاص و عام ہیں اگر اس مسجد کا کتبہ گم نہ ہوگیا

---

[1] سلطہ پاک اوچ صہ ۳۰۴-۳۰۵ ۔ [2] گجرات کی تمدنی تاریخ صہ ۲۱۹ ۔

ہوتا تو اس پر بھی روشنی پڑسکتی تھی کہ یہ عمارتیں کب اور کس نے بنوائیں۔

سلطان محمود ثالث کے عہد میں سیّد عثمان کے خاندان کے ایک اور فرد سید اکبر اعظم بن سید آدم عالم کا نام ملتا ہے جو کبر سنی میں بھی دینی امور کی تحقیق و تدقیق میں ہمہ تن مشغول تھے۔ ان سے سلطان محمود کو بے حد عقیدت تھی۔ [1]

مولانا ابوظفر نے آپ کے مدرسہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شیخ محمد عثمان الملقب بہ شیخ برہانی، متوفی ۸۶۳ھ/۱۴۵۸ء خلیفہ حضرت قطب عالم متوفی ۸۵۷ھ/۱۴۵۲ء بڑے پایہ کے بزرگ تھے، احمدآباد ابھی ابھی آباد ہوا تھا سابرمتی ندی کے اس پار جہاں اب عثمان پورہ ہے۔ اس وقت کوئی آبادی نہیں تھی، شیخ مذکور وہیں پر خیمہ کھڑا کر کے مقیم ہوئے۔ پھر ایک ہندو بنیئے کو ترغیب دے کر آباد کیا رفتہ رفتہ آبادی بڑھتی گئی، اس کا نام شیخ نے اپنے نام پر عثمان پورہ رکھا، آخر زمانہ میں اس کی آبادی اتنی بڑھ گئی تھی کہ دس ہزار گھر فقط کاریگروں کے تھے۔

یہاں ایک عالیشان مسجد اور مدرسہ تعمیر کیا گیا جس میں دینی تعلیم ہوتی تھی۔ قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ اور اصول خصوصیت سے پڑھائے جاتے تھے۔ مسجد کے ساتھ طلبہ کے رہنے کے لئے متعدد حجرے بھی تھے۔ ان طلبہ اور شیخ کے اہلِ خاندان کے لئے جو اس مدرسہ کے معلم اور منتظم تھے بادشاہ کی طرف سے وظائف مقرر تھے۔

طلبہ اور مدرسین کے استفادہ کے لئے شاہی کتب خانہ سے اکثر کتابیں بھی دی جاتی تھیں۔

شیخ کے بعد ان کے لڑکے محمد پھر ان کے لڑکے احمد پھر ان کے خلف مولانا یوسف اس مدرسہ کو چلاتے رہے۔

[1] معارف

انہی مؤخرالذکر نے سلطان محمود بیگڑہ کے حکم سے تاریخ ابن خلکان کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ راجہ سلیم پور، لکھنؤ، حیدر آباد اور لندن میں اس کا ایک ایک نسخہ موجود ہے۔ سلطان محمود بن لطیف خان متوفی ۹۶۱ھ/۱۵۵۴ء کے عہد میں سید حاکم اس مدرسہ کے متولی تھے۔

مرہٹوں کی لوٹ مار میں جب عثمان پورہ تباہ ہوا تو اس مدرسہ کی بھی اینٹ سے اینٹ بج گئی تھی۔ ایک چھوٹا سا گاؤں مع مقبرہ اور مسجد کے بطور یادگار باقی ہے۔ [1]

قطب عالم کے دوسرے خلیفہ شیخ علی جو خطیب کے لقب سے مشہور رہیں۔ صغر سنی ہی سے آپ بڑے پاک باز اور زاہد عن الدنیا تھے جب آپ کی عمر بارہ سال ہوئی تو عبادت واطاعت میں مشغول ہوئے۔ مشغولی اس قدر بڑھی کہ غذا کھانا پینا ترک کرکے صحرا میں رہنے لگے۔ وہاں پر روزہ بھی گھاس پات ہی سے افطار ہوتا برابر بارہ سال آپ نے اس طرح مجاہدے میں گذارے اور صفائی باطنی کو اس درجہ تک پہنچا دیا کہ ملائکہ کی تسبیح وتہلیل آپ سنتے تھے۔ پانچوں نمازیں سابرمتی کے کنارے پر ادا فرماتے۔ راستے میں نماز کو جاتے ہوئے ایک مجذوب ملا۔ جو راستہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ "علی مسلمان شو"، چنانچہ اس کا معمول ہوگیا کہ جب آپ گذرتے تو یہ جملہ کہتا۔

ایک دفعہ آپ تشریف لے جارہے تھے کہ راستہ میں مجذوب پکا ہوا کھانا لوگوں کو تقسیم کررہا تھا۔ آپ کو دیکھکر آپ کی طرف دوڑا۔ اور آپ کو زمین پر گرا کر اور آپ کے سینے پر چڑھ کر دو تین لقمے زبردستی آپ کے منہ میں ڈالے۔ اور شمع برہانی کو دو تین مکے بھی ساتھ مارے اور پھر آپ کو

---

[1] گجرات کی تمدنی تاریخ صفحہ ۱۹۶۔

چھوڑ دیا اور کہا وہی جملہ کہ علی مسلمان شو ۔ اس کی وجہ سے آپ پر بیہوشی طاری ہوگئی جب ہوش میں آئے تب آپ کو علی مسلمان شو کے معنی معلوم ہوئے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ کہیں جا کر کسی کا مرید ہونا چاہیئے اسوقت قطب عالم حضرت گنج بخش بقید حیات تھے حضرت قطب عالم کے یہاں سماع بھی ہوتا تھا ۔ اس لئے وہ حضرت گنج بخش رح کی خدمت میں پہنچنے کے لیے بیل پر سوار ہو کر سرکھیج کی طرف چلے ۔ جب سابرمتی کے کنارے پر پہنچے تو بیل رک گئے ۔ ایک قدم آگے بڑھانے کے لئے تیار نہیں اس دوران میں ایک غیبی ہاتھ نمودار ہوا اور شیخ کی گدی پر پنجہ مارا ۔ اور گریبان کھینچا جس کی وجہ سے شیخ کے کپڑوں پر پانچ انگلیوں کا نشان شوربے کے ساتھ کپڑوں پر پڑ گیا ۔ شیخ نے ساتھیوں سے کہا کہ کوئی مجھے پیچھے کھینچ رہا ہے ۔ بیلوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو جہاں وہ جائیں گے وہی ہماری منزل ہے بیل پر اسنے اسادل کی طرف چلنے لگے ۔ جہاں حضرت قطب عالم کا قیام تھا وہاں پہنچ کر حضرت قطب عالم نے دیکھتے ہی ارشاد فرمایا ۔ کہ پہلے خلافت اور پھر اس کے بعد ارادت ۔ کہ پہلے آپ کو خلافت دیجاتی ہے اس کے بعد مرید کریں گے ۔ نیز ارشاد فرمایا کہ چراغ تیل اور بتی سب تیار کر کے لائے ہو کوئی اس کو روشن کر دے ۔ پہلے آپ نے خلافت مرحمت فرمائی ۔ اس کے بعد آپ کو مرید کیا ۔ اس کے بعد حضرت قطب عالم نے آپ کے لئے جو کھانا رکھوایا ہوا تھا وہ مرحمت فرمایا شیخ علی نے دو تین لقمے اس میں سے ابھی نہیں کھائے تھے کہ جوش محبت اور ذوق وشوق کا غلبہ ہوا اور زار وقطار رونا اور نعرے لگانے شروع کر دیئے اس کے بعد کچھ لوگ بیعت کے لئے قطب عالم کے پاس پہنچے ہوئے تھے ۔ قطب عالم نے شیخ علی سے فرمایا کہ ان کو بیعت کیجئے ۔ چنانچہ قطب عالم کے سامنے آپ نے ان کو بیعت کیا ۔ اس کے بعد قطب عالم نے شمع برہانی

کو ارشادِ خلق کے لئے رخصت کر دیا۔

آپ نے ۷۰ رسال کی عمر میں ۲۶ رشوال ۸۷۲ھ/۱۸ رمئی ۱۴۶۸ء کو احمد آباد کے قریب ایک محلہ قدنپورہ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور وہیں آپ کا مزار ہے۔

قدنپورا اور قطب پور یہ پوروں میں سے اس وقت کے دو پورے تھے[1]

؛ آپؒ صاحبِ فتح القدیر علامہ ابن الہمام کے معاصر ہیں ؛

سوز

م ۱۲۱۳ھ

قطب عالم کے نسبی سلسلہ سے ہندوستان کے مشہور شاعر سوز بھی ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت قطب عالم گجراتی قدس سرہٗ تک پہنچتا ہے۔ آپ کا نام سیّد محمد میر اور سوز تخلص ہے۔ پہلے آپ میر تخلص کرتے تھے لیکن جب دیکھا کہ میر تقی میر کا نام زیادہ روشن ہے تو آپ نے سوز تخلص اختیار کر لیا۔

آپ کے دادا کا نام سید ضیاء الدین ہے جو بہت بزرگ شخص تھے اور تیر اندازی میں مشہور تھے، لیکن آپ کے والد پرانی دہلی کے محلہ قرادل پورہ میں سکونت پذیر تھے۔ جب دھلی کی حالت خراب ہوئی تو آپ لباس فقیرانہ اختیار کر کے لکھنؤ چلے گئے وہاں بھی کامیابی نے شکل نہ دکھائی تو ۱۲۱۲ھ میں مرشد آباد آ گئے۔ کچھ روز وہاں رہ کر پھر واپس لکھنؤ آئے تو قسمت نے یاوری کی۔ اور نواب آصف الدولہ آپ کے شاگرد ہو گئے۔ اسّی برس کی عمر میں بمقام لکھنؤ انتقال فرمایا۔ ۱۲۱۳ھ تاریخ

---

[1] خاتمہ مرآت احمدی ص۲۲۔

پیدائش اور ۱۲۱۳ھ تاریخ وفات ہے۔

آپ کا کلام :-

عاشق ہوا، اسیر ہوا، مبتلا ہوا — کیا جانئے کہ دیکھتے ہی دل کو کیا ہوا
سرمشقِ ظلم تونے کیا مجھ کو واہ واہ — تقصیر یہ ہوئی کہ ترا آشنا ہوا
دل تھا بساط بیں سو کوئی اسکو لے گیا — اب کیا کروں میں اے مرے اللہ کیا ہوا
پاتا نہیں سراغ کروں کس طرف تلاش — دیوانہ دل کدھر کو گیا آہ کیا ہوا
سنتے ہی سوز کی خبر مرگ خوش ہوا — کہنے لگا کہ پنڈ تو چھوٹا بھلا ہوا [۱]

شیخ محمد عبداللہ حسینی بخاری

(م ۷ رشعبان ۸۹۲ھ / ۲۶ رجولائی ۱۴۸۷ء)

شیخ محمد بن عبداللہ بن محمود بن الحسین حسینی بخاری۔ حضرت قطب عالم رح کے حقیقی بھائی تھے۔ سال ولادت ۹ ر رجب ۸۰۳ھ ہے اپنے بڑے بھائی حضرت قطب عالم سے پڑھا اور رتبہ کمال تک پہنچے۔ آپ سے بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا۔ ۷ رشعبان ۸۹۲ھ/۲۶ جولائی ۱۴۸۷ء کو رحلت فرمائی، قبر موضع بٹوہ کے قریب ہے۔ [۲]

مخدوم شیخ محمود دریا نوش

(م ۸۸۴ھ - ۱۴۷۹ء)

آپ حضرت قطب العالم برہان الدین بخاری رح کے سب سے بڑے فرزند گرامی اور سجادہ نشین تھے۔ ۸۰۹ھ/۱۴۰۶ء میں پٹن (نہروالہ) میں پیدا ہوئے۔ اور ۷۵ برس کی

---

[۱] تاریخ ادب اردو ص۶۱۰، مرآۃ الشعراء ص۲۳ [۲] بحوالہ مرآۃ احمدی، نزہۃ الخواطر ص۱۲۵۔

عمر میں ۸۸۴ھ/۱۴۷۹ء میں بٹوہ (احمد آباد) میں آپ کا وصال ہوا۔ حضرت قطب العالم کو آپ سے اپنی تمام اولاد میں سب سے زیادہ تعلق خاطر تھا۔ چونکہ تصوف وسلوک میں آپ کا مقام بہت اونچا تھا۔ اس لیے حضرت قطب العالم آپ کو بھائی محمود کہہ کر پکارتے۔ حضرت قطب العالم کو جو خرقہ خلافت اپنے جد امجد حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے ورثہ میں ملا تھا۔ وہ آپ نے حضرت محمود کو عطا فرما کر خلافت سے سرفراز فرمایا۔ آپ کا لقب دریا نوش تھا۔ مشہور ہے کہ ایک بار حضرت شاہ عالم پر مستی کی کیفیت طاری ہو گئی حضرت قطب العالم کو پتہ چلا تو فرمایا۔ دیکھو تمہارے بھائی محمود کو ہم نے معرفت الہٰی کے خم کے خم پلا دیئے اور عشق خداوندی کے سمندر پی کر بھی وہ اپنے آپ میں رہے مگر تم ایک قطرہ بھی ہضم نہ کر سکے۔

اس واقعہ کے بعد آپ "دریا نوش" کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

بجام ہر کسے ہرگز شراب عشق کے گنجد
خوشا رندے کہ خم خم نوشد و نایدز وے بوئے

آپ کا مزار اپنے والد ماجد کے پہلو میں دائیں جانب واقع ہے۔[۱]

شیخ عبد اللطیفؒ

م ۴ رمضان ۸۸۵ھ/۱۷ اکتوبر ۱۴۸۰ء

آپ احمد آباد کے باشندے تھے۔ قطب عالم کے خلیفہ خاص تھے، اور حضرت قطب عالم ان کو بارہویں صاحبزادے فرمایا کرتے تھے۔ ظاہری و باطنی علوم میں

---

[۱] خطۂ پاک اوچ صـ ۲۰۳

کمال حاصل تھا۔ اور جو شخص بھی قطب عالم کو ان کے پٹن سے احمد آباد آنے کی خوشخبری سناتا۔ تو اگر وہ مؤمن آتا تو سلامتی ایمان کی بشارت دیتے اور اگر غیر مؤمن ہوتا تو اتنا سونا کہ جس سے زبان پر سونے کے ذریعے طلار کیا جا سکے۔ اس کو مرحمت فرماتے۔ آپ بڑے زبردست متقی متوکل عالم ربانی تھے۔ آپ نے نو کتابیں لکھیں۔ آپ کا گذرِ اوقات توکل پر تھا اور کہیں سے آپ نے اپنے لیے وجہ معیشت مقرر نہیں کی تھی۔ اکثر اوقات فقر و فاقہ میں گذارتے۔

ایک روز آپ کے اہل و عیال نے آکر حضرت شیخ کو تنگ کیا اور کہنے لگے کہ آپ (حکومت) سرکار سے کوئی چیز قبول نہیں کرتے کیا ہماری روزی آپ کے مصلیٰ کے نیچے سے پیدا ہوگی؟ حضرت شیخ تسلی کی خاطر ان کو فرماتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر و فاقہ کی قدر و منزلت معلوم کرکے فرمایا تھا: "الفقر فخری" اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے غلام ہیں۔ جتنا ہو سکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہمیں کرنی چاہئے۔ اور اس کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہئے۔ اگرچہ ہمارے پیر دستگیر نے کرّات و مرّات کئی دفعہ بارہا خزائن الٰہی میں تصرف کرنا عطا کیا۔ لیکن ہم نے گوشۂ چشم سے بھی اس کی طرف نگاہ نہیں کی حجرے میں آکر اپنی ضرورت کے موافق لے لو وہ حجرے میں آئے دیکھا کہ تمام حجرہ جواہر و اشرفیوں سے بھرا ہوا ہے۔

۱۰۴۱ھ تک ایمیں سے تھوڑا سونا ان کے گھر میں موجود تھا۔ آپ قرأت و تجوید کے بہت اچھے استاذ تھے سید جعفر شیرازی نے ان سے سبعہ قرأت سیکھکر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔

آپ کی مشہور تصنیف لطائفِ برہانی، کتب خانہ پیر محمد شاہ احمد آباد میں تھی ایک اور معرکہ آرار کتاب "منشور خلافت" ہے اس کا ایک قلمی نسخہ بھی گجرات میں ملتا تھا۔

آپ کا مزار پٹن میں ہے، وفات ۴ رمضان ۸۰۵ھ/ ۱۷ اکتوبر ۱۴۸۰ء کو ہوئی۔ [1]

شیخ سراج، خلیفہ قطب عالم

حکایت شاہی نامی کتاب کے شروع میں جو سید جعفر بدر عالم نے حضرت شاہ عالم کے مناقب میں تالیف کی ہے اس میں شیخ سراج کے احوال اس طرح مذکور ہیں کہ وہ ۴۹ نمبر کی حکایت میں لکھتے ہیں کہ ایک روز حضرت شاہ عالم نے شیخ سراج سے جو اپنے آپ کو اطبّار کے لباس میں مستور رکھتے تھے اور حضرت قطب العالم کے مرید تھے اور حضرت شیخ علی خطیب جو حضرت قطب عالم کے خلیفہ تھے ان سے استرشاد و رہنمائی لیتے تھے۔ تو شیخ سراج سے حضرت شاہ عالم نے ایک روز فرمایا کہ سلطان محمود بیگڑہ کو طلب الٰہی کا درد اٹھنے والا ہے اور شفار تمہارے ذریعہ مقرر ہے۔ اس وقت انکار نہ کرنا اور انکی حاجت پوری کرنا کچھ مدت کے بعد سلطان کو طلب الٰہی کا درد اٹھا اور جو سفارش حضرت شاہ عالم نے حکیم سراج سے کی تھی وہ پوری ہوئی۔ اور یہ شیخ سراج اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کے انتظار میں رہے۔ شیخ سراج چونکہ اپنے آپ کو اطبّار کے لباس میں مستور رکھتے تھے تو اس لئے وہاں دربار شاہی تک جا نہیں سکتے تھے۔ اور اس وجہ سے کبھی کبھی پریشان رہتے تھے کہ کیسے یہ پیشین گوئی پوری ہوگی یہاں تک کہ ایک مرتبہ سلطان کے خدمت گاروں میں سے ایک بیمار ہو گئے اور اطبار شہر کو ان کے علاج کے لئے بلایا گیا مگر کسی سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے انہیں شیخ سراج کے متعلق مشورہ دیا اور شیخ سراج لائے گئے اور ان کے

---

[1] خاتمہ مرآت احمدی ص۱۱۔

علاج سے شفا ہوگئی۔ اس پر سلطانی خدمت گار نے کہا کہ آپ سلطان کی خدمت میں سلام کرنے کے لئے چلئے تو حکیم سراج نے انہیں تنہائی میں لے جاکر فرمایا کہ اگر سلطان معالج کے متعلق پوچھے تو میرا نام بتا دینا اور خلوت میں یہ بھی عرض کر دینا کہ یہ حکیم وہی ہے کہ جن سے شاہ عالم نے تمہارے متعلق سفارش کی ہے۔ اور اگر سلطان مجھے دیکھنے کا قصد فرمائیں تو کہنا - کہ انہوں نے یوں کہا ہے کہ مجھے بلاکر دیگر اطبار کی طرح سے اپنے ملازمین میں شامل فرمالیں۔ اور ظاہری اطبار کے ساتھ جیسا سلوک فرماتے ہیں، اسی طرح کا سلوک میرے ساتھ فرمائیں۔

اور اگر معنوی علاج کی خواہش رکھتے ہوں تو کبھی کبھی خلوت میں مجھے بلاتے رہیں کہ حضرت شاہ عالم کے حکم کی برکت سے امید ہے کہ مقصود انشاء اللہ حاصل ہوگا۔ غرض وہ خدمت گار جب سلطانی سلام کے لئے پہنچے تو سلطان نے بیماری کا حال اور علاج کے متعلق پوچھا۔ اور انہوں نے ماجرا تفصیل سے بیان کر دیا۔ سلطان نے عرض کیا کہ حکیم کو بلاؤ اور ملازم رکھلو کچھ عرصہ کے بعد خلوت میں بلایا اور ان کے پیر پر اپنا سر رکھ کر گریہ وزاری بہت زیادہ کرنے لگے، بہت زیادہ روئے، اور اپنے درد کا اظہار کیا حکیم نے کہا کہ محبت الہٰی کس درجہ تک آپ اپنے دل میں پاتے ہیں سلطان نے کہا کہ الحمدللہ اس مرتبہ تک میں پہنچ چکا ہوں کہ اپنے اس موروثی ملک میں یہاں کے بازار میں، میں ایک ایک ہڈی اور ایک ایک نان کے ٹکڑے کی جاکر بھیک مانگوں اور بازار والے میرے اوپر پتھر اور اینٹوں کی بارش برساتے ہوں اور یہ کہ اس کا کچھ عشر عشیر جیسا کہ آپ حضرات کو خداوند تعالیٰ کے ساتھ تعلق حاصل ہے اس کا عشر عشیر مجھے حاصل ہوجائے تو یہ میرے نزدیک اس موجودہ سلطنت سے بھی بہتر ہے بلکہ ربع مسکون کی سلطنت سے بھی بہتر ہے۔ حکیم سراج نے فرمایا

کہ الحمد للہ کہ اس وقت ترک دنیا ضروری نہیں ہے اور ان کے ارشاد و رہنمائی میں مشغول ہوئے اور سلطان کا کام اتمام تک پہنچایا۔ حکیم سراج کا یہ قصہ مرآۃ سکندری میں احوال استرشاد سلطان محمود بیگڑا از خدمت شیخ سراج کچھ تھوڑے سے تفاوت سے ذکر کیا گیا ہے۔ [۱]

سیّد محمد زاہد بن قطب عالم بخاری

(م ۶ر شعبان ۸۹۲ھ/ ۲۱ر اکتوبر ۱۴۸۷ء)

۹ر ماہ رجب ۸۴۸ھ بمطابق ۲۱ر اکتوبر ۱۴۴۴ء کو احمد آباد میں آپ عالم آب و گل میں قدم رنجہ ہوئے، بچپن میں حفظ قرآن کے بعد ۲۰ سال کی عمر میں تجوید، فقہ، حدیث، اور جملہ علوم و فنون کی تحصیل سے فراغت پائی آپ نہایت خوش الحان قاری بھی تھے، اور برادر اکبر شاہ عالم کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے اور ان کی توجہات خصوصی سے جلد ہی مقصد کو پہنچے اور حصول نسبت پر خلافت پائی۔

شاہ عالم کی خانقاہ کی نگرانی حسب دل خواہ انجام دینے کی بنا پر شاہ عالم کے دیوان کے نام سے آپ مشہور ہو گئے۔

بعض مؤرخین نے آپ کو بلا واسطہ والد ماجد قطب عالم بخاری کا بھی خلیفہ بتایا ہے، ۶ر ماہ شعبان ۸۹۲ھ ۲۶ جولائی ۱۴۸۷ء کو بٹوہ میں آپ نے رحلت فرمائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ اولیائے زمانہ کا خیال تھا کہ شاہ عالم کا خصوصی فیض ان کو پہنچا ہے اور آپ کے علاوہ سید ناصر الدین محمود راجو اور میاں مخدوم اور شریف ابوبکر عیدروس نے شاہ عالم کے فیوض سے وافر حصہ پایا ہے۔ [۲]

---

[۱] خاتمہ مرآت احمدی ص ۹۲۔ [۲] اکابرین گجرات ص ۹۴، گجرات کے روحانی چراغ، تاریخ اولیاء دکن ص ۸۷۵۔

خاتمۂ مرأۃ احمدی میں ہے کہ :

حضرت شاہ عالم کے خلفاء میں سید زاہد عالم ہیں۔ حضرت سید محمد زاھد بن حضرت سید برہان الدین قطب عالم جو حضرت شاہ عالم قدس سرہٗ کی حیات میں نماز باجماعت کے امام اور حضرت شاہ عالم کے بھائی اور حضرت شاہ عالم کے مرید تھے۔ آپکی ولادت ۸۴۸ھ ۹ رجب کو ہوئی۔ چونکہ آپ کو قطرات سے حفاظت کی خاطر استنجاء میں دیر ہوتی اور اس میں آپ کافی احتیاط برتنے

اس لیے شاہ عالم ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ سید زاھد کا استنجاء دوسروں کے بہت سے مجاہدات اور ریاضتوں سے بہتر ہے۔ جب حضرت شاہ عالم کا وصال قریب ہوا تو آپ نے سید محمد زاھد کو بلا کر فرمایا کہ آ آ غیبی خزانے کی کنجیاں جو میرے پیر سے بندھی ہوئی ہیں تیرے حوالے کروں۔ یہ ارشاد فرماکر پیر کو ہلایا اور حاضرین نے کنجیوں کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز بھی سنی۔ حضرت سید محمد زاھد آداب بزرگانہ اور تواضع بجالائے اور عرض کیا کہ میں نے اس مطلب کے لیے حضرت کی خدمت نہیں کی میں ایک مقصد رکھتا ہوں، امید رکھتا ہوں کہ وہ حاصل ہو حضرت شاہ عالم بہت خوش ہوئے اور فرمایا اللہ تعالٰی کی تیرے اوپر رحمت ہو۔ محمد زاھد جیسا تیرا نام ہے تو زھد اور بے رغبتی کی صفت سے متصف ہے اور بدرجۂ اتم واکمل تو یہ صفت رکھتا ہے۔ یہ فرماکر اپنے سامنے بلوایا اور ان کے سینے سے اپنا سینہ لگایا اور اپنی زبان مبارک ان کے منہ میں رکھدی اس ضمن میں جو حضرت کا مقصود تھا اس کو پورا کیا۔ حضرت شاہ عالم کے وصال کے بعد فیوضاتِ الٰہی کی نعمت چار شخص پر منقسم ہوئی۔ ایک سجادہ نشین امیر سید ناصرالدین محمود جو سید محمد راجو کے لقب سے مشہور ہوئے، دوسرے سید زاہد، تیسرے خلیفۂ خاص میاں مخدوم

چوتھے سید شریف ابوبکر عیدروس حضر موتی، حضرمی شریف ابوبکر عیدروس کے جدِ اکبر سید شیخ ہیں جن کا مزار جوہری واڑہ میں احمد آباد میں ہے۔ سید محمد زاہد اپنی مدت عمر پوری فرما کر ۹۹۲ھ ۶ ؍ شعبان کو واصل بحق ہوئے۔ تاریخ وصال اس کلمہ سے نکلتی ہے ؛ قرۃ عین نبی ، اور آپ کی عمر صوری کی تعریف لفظ حلوہ سے نکلتی ہے جو ۴۴ ؍ سال ہے

آپ کا مزار بٹوہ احمد آباد میں ہے اور آپکی پائنتی میں آپ کے صاحبزادہ سید عالم شاہ کا مزار ہے۔ (خاتمہ مرات احمدی ص۴۶)

شاہ محمد امین رحمۃ اللہ علیہ

آپ احمد آباد کے صاحب کشف وکرامات مشائخ میں سے تھے۔ اپنے بھائی شاہ زاہد وغیرہ خاندانی افراد کے ساتھ بخارا سے چل کر ہندوستان بھر کا سفر کرکے احمد آباد کو مسکن بنایا اور یہیں پیوند خاک ہوئے۔

ایک مرتبہ آپ کے بھائی شاہ زاھد سے انتقال کے بعد آپ نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ میرے پیر کی انگلی لکڑی کے تابوت میں پھنسی ہوئی ہے۔ بار بار یہی خواب دیکھ کر قبر کھولی گئی تو خواب حقیقت تھا اور انگلی سے خون بھی ٹپک رہا تھا۔ چنانچہ ٹھیک کرکے دوبارہ قبر کو بند کردیا گیا۔ [1]

[1] اکابرین گجرات ص۴۸۲۔ گجرات کے روحانی چراغ۔

مصطفیٰ

مذکورہ ذیل اشعار کے شاعر کا نام مصطفیٰ ہے۔ جو اپنے کو حضرت قطب عالم برہان الدین ابو محمد عبد اللہ بخاری (متوفی ۸۵۷ھ) بٹوہ احمد آباد کی اولاد میں سے کہتے تھے۔ اور انہوں نے ۱۱۲۰ھ میں یہ نور نامہ فارسی دکھنی میں منتقل کیا۔ ؎

فارسی تھا سو دکھنی بات — لکھا مصطفیٰ حُب سنکات
کوئی پیر دیکھیں کے در حال — میرے حُب کا یو ہی خیال
یاں نبی مرنا ہیں مجکو جاں — نور نامہ کا کیا بیان
جکو کی پیر دیکھی ہوتے شاد — مجھ عاجز کون کری یاد
شیخ قطب عالم کی میں اولاد — نور نامہ کا کیا میں بنیاد
نور محمد کا نور محمد میں — میں بیٹھا لکھیا او سان میں
یکہزار دو کمی سان جان — نور تھا قدرت کا یوں نشاں
ہور بھجو نبی پر ہم صلوٰۃ — ہی کیمی سنتی میری بات
نبی صلوا علیٰ و آلِ رسول — مجھ خادم کیں کون کرنا قبول
ہی مجکو آپس ہی یو نفا — تجھ ناؤں کا ری ہوں مصطفیٰ [۱]

سید جعفر شیرازی

۹۴۲ھ / ۱۵۳۵ء

شیرازیوں کا ایک مشہور خاندان اپنے وطن سے آکر سندھ میں آباد ہوا تھا سید جعفر شیرازی سندھ ہی میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سے علوم کی تحصیل کی

---

[۱] علمی نقوش ص ۱۱۰

سندھ سے پٹن آگئے۔ کچھ عرصہ کے بعد احمد آباد میں مقیم ہو گئے۔

سید جعفر کو حضرت قطب عالم سے عقیدت ہو گئی تھی۔ ان کی صحبت با برکت میں رہ کر خرقۂ خلافت پہنا۔

زندگی کا مشغلہ درس و تدریس رہا۔ احمد آباد میں آپ کی وفات ہوئی۔ [۱]

شیخ احمد بن سید جعفر شیرازی

م ۹۴۲ھ — ۱۵۳۵ء

آپ سید جعفر شیرازی کے فرزند تھے ۸۵۲ھ میں بمقام پٹن پیدا ہوئے۔ بارہ سال کی عمر میں احمد آباد آئے۔ والد ماجد سے تحصیل علم کیا۔ والد کی طرح زندگی بھر درس و تدریس میں مشغول رہے۔ زندگی کے نوّے سال گذار کر ۹۴۲ھ/۱۵۳۵ء میں اس دنیا کو خیر آباد کہا۔ احمد آباد میں دفن ہوئے۔ [۲]

سید احمد مخدوم جہاں شاہ

م ۹/ذی الحجہ ۸۹۹ھ

سید احمد جن کا لقب مخدوم جہاں شاہ ہے۔ مخدوم جہاں شاہ گردیزی رضوی اپنی والدہ کی وفات کے بعد مانکپور پورب سے اوچھ/اُوچ شریف تشریف لیگئے اور حضرت سید محمد راجو قتال کی خدمت میں رہ کر ان کے مرید ہوئے اور کچھ مدت اُوچ شریف میں رہے۔ اس کے بعد وہاں سے مکہ معظمہ پہنچے۔ پھر سید راجو سے

---

[۱] تذکرہ قاریانِ ہند ج ۲۔ [۲] ایضاً۔

اجازت لے کر گجرات کی طرف روانہ ہوئے ۔ حضرت سید راجو نے ایک عبا آپ کے ہمراہ قطب عالم کی خدمت میں بھیجی تھی ۔ سید احمد نے وہ عبا لاکر (اس وقت قطب عالم پٹن میں تشریف فرما تھے) حضرت سید راجو کے ارشاد کے بموجب قطب عالم کو پہنچائی ۔ بعد میں ۱۱۰۷ھ تک وہ عبا یا اس کا کچھ حصہ احمدآباد میں حضرت مخدوم العالم مولانا شیخ نورالدین محمد کے فرزندوں کے پاس بطور تبرک موجود تھا ۔ سید احمد نے اپنے عم بزرگوار سید خدا بخش کے مکان میں قیام کیا ۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں حضرت مخدوم عالم اسمٰعیل کو بشارت دی کہ اپنی بچی کی نسبت سید احمد جہاں شاہ سے کردیں ۔ اور عالم واقعہ میں دیکھا کہ حضرت سید دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمارہے ہیں : یا علم الدین اعطحبیبتك فی عقد ولدی احمد تسلیماً ، حضرت مخدوم عالم اپنے گھر سے ان کا استقبال کرکے سید احمد کے گھر میں تشریف لائے ۔ اور بچی کا عقد سید احمد کے ساتھ سید خدا بخش کے گھر میں کردیا ۔ اور عقد کرکے ان کو اپنے گھر لے آئے سید احمد عقدِ مناکحت کے بعد پانچ ماہ رہے ۔ اس کے بعد مکہ معظمہ تشریف لے گئے ۔ بارہ سال وہاں رہکر حج کئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیلئے

مدینہ منورہ پہنچے ۔ اس کے بعد بیت المقدس کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے بارہ سال کے بعد سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بشارت دی کہ پٹن کی طرف تشریف لے جائیں ۔ فرمایا کہ اے میرے بیٹے سید احمد نہروالہ جاکر سکونت پذیر ہوجاؤ کہ میری امت کے گنہگار اور عاصی آپ کو دیکھیں ۔

حضرت قطب عالم اور شاہ عالم آپ کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے ۔ اور ادھر سے حضرت شیخ الاسلام شیخ احمد بہت زیادہ تعظیم کرتے اور پورے

ادب کے ساتھ ان کی خدمت میں بیٹھتے۔ کسی نے پوچھا کہ سید احمد آپ کی خدمت میں آتے ہیں۔ اور حضرت انکی تعظیم وادب فرماتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ ایک شب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا۔ سید احمد اپنا سر آپ صلی اللہ وسلم کے زانو مبارک پر رکھ کر سو رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خطاب کرکے فرمایا یا شیخ احمد انا احمد وھذا ولدی احمد اس روز سے میں انکی بہت زیادہ تعظیم کرتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس قدر یہ قرب رکھتے ہیں۔

سید احمد کی ولادت ۸۹۷ھ میں ہوئی اور آپ کا وصال نو ذی الحجہ ۹۹۸ھ میں ہوا۔ اور لفظ "وارث امام علی" سے تاریخ ولادت نکلتی ہے اسی سے عمر کے سال بھی نکلتے ہیں۔ تاریخ ولادت لفظ وارث اور امام سے اور عمر کی تعداد لفظ علی سے۔ کہ ایک سو دس سال عمر آپ نے پائی [1]

ملک شرف الدین شاہ شہباز

احمد آباد گجرات میں آپ کی نشو ونما ہوئی۔ جب آپکی عمر پانچ سال تھی تو آپ کے پدر بزرگوار ترک سکونت کرکے خاندیس چلے گئے۔ اس صوبہ کے حاکم نے بھی والی احمد آباد کی طرح آپکے والد کا اعزاز کیا۔ آپ اس وقت مکتب میں پڑھا کرتے تھے لیکن جس قدر عقل اور عمر بڑھتی جاتی تھی، اسی قدر رسمی علوم سے دلچسپی زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ جب پدر بزرگوار اس جہاں سے رخصت ہوئے تو حاکم نے آپ کو آپ

[1] خاتمہ مرات احمدی ص۱۱۵۔

کے والد کے منصب پر بلایا مگر آپ نے قبول نہیں کیا اور عقلی علوم کی تحصیل میں کوشش کرنی شروع کی ۔ مگر اچانک خدا طلبی کا درد اور خدا شناسی کا شوق دل کا دامن گیر ہوا ۔ پھر پیر طریقت کی تلاش شروع کی ان ایام میں مخدوم شیخ احمد کھٹو اور قطب زماں شاہ علی خطیب قدس سرہما احمد آباد میں تھے ۔ اور طالبان درست اعتقاد کی رہنمائی میں کامل شہرت رکھتے تھے آپ نے چاہا کہ اپنے درد کی دوا ان دونوں صاحبوں میں سے کسی ایک کی خدمت میں حاضر ہو کر طلب کریں ۔
اسی کشاکشی میں تھے کہ ایک رات خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ شاہ علی خطیب نے اپنا مرید کر کے تلقین فرمائی اور خرقۂ خلافت پہنایا ۔ اس شب کی صبح ہوتے ہی جو کچھ نقد وجنس پاس تھا سب محتاجوں کو تقسیم کر دیا اور خالی ہاتھ احمد آباد کا راستہ لیا جب پیر نے آپ کو دور سے دیکھا تو تبسم کناں فرمایا عالم مثال کا ملاقاتی آگیا ۔ چند سال بعد جب کہ خدمت کی بدولت معرفت کے عالی مرتبہ پر سرفرازی ہوئی تو رخصت ملی مگر تین شرطوں پر ۱ وطن کو جانا ۲ کد خدا ہونا ۳ لوگوں کی رہنمائی کرنا ۔

مجبوراً آپ خاندیس آئے ایک پہاڑ کے دامن میں سکونت اختیار کی ۔ خواب میں آگاہی ملی کہ لوگوں کی رہنمائی کے واسطے شہر میں سکونت اختیار کرنے کا حکم تھا ۔ تم اس کے برخلاف صحرا نشین ہو گئے ہو ۔ آپ اس کو خواب وخیال سمجھ کر پھر پیر کی ملازمت میں حاضر ہوئے ۔ ملازمت میں پہنچے تو پیر کی زبان سے بھی وہی عالم مثال کا اشارہ پایا گیا اور پہلی ہی رات کو خواب میں دیکھا ، قیامت کا شور اٹھا ہوا ہے اور لوگ ہر طرف پریشان دوڑے دوڑے پھرتے ہیں ۔ آپ کے پیر حضور خاتم النبیین علیہ الف صلوٰۃ والتسلیم کی کمر میں ہاتھ ڈالے ہوئے اور آپ پیر کی کمر کو

ہاتھ سے مضبوط تھامے ہوئے ہیں اور اسی شکل کے ساتھ ایک پہاڑ پر چڑھ رہے ہیں۔ اور علیٰ ہٰذا القیاس آپ کے پیچھے بے شمار جماعت ایک دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈالے ہوئے آپ کے نزدیک آرہا ہے" پیر نے یہ خواب سنکر فرمایا کہ یہ تمام جماعت تمہاری پیروی اور رہنمائی سے کرامت اور ولایت کے درجہ کو پہنچے گی۔ لہٰذا آئندہ لوگوں سے ملنے سے کنارہ کشی نہ کیا کرو۔ نیز پیر نے دو بیٹوں کی خوشخبری سنائی اور فرمایا کہ یہ دونوں بیٹے عالم دنیا اور عالم غیب میں مشہور ہوں گے۔ ایک کا نام عبدالرحیم اور دوسرے نام عبدالکریم ہوگا۔

آپ نے برہانپور آکر شادی کی اور پھر تھوڑے عرصے کے بعد بشارت ظہور پذیر ہوئی۔ ۶۶ رسال ہدایت کی مسند پر بیٹھ کر رہنمائی کرتے رہے اور ان دونوں لڑکوں نے بھی سلفِ صالحین کی رفتار رکھی۔ اور نیز ان لڑکوں کے علاوہ دیگر بہت سے لوگ آپ کی ملازمت سے اس درجہ کو پہنچے کہ خود بھی خلیفہ ہوئے اور اوروں کو بھی خلیفہ بنایا۔

مسند نشینی کے بعد آپ (۱) دنیا داروں کے دروازہ پر کبھی نہیں گئے۔ اور کسی کے کھانے میں سے لقمہ نہیں اٹھایا (۲) جب کوئی مشکل پیش آتی تھی جنگل کو چلے جایا کرتے تھے اور دو رکعت نماز پڑھکر مراقبہ میں بیٹھ جایا کرتے تھے۔ اس وقت حضرت غوث الثقلین سید محی الدین جیلانی قدس سرہٗ مشکی گھوڑے پر سوار آپ کو نظر آیا کرتے تھے اور نہایت آسان شکل کے ساتھ مشکل کو حل فرمایا کرتے تھے۔ (۳) ایک روز نماز ظہر کا وقت تھا۔ پانی تلاش کیا تو نہیں ملا۔ اس خوف سے کہ وقت نکل جائے ایک دیگ آگ پر رکھی ہوئی تھی جس میں پانی کھول رہا تھا اس میں سے آپ نے پانی لے کر وضو کیا اور لوگوں کو ابراہیمی معجزہ دکھایا۔

(۴) شب قدر کو دیکھا تھا۔ (۵) خواجہ خضر سے ملاقات کی تھی۔ (۶) اپنی وفات کی اطلاع دوستوں کو نو روز پیشتر دے دی تھی اور اس عرصہ میں سب کو رخصت کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ میرے پاس سے اپنا مقصد بہت سے لوگ حاصل کیا کرتے تھے اب بھی جو شخص یک دل اور یک رو ہو کر میری قبر کی طرف متوجہ ہوگا تو جو مہم اس کی ہوگی وہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے پوری کر دے گا۔ جب نویں روز شام اور شام کے بعد رات ہوئی تو آپ نے آدھی رات کے وقت اپنے خادم سے پوچھا کتنی رات گئی ہے؟ غلطی سے اس کی زبان سے نکل گیا کہ اشراق کا وقت آ گیا۔ آپ نے تبسم کر کے فرمایا ہاں درست ہے اور اسی دم آپ کی روح واصلِ حق ہوئی۔

اس وقت شیخ بیرو نامی ایک شخص باہر نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے نور کی ایک مشعل کو دیکھا کہ حجرہ کا چھت توڑ کر باہر نکل گئی۔ اس چمک دمک کے ساتھ ان کو طلوع آفتاب کا شبہ ہوا اور بے اختیار "سبحان ربی الاعلیٰ" کہہ کر زمین پر سر رکھ دیا۔ [1]

شاہ حمّاد ابن قاضی محمد

خلیفہ قطبِ عالم

تاریخ دکن میں آپ کے مختصر احوال ملتے ہیں کہ سن بلوغت تک پہنچنے کے ساتھ ہی علوم وفنون کے منتہیٰ کو آپ نے چھو لیا تھا۔ اور طریقت میں آپ کو حضرت قطب عالم

---

[1] گلزار ابرار صفحہ ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳۔

سے ارادت حاصل تھی جیساکہ آپ کے والد محترم قاضی حماد اور آپ کے برادر حمید اور حامد بھی قطب عالم کے دامنِ ارادت سے وابستہ تھے۔

آپ نہایت خلوت پسند اور اس قدر پاکیزہ انسان تھے کہ مشکوک غذا کو آپکا معدہ ہضم نہیں کرسکتا تھا۔ آپ کے زیادہ تر اسفار باوجو خلوت پسندی کے جہاد بالسیف کے لئے ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ نے عین جوانی میں صرف ۳۴ سال کی عمر میں دار فانی سے دار بقا کو کوچ فرمایا۔ اور سارنگپور میں مدفون ہوئے۔ [1]

مرآۃ احمدی کے خاتمہ میں آپ کے تفصیلی حالات تحریر ہیں کہ:

رئیس الاوتاد حماد آپ کا مزار قلعہ کے پاس دروازہ سہارنپور کے پاس احمد آباد میں واقع ہے۔ آپ کے پدر بزرگوار (جن کا اسم گرامی قاضی محمد ہے) وہ قطب العالم کے مرید تھے اور یہ تین بھائی تھے ایک کا نام حمید تھا جو قاضی جالندہ کے نام سے مشہور تھے۔ جو قاضی محمود دریائی کے پدر بزرگوار ہیں۔ دوسرے یہ قاضی حماد تیسرے حامد۔ یہ حمید، حماد، حامد نامی تینوں بھائی حضرت شاہ عالم کے خلیفہ و مرید تھے۔ شاہ حماد نے بارہ سال طفولیت میں اور طلب علم میں صرف کئے۔ اور بارہ سال تک کفار سے سپاہیوں کا لباس پہن کر جہاد میں مصروف رہے۔ اس وقت بھی اکلِ حلال اور صدقِ مقال کو آپ نے اس طرح لازم پکڑا کہ کسی نے تکلف سے یا شبہ سے کسی کھانے کی ترغیب دی جو واقعی حرام ہوتا اور آپ اس کی دلجوئی اور اس کے پاس خاطر میں ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے تو یا تو ہاتھ ہی دراز نہیں ہوسکتا تھا۔ یا فوراً بعد استفراغ ہوجاتا۔ یہانتک کہ آپ کے

---

[1] اکابرین گجرات ۴۵۳، تاریخ دکن حصہ ۲ مرآۃ احمدی۔

اس تقوی کا اثر آپ کی سواری کے جانور پر بھی اس قدر تھا کہ وہ بھی کبھی بھی حرام دانہ اور گھاس نہیں کھا سکتا تھا۔ اس کے بعد بارہ سال تمام علائق کو ترک کرکے آپ مشغول بخدا رہے، راتوں کو بہت کم سوتے اور آپ پر جلال کا اس قدر غلبہ تھا کہ کسی کی مجال نہیں تھی کہ آپ کے سامنے آسکے یا کسی قسم کی آپ کے سامنے دنیوی گفتگو کرسکے۔ جو بھی آپ کی جلال اثر نگاہ کے سامنے آتا غیر شعوری طور پر وہ کھڑے ہونے کی طاقت نہیں رکھ سکتا تھا۔ گر پڑتا اس لئے آپ اکثر اوقات پردہ کے پیچھے پردہ میں اپنے آپ کو رکھتے یہاں تک کہ ہر وقت کے حاضر باش خدام بھی پردے کے پیچھے سے خدمت اور آپ کی خواہش معلوم کرلیتے اور اس کو بجا لاتے۔ جو گفتگو ہوتی وہ پردے کے پیچھے سے کرتے۔ آپ کسی بات کے جواب میں صرف اتنا فرما دیتے کہ میں دیتا ہوں یا نہیں دیتا اس وجہ سے بعض علماء نے اس زمانہ میں آپ کے قتل کا فتوی دیا، فتوی لکھکر سلطان وقت کی خدمت میں پیش کیا کہ یہ شخص خدا کے نام کو بیچ میں نہیں لاتا ہر چیز کے جواب میں کہتا ہے کہ میدہم یا نمی دہم -

میں دیتا ہوں یا نہیں دیتا اس طرح اپنی طرف سے یہ کہتا ہے ۔

سلطان نے کہا کہ جیسا حسین بن منصور کے قتل پر جنید بغدادی نے فتوی لکھ دیا تھا اس محضر پر اس فتوی پر اگر انکے بھائی قاضی جالندہ/جالندہ گواہی لکھدیں تو میں انکے قتل کا حکم دے دونگا۔ علماء قاضی صاحب کے پاس پہنچے اور مدعا ظاہر کیا قاضی صاحب نے جواب میں عرض کیا۔ تھوڑی دیر توقف کردیں میں حماد کو نصیحت کرتا ہوں اگر قبول کریں اور توبہ کریں اور انابت الی اللہ بجالائیں تو ٹھیک کہ التائب من الذنب کمن لا ذنب له ورنہ میں فتوی لکھ دیتا ہوں۔ علماء نے اس کو قبول کیا قاضی شاہ حماد کے پاس پہنچے نصیحت کرنے لگے جواب میں فرمانے لگے کہ میاں جی اگر فتوی نہیں جانتی

تو تم خوب جانتے ہو کہ میں اپنی طرف سے میں نہیں کہتا کہنے والا دوسرا ہے اور جو بھی اس فتوی کے باعث ہوا اسکو درمیان ہی سے میں نے اٹھادیا اور اس فتوے کے باعث ایک عالم تھے میاں جی انکا نام تھا جو قاضی العالم شاہ حماد کے بھی استاد تھے اور قاضی جالندہ کے بھی استاد تھے غرض جالندہ کہنے لگے کہ وہ ہمارے استاد ہیں استاد کا حق ضائع ہو رہا ہے شاہ حماد کہنے لگے اقتلوا الموذی قبل الایذا یہ دونوں بھائی اس گفتگو ہی میں تھے کہ خبر پہنچی کہ مولانا میاں جی کو اس طرح درد شکم (پیٹ کا درد) لاحق ہوا کہ وہ جاں بلب ہیں یہ سنکر قاضی جالندہ کہنے لگے کہ ہائے ہائے میاں حماد توجہ کیجیے کہ وہ صحت یاب ہو جائیں حماد کہنے لگے کہ اگر میرے سامنے آئیں اور اس فتوی سے باز آجائیں تو تب وہ جان کو سلامت رکھ سکتے ہیں ۔

قاضی جالندہ دوڑے دوڑے مولانا میاں جی کے پاس پہنچے اور شاہ حماد کا مقولہ ان کے سامنے ذکر کیا مولانا میاں جی کہنے لگے کہ ۶۲ رسال شریعت کی استقامت پر میں نے گزارے اور مجھے بھی معلوم ہے کہ میں ان کے سامنے جاؤنگا تو مجھے صحت ہو جائے گی لیکن چند گنے چنے دن کے خاطر میں کیوں جاؤں میں تو شریعت غرّہ ، شریعت بیضا ر کی حفاظت کرونگا اور اپنی جان کی بازی لگادونگا اس طرح انہوں نے جان کی بازی لگادی اور انتقال ہو گیا ۔ انتقال کے تیسرے روز مولانا شاہ حماد اور قاضی جالندہ میاں جی کی قبر پر آئے دعا کی ۔ آپکی عمر ۶۳ رسال ہوئی ۲۲ رشوال کو آپ نے انتقال کیا ۔ [1] (۱؎ خاتمہ مرات احمدی صفحہ)

علّامہ وجیہ الدّین علوی

(وفات ۹۹۸ھ / ۱۵۸۹ء)

علاّمہ وجیہ الدین بن نصر اللہ بن عماد الدین علوی ۔ اپنے زمانہ کے مشہور اکابر علماء میں سے تھے ۔ علوم دینی میں بے پناہ تبحر رکھتے تھے ۔ انکی کثرتِ تصانیف اور تدریس میں ان کا کوئی معاصر ان کی برابری نہیں کرسکتا بلکہ بعد کے لوگوں میں ایسے مرجع الخواص مشائخ کم ہی رہے ہیں کہ آپ کے تلامذہ کی تعداد ایک گجراتی تاریخ کے مطابق ۴۸ ہزار تک پہنچ گئی تھی ۔

۲۲ محرم الحرام سنہ ۹۱۰ھ / ۱۵۰۴ء کو چانپانیر (گجرات) میں پیدا ہوئے ۔ شیخ وجیہ الدین کے دادا سید بہاؤ الدین مکی عرب سے ہندوستان سلطان محمود ثانی کے عہد حکومت میں تشریف لائے تھے ۔ اور چانپانیر کو اپنا مسکن بنایا تھا ۔ یہیں نکاح کیا اور یہیں انتقال ہوا ۔ علامہ کی پیدائش بھی یہیں کی ہے ۔

تعلیم و تعلم قدرت نے ابتدا ہی سے انہیں نیک طینت اور صالح بنایا تھا ۔ ذہانت اور قوتِ یادداشت بلا کی پائی تھی ۔ تقریباً پانچ سال کی عمر میں ناظرہ اور سات سال کی عمر میں انہوں نے قرآن مجید حفظ کر لیا ۔ اور آٹھویں سال تجوید کے ساتھ قرآن مجید علماء کے سامنے سنایا ۔ اس کے بعد علوم متداولہ کی تحصیل میں مشغول ہوئے اور اپنے چچا سید شمس الدین سے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں ۔ پھر اپنے ماموں سید ابو القاسم سے حدیث کا درس لیا ۔ چودہ پندرہ سال کی عمر میں فنِ حدیث میں اس درجہ مہارت حاصل کر لی کہ اس زمانے کے مشہور محدث علامہ محمد بن محمد مالکی اور حضرت ابو البرکات ، شاہ عبدالملک بنیانی عباسی سے باقاعدہ تحصیل کرکے اس میں

سندِ فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد علوم عقلیہ کی طرف توجہ کی۔ تو علامہ جلال الدین دوانی کے مایۂ ناز شاگرد مولانا عماد الدین طارمی اور ابوالفضل محمد مظہر الدین گاذرونی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اور چوبیس سال کی عمر میں علوم ظاہری کی تکمیل کرلی تقریباً سترؔ سال تک احمد آباد میں معقول و منقول کے پڑھانے میں اپنی اوقات بسر کی۔

سلطان مظفر آپ کے والد شاہ نصر اللہ کی بڑی عزت کرتے تھے امورِ سلطنت میں اکثر ان سے مشورہ لیتے تھے۔ مظفر شاہ نے شاہ نصر اللہ سے درخواست کی کہ احمد آباد میں قیام فرمالیں چنانچہ آپ چانپانیر سے منتقل ہو کر احمد آباد تشریف لے آئے۔ علامہ وجیہہ الدین بھی اپنے والد کے ہمراہ احمد آباد آگئے اور زندگی بھر یہیں مقیم رہے۔ احمد آباد آمد کے وقت علامہ کی عمر آٹھ سال تھی۔ آپ نے قرآن و حدیث علوم نقلیہ اور عقلیہ سے فراغت کے بعد احمد آباد میں بیس سال کی عمر سے تدریس شروع کی اور آخیر عمر تک احمد آباد میں علوم کے دریا بہاتے رہے۔

شرح جامی اور تفسیر بیضاوی جیسی تقریباً تیئیس ۲۳ کتابوں کے شروح و حواشی لکھے۔ آپ کی زندگی میں احمد آباد سے لاہور تک آپ کے شاگردوں نے علم دین کو پھیلایا۔ [1]

شیوخ سے تعلق

آپ نے متعدد بزرگوں سے فیض پایا۔ پہلے اپنے والد سے چشتیہ اور مغربیہ سلسلہ کی تعلیم پائی پھر قاضی خاں چشتی المشہور بہ قاضی قاضن چشتی نہروالی (مدفون بہ پٹن) کی صحبت میں رہ کر علوم باطنی حاصل کرتے رہے۔ ان کے انتقال کے بعد میاں بدرالدین

---

[1] تاریخ صوفیائے گجرات

ابوالقاسم سہروردی سے تعلق قائم کیا جب جذبۂ شوق کا غلبہ ہوتا تو سید کبیر الدین مجذوب کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ نیز آپ نے شیخ نجم الدین صدیقی سے بھی فیض پایا۔ آخر میں سید غوث گوالیاری شطاری کے دامنِ تربیت سے وابستہ ہوگئے۔

شیخ غوث محمد گوالیاری کے خلاف شیخ علی متقی نے کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ جس کا ذکر شیخ غوث گوالیاری کے حالات میں تفصیل سے کیا گیا ہے۔ فتویٰ کی بنیاد شیخ گوالیاری کی کتابوں میں بعض باتیں تھیں جو قابلِ اعتراض تھیں۔ علامہ وجیہہ الدین علوی نے فتویٰ دیکھا تو فتویٰ کو پھاڑ دیا اور فرمایا کہ معراج نامہ میں جتنے واقعات درج کئے گئے ہیں۔ شیخ نے یہ تمام باتیں خواب کی کیفیت میں فرمائی ہیں۔ خواب کے واقعات کو ظاہری زندگی کے معاملات پر محمول نہیں کرنا چاہئے۔[1]

شیخ علی متقی کو اس کی اطلاع ہوئی تو بہت ناراض ہوئے اور علامہ وجیہہ الدین سے کہا کہ بدعت کی اشاعت اور دین میں رخنہ پیدا کرنے میں تم کس طرح راضی ہوگئے۔ علامہ وجیہہ الدین نے جن کا قلب و جگر پہلے ہی شیخ گوالیاری کے دامِ الفت میں پھنس چکا تھا۔ جواب دیا کہ ہم اربابِ قال ہیں۔ شیخ گوالیاری اہلِ حال ہیں، ہمارا فہم ان کے کمالات تک نہیں پہنچ سکتا۔

شاہ محمد غوث کے حلقہ ارادت میں آنیکا سبب

شاہ وجیہہ الدین علوی رحضرت شاہ محمد غوث گوالیاری رح کے حلقہ ارادت میں کیسے اور کب آئے؟ اس کے متعلق مختلف روایتیں ملتی ہیں۔ بعض تذکرہ نگاروں میں شاہ محمد غوث کے واقعہ تکفیر کو اس کا سبب بتایا ہے کہ یہی واقعہ شاہ وجیہہ الدین کی بیعت اور خلافت کا ذریعہ بن گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ پہلے اپنے ماموں شیخ یحییٰ کے ساتھ شاہ

---

[1] خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۳۲۲۔

محمد غوث رحؒ کی خدمت میں تشریف لائے اور شرفِ بیعت حاصل کیا۔

اس سلسلہ میں تیسرا شیخ عبدالنبی شطاری اکبرآبادی کا بیان ہے۔ جسے انہوں نے اپنی کتاب "تذکرۂ اولیائے شطاریہ" میں لکھا ہے اس بیان کی زیادہ اہمیت اس لیے ہے کہ شیخ عبدالنبی اور ان کے والد شیخ عبداللہ عثمانی سندیلوی ثم اکبرآبادی شاہ وجیہہ الدین کے تلامذہ میں ہیں اور برسوں انکی صحبت میں رہے ہیں۔ شیخ عبدالنبی اپنے والد کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان کے استادوں میں شیخ مبارک دانشمند اور شیخ وجیہہ الدین گجراتی تھے۔ تحصیلِ علوم کے بعد دو سال تدریسی فرائض انجام دیئے۔ پھر خدا طلبی کا جذبہ پیدا ہوا تو تمام کتابیں طلبہ میں تقسیم کرکے گوشۂ تنہائی اختیار کرلیا۔ اور ریاضتِ شاقہ میں مصروف ہوگئے ان دنوں ان کے یہ دونوں استاد ان کے لئے افطار بھیج دیا کرتے اسی اثناء میں یہ خبر پہنچی کہ حضرت شیخ محمد غوث چانپانیر میں تشریف لاتے ہیں۔ شیخ وجیہہ الدین نے ان کے اوصاف و کمالات شیخ مبارک دانشمند سے سنے۔ تو ان کے دل میں شیخ محمد غوث سے عقیدت پیدا ہوگئی۔ اس کا اظہار انہوں نے اپنے والد صاحب سے بھی کیا۔ جنہوں نے کہا کہ ملاقات سے پہلے استخارہ کرلیں تو بہتر رہے گا۔ شیخ وجیہہ الدین نے فرمایا کہ زیادہ تر لوگ ان کی روحانیت کے قائل ہیں اس لئے میری خواہش ہے کہ ان کی خدمت بابرکت میں جلد پہنچوں ان کے والد نے کہا کہ کوئی اپنے دل میں نشانی سوچ لیں اگر وہ واقعی مردِ درویش ہونگے تو پتہ چل جائے گا۔ ورنہ پھر لوگ آپ پر طعنہ زن ہوں گے شیخ وجیہہ الدین کو اپنے والد کی یہ بات پسند آئی انہوں نے بڑی توجہ سے استخارہ کیا۔ دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ شیخ محمد غوث کو اللہ تعالیٰ اس دربار

ہیں آپ کے لئے اور بعض دوسرے لوگوں کے لئے لایا ہے۔ چنانچہ دوسرے روز شیخ وجیہہ الدین نے فرمایا کہ مجھے حضرت محمد غوث رح کی خدمت میں جانے کا حکم ہو گیا ہے تم بھی ساتھ چلو۔ آخر شیخ وجیہہ الدین اور شیخ مبارک دانشمند اس قدوۂ شطار کی خدمت میں چانپانیر پہنچے۔ شیخ وجیہہ الدین نے شیخ مبارک سے کہا کہ وہ یہ نہ بتلائیں کہ یہ وجیہہ الدین ہیں۔ جب مرشد نامدار کے دربار میں پہنچے تو حضرت غوث کی خادمہ چنپا دائی نکل کر باہر آئی اور کہا کہ حضرت نے فرمایا ہے کہ شیخ وجیہہ الدین اور شیخ مبارک دانشمند احمد آباد سے آئے ہیں ان سے کہو کہ تشریف رکھیں۔ فقیر بھی تجدید وضو کے بعد حاضر ہوتا ہے۔ یہ دونوں حضرات کچھ دیر بیٹھے تھے کہ حضرت غوث باہر تشریف لائے اور بغل گیر ہوئے اور فرمایا کہ میاں جی! حق تعالیٰ مجھے اس دیار میں آپ کے واسطے اور بعض دوسرے یاروں کے لیے لایا ہے۔ شیخ وجیہہ الدین تعظیم بجالائے اور عرض کیا کہ حضرت والا کی خدمت میں ارادت کی غرض سے آیا ہوں۔ حضرت غوث نے فرمایا کہ میاں جی! آپ کو مرید ہونے کی چنداں ضرورت نہ تھی لیکن میری جانب سے جو کچھ فیض مقدر ہے وہ آپ کو مل کر رہے گا۔ پھر حضرت غوث نے اپنا خرقہ مبارک شیخ وجیہہ الدین کو پہنا دیا۔ اور فرمایا کہ میاں جی! آپ لوگوں کو ہدایت فرمائیں اور انہیں مرید کریں۔ حضرت غوث نے انہیں چند روز اپنے یہاں ٹھہرا کر بعض مراقبات و اشغال تلقین فرمائے اور پھر انہیں احمد آباد رخصت کر دیا اور یہ بھی فرمایا کہ آپ چلیں۔ آپ کے پیچھے ہم بھی پہنچتے ہیں۔

شیخ وجیہہ الدین نے واپسی کے بعد والد سے حضرت غوث رح کی بے حد تعریف کی۔ اور فرمایا کہ تم بھی انہیں دیکھ لوگے تو ان کے شیدا ہو جاؤ گے۔ والد صاحب نے کہا کہ جو کچھ ازل میں لکھا جا چکا ہے وہ ظاہر ہو کر رہے گا۔

چند دنوں کے بعد حضرت غوث احمد آباد تشریف لائے ۔ دستور خاں کے خوبصورت اور دلکش باغ میں ورود فرمایا ۔ شیخ وجیہ الدین حضرت غوث کی ملاقات کے لئے چلنے لگے تو اصرار کر کے والد کو بھی ساتھ لے لیا ۔ شیخ وجیہ الدین برابر حضرت غوث کی خدمت میں رہنے لگے ۔ ایک روز کچھ ریاضت و مجاہدہ کے سلسلہ میں عرض کیا تو حضرت غوث نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے نتائج و ثمرات ضرور ظاہر فرمائیگا ۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد شیخ وجیہ الدین نے والد سے کہا کہ آپ بھی اس سلسلہ میں کیوں نہیں داخل ہو جاتے ؟ والد نے جواب دیا اور کہا کہ یوں تو مشائخ کے بہت سے سلسلے ہیں لیکن میری طبیعت دوسروں سے الگ ہے ۔ میں تو چاہتا ہوں کہ ایسے بزرگ کے حلقہ میں آؤں جو واقعی اللہ کی راہ میں اپنے کو فنا کر چکا ہو ۔ اسی اثناء میں حضرت غوث کی زبانِ مبارک سے نکلا کہ ہرن شیر کے پنجے میں آگیا ہے ۔ لوگوں کو اس جملے پر حیرت ہوئی تھوڑی دیر کے بعد عصر کی نماز حضرت غوث کے ساتھ ادا کی اور رخصت ہونے لگے تو حضرت غوث بھی ان کے ساتھ کھڑے ہو گئے ۔ بغلگیر ہو کر انہیں رخصت کیا ۔[1]

اوصاف و کمالات

علامہ وجیہ الدین بڑے صاحب صدق و اخلاص تھے ۔ فنا اور سخاوت کے پیکر تھے ۔ جو کچھ حاصل ہوتا طلبہ پر صرف کر دیتے ۔ اپنے دولت کدہ اور مسجد میں عبادت و تدریس کے سوا کوئی مشغلہ نہ تھا ۔

مدرسہ کا قیام

آپ نے ۹۳۴ھ میں خانپور احمد آباد میں ایک مدرسہ قائم کیا اور اس کا نام مدرسہ عالیہ علویہ رکھا ۔ ۴۸ سال کی عمر تک اسی مدرسہ میں درس دیتے رہے ۔ آپ کی طبیعت پر طریقت و سلسلہ کا اور باطنی شغل کا اس قدر غلبہ ہوا کہ کبر سنی میں درس و تدریس بھی موقوف فرما دی ۔ اور ہمہ تن طریقت

---

[1] المعارف فروری ۲ ۸ ۶ء صفحہ ۱۱۶ ۔

ہی کے ہوکر رہ گئے۔ اسی اثناء میں ایک رات سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "مدرسہ میں درس دینا نہ چھوڑو" اس ارشادِ عالی پر دوبارہ درس دینا شروع کردیا اور تادمِ آخر یہ خدمت انجام دیتے رہے مذکورہ خواب کے بعد مدرسہ کا نام تبدیل کرکے مدرسہ درسِ محمدی رکھدیا۔ [1]

مدرسہ درسِ محمدی کے ہونہار فضلاء میں یہ حضرات قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت غوث گوالیاری کے چاروں صاحبزادے اور شیخ محمد بن فضل اللہ اور علامہ صبغۃ اللہ بھروچی اور شیخ اسحاق بھروچی اور سید جلال الدین ماہ عالم۔

زہد و قناعت آپ کی زندگی نہایت سادہ تھی۔ موٹا کپڑا پہنتے تھے اور عام لوگوں کی طرح رہتے جو کچھ آتا دوسروں پر خرچ کردیتے۔ امیروں کے گھر پر خود کبھی نہ جاتے۔ ایک دو مرتبہ حکامِ وقت کی طلب پر مجبوراً جانا پڑا ورنہ گھر اور مسجد کے احاطہ سے باہر قدم نہ رکھتے۔ [1]

کرامات آپ کی کرامات میں سے ایک واقعہ کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک روز خواجہ عبدالشہید کے ایک مرید نے وجیہ الحق کی خدمت میں یہ ماجرا بیان کیا کہ فقیر اپنے وطن میں ایک سخت مرض میں مبتلا ہوگیا یہاں تک کہ لوگوں کو صحت سے مایوسی ہوگئی اس کے بعد پیر کے آستانہ پر جاپڑا اس خیال سے کہ اس جگہ موجود ہونا بشرطِ حیات یقیناً جلد صحت یابی کا سبب ہوگا۔ ایک روز پیر نے مراقبہ کے لئے زانو پر سر رکھا تھا کہ تھوڑی دیر کے بعد ایک نورانی شخص ایسے لباسوں میں جو ہمارے ملک میں غیر متعارف ہے حجرہ میں آئے۔ کچھ دیر کے بعد پیر نے فقیر کو بھی حجرہ کے اندر بلالیا۔ آنے والے نورانی شخص نے پانی پر دم کرکے بیمار کے لئے شربتِ شفا کردیا۔ پیتے ہی فوراً مجھ کو

---

[1] تاریخ صوفیائے گجرات۔

آثار صحت اپنے جسم میں معلوم ہونے لگے۔ اُسی وقت وہ خضر وقت مسیحا حجرہ سے نکلے اور میری آنکھوں سے اوجھل ہوگئے۔

میں نے پیر سے دریافت کیا کہ ان بزرگ کا نام کیا ہے ان کا مقام کہاں ہے۔ فرمایا نام شیخ وجیہہ الدین احمد ہے اور مسکن احمدآباد گجرات ہے۔ اسم الٰہی کے مظہر اس زمانے میں آپ ہی ہیں۔ جب میری نظر تمہاری دشوار بیماری پر پڑی تو ناامیدی کا اثر دل میں محسوس ہوا۔ علاج کے لئے میں نے ان سے امداد چاہی۔ جب پیر کی زبانی یہ قصہ سنا تو اُس ملک کے سفر کی اجازت لے کر روانہ ہو۔ طلب وارادت صادق تھی کہ اُس کی برکت سے قدم بوسی کی سعادت کو پہنچ گیا۔ الحمدللہ میں نے پالیا جو کچھ چاہتا تھا۔

جہانگیر نے لکھا ہے کہ شیخ وجیہہ الدین شیخ گوالیاری کے خلیفہ ضرور تھے مگر ایسے خلیفہ تھے کہ مرشد کو بھی ان پر فخر تھا "مرشد بخلافت او مباہات کند" شیخ وجیہہ الدین کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ ان کی مندرجہ ذیل تصانیف خاص طور پر مشہور رہیں۔

۱۔ حاشیہ تفسیر بیضاوی	۲۔ حاشیہ تلویح
۳۔ حاشیہ کشف الاصول بزدوی	۴۔ حاشیہ علی المواقف
۵۔ حاشیہ ھدایہ	۶۔ حاشیہ شرح تجرید
۷۔ حاشیہ شرح مقاصد	۸۔ حاشیہ شرح عقائد
۹۔ حاشیہ شرح نخبۃ الفکر	۱۰۔ حاشیہ علی شرح الوقایہ
۱۱۔ حاشیہ عضدیہ	۱۲۔ حاشیہ شرح جامی
۱۳۔ حاشیہ مطول	۱۴۔ حاشیہ مختصر
۱۵۔ حاشیہ شرح چغمنی	۱۶۔ حاشیہ قطبی
۱۷۔ حاشیہ شرح ملا	۱۸۔ شرح ارشاد النحو
۱۹۔ حاشیہ مختصر المعانی	۲۰۔ وافیہ شرح کافیہ

اس کے علاوہ بھی دیگر شروح وحواشی ہیں ۔

تلامذہ

شیخ وجیہہ کے تلامذہ میں سے سیّد یاسین ہیں ، آپ سید شاہ میر کے چچیرے بھائی ہیں اکثر درسی کتابیں گجرات میں شیخ وجیہہ الدین سے پڑھی تھیں ، علوم رسمی کی تحصیل کے بعد شیخ وجیہ الدین کے مرید ہو گئے اور حج کے لئے چلے گئے ۔ وہاں حدیث کا علم حاصل کیا ، اور اجازت حاصل کر کے ہندوستان واپس آئے ، کچھ عرصہ تک لاہور میں امرا اور حکام کی صحبت میں رہے ۔

پھر انہوں نے یہ تعلقات ترک کر دیئے ، اور درویشی کا لباس پہن کر سرہند میں بقیہ عمر گذار دی ۔ [۱]

ملفوظات حضرت وجیہ الدین

بحر الحقائق کے نام سے آپ کے ملفوظات کا مجموعہ معروف ہے ۔ جو تاریخ زبان اردو مصنفہ شمس اللہ قادری اور اور اردو کی ابتدائی نشو و نما مصنفہ مولوی عبد الحق میں مطبوع ہیں ، مولانا راشد برہانپوری کے کتب خانہ میں ایک دوسرا مجموعہ بھی تھا جو مرزا محمد نے ترتیب دیا ہے اس کا کچھ حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے ۔

۱ می فرمودند ۔ نزد ما شریعت وحقیقت است ، طریقت نیست یعنی تکمیل بہ طریقت ، گفتم چنانچہ آنحضرت عہد ترک سجانہ دینداراں کردہ اند ، فقیر ہم کند ، فرمودند چرا ؟ آیا دنیا داران بیگانہ اند ۔ دنیا داراں ہیچ ہیں (ہم ہی ہیں)

۲ می فرمودند ۔ حضرت خضر و فقیر از مجلس درس جدا شدہ ۔ سخناں می کردیم ، پرسیدہ شد افادہ بود یا استفادہ ؟ فرمودند ہمیں رسول کی لوک یعنی من کان معصوماً بفیض الرسول لا یحتاج الی استفادۃ من غیرہ ۔

---

[۱] منتخب التواریخ صفحہ ۶۲۸

۳ می فرمودند۔ دست خضر محکم گرفتہ گفتم کہ حالِ گجرات (در قحط) چنیں شدہ است، لیسامان کے خواہد بود؟ بگوئید۔ گفتند آنچہ خدائے تعالیٰ انفار کردہ است ظاہر نکیجی۔ ظاہر نکیجی۔ دست بزور خلاص کنانیدہ بعدہ در مجلس درس حاضر شدند

۴ گفتم، بارہا میل شود کہ ایں قفص تن بشکند، فرمودند چرا شکند؟ خاصا پنجراہی۔

۵ سالتُ عن تفضیل الولی علی النبی۔ فرمودند کہری ناداں۔ کہری نادا لکھرے۔ پکے)

۶ فرمودند، رات دن خدا جنو کی مدح کرے (انبیار کی تعریف وتفضیل کے سلسلے میں فرمایا تھا۔)

۷ میاں شیخ صالح (مرید) خواستند کہ کسب کتابت کنند۔ فرمودند ماشطاریم مارا کسب چہ مناسب؟ از ارہر جاکہ بگیریم بخوریم، و در توحید مستغرق باشیم، بفعل زاھدانہ چرا مقید شویم۔ اگر قوی شبہہ باشد حیلہ کنید، یعنی از بقال استقراض کنید، پرسیدم کہ اشیا را اگر منظاہر تصور کنیم چہ لست؟ فرمودند نہ نہ یوں تو ذوق نہ ہووے۔

۸ می فرمودند فیض حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ شاہِ مردان علی رضؓ رسیدہ و ازایشاں بحضرت شیخ محمد غوث (گوالیری) قدس سرہٗ وازایشاں بمن رسیدہ و فرمودند فلاں درویش گفتہ کہ بایزیدؒ درمیان اولیار چنا لست کہ درمیان انبیار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، از مختلف الحرمت۔ سوال کردم فرمودند اتقیار و علمار، سلاطین را بر عمل آں فتویٰ دادہ اند، باز فرمودند آنچہ روایت در فقہ یا بد چرا نہ کند۔ بہونداج ہووی سونہ کری

(ڈھونڈا جو ہوئے سو نہ کرے) یعنی متفق الحرمت نباشد مکرر فرمودند، کہ ہر چیزے کہ منتہج ذوق وشوق باشد صوفی آں را ترک نہ کند، بملاحظہ اختلاف بھونداج ہوئے سو ترک کرے ۔

۹ گفتم کسے را کشف خود نمی شود، ورا اعمال چوں اختیار کند فرمودند استخارہ مسنون منقول کند دلپس گو کشف نباشد، اپنوں کوں کیا فائدہ؟

۱۰ می فرمودند کسے کہ منکر توحید و وحدت وجود باشد او را تصور نقش اللہ و شغل طاقچہ باید فرمود، چوں عمل کند۔ آپیں جھک مار کر قبول کرے گا۔

۱۱ فرمودند کہ از مغلاں بیاموزید کہ اسپ را می خورانند و می دوانند دعوت سہ اربعین شمارا کافی است تمہاری بلا ریاضت کرے ۔

۱۲ می فرمودند کہ سلوک شطاری از ہمہ سلوک اسہل و از ہمہ انفع، بارہا مردم را وصیت می کردند بتاکید کہ یک گھری یا دو گھری یا چار گھری (گھڑی) در حضور ہر شغل می بزدہ باشید۔

۱۳ کسے گفت کہ میاں شیخ محمد فضل اللہ (برہانپوری) ترک درس کردند، فرمودند، جب ترقی پکڑیں گی، آپیں درس کہیں گی۔

۱۴ می فرمودند شیخ محی الدین ابن عربی را در امر فرعون مجتہد مخطی گفتند۔ (کہ فرعون را مومن گفتہ بود) فرمودند شیخ عربی فرشتہ بود، مثل او متقی بر زمین پیدا شدن عجیب است۔ اما شیخ عربی کا تقوی کہاں میرا مکان کہاں۔ (صاحب ملفوظ نے یہاں یہ مفہوم لکھا ہے کہ مرتبہ ما از ایشاں زیادہ است)

۱۵ می فرمودند خلفائے حضرت شاہ عالم رح (گجراتی۔ المتوفی ۸۸۰ھ) گفتند کہ اگر خدمت کنید، فائدہ خواہد شد، میری تائیں کسی خدمت کی جاتی ہے (خدمت کسے الحال نمی توانم کرد)

۱۶ فرمودند، سب چھوڑ بیٹھی تو شتاب فائدہ ہوجاوے ۔

۱۷ می فرمودند، وہ کیا ہوئی جو احمد آباد کے بازار ہیں ۔ برہنہ اللہ اللہ گویاں بگردد ۔

۱۸ می فرمودند، میاں صبغۃ اللہ (یکے از اولیائے گجرات) جھوڈدی (چھوڑ دے)، یعنی مسودہ تحشیۂ شرح ملا (کہ شیخ وجیہہ الدین نوشتہ بودند) نوادینی میرا جیو نکلی ۔

۱۹ کسے از بندۂ قرض می خواست یک ہون دو ہون ۔ حضرت میاں عبداللہ (پسر شیخ وجیہہ الدینؒ) مائل براں بودند کہ پرتاب بدہند فرمودند تمہی ایہاں رہتی ہو، یعنی با اہل محلہ خود بے مرّوتی نباید کرد ۔ دور آغاز صحبت چون زیادہ ادب از بندہ دیدند فرمودند کسے کہ تعظیم من نکند من ہم تعظیمے نکنم، عزیز شاید حضرت عطا محمد در وقتِ موت آنحضرت را طلب می کردند، فرمودند۔ ہون مروں تو بھی کوئی نہ آود، از تواضع مفرطہ و تکبر خالی بودند ۔

۲۰ وبندہ را فرمودند میاں صالح را پرسید کہ شما شراب می خورید گفتند آرے ۔ فرمودند ۔ ولیوں کیاں صفتاں ہوتیاں ہیں ۔

۲۱ شکوہ کردم کم عقلی خود را ، فقال منجہ کتی او کی عقل ہی (مجھ سے زیادہ عقل ہے ۔)

۲۲ قبول استدعائے مہمانی سوال کردم و گفتم کہ تفرقہ می دہد ۔ فرمودند فقیر پر فرض تو نہیں ۔

ملفوظات کے اس مخطوطہ میں

بہت سے صوفیانہ مسائل کا تذکرہ ہے ۔ ردّ و سلب، توجہ و استمداد، ذکر و شغل

وغیرہ کے متعلق کیفیات اور واقعات ملتے ہیں۔ حضرت شیخ کی اہلیہ 'بی بی نازد' کے استغراق کا حال لکھا ہے کہ ان کے ایک صاحبزادے کا انتقال ہوا، لیکن انھیں غم کا احساس بھی نہ ہوا۔ بعض متوسلین میاں ابوجی، شیخ عبدالحکیم، شیخ عبدالقیوم وغیرہ کا ذکر بھی آیا ہے۔ ایک صاحبزادے غوث اللہ کے متعلق لکھا ہے کہ بادشاہ اکبر ان کو اپنے دربار میں بلا رہا تھا لیکن بے نیاز باپ نے جانے کی اجازت نہیں دی۔ اسی زمانے کے سیّد محمد جونپوری المتوفی ۹۱۰ھ کے فرقۂ مہدویہ کے متعلق ہے۔

> می فرمودند کہ مردم مہدیہ عجب جاہلانند کہ اعتقاد ایشاں آنکہ ہر کہ بگرسنگی بمیرد بہماں بزرگ می فرمودند کہ بدتر از روافض اند، می فرمودند کہ بعضے آشنایاں کہ میل بعقیدۂ مہدیہ داشتند و بر ہماں عقیدہ مردند توجہ کردم تا بر احوالِ ایشاں مطلع شوم، احوال ایشاں را بغایت بد دیدم۔

شاہ وجیہ الدین کا کتب خانہ

شیخ وجیہ الدین کے مدرسہ کا کتب خانہ بہت بڑا تھا۔ لکھا ہے کہ اس میں مختلف مضامین کی بہت سی کتابیں تھیں۔ یہ مدرسہ بقولِ مصنف یادِ ایام احمدآباد میں سب سے زیادہ مشہور تھا۔ اسے علامہ وجیہ الدین نے ۹۳۴ھ میں قائم کیا تھا جہاں وہ خود تا دمِ وفات (۹۹۸ھ) تعلیم دیتے رہے۔ اس مدرسہ کا فیض ان کے بعد ۲۳۸ برس تک جاری رہا۔ علامہ وجیہ الدین کا علمی مرتبہ علماء گجرات میں نہایت بلند تھا۔ انہوں نے بہت سی کتابیں بھی لکھیں اور علامہ کے شاگرد جس طرح احمدآباد سے لاہور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اسی طرح ممدوح کے مدرسہ اور اس کے کتب خانہ کا شہرہ احمدآباد سے لاہور تک گونج رہا تھا۔ [1]

"تمدنی کارنامے" کے مصنف لکھتے ہیں کہ علامہ شاہ وجیہ الدین (متوفی ۹۹۸ھ) احمدآباد میں بڑی مقدس

---

[1] رسالہ اسلامک کلچر (حیدرآباد دکن) ص ۳۴۲/۱۹ بحوالہ اسلامی کتب خانے ص ۲۸۳۔

ہستی تھی ۹۴۴ھ میں آپ نے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی جو آپ کی وفات کے بعد ۱۲۴۲ھ تک قائم رہا اس کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی تھا۔ یہ کتب خانہ بہت بڑا تھا۔ اور ہر فن کی کتابیں اس میں موجود تھیں۔ بزرگوں کا بیان ہے کہ دو بڑے کمروں میں بے ترتیبی سے کتابیں بھری تھیں۔ لیکن جب خاندان میں علم کے قدر داں نہ رہے تو کتابیں بھی ضائع ہوگئیں۔ اس صدی کی ابتدار میں مولوی عبدالمنعم صاحب با غلط خطیب جامع مسجد بمبئی اور یوسف صاحب بی اے کھٹ کھٹے مرحوم (بمبئی) بہت سی کتابیں اٹھالے گئے۔ تمدنی کارنامے کے مصنف بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے ۱۹۲۱ء میں اس کتب خانہ کو دیکھا تو صرف چند صندوق کتابیں تھیں۔ لیکن اب وہاں کچھ نہیں ہے کچھ کتابیں تو احباب کی نذر ہوئیں اور کچھ دریائے سابرمتی میں بہہ گئیں۔ کچھ تھوڑی سی کتابیں ہمارے دوست پیر حسینی صاحب اور بڑا میاں صاحب موجود متولی درگاہ کے پاس ہیں[1]

شیخ وجیہہ الدین مصنفین کی نظر میں

النور السافر میں تحریر ہے کہ! ۹۹۸ھ میں شیخ وجیہہ الدین نے احمد آباد میں انتقال کیا۔ آپ بڑے زبردست عالم و زاہد تھے اور لوگوں میں زبردست مقبولیت تھی۔

بہت سے فنون میں طلبار نے آپ سے نفع اٹھایا اور آپ کا معاملہ بہت ہی زیادہ مشہور ہو گیا تھا۔[2]

آپ کے معاصر مشہور مورخ ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں۔!

میاں وجیہہ الدین احمد آبادی۔ اپنے زمانہ کے بڑے عابد و متقی عالم تھے۔

---

[1] تمدنی کارنامے ص۲۹۵ [2] النور السافر ص۴۰۶۔

شریعت کی نہایت پابندی کرتے اور گوشہ نشینی ان کا شعار تھا، ہمیشہ دینی علوم کے درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے، تمام علوم عقلی ونقلی پر اس قدر عبور حاصل تھا کہ درسی کتابوں میں صرف حاوی سے لے کر قانون، شفا، شرح مفتاح اور عضدی جیسی کتابوں میں شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہوگی جس پر انہوں نے شرح یا حاشیہ نہ لکھا ہو۔ ایک مخلوق ان سے فیض اٹھاتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے انکی دعا میں بڑا اثر دیا تھا، اور شفا رکھی تھی۔ چنانچہ ہر روز بے شمار مریض ان کے پاس دعا کرانے کے لئے آتے تھے۔ اور ان کی دعا کا بھی بہت جلد اثر ہوتا تھا۔ وہ کبھی اپنے طور پر دنیا داروں کے گھر بھی نہیں گئے بجز ایک دو بار کے۔ وہ بھی طلب کرنے پر نہایت کراہت کے ساتھ۔ اپنے گھر اور مسجد سے ان کا قدم جمعہ کی نماز کے سوا باہر نہیں نکلتا تھا۔ سب کے مرجع ومرکز تھے۔ وضع ولباس میں بھی وہ عام لوگوں سے کوئی امتیاز نہیں رکھتے تھے۔ موٹے جھوٹے کپڑوں پر ہی قناعت کرتے تھے۔ جو کچھ نذر ونیاز آتی وہ خیرات کر دیتے تھے۔ ارادت کا تعلق تو کسی اور سے تھا۔ لیکن شیخ محمد غوث سے تربیت وارشاد حاصل کیا تھا۔ اور آداب طریقت میں ان کے پیرو تھے، انہیں کے پاس سلوک کی تکمیل کی تھی، صوفیانہ مشرب سے بڑا ذوق اور مناسبت تھی۔ [1]

مشہور مورخ اور آپ کے معاصر خواجہ نظام الدین احمد بخشی لکھتے ہیں کہ میاں وجیہ الدین گجراتی پچاس سال جادۂ ارشاد وہدایت پر متمکن رہے۔ فقر وفاقہ اور توکل میں زندگی بسر کی۔ ہر وقت درس دیا کرتے، علوم نقلی وعقلی سے بھی خوب آگاہ تھے، آپکی تصانیف نہایت عمدہ ہیں اور اکثر علمی کتابوں پر آپ نے

---

[1] منتخب التواریخ ج۳ ص۴۳

شروح وحواشی لکھے ہیں[۱] ملا عبدالباقی نہاوندی نے آپ سے استفادہ بھی کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے اکثر متبحر علماء میاں صاحب موصوف سے شاگردی کا تعلق رکھتے ہیں۔

اس زمانہ کے فضلاء میں کوئی جامعیت میں ان کی ہمسری نہیں کرسکتا مجاہدۂ نفس اور دنیاوی لذتوں سے کنارہ کشی میں کمال درجہ کوشش کی ہے۔ تزکیۂ نفس میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ میاں صاحب کے عمدہ احوال کی حد درجہ شہرت ان کے تفصیلی حالات بیان کرنے سے روکتی ہے۔[۲]

جید عالم شیخ عبدالقادر عیدروسی لکھتے ہیں کہ!

"وہ اصحاب علم و زہد میں تھے۔ انہیں لوگوں میں بڑی مقبولیت اور ہردلعزیزی حاصل تھی۔ طلبہ نے آپ سے بہت سے فنون میں نفع اٹھایا اور اور اس کی بڑی شہرت ہے۔[۳]

مشہور مورخ معتمد خاں لکھتے ہیں کہ!

"شیخ وجیہ الدین، شیخ محمد غوث کے خلفاء میں ہیں، لیکن ایسے خلیفہ کہ مرشد بھی ان کی خلافت پر ناز کرے، بہت کم ہوتے ہیں۔ شیخ وجیہ الدین ظاہری اور معنوی دونوں خوبیوں سے آراستہ تھے۔[۴]

ملا صادق فرماتے ہیں!

"شیخ وجیہ الدین قدس سرہٗ علوی ہیں۔ اپنے زمانہ کے علماء کبار میں ہیں۔ صاحب تقویٰ اور بڑے محتاط شریعت کے راستہ پر مضبوطی سے قائم رہنے والے تھے ہمیشہ درس و افادہ میں مشغول رہتے۔"[۵]

معارج الولایۃ کے مصنف غلام معین الدین فرماتے ہیں!

---

[۱] طبقات اکبری صـ۴۷۲ ج ۲ [۲] مآثر رحیمی صـ۹ ج ۱ [۳] النور السافر صـ۳۵۶ [۴] اقبال نامہ جہانگیری صـ۱۰۸

[۵] طبقات شاہ جہانی صـ۳۱۲ حصہ اول۔

: شیخ وجیہ الدین علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے اور شیخ محمد غوث کے خلیفہ تھے مرید کسی اور سے تھے، نہایت کم سن رسیدہ رات میں ریاضت و مجاہدہ کرتے اور دن کو طالب علموں کے پڑھانے میں مشغول رہتے ؛ [1]

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں :

: جب شیخ محمد غوث گوالیاری صاحب جواہر خمسہ گجرات میں وارد ہوئے تو شیخ وجیہ الدین ان کے جمال میں گم ہو گئے۔ اور انہی کے زیر سایہ طریقت کی انتہا تک پہنچے۔ طلبہ ان کے افاداتِ عالیہ سے مستفید ہوتے۔ اور مشرق و مغرب کو اپنے انوار و برکات سے معمور کر دیا۔ [2]

خاتمہ مرات احمدی میں آپ کے مفصل حالات اس طرح مذکور ہیں کہ شیخ وجیہ الدین احمد علوی بن شیخ نصر اللہ علوی۔ آپ کی ذات میں صوری و معنوی تمام فضائل جمع ہو گئے تھے۔ سید وجیہ الدین احمد علوی رح کے فرزندان کا نسب شیخ محمد عریس ابن امام ہمام محمد الجواد تک پہنچاتے تھے۔ آپ کے اجداد میں سے سید بہاؤ الدین سلاطینِ گجرات کے زمانے میں عرب سے احمد آباد معروف بہ چانپانیر پہنچے اور وہاں سکونت پذیر ہوئے اور وہیں آپ نے نکاح کیا اور آپ اہل و اولاد کے ساتھ وہاں متوطن ہوئے۔ سلطانِ وقت کی طرف سے ظاہری و باطنی ہر قسم کی رعایتیں میسر تھیں۔ اور انہوں نے سید بہاؤ الدین سے محمد آباد میں انتقال فرمایا۔ شیخ وجیہ الدین کی ولادت محمد آباد میں ۹۱۰ھ محرم کے مہینے میں ہوئی۔ چنانچہ لفظ شیخ سے تاریخِ ولادت نکلتی ہے۔ پانچ سال کی عمر سے

---

[1] معارج الولایۃ ص ۵۶۲ [2] سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان ص ۴۵ بحوالہ المعارف فروری ص ۱۲۴ ۱۹۸۲ء۔

لیکر تینتیس ۳۳ سال کی عمر تک آپ تحصیلِ علوم میں مشغول رہے ۔ اس کے بعد تا اخیر حیات احمد آباد میں درس وتدریس کے مشغلہ میں برابر مشغول رہے آپ کی تالیفات ورسائل اور اکثر درسی کتب پر آپ کے حواشی آپ کی یادگار ہیں ۔ایک خلقِ کثیر آپ کی درس وتدریس اور فیوض سے مستفیض ہوئے ۔ باطنی اور روحانی حال کے کمال کو آپ پہنچے ہوئے تھے اور کسی بھی جگہ آپ کی آمد و رفت نہیں تھی ۔ اگرچہ آپ شاہ قاذن شطاری کے مرید تھے جن کا مزار پٹن میں ہے ۔ مگر ارشاد و تربیت شیخ محمد غوث سے پائی اور انکی تربیت میں رہ کر سلوک کو اتمام تک پہنچایا ۔جب شیخ محمد غوث احمد آباد میں تشریف لائے تو شیخ علی متقی جو صاحب ظاہر و باطن تھے ۔آپ نے تمام علماء کے ساتھ مل کر شیخ محمد غوث کے قتل کا فتویٰ مرتب کیا سلطانِ وقت نے فتویٰ کو شیخ وجیہ الدین پر موقوف رکھا جب شیخ وجیہ الدین شیخ محمد غوث کے گھر پہنچے تو پہلی ہی ملاقات میں انکے گرویدہ بن گئے اور فتویٰ کو پھاڑ دیا اور شیخ علی متقی سے فرمایا کہ آپ کی فہم شیخ کے کمالات تک نہیں پہنچی ۔ اور فرمانے لگے کہ ظاہر شریعت میں ایسا ہی ہونا چاہیئے جیسا کہ شیخ علی متقی ہیں اور حقیقت میں ایسا کہ جیسا کہ ہمارے مرشد ہیں ۔

شیخ محمد غوث اہلِ دعوت میں سے تھے اور اس کو کمال تک پہنچایا تھا ۔ ۸۸ برس کی زندگی گذار کر جو "وجیہ دین" کی عدد سے نکلتی ہے ۹۹۸ھ محرم میں آپ نے انتقال فرمایا ۔ تاریخ رحلت شیخ وجیہ دین سے مستفاد ہوتی ہے آپ کو قلعہ کے رخاپور میں جس جگہ آپ درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے ....

سپردِ خاک کیا گیا ۔ آپ کے ایک ارادت مند صادق خاں نے مدرسہ تعمیر کیا اور شیخ حیدر نے مسجد تعمیر فرمائی ۔ آپ کی رحلت کے بعد آپ کے صاحبزادگان

اور آپ کے بعد آپ کے اہل خاندان احمدآباد اور اس کے اطراف میں اور برہانپور میں سکونت پذیر رہے آپ کے خاندان کے مشائخ میں بھی علمی سلسلہ جاری رہا اور تدریس کی خدمات انہوں نے جاری رکھیں ۔ [1]

شیخ غوث اور شیخ وجیہ الدین

سلطان محمود نے قصبہ بھروچ کے کچھ گاؤں بطور مدد معاش حضرت غوث اور ان کے متعلقین کو عنایت فرمائے ۔ اور کہا کہ آپ فی الحال اسی جگہ قیام فرمائیں ۔ بھروچ کے دورانِ قیام شیخ وجیہ الدین اور شیخ مبارک دانشمند حضرت غوث کی خدمت میں برابر آتے ۔ اور بعض دفعہ دو تین مہینے گذارتے ۔

شیخ وجیہ الدین کا شیخ غوث سے والہانہ تعلق

شاہ وجیہ الدین اگرچہ علم وفضل کے اعتبار سے اپنے مرشد سے بہت آگے تھے، لیکن اس کے باوجود وہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ حضرت گوالیاری کی ملاقات سے پہلے خدا کو نہیں جانتے تھے ۔ انہیں ان کے مرشد ہی نے خدا تک پہنچایا ہے ۔ شاہ وجیہ الدین کے مشہور شاگرد ، گلزار ابرار، کے مصنف شیخ محمد حسن غوثی لکھتے ہیں !

، شاہ صاحب نے ایک تقریب کا موقع نکال کر یہ ماجرا بیان کیا کہ جن مقدمات پر الٰہی حقائق کی دریافت اور کشف موقوف ہے ۔ ان مقدمات کی تحصیل کا شوق میرے دل میں بھی اس وقت پیدا ہوا جبکہ میں درس وتدریس میں مشغول تھا ۔ ناگاہ مشیت ایزدی جس کی ہر ایک مقدر شئ میں سو سو نکتے اور نیرنگیاں ہیں حضرت غوث کو گوالیار سے گجرات کی طرف کھینچ لائی ۔ بہ صورت مجھے حضرت غوث کی شرف

---

[1] خاتمہ مرات احمدی صفحہ ۶۹ ۔

پا بوسی سے مشرف ہونے کا باعث ہوئی۔ اور بہت تھوڑے عرصہ میں صاحب ممدوح کی کیمیائی تربیت کے ذریعہ میرا اسلام تانبے سے کندن بن گیا۔ رسمی عقائد کی قید سے نکل کر حقیقی ایمان کی بہشت میں چہل قدمی کرنا نصیب ہوا۔ اور چند روز کے بعد خلافت کا خلعت پاکر سرفراز ہوگیا۔ اور پا لیا جو کچھ پاس نہ تھا اور جو کچھ پاس ہے پھر وہ نہ ملا۔

آنچہ حق بہر بندگان آراست　　آرزو آنچناں ندانندخواست

اسی طرح ایک اور مجلس میں شاہ وجیہ الدین نے فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت شاہ قاضن چشتی کو خواب میں دیکھا کہ کسی درخت کے نیچے آرام فرما رہے ہیں میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ آپ نے کہا کون ہے؟ میں نے کہا آپ کا مرید، فرمایا اس مرتبہ پر کیسے پہنچے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت محمد غوث سے ملاقات کی بدولت۔ فرمانے لگے شیخ محمد غوث تو ایسے ہی مردانِ خدا میں سے ہیں۔ [1]

بادشاہ جہانگیر شیخ وجیہ الدین کی قبر کی زیارت کے لئے گئے اور وہ اپنی توزک میں لکھتے ہیں کہ ۲۷ رماہ دے ۱۰۲۶ھ/ ۱۶۱۷ء کو بدھ کے دن شیخ وجیہ الدین کی خانقاہ میں حاضر ہوا، جو میرے دولت خانہ کے نزدیک ہے ان کے مزار پر جو خانقاہ کے صحن میں واقع ہے فاتحہ پڑھی۔ یہ خانقاہ صادق خاں نے تعمیر کرائی ہے جو میرے والد کے عمدہ امیروں میں سے تھا۔

شیخ وجیہ الدین، شیخ محمد غوث کے خلفاء میں سے ہیں لیکن وہ ایسے خلیفہ ہیں جنکی خلافت پر خود مرشد کو فخر تھا۔ اور جنکی مریدی خود شیخ محمد غوث کی بزرگی

---

[1] المعارف فروری ۳۲ء صفحہ ۱۱۸۔

پر روشن دلیل ہے ، شیخ محمد غوث اور شیخ وجیہ الدین دونوں کے دونوں ظاہری فضائل اور معنوی کمالات سے آراستہ تھے ۔ آج سے تیس سال پہلے شیخ وجیہ الدین نے اسی شہر میں وفات پائی ان کے بعد ان کے بیٹے شیخ عبداللہ اپنے باپ کی وصیت کے مطابق ان کی مسندِ رشد و ھدایت پر بیٹھے جوبڑے درویش اور صاحب ریاضت انسان تھے ۔ جب شیخ عبداللہ جنت کو سدھارے تو ان کے بیٹے شیخ اسداللہ ان کے جانشین ہوئے ۔ انہوں نے تھوڑے ہی دنوں بعد وفات پائی ۔ ان کے بعد ان کے بھائی شیخ حیدر صاحب سجادہ ہوئے جو اَب تک زندہ ہیں اور اپنے باپ دادا کے مزار پر درویشوں کی خدمت اور ان کی خبرگیری میں مصروف ہیں اور صلاح و تقوی کا اثر ان کی پیشانی سے ظاہر ہوتا ہے ۔ [1]

شیخ وجیہ الدین کے مدرسہ کا فیض اور عمارتیں

علامہ شاہ وجیہ الدین متوفی ۹۹۸ھ / ۱۵۸۹ء کے عہد میں احمد آباد کے شاہی محل کے بالمقابل (جہاں آج پارسی کلب ہے) روضہ شاہ وجیہ الدین کے متصل یہ مدرسہ قائم کیا گیا تھا ، یہ درحقیقت اس زمانہ کی یونیورسٹی تھی جس سے گجرات ، خاندیس ، کاٹھیاواڑ اور دکن کے مدارس ملحق تھے ۔

اس مدرسہ میں منطق ، فلسفہ ، تصوف اور علوم دینی کی تعلیم کا خاص اہتمام تھا ۔ اس کے ساتھ ایک دارالاقامہ بھی تھا ۔ جس کے شکستہ حجرے اب تک موجود ہیں ، جہانگیر کے عہد میں طلبہ کے لئے وظائف بھی مقرر تھے اور اس پر متعدد گاؤں

---

[1] توزک جہانگیری ص۲۴۱ ۔

اوقف تھے۔

۹۵۰ھ سے ۹۹۸ھ تک شاہ صاحب اس کو خود چلاتے رہے پھر ان کے لڑکے اور پوتے چلاتے رہے۔ گیارہویں صدی کے آخر تک یہ پورے عروج پر تھا مدرسہ ؛ ہدایت بخش ، قائم ہوا تو اس پر زوال آگیا۔[۱]

وجیہ الدین علوی گجراتی کی تصانیف باعتبارِ فنون۔

تفسیر :۔ حاشیہ علی تفسیر البیضاوی۔ آصفیہ چہارم ، ۲۱۰۔[۲]

تصوّف اور اخلاقیات :۔ الحقیقۃ المحمدیہ ، انڈیا آفس ، ۱۳۸۱۔[۳]

علوم فقہ واصول فقہ :۔ حاشیہ علی شرح الوقایہ۔ بوہار ، ۱۴۴ رام پور ، ۱۸۶۔ حاشیہ علی التلویح۔ ندوہ ، ۱۲ ، ۷۔ حاشیہ علی اصول البزدوی۔ تذکرہ ، ۲۵۰۔ حاشیہ علی الشرح العضدی علی المختصر لابن الحاجب[۴]

علم اللسان :۔ حاشیہ علی شرح الجامی۔ بوہار ، ۳۸۷ ، آصفیہ ، ۴۵۵ محمود شاہ ، ۲/۳۳۔ رام پور ، ۵۲۵۔ مجموعہ حسین ، ۴۰۸۔ بنگال۔ ۳۱۰۔ دہلی ، ۱۰۷۱ ، آصفیہ ، ۱/۱۴۴۴۔ ندوہ ۴۶۸۔

شرح ارشاد النحو۔ لوھۃ ، ۹۷۶۔ رام پور ، ۵۲۹۔

حاشیہ علی المطول۔ تذکرہ ، ۲۸۰۔ حاشیہ علی مختصر المعانی[۵]

علم الحساب :۔ حاشیہ علی شرح الجغمینی[۶]۔ تذکرہ ، ۲۵۰۔[۷] عربی ادبیات ص۲۷۸

علم الکلام والعقائد :۔ الحاشیہ علی التجرید۔ تذکرہ ، ۲۵۰۔ الحاشیہ

---

۱ گجرات کی تمدنی تاریخ ص۱۹۹۔ ۲ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص۲۶۴ ۳ ایضاً ص۳۲۲ ۴ ایضاً ص۲۰۳ ۵ ایضاً ص ۶ الجغمینی سے مراد الملخص فی الہیئۃ البسیط از محمود بن احمد جغمینی ہے شرح الجغمینی اس کی شرح ہے جو موسیٰ بن محمود نے لکھی ہے اور قاضی زادہ الرومی کے نام سے معروف ہیں ۷ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ۲۷۸

علی شرح العقائد للتفتازانی سـ۱ـ . الحاشیہ علی الحاشیۃ القدیمہ سـ۲ـ . ایضاً صـ۳۲۸ـ .

علوم حدیث: شرح شرح نخبۃ الفکر-رام پور ۱۲۷۱ھ . ایضاً صـ۲۹۲ـ .

ولی احمد آبادی آپکی شان میں فرماتے ہیں!

اے تو مقبول سرور عالم
وے تو فہرست دفتر عالم

جلوہ گر تو ہے آفتاب یقین
تجھ سوں روشن ہے پیکر عالم

علم ظاہر و علم باطن سوں!
تو ہے عالم میں رہبر عالم

دل عرفاں سرشت ہے تیرا
مظہر خلق و مظہر عالم!

ہے زمیں پر یہ آستان شریف
مرجع خلق و منظر عالم

نام تیرا ہے ورد صاحب ورد
ذات تیری ہے مفخر عالم

دستگیری ہے تیری ظاہر نت
جب کہ برپا ہو محشر عالم

۱ـ ایضاً ۲ـ ایضاً صـ۳۲۸ـ ۳ـ ایضاً صـ۲۹۲ـ

ہے ترے نام پر سدا قرباں
روز و شب سال و مہ سرِ عالم
تجھ اپر جیوں سرج ہویدا ہے
مطلبِ جملہ مضمرِ عالم!
اس زمانے میں حق نے تجھ کوں کیا
مہترِ خلق و بہترِ عالم
اے امامِ جمیع اھلِ یقین!
قبلۂ راستاں وجیہ الدین

اے شہ بحر و بر ہے تجھ سر پر
آسماں چتر و آفتاب افسر
تو ہے مقبول حق کی درگہ کا!
روح تیری کوں عرش پر ہے گذر
کاں فلک کے ملائکہ دیکھیں
تجھ سری کا دیجامہ انور
آسماں سوں اُتر کے آتے ہیں
تیری مجلس میں نقل ہو اختر
ہے سزاوار انجمن میں تیری
زہرہ آوے اگر ہو خنیاگر!
دو جہاں میں مرا ہے مقصد یہ
کہ کرو مجھ پہ یک کرم کی نظر
اے امامِ جمیع اھلِ یقین!
قبلۂ راستاں وجیہ الدین۔

ولی اپنے دیوان میں ایک دوسری جگہ آپکی شان میں تحریر فرماتے ہیں کہ :

ہوا ہے خلق اپر پھر کے فضل سبحانی !
کیا ہے ابر نے رحمت سوں گوہر افشانی
یہ آب صاف میں گوہر کوں دیکھ خجلت سوں
صدف کی بیت میں گل کو ہوا ہے جیوں پانی
تمام پات پسبیح بجمدہ، کے بحکم
زباں حال سوں کرتے ہیں ذکر سبحانی
قطار قطرۂ شبنم سوں آج سبزہ خضر
لے سبحہ ہاتھ میں کرتا ہے ادعیہ خوانی
ہر اک طرف جو ہوئی بسکہ ریزش باراں
کیا ہے آج تفرج نے جوش طوفانی !
اس آب روح فزا کے کمال لطف کوں دیکھ
چھپا ہے پردۂ ظلمت میں آب حیوانی !
ہوئی ہے غنچہ نمن جگ کوں بسکہ جمعیت
عجب ہے اب رہے سنبل منیں پریشانی
ہر ایک قطرۂ شبنم ہے غیرت گوہر
ہر ایک پات یہ برسا جو ابر نیسانی

شیخ برھان الدین علوی

علامہ وجیہ الدین کے بھائی

آپ شیخ وجیہ الدین احمد آبادی کے بھائی ہیں۔ گجرات سے برہانپور آکر متوطن ہوگئے تھے۔ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا، نیز دوسروں کی منفعت کو اپنی مصلحت پر مقدم رکھنا آپ کی طبیعت تھی۔ کسی شئی کے ساتھ دل بستگی آپ کے نہ افعال سے ظاہر تھی نہ اقوال سے۔ اس طریقہ سے زندگی بسر کردی۔ ابدی خوابگاہ برہانپور ہے۔ [1]

استاذ العلماء قاضی علی بن اسد اللہ

علامہ وجیہ الدین علوی کے پڑپوتے

(وفات ۵ ذیقعدہ ۱۰۷۰ھ/۱۲ جولائی ۱۶۶۰ء)

علامہ قاضی علی بن اسد اللہ بن عبد اللہ بن وجیہ الدین علوی بیجاپوری۔ جو علی محمد سے مشہور رہیں۔ آپ کا لقب استاذ الاولیاء تھا۔ آپ کا مولد و منشاء گجرات ہے یہیں سے آپ نے علم حاصل کیا۔ پھر آپ اپنے بڑے بھائی میران بن اسد اللہ کے ساتھ بیجاپور منتقل ہوگئے۔ اور ابراہیم عادل شاہ بیجاپوری کے دور میں وہاں کی قضا آپ کے سپرد ہوئی۔ وہاں آپ نے عظیم الشان مدرسہ تعمیر کیا، جس مدرسہ کے بعض مشہور تلامذہ یہ ہیں۔

شیخ ابوتراب، سید محمد، قاضی برہان، قاضی ابراہیم زبیری، ابراہیم بن

---

[1] گلزار ابرار صفحہ ۲۵۴۔

عبدالصمد بیجاپوری ۔

آپ نے بیجاپور میں ۵ رذیقعدہ، ۱۰۷۰ھ/ ۱۲رجولائی ۱۶۶۰ءکو وفات پائی اور بیجاپور میں دفن ہوئے ۔ [1]

امیر سید صبغۃ اللہ بھروچی شطاری

(وفات ۱۰۱۵ھ ——— ۱۶۰۶ء)

علامہ وجیہ الدین احمدآبادی کے خصوصی شاگرد ہیں اور ان کے خلیفہ بھی ہیں چند سال تک مرشد کی اجازت سے اپنے وطن میں رہ کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ہدایت اور علوم کی تعلیم میں مشغول رہے ۔حرمین شریفین کی زیارت کا شوق دامنگیر ہوا ۔ وہاں حاضری دی اور زیارت سے فراغت پر آب و دانہ کی کشش ، صلہ رحم کی رعایت ، وطن اور فرزندوں کی محبت اور خدمت دین کا جذبہ آپ کو واپس لایا تو آپ اس پر ہمیشہ دل ہی دل میں رو یا کرتے تھے ۔ ؎

کے بود یارب کہ رو دریثرب وبطحا کنم گہ بمکہ منزل و گہ در مدینہ جاں کنم

اتفاقاً ۹۹۹ھ میں اپنے وطن سے تمام چیزوں کو اور تمام لوگوں کو خیرباد کہہ کر بے اختیار تنِ تنہا حسبِ مشیت ایزدی ملک مالوہ میں چلے آئے ۔ اسی اثنا میں پھر مدینہ مصطفویہ کی زمین بوسی کا شوق دامنگیر ہوا ۔ ۱۰۰۰ھ میں خاندیس کے راستے سے احمد نگر دکن پہنچے ۔ اس ملک کے فرماں روا برہان الملک نے عرض کیا تو کچھ کم ایک سال تک یہاں پر ٹھہرے ۔ ان دنوں صاحب گلزار ابرار بھی وہیں تھے ۔خوب ملاقات رہی وہ لکھتے ہیں :

---

[1] روضۃ الاولیاء ، نزھۃ الخواطر ص ۲۶۱ ۔

راقم ان ایام میں اس مقام پر مقرر، اور فضلاء کی خدمت سے فیض حاصل کر رہا تھا۔ نیز شعراء اور ظرفا کی صحبت میں بھی شامل نشاط و طرب ہوا کرتا تھا۔ آپ کے تشریف لانے اور درویش کے موجود ہونے سے دونوں کو غریبی کے اندوہ سے نجات ملی۔

چند روزے کہ غمت مونس جاں بود مرا خاطر جمع و دل شاد ہماں بود مرا

دوسرے سال یہاں سے روانہ ہو کر بیجا پور پہنچے تو یہاں کے حاکم نے نہایت تواضع کے ساتھ کچھ مدت تک ٹھہرایا۔ پھر سفر مبارک کا سامان کر دیا اور جہاز خاصہ پیش کیا جب مشتاق آنکھیں مدینۃ الحرام کے دیدار سے منور ہوئیں تو آپ نے بقیۃ العمر یہیں رہنے کی نیت کر کے اسی نبوت کی شہر میں گھر اور خانقاہ بنالی۔ ہر چند کہ سلطانِ روم کی جانب سے نامہ و پیام آیا اور منت و معذرت کی گئی مگر آپ نے (معاش کی وجہ معین) قبول نہ فرمائی اور بقیۃ العمر توکل اور تسلیم میں گزار دی۔

غوثی نے نقل کیا ہے کہ کہتے ہیں کہ ایک رات خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خدام حرم کو اجازت فرمائی کہ سید صبغۃ اللہ ہمارا فرزند ارجمند ہے۔ عرب اور عجم کے دیگر تمام زائروں کی طرح سمجھکر اسے ہمارے حرم سے باہر نہ کرنا چھوڑ دینا کہ شب جمعہ کو ہماری خدمت میں رہ کر صلوٰۃ و صلوات صبح کی سفیدی نمودار ہونے تک ادا کرتا رہے۔ یہ بھی ہم نے اجازت دی ہے کہ اپنے یاروں میں سے جس کو چاہے اپنے ہمراہ حرم شریف میں رکھے۔ آج تک کسی فرد بشر کو ایسی خاص عنایت کا خلعت عطا فرما کر سرفراز نہیں فرمایا گیا۔

آپ کے کمالات، حالات، اور خرق عادات احاطہ تحریر میں نہیں آسکتے ہیں ۱۰۱۵ھ کے کسی مہینے میں مدینہ منورہ کی زمین امین کے اندر دفن کیے گئے۔[1] رحمہ اللہ تعالیٰ

---

[1] گلزار ابرار ص ۵۸۶، ۵۸۸، ۵۸۸۔

آپ کی تصانیف فن تصوف اور اخلاقیات میں مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) تعریب الجواہر الخمسۃ لمحمد خطیر الدین۔ المعروف بہ غوث گوالیاری۔ لوتھر، ۲-۱۷۶- پیرس ۱۱۹۷- قاہرہ ۲۵/۴ برلن، ۷- رام پور ۳۲۴- بنگال ورق ۷-

(۲) کتاب الوحدۃ۔ مآثر مجی وغیرہ

(۳) اراءۃ الدقائق فی شرح مراۃ الحقائق۔ ایضاً۔

(۴) بالایسع للمرید ترکہ کل یوم من سنن القوم، ابجد ۸۹۸۔

محمد بن عبدالرحمٰن بیجاپوری

(م ۲۴/ شوال سنہ ۱۰۸۴ھ)

علامہ محمد بن عبدالرحمٰن بن روح اللہ حسینی گجراتی ثم بیجاپوری۔ آپ ان علماء میں سے تھے جن کو تدریس پر بڑی زبردست قدرت حاصل تھی۔ آپ کی ولادت بیجاپور میں ۲۶ رجمادی الاولیٰ ۱۰۱۵ھ کو ہوئی۔ جس دن آپ کے چچا صبغۃ اللہ بن روح اللہ بھروچی کا انتقال ہوا۔

قاضی علی محمد بن اسداللہ گجراتی ثم بیجاپوری سے آپ نے علم حاصل کیا۔ طویل مدت اُنکی صحبت میں رہے، یہاں تک کہ علوم وفنون میں مہارت حاصل کی۔ پھر حجاز کا سفر کیا، حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ اور طریقت کی تعلیم شیخ عبدالعظیم محمد حنفی مکی سے حاصل کی۔ ہندوستان واپس لوٹے تیئس[۲] سال تک بیجاپور میں درس دیتے رہے۔ آپ کے تلامذہ میں شیخ محمد زبیری بھی ہیں۔ اور آپ کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع ہوا۔

[۱] عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ ص ۳۲۳

پھر اخیر عمر میں حجاز چلے گئے ۔ ۱۰۸۴ھ ۲۴ رشوال کو مدینہ منورہ میں آپ کا انتقال ہوا ۔ اور آپ کے چچا صبغۃ اللہ کے پاس آپ کو دفن کیا گیا ۔ [1]

شیخ وجیہ الدین علوی کے خلیفہ

شیخ کمال محمد عباسی

(۱۲ رشعبان ۱۰۱۳ھ / یکم جنوری ۱۶۰۵ء)

آپ کی ولادت احمد آباد گجرات میں ہوئی شیخ وجیہہ الدین احمد علوی کے شاگرد اور خلیفہ ہیں ۔ عالم، عارف، عابد، حافظ، محدث تھے ۔ حدیث کی سند شیخ عبد الملک بنانی سے حاصل کی تھی ۔ ۹۸۲ھ میں وطن سے خاندیس کے راستہ اجین مالوہ میں آئے تھے ۔ یہیں گھر تجویز کر لیا ۔ اور شیخ اولیاء کالپوری کی صاحبزادی سے نکاح ہوا ۔ فتویٰ نویسی کا منصب بلا کال ۳۰ رسال اس مقام پر شرعی اور حکمی علوم کا درس دیا رات دن کی تقسیم آپنے اس طرح پر کر رکھی تھی کہ رات کا ایک ثلث حصہ باقی رہتا تھا تو آپ اٹھکر غسل کرتے اور نماز تہجد کے اندر کبھی چھ اور کبھی سات پارے قرآن کے پڑھتے تھے یہاں تک کہ سفیدی نمودار ہو جاتی تھی ۔ پھر دعاؤں اور ذکر جہر سے فارغ ہو کر نماز صبح ادا کرتے تھے ۔ پھر اشراق تک تلاوت کرتے اشراق پڑھنے کے بعد سے زوال تک برابر درس دیتے رہتے تھے ۔ پھر اہل سبق کیساتھ کھانا کھاتے ۔ پھر ایک گھڑی کے انداز سے قیلولہ کر کے نماز ظہر کے لئے اُٹھ جاتے ۔ نماز ظہر کے بعد نماز عصر تک لوگوں کی مشکلات، فتویٰ نویسی سے حل کیا کرتے تھے ۔ پھر شام کے وقت درویش دوستوں کے ساتھ راز تصوف اور تحقیق کی باتیں کرتے رہتے ۔ نماز عشاء پڑھکر گھر کے اندر چلے جاتے ۔ شب کے پہلے ثلث میں آئندہ روز کے

---

[1] روضۃ الاولیاء ۔ نزہۃ الخواطر ص ۳۵ ج ۵ ۔ ص ۵۶۵ ۔

سبقوں کے مطالعہ میں مشغول و منہمک رہتے تھے۔ اور شب کے درمیانی ثلث میں سے کچھ حصہ تو خانہ نشینوں کے ساتھ اور کچھ حصہ سونے میں صرف کرتے۔ گیارہ سال کے آغاز سے چوّن سال تک اسی طریقہ پر زمانہ گذرا۔

۱۱۱۲ھ / ۱۶۰۵ء میں شعبان کی بارہ کو دوشنبہ کی شب میں ہر شب کے معمول کے مطابق جس قدر طاقت میں گنجائش تھی معینہ معتاد میں مشغول رہے۔ اور شب کے اخیر حصہ میں ناسوتی مجلس سے منہ پھیر کر ملاء اعلیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ خوابگاہ اسی دالان میں ہے جس میں درس دیا کرتے تھے۔ [1]

نوٹ :۔ اس زمانہ کی تقسیم اوقات کے لحاظ سے ایک گھڑی چوبیس منٹ کی ہوتی تھی اور ڈھائی گھڑی کا ایک گھنٹہ۔ اس لحاظ سے غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ چھتیس منٹ قبل کا وقت ہوا۔ ص ۱۸۲ توزک جہانگیری (م ۱۰ شوال ۱۰۷۱ھ/۱۶۶۴ء)

شیخ ابوتراب لاہوری

(م ۱۰ شوال ۱۰۷۱ھ/۱۶۶۴ء)

شیخ ابوتراب بن نجیب الدین بن شمس الدین بن اسد الدین ابن زین العابدین حسینی شیرازی ثم لاہوری۔ علوم منطق و حکمۃ میں آپ ممتاز تھے۔ آپ ہندوستان پہنچے اور شیخ وجیہ الدین علوی سے آپ نے طریقت میں استفادہ کیا پھر لاہور واپس تشریف لائے اور وہاں آپ نے اقامت فرمائی وہاں شیخ محمد افضل لاہوری وغیرہ علماء نے آپ سے استفادہ کیا، ۱۰۷۱ھ/۱۶۶۴ء میں لاہور میں آپ نے انتقال فرمایا اور

---

[1] تذکرہ قاریان ہند جلد دوم ص ۱۵۱۔ گلزار ابرار ص ۲۶۴، نزھۃ الخواطر عربی ج ۵ ص ۳۲۲ ...

وہیں آپ کو دفن کیا گیا [1]

گلزار صوفیا میں آپ کے مفصل حالات اس طرح ہیں کہ !

حضرت سید ابو تراب باباشاہ گدا کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا اصلی وطن شیراز تھا اور آپ کا سلسلۂ نسب سادات حسینیہ سے ملتا ہے۔ آپ کے والد کا نام سید نجیب الدین تھا۔ شیخ ابو تراب کی جائے پیدائش بھی شیراز ہے۔

شجرۂ نسب سید ابو تراب بن سید نجیب الدین بن سید شمس الدین بن اسد الدین بن زین الدین المشہور بہ زین العابدین بن یونس بن عبدالوہاب بن عبدالہادی بن ابو البرکات بن انور علی بن عبداللطیف بن محمد شریف بن ابو المظفر بن عبدالباقی بن ابو الحسن بن عبدالعزیز شیرازی بن سید عبداللہ بن محمد امین بن قدرت اللہ بن سید موسیٰ بن مسعود بن صادق بن احمد بن سید باقر بن حسن بن زید بن جعفر بن محمود بن ہارون بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق رحمہم اللہ تعالیٰ۔

شیخ وجیہ الدین کی بیعت آپ نے ابتدائی علوم اپنے وطن میں حاصل کئے۔ والدین کی تربیت کے زیر اثر تلاش حق کی تڑپ پیدا ہوئی اپنے وطن سے نکلے۔ مختلف علاقوں میں پھرتے رہے، آخر کار آپ شیخ وجیہ الدین کی شہرت سن کر گجرات (احمد آباد، ہندوستان) تشریف لے گئے وہاں ان کے دست حق پرست پر بیعت کی۔

---

[1] خزینۃ الاصفیاء، نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۴۔

خرقۂ خلافت آپ پیر و مرشد کی خدمت میں عرصہ دراز تک رہے۔ آپ نے سلوک کی منازل طے کرنے کے لئے مجاہدہ اور ریاضت کی تکمیلِ روحانیت پر آپ کے پیر و مرشد نے سلسلہ قادریہ اور شطاریہ میں آپکو خلافت سے سرفراز کیا۔

شیخ وجیہ الدّین آپ کے پیر و مرشد متاخرین مشائخ میں عظیم المرتبت تھے۔ آپ کا تعلق کئی سلسلوں سے تھا لیکن شطاری سلسلے میں آپ کو شہرت ہوئی۔ آپ اسی سلسلے میں غوث گوالیاری کے مرید اور خلیفہ تھے۔

شاہ گدا کا شجرۂ طریقت آپ کو شیخ وجیہ الدین سے دو سلسلوں، یعنی قادریہ اور شطاریہ سے فیض حاصل ہوا تھا۔ اسی لئے آپ کو قادری شطاری کہا جاتا ہے۔ آپ کے دونوں شجرے حسب ذیل ہیں۔

شجرۂ قادری سیّد ابو تراب، شیخ وجیہہ الدین گجراتی کے مرید۔ یہ سید محمد غوث گوالیاری کے یہ شیخ طیفور حاجی کے یہ شیخ ابو الفتح المخاطب کے یہ شیخ ہدایت اللہ سرمست کے یہ شیخ عبدالوہاب کے یہ مرید شیخ عبدالرؤف کے یہ شیخ محمود کے یہ شیخ عبدالغفار کے یہ شیخ محمد کے یہ شیخ عبدالرحیم کے یہ سید ابو بکر تاج الدین کے اور یہ مرید اپنے والد ماجد حضرت غوث الاعظم قطب العالم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز کے۔

شجرۂ شطاریہ سید ابو تراب مرید شیخ وجیہہ الدین گجراتی یہ مرید سیّد محمد غوث گوالیاری۔ یہ مرید شاہ حمید، یہ مرید شاہ قاذن یہ مرید شیخ عبداللہ شطاری کے۔

لاہور میں مسکن آپ نے کافی عرصہ گجرات میں گزارا۔ لیکن جب آپکے مرشد اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے تو آپ بھی گجرات کو خیرآباد

کہہ کر لاہور چلے آئے ۔ اور پھر آخری دم تک یہاں رہے ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ بعہد ہمایوں لاہور میں تشریف لے آئے ۔

خلفاء سید ابوتراب

اوّل قاضی محمد لاہوری جو آپ کے مزار میں آسودہ ہیں ۔ دوم شیخ فاضل مدفون دہلی ۔ سوم شاہ جمال مدفون رہتاس ۔ چہارم لعل گدا ۔ پنجم احمد گدا ۔ اور ششم شہباز گدا یہ تینوں حضرات لاہور میں آپ کے حریم مزار میں آسودہ ہیں

وفات: ۔ حضرت ابوتراب کی وفات ۱۴ رشوال ۱۰۷۱ھ بمطابق ۱۲ رجون ۱۶۶۴ء کو عہد عالمگیر میں ہوئی ۔ حدیقۃ الاولیاء میں نام سید عبدالقادر المشہور شاہ گدا لکھا ہے ۔

تاریخ رحلت

شہ گدا سید ولی متقی ! بندۂ حق خاک پائے بوتراب
سوختہ، گو سال ترحیلش دگر شہ ولی سید گدائے بوتراب
۱۰۷۱ھ
آپ کا مزار گڑھی شاہو میں ریلوے کالونی میں ہے ۔[۱]

---

[۱] گلزار صوفیاء صفحہ ۲۳۴،۲۲۳،۲۲۲،۲۲۱ ۔

شیخ مبارک صدیقی شطاری

(متوفی سنہ ۱۰۱۰ھ / سنہ ۱۶۰۱ء)

شیخ مبارک، شیخ جلال بوبانکی کے مرید تھے۔ خرقہ خلافت شیخ عبدالملک شطاری سارنگ پوری مالوی سے حاصل ہوا تھا۔ شیخ عبدالملک علامہ وجیہ الدین احمد آبادی کے خلیفہ ہیں۔

شیخ مبارک سنہ ۹۸۱ھ میں منڈو آئے۔ یہاں تیس سال رہ کر ریاضت و عبادت کرتے رہے اور توکل کے ساتھ زندگی بسر کی۔ آپ کی شانِ استغنا بہت مستحکم تھی کسی اہل حکومت سے کچھ بھی قبول نہ کیا۔ ۱۰۱۰ھ میں رحلت فرمائی خوابگاہ منڈو میں ہے۔[1]

شیخ محمد رضا لاہوری

(م ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۱۱۸ھ مطابق ۲۰ اگست ۱۷۰۶ء)

شیخ محمد رضا حنفی قادری شطاری لاہوری مشہور مشائخ میں سے ہیں جنہوں نے افتاء، تدریس اور طریقت کی اشاعت اور تبلیغ میں اپنی عمر صرف کر دی۔ آپ کے زمانے میں پنجاب میں مشائخ و علماء میں سے کوئی ایسا نہیں تھا کہ جن کو آپ کی طرح سے عوام میں شرف قبول اس قدر عطا کیا گیا ہو۔ اور جن کے تلامذہ اور مسترشدین اس قدر ہوں آپ کا روحانی سلسلہ شیخ وجیہ الدین علوی تک اس طرح پہنچتا ہے۔

کہ آپ نے طریقت حاصل کی۔ شیخ محمد فاضل لاہوری سے انہوں نے شیخ الہ داد اکبرآبادی سے، انہوں نے شیخ محمد جلال سے، انہوں نے سید نور سے، انہوں نے شیخ زین العابدین سے، انہوں نے شیخ عبدالغفور سے، انہوں نے شیخ وجیہ الدین علوی سے۔

---

[1] گلزار ابرار ص ۴۶۲۔

آپ کا انتقال ۱۲ر جمادی الاولی ۱۱۱۸ھ/ ۲۰ر اگست ۱۷۰۶ء کو لاہور میں ہوا۔ [1]

شیخ محمد بن فضل اللہ برہانپوری

(وفات ۲ر رمضان ۱۰۲۹ھ/ ۱۰۲۹ھ/ ۱۶۲۰ء)

شاہ محمد بن خواجہ فضل اللہ بن خواجہ صدرالدین بن خواجہ حسین جونپوری ثم برہانپوری آپ کا نسب نامہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے ملتا ہے۔ آپ کے اجداد جونپور کے تھے اور پھر گجرات کی طرف ہجرت کرکے آگئے۔

آپ کے والد شاہ فضل اللہ برہانپوری (متوفی ۱۰۰۵ھ/ ۱۵۹۶ء) اپنے زمانے کے مشہور صوفی اور عالم تھے۔ بلکہ نائب رسول اللہ کہلاتے تھے، شاہجہاں کہا کرتے تھے کہ میں اگرچہ کئی بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن کامل شیخ فقط دو دیکھے ہیں۔ میاں میر لاہوری اور شیخ المشائخ فضل اللہ۔

شاہ صاحب کا وطن جونپور تھا لیکن برہانپور میں مقیم ہو گئے۔ اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ فقط تفسیر اور حدیث کا درس دیتے تھے۔ اور صوفیانہ ارشاد و ہدایت سے باطنی رہنمائی اور تزکیہ نفس کا اہتمام کرتے۔

شیخ محمد بن فضل اللہ احمد آباد میں ۹۵۱ھ/ ۱۵۴۵ء کے قریب پیدا ہوئے اور گجرات ہی میں نشو و نما پائی۔ چھوٹے ہی تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ اور آپ یتیم ہو گئے، نوجوانی میں حضرت شیخ صفی الدین گجراتی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خرقہ اجازت پایا پھر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ اور بارہ سال تک شیخ علی متقی کی صحبت میں رہے۔ اور ظاہری و باطنی فیض حاصل کیا۔ اور پھر گجرات واپس لوٹے اور احمد آباد میں قیام کیا۔ اور وہاں ہی آپ کی شادی ہوئی

---

[1] خزینۃ الاصفیاء، نزہۃ الخواطر ج۵ ص۳۰۵۔

اور شیخ وجیہ الدین کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اور بارہ سال آپ کی صحبت میں رہ کر علوم و فنون میں مہارت پیدا کی۔ پھر شیخ خان جونپوری کی خدمت میں گجرات چلے گئے۔ شیخ خان نے آپ کے والد ماجد کی زبان سے سنا تھا کہ ہمارا بیٹا قطب وقت ہوگا۔ آپ نے سلوک کی منزلیں شیخ ابو محمد بن خضر تمیمی کی صحبت میں حاصل کیں۔ شیخ ابو محمد آپ کے والد شیخ فضل اللہ کے مرید تھے اور اور قلعہ میسر میں رہتے تھے۔ آپنے شیخ وجیہ الدین اور شیخ ماہ کو لکھا کہ آپ کا شہباز ابھی پرواز نہیں کرتا انہوں نے جواب میں لکھا کہ اسکی پرواز آپکے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ شیخ محمد کو میسر بھیج دیا گیا وہاں جاکر وہ روحانی نعمتیں حاصل کیں جو آپکے والد بزرگوار نے شیخ خضر تمیمی کے سپرد کی تھیں۔ وہاں سے واپس آکر برہانپور میں توطن اختیار کر کے مدرسہ اور مسند ارشاد و ہدایت کو زینت بخشی۔ اور ظاہری اور باطنی علم کا سلسلہ جاری کیا۔ اور چشتیوں کے مشہور بزرگوں میں شمار ہونے لگے۔

آپ نے "شیخو پورہ" کے نام سے ایک محلہ آباد کیا جس میں حفاظ کے تین سو گھر تھے۔ حضرت کا یہ محیر العقول فیض تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپکے زمانے میں شیخو پورہ میں قرآن خوانی کے سوا صبح کے وقت کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ آپ کے پاس جتنے ہدایا آتے ان کے تین حصے فرماتے۔ ایک حصہ بیوی بچوں کیلئے ہوتا۔ اور ایک درویشوں مسکینوں اور طلبہ پر صرف فرماتے۔ اور ایک حصہ سارا جمع کر کے مدینہ منورہ بھیج دیتے۔ آپ سچے عاشق رسول تھے۔ آپ کی صبح و شام سنت نبوی اور شریعت محمدی علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام کے مطابق گذرتی تھی۔

بالآخر آپ نے درس و تدریس چھوڑ کر یادِ خدا اور خلق کی روحانی رہنمائی کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ تصنیف و تالیف میں بھی آپ کا مقام

بلند تھا۔ وحدۃ الوجود کے زبردست حامی تھے۔ اسی مسئلہ پر آپ کا رسالہ؛ التحفۃ المرسلۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مشہور ہے۔

التحفۃ المرسلۃ الی النبی

اس کتاب کے مصنف محمد بن فضل اللہ ہیں۔ (۱۰۲۹ھ - ۱۶۲۰ء) جو ایک صوفی اور عالم وجیہ الدین گجراتی کے مرید تھے۔ اس کا تعلق مسئلہ وحدت الوجود سے ہے مصنف کا نظریہ ہے کہ صرف خدا ہی ایک وجود ہے اور یہ وجود اگرچہ واحد ہے مگر مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ وجود تمام موجودات کی اصل وحقیقت ہے اور اس اعتبار سے یہ وجود نہ تو کسی پر منکشف کیا جاسکتا ہے اور نہ ذہن اس کا احاطہ کرسکتا ہے۔

اس وجود کے مندرجہ ذیل سات مدارج ہیں۔

پہلا درجہ وجود مطلق۔ وجود بے قید و بے صفات یہ درجہ احدیت کہا جاتا ہے اور حقیقت حق ہے۔ دوسرا درجہ پہلی تقیید کا ہے جس کا مقصد و مفہوم اس وجود کی ذات اور اس کی صفات اور مستقبل کی تمام مخلوقات کا اجمالی عرفان ہے یہ درجہ الوحدت کہا جاتا ہے اور یہ حقیقت محمدی ہے۔

تیسرا درجہ دوسری تقیید کا ہے۔ جس کا مقصد و مفہوم اس وجود کی ذات اور اس کی صفات اور کائنات کا مفصل علم ہے۔ یہ درجہ واحدیت کہا جاتا ہے اور یہ حقیقت انسانی ہے۔ اور یہ تینوں درجات ابدی قرار دیئے گئے ہیں۔

چوتھا درجہ ارواح کا ہے یعنی مجرد اور مفرد اشیاء۔ پانچواں درجہ عالم المثال ہے یعنی مرکب اشیاء مگر اتنی لطیف کہ تقسیم نہیں کی جاسکتیں۔ چھٹا درجہ عالم الامثال ہے یعنی مرکب اشیاء جو مادی اور اس لئے قابل تقسیم ہیں۔ ساتواں درجہ مذکورہ بالا تمام مدارج کا خلاصہ ہے۔ یہ آخری تقسیم ہے اور اس

---

[1] کہاں وجود ہے: برلن ۲۰۴، ریو ۱۲/۲۴۵، انڈیا آفس ۱۳۸۳ - رام پور ۲۲۲۲، بنگال ۲/۵۵ - آصفیہ ۲۶۲/۱ - اسٹوریٹ صف۲

کو انسان سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔

پہلے تین مدارج کے نام ایک ہی مصدر واحد کے مشتقات ہیں ۔ جس کے معنی ہیں "ایک" لسانی اعتبار سے ان تینوں لفظوں کے معنی میں فرق نہیں ۔ مگر مصنف نے اپنا مطلب بیان کرنے کے لئے ان کو اس طرح استعمال کیا ہے گویا ان کے معنوں میں کچھ نہ کچھ فرق ہے ۔ یہی صورت پانچویں اور چھٹے مدارج یعنی عالم المثال اور عالم الامثال کے معنوں کی ہے ۔

مصنف نے لکھا ہے کہ یہ وجود یعنی خالق نہ مخلوقات سے متصل ہے نہ منفصل ہے نہ ان میں شامل ہے ۔ ورنہ اس کا نتیجہ کثرتِ وجود ہوگا ۔ مزید یہ کہ کائنات اور اس میں جو کچھ بھی ہے عرض ہے اور جوہر صرف وجود (خالق) ہے ۔ یہ نظریہ کہ خدا جوہر ہے اشعریوں کے اس عام نظریہ کے خلاف ہے کہ خدا نہ جوہر ہے نہ عرض ہے ۔

اس کے بعد مصنف نے ان لوگوں کے تین طبقے قرار دیئے ہیں جو نظریۂ وحدت الوجود کے قائل ہیں ۔ ایک طبقہ وہ ہے جو یہ یقین رکھتا ہے کہ خالق تمام مخلوقات کی حقیقت ہے ۔ مگر مخلوقات میں خالق کو نہیں دیکھتا ہے ۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو مخلوقات میں خالق کو دیکھتا ہے مگر خالق میں مخلوقات کو نہیں دیکھتا ۔ اور تیسرا طبقہ وہ ہے جو خالق میں مخلوقات کو اور مخلوقات میں خالق کو دیکھتا ہے ۔ اس تیسرے طبقہ میں مصنف نے انبیاء اور اقطاب کو شامل کیا ہے ۔

آخر میں مصنف نے نظریۂ وحدت الوجود کی تائید میں قرآن اور حدیث کے حوالے دیئے ہیں ۔ جن میں سے چند درج ذیل ہیں ۔ ان سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس نظریہ کی تائید میں مصنف نے قرآن اور حدیث سے کس قسم کی تائید اخذ کی ہے ۔

(الف) قرآنی آیات :-

۱۔ للہ المشرق والمغرب
مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں ۔

۲۔ فاینما تولوا فثم وجہ اللہ ط
پس تم جدھر رخ کروگے وہیں اللہ کی ذات موجود ہوگی ۔

۳۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید
ہم انسان سے اسکی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں ۔

۴۔ وھو معکم اینما کنتم
تم جہاں بھی ہوگے وہ تمہارے ساتھ ہوگا ۔

۵۔ ھوالاول والاٰخر والظاھر والباطن
وہ اول بھی ہے آخر بھی اور ظاہر بھی اور باطن بھی۔

(ب) حدیث :-

۱۔ ان احدکم اذا قام الی الصلوٰۃ فانما ینا جاربہ فان ربہ بینہ وبین قبلہ
تم میں کا کوئی آدمی جب نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے کیونکہ اس کا رب اس کے اور اس کے دل کے درمیان ہوتا ہے ۔

۲۔ ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتّٰی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ۔
میرا بندہ نوافل کے ذریعے برابر میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے تا آنکہ میں اسے پسند کرنے لگتا ہوں اور میں اسے پسند کر لیتا ہوں تو میں اسکے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اسکی آنکھیں بنجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔

ایسے مستند حوالوں کی بنا پر یہ نظریہ مشکوک معلوم ہونے لگتا ہے کہ وحدت الوجود کا تصور اسلام میں بیرونی اثرات کے تحت داخل ہوا ۔ اور بخوبی یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر اسلام

پر بیرونی اثرات کے دروازے بالکل بند کر دیئے جاتے تب بھی اسلام میں وحدت الوجود کا نظریہ اخذ کر لیا جاتا۔ [1] اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسپر کم از کم تین شرحیں لکھی گئیں۔ اور انڈونیشیا میں اسکا بہت چرچا تھا۔ ملایا کے نورالدین رانیری نامی ایک صاحب قلم نے اس کا ترجمہ ملایائی زبان میں کیا ہے اسوقت انڈونیشیا کے شہر سماٹرا میں وحدۃ الوجود کے متعلق اسی طرح بحثیں ہو رہی تھیں جس طرح ہندوستان میں سماٹرا کے اہل قلم مثلاً حمزہ وحدۃ الوجود کے مسئلہ میں ابن العربی اور عبدالکریم جیلی کے قائل تھے۔ نورالدین اس نقطۂ نظر کے سخت مخالف تھے لیکن ایک مقامی عالم عبدالرؤف جو سولہ سال حجاز میں مقیم رہے اور شطاری سلسلہ میں منسلک ہو گئے تھے۔ اور مولانا احمد قشاشی کے جانشین ملا ابراہیم القرانی نے عبدالرؤف کو شطاری سلسلے میں مرید کرنے کی اجازت دی۔ چنانچہ انہوں نے جزائر مشرق میں یہ سلسلہ جاری کیا۔ اور جلد ہی جاوا میں کثرت سے لوگ اس سلسلہ میں شامل ہو گئے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح نے شیخ احمد قشاشی کا تذکرہ اپنی کتاب "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" میں کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ!

میں نے جواہر خمسہ کی اجازت اپنے استاد شیخ ابو طاہر کردی سے حاصل کی تھی، جن کے والد نے یہ اجازت شیخ احمد شناوی کے خلیفہ شیخ احمد قشاشی سے حاصل کی تھی۔

بہرحال شیخ محمد بن فضل اللہ جونپوری کی تصنیف "التحفۃ المرسلہ" انڈونیشیا تک پہنچی۔ اس کے علاوہ آپ کی تصانیف ہیں "الہدیۃ المرسلہ، شرح الدعا السیفی

---

[1] عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ ص۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶۔

وسیلۃ الی شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ شرح اللوائح للجامی ۔ رسالہ فی کراھیۃ امامۃ الامرد فی الصلوٰۃ ۔ رسالہ فی المعراج ۔ التحفۃ المرسلہ کی شرح الحقیقۃ الموافق الشریعۃ ۔ قابلِ ذکر ہیں ۔

سفینۃ الاولیاء کے مصنف نے آپکی وفات بروز پیر ۲ رمضان ۱۰۲۵ھ لکھی ہے ،، رود کوثر کے مصنف نے آپ کا سالِ وفات ۱۶۲۰ء/۱۰۲۹ھ لکھا ہے ۔ خواجہ محمد ہاشم نے آپکی تاریخ وفات ،، ابن فضل اللہ ،، نکالی ہے ۔

آپ کی عمر ۸۶ سال ہوئی اور مزار برہانپور میں زیارت گاہ عوام ہے ۔

غوثی جنہوں نے گلزار ابرار اس زمانے میں تصنیف کی جب آپ ابھی حیات تھے ۔ لکھتے ہیں ، کہ آپ خاندیش کے بادشاہ محمد شاہ ابن مبارک شاہ فاروقی کے عہد حکومت (۱۵۶۶ء) میں گجرات سے خاندیش تشریف لائے ۔ برہان پور میں مسجد اور خانقاہ تعمیر کی ۔ حدیث وتفسیر اور دوسرے دینی علوم کا درس دیتے تھے اہل دل تھے ۔ لیکن سماع اور سرود سے کوئی دلچسپی نہ تھی ۔ سچے عاشقِ رسول تھے ہر سال جہاز کے موسم میں دیوانہ وار وطن سے نکلتے اور سمندر کے کنارے پر پہنچ جاتے ۔ اگر قسمت یاوری کرتی تو جہاز پر سوار ہوکر حرمین شریفین میں پہنچتے اور روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے دل کو تسکین دیتے ۔ اس طرح آپ نے حجاز کے کئی سفر کئے ۔ وطن میں بھی محبتِ رسول میں مست رہتے ۔ سال بھر میں اگر کوئی کوڑی پیسہ بچاتے تو اس لئے کہ سفر حجاز کا سامان ہوجائے ۔

بارگاہِ الٰہی میں آپ کی محبت نبوی مقبول ہوئی ۔ اور آپ کی التحفۃ المرسلہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی شہرت پائی ۔ اس کی کم از کم تین شرحیں لکھی گئی ۔ اور انڈونیشیا میں اس کا بہت چرچا تھا ملایائی زبان کے ایک اہل قلم نے نورالدین رانیری (راندیری) نے اس کا ترجمہ ملایائی میں کیا ہے ۔ انکی تاریخ وفات معلوم نہیں (غالباً انہی کی ،، رحیق

المحمدیہ فی طریقۃ الصوفیہ، کا ذکر مولانا عبدالحی نے یاد ایام میں کیا ہے۔ اس میں تاریخ وفات ۱۰۶۸ھ (یعنی ۵۸-۱۶۵۷ء لکھی ہے) لیکن ان کی کتابوں کا زمانہ تصنیف ۱۶۲۸ء / ۱۰۳۷ھ سے شروع ہوتا ہے۔ [1]

سید یٰسین سامانوی

شاگرد علامہ وجیہ الدین

شیخ یٰسین بن ابو یٰسین حنفی شطاری سامانوی۔ سید شاہ میر سامانوی کے عم زادگان سے تھے۔ علم کیلئے شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ ان سے درسیات کے ساتھ طریقت میں بھی استفادہ کیا۔ تکمیل کے بعد حج و زیارت کے لئے سفر فرمایا۔ اور مشائخ عصر سے حدیث پڑھ کر ہندوستان لوٹے۔ لاہور میں اقامت فرمائی۔ اور ایک امیر کے ہاں رہ پڑے، کچھ مدت کے بعد دنیا سے کنارہ کش ہوکر کلیتہً اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف رغبت ہوگئی۔ فقراء کا لباس زیب تن کرلیا اور سرہند تشریف لے گئے جہاں مدت تک لوگوں کی تربیت کا مشغلہ جاری رکھا۔ ایک دفعہ ان کا ارادہ گجرات جانے کا ہوا تاکہ وہاں سے حجاز چلے جائیں۔ مگر اس میں کامیاب نہ ہوسکے۔ تب بنگال تشریف لے گئے اور بہار کی سرحد پر ایک مدت قیام فرمایا اور یہاں ان سے بے شمار انفاس مستفیض ہوئے۔ ان میں شیخ محمد بھاگلپوری بھی ہیں۔ آپ نے یہیں رحلت فرمائی لیکن سال رحلت معلوم نہ ہوسکا۔ [2]

---

[1] اذکار ابرار اردو ترجمہ گلزار ابرار ص ۵۹۔ رود کوثر ص ۳۹۶، تذکرہ قاریان ہند ص ۵۶۹ ج ۲ ص ۱، اعیان الحجاج، خزینۃ الاصفیاء ص ۴۰۲، نزہۃ الخواطر عربی ص ۵۸ ج ۵ ص ۳۶۳۔ [2] نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۴۱ ص ۵۷۵۔

شیخ یوسف بنگالی

شاگرد علامہ وجیہہ الدین علوی

علامہ فاضل شیخ یوسف بن ابو یوسف۔ اپنے زمانہ کے علمائے کبار میں سے تھے۔ آپ کا مولد بنگال ہے۔ تحصیل علوم کے لئے وطن سے نکلے۔ اور شہر بہ شہر ہوتے ہوئے احمدآباد میں قطب مدار شیخ وجیہہ الدین علوی کی خدمت میں پہنچے۔ ان کے حضور زانوئے تلمذ تہہ کیا جن سے تمام علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کی۔ شیخ کی اجازت سے احمدآباد سے برہانپور تشریف لے آئے۔

وہاں آپ نے شیخ سالم کے پڑوس میں رہائش اختیار کی جن کو علم طب میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ وہیں شیخ سالم نے اپنی دختر کا عقد آپ سے کر دیا، مدت دراز تک وہاں درس دیتے رہے۔ لیکن ہمیشہ تصوف کی تعلیم سے احتراز کیا کرتے تھے اگر کوئی طالب ضد کرتا تو اس کو شیخ طاہر یوسف سندھی کے درس میں بھیج دیا کرتے۔ مسیح القلوب اور شیر پیر محمد حلیم ان کے علاوہ بے شمار علماء و شیوخ نے آپ سے استفادہ کیا۔ آپ کی آخری آرام گاہ برہانپور میں ہے۔ [۱]

قاضی عبداللہ بیجاپوری

شاگرد علامہ وجیہہ الدین علوی

فقیہہ قاضی عبداللہ حنفی بیجاپوری ان علماء میں سے ہیں جنہیں فقہ و حدیث پر بہت عبور حاصل تھا۔ آپ علامہ وجیہہ الدین بن نصر اللہ علوی کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں اور ایک طویل زمانہ تک ان کی صحبت میں رہے۔ پھر بیجاپور تشریف

---

[۱] گلزار ابرار صـ۲۵۸، نزہۃ الخواطر اردو صـ۵۸۲، ایضاً عربی صـ۳۹۷ جـ۵۸۶۔

لے گئے اور وہاں کی قضا کو آپ نے سنبھالا اور وہاں سکونت پذیر ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ کو پیغام اجل آگیا اور بیجاپور ہی میں آپ دفن ہوئے۔ [1]

قاضی جلال الدین ملتانی

(م ۹۹۹ھ — ۱۵۹۰ء)

شیخ فاضل کبیر قاضی جلال الدین حنفی ملتانی۔ یکے از علمار کبار، مولد شہر بھکر اور ملتان میں پروان چڑھے، آپ نے چند روز تک شیخ وجیہ الدین احمد علوی احمد آبادی کے درس میں بیٹھ کر دینی علوم حاصل کیے۔ اور فقر و تصوف کی چاشنی کا مزہ پایا پھر دار السلطنت آگرہ تشریف لائے۔ یہاں شیخ جلال ابن عبد اللہ اکبر آبادی کے حضور زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ پھر کچھ عرصہ گمنامی میں رہے۔ پھر درس کا آغاز فرمایا اور علمائے معاصرین میں آپ کے علم کی دھوم مچ گئی۔ قاضی کمال الدین یعقوب کردی کے بعد اکبر بادشاہ نے قضار کا منصب آپ کے نام کر دیا۔ جب اکبر نے علمار سے آگرہ خالی کرایا تو آپ بیجاپور تشریف لے گئے اس صوبہ کا حاکم آپ کی بے حد تعظیم کرتا تھا۔

اسی شہر میں آسودۂ لحد ہوئے۔ تاریخ وفات ۹۹۹ھ/۱۵۹۰ء ہے نور اللہ مرقدہٗ۔ [2]

مولانا عثمان سنبھلی

شاگرد وجیہ الدین علوی

(م ۹۸۰ھ — ۱۵۷۲ء)

شیخ عثمان بن ابو عثمان حنفی بنگالی سنبھلی۔ اپنے دور کے مشہور عالم تھے۔ بنگالہ میں

---

[1] روضۃ الاولیار۔ نزہۃ الخواطر ج۵ ص۴۱۲۔

[2] گلزار ابرار ص۴۰۹ اردو نزہۃ الخواطر ص۱۲۸ ایضاً عربی ص۱۳۹ ج۴ ص۴۲۔ اخبار الاصفیار

پیدائش ہوئی۔ طلب علم کے لئے سنبھل آئے۔ اور شیخ حاتم سنبھلی سے علم حاصل کیا۔ پھر گجرات کا قصد کیا۔ احمد آباد میں علامہ وجیہہ الدین سے اکتساب کیا پھر سنبھل لوٹ گئے۔ سنبھل ہی میں ۹۸۰ھ/۱۵۷۲ء میں وفات ہوئی۔ [۱]

قاضی عبدالعزیز

م ۲۷ رمضان ۹۸۲ھ/۹ جنوری ۱۵۷۵ء۔

شیخ قاضی عبدالعزیز بن عبدالکریم بن راجی محمد عینی اجینی۔ جو عین القضاۃ ہمدانی رح کی نسل میں سے ہیں۔ آپ کا مولد و منشا اجین ہے۔ آپ نے علم کے لئے اپنے شہر سے باہر سفر کیا۔ اور نہر والہ، پٹن گجرات کے شیخ مولانا عبدالکریم نہر والی سے بعض کتب درسیہ پڑھیں۔ اسی طرح آپ نے علامہ وجیہہ الدین علوی سے بھی پڑھا۔ آپ بڑے زاہد، متورع، صائم الدھر قائم اللیل تھے۔ خوش خلقی آپ کا خصوصی شیوہ تھا۔ [۲]

قاضی عبدالعزیز کے والد شیخ عبدالکریم

شیخ عبدالکریم اپنے والد شیخ راجی محمد عینی کی رحلت کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ نہایت سنجیدہ، جواں مرد، پرہیزگار، حق شناس، خدا پرست، مہمان دوست، زندہ دلی جیسے اوصاف عالیہ سے متصف تھے انکی وفات ۱۰۰۵ھ/۱۵۹۷ء میں ہوئی۔ پدر بزرگوار کے گنبد کے باہر جنوبی سمت میں دفن کیے گئے۔

شیخ عبدالکریم کے دو فرزند تھے۔ (۱) شیخ عبدالعزیز (ان کے حالات اوپر ذکر ہوئے) (۲) شیخ عبدالقادر، جو اپنے آبائے کرام کے وطن میں آبائی مکان اور خانقاہ کو آباد کئے ہوئے تھے۔ [۳]

۱؎ اردو نزہۃ الخواطر ص۲۶۳ ج۴ ص۲۲۴ ۲؎ ایضاً عربی ص۲۵۷ ج۴ ص۲۲۴ ۳؎ ایضاً ص۲۴ ج۵ ص۲۳۳ ج۲ ۴؎ گلزار ابرار ص۲۱۹

قاضی عبدالعزیز کے دادا

قاضی عبدالعزیز کے دادا شیخ راجی محمد عینی بھی بڑے اونچے بزرگوں میں سے تھے جن کے چند احوال حسب ذیل ہیں۔

شیخ راجی محمد بن شیخ خان حنفی۔ شیخ عین القضاۃ ہمدانی کی اولاد سے تھے۔ کم سنی ہی میں تعلیم کی غرض سے برہانپور گئے اور دو سال تک قیام کیا۔ یہاں علوم کا ایک حصہ پڑھا۔ اور پھر احمد آباد بیدر تشریف لے گئے۔ یہاں شیخ محمد بن ابراہیم اسماعیلی ملتانی سے ۱۲ رسال تک استفادہ کے بعد اجین لوٹ آئے۔ اور پچاس سال تک مصروف تدریس رہے۔ سه

آپ فرماتے تھے کہ ایک رات مجھ کو مکاشفہ میں معلوم ہوا کہ اکمل الاولیاء شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ مصلیٰ پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور بے شمار لوگ اور وحوش وطیور آپ کے گرد مجو جمال ہیں۔ ان سب میں شیخ عبدالقادر جیلانی نے میرا نام لے کر بلایا۔ اور مصلیٰ کے نیچے جو خس وخاشاک تھا اس کو اپنے دست مبارک سے جھاڑ دیا۔ اور فرمایا کہ دوئی کا جو زنگ تمہارے دل کے آئینہ پر تھا وہ صاف ہوگیا۔ اب مصلیٰ پر بیٹھو اور شکرانہ کی نماز پڑھو۔ پھر شیخ نے قطبی ولایت کی خوشخبری مجھے دی۔ اس کے بعد پیر نے بھی خرقۂ خلافت عطا فرما کر اجین میں رہنے اور لوگوں کی رہنمائی اور تعلیم کی اجازت مرحمت فرمائی۔

اولاد:۔ آپکے چھ بیٹے تھے۔ عبدالرحمن، عبدالکریم، عبدالرحیم۔ یہ تینوں ایک بیوی سے۔ اور عبدالحلیم، عبدالحمید، اور عبدالمجید دوسری منکوحہ سے تھے۔

شیخ راجی محمد اجین میں پچاس برس تک درس وتدریس میں مشغول رہے اور آخر ۲۷ رمضان ۹۸۲ھ / ۹ رجنوری ۱۵۷۵ء کو اس دار فانی سے دار بقا کو راہی ہوئے۔ سه

سه اعیان الحجاج، گلزار ابرار ص۳۱۹۔

شیخ عبداللہ صوفی شطاری

(م ۲۲ر جمادی الاولی ۱۰۱۰ھ / ۱۷ ر نومبر ۱۶۰۱ء)

آپ کمال الدین بہلول ابن چاند ابن جنید ابن محمد ابن برہان الدین ابن عزالدین محمود ابن نجم الدین احمد ابن مولانا شمس الدین ھروی عثمانی کے فرزند رشید ہیں ۱۲ ربیع الثانی ۹۰۰ھ کو آپ کی ولادت قصبہ سندیلہ میں ہوئی ۔

چونکہ خدا طلبی کا جوہر آپ میں ودیعت تھا لہذا نو سال کی عمر میں آپ کو پیر ارادت کا شوق پیدا ہوا ۔ مخدوم شیخ صفی ساقی پوری کے مرید ہو گئے اور سولہ برس کی عمر میں کتابی علوم کی تحصیل کے ارادہ پر گھر سے نکل پڑے اور قصبہ گوپامو میں شیخ الہداد ابن سعداللہ عثمانی کی خدمت میں پہنچے اور صرف و نحو پڑھنا شروع کر دیا ۔

شیخ بدرالدین بدایونی اپنے وقت کے قطب تھے انہوں نے اثنار تعلیم خواب میں تشریف لاکر آپ کو فرمایا کہ "عبداللہ تم چند روز ہماری خدمت سے حصہ لو" جب آپ بیدار ہوئے تو بے تامل بدایوں کی طرف چل پڑے ۔ بدایوں پہنچکر شیخ بدرالدین کا سراغ لگایا ۔ کسی نے پتہ نہیں دیا ۔ رات کے وقت ناامید ہو کر جامع مسجد میں اندیشہ ناک سو گئے ۔ پھر شیخ نے خواب میں فرمایا کہ فلاں جگہ ہمارا روضہ ہے وہاں آکر مجاور بنو وہاں پہنچ کر بلا ہلی چھ دور کامل اعتکاف کے طور پر اس مزار پاک پر رہے اور بہرہ یاب ہوئے ۔ اسی اعتکاف کا انجام تھا کہ خواجہ قطب الدین اویسی چشتی دہلوی نے خواب میں فرمایا کہ تم کو ایک سال ہمارے حظیرۃ میں رہنا چاہئے ۔ صبح ہوتے ہی دہلی کو روانہ ہوئے چاشت کا وقت تھا کہ قلعہ دہلی کے دروازہ پر پہونچے ۔ شیخ معزالدین بخاری سے ملاقات ہوئی وہ آپ کو گھر لے گئے ۔ جب مکان میں پہنچے تو مہمان کے ساتھ بہت مہربانی کے ساتھ پیش آئے اور فرمایا کہ اس شہر کے قطب نے تم کو میرے سپرد کیا ہے تم اس جگہ ٹھہرو

روضہ کی خدمت کرتے رہو ، اور اس خانقاہ کے مدرس سے سبق پڑھا کرو ۔ دکافیہ لب ا اور ارشاد یہ تینوں کتابیں اسی جگہ پڑھیں اور ہمیشہ نماز عشاء سے فارغ ہوکر روضہ مبارکہ پر جایا کرتے تھے ۔ فیض روحانیت سے قلب میں روشنی حاصل ہوئی اور پھر ایک سال ختم ہونے کو آیا کہ حضور خاتم الانبیاء صلوٰت اللہ علیہ عالم مثال میں تشریف لائے اور فرمایا کہ مولانا برہان الدین ملتانی حصار میں تمہارے پہنچنے کے منتظر ہیں ۔ ان کے درس میں جاکر تحصیل کمالات کرو ۔ آپ نے تعمیل حکم کی ۔ چند روز بعد جناب مولانا نے احمدآباد گجرات کا عزم فرمایا ۔ آپ بھی ہمراہ ہوگئے ۔ اکثر علوم کی کتابیں اور تفسیر مولانا کی ملازمت میں رہکر پڑھی ۔ اور شرح مقاصد کے الٰہیات اور شرح مواقف نیز بعض دیگر ریاضی رسالے شیخ وجیہ الدین احمد علوی شطاری کے درس میں نکالے ۔ بزدوی ، ہدایہ اور عضدی شیخ مبارک دانشمند شطاری گوالیاری کے سامنے حل کیں ۔ علم حدیث اور اصول حدیث میر عبدالاول دولت آبادی کی تعلیم سے حاصل کیا اور نصوص کی اجازت مولانا مصطفیٰ رومی سے لی ۔ بالآخر ۲۴ رسال کی عمر میں جب یہ تمام کمالات فراہم ہوگئے تو ایک عجیب جذبہ پیدا ہوا تمام کتابیں لوگوں کو تقسیم کرکے باغ ارم کے ایک گوشہ میں نفس کی اصلاح میں مصروف ہوئے ۔ کچھ عرصہ کے بعد الٰہی طلب اور ایزدی معرفت کا ایسا ہجوم ہوا کہ تمام حواس اور قویٰ کو جکڑ لیا اور ہر ایک کو اس کے کام سے معطل کردیا ۔

حضور خاتم النبوۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف متوجہ ہوئے کہ کسی مرشد کا پتہ بتادیں جو درد کا علاج کرے اور جس کے فیض ہدایت سے طالب عرفاں کے اصلی مطلب کو پہنچکر صاحب بصیرت ہوسکیں ۔ آخر کار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غوث الاولیاء کی خدمت کا راستہ دکھایا ۔

حضرت غوث الاولیاء نے دو مہینے کے اندر مشرب عشقیہ کے تمام اذکار اور اشغال سکھا کر انوار و اسرار سے بہرہ یاب کیا اور سنہ ۹۵۰ھ میں عیدالضحیٰ کے عرفہ کے روز آپ کو

تمام خانقاہ نشینوں کا سرحلقہ بنایا۔ تمام صوفیوں کی تلقین آپ کے سپرد ہوئی۔ کامل دس سال تک ہمیشہ مبتدی درویشوں کی تربیت آپ کرتے رہے۔ مبتدی درویشوں میں سے جو شخص کمال کے درجہ کو پہنچ جاتا تھا غوث الاولیاء کی خدمت میں عرض کر کے سند ارشاد لے کر اس کو دیدیتے تھے۔ اور کسی سمت کی رہنمائی کے واسطے اجازت ہو جاتی۔ اسی اثناء میں غیب سے بیت الحرام کے طواف اور حرم سید الانام کی زیارت کے واسطے مامور ہوئے۔ مدینہ منورہ میں پانچ سال قیام کر کے کمال ریاضت میں منہمک رہے اور اور ہر سال حج کے واسطے آمد و رفت رکھی پھر حکم عالی کے بموجب احمد آباد میں بازگشت فرما کر متاہل ہوئے۔ کم و بیش پندرہ سال اس شہر میں گذارے۔ ۹۸۱ھ میں پیر کی زیارت کے واسطے گوالیار آئے۔ یہاں دو سال مزار مبارک پر رہے۔ بعدہ بفرمان پیر ۹۸۳ھ کے آغاز میں دار الخلافہ آگرہ جا کر منٹیا محل گلی میں حجرہ تجویز کیا اور نماز عصر کے وقت دوشنبہ کے روز ۲۲ر جمادی الاولیٰ ۱۰۱۰ھ/۱۷ نومبر ۱۶۰۱ء میں عنصری منزل سے قدسی مقام کو عروج فرمایا۔ اور اسی حجرہ میں اپنی خواہش کے مطابق خوابگاہ اختیار کی قدس اللہ سرہٗ۔ [1]

تصانیف

۱۔ سراج السالکین بر سنن جواہر خمسہ ۲۔ اوراد صوفیہ

۳۔ رسالہ صوفیہ ۴ انیس المسافرین

۵۔ اسرار الدعوۃ ۶۔ شرح رسالہ غوثیہ

۷۔ رسالہ کنز الاسرار فی حال اشغال الشطار۔

---

[1] گلزار ابرار ص ۴۵۴

مولانا محمد غوثی بن حسن بن موسیٰ شطاری

صاحب گلزارابرار۔ (ولادت ۹۶۲ھ/۱۵۵۴ء)

آپ نے گلزار ابرار میں جہاں پر اپنے والد شیخ حسن کے حالات لکھے ہیں۔ وہاں ضمن میں اپنے حالات اور واقعات بھی بالتفصیل بیان فرمائے ہیں۔

آپ ۹۶۲ھ/۱۵۵۴ء میں قصبہ مانڈو میں پیدا ہوئے تھے۔ مانڈو کو پہلے منڈو بولتے اور لکھتے تھے۔ یہیں پرورش پائی۔ تحصیل علوم میں شیخ وجیہ الدین علوی کے شاگرد تھے۔ اور طریقت میں شیخ محمد غوث گوالیاری قدس سرہ کے سلسلہ میں بیعت تھے۔

آپ نے اکبر کا آخری دور اور جہانگیر کا آغاز دیکھا ہے۔ چونکہ یہ زمانہ علم وفضل، معرفت، ثروت اور اعزاز و وقار کے اعتبار سے منتہائے عروج پر تھا۔ اس لئے فقراء، صلحاء، اولیاء، علماء، فضلاء اور امراء وغیرہ بڑے اچھے اچھے لوگ زمانہ میں رونق بزم حیات تھے۔ مصنف کا علمی تبحر صرف عقلی ونقلی علوم میں منحصر نہ تھا۔ بلکہ آپ عرفانی و وجدانی کمالات کے بھی حامل تھے۔ آپ کے زورِ قلم اور عرفانی و وجدانی معلومات کا کچھ اندازہ گلزار ابرار سے ہوسکتا ہے۔

کسی زمانہ میں مانڈو اولیاء اللہ کا شہر رہ چکا ہے۔ یہ شہر مالوہ میں شہر دیار سے بارہ کوس کے فاصلہ پر جنوبی سمت میں واقع تھا۔ پرانے زمانہ میں اس بستی کے قلعہ میں ایک مدتِ دراز تک سلاطین خلجی اور غوری کا پایہ تخت رہا تھا کہتے ہیں اب کچھ عمارتیں اس اجڑی ہوئی بستی میں ویران پڑی ہوئی ہیں۔

جب آپ کی عمر گیارہ سال ہوئی تو پدر بزرگوار کو عالم بالا سے بلاوا آگیا۔ کوچ کے وقت فرمایا۔ میرے دل میں خیال تھا کہ تیس سال تک ان کو اہلِ علم کی خدمت میں رکھونگا تاکہ علوم و تعلیم و تربیت سے آراستہ پیراستہ ہوجائے۔ غوثی فرماتے ہیں کہ دل میں استحکام کے ساتھ یہ بات جمی کہ اگر تقدیر تدبیر کے ساتھ موافق آئے تو والد ماجد کے قائم کئے ہوئے خیال کے موافق کاربند ہوکر اس کام کو میں اسی طرح انجام دونگا۔

والد ماجد کے انتقال پر چند ایام سوگواری کو مستثنیٰ کرکے کوئی وقت حصولِ علم کے بغیر نہیں گذارا۔ والدہ ماجدہ نے اس خیال سے کہ درویشوں کی خدمت اور مدرسوں کی ملازمت سے دل برداشتہ ہوکر دنیاداری شروع نہ کردے سترہ سال کی عمر میں نکاح کرادیا۔ جب بیس سال کی عمر ہوئی معاشی پریشانی لاحق ہوئی جو یہاں تک پہنچ گئی کہ گھر میں جلانے کو تیل بھی میسر نہیں تھا۔ دن میں تنہا اور مخفی طور پر جنگل میں جاکر پتے اور خودرو گھاس لے آتے تھے اور اس سے گذارا کرتے اور اہل ثروت سے تعلقات کے باوجود اخفاء حال اس قدر تھا کہ استغناء اور بے نیازی کے سبب ارباب تجارت کے ساتھ ملاقات دیکھ کر لوگ مالدار تاجر کہتے تھے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ شعر گوئی کے صلہ پر گذارا ہوگا۔ بعض لوگ جوہریوں کے ساتھ انہیں دیکھ کر کیمیاگر تصور کرتے بعض دولتمندوں کے ساتھ تعلقات دیکھ کر ان سے مالی استفادہ کا گمان کرتے۔ بعض لوگ عمال اور وصولیابی کے افسران کے ساتھ انہیں دیکھ کر رشوت خور کہتے۔ لیکن مولانا غوثی ان تمام احوال پر شاکر و صابر رہے کہ اللہ نے اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کے اوصاف کے ساتھ متصف فرماکر آیت کریمہ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ

الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ ۚ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۔
کے مفہوم میں اتباعًا شامل کیا ہے۔ کبھی اقربار سے ناداری و فقر و احتیاج کے اظہار کا وسوسہ بھی آیا تو والدہ ماجدہ نے سمجھا کر ہمت بڑھائی اور حصول مقصد پر کاربند رہنے کی ترغیب دی۔

اس دوران یہ ہوا کہ شیخ سراج الدین خاں جو حضرت صدر الذاکرین شیخ صدر الدین محمد شاکر بڑودی سے بیعت تھے۔ گوالیار میں انکی زیارت کرکے واپس وطن گجرات کو مالوہ ہوتے ہوئے جارہے تھے۔ مانڈوان کا گذر ہوا اور مولانا غوثی کے مہمان ہوئے اور میزبان کوکسی کے عشق مجازی (بظاہر مولانا غوثی نے استعارہ کے طور پر غیر اللہ سے میل ملاپ کو عشق مجازی کے ایک فرضی واقعہ کی صورت میں بیان کیا ہے) میں گرفتار پاکر بیعت کی ترغیب دی اور مولانا غوثی شیخ سراج الدین سے بیعت ہوگئے۔ دیکھا دیکھی ان کے ہم عمر اور دوست بھی بیعت ہوگئے۔ اور شیخ سراج دو تین روز ٹھہر کر وطن تشریف لے گئے مگر جس عشق مجازی کی مصیبت میں گرفتار تھے اس سے خلاصی مل نہیں رہی تھی۔

اس درمیان شیخ صدر الدین محمد شاکر بڑوڈوی حضرت غوث الاولیار کے انتقال کے بعد ان کے جانشین شیخ عبداللہ سے مل کر براہ مالوہ گجرات کی طرف آئے جو ان کا خاص وطن تھا۔ جب منڈو (مانڈو) میں پہنچے تو مولانا غوثی کے ہاں فروکش ہوئے۔ مولانا غوثی نے اپنے سابقہ واقعات تحصیل علم کی کیفیت اسی کے برابر میں والد ماجد کی وصیت کے وقت کی خواہش اور اس تعمیل کے ضمن میں جو واقعات پیش آئے اور برداشت کرنے پڑے۔ عشق کی بلا میں مبتلا ہونے کا ماجرا۔ اس اثنار میں شیخ سراج الدین کے پہنچنے اور ان کے مرید ہونے کی کیفیت اور اس سلوک کے اندر جو کچھ عمل ہو سکا اس کا بیان :

غرض تمام حالات ایک ایک کر کے تفصیل وار دادا پیر سے عرض کئے۔ شیخ صدر الدین نے فرمایا مجھ سے ظاہری بعد تھا۔ تب تک شیخ سراج الدین کے ساتھ تمہاری ارادت شیخ سراج اور صدر الدین کے درمیان میں منقسم تھی۔ جب تقسیم کا سبب جو مکانی بعد ہے باقی نہیں رہا تو وہ نسبت بھی صدر الدین ہی کی طرف لوٹ آئی یعنی جس شخص کا شیخ زندہ ہو اس شخص کا مرید جب تک شیخ (دادا پیر) اسے دور ہے تب تک صدر الذکر شیخ (دادا پیر) کے ساتھ ارادت معنیً رکھتا ہے۔ اور جب وہ مرید شیخ (دادا پیر) کی صحبت میں پہنچ جاتا ہے تو ظاہری تصرف بھی اس شیخ (دادا پیر) کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ اور وہ شخص (مرید کا پہلا اور اصلی پیر) اس معاملہ میں محض سفیر رہ جاتا ہے۔ اس کے بعد اتفاقی طور پر شیخ صدر الدین محمد شاکر بروڈ دی منڈو میں سال بھر مقیم رہے اور اس قیام کے دوران مولانا غوثی نے شیخ گوالیاری کی جواہر خمسہ ان سے پڑھی۔ اور شیخ صدر الدین کو جب اچانک گجرات کا سفر پیش آگیا تو مولانا غوثی کی قریب التکمیل تربیت کے لئے شیخ ظہور الدین محمود جلال کو پیچھے منڈو میں چھوڑا۔

ان تمام کے باوجود مریضِ عشق کا حال جوں کا توں رہا اور بقول مولانا غوثی کے جواہر خمسہ کے اوراد، اذکار، اشغال، اور نیز تمام اعمال عمل میں لایا۔ لیکن جمعیت حاصل نہیں ہوئی۔ اور پریشانی میں معشوق کے پیچھے آگرہ کے سفر کا قصد کیا مگر بوڑھی والدہ کی تنہائی کے تصور نے باز رکھا۔ مگر بالآخر سفر کر کے ہی چھوڑا اور پانچ سال دامِ الفت میں گرفتار رہ کر جب آگرہ سے منڈو واپس آئے تو شیخ ظہور الدین محمود جلال کی برکت ہی سے بالآخر اس مصیبت سے نجات پائی۔ اور ایزدی معرفت کے حصول کا شوق بڑھنے لگا۔ اور شطاری مشرب کے اشغال و افکار کی مشق شروع کر دی۔ عشق مجازی

کی افتاد کو اشعار میں بیان کرنا۔ آپ نے پہلے ہی شروع کر دیا تھا جس کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ زیادہ تر غزل کی نساجی دوسروں کے بنے ہوئے ردیف وقافیہ کے تانے بانے سے نہیں کی۔

آپ کی عمر جب ۲۲ سال ہوئی تب آپ کے ہاں فرزند کا تولد ہوا۔ نام عبدالاوّل رکھا۔ دوسرے صاحبزادے حسن محمد کا تولد چھ سال بعد ہوا۔ اس کے ایک سال بعد ۹۹۰ھ میں آپ بقیہ علوم کی تحصیل کی خاطر احمد آباد پہنچے ابھی دو سال ہوئے اور والد صاحب کی تحصیل علوم کی مقررہ مدت میں ایک سال رہ گیا تھا کہ گجرات میں جنگ شروع ہوئی۔ سلطنتِ گجرات پر سلطان محمود کے بیٹے مظفر نے قبضہ کر لیا۔ اور احمد آباد کے جاگیر دار شہاب الدین خاں حسینی نیشاپوری دارالحکومت چھوڑ کر پٹن چلے گئے۔ اکبر بادشاہ کی طرف سے مرزا خاں بن بیرم خاں خانخاناں فوج لے کر پہنچے اور پٹن سے شہاب الدین خاں بھی واپس لوٹ آئے اور دریائے سابھرمتی (سابرمتی) کے کنارے پر جنگ ہوئی اور حکومت ہند کی باقاعدہ منظم دس ہزار فوج کے سامنے نوخیز حکومت کی تازہ ترتیب دادہ ساٹھ ہزار فوج نہ ٹک سکی اور سلطان مظفر کو شکست ہوئی۔ عین جنگ کے دوران بھی والد ماجد کی وصیت کی باحسن وجوہ تکمیل میں مولانا غوثی برابر کوشاں تھے فرماتے ہیں کہ!

مذکورالصدر رسالہ میں اس رسمی داستان کا مجمل نویس۔ اور سکندری واقعات کا مختصر نگار استادی شیخی وجیہ الملۃ احمد آبادی کی خانقاہ میں دینی علوم کی تحصیل اور حکمی فنون کی سماعت کے نور سے نادانستگی اور بے علمی کی تیرہ و تاریک رات کو صبحِ سعادت بنا رہا تھا۔ اور جنگ احمد آباد کے تماشائیوں میں سے تھا۔ والد مرحوم کی وصیت کو پورا کر کے اکتیسویں سال کے آغاز میں آپ وطن

واپس ہوئے۔ [۱]

گلزار ابرار گلزار ابرار فارسی زبان میں ہے ۱۰۱۴ھ اور ۱۰۲۲ھ کے درمیان یہ کتاب تصنیف ہوئی تھی۔ اس وقت میں جہانگیری سلطنت کا دور دورہ تھا۔ اولیاء اللہ کے حالات میں یہ کتاب عجیب و غریب ہے۔ اولیاء اللہ کے تذکرے اور بھی ہیں مگر اولیاء اللہ کے تذکروں میں سے ایسا شاید ہی کوئی اور تذکرہ اس پایہ کا ہو۔ اس کتاب میں ساتویں صدی کے آغاز سے لے کر ۱۰۲۲ھ تک چار سو بائیس [۴۲۲] اولیاء اللہ کے حالات مذکور ہیں۔ چار چمن اور ایک ضمیمہ (خاتمہ) قائم کیا ہے۔ ہر ایک صدی کے حالات ایک ایک چمن میں اور بائیس برس کے حالات کچھ تو چوتھے چمن میں شامل کئے ہیں اور کچھ ضمیمہ میں مذکور ہیں۔ انہیں میں وہ ہستیاں بھی ہیں جو تصنیف کے وقت بقید حیات تھے۔ [۲]

سید شاہ ہاشم حسن علوی

(م ۹ ۱۶۴۹ء — ۱۰۵۹ھ)

سید ہاشم حسن علوی (م۔ ۱۶۴۹ء / ۱۰۵۹ھ) شیخ محمد غوث گوالیاری شطاری کے ارادت مند، شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی کے بھتیجے تھے۔ شیخ وجیہ الدین۔ کے ملفوظات "بحر الحقائق" کے نام سے ان کے مریدوں نے جمع کئے ہیں۔ ان ملفوظات کا انداز سوال وجواب یا مکالمہ کا ہے۔ سوالات فارسی میں ہیں اور ان کے جواب ہندی میں۔ ہندی اختیاری اور ہندی استعمالی کی یہ روایت شیخ وجیہ الدین کے خاندان میں بہت بعد تک چلتی رہی ہے۔ سید شاہ ہاشم حسن علوی کے ایک مرید شاہ

---

[۱] گلزار ابرار ص۱، ص۶۱۳ [۲] ایضاً ص۲۔

مراد ابن بد جلال نے ان کے تمام اقوال و ملفوظات کو "مقصود المراد" کے نام سے ایک کتاب میں جمع کیا ہے اس میں شاہ ہاشم علوی کی کئی ہندی نظمیں اور مقولات بھی درج ہیں۔ مثال کے طور پر سید ہاشم علوی نے ان پانچ اشغال کو جو میاں عبد اللہ ابن شاہ وجیہ الدین مرشد شاہ ہاشم علوی نے بنائے تھے اس طرح نظم کیا ہے۔ سے

ہنس ہنس پینے کہیا ناہناں   دیواں تجی سب جے منجہ ماہناں
پانچ شغل مکھ آکھیں سائیں   جیودے کیوں ہو جلن تو آہنیں
شغل تکفینا کہیا ہیو ! ! !   نہا بڑا ایک جانے جیو
جیہا لوڑے آپس توں   تہیا لوڑے سارے نوں

اس طرح کے اور شعر بھی اس نظم میں ہیں جو لسانی مطالعہ کی خاص طور پر دعوت دیتے ہیں۔

مذکورہ بالا اشعار میں کہیا، دیواں، لینا، سائیں، جیہا، تیہا، وغیرہ الفاظ وافعال پنجابی زبان میں آج بھی مستعمل ہیں۔ مثال کے طور پر کہنا مصدر کا ماضی مطلق اردو کے مطابق کہا ہونا چاہیئے، لیکن یہاں کیتا ہے جو پنجابی کے صرفی اصول کے مطابق ہے۔

سید ہاشم علوی کے کلام میں دوہوں کے علاوہ نکتے اور جکریاں بھی ہیں سید ہاشم حسن علوی نے ان میں ہندی اور فارسی آمیز ہندی ذرائع اظہار اختیار کیئے ہیں مثلاً؛

ہاشم جی چھولاں لہر   ہیوں وحدت کے بحر
ہودیں منو اے سحر   دنی چھوں قاتل زہر سلہ

سلہ تاریخ ادبیات صفحہ ۲۳۸/۴

شیخ حاجی حمید

۸۶۵ ـ ۹۶۷ھ حضرت شیخ غوث گوالیاری کے مرشد

آپ شاہ قاذن رح (قاضن) کے مرید تھے ۔ جن کے پیر و مرشد شیخ عبداللہ شطاری تھے ۔ آپ نے خوب سیاحت کی ۔ اپنے ساتھ صراحی کے برابر ایک لوٹا رکھتے تھے ۔ ہاتھ میں عصا، کندھے پر جانماز ڈال کر پھرتے تھے ۔ اور جسمانی اعتبار سے بہت کمزور تھے ۔ شیخ محمد جن کا لقب غوث تھا اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر آپ سے بیعت ہوئے ۔ کہتے ہیں کہ جب شیخ محمد آپ سے بیعت ہونے کے لئے آئے تو آپ اٹھ کر ان سے بغلگیر ہوئے اور فرمایا غوث ! آجاؤ ۔

حاضرین نے دریافت کیا کہ بغیر کسی کمال کے آپ نے ان کو غوث کیوں کہا آپ نے جواب میں فرمایا اس میں کیا حرج ہے باپ اپنے بیٹے کا نام شاہ عالم رکھتا ہے ۔
آپ اگرچہ حقیقت میں شاہ قاذن (قاضن) کے خلیفہ تھے لیکن جب آپ نے دیکھا کہ لوگوں کا میری طرف رجحان ہے اور اس سے مرشد کے صاحبزادہ شیخ ابوالفتح کو تکلیف ہوتی ہے تو آپ شیخ ابوالفتح کے پاس پہنچ گئے اور ان سے مرید ہو کر خلافت حاصل کی ۔ شیخ محمد اپنے شجرہ ارادت میں شیخ ابوالفتح کا نام نہیں لکھتے تھے جس سے شیخ ابوالفتح کو سخت تکلیف ہوتی تھی انہوں (شیخ محمد غوث) نے برسوں تک کالنجر کے قلعہ میں ریاضت و مجاہدہ اور عبادت الہٰی کی اور کمال حاصل کیا نیز عزت و دولتِ دنیاوی کے بھی مالک ہوئے ۔

نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ بھی شیخ حاجی حمید کا معتقد ہو گیا تھا ۔ آپ نے ۹۶۷ھ میں وفات پائی ۔ آپ کا مزار مبارک گوالیار میں ہے ۔ آپ کی کتاب معراج نامہ بہت مشہور رہے جس میں علمائے گجرات کے انکار کے قصے درج ہیں اور حقیقت

حال اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

شیخ محمد غوث کے بھائی شیخ بہلول سے بھی ہمایوں بادشاہ کو بڑی عقیدت تھی اس لئے یہ بھی اعلیٰ مراتب وعزت وجاہ کے مالک ہو گئے تھے۔ اور جو آخر میں مرزا ہندال کے ہاتھوں شہید ہوئے جن کی قبر قلعہ بیانہ کے دروازہ پر ہے۔ [1]

جب بارہ سال کی عمر ہوئی تو طلبِ خدا میں سرگرداں پھرتے ہوئے جونپور تشریف لائے اور قاضی صدر جہاں کے مکان پر قیام کیا۔ قیام کے دوران تحصیلِ علم میں مصروف رہے۔ کافیہ وغیرہ تک عبور حاصل کیا۔ پھر اسی کو کافی سمجھ کر علم باطنی کی تلاش میں مصروف ہو گئے۔ شیخ ابوالفتح ہدایت اللہ سرمست کی خدمت میں فیض روحانی حاصل کیا۔ پھر انہی کی ہدایت پر حاجی حمید الدین حضور کی خدمت میں گئے۔ موصوف نے انہیں سلسلہ شطاریہ میں بیعت فرمایا۔ آپ کے ساتھ آپ کے برادر بزرگ شیخ پھول (م ۹۴۵ھ) بھی تھے۔ حاجی حمید الدین حضور نے دونوں بھائیوں کو اپنی فرزندی میں لیا اور تعلیم وتلقین کے بعد شیخ پھول کو اپنے ہمراہ لے کر صوبہ بہار کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور شیخ محمد غوث کو مزید فیضان کے لئے کوہستان چنار میں ریاضت کے لئے چھوڑ دیا۔ شیخ محمد غوث تیرہ سال چند مہینے عبادت وریاضت میں مشغول رہے۔ درختوں کے پتے کھا کر یادِ الٰہی کی اس کے بعد جب حاجی حمید الدین حضور واپس ہوئے تو مرید کو بامراد پایا۔ اسی عرصہ میں اپنی مشہور تصنیف "جواہر خمسہ" لکھی۔ حاجی حمید الدین حضور نے تمام منازل سلوک طے کرائے اور خرقۂ خلافت عطا کیا۔

مولانا محمد حسن غوثی نے گلزار ابرار میں لکھا ہے کہ حضرت شاہ محمد غوث روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ انہوں نے جس کو قبول کر لیا اس کے سر کی اور دل

---

[1] اخبار الاخیار ص۲۱۴۔

کی آنکھوں کو مشاھدہ اور معائینہ کا نور حاصل ہو گیا۔ اور ان میں حقیقت بینی کی قوت آ گئی۔ [1]

اصحابِ شطّاریہ

یہ تمام علائق دنیا سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ اور انسانی صحبتوں سے جدا رہتے ہیں ان کا مطمحِ نظر سوائے درود و اشتیاقِ ذکر و شکر کے کچھ نہیں ہے۔ ان کے نقطۂ نظر سے کشف و کرامات مستحسن نہیں ہیں اور اپنے وقت کو موتوا قبل ان تموتوا کی استقامت میں صرف کرتے ہیں۔ یہ طریقہ پہلے دو طریقوں سے زائد جلد مقصد تک پہنچا دیتا ہے اس طریقہ میں کامیابی کے ذرائع دس ہیں۔

اوّل توبہ یعنی کوئی مطلوب سوائے خدا کے نہ ہو۔ جیسا کہ موت کے وقت ہوجاتا ہے۔ دوسرے زہد یعنی دنیا و مافیہا سے کچھ تعلق نہ رکھے جیسا کہ موت کیوقت ہو جاتا ہے۔ تیسرے توکل یعنی اسباب ظاہری کو ترک کر دے جیسا کہ موت کے وقت کرتا ہے۔ چوتھے قناعت یعنی جیسا کہ موت کے وقت نفسانی اور شہوانی خواہشوں کو ترک کر دیتا ہے۔ پانچویں عزلت یعنی لوگوں سے کنارہ کشی اور انقطاع کرے جیسا کہ موت کے وقت کرتا ہے۔ چھٹے توجہ یعنی جس طرح موت کے وقت خدا ہی کی طرف توجہ اور اس کے اغراض متعلق ہوتے ہیں کرے۔ ساتویں صبر یعنی تمام نفسانی لذات کو چھوڑ دے جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے آٹھویں رضا یعنی اپنے نفس کی رضامندی چھوڑ دے اور اللہ کی رضامندی پر رضامند رہے اور اس کے ازلی احکام کا پابند ہو جائے۔ جیسا کہ موت کیوقت ہو جاتا ہے۔ نویں ذکر یعنی اللہ کے ذکر کے سوا تمام اذکار کو ترک کر دے

---

[1] اذکار ابرار صہ ۲۸۹۔

جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے ۔ دسویں مراقبہ یعنی اپنی تمام قوت واختیار کو چھوڑ دے ۔ جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے پس ہر طالب کو چاہئے کہ پہلے اتباع شیخ سے تمام بداخلاقیوں سے کہ لوازم مادیت سے ہیں اپنے کو محفوظ رکھے اور اسپنے کو کمالات ومحاسن کا جامع بنائے اور دل میں سوائے خدا کے کسی کے خیال کو جگہ نہ دے۔

شیخ محمّد غوث گوالیاری

م ۱۷ رمضان سنہ ۹۷۰ھ

شیخ محمد بن خطیر الدین بن عبداللطیف بن معین الدین بن خطیر الدین بن ابوزید بن شیخ فرید الدین عطار شطاری گوالیاری مشہور بہ شیخ محمد غوث

آپ نے نہایت مجاہدہ کے ساتھ زندگی گذاری ہے ، ۱۲ برس تک چنار گڑھ کے غاروں میں بڑی ریاضتیں کیں ، اور درختوں کے پتے کھا کر ذکر الٰہی میں مشغول رہے ۔ یہانتک کہ صاحب خزینۃ الاصفیاء لکھتے ہیں آپ چودہ سلسلہائے تصوف کے مقتدا تھے شاہ محمد غوث گوالیاری نے اپنے شیخ طریقت حاجی حمید الدین حضور (متوفی ۹۳۰ھ مطابق ۱۵۲۳ء) سے مستقل قیام کے لئے استفسار کیا تو موصوف نے فرمایا کل جہاں تمہارا ہے جہاں مزاج چاہے رہو اس میں تم کو اختیار دیا گیا ہے ۔

زمانہ ریاضت ہی میں قلعہ گوالیار میں قیام کا اشارہ ہو گیا تھا ۔ بہرحال شاہ محمد غوث گوالیار تشریف لائے اور یہاں رشد وہدایت کا سلسلہ جاری کیا صاحب مناقب غوثیہ لکھتے ہیں ۔

الغرض جب حضرت غوث اللہ ۔۔ رخصت ہو کر گوالیار پہنچے اور وہاں اقامت

کی تو بانگ درویشی و صدائے عظمت ولایت موروثی عالم میں پھیلی، عالم و عالمیاں، ملوک وسلاطینِ وقت مطیع و منقاد ہوئے مگر آپ کا یہ حال تھا کہ کوئی شخص مجلس عالی میں دنیا کا نام نہ لے سکتا تھا۔ گوالیار میں کچھ عرصہ قیام کیا تھا کہ مرض خیلرک میں مبتلا ہو گئے اور چھ مہینے تک صاحب فراش رہے۔ جب اس مرض سے صحت پائی تو قاضی رکن الدین اور قاضی خدابخش کی وساطت سے اپنے شیخ طریقت حضرت حاجی حمید الدین حضور کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ادھر یہ حضرات پیام لے کر چلے اور ادھر حاجی حمید الدین نے شیخ سکندر سے فرمایا آج مجھ کو اطلاع ہوئی کہ اس عالم دون سفلیٰ سے عالم عقبیٰ میں آؤں اور دار فنا سے دار بقا کا سفر کروں۔

میں نے جواب دیا کہ چار روز کے بعد آؤنگا کیونکہ بندگی میاں غوث کے آدمی راستے میں ہیں جب وہ آجائیں گے تو صاحب مقام کو دستار عطا کرکے اس عالم سے اس عالم میں آؤنگا۔ [1]

اس لئے جب قاضی رکن الدین اور قاضی خدابخش حاجی حمید الدین حضور کی خدمت میں پہنچے تو آپ بہت مسرور ہوئے اور اسی وقت جبہ و دستار طلب کرکے اپنے دست مبارک سے دونوں حضرات کے سپرد کیا اور اپنی جانب سے شاہ محمد غوث (متوفی ۹۷۰ھ مطابق ۱۵۶۲ء) کے نام ایک فرمان لکھوا کر دستخط فرما کر قاضی رکن الدین کے حوالے کیا۔ صاحب مناقب غوثیہ نے فرمان مذکور کا یہ مضمون لکھا ہے۔

صحیح فی الدنیا والآخرہ بندگی حضرت شیخ المشائخ میاں محمد غوث متع اللہ المسلمین

---

[1] مناقب غوثیہ اردو ص ۵۲۔

بطول بقائہ، از ظہور شمس انصاری المقدس مطالعہ فرمائید۔ تمام احوال قابل شکر ہیں۔ قل الحمدللہ دائماً معلوم و روشن ہو کہ اس درویش کو بھی بیسؔ رمضان سے ران کا درد ہوا تھا۔ اور جو کچھ مال واحوال اور اقوال اس فقیر کا ظاہر و باطن تھا، آں فرزند کو سونپ کر اپنا قائم مقام کیا بلکہ قالب کا حکم بھی تم شیخ المشائخ کے ہاتھ میں دیا چنانچہ اپنی موجودگی میں صندوق تیار کرا کر حاضرانِ مجلس کو (تمہارے) آدمیوں کی موجودگی میں نصیحت کردی ہے کہ ہم کو امانت رکھو قالب کا اختیار بھی فرزندم میاں غوث کو دیا جس جگہ وہ قابل سمجھیں لیجائیں۔

دوسرے یہ کہ آں فرزند کو اپنا قائم مقام کر کے جملہ خلفاء و مریدین کو حوالہ کیا جس کو آں فرزند قبول کرے۔ مقبول۔ اور جس کو مردود کرے مردود۔ اور جبہ و دستار اپنے حضور تمہارے آدمیوں کے سپرد کر دیا۔ یقین کرلو کہ جو کچھ رنج و مشقت اس فقیر نے اٹھایا اور درگاہ حق میں توکل پر ثابت رہا وہ سب آں فرزند کے واسطے تھا۔ یہ فقیر درخت کے سایہ میں مرقد کریگا۔ انشاءاللہ تعالیٰ اور جو اس فقیر کے سفر کے بعد ہوگا وہ شیخ سکندر کی کتابت سے معلوم ہوگا۔ [۱]

حاجی حمیدالدین حضور کی وفات کے بعد شیخ سکندر نے جو مکتوب شاہ محمد غوث کے نام ارسال کیا تھا اور اس میں جو چشم دید واقعات بیان کئے تھے اس کو پڑھکر معلوم ہوتا ہے کہ حاجی حمیدالدین نے اپنی وفات کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا۔ حرف بحرف صحیح ثابت ہوا مکتوب مذکور کے آخر میں شیخ سکندر تحریر فرماتے ہیں اکیس (۲۱) ذی الحجہ کو ایک پاس شب باقی تھی کہ یکایک فرمایا یارو اٹھو رحمت کا وقت ہے اس درویش کو پھر حکم ہوتا ہے کہ آج چوتھا روز ہے کہ تمام انبیا و اولیا تمہاری ملاقات کے منتظر ہیں شتاب آؤ" اور اس وقت چوڈول پر سوار ہو کر باہر آئے اور اپنے حضور میں قبر درست کرائی۔ بعدہٗ اس چوڈول کو درخت

[۱] مناقب غوثیہ اردو ص۵۲/۵۴۔

کے سایہ کے نیچے لائے، جو کوئی اپنا حال عرض کرتا فرماتے فرزندم میاں غوث کے حوالہ کیا۔ یہاں تک کہ صبح صادق چمکی اور آپ سر سے پا تک چادر اوڑھ کر شغل مع اللہ کے ساتھ دارالفناء سے دارالبقاء کو رحلت فرما گئے۔

دیگر معروض کہ اس خاک روب آستانہ کو خاک روبی آستانہ کی خدمت پر سرفراز کر جامۂ خلافت عطا فرمایا ہے لیکن ثابت جب ہی ہو سکے گا جب آنحضرت قبول فرمائیں گے[1]

غرض حضرت حاجی حمیدالدین حضور کی وفات کے بعد شاہ محمد غوث گوالیاری مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے اور گوالیار میں قیام کرکے دور و نزدیک فیض رسانی کا سلسلہ شروع ہوا، شاہ محمد غوث گوالیاری کے زمانے میں گوالیار میں ایک اور بزرگ بھی قیام پذیر تھے جن کو خواجہ خانوں کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

صاحب فیضان ولایت کی ایک تحریر سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ خواجہ خانوں اور شاہ محمد غوث زندگی میں نہیں مل سکے۔ موصوف نے لکھا ہے۔

۹۴۰ھ میں مورخہ یکم جمادی الاول کو آپ نے اپنے بڑے فرزند حضرت خواجہ بندگی احمد قدس اللہ سرہم سے ارشاد فرمایا کہ میں اب تم سب سے رخصت ہوتا ہوں۔ بعد وفات میری تجہیز و تکفین حضرت محمد غوث گوالیاری کریں گے میں نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ ملاقات ان کی ہماری اس وقت پر منحصر ہے۔

آخری جملہ سے ظاہر ہے کہ زندگی میں دونوں بزرگوں کی ملاقات نہیں ہوئی۔ خواجہ خانوں کے وصال کے بعد ان کی وصیت کے مطابق شاہ محمد غوث گوالیاری تشریف لائے اور خواجہ مرحوم کے صاحبزادگان کے ساتھ غسل دیا۔ تجہیز و تکفین فرمائی اس کے بعد نماز جنازہ بھی آپ ہی نے پڑھائی۔ ۹۴۰ھ دوم جمادی الاول وقت چاشت تدفین سے فارغ ہوئے۔

---

[1] مناقب غوثیہ اردو ص۵۵۔

آپ نے طریقۂ شطاریہ میں حاجی معمر حمید بن ظہیر شطاری کی خدمت میں برسوں باریابی سے تربیت حاصل کی اور منصب مشیخت پر فائز ہوئے، بابر اور ہمایوں کو ان سے بہت اعتقاد تھا۔ شیر شاہ سوری نے تخت سنبھالنے کے بعد ہمایوں کے مصاحبوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، ان میں شیخ محمد غوث بھی تھے۔ شیخ غوث کو جب اس کا علم ہوا تو آپ گجرات روانہ ہوگئے اور احمدآباد پہنچ کر سارنگ پور نامی علاقہ میں رہنے لگے۔ [۱]

شیخ کا گجرات میں اٹھارہ سال قیام رہا، اس مدت میں کچھ وقت چاپانیر اور کچھ بھروچ میں بھی گذارا۔

رسالۂ معراجیہ

گجرات آکر آپ نے ایک رسالہ "معراجیہ" لکھا جس میں آپ نے اپنی معراج کا ذکر کیا جس کی بنیاد پر بہت سے علماء آپ کے مخالف ہوگئے جن میں شیخ علی متقی پیش پیش تھے ان علماء نے آپ کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا، یہ سلطان محمود گجراتی کا زمانہ تھا، محمود نے گجرات کے بڑے عالم شیخ وجیہہ الدین علوی سے اس فتویٰ کے سلسلہ میں رائے معلوم کی، شیخ وجیہہ الدین شیخ غوث الدین کی روحانیت سے پہلے ہی متاثر ہو چکے تھے اور ان کے مرید ہوگئے تھے چنانچہ جب سلطان محمود شیخ وجیہہ الدین کی خدمت میں شیخ علی متقی کے فتوے کو لے کر حاضر ہوئے تو شیخ وجیہہ الدین نے فتویٰ پڑھ کر پھاڑ دیا اور فرمایا کہ!

معراج نامہ میں جتنے واقعات درج کئے گئے ہیں وہ تو عالم خواب کے واقعات ہیں اسلئے جو الزامات حضرت غوث پر لگائے گئے ہیں وہ لغو اور بے بنیاد ہیں عام لوگ ان کا درجہ کیا جانیں۔ وہ ایسے بڑے درویش ہیں کہ ان تک رسائی مشکل ہے وہ صاحب نسبت اور صاحب کشف وکرامات ہیں ان کا شمار اہل حال اور اہل قال میں ہے۔ [۲]

شیخ وجیہہ الدین نے نہ صرف آپ کے خلاف فتوے کی مخالفت کی بلکہ ایک رسالہ

---

[۱] تاریخ صوفیائے گجرات [۲] تاریخ دعوت وعزیمت حصہ چہارم۔

لکھکر فقہی کتابوں سے مسئلۂ تکفیر پر روشنی ڈالی پھر صوفیائے کرام کے احوال سے بحث کی۔ کہ حالتِ سکر میں جو کچھ کہہ جاتے ہیں وہ قابلِ مواخذہ نہیں۔ شیخ وجیہہ الدین فرماتے تھے کہ کسی شخص کی سو باتوں میں سے ایک بات بھی اسلام کی ہو تو اس کو مومن سمجھو اور کسی کلمہ گو اہلِ قبلہ کو کافر نہ کہو۔

محققین کی رائے

لیکن اب بھی محققین کی رائے یہ ہے کہ شیخ محمد غوث گوالیاری کے افکار و معتقدات میں اور خصوصاً روحانی مجاہدات میں ان کا واسطہ جوگیوں سے پڑا۔ ان کی کتاب جواہرِ خمسہ کے متعلق مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ!

اس (جواہرِ خمسہ) کی بنیاد زیادہ تر بزرگوں کے اقوال اور اپنے تجربات پر ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحیح احادیث سے ثابت ہونے یا معتبر کتب شمائل و سیر سے اخذ کرنے کو ضروری نہیں سمجھا گیا۔ اس میں نمازِ احزاب، صلوٰۃ العاشقین، نمازِ تنویر القبر اور مختلف مہینوں کی مخصوص نمازیں اور دعائیں ہیں جن کا حدیث و سنت سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔

؛جوہرِ دوم، میں اسماء اکبریہ خاص شیخ کے جمع کئے ہوئے ہیں جن میں فرشتوں کے عبرانی و سریانی نام ہیں اور حرفِ ندا سے ان کو خطاب کیا گیا ہے جس سے استعانت لغیر اللہ کا شبہ ہوتا ہے۔ ایک دعائے سیفی بھی آتی ہے جس میں عبرانی و سریانی اسماء حرفِ ندا کے ساتھ ہیں۔ ساری کتاب کی بنیاد دعوتِ اسماء پر ہے ان اسماء کے موکل مانے گئے ہیں جو اس کی اصل ماہیت سے واقف ہیں۔ حروفِ تہجی اور ان کے موکلوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔[1]

---

[1] تاریخ دعوت و عزیمت حصہ چہارم۔

راقم السطور کو شروع سے جواہر خمسہ کی شیخ محمد غوث گوالیاری کی طرف نسبت میں تردد تھا۔ جب شیخ کے حالات کتابت کے لئے بھیج دیئے گئے اس کے بعد حسب ذیل سطور جواہر خمسہ نظر میں سے گذریں۔

اور یہ جو کچھ خواص اور فضائل اس عاجز نے لکھے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی شرح سے لکھے ہیں اور انہوں نے اکثر مشائخ کرام کے مکاشفے اور سماع سے تحریر فرمائے ہیں۔ اور بعض خاصیتیں شاہ عبدالرحمن چشتی کی شرح سے اور بعض مولانا احمد الدیرلی شافعی اور بعض مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اور بعض مولانا محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی رحمہم اللہ کے فوائد سے اور بعض دیگر کتب معتبرہ سے بھی اخذ کرکے نہایت احتیاط کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی علامت حرف (ح) اور شاہ عبدالرحمن چشتی کی علامت حرف (ع) اور باقی بزرگوں کے نام لکھ دیئے گئے ہیں۔ اور جگہ کتاب کا حوالہ بھی ہے۔

ان سطور کے پڑھنے کے بعد کسی کے لئے اب قطعاً اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ جواہر خمسہ جو آج کل دستیاب ہے اس کی نسبت شیخ محمد غوث گوالیاری کی طرف غلط ہے اس لئے کہ سطور بالا میں جن دہلوی مشائخ کا ذکر ہے ان میں اور شیخ محمد غوث میں صدیوں کا فاصلہ ہے۔

مریدین شیخ محمد غوث کے سلسلہ شطاریہ میں منسلک ہونے والوں میں علامہ وجیہہ الدین کے علاوہ شیخ صدرالدین ذاکر۔ شیخ لشکر محمد، شیخ ولی محمد، شیخ علی شیر اور شیخ صبغۃ اللہ بھروچی جیسی عظیم شخصیات بھی ہیں جنہوں نے گجرات اور دکن میں اس سلسلہ کو خوب پھیلایا بلکہ شیخ صبغۃ اللہ تو اس سلسلہ کو

لے کر مدینہ منورہ پہونچے اور بڑے بڑے مشائخ مدینہ نے ان سے اس کو حاصل کیا[۱]
شطاری سلسلہ حضرت شیخ بایزید بسطامی کی طرف منسوب ہے۔ شطاری سلسلہ کی
وجہ تسمیہ یہ ہے کہ سلوک و تصوف میں وہ دوسرے سلسلوں کے بزرگوں سے زیادہ
تیز اور سرگرم (شطار) ہوتے ہیں۔ یہ حضرات جنگلوں میں رہ کر سخت ریاضتیں کرتے تھے ان
کی طرف غیر معمولی افعال و تصرفات منسوب کئے جاتے تھے۔[۲]

۹۶۳ھ میں شیخ محمد غوث گوالیار تشریف لے گئے۔ یہاں کچھ مدت قیام کے بعد
اکبر کے زمانے میں آپ آگرہ آئے۔ مگر یہاں بھی علماء نے آپ کی مخالفت کی آخر آزردہ
دل ہو کر واپس گوالیار تشریف لے گئے۔

آپ کا قول تھا کہ مرشد کامل وہی ہے جس کی صحبت میں مرید
کا دل دنیا کی طلب سے متنفر ہو جائے اور فانی لذتیں
اور جلد ختم ہو جانے والی راحتیں اس کو تلخ معلوم ہوں۔ اور ذکر حق سے مانوس
ہو جائے اور حُبّ دنیا اور آخرت کے نقوش اس کی لوح دل سے مٹ جائیں۔
آپکی کرامت: ایکمرتبہ یہ نقل آپنے بیان فرمائی کہ حضرت شیخ الاسلام شیخ غوث
گوالیاری رضی اللہ عنہ غار چنار میں ایک چشمہ پر وضو فرمارہے تھے یکایک ایک
بڑا سانپ آنکلا اور شیخ کو ڈس لیا۔ آپ کو تو کوئی گزند نہ پہنچا۔ البتہ وہ سانپ
اسی وقت مرگیا۔ اسی غار میں ایک جوگی بھی گوشہ نشین تھا جب اس نے یہ
کیفیت دیکھی دوڑا آیا۔ اور قدمبوس ہو کر شیخ سے کہا کہ آپ "سدہ" ہو گئے ہیں یعنی
کامل ہو گئے ہیں۔ حضرت نے فرمایا تم نے کیسے جانا۔ اس نے کہا ہم لوگوں کی ریاضت
کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جس انسان کو ایسی حالت میسر آجائے وہ کامل ہوتا ہے۔

---

[۱] تاریخ گجرات، تاریخ صوفیائے گجرات بحوالہ سفینۃ الاولیاء [۲] رود کوثر، نزہۃ الخواطر اردو ص ۱۵۴، ص ۳۱۸

تصانیف رسالہ معراجیہ کے علاوہ جواہر خمسہ، کلید مخازن، ضمائر و بصائر، کنز الوحدہ بحر الحیٰوۃ یادگار ہیں۔ کنز الوحدہ میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ اہل ذوق کے نزدیک ایمان کی پانچ قسمیں ہیں۔ اول تکلیفی یہ سب قسموں سے عام ہے اور کافر و مومن سب کو شامل ہے۔ دوم تقلیدی جو عام ہے اور ہر مومن میں پائی جائے گی چاہے وہ مقلد ہو یا محقق ہو۔ سوم۔ استدلالی یہ قسم خاص ہے جو علمائے مومنین میں پائی جائے گی۔ چہارم حقیقی، یہ اخص ہے اور یہ صرف اولیاء میں پائی جاتی ہے۔ پنجم عینی، یہ قسم اس شخص میں پائی جاتی ہے جو ولایت محمدیہ کے ساتھ مخصوص ہو اور اپنی آنکھوں سے احدیت مطلقہ کو دیکھتا ہو۔

وفات آپ کی وفات ۱۷ رمضان ۹۷۰ھ مطابق ۱۵۶۲ء میں آگرہ میں ہوئی۔ جہاں سے آپ کا جسدِ خاکی گوالیار لے جا کر دفنایا گیا۔

شیخ گوالیاری کے مغلیہ دربار سے بھی گہرے تعلقات رہے۔ تزک بابری کے ۹۳۵ھ مطابق ۱۵۲۹ء کے واقعات میں لکھا ہے کہ۔

محرم کی تیسری کو گوالیار سے شہاب الدین خسرو کے ساتھ شیخ محمد معظم گوالیری رحیم داد کی سفارش کرنے آئے۔

شیخ ممدوح ایک درویش و معظم آدمی ہیں۔ ان کے فرمانے سے رحیم داد کی خطار معاف کر دی گئی۔ اکبر بھی شیخ غوث گوالیری کا معتقد تھا اور اپنے والد نصیر الدین محمد ہمایوں اور دادا ظہیر الدین محمد بابر کی طرح جلال الدین محمد اکبر بھی شاہ محمد غوث سے ربط خاطر رکھتا تھا۔ چنانچہ جب شاہ محمد غوث اکبر آباد تشریف لائے اور بیرم خاں و شیخ گدائی کے ناروا سلوک سے خاطر برداشتہ ہو کر واپس گوالیار گئے تو

لہ ظہیر الدین محمد بابر مسلمان و ہندو مؤرخین کی نظر میں صفحہ ۳۹۴۔

اکبر بادشاہ بیرم خاں سے آزردہ ہوگیا۔ اس ربط خاص کا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ بیرم خاں کی شہادت کے بعد آپ پھر اکبرآباد تشریف لے آئے اور یہیں انتقال فرمایا اور گوالیار میں دفن کیے گئے۔

نورالدین جہانگیر بادشاہ بھی شاہ محمد غوث گوالیاری کے علو مرتبت کا قائل تھے۔ بارہویں جشن نوروز کے ذیل میں جو حالات لکھے ہیں اس میں شیخ وجیہہ الدین علوی گجراتی (متوفی ۹۹۷ھ مطابق ۱۵۸۸ء) کے روضہ کی زیارت کے تاثرات کا بیان ہے اسی ضمن میں شاہ محمد غوث گوالیاری کا بھی ذکر آگیا ہے لکھتے ہیں۔

شیخ وجیہہ الدین، شیخ محمد غوث کے ایسے بلند مرتبہ خلیفہ تھے جن پر خود مرشد کو فخر ہوتا ہے۔ شیخ محمد غوث سے شیخ وجیہہ الدین کی ارادت وعقیدت سے خود شیخ محمد غوث کے بزرگ و برتر مرتبے کا پتہ چلتا ہے۔

شیخ غوث کے بہلول نامی ایک بھائی صاحب ارشاد و کرامت بزرگ تھے۔ ہمایوں کو ان سے عقیدت تھی مگر مرزا ہنڈال نے ان کو شہید کر دیا تھا۔

آپ کی وفات ۱۵ رمضان ۹۷۰ھ میں واقع ہوئی تھی مزار پرانوار گوالیار میں ہے۔

غوث سید قطب عالم — چو در وصل خدا گردید موصول
تاریخ وصالش گفت سرور — محمد متقی سلطان مقبول شد
۹۷۰ھ

شیخ میاں غوث گوالیاری پانی پاک رکھنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ پانی کے برتن نہایت ہی صاف رکھتے تھے۔ ایسی احتیاط کرتے کسی اور

۱؎ معارف ج ۲ ۹۰ ص ۱۱ ۔ خزینۃ الاصفیاء ص ۳۱۹۔

کو نہیں دیکھا گیا میاں غوث کو غصہ بہت آتا تھا۔

شیخ عبدالوہاب فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم شیخ حسین کے ہمراہ میاں غوث سے ملنے گئے۔ شیخ حسین نے ان کے مٹکے سے ایک آبخورے میں پانی لے کر پیا اور وہ آبخورہ زمین پر رکھدیا۔ یہ دیکھ کر میاں غوث کو سخت غصہ آیا اور بلند آواز سے کہا ہائے ہائے تم نے آبخورہ نجس کر دیا۔ ان کا اتنا کہنا ہی تھا کہ شیخ حسین نے آبخورہ زمین پر دے مارا اور کہا کہ اگر آبخورہ ناپاک ہو گیا ہے تو اس کو توڑ دینا ہی اچھا ہے یہ سنکر میاں غوث مسکراتے ہوئے شیخ حسین کی طرف بڑھے اور ان کو گلے لگا لیا۔ اس پر حاضرین میں سے کسی کو یہ خیال آیا کہ شیخ حسین نے آبخورہ توڑ کر اسراف کیا ہے یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے شیخ حسین نے فرمایا امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ جو مٹی کا برتن ناپاک ہو جائے اس کا پاک کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے اس کو توڑ دینے کے سوائے اور کوئی علاج نہیں ہے۔ شیخ حسین شیخ عبدالوہاب کے دوستوں میں سے تھے آپ کو راہ تصوف میں ایک خاص رفتار حاصل تھی اور بے قیدی، بے تکلفی، اور ہمت فرمائی میں ایک خاص طریقہ رکھتے تھے۔ شیخ عبدالوہاب فرماتے تھے کہ یہ شیخ حسین ہمارے رشتہ داروں میں سے تھے اور یہ عجیب حالت اور بلند ہمت کے مالک تھے معمولی چیزیں خریدتے وقت ان کے پاس جو کچھ ہوتا وہ سب بیچنے والے کو دیدیتے۔ خواہ وہ مظفری ہوتا یا روپیہ اور کبھی نہ سودا چکاتے اور نہ اس کی قیمت کا حساب کرتے۔

شیخ عبدالوہاب فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم دریائے نربدا کو عبور کرنا چاہتے تھے لیکن دریائے نربدا کے کنارے پر بہت سے لوگ اس لئے جمع تھے کہ نربدا کے بیچ میں ایک شیر اپنی کچھار میں بیٹھ گیا تھا جس کے باعث لوگ دریا میں آنے جانے سے مجبور ہو گئے تھے۔ یہ دیکھ کر شیخ حسین اپنے ایک ہاتھ میں

چاقو ہے کر اور دوسرے ہاتھ پر ایک چادر لپیٹ کر کچھار کے اندر گھس گئے۔ اور شیر کو وہاں ٹکڑے ٹکڑے کر کے لوٹ آئے اور لوگوں کے آنے جانے کا راستہ کھول دیا۔

ایک مرتبہ ایک آدمی اونچی جگہ نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا۔ نیت نماز میں اسے وسوسہ آنے لگا۔ اور اس نے نیت کے الفاظ اتنی بار دہرائے کہ مقتدی کچھ پریشان سے ہو گئے جس پر ان شیخ حسین نے اس زور سے اس امام کے سینہ پر ہاتھ مارا کہ وہ برابر کے پانی میں گر پڑا۔ اور پھر اس کے دل میں کوئی وسوسہ نہیں رہا۔ ایک مرتبہ شیخ حسین سے ایک طالب علم احیاء العلوم پڑھ رہا تھا۔ جس کی زبان میں سخت لکنت تھی۔ عبارت پڑھتے وقت وہ عاجز اور مضطرب ہوتا تھا۔

شیخ عبدالوہاب کہتے ہیں کہ دل میں آیا کہ اس طالب علم کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جائے جو شیخ حسین نے اس امام کے دلی وساوس دور کرنے کے لئے کیا تھا لیکن میں اس وجہ سے خاموش رہا کہ شاید اس کی ہمت رفتہ رفتہ شیخ حسین کے اثرات قبول کرے گی۔ [1]

غوثیہ کتب خانہ حضرت محمد غوث گوالیاری کی اولاد احمد آباد میں آکر آباد ہوئی تو اپنے ساتھ بزرگوں کے بہت سے تبرکات بھی لائی جن میں کتابیں بھی تھیں۔ ان میں ایک بزرگ فضل علی عرف بارک اللہ بڑے صاحب ذوق تھے ان کے پاس ایک اچھا کتب خانہ بھی تھا۔ جب تک اس خاندان میں علمی ذوق رہا کتب خانہ بھی تھا۔ اس کے بعد برباد ہو گیا۔ [2]

---

[1] اخبار الاخیار صفحہ ۲۶۲ [2] گجرات کی تمدنی تاریخ صفحہ ۲۴۹۔

حضرت شاہ محمد غوث گوالیری کے خلفاء کرام

۱۔ شیخ عبداللہ بن محمد غوث گوالیری	گوالیار
۲۔ شیخ مبارک	〃 〃
۳۔ شیخ بدیع الزماں سمرقندی	〃 〃
۴۔ شیخ نورالدین ضیاء اللہ بن شاہ محمد غوث	اکبرآباد
۵۔ شیخ عبداللہ صوفی	〃 〃
۶۔ شیخ اکمل الدین برہان	برہانپور
۷۔ شیخ لشکر محمد عارف	〃 〃
۸۔ شیخ سراج محمد بنبانی	〃 〃
۹۔ شیخ صدرالدین	بڑودہ
۱۰۔ شیخ شمس ذاکر	〃 〃
۱۱۔ شیخ حبیب شطاری	〃 〃
۱۲۔ شیخ محمد اویس بن شاہ محمد غوث گوالیری	احمد آباد
۱۳۔ شیخ اسماعیل 〃 〃 〃 〃	〃 〃
۱۴۔ شیخ محمد عاشق	سنبھل
۱۵۔ مولانا عبدالفتاح ناگوری	اجمیر
۱۶۔ شیخ محمد جمالی	سرہند
۱۷۔ شیخ جلال واصل	کالپی
۱۸۔ شیخ جیوہ عبدالحیٔ	بدولی
۱۹۔ شیخ شمس الدین شیرازی	بیجاپور

۲۰۔ شیخ احمد متوکل — اجین (مالوہ)
۲۱۔ شیخ عالم — 〃
۲۲ شیخ منجھن — سارنگ پور
۲۳۔ شیخ عمر — 〃
۲۴۔ شیخ وجیہ الدین علوی
۲۵۔ اور شیخ علی شیر بنگالی } اعاظم خلفاء میں سے تھے۔ [1]

مرزا شیخ بہلول

شیخ محمد غوث گوالیاری کے بھائی مرزا شیخ بہلول کے متعلق جہانگیر نے توزک میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ؛

جہانگیر اہل محل کے ساتھ بیانہ کا قلعہ دیکھنے گئے۔ شہنشاہ ہمایوں کے بخشی محمد نے جو ان کے عہد حکومت میں اس قلعے کے قلعدار تھے۔ وہاں صحرا کے رخ پر ایک عمارت تعمیر کی ہے جو نہایت بلند اور ہوادار ہے۔ شیخ بہلول کا مزار بھی اس کے متصل ہے۔ اور یہ مزار فیض و برکت سے خالی نہیں ہے۔ شیخ بہلول شیخ محمد غوث کے بڑے بھائی تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کے مختلف ناموں کے مختلف اثرات کے علم میں مہارت حاصل تھی۔ شہنشاہ ہمایوں ان سے نہایت درجے کا ربط خاطر اور انتہائی عقیدت رکھتے تھے۔

جس زمانے میں ہمایوں نے بنگال کو فتح کر کے کچھ عرصہ وہاں قیام کیا تھا۔ اور ہندال مرزا (شاہی حکم کے مطابق آگرے میں مقیم تھا) نے بغاوت کا جھنڈا بلند کرتے ہوئے اپنے نام کا خطبہ جاری کیا۔ جس کی اطلاع مختلف

---

[1] گلزار ابرار۔ معارف فروری ۱۹۶۲ء صفحہ ۱۱۳۔

لوگوں کی عرض داشتوں کے ذریعے ان دشہنشاہ ہمایوں) کو ملی۔ انہوں نے اسے سمجھانے بجھانے اور نصیحت کرنے کے لئے شیخ بہلول کو بھیجا تاکہ وہ اس کے باطل ارادے کو دور کرکے اُسے خلوص و اتفاق کی شاہراہ پر لے آئیں چونکہ بدخواہ فسادیوں نے مرزا پر سلطنت کا افسوں پڑھ کر پھونکا تھا۔ اس لئے وہ اپنے باطل ارادوں سے دست بردار ہونے پر راضی اور دوبارہ اطاعت اختیار کرنے کی طرف راغب نہ ہوا۔ بلکہ فسادیوں کی انگیخت پر شیخ بہلول کو چار باغ میں (جو فردوس مکانی (شہنشاہ بابر) نے دریائے جمنا کے کنارے تعمیر کروایا ہے) انہیں تہ تیغ کر دیا

محمد بخشی کو چونکہ شیخ سے عقیدت و ارادت تھی اس لئے ان کی میت کو قلعہ بیانہ میں لاکر دفن کر دیا۔ [۱]

شیخ نورالدین ضیاءاللہ

۳ رمضان سنہ ۱۰۰۶ھ — ۹ اپریل سنہ ۱۵۹۷ء!

شیخ غوث گوالیاری کے صاحبزادے ہیں۔ طریقت کے بیان میں آپ کی تقریر دلنواز تقریر تھی اور اسرار حقیقت کی شراب کی مستی سے مدہوش تھے۔ آپ صاف عبارت میں رموز حقیقت بیان فرماتے۔ آپ کی نظر سنگ دلوں کو موم کر دیتی تھی اور شکستہ دلوں کے حق میں مومیائی کا حکم رکھتی تھی آپ فقراء کے ساتھ طالبانہ پیش آتے تھے۔

آپ نے نوافل، خیرات اور عبادات جس قدر اپنے اوپر لازم فرما لی تھیں ان میں فروگذاشت کبھی نہیں ہونے دیا۔ سنہ ۹۷۰ھ میں پدر بزرگوار کی رحلت کے بعد

---

[۱] توزک جہانگیری ص ۵۲۵۔

آپ گوالیار آئے۔ یہاں پر چند روز رہ کر آگرہ چلے گئے اور اس جگہ خانقاہ تعمیر کرائی کم و بیش پینتیس سال حجرہ میں چلہ نشین رہے۔ علم حدیث میں نہر والہ شہر میں کامل دس سال تک شیخ محمد طاہر محدث نہر والہ کی شاگردی کر کے اور نیز شیخ وجیہہ الدین علوی احمدآبادی کے درس سے تمام فنون کی تحصیل کر کے کل علوم میں استاد وقت ہوئے۔ "الولد سر لابیہ" کا فروغ آپ کی پیشانی سے درخشاں تھا۔ جس زمانہ میں آپ نہر والہ میں احادیث کی تصحیح کر رہے تھے۔ اس زمانہ میں احمدآباد سے غوث الاولیاء نے شیخ نور محمد کو خرقۂ خلافت اور اجازت نامہ دے کر آپ کی خدمت میں بھیجا تھا اور اجازت عطا فرمائی تھی۔

آپ کی رحلت اس طرح پر ہے کہ جن ایام میں اکبر شاہ لاہور میں تشریف رکھتے تھے ان ایام میں ایک روز ہرنوں کی لڑائی کے ہنگامہ میں ایک ہرن کے سینگ کا ایک کاری زخم شہنشاہ کی ران میں آیا تھا۔ شہنشاہ نے چند روز بعد کہا کہ اس واقعہ کے اندر دور و نزدیک کے جمیع اکابر اور امراء کے آنے سے ہم نے شیخ ضیاءاللہ کو یاد کیا لیکن شیخ نے ہمیں یاد نہیں کیا۔ شیخ ابوالفضل مبارک نے اس تقریر کی نقل لکھ کر آپ کی خدمت میں بھیجی جب یہ اطلاع آپ کو پہنچی تو آپ لاہور پہنچے اور شہنشاہ نے بھی آپ کی تشریف آوری سے اپنی عافیت اور تن درستی کی فال لی۔ چند روز بعد شہنشاہ نے کہا کہ شاہزادہ دانیال کی ایک حرم امیدوار ہے بادشاہ کو منظور یہ ہے کہ حرم مذکور شیخ ضیاءاللہ کے مکان میں رہے تاکہ وضع حمل اسی جگہ ہو۔ آپ نے اس حکم کی تعمیل میں دو تین مرتبہ عذر کیا مگر قبول نہیں ہوا اور حرم مذکور نے آپ کے مکان میں آکر وضع حمل کیا۔ چونکہ شیخ اس واقعہ کی اصلیت سے بالکل محترز تھے لہذا اپنی زندگانی سے ہی تنگ دل ہو گئے۔ ایک ہفتہ بعد مرض الموت پیش آیا اور ۲۳ رمضان المبارک ۱۰۰۵ھ / ۱۵۹۶ء میں واصل بحق ہوئے۔[1]

[1] گلزار ابرار صفحہ ۲۱۴، ۴۲۲، ۴۲۳ ۔

گلزار ابرار میں آپ کے حالات اس طرح لکھے ہیں :
مشہور محدث شیخ ضیاء اللہ بن محمد غوث گوالیری۔ شیخ فریدالدین عطار رح کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ نے صغر سنی میں گجرات کی طرف سفر فرمایا۔ شیخ وجیہ الدین علوی سے پڑھا۔ اور بالخصوص حدیث محمد بن طاہر بن علی پٹنی رح سے پڑھی۔ اور دس سال انکی خدمت میں رہے۔

طالب علمی ہی کے زمانے میں آپ کے والد محترم نے آپ کے لیے خرقہ خلافت بھیجا۔ اسی لئے اپنے والد کی وفات کے بعد ۹۷۰ھ میں جب آپ گوالیار واپس لوٹ کر گئے ہیں تو وہاں جتنا عرصہ قیام رہا۔ عوام طریقت میں آپ کی طرف رجوع کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ گوالیار سے اکبرآباد تشریف لے گئے اور وہاں سکونت پذیر ہوئے۔ تقریباً ۲۵ سال کے طویل عرصہ تک وہاں علم وفضل کے دریا بہاتے رہے۔

آپ کی شخصیت بہت باوقار تھی۔ تصوف، وتفسیر اور حدیث کے دقائق اور حکمتوں کو اس طرح بیان کرتے تھے کہ سننے والے حیران ہوتے تھے۔ آپ کا کلام بڑا شیریں ہوتا تھا۔ تمام علوم میں آپ دسترس رکھتے تھے اسی وجہ سے جتنی آپ کی مقبولیت عوام میں تھی اتنی بلکہ اس سے زیادہ امراء کے یہاں تھی۔
اکبر آپ کا اس قدر دلدادہ ہوا کہ متعدد دفعہ آپ کو بلوا کر آپ کے فیض و صحبت سے مستفید ہوا۔ البتہ بدایونی جب آپ سے ملے ہیں تو آپکے سوال وجواب سے وہ زیادہ خوش نہیں ہوئے۔

"صاحب مآثرالامراء" نے آپ کا سن وفات ۱۰۰۵ھ/۱۵۹۶ء رمضان المبارک کی تیسری تاریخ کو بیان کیا ہے۔ [1]

---

[1] مآثرالامراء، نزہۃ الخواطر ۲۹۶ صفحہ ۱۹۶/۵۔

شیخ عبد اللہ گوالیری

۱۸ / محرم سنہ ۱۰۲۱ھ / ۲۰ / مارچ سنہ ۱۶۱۲ء

شیخ عبداللہ بن محمد غوث بن خطیرالدین عطاری شطاری گوالیری، مشہور صوفیاء میں سے ہیں۔ آپ کا مولد و منشاء گوالیار ہے۔ آپ نے شیخ مبارک گوالیری سے علم حاصل کیا۔ نیز علامہ وجیہہ الدین علوی سے بھی آپ نے پڑھا۔ اور ایک طویل زمانہ تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔ پھر اپنے والد مکرم کی جگہ ارشاد و تلقین میں مصروف ہوئے اور ایک عرصہ تک طریقت کی خدمت سرانجام دیتے رہے اکبر نے آپ کو اپنے مقربین میں سے بنایا۔ اور بعض منصب آپ کے سپرد کئے گئے۔ مگر ۱۰۱۴ھ میں جہانگیر کے دور حکومت میں آپ ان مناصب سے مستعفی ہو کر گوالیار واپس تشریف لے آئے۔ اور وہاں کی مسند مشیخت پر متمکن ہوئے اور ۱۸ / محرم ۱۰۲۱ھ / ۲۰ / مارچ ۱۶۱۲ء کو آپ نے گوالیار میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے [1]

شیخ صالح بن محمد

شیخ صالح بن محمد بن تاج چانپانیری۔ ان علماء میں سے تھے۔ جو علم و فضل اور صلاح و تقویٰ میں مشہور تھے۔ آپ کا مولد و منشا چانپانیر ہے۔ قرآن کریم اور مختصرات کو آپ نے حفظ کیا۔ پھر آگرہ کا سفر کیا اور شیخ ضیاء اللہ بن محمد غوث شطاری گوالیری سے پندرہ سال تک انکی صحبت میں رہ کر ان سے استفادہ کیا۔ جب شیخ ضیاء اللہ کا انتقال ہو گیا تو مندو چلے آئے اور وہاں سکونت اختیار کر لی۔ وہاں نکاح کیا۔ اور شیخ محمود بن جلال گجراتی سے استفادہ کیا

---

[1] گلزار ابرار، نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۶۳ ۔

اور انہیں شیخ عیسٰی بن قاسم سندھی کی طرف سے بھی اجازت حاصل ہے۔ اور آپ صاحبِ وجد و حال تھے۔

۱۰۲۲ھ/ ۱۶۱۳ء تک آپ زندہ تھے۔ [1]

شیخ محمد بن اویس گوالیاری

آپ کا نسب ماں کی طرف سے شاہ میر شیرازی ثم الگجراتی تک پہنچتا ہے آپ اپنے زمانے کے مشہور علماء میں سے تھے۔ آپ کا مولد و منشا بھی گجرات ہے۔ اپنے زمانہ کے مشہور اساتذہ سے آپ نے علم پڑھا اور اپنے والد کے حجرۂ خاص میں ایک زمانہ تک خلوت گزیں رہے۔ شیخ محمد حسن مندوی ۱۰۰۳ھ/۱۵۹۴ء میں آپ سے احمدآباد میں ملے ہیں۔ [2]

شیخ علی شیر بنگالی

م سنہ ۹۷۰ھ / سنہ ۱۵۶۳ء کے بعد

عالم کبیر شیخ علی شیر حنفی بنگالی ثم گجراتی از نسل شیخ نور الہدیٰ ابوالبرکات (جو شیخ جلال الدین چشتی کی اولاد سے تھے)۔ مولد و منشا سرزمین بنگال ہے علم کے لئے اودھ کا سفر کیا۔ برسوں وہاں رہے پھر دہلی چلے آئے۔ شیخ محمد غوث گوالیاری مصنف "الجواہر الخمسہ" کی خدمت میں برسوں باریاب رہے ان سے طریقت میں درس لیا ان کی مشایعت میں گجرات آئے اور احمدآباد کی مسجد عماد الملک میں سکونت پذیر رہے۔ نزہۃ الارواح کے نام سے آپ کی ایک تصنیف ہے۔ اس کے شروع میں آپ نے اپنے حالات اس طرح تحریر فرمائے ہیں۔

---

[1] گلزار ابرار، نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۷۹۔ [2] ایضاً ج ۵ ص ۹۹، ۱۱۸۔

یہ درویش جب سن آغاز شباب کو پہنچا تو خدا طلبی، حق پرستی اور خدا شناسی کے درد نے دل کا گریبان ہاتھ سے پکڑ کر ایسے دانا کی جستجو میں وطن سے آوارہ کیا جو اپنی رہنمائی کے ذریعہ راستہ دکھائے اور دل کے امراض کا علاج کرے۔ اتفاق سے ایسا ہوا کہ جس شناسا کے سامنے اندرونی درد بیان کیا۔ اس کی تلقین نے کوئی درستی دل کی نہیں کی الغرض ایک رات قصبہ اودھ میں اسی اندیشہ کے اندر غنودگی آگئی اور غوث الاولیا قدس سرہٗ کی مثالی۔ صورت مشاہدہ کی۔ اس مشاہدہ نے مجھ کو فریفتہ کر دیا۔

اب آرزوؤں کا ہجوم ہوا کہ بیداری میں دولت، ملازمت حاصل کی جاوے۔ اسی اثناء میں خبر ملی کہ غوث الاولیاء آسودگانِ دہلی کی زیارت کے واسطے تشریف لائے ہیں۔ میں بے تامل دہلی کی طرف روانہ ہوا جب موضع کیلوکھری میں پہنچا تو یہاں پر عالم بیداری میں وہی صورت نظر آئی جو میں عالم مثال میں دیکھ چکا تھا۔ پھر آپ سے بیعت ہوا اور آپ کی خدمت میں چند سال گذار کر بہت کچھ فیض حاصل کیا۔ اتنے میں پیر بزرگوار نے افغانان سور کی بد باطنی دیکھکر گجرات کی طرف ہجرت فرمائی۔ درویش بھی آپ کے ہم رکاب بھروچ تک گیا تھا۔ چند روز بعد احمد آباد رہنے کی اجازت ہوئی۔ چنانچہ میں اس شہر اسلام پہنچا اور ملک عماد الملک رومی کی مسجد میں ایک گوشہ اختیار کیا۔ چونکہ عالم باطن سے سفر حجاز کا اجازت نامہ نہیں ملا تھا لہذا چند روز بعد پیر بزرگوار بھی بھروچ سے واپس ہو کر احمد آباد میں تشریف لے آئے یہاں پر بعض کوتاہ اندیش عالم اور چھوٹی نظر والے خرقہ پوش آپ کے ساتھ دشمنی کا بہانہ ڈھونڈنے لگے اور ناداستہ و نا فہمیدہ باتیں آپ

کی نسبت کہکر آپ کے صاف اور شفاف دل کو اور زیادہ روشن کیا
اس جگہ کا رہنا آپ کو ناگوار رہا۔ ایک بارگی آسمان سے خوشخبری آئی
کہ ہجرت کا جو سبب تھا وہ دور ہوا اور معاودت کا باعث پیدا ہوگیا۔
یہ سنکر آپنے گوالیار کی طرف کوچ فرمایا مگر درویش کو اُسی جگہ چھوڑا
اور آپ کے ارشاد کے بموجب شرح نزھۃ کا تتمہ قلم تصنیف سے مرتب کیا
گیا۔ [1]

شیخ علی شیر نزھۃ الارواح۔ جام جہانان، اور سوانح غزالی کی شروح کے مصنف
ہیں۔ ۹۴۹ھ/۱۵۴۲ء کے بعد رحلت فرمائی۔ خوابگاہ احمدآباد میں ہے۔ نوراللہ مرقدہٗ۔

شیخ لشکر محمد عارف قدس سرہٗ

م ۲؍شوال ۹۹۳ھ مطابق ۲۵؍ستمبر ۱۵۸۵ء

آپ ملک راجن ابن ملک پیرا ابن ملک رکن قریشی کے فرزند ہیں۔ یکتائے زمانہ
اور علم الٰہی میں اپنی نظیر آپ تھے۔

مضافات گجرات میں ایک قصبہ مہلاسہ ہے اس قصبہ میں دسویں صدی کے آغاز
میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کی والدہ نے تیرہ روز بعد اور والد نے چھ برس بعد
رحلت فرمائی۔ اور آپ یتیم ہوگئے، لہٰذا آپ کی پرورش کی نوبت آپ کے دادا کو پہنچی
آپ کے آبائے کرام سپاہی شعار تھے۔ آپ ابتدا زمانہ ہوش میں قاضی محمود بیرپوری
کے دامن ارادت سے وابستہ ہوئے۔ ایک روز آپ نے فرمایا، قاضی محمود کو پیٹ
کی بیماری تھی۔ ایک میدان میں پردہ کی ضرورت پیش آئی، اسی اثنا میں میرے دادا
کا اونٹ آپہنچا میں نے اسکو بیٹھایا اور اسباب میں سے خیمہ نکال کر کھڑا کر دیا میرے

---

[1] نزھۃ الخواطر اردو ۳۷۴۔ گلزار ابرار ص ۳۰۸۔ نزھۃ الخواطر عربی ج ۴ ص ۲۴۸۔

اس عمل سے پیر بہت خوش ہوئے اور ان کی خوشی سے میرے حالات بہت کچھ درست ہوئے ۔ سپاہ گری آباؤ و اجداد کا طریقہ تھا اس کو میں نے سولہ برس کی عمر میں ترک کر دیا اور حقیقی رہنمائی کی تلاش کرنے لگا ۔ طلب حق نے مجھ کو بحر المعارف شیخ قطب جہاں ذاکر نہر والہ کی خدمت میں پہنچایا ۔ شیخ نے اوّلاً مجھ کو ذکر کا شغل تلقین فرمایا وہ ذکر اس طرح میرے دل پر غالب ہوا کہ دو سال تک میرے دل پر تمام اشیاء کی آمد و رفت کا سلسلہ ہی بند رہا ۔ میں رسالہ منہاج العابدین پڑھا کرتا تھا ۔ جب تک پڑھے ہوئے سبق کے مفہوم کے ساتھ متصف نہیں ہو جاتا تھا سبق آگے نہیں پڑھتا تھا ۔ اس کے بعد ۹۵۱ھ میں احمد آباد گجرات میں غوث الاولیاء قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچا ۔ گوالیار واپسی پر میں نے رفاقت کا عزم ظاہر کیا تو ارشاد ہوا عارف! ہم تم کو اپنی جگہ طالبانِ معرفت کی ہدایت کے واسطے اسی صوبہ میں چھوڑتے ہیں ، چنانچہ بتعمیل حکم مرشد کم و بیش تیس سال تک احمد آباد میں رہے اور ۹۸۲ھ میں برہانپور خاندیس کی طرف روانہ ہو گئے ۔

۹۹۳ھ تک طالبانِ خدا کی راہنمائی فرماتے رہے یہاں تک کہ پیام اجل آگیا ۔ اور ۲ رشوال ۹۹۳ھ بمطابق ۱۵ ر دستمبر ۱۵۸۵ء کو رحلت فرما گئے ۔ تاریخ وفات ۔ ”لشکر محمد عارف“، آپ کے نام سے نکلتی ہے ۔

آپ فرماتے تھے ، خدا کو پہنچنا آسان ہے لیکن حضور خاتم النبوۃ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنا دشوار بلکہ سخت دشوار ہے ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ تمام اشیاء پر جداگانہ خاص خاص طریقوں کے ساتھ متجلی ہیں اور اپنے اپنے خاص طریقہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف ہر ایک کا راستہ لگا ہوا ہے ۔ پس اس خاص طریقہ کے ساتھ وجود مطلق کے تعین اور تشخص کا ادراک یہی خدا کا پالینا ہے ۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت جمیع الٰہی اور امکانی کمالات کی جامع ہے ، اس حقیقت کی

شناخت تمام اسمائی اور صفاتی کمالات کے ساتھ متصف ہونے پر موقوف ہے۔ متفرق تعینات کے ساتھ جو طریقے منصوص ہیں جب تک ان تمام طریقوں کے ساتھ وجود کی معرفت اجمالاً اور تفصیلاً حاصل نہ ہو تب تک طالب ذات بابرکات احمدی علیہ السلام کا عارف نہیں ہوسکتا ہے۔ سیّد عبدالغفور سندھی نے جب آپؒ کے حضور میں رسم بیعت ادا کی تو آپ نے فرمایا، عیسیٰ! شیخ ابوالعباس قصاب کہتے تھے میرے والد مجھ کو بزکشی کے سوا دوسرا کام سکھاتے ہی نہ تھے اور استعداد کی تعلیم نے ولایت کے اس عالی مرتبہ کو پہنچایا۔ اور خود میرے آباء و اجداد کا شعار مردم کشی (سپاہیانہ نوکری) تھا۔ دیکھو استعداد نے مجھے کہاں سے کہاں لاکر اکابر اور سادات کی راہنمائی کے واسطے مامور کیا ہے، نیز آپ فرمایا کرتے تھے، اپنی قطبیت کا خطاب میں بہت دنوں تک پوشیدہ رکھتا رہا۔

خانخاناں، شیخ ابوالخیر مبارک، مولانا صالح سندھی، قاضی عبدالعزیز عیسیٰ قادری اجینی اور قاضی نصیر ابن شیخ سراج محمد بنبانی کے ساتھ آپ کی مجلس رہتی تھی۔ ایک مرتبہ فرمایا، بایزیدی مقام پر مجھ کو لے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا احسان ہے کہ میری زبان سبحانی کہنے سے محفوظ رہی، اور فرمایا، عیسیٰ! سبحان ربی الاعلیٰ بہتر ہے۔ یا سبحانی الاعلیٰ؟ اور سبحانہ، کہنا اچھا ہے یا سبحانی کہنا، میں نے عرض کیا نہیں سبحانہ کہنا ہی اچھا ہے۔ اور فرمایا۔

ولاریب فیہ خصوصاً لمن کان	اس میں کچھ شک نہیں ہے بالخصوص
لہ قلب او القی السمع وھو شھید	اس شخص کے واسطے جو صاحب دل ہے
لان القائل بقولہ سبحانہ	یا کان لگا کر حضور قلب سے بات کو سنتا
متصف بالکون بعد الاتصاف	ہے کیونکہ سبحانہ کہنے والا الوہیت کے
بالالوھیۃ کما اتصف الحق بہ	ساتھ متصف ہونے کے بعد امکان کے

بعد ما کان واجبًا والقائل بکلمۃ سبحانی ھو المتصف بالوجوب بلا اعتبار اتصافہ بالکون فالاول محقق والثانی مجذوب ومقام التحقیق اسنی من مقام الجذبۃ ۔	ساتھ متصف ہے جیسے کہ حق بعد اس کے کہ واجب تھا اب امکان کے ساتھ متصف ہوگیا اور کلمہ سبحانی کہنے والا وجوب کے ساتھ متصف ہوتا ہے جس کے اندر امکان کے ساتھ متصف ہونے کے اعتبار کو دخل نہیں پس سبحانہ کہنے والا محقق ہے اور سبحانی کہنے والا مجذوب ہے اور مقام تحقیق مقام جذبہ سے روشن تر ہوتا ہے ۔

اس لئے کہ جب سلطان العارفین ابویزید بسطامی نے مقام سبحانی سے ترقی فرمائی تو بول اٹھے ۔

ان قلت یومًا سبحانی ما اعظم شانی فانا مجوسی وانا کافر واقطع زناری واقول اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ	اگر میں نے کسی روز سبحانی ما اعظم شانی کہا تو میں مجوسی اور کافر ہوگیا ۔ اور اب میں زنار قطع کرکے کہتا ہوں اشہد ان لآ الٰہ الاّ اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ ۔

انوار الاسرار کے دیباچہ میں جہاں اقسام تفسیر لکھے ہیں ، لکھتے ہیں ۔

قولہ ومن فسرہ واولہ علی الباطن ولم یلتفت الی ظاھرہ اصلاً کما ذھب الی فرعون انہ طغی یراد بھا ان موسیٰ روحہ وفرعون نفسہ من	مسیح الاولیاء کا بیان ہے ۔ جس شخص نے قرآن کریم کی تفسیر کی اور صرف باطن کی طرف تاویل کرکے کھینچ لے گیا اور ظاہر کی طرف قطعی ملتفت نہیں ہوا جیسے اِذْہَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغٰی سے ارادہ کیا کہ موسیٰ

غیر ملاحظۃ معنی الاصلی الذی
نزل لاجلہ فھو باطنی نبطونہ
فی احد معانیہ ومن فسرہ علی
الظاھر الصرف من غیر
ایمان واقرار بالاشارات
والنکت التی ھی عین البلاغۃ
الی ربہ ومحض الفصاحۃ
من نفسہ فھو حشوی
خارجی ما رای من جلال
قرأتہ الا من اوقات
عزتہ ولم یظفر بدخولہ
فی مجلس وقوفہ علی
جبالہ المندرج فیہ و
المندمج تحتہ ومن جمع
بینھما فھو العارف الکامل
الواقف بالکتاب وبمراد
نزولہ

اس کی روح ہے اور فرعون اس کا نفس
ہے بغیر ان اصلی معنیٰ کے لحاظ کے جن کے
واسطے خاص کر قرآن کریم نازل ہوا ہے
وہ شخص باطنی ہے کیونکہ قرآن کریم کے دونوں
معانی میں سے ایک کو چھوڑ کر ایک کے اندر
گھس گیا اور جس شخص نے قرآن کریم کی
تفسیر صرف ظاہر پر کی اور جو اشارات
اور نکات اللہ تعالیٰ جلّ شانہ کی نسبت کرکے
عین بلاغت ہیں۔ اور تفسیر کنندہ کی نسبت کرکے
محض فصاحت ہیں ان اشارات اور نکات
کا یہ مفسر نہ ایمان رکھتا ہے اور نہ اقرار کرتا ہے
وہ شخص حشوی خارجی ہے جس کو جلال قرآۃ میں
سے بیرونی پردہائی عزت کے سوا کچھ نہیں نظر آیا
اور اس کو محل قیام میں داخل ہو کر اس جمال
کا دیکھنا نصیب نہیں ہوا جو اس کے اندر مندرج
اور پوشیدہ ہے اور جس شخص نے ظاہری اور
باطنی دونوں معانی کو جمع کیا وہ شخص عارف
کامل ہے اور کتاب سے اور مراد نزول
سے واقف ہے ۔ [1]

---

[1] گلزار ابرار صـ۳۶۱ تا ۳۶۹

شیخ طاہر محمد سندھی

وفات ۱۰۰۴ھ بمطابق ۱۵۹۵ء

شیخ طاہر محمد بن شیخ یوسف بن رکن الدین سندھی ۔ آپ کا وطن پاتری سندھ ہے جو آپ کے آباؤ اجداد کا آباد کیا ہوا ہے ۔ آپ کی ولادت کے وقت قصبہ پاتری دیندار اور نیک طینت لوگوں کیوجہ سے گہوارۂ علوم بنا ہوا تھا ۔

تعلیم

آپ کی ابتدائی تعلیم کے سلسلہ میں صاحب گلزار ابرار نے لکھا ہے کہ آغاز ہوش میں آپ حصولِ علم کے شوق میں سفر کر کے حضرت شیخ شہاب الدین سندھی کی خدمت میں پہنچے اور منطق کی کتاب شرح شمسیہ پڑھنے کی خواہش کی ۔ شیخ نے یہ درس اپنے مناسب حال نہ دیکھ کر امام غزالی رح کی منہاج العابدین پڑھنے کی ترغیب دی ۔ اس سفر میں آپ کے بڑے بھائی شیخ طیب اور والد محترم بھی ساتھ تھے چونکہ مذکورہ کتاب نہ تھی لہذا ان تینوں شیدایانِ علم نے مل کر دو ہفتہ میں کتاب کی نقل کی اور سبق شروع کر دیا ۔ [1]

نوجوانی میں یہ علم کا شوق اور پھر والد ماجد کی سرپرستی نے آپ کو عالم شباب ہی میں علوم سے معمور کر دیا تھا ۔ پھر اپنے دو چچا زاد بھائیوں شیخ معروف اور شیخ عثمان سے مرصاد العباد کا درس لیا اور انکی صحبت میں رہ کر علوم تصوف سے بھی وافر حصہ حاصل کیا ۔ یہ دونوں بزرگ اپنے زمانے کے مشہور صوفیاء میں سے تھے ۔

خاندان کی ذمہ داری

والد ماجد اور بڑے بھائی کی وفات کے بعد شیخ طاہر محمد اپنے خاندان کے کفیل بنے ۔ اسی دوران اپنے چھوٹے بھائی شیخ قاسم کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کیا ۔ ان ساری ذمہ داریوں کے باوجود اپنے علمی مشاغل کو برابر جاری رکھا بلکہ اپنے چھوٹے بھائی کو بھی حصول علم کی طرف

[1] تذکرہ اولیائے سندھ ۔



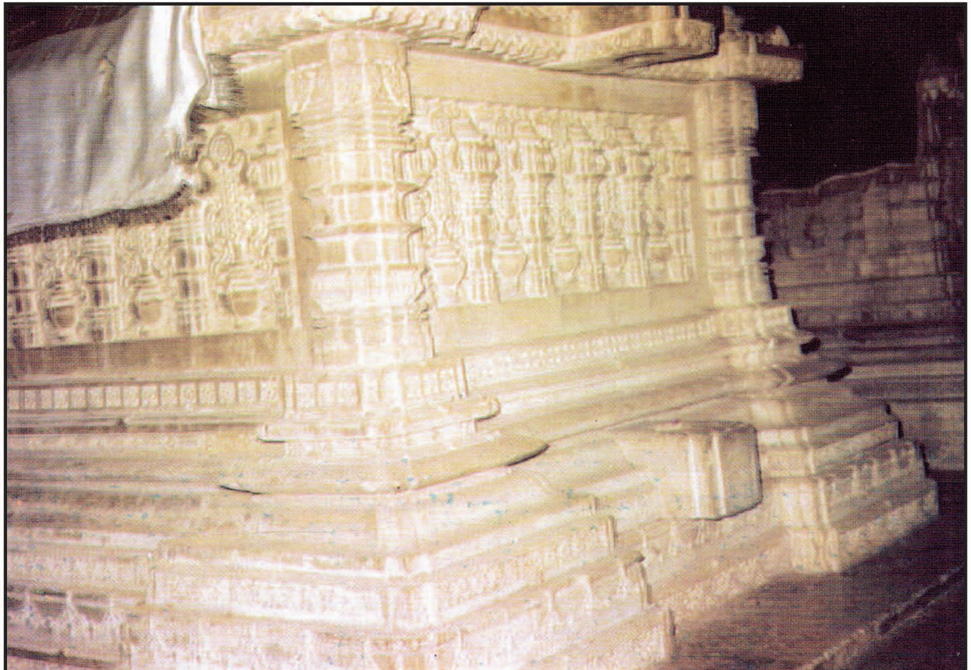
مشہور گنبد مقبرہ دریا خان، شاہی باغ، احمد آباد



مقبرہ، سلطان احمد شاہ اول، مانک چوک، احمد آباد



مقبرہ، سلطان احمد شاہ اول، مانک چوک، احمد آباد



قبر محمود بیگڑہ، سرخیز، احمد آباد



مزار حضرت شیر علی شاہ صاحبؒ، سرخیز، احمد آباد



مقبرہ حضرت شیخ علی شاہ صاحبؒ، سرخیز، احمد آباد



مقبرہ رانی سپری (صبری) استوریا دروازہ، احمد آباد



مزار حضرت جمن شاہؒ، نورنگپورہ، آشرم روڈ، احمد آباد



مقبرہ سیدی بشیر، سارنگ پور، احمد آباد



مقبرہ ملک شعبان صاحبؒ، باپونگر، احمد آباد



مقبرہ حضرت اعظم معظم صاحبان، سرخیز روڈ، احمد آباد



صدر دروازہ، مقبرہ سلطان احمد شاہ اول، مانک چوک، احمد آباد



بیرونی منظر، مقبرہ حضرت شاہ پیر محمدؒ، پیر محمدؒ روڈ، احمد آباد



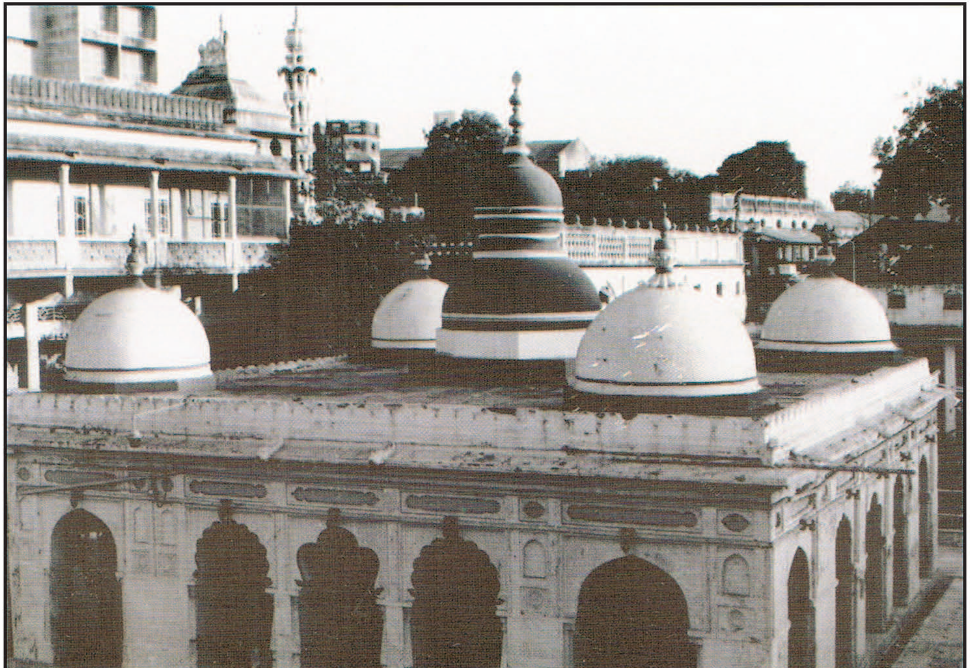
مزار حضرت شاہ پیر محمدؒ، پیر محمدؒ روڈ، احمد آباد



ایک اور منظر، مقبرہ حضرت شاہ پیر محمدؒ، پیر محمدؒ روڈ، احمد آباد



دروازہ مزار حضرت شاہ پیر محمدؒ، پیر محمدؒ روڈ، احمد آباد



مقبرہ حضرت شاہ پیر محمدؒ، پیر محمدؒ روڈ، احمد آباد



تالاب وشاہی گھاٹ، سرخیز احمد آباد

توجہ دلا کر انکی اس میدان میں خوب مدد کرتے رہے چنانچہ شیخ قاسم نے بھی جوانی ہی میں عالم و فاضل ہونے کا شرف حاصل کر لیا۔

احمد آباد میں آمد

ایک خیال یہ ہے کہ جب سندھ میں ہمایوں کی آمد ہوئی اور حالات خراب ہونے لگے تو شیخ طاہر اپنے خاندان کو لے کر ۹۵۰ھ میں احمد آباد پہنچے [۱]

صاحب تذکرہ اولیاء سندھ کے خیال میں شیخ طاہر کے اپنے وطن ترک کرنے کی مذکورہ وجہ صحیح نہیں کیونکہ ۹۵۰ھ میں سندھ اور آپ کا وطن ہر اعتبار سے مامون تھا۔ ان کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ شیخ طاہر محمد کو سندھ کے حالات خراب ہونے کا علم بذریعہ کشف پہلے ہی ہو چکا تھا اور حالات کے ابتر ہونے سے پہلے آپ اپنے خاندان سمیت وطن چھوڑ کر احمد آباد تشریف لائے [۲]

حضرت غوث گوالیاری سے ارادت

احمد آباد میں ان دنوں حضرت غوث گوالیاری کا شہرہ تھا چنانچہ آپ اپنے چھوٹے بھائی کے ہمراہ ان کی خدمت میں پہنچے یہاں مریدوں کا ایک بہت بڑا مجمع لگا ہوا تھا۔ تذکرۂ اولیائے سندھ میں بحوالہ کشف الحقائق مذکور ہے کہ شیخ محمد غوث نے نظر محبت سے شیخ طاہر محمد کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ ان کا شیشہ نہایت صاف ہے۔ کیا ہی اچھا ہو اگر اس میں شراب بھر دی جائے۔

شیخ طاہر اس وقت اس بات کو نہ سمجھ پائے اور اپنے علم و تقویٰ کے پیش نظر اس جملہ کو خلاف شرع سمجھ کر مجلس سے چلے آئے بلکہ آپ کی طبیعت اتنی مکدر ہوئی کہ آپنے سفر کی تیاری شروع کر دی اس لئے کہ ان کا ارادہ برار کی طرف جانے کا تھا۔ [۳]

دوسرے روز صبح باوجود بارش کے آثار ہونے کے رخت سفر باندھ کر عازم سفر ہوگئے

---

[۱] تذکرہ قاریان ہند [۲] تذکرہ اولیائے سندھ۔ [۳] تذکرہ اولیاء سندھ

اور پھر بارش بھی شروع ہو گئی۔ لیکن یہ قافلہ رواں دواں ہو گیا۔ درمیانِ راہ ایک نالہ پر گذر ہوا یہ نالہ اکثر بارش کیوجہ سے چڑھ آتا تھا اور ناقابلِ عبور ہو جاتا تھا لیکن بارش کے موقوف ہوتے ہی اُتر جایا کرتا تھا۔ شیخ طاہر محمد کا قافلہ بھی اس کے اُترنے کے انتظار میں ٹھہر گیا یہاں تک کہ شام ہو گئی چنانچہ نے قافلہ نے قریب ہی کے ایک گاؤں میں پڑاؤ ڈالا، گاؤں والوں کو بھی نالہ کی اس طغیانی پر سخت تعجب تھا۔ دوسرے دن بھی نالہ ایسا ہی ناقابلِ عبور تھا اور اسی طرح چھ دن گذر گئے اور اب قافلہ والوں کا گاؤں میں مزید قیام ناممکن تھا لہذا یہ طے ہوا کہ واپس احمد آباد لوٹ جائیں۔ [1]

شیخ طاہر محمد کا خیال پھر شیخ محمد غوث گوالیاری کی خدمت میں جانے کا ہوا۔ چنانچہ حاضرِ خدمت ہوئے اور شیخ محمد غوث سے ملاقات ہوئی۔ شیخ محمد غوث نے مسکرا کر فرمایا کہ آپ تو بھاگ کھڑے ہوئے تھے مگر ہم نے جانے نہیں دیا۔ [2]

شیخ طاہر محمد صاحب اب سمجھے کہ نالہ کی خلافِ معمول طغیانی حضرت شیخ محمد غوث صاحب کا روحانی اثر تھا۔ چنانچہ اسی وقت شیخ طاہر محمد نے حلقۂ ارادت میں شامل ہونے کی خواہش ظاہر کی شیخ محمد غوث نے انہیں اپنے خانوادہ میں قبول فرما کر خلافت سے سرفراز فرمایا۔ [3]

برار میں آمد موسم کے ٹھیک ہونے پر اپنے مرشد سے اجازت لے کر برار کی طرف روانہ ہوئے۔ برار کا نظم و نسق ان دنوں تفاول خاں کے ہاتھ میں تھا۔ تفاول خاں نے شیخ طاہر محمد صاحب اور ان کے رفقاء کی خوب خاطر و مدارت کی۔ اس کے خلوص اور عقیدت کے سبب شیخ طاہر محمد سندھی برار کے پایۂ تخت ایلچپور میں مقیم ہو گئے اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری کر دیا۔ تقریباً ۲۲ سال ایلچپور میں رہ کر ظاہری اور باطنی علوم کی اشاعت کرتے رہے۔ [4]

---

[1] تذکرہ اولیاء سندھ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً۔

برہان پور کا قیام جب سلطنت برار کا شیرازہ درہم برہم ہوا تو آپ ۹۸۲ھ میں اپنے خاندان سمیت برہانپور آگئے۔ یہاں محمد شاہ فاروقی نے بڑی آؤ بھگت کی آپ کے متعلقین کو شاندار محلات نذر کئے برہانپور میں بھی آپ نے علمی خدمات کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں پر آپ سے مولانا سید جمال نے صحیح بخاری اول سے آخر درسا پڑھی۔ شیخ طاہر محمد سے پڑھنے کے لئے موصوف روزانہ ایک میل کا فاصلہ طے کرکے آستے تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی حضرات نے برہانپور میں آپ سے تعلیم حاصل کی۔ [1]

تصانیف:۔ آپ نے تصنیف کے میدان میں بھی نمایاں خدمات انجام دیکر آٹھ معرکۃ الآرا کتابیں یادگار چھوڑیں۔ (۱) تفسیر مجمع البحار۔ (۲) مختصر قوت القلوب۔ (۳) منتخب مواہب لدنیہ۔ (۴) ملتقط جمیع الجوامع للسیوطی۔ (۵) موجز قسطلانی۔

صاحب گلزار کا خیال ہے کہ موجز سے بڑی کوئی شرح بخاری پر نہیں ہے بڑے بڑے بارہ دفتر دولاکھ بیت میں مختصر کئے ہیں۔ (۶) تفسیر مدارک۔ (۷) اسماء الرجال کرمانی کے انداز پر ہے۔ (۸) ریاض الصالحین۔ اس کتاب کی ترتیب تین روضوں پر ہے۔ روضۂ اول احادیث صحیحہ کے بیان میں۔ روضۂ ثانی مشائخ عظام کے نصائح کے بیان میں۔ روضۂ ثالث عبارات اہل عرفان و وجدان پر مشتمل ہے

شیخ طاہر محمد سندھی کو علم و فضل حیرت انگیز ذہانت، درس و تدریس اور بلند پایہ تصانیف کے اعتبار سے اپنے زمانہ کا مایۂ ناز عالم باعمل تسلیم کیا گیا ہے۔ آپ کا علم حدیث کے اشتغال کا یہ عالم تھا کہ آپ کو تیس ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں کامل پچاس سال تک طالبانِ حق کی رہنمائی کرتے رہے۔ اس زمانہ کے علماء و صوفیاء آپ کی صحبت و درس میں شرکت کو باعث سعادت سمجھتے تھے۔ [3]

---

[1] تذکرہ اولیائے سندھ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔

تفسیر مجمع البحار مولانا غوثی نے تفسیر کا مختصر نمونہ بھی گلزار میں نقل کیا ہے۔ مصنف رح کی خدمت میں انہیں نیاز حاصل تھا۔ اور وہ آپ کی فیض رساں مجلسوں میں باریابی کا شرف حاصل کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے تفسیر مجمع البحار کے متعلق لکھا ہے کہ،

فرماں روائے صوبہ (خاندلیس) علی عادل شاہ فاروقی نے مولانا حسین شیرازی کو جو حکمت کے فنون اور عقلی علوم میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اور ندیم خاص جلال خاں براری کو جن کو رسمی علوم میں دستگاہ تھی۔ مصنف (شیخ طاہر سندھی) کی خدمت میں بھیجا تھا اور التماس کی تھی کہ اگر اس پاسبانِ خلائق کا عہد اس کتاب میں درج کر دیا جائے تو غایت درجہ عنایت ہوگی۔ آپ نے یہ التماس قبول فرمائی، اس وجہ سے کتاب ہذا کا خطبہ دو طرح پر واقع ہوا ہے۔ سے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس تفسیر کا نمونہ یہاں نقل کر دیا جائے۔ فی تفسیر قولہ تعالیٰ فی قلوبھم مرض، الخ المرض حقیقۃ فی مایعرض للبدن فیخرجہ عن الاعتدال الخاص و یوجب الخلل فی افعالہ ومجاز فی الاعراض النفسانیۃ التی یخل بکما لہا کالجھل وسوء العقیدۃ والزینۃ و ۔ب المعاصی لانھا مانعۃ عن نیل الفضائل المؤدیۃ الی زوال الحیوٰۃ الحقیقۃ الابدیۃ والآیۃ تحتملھا فان قلوبھم کانت متالمۃ تحزنا علی ما فات عنھم من الریاسۃ وحسدًا علی مایرون من ثبات امر الرسول واستعلاء شانہ یومًا فیومًا فزاد اللہ عنھم ممازاد فی اعلاء امرہ واسادۃ ذکرہ و نفوسھم کانت ماؤفۃ بالکفر وسوء اعتقاد ومعاداۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونحوھا فزاد اللہ ذلک بالطبع او بازدیاد التکالیف وتکریرالوحی وتضاعیف النصر

وفی الرحمانی فی قلوبھم مرض ھو تفریطھم فی القوۃ العلمیۃ
وافراطھم فی الشھویۃ۔

فی الاحیاء اعلم ان جندی الغضب والشھوۃ قد ینقادان للقلب انقیاداً تاماً فیعینانہ علی طریقہ الذی یسلکہ وقد یستعصیان علیہ استعصاء بغی وتمرد حتی یملکاہ ویستعبداہ و فیہ ھلاکہ وانقطاعہ عن سفرہ الذی بہ وصولہ الی سعادۃ الابد و للقلب جند آخر وھو العلم والحکمۃ والتفکر وحقہ ان یستعین بھذا الجند فانہ حزب اللہ تعالیٰ علی الجندین الآخرین فانھما قد یلحقان بحزب الشیطان فان من ترک الاستعانۃ وسلط علی نفسہ جندی الغضب والشھوۃ ھلک ھلاکاً یقیناً وخسر خسراناً مبیناً وذلک حال اکثر الخلق فان عقولھم صارت مسخرۃ لشھواتھم فی استنباط الحیل لقضاء الشھوۃ وکان ینبغی ان یکون الشھوۃ مسخرۃ لعقولھم۔

وفات:۔ آپ کا انتقال ۱۰۰۲ھ/۱۵۹۵ء میں ہوا اور اپنے حجرۂ عبادت میں دفن ہوئے۔ آپ کا مزار برہان پور میں ہے۔

شیخ سراج محمد بنبانی

متوفی سنہ [illegible]ھ / سنہ ۱۶۰۱ء۔

شیخ سراج محمد حضرت غوث الاولیاء کے مرید تھے۔ غوث الاولیاء نے آپکو خرقہ خلافت پہنایا۔ ظاہری و باطنی دونوں قسم کے علوم سے بہرہ یاب تھے۔
۹۸۲ھ میں احمد آباد سے خاندیس آکر زین آباد میں قیام اختیار فرمایا تقریباً ۳۰ سال

تک درس وتدریس اور ارشاد وتلقین میں مشغول رہے ۔

صاحب گلزار ابرار لکھتے ہیں کہ میں آپ کے مرض الموت میں عیادت کے لئے خدمت میں حاضر ہوا ۔ اثنار گفتگو آپ نے دریافت فرمایا کہ ! اللہ معبود کا تصور بہتر ہے یا اللہ موجود کا ۔ میں نے کہا اللہ موجود کا تصور کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے معنی میں احاطہ اور شمول زیادہ ہے ۔ اس جواب کو آپ نے پسند فرمایا ۔

۱۰۱۱ھ/ ۱۶۰۱ء میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف روانہ ہوئے ۔ [1]

شیخ برہان الدین

م ۹۸۵ھ / ۱۵۷۷ء

شیخ عالم صالح برہان الدین حنفی صوفی ۔ مولد ومنشار احمد آباد فرقہ شطاریہ کے مشائخ میں سے تھے ۔ احمد آباد میں وہاں کے اساتذہ سے پڑھا طریقت میں شیخ صدر الدین محمد بڑودی کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ ۹۸۲ھ میں اپنے شیخ کے ہمراہ گوالیار تشریف لے گئے اور انکی معیت میں منڈو (مالوہ) آئے ۔ اس دوران میں شیخ محمد غوث گوالیاری کے صاحبزادے ضیاء اللہ وہاں تشریف لائے تو شیخ برہان الدین ان کے ہمرکاب ۹۸۵ھ/ ۱۵۷۷ء میں اجمیر پہنچے اور وہیں رحلت فرمائی ۔ نوراللہ مرقدہٗ [2]

سید حسین بن سید محمد ترمذی

م ۹۹۲ھ - ۱۵۸۴ء

حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری رح کے چہیتے خدام میں سے تھے ۔ اور آپ ہی سے خرقہ خلافت بھی پایا ہے ۔ طریقت ومعرفت کے بلند وبالا مدارج کو چھو چکے تھے ۔ اتنا زیادہ کہ اس عروج کے بعد نزول بھی مشکل سے ہوتا تھا ۔ یہاں تک کہ ساکنی آپ کو مجذوب کہتے تھے ۔

---

[1] گلزار ابرار [2] ایضاً ص ۳۴۲ نزہۃ الخواطر اردو ۴ ص ۱۰۲ ایضاً عربی ۴ ص ۱۰۲ صحیح ۴ ص ۵۵

شیخ غوث گوالیاری شیر شاہ سوری کے ہنگامہ کے درمیان جب گجرات تشریف لائے۔ اس وقت آپ بھی ساتھ تھے۔ پھر تا دم واپسی گجرات ہی میں رہے۔ اور یہیں رحلت فرمائی۔ بلکہ غلطی سے کسی نے آپ کو قتل کر دیا اور شہادت پائی۔
سن شہادت ۹۹۲ھ/۱۵۸۴ء احمد آباد سے دس میل دور محمود آباد میں آسودۂ لحد ہوئے[1]

شیخ وودود اللہ مالوی

م ۹۹۳ھ — ۱۵۸۵ء

شیخ وودود اللہ بن معروف صدیقی مالوی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکر صدیق رضؓ کی نسل میں سے تھے طریقت میں شیخ محمد غوث گوالیری کے مرید تھے۔ جن کی خدمت میں بارہ سال باریاب رہے۔ اُن کی تصنیف "الجواہر الخمسہ" اُن سے پڑھی اور جب شیخ ممدوح گجرات تشریف لے گئے تو آپ مالوہ کی بستی آشٹہ میں منتقل ہو گئے۔ ان دنوں یہ قریہ بھوپال میں شامل تھا۔ یہاں حضرت نے ۹۷۴ھ/۱۵۶۶ء تک قیام فرمایا۔ اور پھر برہان پور سے ملحقہ بستی جامود میں سکونت اختیار فرمائی اور وہیں ۹۹۳ھ/۱۵۸۵ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔[2]

شیخ داؤد بن محمد منڈوی

شیخ داؤد بن محمد شطاری منڈوی۔ علم و طریقت کے مجمع البحرین تھے آپ نے شیخ محمود بن جلال سے استفادہ کیا اور تین سال آپکی صحبت میں رہے اور انکی وفات کے بعد طویل زمانہ تک مسندارشاد کو زینت بخشی۔
پھر گوالیار تشریف لے گئے اور شیخ محمد غوث گوالیری کے صاحبزادوں شیخ عبداللہ اور شیخ ضیاء اللہ کے ساتھ کئی سال گذارے۔ پھر دہلی اور دوسرے

---

[1] اخبار الاخیار ۵۹۹۔ اذکار ابرار ص ۲۵۳۔ [2] گلزار ابرار، نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۳۷۶۔

علاقوں کی طرف نکل گئے۔ مگر ۱۰۱۹ھ میں پھر مندو واپس لوٹ آئے۔ اور وہاں مقیم ہو گئے۔ وہاں سے پھر آپ نے گوالیار کی طرف سفر فرمایا اور ایک سال تک مقیم رہے۔ اور ۱۰۲۱ھ/۱۶۱۲ء میں واپس مندو تشریف لائے۔ [1]

شیخ عزیز اللہ متوکل

(م ۹۱۲ھ/ ۱۵۰۶ء)

آپ شیخ علی متقی کے دادا پیر تھے یعنی شیخ باجن کے مرشد تھے نہایت فقیرانہ زندگی تھی۔ توکل حد درجہ کا تھا۔ سونے سے قبل گھر میں ضرورت سے زیادہ جو چیزیں بھی ہوتیں وہ سب تقسیم کر دیتے اہل دنیا کو منہ نہ لگاتے۔

ایک مرتبہ کسی امیر نے آپ کے صاحبزادے کے واسطے سے شوقِ زیارت کا اظہار کیا۔ صاحبزادے نے کہا کہ شوق سے لیکن فقراء کے ساتھ بلا کسی امتیاز کے بیٹھنا ہو گا۔ چنانچہ بعد مغرب آپ کے دولتکدہ پر پہنچا دیکھا کہ گھر میں اندھیرا پڑا ہے۔ یعنی چراغ جلانے کے لئے تیل تک نہ تھا۔ امیر نے صاحبزادے سے کہا کہ میں تیل بھجواتا ہوں جب ختم ہو جائے مطلع کر دیں اور بھیجدونگا۔ دوسرے دن شیخ نے گھر میں خوب روشنی پائی۔ سارا قصہ معلوم ہونے پر آپ بہت خفا ہوئے اس امیر کو پیغام پہونچادیا کہ آئندہ تیل نہ بھیجیں اور جتنا تیل گھر میں موجود تھا وہ سب تقسیم کر دیا۔

آپ کا قیام برہانپور میں تھا لیکن آپ کی اکثر اولاد نے احمدآباد کو وطن بنالیا تھا وفات ۹۱۲ھ/۱۵۰۶ء میں ہوئی۔ [2]

---

[1] گلزار ابرار، نزہۃ الخواطر ج۵ ص۲۲۶۔ [2] اخبار الاخیار۔

خاتمہ مرأت احمدی میں آپ کے متعلق لکھا ہے کہ :

مخدوم شیخ عزیز اللہ جو متوکل علی اللہ کے لقب سے مشہور تھے ۔ صاحب کشف وکرامات تھے آپ کے اکثر فرزند بھی علم ظاہر و باطن سے آراستہ تھے آپ کی قبر معدل پور میں ہے ۔ آپ کی وفات ۲۳ ر صفر کو ہوئی ۔ [۱]

محدث شیخ علی متقی صاحب کنز العمال

(م ر ۹۷۵ھ ۔ ۱۵۶۷ء)

علی متقی بن حسام الدین بن قاضی عبدالملک بن قاضی خان قریشی ۔ علی بن حسام الدین نام ۔ آبائی وطن جونپور تھا ۔ آپ کی پیدائش ۸۸۵ھ یا ۸۸۸ھ میں برہانپور میں ہوئی والد نے سات آٹھ سال کی عمر میں آپ کو شاہ باجن چشتی برہانپوری کے ہاتھوں بیعت کرادی چند دنوں کے بعد باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور کوئی سرپرست نہ ہونے کے سبب بچپن بلا مربی کے گذرا ۔ جوانی کے قریب پہنچے تو کسی بادشاہ کی معیت میں شہر مندو (مانڈو ۔ مالوہ) آئے اور کچھ دنیا ہاتھ لگ گئی مگر اچانک ایک غیبی کشش سے ان کا دل دنیا سے سرد ہوگیا اس لئے دنیا کو لات مار کر شاہ باجن کے لڑکے اور جانشین شیخ عبدالحکیم کی صحبت اختیار کی اور ان کے ہاتھ سے مشائخ چشت کا خرقۂ خلافت آپ کو عطا ہوا چونکہ عزیمت وتقوی ان کے خمیر میں تھا اس لئے ملتان پہونچکر شیخ حسام الدین متقی کی خدمت میں ورع و تقویٰ کی منزلیں طے کیں ساتھ ہی دو سال میں تفسیر بیضاوی اور عین العلم کا مطالعہ بھی ان کی خدمت میں رہ کر کیا ۔ اس کے بعد حجاز پہونچے ۔ حجاز میں شیخ ابوالحسن بکری جو بالاجماع اپنے زمانہ کے اولیاء میں تھے کی خدمت اور شاگردی اختیار کی ۔ ان کے علاوہ دوسرے مشائخ سے بھی استفادہ کیا چنانچہ شیخ محمد بن محمد بن محمد سخاوی

---

[۱] خاتمہ مرات احمدی ص ۹۳ ۔

سے سلسلہ قادریہ کا خرقہ حاصل کیا ۔ قطب زماں شیخ نورالدین ابوالحسن شاذلی سے سلسلہ شاذلیہ کا اور شیخ ابو مدین مغربی سے سلسلہ مدنیہ کا خرقہ حاصل کیا ۔ شیخ علی متقی نے مستقل طور پر مکہ مکرمہ میں اقامت اختیار کرلی اور بقول محدث دہلوی اپنے عبادت و مجاہدہ کے انوار سے عالم کو منور کیا اور آپ کے ظاہری و باطنی فیوض سے ساری دنیا مستفید ہوئی ۔ طلبہ کی تعلیم، مریدوں کی تربیت اور تصنیف و تالیف کی راہ سے دین کی عظیم الشان خدمتیں انجام دیں ۔ جن کی تعداد صاحب النور السافر نے تقریباً ایک سو بیان کی ہے ۔

کنز العمّال

کنز العمال ان کا اتنا بڑا علمی کارنامہ ہے کہ ان کے استاذ شیخ ابوالحسن بکری فرمایا کرتے تھے کہ سیوطی کا احسان سارے عالم پر ہے ۔ مگر سیوطی پر متقی کا احسان ہے کہ ان کی کتاب کو مرتب کرکے استفادہ آسان کر دیا ۔

آپ نے سیوطی کی جمع الجوامع کی احادیث کو حروف تہجی کے تحت جمع کرکے تمام اقوال و افعال حضور اللہ علیہ وسلم کو مسائل فقہیہ کے طریقہ پر باب وار لکھا ہے ۔ شیخ ابن حجر مکی بھی آپ کے استاذ تھے اور اپنے زمانہ میں مکہ مکرمہ کے سب سے بڑے عالم و فقیہہ تھے وہ باوجود استاذ ہونے کے شیخ علی متقی کی حدیث فہمی و جودت استنباط کے اس درجہ قائل تھے کہ کسی حدیث کی مراد سمجھنے میں ان کو دقت ہوتی تو آدمی بھیج کر علی متقی سے دریافت کراتے تھے کہ اس حدیث کو آپ نے کنز العمال کے کس باب میں رکھا ہے ۔ پھر اس قرینہ سے حدیث کی مراد سمجھنے کی کوشش کرتے تھے ۔

ابن حجر اور علی متقی

شیخ ابن حجر سے ابتداءً شیخ علی متقی نے پڑھا تھا ۔ مگر بعد میں شیخ ابن حجر علی الاعلان اپنے کو ان کا حقیقی شاگرد کہتے تھے بلکہ آخر میں ان کے مرید ہوکر ان کے ہاتھ سے خرقہ خلافت بھی پہنا مکہ کے دوسرے علماء

کبار بھی حدیث دانی میں ان کی نکتہ رسی اور دقیقہ سنجی کے قائل تھے۔ مشائخ وقت ان کے کمال ولایت کے معترف تھے اور خواص وعوام تعظیم وتکریم سے انکا نام لیتے تھے۔

شیخ علی متقی گجرات میں

شیخ علی متقی کے تلمیذ رشید اور خلیفہ شیخ عبدالوہاب متقی کا بیان ہے کہ شیخ جب ملتان سے روانہ ہوکر گجرات پہنچے تو اس وقت گجرات میں سلطان بہادر شاہ گجراتی کی حکومت تھی۔ سلطان آپ کے اوصاف وکمالات سنکر خواہش مند ہوا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو آپ نے اس کو منظور نہیں فرمایا (شیخ رحمت اللہ سندھی اور قاضی عبداللہ سندھی کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ علی متقی کا یہ قیام گجرات احمدآباد میں رہا ہے)

آپ کا اس وقت یہ حال تھا کہ جدھر جاتے تھے لوگ پروانہ وار آپ پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ اور آپ حجرہ کا دروازہ بند کرکے یاد حق میں مشغول رہتے کسی کو آنے نہیں دیتے تھے۔ اتفاق سے اس وقت قاضی عبداللہ سندھی جو بڑے پرہیزگار اور نامور عالم تھے سندھ سے ہجرت کرکے مدینہ جارہے تھے راستہ میں کچھ دنوں کے لئے گجرات میں ٹھہر گئے تھے۔

قاضی صاحب شیخ علی متقی سے محبت وعقیدت کا نہایت قوی رابطہ رکھتے تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ سلطان بہادر کو حد سے زیادہ شوق ملاقات ہے اور اس کی طلب صادق ہے تو شیخ سے عرض کیا کہ سلطان کی درخواست کو منظور فرماکر ایکبار ملنے کی اجازت دیجائے آپ چاہیں تو اس سے بات بھی نہ کریں۔ ہم اس کو باتوں میں لگائے رہیں گے۔ آپ نے فرمایا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ نامشروع لباس پہنکر اور غیر شرعی وضع قطع میں آئے اور میں اس کو اس طرح دیکھکر خاموش رہوں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کروں۔

قاضی صاحب نے کہا کہ حضرت جو چاہیں کہہ سکتے ہیں۔ سلطان کو تو صرف اس کی تمنا ہے کہ ایک مرتبہ خدمت اقدس میں حاضری کا شرف اس کو حاصل ہوجائے۔ اس کے

بعد آپ راضی ہوئے اور سلطان بہادر آیا۔ شیخ نے جو نصیحتیں مناسب سمجھیں کیں دوسرے دن سلطان نے اسّی ہزار روپیہ سے زائد نذرانہ بھجوایا۔ شیخ نے وہ سب اٹھا کر قاضی عبداللہؒ کو دے دیا اور فرمایا کہ چونکہ اس رقم کے حصول کا واسطہ آپ بنے ہیں اس لئے اس کا تعلق آپ سے ہے۔

دعوت وزیر پر شرائط

شیخ عبدالوہاب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ملک کے ایک وزیر نے آپ کی دعوت کے لئے بڑا اصرار کیا اور کہا کہ بندہ کے گھر میں قدم رنجہ فرمائیں تاکہ برکت ہو۔ فرمایا مجھے معذور تصور کریں۔ میں یہیں سے دعا کرونگا خدا برکت دیگا مگر وہ نہیں مانا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا تین شرطوں کے ساتھ منظور ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ میری جہاں خواہش ہوگی وہاں بیٹھونگا یہ اصرار نہ ہو کہ صدر مقام پر تشریف رکھئے۔ دوسری یہ بات کہ مجھ کو جو اچھا لگے وہ کھاؤنگا یہ اصرار نہ ہو کہ یہ نہیں وہ کھائیے۔ تیسری شرط یہ کہ جب ہمارا جی چاہے گا اٹھ کر چلے آئیں گے۔

دوسرے دن شیخ نے اپنے تھیلے میں جس کو وہ ہر وقت گلے میں لٹکائے رکھتے تھے روٹی کے کچھ ٹکڑے رکھے اور تن تنہا وزیر کے گھر روانہ ہوگئے۔ وہاں پہنچکر دیکھا تو اس نے ایک شاہانہ مجلس سجائی تھی۔ آپ اس مجلس میں دروازہ کے قریب بیٹھ گئے۔ اس نے کہا یہاں تشریف رکھئے۔ فرمایا یہ خلاف شرط ہے۔ وہ چپ ہوگیا پھر فرمایا کہ جلدی کرو وقت تنگ ہے۔ اس نے جلدی دستر خوان پر انواع و اقسام کے کھانے چنے۔ آپ نے تھیلے سے روٹی نکالی اور اسی کو کھایا۔ وہ بولا ذرا اس کھانے کو چکھ لیجئے۔ فرمایا ہم نے تو پہلے ہی شرط کر لی ہے کہ جو مزاج میں آئے گا وہ کھائیں گے۔ اس کے خلاف اصرار نہ ہو۔ اس کے بعد اٹھے اور سلام کرکے روانہ ہوگئے۔

ذوقِ علم

شیخ عبدالوہاب متقی فرماتے ہیں کہ آپ کا اکثر وقت علم دین کی خدمت

اور اس کے نشر و اشاعت اور اہل علم کی امداد و اعانت میں صرف ہوتا ۔ آپ اپنے ہاتھ سے سیاہی تیار کرکے کتابیں نقل کرنے کے لیئے طالب علموں کو دیا کرتے ۔ اور جو کم یاب و مفید کتابیں عرب میں دستیاب ہوتیں ان کی کئی نقلیں کراکے لوگوں کو دیا کرتے اور دوسرے ملکوں میں جہاں وہ ناپید تھیں بھجوا یا کرتے ۔ کھانا برائے نام کھاتے تھوڑا سا شور با جس کی مقدار چند تولوں سے زیادہ نہیں ہوتی تھی ۔ اس کے چند چمچے آپ لیتے تھے اور باقی لوگوں کو تقسیم کردیتے ۔

فاکھی فرماتے ہیں کہ آپ انتہائی کم مقدار نوش فرماتے تھے جتنے پر اکتفا انسانوں کیلئے مستبعد ہے اور اس پر انہوں نے ریاضتوں کے بعد قدرت پائی تھی اسی طرح بہت ہی کم گو اور قلیل المنام اور عزلۃ عن الانام کو ترجیح دینے والے تھے انہی اوصاف کی بنا پر سلطان سلیمان جیسے آپ کے ہاتھ دھلواتے اور سلطان الھند ملک محمود جیسے عظیم الشان بادشاہ آپ کے پیر دھوتے تھے ۔

ابتداء میں جب قوت تھی کتابت ذریعہ معاش تھا ۔ بعد میں بیواؤں سے قرض لے کر کام چلاتے ۔ اور جب کہیں سے فتوح حاصل ہوتی تو قرض ادا کردیتے ۔

گجرات میں دوسری آمد

شیخ علی متقی سلطان محمود گجراتی صغیر کے عہد سلطنت میں دوبارہ مکہ سے گجرات تشریف لائے ۔ بادشاہ اکثر و بیشتر آپ کی مجلس میں حاضر ہوتا تھا مگر چونکہ نامشروع لباس اس کے جسم پر ہوتا تھا اس لیئے آپ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتے تا آنکہ ایک دن وہ صلحاء کا لباس پہنکر آیا اس روز آپ نے شفقت کی نگاہ سے اس کو دیکھا اس نے موقع مناسب سمجھ کر درخواست کی کہ آج فقیر کے گھر پر تشریف لے چلیں ۔ آپ نے منظور فرمالیا ۔ سلطان محمود نے شیخ کے چوڈول کو خود کاندھا دیا اور گھر لایا ۔

بشارت نبوی

حضرمی نے النور السافر میں لکھا ہے کہ آپ کی اعلیٰ ترین منقبت

یہ ہے کہ آپ ۲۷ رمضان المبارک شب جمعہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت سے مشرف ہوئے آپ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا ۔ اس وقت سب سے افضل کون ہے ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ہو۔ انہوں نے پوچھا پھر کون ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محمد بن طاہر صندئیں ۔ اسی رات آپ کے شاگرد و مرید شیخ عبدالوہاب متقی نے اسی طرح کا خواب دیکھا ۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اس وقت سب سے افضل کون ہے ۔ ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے شیخ (شیخ علی متقی) پھر محمد بن طاہر ۔ صبح شیخ عبدالوہاب اپنے مرشد شیخ علی متقی کی خدمت میں خواب بیان کرنے کے لئے حاضر ہوئے تو شیخ نے پہلے ہی فرمادیا کہ میں نے بھی تمہاری طرح خواب دیکھا ہے ۔ [1]

اسی طرح حضرت شیخ علی متقی کے ایک مکی شاگرد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی تو عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کسی کام کا حکم فرمائیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تابع الشیخ علی متقی فیما فعل افعلہ شیخ علی متقی کا اتباع کرو وہ جس کام کا حکم دیں وہ کرو ۔

علی متقیؒ علمائے کبار کی نظر میں

شیخ علی متقی کے اجمالی حالات میں ان کے شاگرد رشید شیخ عبدالوہاب متقی نے ایک رسالہ "اتحاف التقی فی فضل الشیخ علی متقی" کے نام سے لکھا ہے ۔ نیز علامہ عبدالقادر بن احمد فاکھی نے بھی ایک رسالہ بنام "القول النقی فی مناقب المتقی" لکھا ہے ۔

فاکہی لکھتے ہیں کہ ہمارے شیخ علی متقی سے جو بھی ملا ہے مثلاً شیخ ابوالحسن بکری

---

[1] النور السافر ۔

شیخ وجیہہ الدین عمودی، امام الحرمین ابن حجر مکی، فقیہ مصر شیخ شمس الدین رملی، شیخ شمس الدین بکری۔ ہر ایک نے آپ کی بے حد تعریف کی ہے۔ [1]

علامہ شعرانی شیخ علی متقی کی خانقاہ میں

شیخ عبدالوہاب شعرانی جب ۹۴۷ھ میں حج کے لئے گئے ہیں تو انہوں نے شیخ علی متقی کی ملاقات کا شرف حاصل کیا اور طبقات شعرانی میں ان کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

وہ زاہد و متقی عالم تھے۔ فاقوں کی وجہ سے جسم اس قدر نحیف و کمزور ہو گیا تھا کہ چند اوقیہ گوشت بھی جسم پر موجود نہ تھا۔ اکثر خاموش اور گوشہ نشین رہتے۔ صرف نماز جمعہ کے لئے حرم میں حاضر ہوتے اور ایک طرف کو نماز پڑھ کے جلدی سے لوٹ جاتے۔

میں ان کے یہاں گیا تو فقراء صادقین اور درویشوں کی ایک جماعت کو پایا جن میں سے بعض متوجہ الی اللہ تھے بعض ذکر میں مصروف تھے بعض تلاوت قرآن میں مشغول تھے بعض مراقبہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور بعض علم کے مطالعہ میں لگے ہوئے تھے مکہ مکرمہ میں ان سے زیادہ حیرت انگیز شخصیت میں نے نہیں پائی شیخ متقی نے مجھے چاندی کے سکے مرحمت فرمائے۔ ان سکوں کی برکت خدا نے مصارف حج میں بڑی کشائش اور برکات سے نوازا۔ حتیٰ کہ میں نے مکہ مکرمہ میں اتنا زیادہ مال خرچ کیا جس کا مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا۔ [2]

اور اپنے دست مبارک کا تحریر فرمودہ مصحف مجھے دکھایا جس کی ایک سطر میں ایک ہی ورق میں پانچ پارہ لکھا ہوا تھا۔

---

[1] النور السافر۔ [2] الطبقات الکبریٰ للشعرانی ص ۱۶۷ ج ۲۔

محدّث عبدالحق دہلوی کی استدعا

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبارالاخیار میں لکھا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد میں آپ کے خلیفہ شیخ عبدالوہاب متقی کے ہاں قیام پذیر تھا۔ ایک دن میں آپ کے مزار پُر انوار کی زیارت کو گیا اور عرض کیا کہ حضور میں آپ کے خلیفہ کے پاس رہ رہا ہوں آپ انہیں توجہ دلائیں کہ وہ میرے احوال وافکار پر زیادہ نظر رکھیں رات خواب میں دیکھا کہ حنفی مصلی کے ساتھ شیخ ایک تخت پر جلوہ افروز ہیں اور میں مؤدب سامنے کھڑا ہوں اور وہی بات دہرائی جو مزار پر عرض کی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ انشاء اللہ آپ کا مطلب پورا ہوگا۔ آپ مطمئن رہیں۔

تحمل مزاجی

شیخ علی متقی کے گھر پر ایک ملازم کمال نامی تھا جو بڑا بداخلاق اور بے ڈھنگا تھا۔ وہ ہمیشہ بکواس کیا کرتا اس کے باوجود آپ اس کو عزیز رکھتے اور اس کی بداخلاقی کو برداشت کرتے ایک دن وہ آپ کے لئے شوربا پکا کر لایا اس میں بہت زیادہ نمک تھا۔ آپ نے حسب معمول وہ شوربا چکھا اور یہ کہنے کے بجائے کہ تم نے اتنا نمک کیوں ڈالدیا صرف اتنا کہا بابا کمال ادھر آؤ اور پھر اس کو اپنے پاس بٹھا کر شوربے کا ایک چمچہ بھر کر دیا اور فرمایا یہ دیکھو کیسا پکا ہے۔ کمال نے وہ شوربا چکھ کر منہ بناتے ہوئے سخت لہجہ میں کہا ہاں کچھ نمکین ہوگیا ہے لیکن بڑے مزے کا ہے اس میں کوئی خرابی نہیں۔ آپ کھائیے جس پر آپ نے فرمایا بہت خوب پھر آپ نے پانی منگوا کر اس میں ڈالا اور وہی تھوڑا سا نوش فرمایا۔

کثرتِ عبادت

شیخ علی متقی کے شاگردِ خاص اور خلیفہ شیخ عبدالوہاب متقی آپ کے کمالات و آثار کی سب سے بڑی نشانی ہیں۔ مشائخین کے نزدیک شیخ عبدالوہاب متفقہ طور پر یمن سے شام تک کے علاقہ کے زبردست ولی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ پیرومرشد کے بڑھاپے کے زمانہ میں اس فقیر نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ آپ

اس ضعیفی میں کتنے نفل پڑھتے ہیں ؟ آپ نے فرمایا جوانی میں تو بہت زیادہ نفل پڑھا کرتا تھا اب دن کے وقت ذکر خفی و شغل الہٰی کے ساتھ تصنیف کتب میں مشغول رہتا ہوں اور رات کو جبکہ بڑھاپے کیوجہ سے زیادتی پیشاب کی شکایت ہوگئی ہے دس بارہ مرتبہ پیشاب کرنے اٹھتا ہوں اور ہر مرتبہ وضو کرکے حسب توفیق دو دو چار چار نفل ادا کرتا ہوں۔

شیخ علی کی کرامت

شیخ عبدالوہاب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جبکہ پیر و مرشد مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر تھے دو باپ بیٹے مغرب سے مکہ مکرمہ آئے جو نہایت درجہ کے عبادت گذار تھے۔ بیٹا دس پندرہ دن کے بعد اور باپ پانچ دن کے بعد کھانا کھایا کرتے تھے۔ پیر و مرشد ان دونوں کی تعریف سنکر ان سے ملنے کے لئے تیار ہوئے لیکن کمزوری کیوجہ سے پیدل نہ چل سکتے تھے چنانچہ آپ کے فرمانے پر ایک تندرست اور قوی آدمی آپ کو اپنے کندھوں پر سوار کرکے ان دونوں مغربی کے پاس لے گیا۔ خادم بھی ساتھ تھا اور کتاب "حکم کبیر" بھی ساتھ لے لی۔ جب ان دونوں مغربی کو معلوم ہوا کہ شہر کے مشہور اور معزز آدمی ملاقات کرنے آرہے ہیں جن کی وجہ سے ہماری شہرت ہوجائے گی اور ہماری عبادت میں خلل پیدا ہوگا تو ان دونوں نے ہماری آمد پر بے التفاتی کا سلوک کیا چنانچہ پیر و مرشد نے مجھ خادم سے کہا دیکھو یہ کتنی بے رخی سے پیش آرہے ہیں اور اپنے سر کا بوجھ سمجھ کر ہم کو اپنے پاس سے نکالنا چاہتے ہیں اس کے باوجود بھی پیر و مرشد نے ان دونوں بزرگوں کی جانب متوجہ ہوکر فرمایا۔ ہم نے مشائخین کے چند اقوال جمع کئے ہیں وہ سنئے اور میں نے وہ اقوال سنانے شروع کئے کہ اچانک ان دونوں مغربی میں گرمی کے آثار پیدا ہوئے اور ان پر ذوق و وجد کی حالت طاری ہوگئی۔ اس کے بعد ہمیشہ کے لئے یہ دونوں شیخ کی خدمت میں رہ پڑے۔

شیخ عبدالوہاب کہتے ہیں کہ پیر و مرشد ارشاد فرماتے تھے کہ حلال مال کبھی برباد نہیں ہوتا اور اگر گم ہوجائے تو پھر مل جاتا ہے۔ اپنا ایک واقعہ مثال کے طور پر ذکر

کرتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ سمندر میں کشتی پر سوار تھے کہ اچانک ایک سخت طوفان آیا جس کی وجہ سے ہماری کشتی ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی ہم میں سے کئی لوگ ایک ایک تختہ سہارے ساحل پر پہونچے۔ ہمارے ساتھ جو کتابیں تھیں بالکل بھیگ گئی اور چونکہ ہم پیدل سفر کرنے والے تھے اس لئے ہم نے ان کتابوں کو وہیں سرزمین عرب میں دفن کرکے ان پر ایک علامت رکھدی اور ہم لوگ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ راستہ میں ہمیں سخت پیاس لگی جیساکہ مشہور ہے کہ سرزمین عرب میں پانی کا قحط ہے اب وہ منظر ہمارے سامنے آگیا۔ ساتھیوں نے کہا اب دعا کا وقت ہے میں نے کہا میں دعا کرتا ہوں آپ لوگ آمین کہیں چنانچہ دعا کی برکت سے اتنی بارش ہوئی کہ ہم لوگ خوب سیراب ہوئے اور اپنے اپنے مشکیزے بھر لئے چند دنوں کے بعد مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور عمرہ ادا کیا۔ اسی اثنا میں چند دیہاتی عربوں نے ہمارے پاس آکر کہا ہمارے پاس چند کتابیں ہیں اگر آپ چاہیں تو مول لے سکتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے دیکھا وہ ہماری ہی کتابیں تھیں جو ہم دفن کرکے آئے تھے۔ غرضکہ ہم نے منہ مانگے دام دیکر وہ کتابیں خریدلیں بھیگ کر سوکھنے کیوجہ سے ان کتابوں کے اوراق باہم چپک گئے تھے۔ ہم نے ان کو پھر بھگوکر ایک ایک ورق اس طرح الگ کیا کہ ان میں کا کوئی حرف تک ضائع نہیں ہوا اور پھر وہ سب قابل استفادہ ہوگئیں۔

شیخ حاجی نظر بدخشانی جو اپنے زمانے کے کامل بزرگوں میں تھے جنہوں نے ماوراءالنہر شام اور مصر کے علماء سے تحصیل علوم کے بعد وہاں کے مشائخ سے ریاضات ومجاہدہ کی تلقین حاصل کی تھی اور مکہ مکرمہ میں بڑے بڑے کام کرنے کے بعد ایک بڑی شخصیت کے مالک تھے۔ اہل اللہ میں سے تھے۔ شیخ عبدالوہاب فرماتے ہیں موصوف بھی میرے پیرمرشد شیخ علی متقی کی محبت میں غرق تھے۔ اکثر وبیشتر آپ کے پاس خاص طور سے آیا کرتے تھے۔

وسوسہ کا علاج

کہتے ہیں کہ سلطان محمود گجراتی کو پانی کے سلسلہ میں بہت وسوسہ آتا تھا اور کسی طرح بھی یہ کیفیت اس کے دل سے نہ نکلتی تھی۔ چنانچہ حضرت شیخ متقی نے ایک طشت منگوا کر اس میں تین مرتبہ اپنی ٹوپی دھوئی اور ہر دفعہ پانی پھینک دیا چوتھی مرتبہ اس طشت میں پانی بھر کر فرمایا کہ بابا محمود! یہ پانی بلحاظ شریعت اسلامی بالکل پاک وصاف ہے اس میں کسی قسم کا شک وشبہ کرنا وسوسہ ہے اور وسوسہ شیطانی کام ہے اب یہ پانی پی لو اور کوئی وسوسہ دل میں نہ لاؤ۔

چنانچہ شیخ کے حکم پر سلطان محمود گجراتی نے وہ پانی پی لیا جس کے پیتے ہی سلطان کے دل سے وسوسہ اور شک بالکل دور ہو گیا اور پھر یہ مرض کبھی عود نہ کر سکا۔ شیخ عبدالوہاب نے اپنی کتاب "اتحاف النقی" میں لکھا ہے کہ پیر ومرشد شیخ علی کے انتقال سے پہلے یعنی ۹۷۴ھ میں مکہ مکرمہ میں آپ کے انتقال کی خبر پھیلی تو مکہ مکرمہ کے تمام بڑے بڑے عالم وفاضل اور شیوخ جوق در جوق آپ کے دولتکدہ پر آئے۔

لیکن یہاں آکر دیکھا کہ آپ بڑے خوش وخرم اور تندرست ہیں بڑے حیران ہوئے شیخ نے تبسم فرماتے ہوئے سب کو تکرار توبہ کا حکم فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے جیسے ایک شخص پر موت طاری ہوئی اور بعد الموت کے حالات دیکھ کر اس نے دربار الٰہی میں عرض کیا کہ مجھے دوبارہ دنیا میں بھیجد یجئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دنیا میں لوٹا دیا اب امید ہے کہ وہ کبھی موت کے خوف سے غافل نہیں رہے گا۔

شدائد سکرات

حضرت شیخ مرض موت میں ارشاد فرماتے تھے کہ میں قطب ہوں اور سکرات موت کی شدتیں مقام قطبیت کے لئے ضروری ہیں اور یہ رفع درجات کا ایک ذریعہ ہے۔ تم مجھ پر سکرات کے شدائد دیکھکر اپنے اعتقاد میں کمی نہ کرنا۔ اس کے بعد اس فقیر (عبدالوہاب) سے فرمایا کہ میرے دفن کے

بعد میری روح ایک مقام پر پہونچ جائے گی ۔ اور میری صورت مفقود ہو جائے گی ۔ لیکن مایوس نہ ہونا اور میری صورت کا تصور پیش نظر رکھنا اور میری قبر کے پاس دعا و ذکر اور تلاوت قرآن کریم جاری رکھنا تاکہ ایک خاص نسبت وہاں سے حاصل کر سکو ۔ اس کے بعد تم جہاں جی چاہے چلے جانا اور خوش و خرم رہنا ۔

جنّات کی آمد و رفت

شیخ کی وفات سے دو ماہ قبل جناتوں کے دو گروہ آپ کے پاس آمد و رفت کرنے لگے ایک گروہ بطریق اعتقاد و محبت ۔ ارادت و الفت آپ کی خدمت میں حاضری دیتا ۔ دوسرا گروہ اُن جناتوں کا تھا جو آپ سے بغض و عداوت رکھتا تھا، یہ لوگ کبھی عیسائیوں ، فاسقوں اور بدکار لوگوں کی صورتوں میں آتے اور گفتگو نہیں کرتے تھے ۔ بلکہ پیر و مرشد ان کے نام خط لکھ کر ان کو دیدیا کرتے تھے ۔ ان خطوط میں سے دو خط اس فقیر (عبدالوہاب) کے پاس موجود ہیں ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا خط

حمد و ثناء کے بعد منجانب کمترین خلقِ خدا علی بن حسام الدین متقی بنام بزرگ جن سلامتی ہو اُس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی ۔ تم عرصہ سے ہمارے پاس آرہے ہو ۔ لیکن کچھ گفتگو نہیں کرتے تاکہ معلوم ہو جائے کہ تمہارا مقصد کیا ہے ۔ میرے ساتھیوں میں سے ایک شخص عبدالوہاب ہے ۔ اگر چاہو تو اس کے پاس جاکر اپنا مطلب بیان کرو تاکہ ہم تمہاری امداد کر سکیں ۔ اے اللہ ہم پر حق واضح کر اور حق کی پیروی کی قوت دے اور باطل کو باطل کی صورت میں دکھا اور اس سے محفوظ رہنے کی قوت عطاء فرما ۔ یہ خط تمہاری جماعت کے اراکین کے نام ہے ۔

دوسرا خط

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے انسانوں اور جناتوں کو صرف اپنی عبادت یعنی اپنے عرفان کے لئے پیدا کیا ۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحمتیں نازل کرے ۔ اس بات کو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے عرفان کیلئے

پیدا فرمایا ہے ۔ اور تمام علماء وعقلاء اور عارفوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معرفت الٰہی صرف علم وعقل اور حکمت کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے ۔ جو کوئی خدا تعالیٰ کے بندوں سے سلسلۂ گفتگو بند کر لیتا ہے یا عقل کے ذریعہ نیکی و بدی، شرارت و نفع کا علم نہیں رکھتا تو اس کو اللہ کے عرفان کی دولت نہیں ملتی اس لئے لوگوں سے میل جول میں اپنی گفتگو کے ذریعہ بھی اللہ کی معرفت کے طریقہ حاصل کرو اور ہادی و رہنما شخصیتوں کی فہرست میں اپنے نام درج کراؤ ۔ مجھ پر اللہ کا جو حق تھا وہ میں نے تم تک پہنچا دیا اور میں اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو گیا ۔ میری اس نصیحت پر جس کا جی چاہے عمل کرے ۔

قبل از وفات

شیخ عبدالوہاب فرماتے ہیں کہ شیخ علی پر وفات سے پہلے ایک جذبہ طاری ہو گیا تھا ان کے تمام حرکات وسکنات میں انقلاب رونما تھا ۔ انہوں نے اپنی وفات سے تقریباً تین چار ماہ قبل ایک رات مجھ فقیر سے فرمایا کہ فلاں نے شاعر کا شعر پڑھو میں نے اپنی فراست کے ذریعہ یہ شعر پڑھا ۔ ؎

ہرگز نیاید در نظر نقشے ز رویت خوبتر　　　شمسے ندانم یا قمر حورے ندانم یا پری

یہ شعر سنتے ہی ان کی کچھ عجیب حالت ہو گئی اور بآواز بلند فرمایا پڑھے جاؤ ۔ چنانچہ خادم نے یہ شعر کئی مرتبہ دھرایا اس اثناء میں انہوں نے بہت سی محبت آمیز باتیں کیں اور شورانگیز نعرے لگاتے رہے ۔ اسی حالت میں ان کا ملازم آیا اور کہا کھانا حاضر ہے آپ کا دستور تھا کہ آپ کھانے کو اتنا باریک پسوا تے کہ اس کے سب ذرّے ایک ذات ہو جاتے اور پہچاننا مشکل ہو جاتا کہ اس غذا میں کون کونسی چیزیں موجود ہیں ۔ چنانچہ آپ نے ملازم سے کہا اس کو پیس کر اتنا باریک کر دو کہ اس کی تمام چیزیں ایک ذات ہو جائیں اور اس میں دوئی نہ رہے ۔

غرضیکہ آپ پر ساری رات عجیب حالت طاری تھی ۔ ہم بھی آپ کے ساتھ ساری

رات جاگتے رہے اور آپ رات بھر محبت آمیز و عشق انگیز کلمات فرماتے رہے ۔

ذکر بالجہر شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ مجھ فقیر سے شیخ عبدالوہاب کہتے تھے کہ اسی زمانہ قبل از وفات میں پیر و مرشد شیخ علی ذکر جہر کثرت سے کرتے تھے ۔ اور شیخ کی حالت جسمانی یہ تھی کہ نشست و برخاست کی سکت نہ تھی ۔ ذکر کے وقت حضرت شیخ کی حالت یہ ہوتی کہ گویا کسی چیز کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں ۔ کبھی اس کو بھگاتے بھی تھے ۔ اسی حالت میں فرمایا کہ مسلّی میں قبر بنوالینا چاہئے تاکہ رخصت ہونے سے پہلے منزل مقرر ہو جائے ۔ اس کے بعد فرمایا بس اللہ ہی جانتا ہے کہ کب تک زندہ رہیں گے ۔ نیز شیخ ان دنوں مقام قطبیت کے خاص لباس سے آراستہ تھے وفات سے قبل حضرت شیخ نے فرمایا تھا کہ جب تک میری انگشت شہادت متحرک رہے اس وقت تک یقین رکھنا کہ میں زندہ ہوں اور جس وقت میری انگشت شہادت حرکت نہ کرے تو سمجھ لینا کہ میری موت واقع ہو چکی ہے ۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ آپ کے انتقال کے بعد جبکہ آپ کے جسم میں کسی قسم کی گرمی تک باقی نہ رہی تھی آپ کی انگشت شہادت برابر حرکت کر رہی تھی ۔ اور آپ کا وصال اس طرح ہوا کہ آپ کا سر مبارک مجھ فقیر (عبدالوہاب) کے زانو پر تھا اور آپ کے لبوں پر ذکر الٰہی جاری تھا ۔

تصانیف شیخ علی متقی نے تصنیفات کے میدان میں بھی زبردست کام کیا ہے ۔ سو سے زیادہ کتابیں لکھیں ۔ آپ کا طبعی لگاؤ علم حدیث اور تصوف سے تھا ۔ چند ایک کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے ۔

تفسیر :- شئون المنزلات ۔ دہلی ، ۲۰ ۵۲ ۔ انڈیا آفس ۱۱۵۲ ۔ [1]

حدیث :- (۱) منہج العمال ۔ بانکی پور ، ۲۵ ۴م ۔ عاطف ، ۲۶۴ ۔ عاشر ، ۲۷۰ ۔

---

[1] عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۶۳ ۔

ولی الدین، ۸۵۶۔ نورعثمانی ۱۲۷۵۔ علی گڑھ، ۱۰۲۔ آصفیہ ۱/ ۶۷۸۔

(۲) کنزالعمال مخطوطات، بانکی، ۲۲۷۴۔ نورعثمانی، ۱۲۰۳۔ ۱۱۹۹۔ آصفیہ ۱/ ۶۶۰ (اجزاء)

(۳) الاکمال المنہج العمال۔ کوپریلی، ۲۹۴۔ نورعثمانی، ۶۷۴، ولار زادہ، ۲۴۱، ایام صوفیہ، ۴۵۸۔

(۴) منتخب کنزالعمال، مطبوعہ قاہرہ، برحاشیہ مسند امام حنبل۔ مخطوطات، بانکی پور ۴۲۸۔ نورعثمانی، ۱۲۷۲۔

(۵) الفصول شرح جامع الاصول۔ بانکی پور، ۲۲۵۔

(۶) شمائل النبوی۔ پشاور، ۴۳۹۔ علی گڑھ، ۹۹۔

(۷) البرہان فی علامات مہدی آخرالزمان۔ دہلی، ۱۲۱۔ بوتھ، ۱۰۳۱:۲۔ برلن ۲۷۲۶/۳۰۔ البحر، ۸۵۷۔ آصفیہ، ۳: ۲۶۰۔ ۴: ۲۳۸۔

بعض کتب میں اس کا نام تلخیص البیان فی علامات مہدی آخرالزماں بھی لکھا گیا ہے۔

تصوف اور اخلاقیات:۔

(۱) العنوان فی سلوک النسوان۔ قاہرہ، ۲/ ۹۶۔

(۲) البرہان الجلی فی معرفۃ الولی۔ برلن، ۳۳۶۸۔

(۳) المواہب العلیہ فی الجمع بین الحکم القرآنیۃ والحدیثۃ۔ اسد آباد، ۱۷۶۹۔ قاہرہ، ۸/ ۳۴۷۔

(۴) جوامع الکلم فی المواعظ والحکم۔ پیرس، ۱۳۵۳۔ برلن، ۸۷۰۳۔ بوتھ، ۷۶۵۔۶۔ قاہرہ، ۷/ ۳۴۸۔ بنگال ای ۳۴۔ رام پور، ۳۳۴۔ بانکی پور ۹۲۶/۱۳۔ علی گڑھ۔ ص ۱۱۵۔

اس کتاب کے مصنف علی متقی برہانپوری ہیں جن کا ذکر پہلے کئی جگہ کیا جاچکا ہے مصنف کا بیان ہے کہ اس کتاب میں تین ہزار کے قریب نصائح جمع کئے گئے ہیں جن میں پانچ سو ایسے اقتباسات ہیں جو قرآن پاک سے لئے گئے ہیں۔ پانچ سو تضمینات ہیں جو احادیث سے ماخوذ ہیں۔ اور ان کے اختصار کے پیش نظر ان کے ساتھ بطور تمہید ہم معنیٰ تشریحی فقرے بھی لکھے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ تین سو اقوال ابو عطار اسکندری کے (۷۰۹ھ/۱۳۰۹ء) اور ایک سو اقوال ان کے شاگرد کے ہیں اور باقی ماندہ حصہ متقدمین کے اقوال پر مشتمل ہے۔

یہ تمام مواد مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق کوئی اسّی ابواب کے تحت حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے۔ مثلاً باب فی الایمان اور باب فی الاحسان وغیرہ وغیرہ نوعیت کے اعتبار سے یہ کتاب صرف ان لوگوں کے لئے دلچسپی رکھتی ہے جو حافظ، مفسر یا محدث ہیں اور تصوف سے بھی شغف رکھتے ہیں۔[1]

مزید کتب درج ذیل ہیں۔ ۱۔ رسالہ تبیین الطریق۔ ۲۔ حکم کبیر ۳۔ زاد الطالبین، ۴۔ اسرار العارفین، ۵۔ نعم المعیار والمقیاس لمعرفۃ مراتب الناس۔ ۶۔ فتح الجواد، ۷۔ نجم الدرر۔

صاحب کواکب السیارہ فرماتے ہیں کہ

تلخیص البیان فی علامات مہدی آخر الزمان:۔ اس مجموعہ کے مرتب علی متقی ہیں جنکا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے۔ یہ کتاب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ ان احادیث کا مجموعہ ہے جو مہدی منتظر کے بارے میں ہیں۔ یہ کتاب سید محمد جونپوری (متوفی ۹۱۰ھ۔ ۱۵۰۴ء) کے معتقدین کی ہدایت کے خیال سے لکھی گئی تھی کیونکہ محمد جونپوری نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ یہ کوئی تصنیف نہیں ہے۔ اور مرتب نے یہ بیان کیا ہے کہ سیوطی رح کی عرف الورد،

[1] عربی ادبیات ص۲۱

باقاعدہ مرتب اور ابواب میں تقسیم نہیں کی گئی تھی اس لئے انہوں نے اس کو دوبارہ مرتب کیا ہے اور اس میں نئی چیزیں بھی شامل کر دی ہیں جو دوسری کتابوں سے جمع کی گئی ہیں۔ یہ کتاب ایک مقدمہ اور تیرہ ابواب پر مشتمل ہے مقدمہ میں مرتب نے یہ بالکل واضح کر دیا ہے کہ سید محمد جونپوری مہدی نہیں تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علی متقی، سید محمد جونپوری کو ولی تو مانتے تھے مگر ساتھ ہی انہوں نے یہ خیال بھی ظاہر کر دیا ہے کہ بعض اوقات ولی بھی فاش غلطی کر جاتے ہیں اور صرف انبیاء خطا سے مبرا ہوتے ہیں۔ اس مجموعہ میں احادیث مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت مرتب کی گئی ہیں۔

۱۔ مہدی کی کرامات۔
۲۔ ان کا سلسلۂ نسب۔
۳۔ ان کا حلیہ۔
۴۔ ظہور مہدی سے قبل کے حالات۔
۵۔ علامات۔
۶۔ مہدی کی بیعت کس طرح کی جائے۔
۷۔ مہدی کے مددگار۔
۸۔ ان کی فتوحات۔
۹۔ حضرت عیسیٰ سے مہدی کی ملاقات
۱۰۔ مہدی کے قیام کی مدت
۱۱۔ ان کی وفات۔
۱۲۔ مہدویت کا دعویٰ کرنے والوں کا تذکرہ۔
۱۳۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے علماء کا فتویٰ۔

شیخ علی متقی کی کئی تصانیف ہیں جنمیں سے ابن الاثیر کی النہایہ کا اختصار بھی ہے۔ انہوں نے مکہ مکرمہ میں آپ کی قیام گاہ کے محل وقوع کی بھی نشاندہی کی ہے

۔ کہ سلطان مکہ شریف برکات کے گھر کے قریب ایک حوش[۲] میں آپ کا قیام تھا۔ جس میں آپ کے تمام خدام کے لیئے الگ الگ حجرے بنوائے ہوئے تھے۔ جن میں وہ عبادات میں مصروف رہتے اور حرم میں نماز کے لئے آنے کی شیخ کی طرف سے ان کو اجازت تھی مگر شیخ کی اجازت کے بغیر کسی سے اختلاط کی انہیں اجازت نہ تھی۔ انہوں نے شیخ عبدالوہاب شعرانی سے نقل کیا ہے کہ جب وہ دوسری مرتبہ ۹۶۲ھ میں حج کیلئے حاضر ہوئے تو شیخ علی متقی ہندوستان جا چکے تھے۔[۱]

شیخ علی متقی نے معاصرین کی بے اعتدالیوں پر بھی بڑی توجہ فرمائی۔ شیخ غوث گوالیاری کے رسالہ معراجیہ کی مخالفت کے علاوہ آپ نے مہدی جونپوری کے خیالات کی بڑی مخالفت کی اور نہ صرف اس مقصد کے لیے حکام وقت کی اعانت حاصل کی بلکہ مہدویت کی تردید میں دو مبسوط رسائل لکھے اور ظہور مہدی کے تفصیلات اور علمائے مکہ کے فتاوی درج کرکے مہدی جونپوری کے دعاوی کی تردید کی۔ یہ آپ کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ گجرات میں جو مہدویت کا مرکز بن گیا تھا یہ تحریک بالآخر وہاں پردم توڑ گئی۔

مہدوی تحریک

مہدوی تحریک کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ ۱۴۹۵ء میں محمد جونپوری نے مکہ مکرمہ میں مہدویت کا اعلان کیا۔

سید محمد جونپوری بڑی خوبیوں کے مالک تھے اسی لئے معاصرین نے ان کو اسد العلماء

---

[۱] الکواکب السائرۃ ص ۲۲۲/۲۔ [۲] گھر کا اندرونی کھلا صحن۔

کا خطاب دیا تھا۔

جب انھوں نے مہدویت کا اعلان کیا اس وقت انکی عمر تقریباً ۵۲/سال تھی۔ مکہ مکرمہ سے وہ گجرات کی طرف متوجہ ہوئے اور احمد آباد میں اپنی تحریک کا مرکز قائم کیا وہاں علماء نے شدید مخالفت کی لیکن جتنی وہ مخالفت کرتے اتنی ہی ان کی تحریک ترقی کرتی تھی۔ شیخ علائی اور شیخ عبداللہ نیازی نے مہدی تحریک کی نشر واشاعت میں بہت کام کیا۔ سید محمد جونپوری کی مہدوی تحریک دراصل احیاء سنت اور اماتت بدعت کے لئے وجود میں آئی تھی۔ لیکن یہ اپنے اصلی رنگ میں زیادہ عرصہ تک نہ رہ سکی۔ مہدویت کا تصور اسلام کے ایک بنیادی اصول یعنی ختم نبوت سے متصادم ہوگیا۔ علمائے اسلام نے اور خاص طور سے شیخ علی متقی نے اس کی زبردست مخالفت کی۔ زیادہ تفصیل شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حالات میں دیکھ لیجائے۔

طریقت کے چند اصول

بہرحال شیخ علی متقی نے بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ ممالک مغربیہ کے مشہور شیخ احمد بروزق کی کتاب اصول طریقت کی شیخ علی نے تشریح کی ہے۔ چنانچہ اسمیں شیخ علی لکھتے ہیں کہ ہمارے اصول طریقت پانچ ہیں۔ پوشیدہ واعلانیہ اللہ کا خوف وتقوی۔ تمام اقوال وافعال میں سنت نبوی کی پیروی۔ ذلت وعزت دونوں حالتوں میں مخلوق خدا سے علیحدہ رہنا۔ کثرت وقلت اور افلاس و دولت مندی کے زمانے میں رضا برضاء الٰہی رہنا۔ اعلانیہ اور خفیہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کئے رہنا۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ رجوع الی اللہ واستقامت کی بدولت تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ اس شخص کو ساتھی بنانا جو احکام الٰہی پر خود گامزن ہو اور دوسروں کو بھی آگاہ کرتا ہو۔

شیخ کے لئے ضروری ہے کہ اپنے مرید میں پانچ چیزیں پیدا کرے۔ علم صحیح، ذوق صریح، بلند ہمتی۔ ہر حالت میں خوش رہنا اور بصیرت نافذہ۔

مرید کو اپنے بھائیوں اور اپنے شیخ کے ساتھ۔ حسب ذیل پانچ امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے تعمیل احکام بموجب اسلام، ممنوعات اسلامیہ سے پرہیز کرنا، حاضر اور غائب کی عزت کرنا، ادائیگی حقوق کی فکر کرنا اور ہر معاملہ میں نصیحت پر عمل کرنا۔

شیخ علی اور صحبت شیوخ

شیخ علی متقی نے اپنے انتقال کے دن اپنے ابتدائی حالات اپنے ایک خط میں تحریر کئے تھے جو یہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد و آلہ واصحابہ اجمعین۔ بعد حمد و صلوٰۃ کے یہ فقیر خدا علی بن حسام الدین عرف متقی اس دن جبکہ دنیا سے رخصت ہو کر آخرت کی طرف جا رہا ہے۔ عرض گذار ہے کہ میرے والد بزرگوار نے مجھے بچپن میں شیخ باجن کا مرید بنایا۔

شیخ باجن قوالیاں سنتے اور وجد و حال میں رہتے تھے۔ میں نے دوسرے پیر و مرشد کو اختیار کیا بمقابلے اس قول کے کہ جب بالغ ہو جاتا ہے تو اس کو اختیار ہے۔ کہ اپنے سابق پیر کو برقرار رکھے یا نہ رکھے چنانچہ شیخ باجن کی وفات کے بعد شیخ عبدالحکیم بن شیخ باجن سے ذکر کو سیکھا۔ شروع میں کتابت ذریعہ معاش تھا۔ اسی سے میں نے سفر کیا۔ جب ملتان پہنچا تو شیخ حسام الدین ملتانی کی صحبت میں رہا اور ان سے فیض حاصل کیا پھر جب مکہ مکرمہ پہنچا تو شیخ ابوالحسن بکری صدیقی کی صحبت اختیار کی۔ ان کے تعلیم و تعلم کا اپنا ایک طریقہ تھا۔ انکی صحبت میں رہ کر ذکر سیکھا۔ آخرالذکر دونوں حضرات سے میں نے بہت کچھ علوم ظاہری و باطنی حاصل کئے۔ چنانچہ ان ہی کی صحبت اور توجہات سے بہت سی کتابیں اور

اور رسالے تصنیف کئے سب سے پہلا رسالہ

"تبیین الطرق الی اللہ تعالیٰ" کے نام سے لکھا اور سب سے آخری بنام "غایۃ الکمال فی بیان افضل الاعمال" تصنیف کیا۔ [1]

شیخ محمد بن طاہر پٹنی

شیخ علی متقی کے ممتاز شاگردوں میں شیخ عبدالوہاب کے علاوہ شیخ محمد بن طاہر پٹنی تھے۔ جنہوں نے اپنے استاذ کی متابعت میں مخالفتِ بدعت کے لئے اپنی زندگی وقف کردی تھی۔ اور بالآخر اسی کوشش میں شہید ہوئے۔ جنکے مفصل حالات اسی کتاب میں اپنی جگہ پر آرہے ہیں۔

انتقال کے چودہ سال بعد

شیخ عبدالوہاب متقی فرماتے ہیں کہ پیرومرشد کی ایک کرامت یہ ہے کہ آپ کی وفات کے بارہ چودہ سال بعد آپ کے بھتیجے کے ایک بیٹے سید احمد کا انتقال ہوا چنانچہ مکہ معظمہ کے رسم ورواج کے مطابق لوگوں نے کہا کہ سید احمد کو کسی ولی اور مشہور بزرگ کی قبر میں اس طرح رکھا جائے جس طرح امام عبداللہ یافعی کو حضرت فضیل بن عیاض کی قبر میں رکھا گیا تھا۔ چنانچہ ان کی میت کو شیخ علی کی قبر میں رکھنے کی تجویز ہوئی جب شیخ علی کی قبر کھودی گئی تو دیکھا کہ آپ کا جسم کفن میں جوں کا توں اپنی اصلی حالت میں موجود ہے۔ حالانکہ حجاز کی زمین میں تین چار ماہ میں میت مٹی ہو جاتی ہے۔

وفات

شیخ علی متقی ۸۸۵ھ یا ۸۸۸ھ میں پیدا ہوئے اور بوقت سحر منگل رات کو ۹۷۵ھ میں وصال فرمایا۔ آپ کا انتقال مکہ مکرمہ میں ہوا، اور جنۃ المعلیٰ میں حضرت فضیل بن عیاض رح کی قبر کے محاذاۃ میں (دونوں قبروں میں صرف پگڈنڈی حائل تھی) دفن ہوئے [2]

آپ کی تاریخ وفات "قضی نحبہ" ہے [3]

---

[1] النور السافر۔ [2] ایضاً [3] ابجد العلوم۔

اور بعض نے شیخ مکہ اور بعض نے متابعت نبی نکال ہے ۔ [1]

شیخ علی متقی کا ذکر النور السافر میں مفصل مذکور ہے ۔ فرماتے ہیں کہ آپ کی ولادت برہانپور میں ۸۸۸ ھ میں ہے ۔ بعضوں نے ۸۸۵ ھ بھی لکھی ہے ۔ ایک سَو کے قریب آپ کے مؤلفات ہیں ۔ آپ کے محاسن اور آپ کے تذکرے میں علامہ عبدالقادر بن احمد فاکہی مکی نے ایک مستقل تصنیف فرمائی جس کا نام "القول النقی فی مناقب المتقی" ہے ۔ جس میں آپ کے محامد آپ کی ریاضت اور مجاہدے کو ذکر کیا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے شیخ کا نام متقی آپ پر صحیح معنوں میں صادق آتا ہے ۔ کتاب کے آخر میں لکھتے ہیں کہ جتنے علماء اور مشائخ سے شیخ علی متقی ملے سب نے آپ کی بہت زیادہ تعریف کی ۔

شیخ ابوالحسن بکری ، شیخ الوجیہہ عمودی ، امام الحرمین شیخ شہاب ابن حجر شافعی فقیہ مصر ، شمس الدین انصاری ، شیخ شمس بکری ۔ ان سب نے شیخ علی متقی کی کرامت اور استقامت کی مدح سرائی کی ہے ۔ اس لئے صرف مکہ مکرمہ نہیں بلکہ اطراف عالم میں دور دور تک آپ کی شہرت پھیل گئی ۔ اور وفود آپ کی زیارت ، ملاقات اور صحبت کے لئے پہنچنے لگے ۔ یہاں تک کہ سلطان سلیمان تک آپ کی شہرت پہنچی جبکہ اس سے پہلے سلطان الہند سلطان محمود آپ کو وضو کراتے اور آپ کے پیر مبارک دھوتے ۔

شیخ عبدالقادر حضرمی لکھتے ہیں کہ ! آپ کی شہرت جتنی مکہ مکرمہ میں ہے اس سے کئی گنا ہندوستان میں ہے ۔ آپ کے مناقب میں سے انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کے شاگرد نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب

---

[1] حیات شیخ عبدالحق ۔ خزینۃ الاصفیاء ۔ تذکرہ قاریان ، اعیان الحجاج ۔ اخبار الاخیار ص۲۱ ۔ بزم رفتہ کی سچی کہانیاں ص۲۰۲ ۔

میں زیارت کی۔ شیخ علی متقی کی حیات میں مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بماذا تامرنی حتیٰ فالہ مجھے کسی کام کا حکم فرمائیے جس کو میں انجام دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیخ علی متقی کا اتباع کرو جیسا وہ کرتے ہیں ایسا کیا کرو۔

صاحب النور السافر فرماتے ہیں کہ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ شیخ علی متقی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں سے کامل حصہ عطا ہوا تھا اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے افعال میں آپکی متابعت کا خواب دیکھنے والے کو حکم فرمایا اسی طرح اس میں شیخ فرما کر ان کے شیخ ہونے کی طرف اور ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف سے شیخ نام دیئے جانے کی طرف بھی اشارہ ہے۔ جیسا کہ شیخ ابو شیرازی ایک خواب پر فخر کیا کرتے تھے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خواب میں انھیں شیخ فرمایا

صاحب النور السافر فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ کی املا کردہ بعض تعلیقات میں دیکھا ہے جس سے آپ کے بعض حالات معلوم ہوتے ہیں۔ جس میں وہ لکھتے ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ و السلام علیٰ سیدنا محمد و آلہ وصحبہ اجمعین۔ اما بعد فقیر علی بن حسام الدین۔ جو علی متقی سے مشہور ہیں وہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں خدشہ گذرا خیال آیا کہ میں دوستوں کے سامنے اپنا شروع سے لے کر اخیر تک حال بیان کردوں۔ سن لو! اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے کہ فقیر کی عمر جب آٹھ سال ہوئی میرے والد کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ مجھے شیخ باجن قدس سرہٗ کا مرید بنائیں۔ انہوں نے مجھے ان کا مرید بنا دیا۔ لیکن ان کا طریقہ سماع کا طریق تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ با ذوق و باصفا لوگوں میں سے تھے۔

انہوں نے مجھے مشائخ صوفیہ کے طریقہ میں بیعت کیا۔ اس وقت میری عمر آٹھ برس تھی۔ اس کے بعد شیخ عبدالحکیم بن شیخ باجن قدس سرہٗ نے مجھے ذکر کی تلقین کی۔ میرے شروع دور میں، میں کتابت کے ذریعے اپنے لئے اور اہل و عیال کیلئے روزی کماتا۔ اور شہروں کا سفر کرتا۔ اسی دوران میں ملتان پہنچا اور شیخ حسام الدین کی صحبت میں رہا۔ ان کا طریقہ متقیوں کا طریقہ تھا۔ جتنا اللہ نے چاہا میں انکی صحبت میں رہا۔ پھر جب مکہ مکرمہ پہنچا۔ شیخ ابوالحسن بکری صدیقی قدس سرہٗ کی صحبت میسّر ہوئی۔ تو ان کا طریقہ تعلیم و تعلم تھا۔ وہ بڑے زبردست شیخ کامل عارف کامل تھے۔ فقہ و تصوف دونوں میں ماہر تھے تو میں جتنا اللہ نے چاہا انکی صحبت میں رہا۔ انہوں نے بھی مجھے ذکر کی تلقین کی۔ اور ان دونوں مشائخ سے مجھے زبردست علمی، ذوقی فوائد حاصل ہوئے جو علوم صوفیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے بعد میں نے کتابیں تالیف کیں، رسالے تالیف کئے۔ سب سے پہلا رسالہ جو میں نے طریق الی اللہ میں تصنیف کیا اس کا نام تبیین الطریق الی اللہ رکھا۔ اور اس سلسلے میں سب سے آخری رسالہ جو میں نے لکھا اس کا نام "غایۃ الکمال فی بیان افضل الاعمال" رکھا۔

طلباء میں سے جو بھی ان رسالے کو پائیں تو ضروری ہے کہ دوسرے رسالے کو بھی تلاش کریں۔ تاکہ اعتدال والی راہ پر گامزن رہ سکیں۔

صاحب النور السافر نے آپ کو من حسنات الدھر اور خاتمہ اہل ورع اور مفاخر الہند کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ [1]

ظفر الوالہ میں آپ کے مفصل حالات اس طرح ہیں کہ!

آپ مکہ مکرمہ سے سلطان محمود کے پاس زیارت کے لئے آئے تھے۔

---

[1] النور السافر ص ۲۸۳

سلطان نے ان کے جی کی ہر حاجت اور آرزو کو پورا کیا۔ ایک دفعہ نماز کا وقت ہوا سلطان شیخ کی خدمت میں تھے۔ شیخ نے سلطان کو دیکھا کہ وضو کر رہے ہیں اور فارغ نہیں ہوئے بہت دیر لگتی ہے۔ اور اتنا پانی خرچ کرتے ہیں کہ جس سے ان کے علاوہ اگر کوئی غسل کرے تو پھر بھی پانی بچ جائے تو شیخ ان کی بیماری سمجھ گئے مگر اس وقت خاموش رہے یہاں تک کہ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ان سے پوچھا تو سلطان نے وسوسے کی شکایت کی تو شیخ نے فرمایا کہ انشاءاللہ زائل ہو جائے گا۔ پھر شیخ ٹھہرے رہے یہاں تک کہ نماز کا وقت آیا پھر جب شیخ وضو کے لئے کھڑے ہوئے تو شیخ نے لوٹا لیا اور ان کو مسنون وضو کرایا۔ اگرچہ سلطان کے لئے تھوڑے پانی سے طہارت حاصل کرنا مشکل ہوا مگر شیخ کے ادب کی وجہ سے انہوں نے صبر کیا اور امتثالِ امر کیا۔ شیخ نے ان سے فرمایا کہ اگر آپ سنت کو ترجیح دیتے ہیں تو آپ کا وضو اسی طرح ہونا چاہئے۔ اور اس کی پابندی کیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے خلاف موسوس پر آپ کی مدد فرمائیں گے اور اسی طرح ہوا کہ شیخ ان کے وضو اور غسل کے وقت موجود رہتے اور کئی دن اسی طرح کیا تو شیخ کی برکت شاملِ حال ہوئی اور انہیں قوت پہنچی اور وسوسہ دور ہو گیا۔ یہاں تک کہ اتنے پانی سے غسل کر لیتے تھے جو پہلے ان کے وضو کے لئے کافی نہیں ہوتا تھا۔

پھر موسم حج میں شیخ مکہ مکرمہ واپس لوٹ گئے اور شیخ یہاں سے فراخی دل کے ساتھ لوٹے۔ اسی وجہ سے وہاں مکہ مکرمہ پہنچ کر اپنی رباط کے قریب سوق اللیل میں شیخ نے اپنے رہنے کے لئے ایک گھر بنایا جس کا ایک وسیع حوش[1] تھا اور کئی کمرے تھے۔ جو ان مریدین و متبعین کیلئے بنائے گئے تھے جو آپ کی — — — — — ۔ خدمت میں رہتے اس لئے کہ شیخ بہت سوں کی کفالت

[1] مکان کا اندرونی کھلا صحن

کرتے تھے اور جو بھی سائل آتا اس کی وقت پر مدد فرماتے اور سلطان کے وقف میں سے جو ہر سال مال جاتا تھا وہ ساری زندگی کلی رقم شیخ کے اختیار میں ہوتی کہ جس کو چاہیں جتنا چاہیں عطا فرمادیں۔ اور اس کے علاوہ بھی ان کو برابر بھیجا جاتا رہا۔
شیخ کی مکہ مکرمہ میں بڑی شہرت ہوگئی یہاں تک کہ سلطانِ روم تک شیخ علی متقی کی اطلاع پہنچی، اس زمانہ میں سلطانِ روم سلیمان خاں بن سلیم خاں ابن بایزید بن محمد بن مراد بن محمد بن مراد اورخان بن عثمان تھے۔ تو سلطان سلیمان رومی نے آپ کے پاس دعا کی درخواست کے لیے خط لکھا اور ان سے بھی ساری زندگی تعلق رہا۔
پھر شیخ دوسری مرتبہ ہندوستان تشریف لائے اور سلطان سے ملاقات ہوئی۔ سلطان ان کے آنے کیوجہ سے بہت زیادہ خوش ہوئے۔ کچھ روز کے بعد سلطان کی مجلس میں ان کو مخاطب کرتے ہوئے شیخ نے فرمایا: آپ کو معلوم ہے کہ میں کس وجہ سے آیا ہوں؟ سلطان نے عرض کیا مجھے معلوم نہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ مجھے خیال ہوا کہ میں آپ کے احکام کو میزانِ شریعت کے ترازو میں تولوں۔ پھر جو احکام شریعت کے موافق ہوں وہی رہنے چاہئیں۔ سلطان نے انکی اس کوشش وسعی کو مشکور قرار دیا اور اس کو مان لیا اور وزراء کو حکم دیا کہ تمام امور میں شیخ سے مراجعت کریں۔ شیخ نے ایک زمانے تک تمام امور اور تمام حالات کو خود اپنی نظر سے دیکھا اور احکام کے بارے میں خود اجتہاد کیا جو مطابق شرع تھے ان کو جاری رکھا اور جو مطابق شرع نہیں تھے ان کو موقوف کر دیا لیکن بہت سے قانونی اعمال میں بھی خلل پذیر ہوئے ساتھ ساتھ اس سے سیاست بھی معطل و بے کار ہوگئی اور جو رسوم اور بدعات وغیرہ تھیں وہ سب ختم ہوگئیں وزراء مصرف کے لئے خزانے کے محتاج ہوگئے۔ شیخ نے شیخین رضی اللہ عنہما کی سیرت کا انتظام کیا ایسے دور میں جو انکے دور کی طرح نہیں تھا اور ایسی رعیت میں

جو شیخین کی رعیت کی طرح نہیں تھی۔ تھوڑے ہی دن نہ گذرے۔ یہاں تک کہ شیخ کی وصیت سے شیخ کا وہ مرید بھی نکل گیا جسکو اپنی طرف سے شیخ نے عارضی امور کی تحقیق کے لیے مقرر کیا تھا اور شیخ ان کو دنیا میں زاہد اور عفیف سمجھ رہے تھے اور بہت زیادہ متورع سمجھ رہے تھے۔

شیخ نے جس کا التزام کیا تھا اس سے اپنا ہاتھ جھاڑ دیا۔ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور اپنی مجلس میں دوبارہ واپس نہیں لوٹے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب شیخ نے میزان شریعت کو لازم پکڑا تو آپ نے اس کو بُرا سمجھا عمال دنیا آپ کے ساتھ مجالست کریں اور آپ کا وقت ان سے مراجعت کرنے میں خرچ ہو اور مراجعت کے لیے ان سے گھل مل کر رہنا پڑے۔ آپ کے پاس آپ کے تلامذہ میں سے جن پر اعتماد تھا اور آپ کے اصحاب میں جو سب سے بڑے سمجھے جاتے تھے۔ جن کی دیانتداری پر شیخ کو اعتماد و اعتقاد تھا اور شیخ ان کو دیکھ رہے تھے کہ وہ شبہات سے بھی اپنے آپ کو بچاتے ہیں جن کا نام شیخ چیلا تھا۔ شیخ نے ان کو حکم دیا کہ وہ عمال کے ساتھ بیٹھیں اور ان کی باتیں سنیں اور شیخ کو تحقیق کے بعد خبر دیں کہ حقیقت حال کیا ہے۔ تو وہ ان کے ساتھ بیٹھتے، سنتے اور حقیقت کی تحقیق کرنے کے بعد شیخ کو خبر دیتے پھر شیخ کا جواب ان کے پاس لے کر واپس آتے۔ مگر ضرب المثل ہے کہ صحبت اثر انداز ہوتی ہے۔ بس وزراء کی دسیسہ کاریاں شروع ہو گئیں کہ اسے رشوت دے کر وہ راضی کرنے لگے پہلے وہ چاندی کے برتن سے پانی پینے کو مکروہ قرار دیتے تھے بعد میں مباح قرار دینے لگے بلکہ چاندی کا برتن پاتے تو اُسے چرا لیتے۔

پھر کسی معاملے میں وزیر کے اشارے سے ایک عورت اس کے پاس پہنچی

اس کے ساتھ ایک مرصع ہار تھے جو اس کو رشوت کے طور پر دیا پھر اس عورت نے وہ ہار شیخ کے خادم کی بیوی کو خادم کی موجودگی میں رشوت کے طور پر دیا اور اس عورت نے آکر وزیر سے اس کی شکایت کی ، وزیر سلطان کے پاس پہنچے اور سلطان سے کہا کہ تمام قانونی اور رسمی معاملات معطل ہو گئے اور شریعت بھی رشوت کی تدسیس سے خالی نہیں رہی ۔ شیخ اگرچہ رجالِ برکت میں سے ہیں مگر رجالِ حکومت میں سے نہیں ہیں ، یہاں ایک عورت ہے جس نے شیخ کے وکیل کو اس طرح رشوت دی ، سلطان تکئے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے ۔ جب یہ سنا تو ٹھیک سے بیٹھ گئے ۔ پوچھا کہ وہ عورت کہاں ہے ؟ عورت کو حاضر کیا گیا اس سے پوچھا تو اس نے جو رشوت دی تھی اس کی خبر دی ۔ تو سلطان نے شیخ کے خادم کو بلایا اور اسے اس کے متعلق پوچھا تو پہلے اس نے انکار کیا پھر سلطان نے اس عورت سے اس کا آمنا سامنا کروایا تو اس عورت نے وزیر سے کہا کہ اس سے پوچھ پھر وہ عورت کہنے لگی کہ میں ابھی وہ ہار تیرے پاس سے کر آتی ہوں اور اس نے لاکر دکھایا ۔ سلطان بہت متأثر ہوا اور اس نے حکومت کے معاملات دوبارہ اسی طریقے پر وزیر کے سپرد کر دیئے جس طرح گذشتہ زمانے میں پہلے سے چلے آرہے تھے ۔ شیخ کو اس کی اطلاع پہنچی تو سلطان کے پاس پہنچے سلطان کو اپنی عادت کے موافق موجود نہیں پایا تو سلطان کی مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے ۔ وہاں سے اپنے گھر واپس نہیں لوٹے بلکہ مکہ مکرمہ سفر کی نیت کر لی اور اسی وقت سرکھیج کے لئے روانہ ہو گئے سلطان کو جب معلوم ہوا تو کئی مرتبہ بلانے کے لئے آدمی بھیجا اور ان کو واپس تشریف لانے کی درخواست کی مگر شیخ نے قبول نہیں کیا پھر بڑے بڑے امراء سلطان کی طرف سے شیخ کی تسلی کے لئے حاضر ہوئے مگر شیخ نے ان کے سامنے دنیا کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کو بیان کرنا

شروع کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے ، اس درمیان میں کہ آپ امراء کو نصیحت فرمارہے تھے ۔ امراء آپ کے پاس موجود تھے کہ سلطان خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا کہ آپ کے یہاں مقیم رہنے میں ہمارے لئے ملک میں بہت بڑی برکت ہے اور آپ کی صحبت میں رہ کر دنیا میں اپنی آخرت کے لئے یہاں والے بہت کچھ کما سکیں گے ۔ شیخ نے جواب دیا کہ مکہ مکرمہ میں قبولیت اور دعا کی بہت سی جگہیں ہیں وہاں رہ کر تمہارے لئے دعا کرنا یہ حال کے بھی زیادہ موافق ہے مآل کے اعتبار سے بھی زیادہ اچھا ہے ۔ پہلے سے یہ کہا گیا ہے کہ دنیا اور دین سوکنیں ہیں دونوں اکٹھی نہیں رہ سکتیں تو میرے دل میں اس کا ممکن ہونا کھٹکتا رہتا تھا تو میں نے چاہا کہ میں تجربہ کرکے اس کو آزما کر دیکھ لوں ۔ یہی چیز مجھے مکہ مکرمہ سے تمہاری طرف سفر کرکے اٹھا کر لائی تھی کہ میں نے تمہاری طرف سے موافقت دیکھی تھی لیکن میں جب تمہارے ساتھ رہا اور تمہاری موافقت اور ترکِ نصرت ، عدم موافقت دونوں کو دیکھ کر میں نے تجربے سے معلوم کر لیا کہ دین اور دنیا دونوں سوکنیں ہیں کبھی اکٹھی نہیں ہو سکتیں جس کی وجہ سے میں آیا تھا وہ الحمد للہ حاصل ہو گیا ۔ اب میرے لئے اس وقت بیت اللہ کی طرف توجہ کرنے میں وقت کو صرف کرنا لازم ہے اور بقیہ وقت حرم کے جوار میں گذارنا ہی میرے لئے بہتر ہے ۔ اور یہاں میری طرف سے حاضری کے لئے میاں عبد الصمد نائب رہیں گے اور ان میں دعا کی بھی اہلیت ہے پس تم ان سے درخواست کرتے رہنا اور میں نے ان کو اجازت دی ہے اور اجازت کا قبولیت میں بڑا اثر ہوتا ہے اور میں تمہیں انابت الی اللہ کی تمام احوال میں وصیت کرتا ہوں اور شریعت کے حکم کو جاری رکھنے اور جاری کرنے کی وصیت کرتا ہوں ۔ اور شریعت والوں اور علماء کی عزت اور صلحاء کی صحبت کو لازم پکڑنے کی وصیت کرتا ہوں ۔ کہ فَاِنَّ المرءَ مَعَ من

اَحَبَّ ۔ اُحِبُّ الصَّالِحِیْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ لَعَلَّ اللّٰہَ یَرْزُقُنِیْ صَلَاحًا ۔
اور خاص طور پر فقر کے شعار کی تعظیم کرتے رہنا ۔ اس لئے کہ رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ لَا یُعْبَأُ بِہٖ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ ۔ کہ بہت سے پراگندہ بال، غبار آلود جن کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی وہ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر وہ اللہ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ انکی قسم کو پورا فرمائے ۔ اور فقراء کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرتے رہنا اس لئے کہ انہیں کل کو حکومت ملنے والی ہے ۔ حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انفق یا بلال ولا تخشی من ذی العرش اقلالا ۔ اور صحیحین میں ہے کہ فقراء مہاجرین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ مال والے بلند درجات اور دائمی نعمت لیگئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کیسے ؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ نماز پڑھتے جس طرح کے ہم پڑھتے ہیں وہ روزے رکھتے ہیں جس طرح کہ ہم رکھتے ہیں ۔ وہ صدقہ کرتے ہیں ہم نہیں کر سکتے ، وہ غلام آزاد کرتے ہیں ہم نہیں کر سکتے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جس سے تم ان لوگوں کو پکڑ لو جو تم سے آگے بڑھ چکے ہیں اور تم اپنے بعد والوں سے اور پیچھے والوں سے سابق ہی اور آگے ہی رہو اور تم سے کوئی افضل اور بہتر نہ ہو سکے مگر جب وہ تمہارے جیسا عمل کرے ۔ تو انہوں نے عرض کیا ضرور بتایئے یا رسول اللہ ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم ہر نماز کے بعد ۳۳ ۳۳ دفعہ سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر کہتے رہو ۔

اس کے رواۃ میں سے ایک ابو صالح کہتے ہیں کہ فقراء مہاجرین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارے ان بھائیوں نے بھی جو مال والے ہیں انہوں نے بھی سن لیا ہے جو ہم کرتے

ہیں انہوں نے بھی اس کی مانند کرنا شروع کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ جس کو اللہ نے نعمت کے طور پر سلطنت دی ہو اس کا شکریہ انفاق اور خرچ کرنا ہے۔ واللہ یقول الحق و هو یهدی السبیل۔

پھر سلطان کو اللہ کے سپرد کیا اور بندر کھو کھ کی جانب روانہ ہوگئے۔ اور وہاں سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ [1]

مرأۃ احمدی کے خاتمہ میں آپ کا مفصل حال لکھا ہے آپکا اسم شیخ علی متقی کبیر (م ۹۷۵ھ)

آپ کا اسم گرامی شیخ علی ابن حسام الدین عبدالمالک المتقی، قادری شاذلی، مدنی چشتی ہے۔ آپ کے آباء کرام جونپور کے تھے۔ آپ کی ولادت بھی جونپور میں ہوئی آپ کے والد سات یا آٹھ سال کی عمر میں آپ کو شیخ باجن چشتی کی خدمت میں لے گئے جو برہانپور میں تھے اور ان کا مرید بنایا اور اس کے بعد آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ والد کے انتقال کے بعد آپ باقتضاء بشری کچھ عرصہ منڈو کے ملک بادشاہ کی ملازمت میں رہے اور جوانی کے ایام میں کچھ دن ان کے یہاں ملازمت کی اور اس طرح کچھ متاعِ دنیا ہاتھ لگ گئی۔ اس دوران جذبۂ عنایت الہٰی نے کھینچا اور دنیا نظر میں حقیر معلوم ہونے لگی۔ شیخ عبدالحکیم بن شاہ باجن کی خدمت میں پہنچے۔ ان سے اکتسابِ فیوض کے بعد خرقۂ خلافت پایا۔ اور پھر ملتان کے علاقہ کا سفر کیا اور شیخ حسام الدین متقی کی صحبت ملی۔ ان کی صحبت سے ورع و تقوی اور طریقِ سلوک کی تعلیم حاصل کی نیز ظاہری علوم بھی پڑھے تفسیر بیضاوی اور عین العلم دو سال میں پڑھی۔ اس کے بعد حرمین شریفین حاضر ہوئے۔ شیخ ابوالحسن بکری کی صحبت میں رہے۔ ان کی شاگردی اختیار کی ان

---

[1] ظفر الوالہ صفحہ ۳۱۵ ج ۱

کے علاوہ دیگر علماء ومشائخ کی خدمت میں رہے ان سے استفادہ کیا نیز شیخ محمد بن محمد بن محمد السخاوی سے بھی آپ کو قادریہ، شاذلیہ، مدنیہ، مغربیہ سلسلہ کی خلافت ملی اور آپ مکہ معظمہ میں مقیم ہو گئے، کتابوں کی تصنیف شروع کی اور متعدد رسائل وکتب، علم حدیث وتصوف میں تحریر فرمائے۔ سیوطی کی کتاب جمع الجوامع میں جو حروف تہجی کی ترتیب پر انہوں نے احادیث مرتب کی تھی۔ اس کو آپ نے فقہی ابواب کی ترتیب پر ترتیب دیا۔ دوسری جمع الجوامع سے آپ نے احادیث منتخب کرکے ایک احادیث کے ذخیرہ کا انتخاب کیا۔ تبیین الطریق جو غلبی اشارے سے آپ نے تصنیف فرمائی۔ نیز آپ نے مجموعۂ حکم تصنیف فرمائی جس میں تصوف کے مراتب کو ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن حجر مکی جو اپنے زمانے کے بڑے مکی فقہا میں شمار ہوتے تھے۔ شروع میں وہ شیخ علی متقی کے استاذ بنے مگر بعد میں آپ اپنے آپ کو شیخ علی متقی کا تلمیذ حقیقی کہا کرتے تھے اور شیخ علی متقی کے مرید ہوئے اور خرقۂ خلافت پایا۔

سفر میں شیخ علی متقی کا حال یہ ہوتا کہ آپ نے دو تھیلے بنائے تھے۔ ایک میں اسباب طعام چاول، ماش، اُڑد، تیل اور برتن وغیرہ رکھتے اور دوسرا ایک تھیلا تھا جس میں قرآن پاک اور دیگر ضروری کتابیں ہوتیں۔ اور پانی کی ایک بڑی مشک ہوتی۔ اپنے ہاتھ ہی سے کھانا پکاتے تھے۔ اس میں کسی دوسرے سے اعانت نہیں لیتے تھے جب تک کہ کوئی ضرورت اور مجبوری نہ ہو مگر اس حالت میں بھی اس کو اس کی اجرت عطاء فرما دیتے۔

سلطان بہادر کے زمانے میں احمد آباد تشریف لائے سلطان نے آپ کے کمالات اور اوصاف کو سنکر ملاقات کی درخواست کی مگر شیخ نے قبول نہیں کیا ہمیشہ حجرے کا دروازہ بند رکھتے کسی کو اپنے پاس بیٹھنے نہیں دیتے تھے۔

جب سلطان کا اشتیاق حد سے زیادہ بڑھ گیا تو قاضی عبداللہ سندھی جو کہ سندھ سے مدینہ منورہ اقامت کی نیت سے چلے تھے ابھی احمد آباد میں مقیم تھے اور شیخ کے ساتھ ان کو محبت اور اعتقاد کی نسبت تھی انہوں نے شیخ سے عرض کیا کہ شیخ سلطان بہادر کی درخواست کو ایک دفعہ قبول فرمالیں اگرچہ ان سے آپ کلام نہ فرمائیں شیخ نے فرمایا کہ ان کے غیر شرعی لباس کو میں دیکھوں گا تو یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ اس کو میں دیکھوں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کروں۔ ملازمین نے عرض کیا کہ آپ جو چاہیں فرمائیں اور جو چاہیں کریں سلطان حاضر خدمت ہوئے۔ آپ نے نصیحت فرمائی۔ دوسرے دن سلطان نے ایک کروڑ ٹنکہ گجرات کا ٹنکہ ہدیہ کے طور پر بھیجا۔ آپ نے وہ تمام کا تمام قاضی عبداللہ کو عطا فرما دیا اور فرمایا کہ اس ملاقات کا باعث اس کا واسطہ اور اس ہدیہ کے پہنچنے کا ذریعہ تم بنے ہو۔ اس لئے اس ہدیہ کا تعلق تم سے ہے۔ شیخ ہمیشہ احادیث اور سنتوں کا اتباع کرنے والے تھے اور اس زمانے کے تمام مشائخ آپ کی ولایت اور فضل و کمال کے معترف تھے۔ اس درجہ شہرت کے باوجود بھی شیخ ہمیشہ کتابت کے ذریعہ اپنا گذارہ کرتے کبھی ضرورت پڑتی تو آپ بیوہ عورتوں سے قرض منگواتے۔ اور بعد میں اس کو ادا فرما دیتے۔ آپ فرماتے تھے کہ بارہا جنگل میں اس کا اتفاق پیش آیا ہے کہ کنواں پانی سے بھرا ہوا ہے اور ہرن کنوئیں کے ارد گرد تشنہ کھڑے ہوئے ہیں۔ پانی کی طرف نگاہ کر رہے ہیں فضل الٰہی جوش میں آتا ہے اور پانی خود بخود اوپر تک آجاتا ہے اور جانور بھی سیراب ہو کر پی لیتے ہیں۔ ہم نے بھی اس میں سے شاید پانی پیا ہے۔ سلطان محمود بھی اکثر شیخ کی خدمت میں حاضری دیتے انہیں پانی کے بارے میں وسوسہ کا بہت بڑا مرض تھا۔ اور اور کسی تدبیر اور حیلہ سے وہ زائل نہیں ہوتا تھا۔ شیخ نے ایک طشت اور

اور ایک پیالہ منگوایا۔ اپنی ٹوپی کو تین بار دھویا اور پانی پھینک دیا چوتھی مرتبہ دھوکر شیخ نے وہ پانی رکھ لیا سلطان سے فرمایا کہ بابا محمود یہ پانی شریعت مطہرہ میں پاک اور صاف ہے اس میں شک کرنا شیطان کا وسوسہ ہے اس کو پی لو اور کسی قسم کا شبہ نہ کرو۔ سلطان نے وہ پانی پی لیا اور اسی گھڑی سلطان کے دل سے وسوسہ بالکلیہ زائل ہو گیا۔ شیخ کی ولادت ۸۵۰ھ میں ہوئی اور آپ کی وفات ۹۷۵ھ۔ ۲ رجمادی الاولیٰ کو ہوئی۔ اور آپ نے نوّے ۹۰ سال عمر پائی مدینہ منورہ میں آپ کو دفن کیا گیا۔ [۱]

لیکن خاتمہ مرآۃ احمدی کا یہ بیان بظاہر درست معلوم نہیں ہوتا جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے۔

محدّث علی متّقی کے اُستاذ

شیخ حُسام الدّین متقی مُلتانی

۸۷۸ھ — ۹۶۱ھ

آپ بڑے عالم، زاہد، متقی تھے۔ خدا کے ارشاد فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ کے پیشِ نظر فاتقوا اللہ حق تقاتہ کے بلند مرتبہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ خراجی زمین میں کاشت کرتے، اور اس کا خراج ادا کرتے تھے اور آخر کار ان زمینوں پر ایک حادثہ کی وجہ سے ایسا واقعہ پیش آیا کہ زمینیں مختلط ہو گئیں اور ان کا خراجی ہونا مشتبہ ہو گیا تو اس شبہ کی وجہ سے آپ نے اس زمین کی پیداوار کو کھانا ترک کر دیا اور

---

[۱] خاتمہ مرآت احمدی صـ۸۵۔

جب شدید بھوک لگتی تو قوت لایموت کے اندازہ سے معمولی سی غذا کھالیا کرتے تھے، اور اسی سختی اور تنگی کے زمانے میں آپ کی وفات ہوگئی۔ تقوی زہد اور اسلامی شعار ہونے میں آپ اللہ کی نشانی تھے اور ان بزرگوں میں سے تھے جن کے بارے میں خدا تعالی فرماتے ہیں۔

اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَاهُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝	اولیاء اللہ نہ خوفزدہ ہونگے اور نہ ہی غمگین ہونگے۔ اور یہ لوگ ہیں جو ایمان لانے کے بعد خدا سے ڈرتے ہیں۔

شیخ علی متقی نے بھی آپ سے اوائل عمر میں اسلامی علوم حاصل کئے اور پاکبازی کا درس لیا۔

منقول ہے کہ شیخ علی متقی فرماتے ہیں کہ ایک دن آپ نے فرمایا کہ اب طبیعت کچھ خراب سی ہے اس کا کیا سبب ہے؟ آپ کا یہ اصول تھا کہ جب باطن میں کچھ تکدر محسوس کرتے تو اپنی غذا کے متعلق تحقیق و تفتیش کرتے کہ شاید غذا میں کوئی فرق ہو چنانچہ آپ غذا کی تحقیق کے لئے باورچی خانے گئے اور باورچی سے دریافت کیا کہ آج کھانا کس طرح اور کہاں پکایا گیا تھا؟ باورچی نے تمام باتیں بتلانے کے بعد کہا کہ آج میں نے پڑوسی کے ہاں سے بغیر اجازت آگ لے لی تھی چنانچہ آپ اس پڑوسی کے یہاں گئے جہاں سے آگ آئی تھی اور اس سے معافی مانگی اور کچھ دیکر خوش کر دیا۔

نیز شیخ علی متقی فرماتے ہیں کہ آپ کی مجلس سے جاتے وقت ایک آدمی نادانستہ طور پر اپنے سامان میں آپ کا جوتا بھی لے گیا جب اسے معلوم ہوا تو وہ آپ کا جوتا واپس لایا تو آپ نے کہا کہ یہ میرا نہیں ہے مگر اس آدمی نے کہا یہ آپ ہی کا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اچھا اگر آپ مجھے دینا چاہتے ہیں تو اس کی قیمت مجھ سے لیکر جوتا

مجھے دیدو مگر وہ اس بات کو ماننا نہ تھا، بالآخر آپ نے اصرار کرکے جوتے کی قیمت اس کو دیدی اور جوتا رکھ لیا اس کے بعد فرمایا کہ میں نے اپنی تمام مملوکہ اشیاء سے حق ملکیت ختم کر رکھا ہے تاکہ اگر کوئی شخص میری چیز استعمال کرے تو وہ اس کیلئے ناجائز نہ ہو۔

کہتے ہیں کہ آپ شیخ بہاؤ الدین ملتانی کے مقبرے کے سائے کے نیچے کبھی کھڑے نہ ہوتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ یہ بیت المال کی رقم سے بنایا گیا ہے اور مسلمانوں کا حق اس پر خرچ ہوا ہے۔ اب میرے لئے جائز نہیں کہ میں اس کے سایہ کے نیچے کھڑا ہوں (سبحان اللہ! ایسے ہوتے ہیں اللہ والے کتنی دقیق نظر تھی اور اتباع شریعت کی بھی حد کردی۔)

آپ کے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام بایزید تھا، جو نہایت متقی اور مشائخ صفت بزرگ تھے۔

منقول ہے کہ آپ اگر کسی کو مسجد میں گاتے ہوئے دیکھتے تو منع فرما دیتے، آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بڑے پابند تھے اور دوسروں کو بھی اس پر پابندی سے عمل کرنے کا حکم دیا کرتے تھے اور آپ کے صاحبزادے شیخ بایزید کی تو کیفیت یہ تھی کہ مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ کر روتے رہتے تھے، ایک دفعہ شیخ بایزید کو کسی نے ایک روپیہ تحفۃً دیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ کیا چیز ہے اور اس کا کیا کیا جائے گا اس دن کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ روپیہ ایک نقدی سکہ ہے جو لوگوں کے لین دین بیع وشراء وغیرہ کاروبار میں کام آتا ہے۔ [1]

---

[1] اخبار الاخیار صنـ ۲۴۵۔

شیخ عبداللہ سندھی

م ذوالحجہ ۹۸۴ھ بمطابق فروری ۱۵۷۷ء

شیخ عالم محدث عبداللہ ابن سعداللہ متقی سندھی مہاجر مدنی ۔ آپ مدینہ طیبہ کے فقہاء، صوفیاء میں سے تھے ۔ ان کے معاصرین میں حدیث و تفسیر میں کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ سرزمین سندھ میں آپ کو نہایت والہانہ نگاہوں سے دیکھا جاتا ۔ آپ نے مدینہ منورہ میں نشو ونما پائی تھی ۔ برسوں ان مقاماتِ شریفہ میں درس و عبادت میں مصروف رہے ۔ پھر بعض حوادث و اسباب کی بنا پر ۹۷۰ھ کے قریب گجرات تشریف لائے اور کچھ مدت احمد آباد میں اقامت فرمائی ۔

اس دوران علم حدیث پڑھاتے تھے ۔ آپ نے حجاز کے ائمۂ حدیث اور شیخ علی متقی برہانپوری سے حدیث پڑھی ۔ شیخ رحمت اللہ ابن قاضی عبداللہ سندھی نے آپ سے اکتساب کیا ۔ جب گجرات میں قیام پذیر تھے تو علماء و عوام دونوں طبقوں کو پڑھاتے رہے ۔ آخر میں مکہ مکرمہ چلے گئے ۔

آپ اور آپ کے ساتھی شیخ رحمت اللہ کو لوگ شیخین کہا کرتے تھے خواجہ عبدالشہید عبیداللہی فرماتے تھے کہ یہ دونوں شیخین حقیقت میں حضرت ابوبکرؓ و عمر فاروقؓ (شیخین) کی یاد دلاتے ہیں ۔ یہ دونوں علم و عمل اور تقویٰ کے مجسمے تھے ۔ ان جیسے اشخاص مدینہ منورہ سے آج تک نہیں آئے ۔

ماہ ذی الحجہ ۹۸۴ھ بمطابق فروری ۱۵۷۷ء میں مکہ مکرمہ میں انتقال فرمایا ۔
نوراللہ مرقدہٗ [1]

---

[1] نزہۃ الخواطر اردو ص۳۲۹ ، نزہۃ الخواطر عربی ج۴ ص۲۰۵-۲۳۳ ، اخبار الاخیار ۔

مولانا شیخ رحمت اللہ سندھی

م ۹۹۴ھ / ۹۹۵ھ بمطابق ۱۵۸۵ء / ۱۵۸۶ء

شیخ عالم کبیر محدث رحمت اللہ ابن قاضی عبداللہ بن ابراہیم عمری، سندھی، بہاجر مدنی دربیلہ سندھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد قاضی عبداللہ سندھی سندھ سے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ روانہ ہوئے تو چند دنوں تک احمد آباد میں قیام کیا۔ اسی زمانہ میں حضرت شیخ علی متقی گجرات میں مقیم تھے، اور حجاز مقدس کے لئے پابرکاب تھے۔ قاضی صاحب نے شیخ کی صحبت اختیار کرلی۔ اس سفر میں شیخ رحمت اللہ بھی ساتھ تھے۔ شیخ رحمت اللہ نے حجاز پہنچکر شیخ علی متقی کی صحبت اختیار کی اور ان کی خدمت میں رہ کر ظاہری و باطنی کمالات کا اکتساب کیا، مدینہ منورہ میں شیخ علی متقی صاحب تنزیۃ الشریعۃ سے علم حدیث کی تحصیل کی۔

ان کے ساتھی شیخ عبداللہ تھے۔ انہوں نے بھی شیخ علی متقی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، شیخ علی متقی کے فیض صحبت سے یہ دونوں بزرگ یعنی شیخ رحمت اللہ اور شیخ عبداللہ بہت اونچے مقام پر پہونچ گئے تھے۔ طلبہ انہیں شیخین سے یاد کیا کرتے تھے۔

حجاز کے زمانہ قیام میں کسی کا ہدیہ شبہ کے خیال سے قبول نہ فرماتے تھے ترکی کے حکام اور سلطان عثمان کچھ رقم شیخ علی متقی برہانپوری کے پاس بھجوائے تاکہ وہ اُسے ارباب ضرورت اور علماء پر تقسیم کردیں، مگر شیخ رحمت اللہ اور شیخ عبداللہ اور شیخ عبدالوہاب متقی کے لئے قبول نہ فرمائے۔

شیخ رحمت اللہ نے سفر سے واپسی پر ۹۷۰ھ میں بعض مجبوریوں کی بنا پر احمد آباد میں قیام فرمالیا اور کئی سال تک درس وتدریس میں مشغول رہے۔ آخر عمر میں مریض ہوئے اور اسی حالت میں دوبارہ حجاز روانہ ہو گئے، مکہ معظمہ پہونچ کر تھوڑے ہی دنوں کے بعد ۹۹۳ھ میں انتقال فرمایا۔

شیخ رحمت اللہ نے مناسک حج میں دو رسالے لکھے اور ان میں سے جو اہم اور ضخیم ہے اس کا نام "جمع المناسک ونفع الناسک" ہے جس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

"الحمد للہ اکمل الحمد علیٰ ماھدٰنا الاسلام"

اس کتاب کی شرح نورالدین علی بن سلطان محمد قادری ہروی نے ۱۰۱۲ھ میں کی اور اس کا نام "المسلک المقسط فی النسک المتوسط" رکھا۔

دوسری تصنیف "لباب المناسک" ہے اس کی شرح ملا علی قاریؒ نے لکھی ہے جس کا نام "المسلک" ہے۔ اس کا تذکرہ چلپی نے کشف الظنون میں کیا ہے۔ شیخ علی بن محمد الخطیب کی مشہور کتاب تنزیہ الشریعۃ عن الاحادیث الموضوعۃ کی تلخیص بھی موصوف نے کی ہے۔

حضرمی نے النورالسافر میں ان کے ذکر میں لکھا ہے کہ علمائے عاملین اور عبادالصالحین میں سے تھے۔ بعض علماء نے آپکی تاریخ وفات حساب جمل کے مطابق "رحمت اللہ قد نال مرادہٗ" سے نکالی ہے اور اس میں دو عدد بڑھا دیئے ہیں۔ اہل فن کے یہاں اس میں کوئی قباحت نہیں بالخصوص جبکہ مناسب حال بھی ہو۔ آگے چل کر صاحب النورالسافر لکھتے ہیں کہ ہمارے محترم شیخ محمد بن عبداللطیف جامی مکی المشہور بہ مخدوم زادہ نے اپنے ایک قصیدہ میں ان کے مرثیہ میں لکھا ہے۔

رحمۃ اللہ لا تفارق مثوی　　رحمۃ اللہ بالمیاء الغمام

ترجمہ: اللہ کی رحمت تیری قبر سے دور نہ ہو، اور یہ رحمت تجھ پر ابر اور بارش کا سایہ رکھے۔

تنبیہ اول: ابن العماد حنبلی نے شذرات جلد ہشتم میں اس نام کے دو بزرگوں کا ذکر کیا ہے۔ آپ کا ذکر شیخ رحمت اللہ بن قاضی عبداللہ کے عنوان سے ہے، اور سن وفات ۹۷۸ھ ہے۔ دوسرے کا ذکر شیخ رحمت اللہ بن عبداللہ کے عنوان سے ہے۔ اور ان کا سن وفات ۹۹۳ھ ہے۔

ہم یہاں جن کا ذکر کر رہے ہیں وہ بھی دوسرے بزرگ ہیں اور حسب تصریح شیخ عبدالحق یہ قاضی عبداللہ سندھی کے صاحبزادے ہیں۔

تنبیہ دوم: شیخ عبدالقادر عیدروس نے "جمع المناسک ونفع الناسک" کو شیخ عبداللہ بن سعد اللہ کی تصنیف قرار دیا ہے، مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ جمع المناسک کے دیباچہ سے ظاہر ہے۔

جمع المناسک کے بارے میں شیخ علی متقی فرمایا کرتے تھے کہ:

"در مناسک حج بے عدیل و بے نظیر واقع شدہ است" [1]

النور السافر وغیرہ میں آپ کے حالات ذرا تفصیل سے اس طرح درج ہیں کہ: مولانا رحمت اللہ بن عبداللہ سندھی در یلہ سندھ میں پیدا ہوئے تھے۔ وہاں سے اپنے والد کے ساتھ گجرات اور پھر حجاز چلے گئے۔ مدینہ منورہ میں شیخ علی بن محمد بن عراق مصنف "تنزیہ الشریعۃ" سے حدیث کی سند لی۔ مدتوں درس و افادہ میں مصروف رہے، ہمیشہ زہد و عفاف کی زندگی بسر کی ان کی تصنیفات میں مناسک حج پر کئی رسالے ہیں، ملا علی قاری نے ان کی

---

[1] گلزار ابرار، نزھۃ الخواطر اردو ص۱۲۵، ۱۹۸، اعیان الحجاج ص۲۲۰۔

"منسک اوسط" (پشاور ۴۳۵) کی شرح "مسلک متقسط" کے نام سے لکھی۔

المناسك الصغير (برلن ۴۰۵۵)

راقم الحروف نے اس کتاب کا مخطوطہ برلن کی لائبریری میں دیکھا ہے۔ یہ کتاب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے مناسک حج سے متعلق ایک مختصر سی کتاب ہے۔ اس موضوع پر مصنف نے ایک ضخیم کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام "المناسک الکبیر" ہے۔ اور زیر تبصرہ کتاب اسی کا خلاصہ ہے۔ ایک اور تالیف "تنزیہ الشریعہ" کی تلخیص ہے۔

شیخ رحمت اللہ سندھی کی تصنیف "مجمع المناسک و نفع الناسک" (قاہرہ ۴/۲۷۰۔ سلیمانیہ ۴۱۲) کے متعدد قلمی نسخے دنیا کے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس کتاب میں انہوں نے اختصار اور جامعیت کے ساتھ فقہ حنفی کی رو سے فریضہ حج کے احکام اور مسائل بیان کیے ہیں۔ اس کتاب کی تصنیف سے وہ ۲۲ صفر ۹۵۰ھ بمطابق ۱۵۴۳ء میں فارغ ہوئے۔

اپنی کتاب کی اہمیت اور موضوع کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"لما كان الحج من اعظم الطاعات تكثرت في بابه المصنفات غيرات منها مايمل ومنها ما يخل وقد قصرت انهم عن المطولات فحد الى ذلك ان اجمع كتاباً وسطاً نا قلاً من الكتب المعتبرة المعتمدة"

چونکہ حج بڑی عبادات میں سے ایک ہے۔ اور اس کے بارے میں بہت سی کتابیں موجود ہیں۔ لیکن ان کتابوں میں بعض ملال اور خلل سے خالی نہیں۔ پھر

طویل کتابوں سے لوگوں کی ہمتیں بھی قاصر ہوگئی ہیں، سو اسی بات نے مجھے آمادہ کیا کہ میں ایک درمیانہ حجم کی ایسی کتاب تصنیف کروں جس میں حج کے متعلق تمام معتبر اور معتمد علیہ کتابوں کا مواد نقل کر دیا جائے۔

تیسری کتاب: لباب المناسک وعباب المسالک (ملاحظہ ہو معجم مخطوطات[۹۳۰]! بانکی پور ۶ / ۷ ۱، آصفیہ! ۱/ ۱۱۰۲) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص[۳۰۰]۔

آپ گجرات میں اخیر عمر میں بیمار رہنے لگے اس لئے مکہ معظمہ چلے گئے اور (۹۹۷ھ ۹۹۵ھ/ ۱۵۸۵ء ۱۵۸۶ء) میں مکہ معظمہ میں انتقال فرمایا۔ [۱]

---

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۱۲، النور السافر ص ۳۹۴، تاریخ ادبیات ص ۲۵۱، طبقات اکبری ج ۲ ص ۵۰۶۔

شیخ عبدالوہاب متقی
(وفات سنہ ۱۰۰۱ھ۔ سنہ ۱۵۹۲ء)

عبدالوہاب نام تھا، متقی لقب والد کا نام شیخ ولی اللہ تھا، اصل وطن مانڈو تھا ان کے والد ہندوستان کے اکابر صوفیاء صلحاء سے تھے۔ نیز مانڈو کے امراء میں سے تھے ترکِ وطن کرکے برہان پور آئے اور یہیں ان کا انتقال ہوا۔

شیخ عبدالوہاب نے ابتدائی تعلیم برہان پور میں حاصل کی بیس سال کی عمر میں سیاحت اختیار کی، گجرات احمدآباد، سیلون ہوتے ہوئے مکہ معظمہ پہونچے اور شیخ علی متقی کی خدمت میں بارہ سال رہ کر علوم و معرفت کا وافر حصہ حاصل کیا چونکہ آپ خوش نویس تھے اس لئے شیخ علی متقی نے آپ سے اپنی تمام تصنیفات لکھوائیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالوہاب ابھی کم سن تھے کہ والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اس سانحہ کا دل پر کچھ ایسا اثر پڑا کہ وطن کو خیرباد کہہ کر خانہ بدوشی اختیار کرلی۔ گجرات، دکن، لنکا، سراندیپ وغیرہ میں عرصہ تک سرگرم سیاحت رہے۔ عموماً کسی مقام پر تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرتے لیکن جب کوئی قبلۂ علم یا خضرِ طریقت مل جاتا تو اس کے آستانہ پر کچھ دنوں زیادہ قیام کرلیتے اس زمانے میں انہوں نے جس طرح اپنے دن گذارے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے وہ فرماتے تھے۔

> کتنی بار ہمارا کھانا اس طرح ہوا ہے کہ کوئی ساتھی چلا جاتا اور قصاب کی دکان کے آگے سے بے کار ہڈیاں اُٹھا لاتا اور گیہوں کے تنکے جو کھیتوں میں گرے پڑے رہتے تھے چن لاتا۔ ان ہڈیوں کو کوٹ کر اور اس گھاس کو پاک و صاف کرکے پکا لیا جاتا اور پھر یک جان کرکے پی لیتے تھے۔ آخر اہل شہر کو اس کی خبر ہوئی اور وہ کھانا لانے لگے تو ہم اس جگہ سے

منتقل ہو کر دوسری جگہ چلے گئے۔ [1]

اسی طرح سیاحت کرتے کرتے مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ یہ جمادی الاولیٰ ۹۶۳ھ/۱۵۵۵ء کا واقعہ ہے۔ اس وقت انکی عمر ۲۰ رسال تھی۔ مکہ مکرمہ میں اس وقت شیخ علی متقی مسند درس وافادہ پر متمکن تھے۔ دور دور تک ان کی شہرت تھی۔ وہ شیخ عبدالوہاب کے والد سے بھی واقف تھے۔ چنانچہ شیخ عبدالوہاب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان ہی کے ہو کر رہ گئے۔

جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب حیات شیخ عبدالحق میں لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالوہاب کا خط بہت صاف اور پاکیزہ تھا۔ شیخ علی متقی نے سب سے پہلے ان سے یہی کام لیا۔ جو شخص مدتوں صحرا نوردی کرتا رہا اس کی طبیعت میں یکسوئی پیدا کرنے کے لئے اس سے بہتر کوئی کام نہیں ہوسکتا تھا۔ شیخ عبدالوہاب نے بھی یہ کام دل وجان سے انجام دیا۔ شیخ علی متقی کی ایک کتاب بارہ ہزار سطروں کی تھی انہوں نے بارہ راتوں میں اس کی کتابت مکمل کردی۔ شیخ علی متقی نے جب ان کا یہ ذوق وشوق محنت اور جذبہ دیکھا تو ان کو اپنے اس نووارد شاگرد سے بہت خصوصیت پیدا ہوگئی۔ شیخ عبدالوہاب نے ان کے آستانے کو اس مضبوطی سے پکڑا کہ شیخ علی متقی کے انتقال تک وہیں جمے رہے۔ شیخ علی متقی کی وفات کے بعد بھی آپ ۲۶ رسال مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے اور وہاں ایسا مرکز علم قائم کیا کہ جس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ !

اس زمانے میں ان کے برابر علوم شرعیہ پر عبور رکھنے والے کم ہونگے۔ وہ ایک زندہ قاموس تھے سب کچھ انہیں یاد تھا۔ فقہ، حدیث کا بھی یہی حال تھا۔

---

[1] اخبار الاخیار ص۲۷۰۔

اور صرف و نحو و ادب بھی کفایت سے زیادہ جانتے تھے۔ برسوں تک حرم شریف میں ان علوم کا درس دیا۔ [1]

شیخ عبدالوہاب متقی ہندوستان کے ان عدیم المثال علمار حدیث و فقہ میں سے تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر ساری علمی دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ اور اپنے تبحر علمی کا سکہ اہل حجاز و یمن، مصر اور شام سے منوا یا تھا۔ شیخ محدث کا بیان ہے کہ!

> تمام اہل حرمین اور کل مشائخ یمن حاضراً و غائباً اور مشائخ مصر و شام جس نے بھی حضرت کو دیکھا ہے ان کا معتقد ہو گیا اور ان کی ولایت اور علو شان کا قائل ہو گیا۔ [2]

شیخ عبدالوہاب نے تقریباً ۴۰ حج کیے۔ شیخ علی متقی کے انتقال کے بعد واپس احمد آباد تشریف لائے مگر جب مہدویوں نے شرارت کی تو اسی سال واپس چلے گئے اور اس سال کا حج بھی فوت نہ ہوا۔

شیخ عبدالوہاب نے چالیس سال کی عمر تک نکاح نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد نکاح کیا۔ نکاح سے پہلے جو کچھ فتوحات یا کتابت کی اجرت آتی تھی سب درویشوں اور فقراء پر تقسیم کر دیتے تھے۔ نکاح کے بعد اہل و عیال کے حقوق کو مقدم رکھتے تھے لیکن پھر بھی محتاجوں کی مدد بدستور جاری رہی۔

شیخ عبدالوہاب نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو بڑی محبت سے علوم شریعت و طریقت کی تعلیم دے کر اپنا مجاز و خلیفہ بنایا۔ شیخ عبدالحق وطن کے ماحول سے بددل ہو کر حجاز چلے گئے تھے۔ ان کا واپسی کو بالکل جی نہیں چاہتا تھا لیکن استاد نے سختی سے ہدایت کی کہ تمہاری بوڑھی والدہ اور تمہارے بچے منتظر ہیں تمہیں

---

[1] اخبار الاخیار ص۲۶۵ [2] اخبار الاخیار

واپس جانا چاہیئے ۔ چنانچہ مجبور ہو کر وطن کا رخ کرنا پڑا ۔

شیخ عبدالحق تقریباً دو یا چار سال شیخ عبدالوہاب کی خدمت میں رہے ۔ حجاز سے واپسی سے پہلے شیخ عبدالوہاب نے انہیں حزب البحر کی مخصوص اجازت سے سرفراز فرمایا ۔ [1]

شاذلیہ سلسلہ میں دعائے حزب البحر کو بڑی اہمیت حاصل ہے ۔ دراصل دعائے حزب البحر شیخ ابوالحسن شاذلی کی تصنیف ہے ۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ 'عجائب الاسفار' میں اس کو نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ :

> جب شیخ ابوالحسن شاذلی حج فرمایا کرتے تھے تو براہ صعید مصر اور بحر جدہ ہو کر تشریف لے جایا کرتے ۔ اور کشتی پر سوار ہو کر یہ سفر ہوتا تو روزانہ اس دعائے حزب البحر کو پڑھ لیا کرتے چنانچہ آپ کے سلسلہ کے لوگ روزانہ اب تک اس کا ورد رکھتے ہیں ۔ [2]

بہر حال جب شیخ عبدالحق نے اس دعا کو نقل کرنا شروع کیا تو مکہ کے ایک عالم شیخ علاؤالدین نامی آ گئے ۔ پوچھا کیا لکھ رہے ہو ۔ بتایا کہ حزب البحر کشتی پر سوار ہونے کے وقت پڑھونگا ۔ پوچھا کہ حزب البحر کی اجازت حاصل ہے ۔ شیخ عبدالحق نے فرمایا جی ہاں شیخ عبدالوہاب متقی سے اجازت حاصل ہے ۔ پوچھا کہ شیخ عبدالوہاب سے شناسائی ہے فرمایا ہاں تو شیخ علاؤالدین نے فرمایا کہ مبارکباد تمہارا حج مبرور اور عمل مقبول ہے ۔ شیخ عبدالحق نے پوچھا کیسے ۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے یمن کا سفر کیا اور وہاں کے تمام مشائخ و فقراء شیخ عبدالوہاب کی مدح و ثنا میں متفق ہیں نیز سب کو یہ کہتے سنا ہے کہ شیخ عبدالوہاب مکہ کے قطب ہیں ۔

---

[1] زاد المتقین [2] عجائب الاسفار صفحہ ۲/۱ ۔

شیخ عبدالوہاب نے اپنے پیرومرشد شیخ علی متقی سے چشتیہ، قادریہ، شاذلیہ اور مدنیہ سلاسل میں اجازت پائی تھی۔ چنانچہ شیخ عبدالحق کو بھی ان چاروں سلسلوں میں خلافت سے نوازا۔

یہاں پر اخبار الاخیار سے شیخ عبدالوہاب کے ملفوظات وکرامات میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک ایسے دور میں جبکہ علماء نے تکفیر و تذلیل کو اہم ترین فرض سمجھ رکھا تھا۔ شیخ عبدالوہاب متقی کا خیال یہ تھا کہ!

جس کو دیکھو کلمہ پڑھتا ہے اور اس پر یقین رکھتا ہے تو اگر اس سے ایسے کلمات صادر ہوں تو اس کو معذور رکھو اور اس کی تکفیر و تشنیع نہ کرو۔ اور اس کو ملحد نہ بتاؤ [1]

سماع کے متعلق جو اس زمانہ کا نہایت اختلافی مسئلہ تھا شیخ عبدالوہاب کا رویہ یہ تھا کہ!

"نہ مریدین کے کرنے سے راضی ہیں اور نہ مشائخ کے فعل کے منکر۔ [2]

شیخ عبدالحق فرماتے ہیں!

"ایک بار جعرانہ سے احرام باندھ کر عمرہ کرنے کا تذکرہ ہوا تو فرمایا کہ اگر وہاں جانے کی توفیق ہو تو پہاڑ میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام و نزول فرمایا تھا اس جگہ سے غافل نہ رہنا۔ اور فرماتے تھے کہ قسمت یاوری کرے تو اس مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت میسر ہے۔ ایک دفعہ ہم وہاں سو گئے تھے جب جب آنکھ جھپکتی تھی حضور کا جمال جہاں آرا نظر میں ہوتا تھا ایک مرتبہ سو سے زیادہ مرتبہ یہ سعادت حاصل ہوئی۔ شیخ عبدالوہاب اس عمرہ کے لئے بہت جاتے تھے اور

---

[1] اخبار الاخیار صفحہ ۲۷۶ [2] ایضاً۔

روزہ رکھے ہوئے ننگے پاؤں جاتے تھے ۔ [1]

شیخ عبدالحق لکھتے ہیں کہ :

ایک مرتبہ شیخ عبدالوہاب نے فرمایا کہ ایک بار میں بچپن میں والد کے ہمراہ سفر میں تھا ۔ اثنائے سفر میں ہم راستہ بھول گئے اور ایک صحرائے لق و دق میں پہنچ گئے آب و گیاہ کا نام و نشان تک بھی نہ تھا ہمارے پاس کھانے پینے کے لیئے کچھ بھی نہ تھا ۔ میں بھوک اور پیاس کی شدت سے رونے لگا والد دلداری کرتے تھے کہ صبر کرو ابھی کھانا آتا ہے ۔ اسی حالت میں رات ہوگئی ہم وحشی جانوروں سے بچنے کے لیئے ایک درخت پر چڑھ گئے ۔ اسی کشمکش میں رات کاٹی علی الصبح ہم کیا دیکھتے ہیں کہ اسی درخت کے نیچے میٹھے پانی کا ایک چشمہ جاری ہے اور قریب ہی ایک نورانی صورت بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں ۔ ہم درخت سے اترے انہوں نے ہمیں گرم گرم روٹیاں نکال کر دیں ہم نے کھائیں اور اس چشمہ سے پانی پیا ان بزرگ نے کہا یہاں قریب ہی ایک گاؤں ہے وہاں چلے جاؤ ہم اس گاؤں میں چلے گئے ۔ کچھ عرصہ آرام کیا ۔ مجھے وہ چشمہ دیکھنے کا پھر شوق ہوا اس جگہ پر آیا تو دیکھا وہاں نہ وہ چشمہ ہے نہ وہ بزرگ ۔ میں حیران رہ گیا شاید وہ بزرگ حضرت خضر ہونگے ۔

شیخ اپنے سفر کا ایک قصہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم دیار مالابار میں پہنچے قاضی شہر شافعی مذہب عبدالعزیز نامی تھا ۔ درویشوں کی بڑی خدمت کرتا تھا ۔ ہمیں بھی درویش سمجھ کر بڑی محبت و عقیدت کے ساتھ پیش آیا میں نے اس سے پوچھا ۔ کیا اس شہر میں کوئی مرد

---

[1] اخبار الاخیار ۔

مرد درویش ہے کہا کیوں نہیں رضا خوارق وکرامات درویش ہے ۔ عوام بھی اس کے بڑے معتقد ہیں ۔ مگر بظاہر ارتکاب نواہی کرتا ہے خود شراب پیتا ہے دوسروں کو بھی پلاتا ہے ۔ اسوجہ سے میں بھی اس سے خوش نہیں ہوں ۔ دوسرے روز میں اس شخص کو دیکھنے کے لئے گیا ۔ دیکھا کہ ایک اونچی جگہ پر بیٹھا ہے ۔ اردگرد لوگوں کا ہجوم ہے ۔ میں جب اس کے قریب پہنچا تو اسنے مجھے مرحبا کہا اور بڑا خوش ہوا مجھے شراب پینے کے لئے کہا ۔ میں نے انکار کیا وہ اصرار کرتا رہا اور میں انکار میں تنگ آ کر کہنے لگا اچھا نہیں پیتے تو نہ پیو ۔ دیکھو اب تمہارے ساتھ کیا پیش آتا ہے ۔ میں یہ سنکر بڑا پریشان ہوا اور اسکی مجلس سے آگیا ۔ اسی رات خواب دیکھتا ہوں کہ بڑا پر لطف نظارہ ہے اور عجیب و غریب باغ ہے چاہا کہ اندر جاؤں لیکن دیکھا کہ دروازے پر ہی وہ مرد شراب خوار کھڑا اپنے ہاتھ میں شراب کا پیالہ ہے ۔ کہتا ہے پہلے یہ شراب پی لو پھر باغ کے اندر جانے کی اجازت ہو گی ۔ اسی اثنا میں بیدار ہو گیا اور لاحول پڑھا پھر سو گیا پھر وہی کیفیت ۔ پھر اٹھا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی درگاہ میں التجا کی پھر سو گیا تو دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تخت پر تشریف فرما ہیں ۔ دست مبارک میں عصا ہے اور میں حضور کے روبرو حاضر ہوں ۔ اسی وقت وہ مرد شراب خوار حاضر ہو گیا ۔ آپ نے اس کی طرف عصا پھینک کر فرمایا ، ہٹ جا نامبارک کتے ، اسی وقت اس کی صورت مسخ ہو کر کتے کی ہو گئی ۔ وہ وہاں سے بھاگا ۔ پھر مجھ فقیر سے مخاطب ہو کر فرمایا اس وقت میں نے اسے یہاں سے نکال دیا ہے اب شہر میں نہیں رہے گا ۔ میں بیدار ہو کر وہاں گیا دیکھا کہ وہاں کوئی بھی نہیں ہے اور وہ راتوں رات بھاگ گیا ۔

شیخ عبدالوہاب متقی کی وفات ۱۰۰۱ھ/۱۵۹۲ء میں ہوئی مزار مکہ مکرمہ میں ہے قدس اللہ سرہٗ [1]

مخدوم جیو قادریؒ سے شیخ عبدالوہاب متقی کی عقیدت

(آپ ز مخدوم جیو قادری)

حیدرآباد دکن کے ضلع بیدر میں رہا کرتے تھے، بہت ہی ضعیف دبلے پتلے، عبادت گذار، بابرکت، عالی ہمت اور عظیم الشان بزرگ تھے۔ مالداروں کی جانب بالکل متوجہ نہ ہوتے۔ اور عام طور سے لوگوں سے بے نیاز تھے۔ حضرت شیخ عبدالوہاب متقی فرماتے تھے اگرچہ مخدوم جیو قادری میں کمزوری کی وجہ سے کھڑے ہونے کی طاقت نہ تھی۔ لیکن رات کو بڑی دیر تک کھڑے ہوکر نفل پڑھا کرتے شیخ عبدالوہاب یہ بھی کہتے تھے کہ مخدوم جی قادری ہم سے زیادہ عالم، اسلامی احکام کی تعمیل کرنے والے متقی و پرہیز گار تھے۔ ہم اور وہ ایک عرصہ تک ساتھ رہے۔ ممکن تھا کہ میں ان کا مرید ہو جاتا لیکن میری قسمت میں تو شیخ علی متقی سے بیعت ہونا تھا۔ مخدوم جیو قادری نے ۱۰۰۰ھ/۱۵۹۱ء کے وسط میں وفات پائی۔ [2]

خاتمہ مرآت احمدی میں لکھا ہے کہ:

شیخ عبدالوہاب بن ولی اللہ متقی قادری حنفی مندوی۔ آپ شیخ علی متقی کے مرید اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مرشد تھے۔ آپ کی ولادت مندو میں ہے آپ کے والد محترم مندو کے اکابر بزرگوں میں سے تھے اور برہانپور میں مقیم ہو گئے تھے اور حوادث کی بنا پر مندو کو چھوڑ دیا تھا شیخ کے والدین صغرسنی میں وفات پا چکے تھے آپ نے طفولیت ہی سے راہ حق کی طلب اور حق کی تلاش شروع کر دی تھی فقر و تجرید کے راستے میں بہت تکالیف اٹھائیں اور سفر کئے۔

---

[1] تذکرہ قاریان [2] اخبار الاخیار ص۵۵۹

اس کے لئے آپ نے گجرات کے علاقوں کے علاوہ دکن سیلون سراندیب، سری لنکا، وغیرہ کو چھان مارا۔ انتیس[29] سال کی عمر میں مکہ مکرمہ پہنچے، شیخ علی متقی ان کے پہنچنے پر خبر سے بہت ہی زیادہ مسرور ہوئے اس لئے کہ ان کے والد محترم کے ساتھ آپ کو پہلے سے محبت اور تعلق تھا۔ اس محبت اور تعلق کی بنا پر آپ کی آمد کی خبر سنکر آپ کی زیارت اور ملاقات کے ارادے سے خود تشریف لے گئے اور ان پر بہت شفقت فرمائی۔ اور اپنے ساتھ ہی رہنے کو فرمایا۔ شروع میں شیخ عبدالوہاب نے استغنار اور بے نیازی کی بنا پر قبول نہیں کیا مگر بالآخر شیخ کے فضل وکمال کو مشاہدہ کر کے انکی صحبت اختیار کر لی۔ اور شیخ کی تالیفات کی کتابت اور اس کی تصحیح مقابلہ وغیرہ میں مشغول ہوئے ان کے یہاں شیخ عبدالوہاب نے اس قدر کتابت کی کہ بعض اوقات ایک ایک رات میں ایک ایک ہزار بیت کی کتابت کی اور دن کی کتابت اس کے علاوہ ہوتی۔ یہ صرف رات کی کتابت ہوتی۔ شیخ علی متقی کی اتباع اور آپ کی رضا کے حصول میں آپ نے اس قدر کوشش کی کہ جس کو فنا فی الشیخ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ بارہ سال شیخ علی متقی کی خدمت میں رہے۔ چوالیس[44] آپ نے حج کئے کہ یہی آپ کی مکہ مکرمہ کی مدتِ اقامت ہے۔ شیخ علی متقی کی رحلت کے بعد صلہ رحمی کی حق ادائیگی کے لئے آپ برہانپور اپنے شہر ایک دفعہ تشریف لائے مگر جماعت مہدویہ کے شر کی بنا پر جن کو شیخ سے پرانی عداوت تھی اسی سال مکہ معظمہ واپس لوٹ گئے اور اس سال کا حج بھی آپ کا فوت نہ ہوا نہ صرف اہل حرمین بلکہ یمن، مصر، شام کے تمام مشائخ آپ کے علوشان اور بزرگی اور ولایت پر متفق تھے۔ [1]

---

[1] خاتمہ مرآت احمدی ص۸۸۔

شیخ اولیاء بن شیخ سراج

دنیا سے محویت آپ کی عادت تھی، مالی فربہی کو حرام سمجھتے تھے اور جو شئی ہاتھ پڑجاتی تھی وہ حاجت مندوں کو دیدیا کرتے تھے۔ کالپی سے اجین جاکر بود و باش اختیار فرمائی ستر سال کی عمر میں سفر حجاز پر روانہ ہوئے اور مکہ مکرمہ میں انتقال فرمایا۔

آپ نے تین لڑکے چھوڑے شیخ قطب الدین، شیخ مودود اور شیخ نظام درمیانی صاحبزادے نے شیخ علی متقی کے خلیفہ شیخ عبدالوہاب کی خدمت میں التزام کرکے علم حدیث کی تحصیل کی اور ان سے تلقین پائی۔ [1]

سید ابراہیم غیاث پوری

شیخ علی متقی کے شاگرد

سید ابراہیم غیاث پوری بھی حدیث کے جید عالم تھے۔ انہوں نے مصر جاکر محمد بکری شافعی سے تفسیر و حدیث کی تحصیل کی۔ اور مدت تک ان کی خدمت میں رہے اس کے بعد مکہ معظمہ میں علامہ شیخ علی متقی سے استفادہ کیا ۹۷۸ھ/ (۱۵۷۰ء) میں ہندوستان واپس آئے اور اجین میں بود و باش اختیار کی۔ ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ء) تک بقید حیات تھے۔ [2]

---

[1] گلزار ابرار ص ۲۴۸،۲۴۷۔ [2] مقالات عرشی ص ۱۱۔

خواجہ نظام الدین احمد بخشی

مؤلف: طبقات اکبر شاہی -

وفات ۱۰۰۳ھ - ۱۵۹۴ء

آپ کے آبار واجداد کا تعلق ھرات سے تھا۔ والد ماجد کا اسم گرامی خواجہ محمد مقیم تھا۔ جو بابر کی فوج میں شامل ہو کر ھندوستان آئے تھے اور پانی پت کی پہلی جنگ ۱۵۲۶ء میں حصہ لیا تھا۔ بابر کے قریبی زعمار میں سے تھے۔ پھر ہمایون کے عمائدین سلطنت میں بھی شامل رہے۔ اور مختلف مناصب پر فائز رہے۔

شروع ہی سے آپ کو تاریخ نویسی اور وقائع نگاری کے مقابلہ میں دلچسپی رہتی تھی جن کے لئے آپ تاریخ کا مطالعہ کرتے رہتے۔

مرزا خواجہ نظام الدین احمد ۹۵۸ھ مطابق ۱۵۵۱ء میں اکبرآباد میں پیدا ہوئے باپ کے زیر سایہ تربیت پائی۔ آپ کے اساتذہ میں ملا علی شیر کا نام ملتا ہے جو اپنے زمانہ کے ایک فاضل اور شیخ فیضی مؤلف اکبر نامہ کے والد تھے۔

خواجہ نظام الدین احمد نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی شعر و ادب سے بھی ذوق تھا گجرات بخشی ہونے کے باوجود علمار کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کرتے تھے ملا حسن علی موصلی مشہور فاضل جب گجرات پہونچے تو خواجہ نظام الدین احمد اور ان کے بیٹے محمد شریف نے ان سے استفادہ کیا۔

ملا عبدالقادر بدایونی نے ایک واقعہ لکھا ہے جس سے خواجہ نظام الدین کے اہل علم سے بے تکلفی و علمی جستجو کا اندازہ ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں کہ۔

ملا عالم کابلی ایک دن فتح پور میں مجھے اور مرزا نظام الدین احمد کو صبح کے وقت زبردستی اپنے مکان پر لے گئے اور وہاں انہوں نے ایک معجون کھلائی جس سے بھوک لگی اور کھانے کی خواہش بڑھتی چلی گئی۔ پھر اپنی کتابیں دکھانی شروع کیں۔ صبح سے دوپہر تک ہم دونوں نے بھوک کی مصیبت اٹھائی۔ آخر مرزا نظام الدین نے کہا کچھ کھانے کو ہو تو لاؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں سمجھا تھا کہ آپ کھانا کھا کر آئے ہونگے۔ سے

خواجہ نظام الدین احمد کی علم تاریخ کے سلسلہ کی تربیت اس طریقے پر ہوئی کہ انکے والد نے انہیں تاریخی کتب پڑھنے کا حکم دیا جس کی بناپر بعد میں خواجہ نظام الدین کو علم تاریخ سے خاص مناسبت پیدا ہوگئی۔ جس کا نتیجہ طبقات اکبری کی صورت میں ظاہر ہوا اس کتاب کی تین جلدیں ہیں۔ پہلی میں غزنویوں سے سلاطین دہلی تک کے حالات دوسری میں بابر سے اکبر تک۔ تیسری میں دکن، گجرات، بنگالہ، جونپور، مالوہ کشمیر سندھ، ملتان کے حکمرانوں کی تاریخ ہے۔ یہ کتاب ۱۰۰۲ھ میں مکمل ہوئی۔ ے

اکبر بادشاہ نے ان کو تاریخ الفی کے مؤلفین میں شامل کیا۔ خواجہ نظام الدین علوم شرعیہ میں بھی پوری دسترس رکھتے تھے۔ چنانچہ انکی معلومات کے ذخیرہ کی بنیاد پر ملا عبدالقادر کی مشہور کتاب نجات الرشید وجود میں آئی۔ تصوف سے بھی تعلق تھا اور مشائخ وصوفیاء سے ارادت وعقیدت سے پیش آتے تھے۔

جب خواجہ نظام الدین سن رشد کو پہنچے تو شاہی ملازمت میں آئے۔ ذخیرۃ الخوانین کے مؤلف شیخ فرید بھکری نے لکھا ہے کہ وہ شروع میں اکبر بادشاہ کے دیوان حضور رہے

سے ظہیر الدین بابر مسلمانوں وہندو مؤرخین کی نظر میں صـ ۱۶۲

ے طبقات اکبری ج ۲۔

خواجہ صاحب آگرہ میں سید جلال قادری کے قریب رہتے تھے۔ [1]
۹۹۱ھ میں مرزا نظام الدین احمد گجرات میں بخشی مقرر ہوئے چنانچہ انہوں نے خود لکھا ہے کہ ۔

اکبر بادشاہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اعتماد خاں نے برسوں گجرات پر حکومت کی ہے وہ گجرات کو آباد رکھنے کے طریقے دوسروں سے بہتر جانتا ہوگا اگر گجرات پر اس کو حاکم بنا دیا جائے تو ان شہروں کے حکام کی امیدواری کا سبب ہوگا جو ابھی قبضہ میں نہیں آئے چنانچہ گجرات کی حکومت اعتماد خاں کے سپرد کر دی گئی میر ابو تراب کو امین بنایا گیا۔ ملا عبد القادر آخوند کے بھائی خواجہ ابوالقاسم کو دیوانی منصب عطا ہوا۔ اور راس کترین بندہ نظام الدین احمد مولف تاریخ کو بخشی گری کی خدمت پر مقرر کیا یہ عہدہ آپ کو اکبر کے انتیسویں سال جلوس میں ملا۔[2]

گجرات کی نظامت شہاب الدین کی بجائے اعتماد خاں کے سپرد ہوئی اس بات سے شہاب الدین نہ صرف ناراض ہوا بلکہ اس نے بغاوت کر دی۔ دوسرے لوگ بھی اس کے ساتھ شریک ہو کر مظفر شاہ گجراتی کے پاس پہنچے۔ اعتماد خاں اور خواجہ نظام الدین احمد نے اس شورش کو رفع کرنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔

۹۹۱ھ میں مظفر شاہ گجراتی لشکر لے کر دھولقہ آ گیا۔ اس وقت اعتماد خاں اور خواجہ نظام الدین احمد شہاب الدین کو فہمائش کر کے واپس لانے کے لئے گئے ہوئے تھے۔ شہر کی حفاظت اعتماد خاں کا بیٹا شیر خاں خواجہ نظام الدین کا بیٹا محمد شریف اور میر معصوم کر رہے تھے۔ مظفر شاہ کے لشکر نے مغلیہ فوج سے مقابلہ کی کوشش کی اب شہاب الدین نے مغلوں کی طرف سے غیر معمولی طرفداری کا اظہار کیا

---

[1] طبقات اکبری ج ۲

مگر ناکامی ہوئی۔

اس ہنگامہ کے بعد مظفر شاہ کے ایک جنرل شیر خاں فولادی کو دو ہزار سپاہیوں کے ایک دستہ سے خواجہ نظام الدین احمد نے بری طرح شکست دی۔ شیر خاں سیدھا احمدآباد کی طرف روانہ ہوگیا۔ اعتماد خاں اور نظام الدین احمد نے احمدآباد دوبارہ فتح کرنے کی کوشش کی لیکن فوج کی کمی کے باعث وہ کامیاب نہ ہو سکے۔

چنانچہ اس مہم کو کامیاب بنانے کے لئے مرزا عبدالرحیم خانِ خاناں مقرر ہوئے سرکھیج کے میدان میں زبردست مقابلہ ہوا مغلوں کو فتح نصیب ہوئی اور گجرات پر ان کا قبضہ ہوگیا۔ اس مواقع پر خواجہ نظام الدّین احمد نے نہایت جرأت وبہادری اور قابلیت وحکمتِ عملی کا ثبوت دیا۔[1]

ان معرکہ آرائیوں میں مرزا عبدالرحیم خانخاناں نے اکثر مواقع پر خواجہ نظام الدین احمد سے مشورہ کیا ہے۔ واضح رہے کہ خواجہ نظام الدّین احمد مرزا عبدالرحیم کے ماموں تھے۔

بہرحال ان معرکوں کے دوران مظفر شاہ گجراتی نے بعض زمینداروں کی مدد سے قلعہ جوناگڑھ کا محاصرہ کرلیا۔ چنانچہ خواجہ نظام الدین احمد سورت گئے اور انہوں نے مظفر شاہ گجراتی کو شکست دی یہ واقعہ آخر رجب ۹۹۲ھ کا ہے۔

۹۹۵ھ میں گجرات کی حکومت مرزا عزیز کوکلتاش مخاطب بہ اعظم خاں کو ملی اور خانخاناں کو جونپور اور شہاب الدین کو مالوہ ملا۔

محرم کی بیسویں تاریخ ۹۹۸ھ کو اکبر بادشاہ کابل سے روانہ ہو کر لاہور پہنچا اور خواجہ نظام الدین احمد کو بادشاہ نے اپنے پاس بلایا۔ ۱۴ر جمادی الاخری ۹۹۸ھ کو لاہور میں

---

[1] طبقات اکبری ج ۱۔

جشن نو روز منعقد ہوا ۔ نو روز کے تیسرے دن خواجہ نظام الدین احمد ستر سواروں کی ایک جمعیت کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے لاہور پہنچے ۔ انہوں نے چھ سو کوس کا راستہ صرف بارہ دن میں طے کیا ۔ [1] چونکہ یہ ایک عجیب بات تھی اس لئے بادشاہ (اکبر) نے ان پر بہت عنایات کیں اور ان کے مرتبہ اور اعتبار میں اضافہ کیا ۔ ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ گجرات میں نظام الدین احمد نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے ۔

خواجہ نظام الدّین احمد کا قیام گجرات میں کم و بیش آٹھ سال رہا ۔ اسی زمانہ میں انہوں نے طبقات اکبری تالیف فرمائی جو ۱۰۰۲ھ میں مکمل ہوئی ۔ خواجہ نظام الدین احمد باحوصلہ امیر تھے ۔ اعلیٰ اخلاق وکردار کے مالک ، علم دوست اور ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے ۔ اکبری دور کی بے دینی و الحاد سے متنفر تھے ۔

بلکہ آپ نے اس بے دینی کے خلاف ایک کتاب لکھنے کے لئے چند یاد داشتیں جمع کیں لیکن کتاب نہ لکھ سکے ۔ انہیں یادداشتوں کی بنیاد پر ملا عبدالقادر بدایونی نے نجات الرشید لکھی ۔ اس کتاب کے چند عنوان ملاحظہ ہوں ۔

اصرار بر معصیت ، شرب خمر ، افترا بر خدا ، ترک صلوٰۃ ، ترک زکوٰۃ ، اہانت انبیاء ، اہانت ملائکہ ، دروغ بر رسول ، بت پرستی ، آفتاب پرستی ، تعظیم کواکب ، غلو در علم فلاسفہ کردن ، الحاد ، سب صحابہ ، سجدہ لغیر اللہ ، معنی قرآن بے علم گفتن ، تراشیدن ریش ، نکاح متعہ کردن ، ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں ان مسائل و موضوعات کو تفصیل سے لکھا ہے ۔

مرزا نظام الدین کے بہت لوگوں کے ساتھ اچھے اور گہرے تعلقات تھے شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے تو بے حد خلوص و محبت کے تعلقات تھے ۔ ابتدائی زمانہ میں شیخ محدث رح

---

[1] طبقات اکبری ج ۱ ۔

فتح پور سیکری میں ان کے پاس ٹھیرے تھے ۔ پھر جب وہ ایک جذبہ کے ماتحت یک لخت بیت اللہ کی طرف چل کھڑے ہوئے تو مرزا صاحب ہی نے ان کے لئے زاد راہ کا انتظام کیا تھا اور نہایت خاطر مدارات سے ان کو احمد آباد میں اپنے یہاں سال بھر ٹھیرایا تھا [۱]

۱۵۹۴ء/۱۰۰۳ھ میں جب اکبر شکار کے لئے نکلے تو آپ ان کے ہمراہ تھے ۔ "شاہم علی" کے قریب ان کو بخار ہوگیا ۔ ان کے بیٹے ان کو لاہور لے گئے لیکن آپ دریائے راوی کے کنارے پہنچ کر وفات پا گئے ۔

آپنے ۲۲ر صفر ۱۰۰۳ھ بمطابق ۲۸ر اکتوبر ۱۵۹۴ء کو ۴۵ر سال کی عمر میں خواجہ صاحب نے اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی ۔

خواجہ نظام الدین کا لاہور میں ایک وسیع وعریض نہایت خوبصورت ذاتی باغ تھا اس کے گوشہ میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا [۲]

بدایونی نے لکھا ہے کہ کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو ان کے غم میں پرنم نہ ہوئی ہو ۔ بقول شاہنواز خاں خواجہ نظام الدین راستی و درستی میں بے مثل اور کارگزاری ومعاملہ فہمی میں اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے ۔ [۳]

طبقات اکبر شاہی کے متعلق

خواجہ نظام الدین احمد نے ۱۵۹۳ء/۱۰۰۱ھ میں لکھی ۔ اس کی تاریخ تصنیف لفظ "نظامی" سے نکلتی ہے ۔ کتاب کا نام طبقات اکبر شاہی ہے ، لیکن زیادہ تر "طبقات اکبری" کے نام سے مشہور ہے ۔ یہ سبکتگین کے دور (۹۷۷ء تا ۱۵۹۴ء)

---

۱ حیات شیخ عبدالحق ۲ ترجمہ طبقات اکبری ص ۹ ۔ ۳ تاریخ ادبیات فارسی ادب ص ۴۹۴ ج ۱

۹۶۳ھ تا ۱۰۰۱ھ تک کے حالات پر مشتمل، ہندوستان کی ایک نہایت اہم سنجیدہ اور مستند تاریخ ہے۔ جس میں برصغیر کے تمام علاقوں کی علاحدہ علاحدہ تاریخ لکھ کر اس کا اختتام اکبر کی فتوحات پر کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ پہلی تاریخ ہے جس میں یہاں کے بادشاہوں کا ذکر اس قدر تفصیل سے آیا ہے۔ مؤلف نے واقعات کی تحقیق میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ یہ کتاب اس لحاظ سے اور بھی مفید اور اہم ہے کہ اس میں اکبری دور کے حکماء، علماء، فضلاء، اور شعراء، وغیرہ کا تذکرہ بھی ہے۔ بعد میں آنے والے مؤرخین نے اس سے بہت استفادہ کیا ہے۔ انداز تحریر سادہ اور رواں ہے۔

اکبر کی فتوحات اور نظم ونسق کے بارے میں اطلاعات کے علاوہ اس دور کے عجیب وغریب واقعات اور کہیں کہیں معاشرتی اور عمرانی حالات بھی آگئے ہیں اور کہیں کہیں اشعار سے عبارت کو آراستہ کیا گیا ہے۔ [۱]

شیخ حسن علی موصلی

آپ فتح اللہ شیرازی کے شاگرد تھے۔ شاہی ملازمت میں داخل ہوئے تو ان کو شہزادہ سلیم کی تعلیم کے لئے مامور کیا گیا۔ آپ شہزادہ کو فارسی اور علم حکمت پڑھاتے تھے۔ ملا عبدالقادر بدایونی کا بیان ہے کہ شیخ ابوالفضل نے اُن سے خفیہ طور سے ریاضی، طبعیات اور حکمت کی تعلیم حاصل کی اور ان علوم کے دقائق وغوامض معلوم کئے۔ لیکن ابوالفضل نے کبھی ان کی تعظیم نہیں کی۔

ملا صاحب کا یہ بھی بیان ہے کہ دربار کے طور طریقے بدلے تو وہ ملازمت سے علیحدہ ہوکر گجرات چلے گئے۔ جہاں طبقات اکبری کے مصنف مرزا نظام الدین احمد

---

[۱] تاریخ ادبیات فارسی ادب صفحہ $\frac{۴۹۴}{۱ج}$ ۔

کی صحبت میں رہے ۔ انہوں نے اور ان کے لڑکے محمد شریف نے ان سے عقلی علوم میں استفادہ کیا ۔ فتح اللہ شیرازی کی وفات ہوئی تو ابوالفضل نے ان سے کہا کہ علم وفضل کے لحاظ سے ان کے جانشین شیخ حسن علی موصلی ہی ہو سکتے ہیں ۔

شاہی فرمان بھیج کر ان کو بلایا گیا اور جب وہ لاہور اکبر کے دربار میں پہنچے تو وہ کسی بہانہ سے اپنے وطن چلے گئے اور جب ان کو پھر طلب کیا گیا تو انہوں نے کہلا بھیجا ۔ الحمدللہ میں نے اپنے منافق دوستوں سے چھٹکارا حاصل کر لیا ہے ۔ انشاء اللہ اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاؤں گا ۔ [1]

میر محوی
(م ۹۸۰ھ)

نظام الدین بخشی کے دوست تھے ، مرزا خانِ خاناں کے پاس گجرات میں قیام رہا انہی کی تربیت و مدد سے حجاز گئے ۔ یہ ان کے اشعار ہیں ۔ [2]

تا زلف بروئے ہمچو مہ خواہد بود!
تا خطِ حسن را سپہ خواہد بود
گر خانہ زخشت آفتابم سازند
روزی من بیچارہ سیہ خواہد بود
محوی کہ زکوئے عقل بیرون می گشت
آوارہ تر از ہزار مجنوں می گشت!
دور از تو دو رہ دیدم آں گمشدہ را
در بادیہ کرباد در خوں می گشت

---

[1] مآثر الامراء ص۴۲۴ ، ۲ ، ۳ ، منتخب التواریخ ص۳۲۶ ۔

من جان و دل حزیں نمی دانستم
من گریۂ آتشیں نمی دانستم!
بے نام بمن گزاشتی و نہ نشاں
اے عشق ترا چنیں نمی دانستم [1]

مُلّا حالتی [2]

دوست نظام الدین بخشی

ایک مدت تک بخشی (نظام الدین احمد) کے ہمراہ گجرات میں رہے، یہ آپکے اشعار ہیں۔

پیغام دوست داغ جگر تازہ می کند
دردِ و داغ درنج وسفر تازہ می کند
عاشق رخ خویش برد ت سود و برفت
واں مہر کہ در رشت باتو بنمودہ برفت
یک شب بہزار حیلہ در بزم وصال
پروانہ شمع دیدہ بکشود و برفت [3]

---

[1] طبقات اکبری ج ۲ ص۵۴۳ ۔ تذکرۃ الشعراء میں نام میر محمد اور دوسرے تذکرہ توضیحات ص۴۸ میں میر محمد یوسف المتوفی ۹۸۰ھ ہے۔

[2] بدایونی منتخب التواریخ ص۲۸۹ میں "حیاتی" اور تذکرۃ الشعراء ص۳ میں "حالتی" دیا ہے۔ [3] طبقات اکبری ص۵۵۹

صرفی ساوجی[1]

رفیق نظام الدین بخشی

کچھ عرصہ گجرات میں خواجہ نظام الدین احمد کے ساتھ رہے تھے۔ پھر آپ لاہور چلے آئے۔ درویشانہ وضع میں رہتے تھے۔ جس زمانہ میں فیضی دکن پر مامور ہو کر گیا تھا آپ بھی اس کے ساتھ تھے۔ آپ نے دکن ہی میں وفات پائی اپنی یادگار ایک دیوان چھوڑ گئے۔ قصیدہ و غزل میں خاص رنگ اور طرز کے مالک تھے۔

زراہ کعبہ ممنوعم وگرنہ میفرستادم
کف پائے بزحمت چینئ خارِ مغیلانش

گل فروشی من کہ خواہد گل بہا زار آورد
باید اوّل تاب غوغائے خریدار آورد

گرم خواہی بسوزی آتش رخسار روشن کن
کہ از خاکسترِ من تا قیامت نور برخیزد [2]

بقائی

رفیق نظام الدین بخشی

آپ ولایت ایران سے آئے ہوئے تھے، دکن میں ملک قمی شاعر کے ساتھ رہنے لگے وہاں سے گجرات پہنچے اور مرزا نظام الدین کے ساتھ رہنے لگے، پہلے آپ کا تخلص

[1] تذکرۃ الشعراء ص۲۱۲ میں مولانا ناصر ساوجی لکھا ہوا ہے [2] منتخب التواریخ ص۷۹ طبقات اکبری ص ۵۴۲/۲ج

مشغولی تھا، مرزا نے بدل کر تقائی رکھ دیا۔

آپ کے اشعار میں ایک کیفیت پائی جاتی ہے، آپ کے حالات باوضع ومتوازن ہیں۔

تا عشق زمژگاں بتاں نیشتر آورد!
خون از رگ واز ریشۂ من جوش برآورد

فریاد کہ تا چشم زدن تیر خیالش
در رویدفر و رفت وسر از دل برآورد

بجائے اشک از چشم دل افگار می بارد
ہمہ خون جگر زیں ابر آتش بار می بارد

مرغ دل تا صید چشم او شکار انداز بود
برسر مو بر سرم چوں مرغ در پرواز بود [1]

لطفی منجم

رفیق علامہ نظام الدین بخشی

بادشاہ کے مصاحب تھے، مگر بڑے نیک دل آدمی تھے۔ آپکو اساتذہ کے اشعار بہت یاد تھے، کسی بھی موضوع پر آپ رات بھر میں ایک ہزار اشعار سنا سکتے تھے کچھ عرصہ تک گجرات میں مرزا نظام الدین احمد کے ساتھ رہے اور ان کی مدد سے زاد راہ حاصل کرکے سفر پہ چلے گئے

---

[1] منتخب التواریخ

ے گل گل از تاب شراب آں رخ چوں گلزار شد ÷ گلفروشاں مژدہ باد تا آنکہ گل بسیار شد
دلم گر شعلۂ آتش شود افسردگی دارد گل بختم گر از جنت رسد پژمردگی دارد
ہر آہ کہ در حسرت بالائے تو کردم
نخل چمن آرائی پشیمانی من شد [1]

خان خاناں مرزا عبدالرحیم رح

بیرم خاں کے لائق فرزند تھے۔ انکی والدہ میوات کے مشاہیر کی نسل سے تھیں۔
ہمایوں بادشاہ ۹۶۱ھ نے یہ نکاح کرایا تھا اس طرح کہ حسین خاں میواتی کے چچا زاد بھائی جمال خاں جو ہندوستان کے معتبر زمینداروں میں سے تھے۔ ان کی دو لڑکیاں تھیں بڑی لڑکی سے بادشاہ نے خود عقد کیا اور دوسری کا عقد بیرام خان سے کر دیا۔
۱۴ رصفر ۹۶۴ھ مطابق ۷ ردسمبر ۱۵۵۶ء کو لاہور میں مرزا عبدالرحیم پیدا ہوئے۔
جب ان کے والد (بیرام خاں) پٹن، گجرات میں ایک افغان کے ہاتھ سے شہید ہوئے تو ان کی عمر چار سال تھی۔

محمد امین دیوانہ اور بابا زنبور مرزا (عبدالرحیم) کو ان کی والدہ کے ساتھ اس پرآشوب ماحول سے نکال کر احمد آباد کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کی تعلیم و تربیت پر خود بادشاہ نے توجہ فرمائی۔

جب آپ مرزا (عبدالرحیم) سن تمیز کو پہنچے تو مرزا خان کے خطاب سے سرفراز ہوئے اور خان اعظم کوکہ کی بہن ماہ بانو کے ساتھ ان کا عقد کر دیا گیا۔ اکیسویں سال جلوس اکبری میں گجرات کی سرداری ان کے لئے نامزد ہوئی۔ ملکی معاملات وزیر خاں کے سپرد ہوئے۔ ۲۵ ویں سال جلوس اکبری میں (مرزا عبدالرحیم) بادشاہ کے میر عرض مقرر ہوئے اور

---

[1] منتخب التواریخ۔ ص ۴۹۶

۲۸ ویں سال جلوس اکبری میں شاہزادہ سلطان سلیم کے اتالیق مقرر ہوئے ۔ اسی سال انہوں نے سلطان مظفر گجراتی پر فتح پائی ۔

جب شہزادہ سلطان مراد بادشاہی حکم کے مطابق دکن کی فتح یابی کے لئے احمدآباد گجرات سے نکل کر امدادی لشکر کی انتظار میں بھروچ میں مقیم ہو گئے تو خانِ خانان جو بادشاہ کے حکم سے شاہزادے کے ہمراہ مقرر تھے ۔ کچھ عرصہ کے لئے اپنی جاگیر بھلیسہ میں قیام کرنے کے بعد اجین کو روانہ ہو گئے ۔

شاہجہاں اسی زمانے میں خانِ خاناں کے لڑکے شاہ نواز خان کی لڑکی کو اپنے عقد میں لائے ۔

خانِ خاناں لاہور میں بیمار ہو گئے اور دہلی پہونچکر بہتر سال کی عمر میں ۱۰۳۶ھ مطابق ۱۶۲۷ء جہانگیری اکیسویں سال کے آخر میں فوت ہو گئے ۔

؛ خان سپہ سالار کو تاریخ وفات ہے ۱۰۳۶ھ (۱۶۲۷ء) ۔ ہمایوں بادشاہ کے مقبرے کے نزدیک دفن ہوئے ۔ آپ حضرت عیسیٰ جنداللہ کے بہت معتقد تھے خانِ خانان قابلیت اور استعداد میں یکتائے زمانہ تھے ۔ عربی، فارسی، ترکی اور ہندی میں مشاق تھے ۔ شعر خوب سمجھتے اور کہتے تھے ۔ رحیم تخلص کرتے تھے ۔ کہتے ہیں کہ اکثر زبانوں میں جو دنیا میں مروج ہیں گفتگو کرتے تھے ، ان کی سخاوت اور عالی ہمتی ہندوستان میں ضرب المثل تھی ۔ ان کے متعلق اکثر عجیب حکایتیں مشہور تھیں ۔

شاہان مغلیہ کے عہد میں خانِ خاناں کا شمار لائق ترین امراء میں ہوتا تھا ۔ آپ کے دربار سے علماء و اصحاب فن وابستہ رہتے تھے ۔ ان میں سے مولانا میاں وجیہہ الدین مولانا نازی خان بدخشی، قاضی نصیر الدین برہانپوری، ملا خیر الدین رومی، مولانا جلال الدین حسن نیشاپوری، مولانا شیخ عبداللہ، مولانا شیخ ابراہیم، مولانا شیخ علم اللہ، مولانا صوفی، ملا محمد علی کشمیری، مولانا میر دوستی سمرقندی ۔ میر عبدالباقی تبریزی، میر فیض

اللہ زرخورانی، ملاخوشحال ماشتغندی، مرزا محمد قاسم گیلانی، آقا جلال قزوینی، قاضی عبدالعزیز ہمدانی، مولانا محمد نقی کاشانی، مولانا مقصود علی تبریزی، مولانا محمد رضائی تاج مشہدی اور حکیم کمال الدین حسین شیرازی قابل ذکر ہیں۔

آپ کی خط وکتابت حضرت مجدد الف ثانی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے بھی رہی جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امارت کے باوجود آپ کا دینی شعور بیدار تھا۔ سلہ

خانِ خاناں (عبدالرحیم) اس (سلطنت مغلیہ) کے بڑے امیروں میں سے تھے۔ ان کا مشہور نام صفحہ زمانہ پر ہمیشہ کے لئے منقش ہوگیا۔ اکبر بادشاہ کے دورِ حکومت میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ان میں سے تین خاص کام فتح گجرات، تسخیر سندھ اور سہیل خاں بیجاپوری کی شکست ہیں۔

خانِ خاناں کی طرف سے چوک گلی اور بازاروں تک میں جاسوس تعینات رہتے تھے کہ جو کچھ وہ عوام میں خبریں سنتے تھے ان کو بھی تحریر کرتے تھے۔ خانِ خاناں شام کے وقت سب کو پڑھ کر آگ میں جلا دیا کرتے تھے۔ سلہ

فیاضی خانِ خاناں بیرم خاں کے لڑکے خانِ خاناں عبدالرحیم خاں اکبر اور جہانگیر کے دور میں بہت ہی معزز منصب دار بن کر رہے، اپنی شجاعت اور فہم وفراست کے لحاظ سے بہت مشہور رہے پھر اپنی سخاوت اور بخشش میں حاتم زمانہ کہلاتے تھے ایک بار ایک برہمن فقیر ان کے پاس پہنچا اور ان سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ ہم اور آپ دونوں ہم زلف ہیں، پھر آپ ہمارے حال سے اس قدر غافل کیوں ہیں خانِ خاناں نے یہ سنکر اس کو اپنے پہلو میں بلا کر بٹھایا، اور اس کا حال پوچھا، اور جب رخصت کیا

سلہ ہندوستان کے سلاطین ومشائخ کے حالات پر ایک نظر ص۸۵، ص۸۶۔

سلہ مآثر الامراء ص۶۸۹۔

تو اتنا نقد و جنس عطا کیا کہ اس کا افلاس جاتا رہا۔ خان خاناں کے مقربوں نے پوچھا کہ آخر اس برہمن ہندو سے ہم زلفی کا رشتہ کیسا ہو سکتا ہے خانِ خاناں نے جواب دیا کہ سمیدا اور بٹیا دو بہنیں ہیں سمیدا سے مراد تو نگری ہے۔ وہ تو میرے عقد میں ہے، اور بٹیا سے مراد مفلسی ہے، وہ برہمن کے حبالہ میں ہے (کلماتہ الشعرار از محمد افضل سرخوش ص۳۵)

ادبی سرپرستی میں زرپاشی خانِ خاناں عبدالرحیم خاں فارسی اور ہندی دونوں میں طبع آزمائی کر کے ماہرین فن سے داد حاصل کیا کرتے تھے کہ وہ جسطرح فارسی کے اساتذہ کے مقابلہ میں غزلیں کہتے تھے اسی طرح ہندی شاعروں کے مقابلہ میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے وہ ہندی شاعری کی تاریخ میں زندۂ جاوید رہیں گے، ان کے ہندی کلام کے مجموعوں میں دوہا ولی، نگر شوبھا بروے نائکہ بھید بروے سنر لگار، سورٹھا، پھکر بد اور رحیم کا و یہ ابھی تک مشہور ہیں، ان کے دربار میں فارسی شعرا میں عرفی، شکیبی، نوعی شیرازی، ثنائی خراسانی، کفوی، معزی جیسے بلند پایہ شعرا ان کی زرپاشیوں سے سیراب ہوتے رہے۔ اسی طرح ہندی شعرا۔ کیشو داس، گنگ، ہری ناتھ، منڈن، پرشدھ، ہول رائے، اور مکند وغیرہ بھی انہی کے یہاں سے بڑے بڑے صلے پاتے رہے۔

ایک دن ان کے دربار کے مشہور شاعر نظیری نے کہا کہ میں نے لاکھ روپے کا ڈھیر نہیں دیکھا ہے، یہ سنکر خانِ خاناں نے حکم دیا کہ خزانے سے روپے لاکر ایک لاکھ کا ڈھیر لگایا جائے، جب یہ ڈھیر لگ گیا تو نظیری نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میں نے ایک لاکھ روپے کا ڈھیر دیکھ لیا۔ اس کے بعد خانِ خاناں نے حکم دیا کہ یہ تمام روپیے نظیری کو دیدیئے جائیں تاکہ وہ اللہ کا شکر ادا کرتا رہے۔ [1]

---

[1] مآثرالامرار جلد دوم ص۔۔

ایک اور شاعر ملا نوعی ان کی شان میں قصیدے اور ساقی نامہ لکھتے رہے آپ نے ایک بار تو دس ہزار روپیئے خلعت، ہاتھی، گھوڑے عطا کیئے، دوسری بار اس کو سونے میں تلوا دیا۔ مآثر رحیمی میں ہے کہ آپ نے جتنے انعامات فارسی کے شعراء کو دیئے اتنے ہی ہندی شاعروں کو عطا کیئے [۱]

ایک بار آپ نے ایک ہندی شاعر گنگ کوی کی کبتاؤں سے خوش کر اس کو چھتیس لاکھ روپے انعام میں دیئے، (ہسٹری آف ہندی لٹریچر از اف، ای، کی)

کتب خانہ خان خاناں

خانخاناں مرزا عبدالرحیم بن بیرم خاں ممکن ہے علمی قابلیت میں اپنے ہم عصروں سے کم رہے ہوں لیکن علم کی قدر دانی میں ان سے بہت آگے تھے۔ ان کا کتب خانہ شروع میں احمدآباد میں تھا جب کہ یہ وہاں کے حاکم تھے۔ یہ بہت اعلیٰ درجہ کا کتب خانہ تھا۔ کتابوں کی مرمت، اصلاح اور حفاظت کیلئے بہت ملازمین مقرر تھے، کاتب، جلد ساز، وراق، صحاف، نقاش اکثر وہ ہوتے جو اپنے فن میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ مولانا ابراہیم نقاش اسی کتب خانہ میں ملازم تھے۔ یہ خوش نویس، طلا کار، صحاف اور حکاک بھی تھے۔ علمی استعداد بھی ان کی اچھی تھی۔ طبع موزون بھی رکھتے تھے۔ ان کی نسبت مآثر رحیمی میں ہے۔

وہ ایک مدت تک اس کتاب خانہ میں کتاب داری کے عہدہ پر ممتاز رہے ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی چیزیں، تصویریں اور طلا کاری کے نمونے بکثرت ہیں اس کے بعد (غالباً ان ہی کی جگہ) مشفق نقاش کا تقرر ہوا جو فنِ نقاشی میں یکتائے روزگار تھے۔

---

[۱] مآثرالامراء ص ۵۶۲/۲۔

خوش نویس بہبود مرزا مشہور خوشنویس تھے جو میر علی خوشنویس کے بھائی تھے، نقاشی اور خوش نویسی میں ان کو کمال حاصل تھا۔ خان خاناں کے کتب خانہ میں اسی کام پر ملازم تھے۔

شجاع شیرازی، ان کو خطِ ثلث اور نسخ میں بڑی مہارت تھی۔ ۹۹۹ھ میں انہوں نے مقام ٹھٹھہ میں شرف ملازمت حاصل کیا، پھر کچھ دنوں کے بعد کتب خانہ کی خدمت ان کے سپرد ہوئی۔ [1]

عبدالرحیم خانخاناں (بہ حضرت خواجہ عقیدت وارادت تمام داشت) نے یہ سنکر کہ حضرت خواجہ کو حج پر جانے کی خواہش ہے ان کی خدمت میں ایک لاکھ روپیہ بھجوایا لیکن آپ نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اس طرح دوسروں سے پیسے لے کر حج پر جانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ [2]

جانان بیگم

(وفات سنہ ۱۰۷۰ھ / ۱۶۵۹ء)

امیر عبدالرحیم بن خانخاناں کی صاحبزادی جانان بیگم جس نے اپنے والد کی امارت کے دور میں پرورش پائی۔ اور علم و کمال کے اس درجہ تک کو پہنچی کہ عورتوں کا کیا ذکر جہاں تک بہت سے مرد بھی نہیں پہنچ سکے اسی لئے اکبر نے اپنے بیٹے دانیال کا اس جانان بیگم سے نکاح کرایا اور دانیال کو گجرات کی طرف روانہ کر دیا۔ اور گجرات میں دانیال کا انتقال ہوا اور یہ جانان بیگم طویل عرصہ تک گجرات ہی میں رہیں

اُدھر دوبارہ نکاح کی ان کو رغبت نہیں تھی۔

کہتے ہیں کہ سلطان جہانگیر نے خود ان سے نکاح کا ارادہ کیا مگر جانان بیگم نے انکار

---

[1] تمدنی کارنامے صفحہ ۲۷۲ [2] رود کوثر صفحہ ۲۰۴۔

کرد یا۔ آپ حج و زیارت سے مشرف ہوئیں اور آپ نے قرآنِ کریم کی تفسیر بھی لکھی ہے، نیز آپ کے فارسی کے اشعار بھی بہت مشہور ہیں۔

جانان بیگم نے ۱۰۷۰ھ میں وفات پائی۔ [1]

مولانا نظیری

(وفات:۔ ۱۰۲۰ھ/۱۰۲۱ھ/۱۰۲۳ھ)

نام محمد حسین اور نظیری تخلص تھا۔ احمدآباد کے رہنے والے تھے گجرات میں خانخاناں نے اپنے کتب خانہ میں تمام اساتذۂ سخن کے دواوین جمع کر رکھے تھے۔ اس دور کے تمام شعراء کی خواہش ہوتی کہ ان کا دیوان خانخاناں کے کتب خانہ میں جائے۔ نظیری بھی ان ہی شعراء میں سے تھے۔ انہوں نے جب اپنا دیوان مرتب کیا تو خانخاناں گجرات سے آگرہ منتقل ہو چکے تھے۔ نظیری نے احمدآباد سے آگرہ کا طویل سفر محض اپنا دیوان خانخاناں کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے کیا نظیری کو بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا اور بہت جلد خراسان میں انکی شہرت پھیل گئی۔ جب خراسان سے کاشان آئے تو وہاں حاتم فہمی، شجاع اور رضائی کے کلام سے فضا گونج رہی تھی۔ نظیری نے ان کے مقابلہ میں غزلیں لکھکر اپنے فن کا ثبوت دیا۔

مآثرِ رحیمی کے مؤلف نے لکھا ہے کہ کاشان کے ایک طرحی مشاعرے میں نظیری نے بھی ایک غزل کہی جس کا ایک شعر یہ تھا۔

زخود ہرگز نیازارم دلے را   کہ می ترسم درو جائے تو باشد

مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ "جائے" کا قافیہ شاعروں کی غزل میں اس طرز پر پہلے سے بندھ چکا تھا مثلاً ؎

دو عالم را بہ یک بار از دل تنگ   بروں کردیم تا جائے تو باشد

[1] مرآۃ جہاں نما۔ نزہۃ الخواطر ۵ صفحہ ۱۲۴۔

لیکن نظیری نے اول الذکر شعر میں اس قافیہ کو نئے پہلو سے باندھا نظیری نے اس شعر کا پہلا مصرعہ اس طرح کہا ؎

نیازارم ز خود ہرگز دلے را

نظیری کاشان سے چل کر ھندوستان آئے اور آگرہ میں خانخاناں سے ملاقات ہوئی کیونکہ ۹۹۲ھ میں اکبر نے خانخاناں کو آگرہ طلب کرلیا تھا۔ اس وقت نظیری خانخاناں کے متوسلین میں شامل ہوکر گجرات آگئے اور احمدآباد میں قیام پذیر ہوگئے۔

بعد میں خانخاناں کی شان میں مدحیہ اشعار کہا کرتے تھے اور خانخاناں بھی آپ کو انعام واکرام سے نوازتے رہے۔ ایک مرتبہ ایک مجلس میں خانخاناں نے نظیری کو ایک لاکھ روپے عطا کئے۔ نظیری کو زیارت خانہ کعبہ کی بڑی تمنا رہی جس کا اظہار انہوں نے اس طرح کیا۔ ؎

کشتی تن شدہ طوفان زدۂ عصیانم	وائے من گر بہ حمایت نرسد غفرانم
گرد ل ایں چشمۂ اپاشتہ را بکشاید	بہ گریباں رسد آلودگی دامانم
بہر آبادی صدبت کدہ اش آب وگل است	از خود آلائش اگر دور کند ایمانم
صید قربانگہ عشقم بہ قفا ماندہ کجاست	کعبہ گردی کہ بہ تقصیر کند قربانم

خانخاناں نے زاد راہ کے لئے روپے دیئے اور ۱۰۰۲ھ میں سورت کے راستہ سے مکہ مکرمہ پہنچے

آپ کے متعلق لکھا ہے کہ خانخاناں کے ساتھ مستقل طور پر وابستہ ہوکر احمدآباد (گجرات) میں سکونت پذیر ہوگئے۔ کچھ عرصہ بعد حج کے لئے گئے سرو آزاد میں ہے کہ حج کرنے کے بعد پھر احمدآباد میں رہے۔ قیاس یہ ہے کہ ۱۰۰۲ھ میں حج کیا ہے حج سے واپسی پر مراد کے دربار میں رسائی حاصل کی ۱۰۱۴ھ میں اکبر کی وفات کے بعد جہانگیر تخت نشین ہوئے تو نظیری کو دربار میں طلب کیا

چنانچہ جہانگیر تو زک میں ۱۰۱۹ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں ۔ " فن شعر و شاعری میں مشہور روزگار تقیری نیشاپوری کو جو گجرات میں تجارت کے ذریعے زندگی بسر کر رہے ہیں میں نے دربار میں طلب کیا تھا انہی دنوں اس نے یہاں پہنچ کر آستانہ بوسی کا شرف حاصل کیا ۔ وہ انوری کے اس قصیدے ؎

بازایں چہ جوانی و جمالست جہاں را

کی زمین میں میری مدح لکھ کر لایا تھا ۔ جسے پیش کرنے پر میں نے صلے میں ہزار روپے، گھوڑا، اور خلعت عنایت کیا ۔"

بقول آزاد ایک مرتبہ جہانگیر نے انہیں ایک عمارت کا کتبہ لکھنے کے لئے کہا جس پر انہوں نے یہ غزل لکھ کر پیش کی ۔

ایں خاک درت صندل سرگشتہ سران را

باد امژہ جاروب رہت تاجوران را

جہانگیر نے اس کے انعام میں کوئی تین ہزار بیگہ زمین عطا کی ۔

شیخ محمد مندوی غوثی، گلزار ابرار میں لکھتے ہیں کہ آپ درویش طبیعت صوفی سیرت اور مہذب الاخلاق تھے ۔ آخری عمر میں صوفیان وحدت گزار کے مانند شعر کہنے لگے تھے ۔ مرنے سے بارہ سال قبل احمد آباد میں مقیم ہو کر علوم دینی حاصل کئے اور تفسیر و حدیث کے لئے مولانا حسین جوہری وارہ کی شاگردی اختیار کی ۔

بدایونی ان کے متعلق لکھتے ہیں : لطافت طبع اور نفاست ذوق میں دوسرا شکیبی اصفہانی ہے ۔" [1]

---

[1] منتخب التواریخ صـ۲۶۴ ۔ توزک جہانگیری صـ۲۰۹ ۔ سرو آزاد صـ۲۴ دربار ملی صـ۲۵۴ ۔

نظیری نیشاپوری جب احمدآباد گجرات میں مقیم تھے۔ اور تمباکو کے شیدائی تھے۔ اس کی تعریف میں ایک غزل لکھی جس کے چند شعر یہ ہیں۔ ؎

نے سنبل تنباکو بوئے نہ آتش رخسارۂ
دل بوئے خامی میدہد بیداغ آتش پارۂ
مردم گیاہ از چین مخر تنباکو آچین بخر
ہم مایۂ بے مایۂ ہم چارۂ بے چارۂ
خواہم دہد وجد آنقدر جام و نے تنباکویم
کافتم بطاق ابروئے چوں نرگس خمارۂ
اندر کمند دود او کز سنبل دلجو یاست
ہم چوں کلیم افتادہ ام اندر دم سارۂ [۱]

۱۰۰۸ھ میں آپ گوشہ نشین ہو گئے تھے آپ کو اکبر کے ملحدانہ خیالات سے بڑی نفرت تھی۔ اکبر کے دربار سے وابستہ نہ ہونے کی وجہ یہی تھی۔ آپ نے ۱۰۲۰ھ / ۱۰۲۱ھ / ۱۰۲۲ھ میں بمقام احمدآباد وفات پائی اور تاجپورہ احمدآباد ہی میں اپنی بنائی ہوئی مسجد کے جوار میں دفن ہوئے [۲]

مولانا محمد رضا شکیبی

(م سنہ ۱۰۲۰ھ - سنہ ۱۶۱۱ء)

آپ شکیبی تخلص رکھتے تھے۔ اور خواجہ عبداصفہانی کے صاحبزادے تھے۔ معقولات کے ماہر تھے اور فن تذکرہ و تاریخ پر انہیں عبور تھا۔ فارسی زبان کے بڑے اچھے شاعر

---

[۱] مقالات شیرانی ج۳ ص۶۶۔ [۲] بزم تیموریہ، تاریخ ادبیات ج۴ ص۳۰۲ طبقات اکبری ج۲ ص۵۶۔

تھے، فنِ انشاء میں درجہ معلمی حاصل تھا۔ آپ کے جد اعلیٰ خواجہ عبداللہ وہ ہیں جن کے حالات، نفحات الانس میں مولانا نور الدین عبد الرحمٰن جامی نے لکھے ہیں۔ خواجہ عبداللہ امامی، خواجہ امین الدین حسن کے فرزندارجمند تھے۔ اور خواجہ امین الدین حسن وہ ہیں جن کے مبارک نام پر لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی نے ایک غزل موشح کی تھی

یہ دو بیت اسی غزل میں سے ہیں۔ ؎

چو در گلزار اقبالش خرامانم بحمد اللہ   نہ میل لالہ و نسرین نہ برگ نسترن دارم
بر ندی شہرہ شد حافظ پس از چندین ورع لیکن   چہ غم دارم چو در عالم امین الدین حسن دارم

دوسرے ۱۰۰۴ھ/۱۵۹۵ء کے آغاز میں آپ خان خانان کے ساتھ دکن آئے تھے مولانا نظیری نیشاپوری۔ یولقلی بیگ انیس ملا محب علی سندھی، شریف کاشی، ملا کامی سبزواری، ملا نقائی۔ یہ تمام اصحاب اور نیز اہل سخن کی دیگر جماعت بھی رفاقت میں تھی۔ یہ جملہ اصحاب منڈو (مانڈو) کے راستہ سے گزرے تو مولانا غوثی سے ملاقات ہوئی۔

۱۰۱۷ھ میں پھر آپ کا عبور منڈو (مانڈہ) پر ہوا۔ چونکہ ایک مدت کے بعد نوبت ملاقات پہنچی اور یہ ــــ وہ وقت تھا کہ علامہ غوثی مشائخ وقت اور بزرگان عہد کے حالات لکھ رہے تھے۔ اس لئے مولانا محمد رضا سے بھی حالات دریافت کئے جو حسب ذیل ہیں۔

۹۶۴ھ میں ولادت ہے۔ جب زمانہ ہوش آیا تو کچھ علوم تو شیراز میں اور کچھ اپنی زاد بوم میں حاصل کئے۔ جب عمر چوبیس سال ہوئی تو شاعری اور کلام کا وزن برابر کرنے کا ملکہ پیدا ہوا۔ اور جوانی میں ہند کی سیاحت کا شوق ہوا۔ اپنے یہاں سے لاہور ہوکر ہرمز میں آئے۔ ہرمز سے بندر جیول کی کشتی میں بیٹھ کر دریا پار کرکے کنارے اُترے۔ یہاں سے سپہ سالار کی ملازمت کے شوق میں احمد آباد گجرات آگئے۔

ان ایام میں نواب کام بخش دارالخلافہ شہنشاہی میں تھے۔ لہٰذا احمدآباد سے روانہ ہوکر نواب کے پاس پہنچے۔

۱۰۰۶ھ میں سہیل کی لڑائی کے بعد لشکر سرونج میں آئے۔ خونِ شکم کی بیماری کا عارضہ ہوگیا۔ ارادہ ہوا کہ اگر صحت ہوجائے تو آئندہ دنیا کے کام کو ہاتھ نہیں لگاؤنگا اور اخروی سامان کو راہ حجاز میں صرف کرونگا۔ اسی روز سے شفا شروع ہوئی۔ چھ سال تدبیریں کرتے کرتے گذر گئے۔ پھر ۱۰۱۲ھ میں حجاز کا سفر شروع ہوا تین سال کے اندر سفر پورا ہوا۔ وہاں سے مراجعت کرکے بندر سورت کے کنارے پر آ اُترے۔ جب برہانپور میں پہنچے تو پھر خانخاناں کی مصاحبت رہی۔ ایک مدت تک ملازمت میں رہے ۱۰۱۹ھ میں نواب نے گوشہ نشینی کی خواہش پر اطلاع پائی۔ اور اجازت دی اور جہانگیری دربار سے درویشانہ معیشت لے کر دہلی میں گوشہ نشین ہوگئے۔ اور فقرائے دہلی کی خدمت میں فراغ دل سے خدا کیساتھ مشغول ہوگئے۔[1]

آپ نے دیوان کے علاوہ ایک مثنوی خسرو شیریں یادگار چھوڑی ہے۔

مُلّا محمّد حسین ہروی

خان خاناں کے احمدآباد کے کتب خانہ کے ملازمین میں سے تھے۔ ایسے بہترین جلدساز تھے کہ ان کی نظیر مشکل ہے۔ ۱۰۲۳ھ میں آپ اس کتبخانہ کے ملازمین میں سے رہے ہیں۔ بلکہ اس زمانہ میں کتب خانہ کے سب سے بڑے ذمہ دار آپ ہی تھے۔[2]

---

[1] گلزار ابرار صفحہ ۴۰۰۔ [2] مآثر رحیمی صفحہ ۱۶۸۵ ج ۳۔

مولانا صُوفی

(وفات ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء)

مولانا صوفی گجرات کے علمائے تصوف میں سے تھے۔ علوم میں آپ کو بڑا تبحر حاصل تھا اور درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے۔ اور علماء کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے استفادہ کیا۔ عبدالرحیم خان خاناں کی طرف سے آپ کا وظیفہ مقرر تھا۔ اس لیئے کہ ان کے احمد آباد کے کتب خانہ کے آپ ناظر تھے اس کے بعد انہیں خان خاناں مستقل اپنے ساتھ ہمیشہ رکھنے لگے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے خلوت نشینی اختیار کرلی۔ اور اپنے گھر کے کونہ میں پڑے رہتے۔

علامہ صادق "الصبح الصادق" میں لکھتے ہیں کہ آپ کا نام "محمد" تھا۔ اور بہت عمدہ شعر کہتے تھے۔ آپ کا فارسی میں ایک شعر ہے۔

مرا بوقت جدائی دوست مردن بہ
کہ زندہ باشم و بی دوست بنگرم جارا

(۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) میں آپ نے رحلت فرمائی اور علامہ صادق نے آپکی تاریخ وفات ان الفاظ سے نکالی۔ "رفتہ ملا محمد صوفی"۔ [۱]

میر باقی ماوراء النہری

یہ خان خاناں کے کتب خانہ کے داروغہ تھے۔ [۲]

---

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۹۲، ماثر رحیمی ج ۳ ص ۵ [۲] ماثر رحیمی ج ۳ ص ۱۶۸۰ -

مُلّا محمد مؤمن

آپ ملا محمد حسین ہروی کے بھائی ہیں۔ یہ دونوں بھائی خان خاناں کے کتب خانہ سے وابستہ تھے۔ ملا محمد مؤمن خوشنویس کاتبوں میں سے تھے۔ آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کئی طویل ترین کتابیں اس کتب خانے میں موجود تھیں۔ [1]

مُلّا عبد الباقی مُصنّف مآثر رحیمی

(وفات ۱۰۴۳ھ/۱۶۳۳ء (۱۰۴۴ھ/۱۶۳۴ء/۱۰۴۵ھ/۱۶۳۵ء) ھ)

یہ کتاب عبدالرحیم خاں خانِ خاناں کے ایما پر لکھی گئی۔ اس کے مصنف ملا عبدالباقی جولک (نہاوند) کے مقام پر ۱۵۷۰ء/ ۹۷۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آبا و اجداد جولک کے رد قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اور کسی لڑائی کی بنا پر بغداد اور عراق عرب سے نکل کر شاہ اسمٰعیل صفوی کے آغاز عہد میں ایران آگئے اور اس کے ملازمین میں شامل ہوگئے تھے۔ آپ کے والد آقا بابا، شاہ عباس کی طرف سے ہمدان کے وزیر اور ناظر مامور ہوئے۔ آپ خود بھی کچھ عرصے تک رہے، قزوین، کاشان اور قم کے افسر مال رہے۔ پھر اپنے بھائی آقا خضر کی جگہ وزیر بنائے گئے۔ بعد میں بادشاہ کے عتاب کے سبب ایران چھوڑ کر ۱۶۱۴ء/ ۱۰۲۳ھ میں برہان پور (خاندیس) پہنچے۔ اور عبدالرحیم خان خانخاناں سے ملے جس نے آپ کو جاگیر اور مناسب منصب سے سرفراز کیا۔ اسی کے ایما پر آپ نے "مآثر رحیمی" لکھنا شروع کی جو ۱۶۱۶ء/ ۱۰۲۵ھ میں مکمل ہوئی آپ ۱۶۱۹ء/ ۱۰۲۹ھ تک دکن اور برار کے امین رہے۔ پھر سلطان پرویز بن جہانگیر نے آپ کو بہار کا دیوان بنایا۔ آپ نے ۱۶۳۲ء/ ۱۰۴۲ھ اور ۱۰۴۷ھ کے

---

[1] مآثر رحیمی صفحہ ۱۶۵

درمیان وفات پائی۔

"مآثر رحیمی" عبدالرحیم خان خاناں کے ایماء پر ۱۶۱۶/ ۱۰۲۵ھ میں لکھی گئی۔ یہ خان خانخاناں کے اسلاف یعنی سلاطین قراقو یونلو اور خود خانخاناں کے حالات پر مشتمل ہے۔ ضمنی طور پر اس میں سلاطین غزنین، بنگالہ، جونپور، مالوہ، کشمیر، ملتان، دہلی، گجرات، دکن اور خاندیس کا ذکر بھی آگیا ہے۔ علاوہ ازیں ہمعصر حکماء، اطباء، شعراء وغیرہ کا تذکرہ بھی شامل ہے۔ خانخاناں کے حکم سے جو مساجد، مدرسے اور حمام بنائے گئے ان کی تفصیل دی گئی ہے۔ مثلاً برہانپور میں ایک عظیم الشان قصر دلکشا، بنوایا۔ خاندیش میں بڑے بڑے ماہر باغبان باہر سے منگوا کر ایک باغ تعمیر کروایا، جس میں عراق وخراسان اور ہندوستان کے مختلف علاقوں سے پھلوں اور پھولوں کے درخت منگوا کر لگائے گئے برہانپور میں حمام، نہر اور جامع مسجد بنوائی۔ اس سے قبل برہانپور کے لوگ خربوزے کے نام سے بالکل ناآشنا تھے۔ خانخاناں نے عراق وخراسان سے اس کے مختلف اقسام کے بیج منگوا کر بلگوارہ کے قصبے میں اس کی کاشت کرائی۔ دو سال ہی میں یہاں کا خربوزہ اتنا شیریں اور کثرت سے ہوا کہ ولایت (ایران) کے خربوزے ماند پڑ گئے۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ خانخاناں نے دوسرے شہروں، احمدآباد، لاہور، سورت دہلی وغیرہ میں بھی تالاب، باغ اور عمارات بنوائیں اور جہانگیر کے نام پر ایک شہر جہانگیر پورہ بھی آباد کیا، جس میں دلکشا منازل اور بڑی شاندار فرح افزا عمارات اور سرائیں تعمیر کرائیں اور اس شہر میں میدان اور بازار وغیرہ بھی بنوائے۔ اس کے مطابق خانخاناں ہر فتح کے موقع پر ایک عظیم الشان جشن منایا کرتے تھے۔ چنانچہ فتح گجرات کے موقع پر بھی خان خاناں نے بہت بڑے جشن کا اہتمام کیا، خاص وعام پر عیش ومسرت کے دروازے کھل گئے۔ ہر طبقے اور گروہ کے لوگوں کے لئے بار عام ہوا اس مہم میں شریک سرداروں وغیرہ کو گھوڑے، ہاتھی، مرصع خنجر اور اسی طرح کی دوسری اشیاء انعام

میں دی گئیں ۔ یہ جشن سات روز رہا ۔ بڑے بڑے بادشاہوں کی تاریخ میں بھی ایسے جشن کی مثال نہیں ملتی ۔ یہ کتاب ببلیوتھیکا انڈیکا کے سلسلے میں خان بہادر ہدایت حسین صاحب کی سعی اہتمام سے چار جلدوں میں شائع کی گئی ۔

ملا عبدالباقی کے حالات یہاں اس لئے لکھے گئے کہ مآثر رحیمی کے لئے اکثر مدد خصوصاً شعراء کا کلام آپ کو احمدآباد میں خانخاناں کے قائم کردہ کتبخانہ سے دستیاب ہوسکا جیساکہ کتاب میں متعدد جگہ تصریح ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی سال تک ملا عبدالباقی اس کتب خانہ سے استفادہ کرتے رہے ۔ [1]

مولانا شکیبی بن ظہیرالدین عبداللہ امامی اصفہانی

(متوفی ۱۰۲۳ھ ۔ ۱۶۱۴ء)

آپ علامہ امیر تقی الدین محمد شیرازی کے شاگردوں میں سے ہیں ۔ شروع میں اصفہان سے خراسان پہنچے ، وہاں سے مشہد یا ہرات پہنچ کر تحصیل علوم میں مشغول رہے اور اکثر متداول علوم کی کتابیں اپنے زمانے کے علماء سے پڑھیں شعرگوئی شروع کی جس کے متعلق خواجہ حسین ثنائی مرزا قلی ، میلی ، ولی ، دشت بیاضی ۔ وغیرہ شعراء نے آپ کے کلام کو بہت پسند کیا ۔ وہاں سے شیراز پہنچ کر امیر تقی الدین محمد شیرازی کی خدمت میں پہنچے ۔ پھر ہندوستان پہنچ کر خانِ خاناں کے ساتھ رہنے لگے اور سفرِ حجاز کا ارادہ ہوا ۔ خانخاناں نے تمام ضروریاتِ سفر مہیا کیں اور اسی ہزار روپیہ دے کر ان کو رخصت کیا خانِ خاناں کی طرف سے آپ کے ساتھ اس طرح کا معاملہ ہمیشہ رہا ۔ جیساکہ سندھ میں جبکہ ساقی نامہ تالیف کیا گیا اس وقت بھی کافی رقم خطیر اور

---

[1] تاریخ ادبیات فارسی ج ۱ ص ۲۰۰ ۔ ص ۲۰۹ ۔

انعامات ان کو ملے۔ غرض یہ سفر حجاز کے لئے روانہ ہو گئے، مگر حرمین کی زیارت سے واپسی پر عدن پہنچ کر کشتی کی خرابی کیوجہ سے وہاں ٹھہرنا پڑا۔ تمام کشتی کے مسافروں کو وہاں والوں نے لوٹ لیا۔ اور کسی طرح مشکل سے جان بچا کر یہ قافلہ سورت پہنچا چونکہ وہ جہاز بھی خانِ خاناں کا تھا۔ اس لئے آپ نے ایک لاکھ محمودی سکے مولانا اور ان کے شرکائے کشتی کو نقصان کے عوض میں دیئے بلکہ جس کا جتنا نقصان ہوا تھا اتنا پورا پورا خانِ خاناں نے اپنی طرف سے دیا۔ اخیر میں مولانا شکیبی دہلی کے منصبِ صدارت پر فائز کئے گئے۔ اور ۱۰۲۳ھ ۱۶۱۴ء میں وہاں انتقال کیا۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ [۱]

مُلّا خوشحال

ملّا خوشحال ابن مولانا میراں قاسم تاشقندی بن حافظ بن حافظ مسکین۔ آپ کا خاندان اپنے علاقہ میں فقر و درویشی میں ہمیشہ مشہور رہا ہے۔ مولانا خوشحال کے والد قاسم میرک ابتدا میں سمرقند سے آئے تھے۔ وہ بیت اللہ کی زیارت سے بھی کئی بار مشرف ہو چکے تھے صوم و صلوٰۃ نماز باجماعت کے بہت پابند، اور اکابر اولیا کی صحبت میں بیٹھے تھے۔ اور باطن کے شغل سے بھی غافل نہیں تھے۔ خود مولانا خوشحال تقریباً ۲۲ سال احمدآباد میں رہے اور ۲۲ سال احمدآباد کے مدرسہ میں رہ کر افادہ و استفادہ درس و تدریس میں مشغول رہے۔ حضرت شیخ میاں وجیہ الدین کے کسی شاگرد سے بدائع، بدیع، فقہ تفسیر، نحو، صرف، اشتقاق، معانی، بیان وغیرہ علوم حاصل کئے۔ اسی طرح شرح ہدایۃ الحکمۃ، حکمۃ العین، شرح تجرید، حاشیہ قدیم، شرح چغمینی، تحریر اقلیدس وغیرہ کتابیں ان سے پڑھیں۔

---

[۱] مآثر رحیمی ج ۲ ص ۲۲۲۔

اسی طرح علامہ مسرزا جان شیرازی کے بھی آپ دو واسطوں سے شاگرد ہیں۔ اکتساب علوم سے فراغت کے بعد ۱۰۲۰ھ میں آپ خانخاناں کے پاس چلے گئے اور ان کی خدمت میں رہ کر تشنگانِ علم کے افادے اور استفادہ میں مشغول رہے۔ خانِ خاناں بھی ان کے بڑے معتقد تھے۔ جب کوئی مسئلہ ان کے ہاں پیش ہوتا تو سب سے پہلے آپ کے سامنے اُسے پیش کیا جاتا۔ ملا خوشحال کی استعداد کی تعریف کرتے ہوئے عبدالباقی نہاوندی لکھتے ہیں کہ این نشو ونما یافتہ دراحمدآباد کہ بہترین بلاد و امصار ہندوستان است و دارالافاضل این ولایت است۔ [1]

مولانا شتابی جناپری

شتابی جناپری خراسان کے ایک موضع کوناباد کے رہنے والے تھے۔ نہایت خوش طبع اور بذلہ سنج تھے۔ آپ مولانا شکیبی کے مریدوں میں سے تھے۔ اکثر اوقات انکی خدمت میں گذارتے۔ اس زمانے میں مولانا شکیبی سورت میں تھے۔ وہاں ان کے ساتھ تھے۔ مولانا شکیبی اصفہانی کے واسطے سے خانِ خاناں سے تعارف ہوا اور آپ کے پاس آنے جانے لگے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد مولانا شکیبی اور خانِ خاں کو چھوڑ کر کسی وجہ سے یہ دکن چلے گئے۔ اور ان کے اشعار مولانا شکیبی کے پاس تھے اسکو انہوں نے دیوان کی شکل میں مرتب کیا۔ اور ان کے اشعار میں سے خود ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کچھ اشعار خانِ خاناں کے کتب خانہ میں تھے۔ جو حسب ذیل ہیں۔ ۔

---

[1] مآثر رحیمی ج ۳ ص ۳۲، ۳۳، ۳۴۔

زہی سعادتِ فرخندہ روئی تقدیر
کہ گشت آئینہ دارم زآفتاب منیر
فروز مشعلۂ دانشم فروغِ جمال
نمود آئینہ خاطرم جمالِ ضمیر
سر تفاخرم از اوج منزلت بگذشت
چو یافتم شرفِ بارگاہ عرش نظیر
غبارش از رہ تاثیر کیمیائی خرد
حریمش از در تعظیم بر سپہر اثیر

شنائی نے دکن میں وفات پائی۔ [1]

مولانا کمال الدین حسیمی

مولانا کمال الدین حسیمی ہمدان کے باشندے تھے آپ کے آباء و اجداد وہاں کے اہلِ ثروت اور ذی جاہ تھے۔ موزونیتِ طبع کی بنا پر طالب علمی ہی کے زمانے سے آپنے شعر و شاعری کے میدان میں قدم رکھا اور علامہ مرزا ابراہیم ہمدانی کی شاگردی اختیار کی، اور اکثر متداول کتابیں ان کی خدمت میں رہ کر حل کیں۔ متداول فنون کے علاوہ، فنِ خطاطی اور فنِ موسیقی سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ علم سیاق وحساب بھی اچھی طرح جانتے تھے۔ غرض جامع فضل و کمال تھے کہ ایسی جامعیت بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ آپ کا کلام ایک ہی طریقہ پر تھا۔ مگر وہ ہر قسم کے عیوب و خامیوں سے مبرا اور پاک ہوتا تھا۔ صفوی خاندان کے بادشاہوں کے زمانے میں امراء و سلاطین کے تقرب

---

[1] مآثر رحیمی صفحہ ۱۳۵۰ جز ۳

کے ساتھ ساتھ وہاں بعض اوقات منصب بھی آپ کو ملا اور دیوانی میں بھی کچھ عرصہ آپ نے خدمت کی ۔ اس خدمت میں آپ مخلوق کے منظورِ نظر رہے اور کسی سے کسی قسم کی طمع امید و لالچ نہیں رکھتے تھے ۔

جب آپ کو عبدالرحیم خانخاناں کی قدردانیوں کی خبر پہنچی تو آپ نے ہمدان سے ہندوستان کا سفر اختیار کیا اور آپ وہاں سے شیراز آئے اور کچھ عرصہ شیراز میں ٹھہرے اور جرون کی بندرگاہ سے کشتی میں سوار ہو کر سورت کی بندرگاہ پر اترے ۔ کچھ عرصہ سورت میں رہے اور وہاں اہلِ ذوق سے صحبتیں رہیں۔ اور وہاں سے احمد آباد آئے ۔

مولانا نظیری نیشاپوری اس زمانے میں احمد آباد میں مقیم تھے ۔ انکی صحبت میں رہ کر مشاعرہ بحث و مباحثہ رہا ۔ اور پھر احمد آباد سے برہانپور خاندیس عبدالرحیم خانخاناں کی خدمت میں پہنچے اور وہاں انکی صحبت میں رہنے لگے ۔ آپ کے کچھ اشعار یہ ہیں ۔

ہست از کمان ابرو بت ای ترک تنگ چشم
چوں ترکشِ نگاہ توام بر خدنگ چشم
شاید کہ نقّارہ ات از ذوق لحظہٖ
در چشم خانہ می ننماید درنگ چشم
تا نوش خانہٗ دل از آن لعل شکّرین
لذّت نہادہ بر سرہم تنگ تنگ چشم
نہ رنگ عافیت دارد نہ بوی خرّمی بخشد
گلے کز آب و خاک این دل صد چاک میروید[1]

---

[1] مآثر رحیمی ج ۳ ص ۹۲۷ ۔

حکیم روح اللہ

حکیم روح اللہ جہانگیر کے عہدِ حکومت میں نہایت نامور اور حاذق طبیب گزرے ہیں آپ کا وطن بھروچ گجرات تھا، اور آپ کے باپ دادا وہیں کے قدیم باشندے تھے اگرچہ آپ کا نام اکبری عہد کے اطباء میں بھی نظر آتا ہے مگر آپ کی ترقی اور نشو ونما کا اصل زمانہ جہانگیر کی حکومت کا ہے۔

حکیم روح اللہ تحصیل علوم کی طرف مائل ہوئے، فن طب سے خاص لگاؤ پیدا کر لیا اور بہت تھوڑے عرصے میں نہایت اچھی قابلیت حاصل کر لی۔ تجربہ اور فنی قابلیت کے اعتبار سے آپ اپنے ہم عصروں میں ممتاز ہو گئے جب آپ کی حذاقت اور تجربہ کی شہرت ہوئی تو قلیج محمد خان جو عہد اکبری کے بہت بڑے امراء میں شامل تھے آپ کی طرف متوجہ ہوئے، حکیم روح اللہ کچھ عرصہ ان کے پاس رہے پھر کچھ دن صادق کی خدمت میں بسر کئے اور بڑے معرکے کے علاج کئے۔ اس کے بعد شاہ مراد اور شاہزادہ دانیال کے دامن دولت سے وابستہ ہو گئے۔ جب ان دونوں شاہزادوں کا انتقال ہو گیا تو حکیم روح اللہ عہد اکبری کے سب سے زیادہ مشہور بہادر اور قدر شناس امیر عبدالرحیم خانِ خاناں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خانِ خاناں آپ کی استعداد سے آگاہ ہوئے تو انہوں نے بڑی عزت و توقیر کی اور تھوڑے ہی عرصے میں حکیم روح اللہ نے خانخاناں کی خدمت میں درجۂ اختصاص حاصل کر لیا۔

صاحب مآثر رحیمی نے لکھا ہے کہ "تحریر میں بے نظیر اور بے مثال ہیں اور اپنے عہد کے عقلاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے، مدت سے خان خاناں کی خدمت میں باریاب ہیں اور بڑے بڑے انعام آپ کو ملے ہیں۔ خان خاناں کے فیضِ التفات سے حکیم کی زندگی اس قدر آرام و راحت اور شان و شوکت سے بسر ہو رہی ہے کہ اہل گجرات

کو آپ کی کامرانی پر حسد ہوتا ہے، حکیم روح اللہ بھروچ احمدآباد میں نہایت فراغت وثروت سے عمر گزار رہے ہیں۔

اور عوام کے علاج معالجے میں نہایت دلچسپی اور کوشش سے حصہ لیتے ہیں اکثر اوقات حاضر ہو کر خان خاناں کے پاس بھی رہتے ہیں اور پھر اپنے وطن چلے جاتے ہیں، ہمیشہ خان خاناں کی دولت واقبال کے لیئے دعا کرتے رہتے ہیں، جب جہانگیر بادشاہ کو اطلاع ملی کہ خان خاناں بہت کمزور ہو گئے ہیں تو جہانگیر نے حکیم روح اللہ کو علاج کرنے کی غرض سے برہانپور بھیجا۔ حکیم نے بہت توجہ اور خلوص سے علاج کیا۔ خان خاناں نے دو ہزار روپے دیئے۔ ایک ہاتھی اور خلعت عنایت کیا حکیم اس علاج سے فارغ ہو کر بادشاہ کی ملازمت میں چلے گئے۔

جہانگیر نے ۱۰۳۰ھ کے واقعات میں اپنی توزک میں خود اس واقعہ کو اس طرح لکھا ہے۔

نورجہاں عرصے سے ایک بیماری میں مبتلا تھی۔ اور تمام مسلمان اور ہندو اطبار جو دربار سے تعلق رکھتے ہیں علاج کر چکے تھے، مگر آرام نہ ہوا تھا۔ اب حکیم روح اللہ حاضر ہوئے انہوں نے بیگم کے علاج پر ہاتھ ڈالا خدا کے فضل سے بہت تھوڑے دنوں میں پوری صحت ہو گئی، ۱۰۳۲ھ میں جہانگیر کشمیر کے دوران قیام میں سانس کی شدید تکلیف میں مبتلا ہوئے تو حکیم روح اللہ ہی نے ان کا علاج کیا۔ بادشاہ کو بائیں جانب دل کے قریب ہوا کی نالی میں گرانی اور رکاوٹ محسوس ہوتی تھی۔ روح اللہ نے تھوڑے دنوں ہلکی گرم ادویہ کا استعمال کیا جس سے تھوڑی تخفیف ہو گئی مگر پھر مرض میں شدت پیدا ہو گئی۔ اس بار پہلے بکری کا پھر اونٹنی کا دودھ دیا گیا کسی سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اسی دوران حکیم رکنا کاشی آگرہ سے کشمیر پہنچ گئے اور اس نے علاج شروع کیا حکیم روح اللہ پہلے ہی سے بادشاہ کے مزاج شناس ہو گئے تھے۔

۱۰۲۷ھ میں جہانگیر احمد آباد گجرات میں مقیم تھے وہاں کی آب وہوا کے اثر سے ان کی طبیعت کچھ خراب ہوئی حکیم نے کہا یہاں کی آب وہوا آپ کے موافق نہیں ہے شراب اور افیون میں کمی کر دینی چاہیئے ۔ جہانگیر نے آپ کی رائے کا احترام کیا، اور دونوں چیزوں میں کمی کر دی گئی ۔ اسی دن مرض میں افاقہ محسوس ہوا جہانگیر نے اس موقع پر آپ کو سو مہر اور ایک ہزار روپے عنایت کئے ۔ [1]

مولانا مقصود علی تبریزی

آپ نہایت صوفی صافی، تصوف اور عشق ومحبت میں بے مثال، تذکیر اور تزکیۂ نفس، سیر فی اللہ، سلوک الی اللہ میں بے مثال تھے ۔ متداول علوم نہ صرف یہ کہ حاصل کئے بلکہ ان کا کمالِ استحضار تھا اور ساتھ ہی مسکنت اور درویشی آپ کا شعار و دثار اور اوڑھنا بچھونا بن گیا تھا ۔ اسی بنا پر درویش اور طلاب کی ایک جماعت ہمیشہ آپ سے افادے واستفادے میں مشغول رہتی ۔ آپ بڑے زبردست صائم الدہر اور قائم اللیل تھے ۔ باوجود علائقِ دنیا سے الگ رہنے کے خانخاں سے متعلق رہے ان کی طرف سے جاگیر بھی عطا کی گئی ۔ جب دکن کی فتح میں خانخاں احمد نگر میں سہیل حبشی کے ہمراہ جنگ میں تھے تو اس وقت یہ بھی ساتھ تھے ۔ بعض کہتے ہیں میر بخشی منصب بھی ان کو خانِ خاناں کی طرف سے ملا ہے مگر میر عبدالباقی تبریزی کے ساتھ کچھ چپقلش رہی ۔ غالبًا اس کی وجہ سے یا دوسرے حاسدین کے حسد کی وجہ سے جہانگیر کی طرف سے جو آپ کو ولایت گجرات کی قضاء شرعی کا منصب عطا کیا گیا تھا وہ نہ صرف یہ کہ بعد میں آپ سے چھین لیا گیا بلکہ گوالیار کے قلعہ میں آپ کو

---

[1] اطبائے عہد مغلیہ ص۹ ۔

نظر بند کر دیا گیا۔ اور کئی سال تک گوالیار کے قلعے میں آپ محبوس رہے۔ [1]

میر محمد ہاشم قصہ خواں

میر محمد ہاشم قصہ گو بدخشاں کے سادات میں سے تھے اور محترم آپ کا تخلص تھا قصہ گوئی میں بے نظیر تھے۔ عبدالرحیم خانخاناں جب فتح گجرات کیلئے متوجہ ہوئے۔ اس وقت سے یہ آپ کے ساتھ تھے اور ملا ہمی شیرازی کہتے ہیں کہ آٹھ دس سال یہ مرزا عبدالرحیم خانِ خاناں کی خدمت میں رہے۔ اور عبدالرحیم خانِ خاناں کی مدح میں آپ نے اشعار کہے ہیں۔ ۱۰۲۴ھ میں آپ گولکنڈہ میں تھے آپ کے کچھ اشعار یہ ہیں۔ ؎

تابکی باشد ازیں بختِ نکوہیدہ خصال
دامنِ وصل تہی مایہ ترا زدست خیال

طبع خواہش ز طلب مایہ دہ طبع نسیم
دل مہجور زغم شعلہ کشِ طبع زغال

دل و دست ستم آزمایہ انصاف تہی!
در و دشت ہوس از شوقِ وفا مالامال

دل چناں شیفتۂ ذوق محبت کہ باد!!
ہر دم از بام و درِ دوست رسد غنج و دلال [2]

---

[1] مآثر رحیمی صفحہ ۵۹۶/۳۔ [2] ایضاً صفحہ ۱۰۰۴/۳

مولانا مشرقی

مولانا مشرقی ابن شیخ کبیر الدین ابن شیخ جیو۔ شیخ جیو احمد آباد کے بڑے علماء میں سے تھے۔ فقہ، کلام، تفسیر و اصول وغیرہ کے بڑے ماہر تھے۔ آپ کی تفسیر اس زمانے میں ہندستان میں بہت معتبر سمجھی جاتی تھی اور بڑی مشہور تھی۔ اور ہمیشہ انکی خدمت میں عقلاء، علماء کا مجمع رہتا تھا۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ شیخ جیو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے ہیں اور عرب سے آکر آپ کا خاندان احمد آباد میں متوطن ہو گیا تھا۔ اور شیخ کبیر کی ولادت احمد آباد ہی میں ہوئی اور وہیں پر آپ نے علوم و فنون حاصل کئے۔

مولانا مشرقی نے بھی ابتدائی طالب علمی کے بعد شعر و شاعری شروع کی اور ۱۰۱۵ھ میں عبدالرحیم خانِ خاناں سے وابستہ ہو گئے۔ عبدالرحیم خانِ خاناں کی صحبت میں رہ کر تاریخ و سیر کی کتابوں کی قرأت اور اسی طرح اخبار و روایات کی کتابیں کی قرأت آپ کے ذمہ رہی اور ان سے جاگیر پائی۔ اس پر گذارہ تھا اس کے باوجود آپ بڑے زاہد و عابد اور بہت دیندار تھے۔ [1]

میر دوستی سمرقندی

آپ فاضل علماء، شعراء میں شمار ہوتے تھے۔ ابتدائی علوم سمرقند اپنے وطن میں حاصل کئے۔ وہاں آپ کی شہرت ہوئی اس کے بعد ہندوستان کا سفر کیا۔ مولانا عبدالباقی نہاوندی لکھتے ہیں!

۱۰۲۶ھ میں شہزادہ خرم جب تسخیر دکن کے ارادے سے خاندیس

---

[1] مآثر رحیمی ج ۳ ص ۱۳۶۸۔

پہنچے تو اس وقت نہاوندی خانخاناں کے ساتھ تھے اور میر دوستی سمرقندی،
وہاں پر میر عبداللہ حاکم گجرات کے پاس تھے اس وقت وہاں ان سے ملاقات ہوئی
میر دوستی سمرقندی، مولانا شفقی بخارائی کے شاگرد تھے کہ نظم اور فن شعر انہیں سے انہوں نے حاصل کیا
ایک مدت خانخاناں کے ساتھ رہے اس کے بعد سمرقند اپنے وطن واپس
لوٹے۔ [1]

مولانا نادمی

فتح گجرات کے موقع پر شعراء کی جو جماعت عبدالرحیم خانخاناں کے ساتھ
تھی اس میں مولانا نادمی بھی شامل تھے۔ آپ کا کلام نہایت متانت اور پختگی
والا ہوتا۔ متقدمین کی طرز پر ہوتا تھا۔ متاخرین کے طریق کو آپ نہیں جانتے
تھے۔ کچھ عرصہ عبدالرحیم خانخاناں کی صحبت میں رہ کر آپ اپنے وطن
واپس لوٹ آئے۔ [2]

میر محمد یوسف طبعی

آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی میر یعقوب ہے۔ آپ
کے آباء و اجداد کی پیدائش بھی احمدآباد میں ہے۔
مگر آپ کا اصل خاندان بخارا سے تعلق رکھتا ہے آپ کی ولادت بھی احمدآباد
میں ہے۔ بچپن ہی سے عبدالرحیم خانخاناں کے ساتھ تعلق رہا۔

---

[1] مآثر رحیمی ص ۳۳/۳ ج۔ [2] ایضاً ص ۱۲۷۹/۳ ج

کے ساتھ تعلق رہا۔ آپ کے اشعار مولانا عرفی کی روش پر ہوتے ہیں۔
اور آپ کے اشعار
بڑے دلنشیں ہوتے تھے کچھ عرصہ آپ مولانا نوعی کی خدمت میں بھی رہے
اوران سے باحثہ ومناظرہ بھی رہا۔ اور مولانا نوعی کی آپ پر بہت زیادہ
توجہ تھی۔ اور آپ سے بہت زیادہ اعتقاد رکھتے تھے۔

آپ کے چند اشعار یہ ہیں۔ ے

عید آمد کز سر نو عالم آرائی کند
چار طبع و پنج حس را راحت افزائی کند

بازبانِ ماہ نو گردون ہمی گوید کہ عید
ضعف می خواران مبدل با توانائی کند

طبع مردم آنچناں آمادۂ کیفیت است
کز رہِ تاثیر در سر آب صہبائی کند

شد چناں بازارِ مستی گرم کز بس بیخودی
عقلِ ناداں در فنونِ عشق دانائی کند [1]

مولانا وامق بلخی

آپ بلخ کے باشندے ہیں، شیخ علم اللہ کے واسطے سے عبدالرحیم خانخاناں
سے تعارف ہوا۔ خانخاناں کے علاوہ حیاتی، گیلانی سے برہانپور میں بھی صحبت
رہی اسی طرح خان اعظم کے صاحبزادے مرزا شمس الدین کی خدمت میں کچھ عرصہ

---

[1] مآثر رحیمی صہ ۱۲۱۲ ج ۳

گجرات میں رہے۔ اس کے بعد عبدالرحیم خانخاناں سے وابستہ ہوگئے۔[1]

مولانا نصیری

نصیری خانخانان کی فوج کے ایک سپاہی تھے؛ شاہ نامہ کی بحر میں آپ نے خانخاناں کی سلطان مظفر کے ساتھ جو جنگ ہوئی اس کے واقعات کو نظم کیا ہے۔[2]

غازی خاں بدخشی

غازی خاں بدخشان کے علماء میں سے ہیں اور شاہی منصب دار بھی رہے ہیں ہمیشہ علماء، صلحاء کی ایک جماعت آپ کے ساتھ رہتی تھی۔ اور آپ ان کی تمام سفر وحضر کی ضروریات کو پورا کرتے تھے۔ شیخ ابوالفضل سے بڑی دوستی تھی۔ اسی لئے انہوں نے اپنی ہمشیرہ کو ابوالفضل کے نکاح میں دیا۔

غازی خاں بدخشی اپنے انتقال تک خانخاناں کے ساتھ رہے اور انتقال کے وقت اپنے فرزند رشید، خواجہ حسام الدین محمد کو خانخاں کے سپرد کیا۔[3]

ابراہیم حسین دبیر

آپکی ولادت بلخ میں ہوئی۔ اور کابل میں نشو ونما پائی، اور اپنے والد کے ساتھ بچپن میں اکبر بادشاہ کی خدمت میں پہنچے۔ مگر یہ والد کا ساتھ کسی وجہ سے چھوڑ کر خانخاناں کی خدمت میں دکن پہنچ گئے۔ فن شعرگوئی میں آپ مولانا

---

[1] مآثر رحیمی، صفحہ ۱۳۵ ج ۳ [2] ایضاً صفحہ ۱۵۰۸ ج ۳ - [3] ایضاً صفحہ ۱۹ ج ۳

نوعی خبوشانی کے شاگرد تھے۔

ابراہیم حسین دیری ایک مدت تک گجرات میں عبداللہ خاں کے بخشی رہے اور ۱۰۲۴ھ میں پرویز بن جہانگیر کے ساتھ رہے۔ خانِ خاناں جب گجرات سے برہانپور گئے تو اس وقت دیری نے یہ قصیدہ کہا۔ ؎

باغ را پیرایۂ نوشد گل بسلطانی نشست
بلبلِ خوش نغمہ بر شاخِ ثنا خوانی نشست [1]

حکیم مشہدی

مشہد کے باشندہ تھے، اور طب میں پوری مہارت رکھتے تھے، فن شعر میں بھی انہیں پورا سلیقہ حاصل تھا، اور مشاہیر شعراء میں شمار ہوتا تھا جس وقت عبدالرحیم خان خاناں گجرات کی مہم پر گئے۔ یہ نئے نئے خراساں سے آئے تھے۔ اور خان خاناں کی خدمت میں باریاب ہو کر اس کے مصاحبوں میں شامل ہو گئے، اس کے بعد بھی خان خاناں کے ساتھ رہے۔ خان خاناں نے انہیں بے حد انعامات اور صلے عطا فرمائے۔ حکیم ان کی مدح میں قصائد لکھا کرتے۔ آخر کسی وجہ سے خانِ خاناں کی ملازمت سے الگ ہو گئے۔ [2]

مولانا شعری

فتح گجرات کے شروع میں خانِ خانان کے ساتھ رہنے والے شعراء میں سے شعری بھی ہیں جن کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ ان کے چند اشعار حسبِ ذیل

---

[1] مآثر رحیمی ص۹۹۵ [2] اطبائے عہد مغلیہ ص۱۷۹۔

ہیں ۔ ؎

بازبادِ سحر از طرفِ گلستان آمد
بازجان در تن مرغانِ سحرخوان آمد
بازآمد بچمن شاہد گل جلوہ کنان
بلبل نغمہ سرا از در افغان آمد
باز چوں خیل پری گشت شگوفہ پیدا
باز بر تختِ چمن گل چو سلیمان آمد

باز شد باغ ز بارانِ بہاری سرسبز
باز وقتِ طرب و سیر گلستان آمد سلہ

مولانا حیدری

مولانا حیدری دارالسلطنت تبریز کے باشندے تھے۔ طوفی و وقوعی اور شریف کے ہمعصر اور لسانی کے آپ شاگرد تھے۔ جب شریف نے آپ کے استاد لسانی کے بارے میں زیادتی کی تو آپ نے اپنے استاد لسانی کا ساتھ دیا۔ اور ان کی طرف سے قصائد کہے۔

ایران میں کافی شہرت کے بعد تبریز سے ہندوستان پہنچے اور کافی مدت ہندوستان میں گذاری۔ شاہانِ ہند کے شعراء میں شمار ہونے لگے۔ بالخصوص اکبر بادشاہ کے درباری شعراء میں رہے۔ تین مرتبہ عراق سے آپ نے ہندوستان کا سفر کیا۔ طویل عرصہ مرزا عزیز کوکہ کے ساتھ آپ وابستہ رہے

سلہ مآثر رحیمی صفحہ ۱۴۴۴/۲۔

بالآخر عبدالرحیم خانخاناں کے حملہ گجرات کے موقع پر آپ ان کے ساتھ تھے۔ ایران پہنچ کر کاشان میں ٹھہر گئے۔ اس لئے کہ کاشان میں ملا عبدالباقی نہاوندی کے بھائی خضر نہاوندی حکام میں سے تھے۔ ان کے ساتھ رہے اور وہاں ایک تصنیف شروع کی اور اپنے وطن تبریز جانا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں رومی، ترکی غالب آگئے تھے بلکہ آپ نے عراق کا سفر مناسب سمجھا۔ جو آب و ہوا اور علاقہ کی خوشگواری وغیرہ کے اعتبار سے ہر طرح سے موزوں اور مناسب تھا۔ [1]

مولانا صیدی

خانخاناں کے شعراء میں مولانا صیدی بھی تھے۔ جن کے تفصیلی حالات معلوم نہ ہوسکے البتہ نہاوندی لکھتے ہیں کہ: ظاہر یہ ہے کہ صیدی کشمیری تھے۔ صیدی کے چند اشعار ہیں جو خانخاناں کی مدح میں کہے گئے۔ ؎

آنکہ گجرات از عدالت او
خوش تر از کابل و بدخشاں است

آنکہ از ہیبت و صلابت او
تن اعدا چو بید لرزاں است

ای کہ در جود و در شجاعت و فضل
ہرچہ گویم ہزار چنداں است [2]

---

[1] مآثر رحیمی ص ۱۳۲۸ ج ۲۔ [2] ایضاً ص ۱۳۷۵ ج ۳

مولانا نسبتی

نہاوندی لکھتے ہیں کہ نسبتی کے حالات بالکل معلوم نہ ہو سکے کہ آپ کہاں سے ہیں۔ البتہ لوگوں کا بیان یہ ہے کہ آپ عراق سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر عراق کے کس علاقہ سے ہیں یہ معلوم نہیں۔ آپ بھی خانِ خاناں کے ساتھ گجرات میں رہے ہیں۔ ؎[1]

میر عہدی

میر عہدی ایران کے شہر ری سے آپ تعلق رکھتے تھے۔ فن شاعری کے علاوہ علم رمل، نجوم، عروض، قافیہ سے بھی آپ کو واقفیت تھی۔ آپ کا کلام بھی نہایت پختہ ہوتا اور حکمت و دانش پر مبنی ہوتا تھا۔ فتح گجرات کے موقع پر آپ بھی خانخاناں کے ساتھ تھے اور آپ کی ملازمت میں رہ کر آپ نے جاگیر بھی حاصل کی۔ ؎[2]

شاہ نظر بیگ اصفہانی افشاری

اصفہان کے علاقے کے رہنے والے تھے اور ان کے آباء و اجداد وہیں کے تھے۔ ان کے آباء و اجداد کو اس علاقے میں کافی اثر و رسوخ حاصل تھا۔ آپ میر مغیث ہمدانی کے شاگرد ہیں۔ رباعیات کہتے ہیں آپ کو کافی دسترس

؎[1] مآثر رحیمی صفحہ ۱۳۸۶/ج ۳ ؎[2] ایضاً صفحہ ۱۳۰۵/ج ۳ ۔

حاصل تھی۔ ۱۰۲۳ھ میں آپ ایران کی بندرگاہ ارون سے گجرات پہنچے اور خانخاناں سے وابستہ ہوئے۔ چند سال ان کے ہمراہ رہ کر بیجا پور، گولکنڈہ، دکن ہوتے ہوئے یہ اپنے وطن واپس لوٹ گئے۔ [۱]

آقا جلال

آقا جلال سید شریف قزوینی کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ سید شریف قزوین کے مشہور سادات خاندان سے تھے اور قاضی جہاں سیفی قزوینی کے چچازاد بھائی تھے۔ سید شریف ابتدائے عمر میں قزوین سے ہندوستان پہنچے اور اکبر بادشاہ کی ملازمت میں رہنے لگے۔ اس زمانے میں چونکہ مرزا ابراہیم حسینی ہمدانی کا بڑا شہرہ تھا۔ اس لئے اپنے بڑے بھائی آقا تقی کی طرح سے آپ نے بھی مرزا کی شاگردی اختیار کی اور ان کے طالب علموں میں شمار ہوئے۔ چونکہ ان کے جد امجد نقیب خاں ہندوستان میں منصب عالی پر فائز تھے اور صوبہ گجرات کے حاکم تھے۔ اس لئے ان کے لئے بھی ہندوستان پہنچنا آسان ہوگیا۔ یہاں شروع میں آپ خانخاناں سے وابستہ ہوئے اس کے بعد گولکنڈہ کی سیر اور میر محمد مومن استرآبادی سے ملاقات کے بہانے دکن چلے گئے۔ [۲]

مُلّا حسن بلخی

آپ کا کلام سوز و درد سے بھرا ہوتا تھا۔ فتح گجرات کے موقع پر آپ

---

[۱] مآثر رحیمی صفحہ ۱۴۷۳، ۱۴۷۲، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷ ج ۳۔ [۲] ایضاً صفحہ ۴ ج ۳۔

بھی خانِ خاناں کے درباری شعراء میں شامل تھے۔ آپ کو جاگیر بھی عطا کی گئی تھی۔ مُلّا حزینی کے مولد و منشاء کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ حزینی تخلص رکھنے والے دو شاعر ایران میں گذرے ہیں ایک خراسان میں دوسرے نہاوند میں۔

مگر یہ دونوں بزرگ خراسانی و نہاوندی ہندوستان میں نہیں آئے۔ یہ حزینی کوئی اور ہیں۔ عبدالرحیم خانِ خاناں کے احمد آباد کے کتب خانے کے متعلق حزینی کے اشعار حسبِ ذیل ہیں۔ ؎

تا علم افراختہ شاہِ سخندان علم
رخشِ سخن تاختہ بر سرِ میدان علم
تیغ زبان کردہ تیز صف شکنِ بیگریز
خاصہ براھلِ ستیز در صف مردان علم [1]

مولانا محمود

مولانا محمود بھی عبدالرحیم خانِ خاناں سے وابستہ شعراء میں سے تھے۔ آپ کے حالات زیادہ معلوم نہیں ہو سکے۔ البتہ طویل عرصہ خانِ خاناں کے ساتھ رہے ہیں۔ [2]

---

[1] مآثر رحیمی ص ۱۱۹۵/ج ۳ [2] ایضاً ص ۱۳۷۲/ج ۳۔

سلطان محمود بیگڑہ

شیخ سراج الدین کی خدمت میں

سلطان محمود بیگڑہ اپنے روحانی علاج کے لیئے اس زمانہ کے ایک بزرگ شیخ سراج الدین کی خدمت میں حاضری دینے لگے۔ شیخ سراج الدین شیخ علی خطیب کے خلیفہ تھے اور وہ شیخ قطب الاقطاب برہان الدین کے خلیفہ تھے۔ شیخ سراج الدین کے سالکوں کی بڑی تعداد تھی جنہیں شیخ نے عین الیقین کے مقام تک پہونچا دیا تھا۔

سلطان محمود کا ایک امیر امین الملک شیخ سراج الدین کا معتقد تھا۔ محمود نے اپنے امیر سے شیخ کے متعلق دریافت کیا چنانچہ اس نے آپ کے مناقب و فضائل بیان کیئے جس سے محمود بیگڑہ بہت متاثر ہوئے اور شیخ سے ملاقات کا شوق ہوا چنانچہ ایک رات محمود نے اپنے امیر کے ہمراہ شیخ سراج الدین کی خدمت میں پہنچے سلام و مصافحہ کیا۔ پھر سلطان نے ان سے عرض کیا کہ اپنی توجہ سے مجھے ظلماتِ نفسانی سے نکال کر مقام ہدایت تک پہونچا دیں۔ شیخ نے فرمایا کہ اگر واقعی کسی کو اس کی تلاش ہو تو درویش بھی اس کے لیئے بابِ ہدایت کھولنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سلطان نے کہا کہ محمود کو واقعی ایک دردمند سمجھیں اور اس کا علاج کریں اور اس کو صحیح راستہ پر لگادیں۔ شیخ نے فرمایا کہ آپ کے آپ کے سر پر امارت ہے اور کندھوں پر ذمہ داریاں ہیں۔ راہِ سلوک میں ان تمام چیزوں سے قطع تعلق کرنا ضروری ہے۔

سلطان نے کہا کہ اس راہ کے لیئے میں اپنی مسندِ سلطنت چھوڑ کر آپ کی ملازمت کا احرام باندھنے کے لیئے تیار ہوں۔ یہ سنکر شیخ بڑے خوش ہوئے

اور فرمایا کہ اگر بادشاہت عدل و انصاف کے ساتھ کی جائے تو اس سے بادشاہ کو کوئی نقصان نہیں پہونچتا۔ پھر شیخ نے سلطان سے فرمایا کہ آج تو آپ واپس جائیں کل جو کچھ کہلا بھیجوں اس کو قبول کریں اور اس میں چوں و چرا نہ کریں۔ محمود دنے دوسرے دن امین الملک کو شیخ کی خدمت میں یہ کہہ کر بھیجا کہ وہ جو کچھ کہیں اس کو واپس آکر بے کم و کاست دہرانا۔ امین الملک شیخ کی خدمت میں پہونچا تو انہوں نے فرمایا کہ سلطان کو میں نے ایک اچھا مرد اور فقیر دوست پایا۔ میرا دل سلطان کی صحبت چاہتا ہے میری خواہش ہے کہ میں سلطان کے یہاں نوکری کروں۔ میری اس خواہش کو سلطان تک پہنچا دو اگر سلطان منظور کرلیں تو مجھے کسی خدمت پر مامور کر دیں۔ امین الملک ان کے یہاں سے چلا تو وہ پریشان تھا کہ میں نے سلطان کے سامنے شیخ کی بہت تعریف کی تھی اور اب یہ پیام پہونچاؤنگا تو معلوم نہیں سلطان کیا سوچیں گے لیکن شیخ کا حکم تھا۔ اس لئے اس نے ساری بات بیان کر دی۔ سلطان نے سنکر کہا کہ مجھے منظور ہے لیکن شیخ سے دریافت کرو کہ وہ کون سا عہدہ قبول کریں گے۔ شیخ نے جواب میں فرمایا کہ فن حساب میں ماہر ہوں لہذا مجھے استیفائے ملک کے منصب پر مقرر کر دیں۔ سلطان نے منظور کرلیا دوسرے روز شیخ نے اپنی کمر میں تلوار باندھی اور گھوڑے پر سوار ہو کر سلطان کے یہاں پہونچے اور مستوفی کی خلعت پہنی۔ پھر اپنے گھر واپس آئے شہر کے لوگ شیخ کو قطب اور غوث سمجھتے تھے لیکن ان کی ملازمت سے ان سے بدظن ہو گئے اور شیخ کو متہم سمجھنے لگے کہ انہوں نے اپنے زہد کو مال اور دنیا کی خاطر بیچ ڈالا اور انکی ساری ریاضت سلطان کو اپنا معتقد بنانے ہی کے لئے تھی۔

شیخ اس طعنہ کے باوجود روزانہ سلطان کے پاس تشریف لاتے۔ کچھ دنوں کے بعد امین الملک سے شیخ نے کہا کہ سلطان سے کہو کہ میں بوڑھا آدمی ہوں آنے جانے

ہیں مجھے تکلیف ہوتی ہے اگر اپنے محل کے پاس مجھ کو جگہ دے دیں تو ہر وقت سلطان حاضر رہوں۔ سلطان نے اپنے پاس ہی ان کو رہنے کی جگہ دے دی چنانچہ انہوں نے وہاں قیام کر لیا اور لوگوں سے چھپ کر سلطان کی تربیت میں مشغول ہو گئے۔ اور چند ہی دنوں میں سلطان فیضیاب ہو گئے۔ اور ان کے دل کا غنچہ کھل گیا اس کے بعد شیخ نے فرمایا اب مجھے جانے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ آپ واپس اپنے مستقر پر لوٹ آئے اور سلطان سے کہا کہ اب مجھ سے ملاقات نہ کرنا کوئی ضرورت ہو تو لکھ کر پیغام بھیج دینا۔ [1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

ایک رات سلطان محمود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دو طبق مرحمت فرمائے۔ اس کی تعبیر یہ قرار پائی کہ سلطان کو دو بڑی نعمتیں حاصل ہونگی۔ چنانچہ اس کے بعد سلطان نے دون اور کرنال کو فتح کر لیا۔ [2]

حفظ قرآن مجید کی قدردانی

سلطان محمود ایک مرتبہ شب قدر میں علماء وصلحاء کی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے علماء کے درمیان باہم فکر آخرت پر گفتگو ہو رہی تھی۔ ایک عالم دین نے بیان کیا کہ قیامت کے دن آسمان سے آفتاب نیچے آئے گا۔ گناہ گاروں کے سروں پر آفتاب سوا نیزے کے برابر ہوگا اور اس کی تپش سے وہ جل رہے ہونگے۔ اگر ان میں کوئی حافظ قرآن ہوگا تو اس کے اسلاف کی سات پشتیں رحمت کے سایہ میں ہونگی۔ اور آفتاب کی گرمی کا اثر ان پر نہ ہوگا۔ یہ سن کر سلطان محمود کی زبان سے ایک آہ نکلی پھر کہا کہ میرے لڑکوں میں سے کسی کو یہ سعادت حاصل نہیں ہے ناکہ میں بھی اس رحمت کا امیدوار ہوتا۔

---

[1] مرآۃ سکندری ص ۱۰۵ [2] بزم رفتہ کی سچی کہانیاں۔

سلطان کے صاحبزادے خلیل خاں اس مجلس میں موجود تھے جو آگے چل کر سلطان مظفر کے لقب سے تخت نشین ہوئے اس نے باپ کی بات سن لی کچھ دنوں کے بعد اس کو بڑودہ کی جاگیر دی گئی اور وہ یہاں چلے آئے۔

بڑودہ آکر قرآن پاک کی تلاوت اور اس کے حفظ کرنے کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول نہ ہوئے۔ اسی محنت اور اہتمام سے انہوں نے ایک سال میں تمام کلام مجید حفظ کر لیا۔ رمضان المبارک میں باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حکم ہو تو تراویح میں قرآن سناؤں۔ سلطان محمود یہ سن کر بے حد مسرور ہوئے بیٹے کو گلے سے لگایا اور بوسہ دیا۔

بیٹے نے رمضان المبارک میں کئی بار کلام پاک تراویح میں سنایا۔ سلطان نے کہا کہ اپنے بیٹے کا شکر کس طرح ادا کروں کہ اس نے اپنے اسلاف کو قیامت کے دن آفتاب کی گرمی سے نجات دلائی۔ اس کا بدلہ صرف یہی ہے کہ میرے ہاتھ میں بادشاہت ہے اس کو دیدوں۔

سلطان نے اپنے بیٹے کے قرآن پاک حفظ کرنے کی خوشی میں ایک دعوتِ عام کی جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایسی دعوت کبھی نہیں ہوئی۔ [1]

علماء و مشائخ سے محبت

سلطان محمود کو علماء کرام و مشائخ عظام سے بڑی محبت و عقیدت تھی اپنی وفات سے قبل نہروالہ گئے وہاں کے تمام علماء و صلحاء سے ملاقات کی، ان کو انعام و اکرام سے نوازا۔ جب رخصت ہونے لگے تو کہا اب اجل مہلت نہ دیگی کہ آپ لوگوں سے پھر مل سکوں۔

نہروالہ پٹن، مشائخ کے مزاروں پر حاضری دی اسلاف کے قبرستان میں اپنے لئے قبر کھدوائی، کبھی کبھی اس کو دیکھنے کے لئے جاتے۔ ایک روز قبر کا دہانہ

---

[1] مرآۃ سکندری۔

کھلوا کر دیکھا اور اس کے کنارے پر بیٹھ کر فرمایا۔

اللھم ان ھذا اول منازل الآخرۃ فسھلہ واجعلہ من ریاض الجنۃ سلہ	اے اللہ یہ آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے سو اسکو آسان کر دے اور اسے جنت کی کیاریوں میں سے بنا دے۔

خوفِ خدا آخر عمر میں عبادت کی طرف زیادہ متوجہ ہو گئے تھے۔ اور رقت قلب کیوجہ سے برابر روتے رہتے ان کا ایک امیر ملک سارنگ عرف قوام الملک تھا۔ احمدآباد سے باہر سارنگپور اسی کا آباد کیا ہوا ہے۔ اس نے سلطان محمود کو کثرت سے روتے ہوئے دیکھکر دریافت کیا کہ دولت بھی ہے شہنشاہی بھی پھر رونے کی وجہ؟ سلطان نے جواب دیا کہ تمہیں کیا بتاؤں میرے مرشد شاہ عالم قدس سرہٗ نے میرے لئے دعا ضرور کی تھی کہ محمود کی عاقبت محمود ہو عمر کی نہر بہتی چلی جاتی ہے اور جو بہہ گئی وہ واپس نہیں آتی۔ دل حسرتوں سے بھرا ہوا ہے۔ سلہ ایک مرتبہ قبر کا گڑھا چاندی سے پُر کر کے خیرات کر دیا۔

فیاضی:- خدا تعالیٰ نے سلطان محمود کو سخاوت کی دولت سے بھی نوازا تھا۔ روزانہ ان کے حکم سے کھانے کے وقت نقارہ بجایا جاتا اور منادی آواز دیتا کہ جس کا جی چاہے دسترخوان پر آکر شریک ہو۔ دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے پینے کی چیزیں ہوتیں۔ آخر میں شرکا کو پان اور عطریات دیئے جاتے۔

ان کے یادگار کارناموں میں سے سب سے بڑا کام نامہ یہ ہے کہ انہوں نے دل کھول کر علم اور اہلِ علم کی سرپرستی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب وعجم کے مشاہیر علماء گجرات میں جمع ہو گئے اور گجرات رشکِ بلاد یمن ہو گیا۔ اور پھر یہاں حدیث کا خوب چرچا ہوا۔

علامہ جلال الدین محمد بن محمد مالکی مصری تشریف لائے تو موصوف کو ملک المحدثین کا

خطاب دیا۔ علامہ مجدالدین محمد بن محمد ایجی تشریف لائے تو انہیں رشیدالملک کے خطاب سے نوازا، انہی کے دور میں ابوالقاسم ابن احمد بن محمد شافعی کا ورود ہوا۔

عادات وخصائل

سلطان محمود نہایت پاک دامن، خوش اخلاق، کثیر الاحسان والکرم تھے۔ ان کے اچھے اوصاف کا ذکر حضرمی نے "النور السافر" میں اور گجراتی نے "مرآۃ سکندری" میں کیا ہے۔

آصفی نے لکھا ہے کہ محمود بیگرہ ۹۱۶ھ میں نہروالہ پٹن تشریف لے گئے، ہاں کے علماء کی زیارت کی، متوفین کے قبروں پر دعاء پڑھی اور تفسیر وحدیث کے لئے ایک مجلسِ مذاکرہ منعقد کی، علماء کے لئے عطایا و وظائف میں اضافہ کیا۔

سلطان مظفرؒ حلیم

سلطان مظفر علوم دین سے اچھی طرح واقف تھے۔

نہایت سلیم الطبع اور حاضر جواب تھے۔ فنونِ حرب میں خصوصاً تیراندازی نیزہ بازی، شمشیر زنی، گھڑسواری میں مہارتِ تامہ حاصل تھی، خطاطی میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ اپنے ہاتھ سے قرآن مجید لکھ کر حرمین شریفین بھجواتے، جوانی ہی میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ اتباعِ رسولؐ کا خاص اہتمام تھا۔ جب موت یاد آتی تو زار و قطار روتے علمائے کرام سے بڑی عقیدت تھی۔ اکابر و مشائخ سے محبت کا اظہار کرتے۔

شریعت کی سختی سے پابندی کرتے ہمیشہ باوضو رہتے۔ باجماعت نماز ادا کرتے کبھی کسی کی اہانت نہ کرتے۔ اسراف سے بچتے لیکن سخاوت کا دامن نہ چھوڑتے تمام رعیت کے احوال کی خبر رکھتے۔ بعض اوقات لباس بدل کر رات میں اپنے

محل سے نکلتے۔ اور رعایا کے حالات معلوم کرتے۔

فکرِ آخرت

ایک روز سلطان مظفر قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ قیامت کی آیتوں کو پڑھ کر رونے لگے۔ ان کے ایک خادم نے عرض کیا بادشاہ سلامت میرے علم میں آپ سے کوئی گناہ کبیرہ سرزد نہیں ہوا بلکہ اکثر آپ کو عبادت میں مشغول پایا ہے لہذا مغفرت کی بڑی امید ہے یہ سن کر سلطان نے اس خادم سے کہا کہ میری گردن پر بار گراں ہے اس لئے روتا ہوں۔ تم نے سنا نہیں کہ نجا المخففون و ھلک المثقلون۔ ہلکے بوجھ والے نجات پا جائیں گے اور گراں بار ہلاک ہوں گے۔

شراب سے نفرت

سلطان مظفر نے شہزادگی اور بادشاہت کے زمانہ میں کوئی نشہ آور چیز استعمال نہیں کی۔ ایک روز ایک درباری امیر قوام الملک نے پوچھا کہ آپ نے کبھی مسکرات کا استعمال کیا ہے۔ جواب دیا کہ جب پانچ سال کا تھا تو ایک دن بالاخانہ سے اتر رہا تھا کہ زینہ پر پاؤں پھسلا اور زمین پر آگرا۔ شدید چوٹ آئی۔ اس وقت میری دادی میری پرورش کر رہی تھیں۔ انہوں نے بطور علاج مجھے شراب پلادی۔ میں نے اسی وقت قے کر دی اور طبیعت خراب ہو گئی اس کے بعد میری دادی نے خواب دیکھا کہ کوئی ان سے کہہ رہا ہے کہ تم نے شہزادے خلیل خاں کو شراب پلادی؟ انہوں نے کہا ہاں۔ اس شخص نے کہا توبہ کرو آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا۔ بیداری پر دادی نے استغفار کیا اور پھر میری طبیعت ٹھیک ہو گئی۔ اس کے بعد اللہ نے اپنے فضل و کرم سے مجھکو شراب کی آلودگی سے محفوظ رکھا۔

بعد میں سلطان کو شراب سے اس درجہ نفرت ہو گئی کہ سلطان کے پاس ایک گھوڑا تھا اپنی چال اور خوش رفتاری میں منفرد تھا سلطان کو سواری کے لئے وہ گھوڑا بہت پسند تھا۔ ایک دن اس گھوڑے کے پیٹ میں درد

ہوا۔ ہر طرح کی دوا کی گئی کوئی اثر نہ ہوا۔ ایک حاذق طبیب نے بتایا کہ اگر خالص شراب پلائی جائے تو اس سے فائدہ ہوگا چنانچہ اس کو شراب پلائی گئی اور اس کا درد جاتا رہا۔ سلطان کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو بڑے افسوس کا اظہار کیا اور اس گھوڑے کی سواری ترک کردی۔ لے

شریعت کا لحاظ سلطان مظفر نے جب مانڈو فتح کیا تو وہاں سلطان محمود نے بڑی عظیم الشان دعوت کی تھی اس دعوت میں بعض چیزیں شریعت کے خلاف ہوئیں۔ مظفر شاہ کے متنبہ کرنے پر فوراً اصلاح کی گئی سلے

اجابتِ دعاء ایک مرتبہ سلطان مظفر حلیم دعائے استغفار کے لئے نکلے۔ فقراء اور مساکین میں خوب خیرات کی اور ان سے بارش کے لئے درخواست کی خود مصلی پر آکر نماز پڑھائی۔ بعد میں دعا کرائی جس کا آخری حصہ یہ تھا۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی عَبْدُکَ وَلَآ اَمْلِکُ نَفْسِیْ شَیْئًا فان تک ذنوبی حبست المطرعَنْ خَلْقِکَ فہا انا جبتھی بیدک فاغثنا یا ارحم الراحمین۔

یا اللہ میں تیرا بندہ ہوں میں کسی چیز کا بھی مالک نہیں اگر میرے گناہ بارش کو روک رہے ہیں تو اے پروردگار یہ میری پیشانی تیرے قبضہ میں ہے۔ اے ارحم الراحمین ہماری فریاد رسی فرما۔

ا نہی کلمات دعائیہ کے ساتھ ہی اپنی پیشانی زمین پر رکھ دیا اور بار بار ارحم الراحمین پکارنا شروع کیا۔ ابھی سر نہیں اٹھایا تھا کہ بارانی ہوائیں چلنے لگیں۔ بجلی کوندی بادل گرجا اور بارش شروع ہوگئی۔ سلے

علالت نماز استسقاء کے کچھ عرصہ بعد مظفر شاہ کی طبیعت خراب ہوگئی بدن کمزور ہوگیا۔ اسی علالت کے دوران ایک مجلس

قائم کی جس میں سربرآوردہ افراد کے ساتھ علماء و مشائخ کو بھی دعوت کی گئی۔ ان علمائے کرام سے درخواست کی گئی کہ وہ آخرت کے موضوع پر گفتگو کریں۔ اسی درمیان میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے احسان کی بات ہونے لگی۔ مظفر شاہ نے اپنے اوپر اللہ تبارک و تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر بطور تحدیث بالنعمۃ کیا۔

اس کے بعد فرمایا کہ مجھے اپنے استاذ شیخ مجدالدین نے اپنے مشائخ سے جو احادیث بیان کی تھیں وہ مجھے محفوظ ہیں اور میں ان روایات کو راویوں کی نسبت اور ثقاہت کے ساتھ ان کے حالات و سوانح اوّل تا آخر جانتا ہوں۔

اسی طرح آیات قرآنی کا معاملہ جن کے حفظ، تفسیر، شانِ نزول اور علم قرأت کی دولت سے نوازا گیا ہوں۔ علم فقہ بھی مجھے مستحضر ہے۔

اللہ کے فضل سے چھ ماہ صوفیاء کے اشغال کئے ہیں جس سے مقصود تزکیہ نفس تھا۔ میں نے تفسیر معالم التنزیل کا مطالعہ شروع کیا تھا امید تھی کہ پوری کتاب بالاستیعاب پڑھ لونگا مگر اب صورت یہ ہے کہ اس تفسیر کو جنت ہی میں جاکر پورا کرسکوں گا۔

اے صاحبو! اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھنا۔ اب میرے اعضا کمزور ہو چکے ہیں جن کی دوا صرف اللہ سبحانہ کی رحمت ہے۔

اس کے بعد حاضرین مجلس نے سلطان کی درازی عمر کے لئے دعا کی ۹۳۲ھ میں سلطان مظفر چانپانیر سے نکلے۔ اپنا سب گرد و پیش بدل ڈالا۔ خیرات میں کثرت کردی احمدآباد پہونچنے کے بعد مقدس مزاروں پر بار بار جانے لگے۔

یوم رحلت

جمعہ کا دن تھا۔ سلطان مظفر اپنے دربار سے محل میں گئے اور دن ڈھلنے تک ایک ہی پہلو پر آرام کرتے رہے۔ پانی طلب کیا اور وضو کرکے دو رکعت ادا کیں۔ پھر زنانہ خانے میں گئے جو آہ و بکا کر رہے تھے سلطان نے انہیں صبر کی تلقین کی۔ پھر راجہ محمد حسین اشجع الملک سے ملاقات کی

اوران سے سورۂ لیسین پڑھنے کی درخواست کی۔ پھر ان سے معلوم ہوا کہ اذان جمعہ کا وقت ہے۔ سلطان کی عادت نماز جمعہ کے لئے قبل از وقت مسجد میں جانے کی تھی مگر آج انہوں نے کہا کہ میں نماز ظہر پڑھونگا۔ اور عصر کی نماز جنت میں ادا کرونگا انشاء اللہ۔

اس کے بعد شرکائے مجلس کو نماز کے لئے جانے کی اجازت دی اور اپنے لئے مصلی طلب کیا اور نماز کی نیت باندھ لی۔ ان کی آخری دعا یہ تھی رب قد اٰتیتنی من الملک وعلمتنی من تاویل الاحادیث فاطر السمٰوات والارض انت ولی فی الدنیا والاٰخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین [1] اس کے بعد اپنے بستر پر لیٹ گئے چہرہ قبلہ رخ تھا زبان پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ جاری تھا، آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔

وفات سلطان مظفر کی وفات ۱۲ جمادی الاولی ۹۳۲ھ کو ہوئی سرکھیج میں مدفون ہیں۔

سلطان شاہ غزنیؒ

سلاطین گجرات کے رشتہ داروں میں سے ایک تھے۔ شروع جوانی میں ڈاکہ زنی اور ظلم میں مشہور تھے۔ سلطان کی قرابت اور رشتہ داری کے سبب کوئی روک ٹوک کی طاقت نہیں رکھتا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ شیخ احمد جو میاں مخدوم کے لقب سے مشہور تھے جو حضرت شاہ عالم کے خادم خاص تھے اور حضرت کی ضروریات کا انتظام ان سے متعلق تھا۔ وہ ایک مرتبہ ۸۴ تنکہ زر سرخ یعنی ۸۴ سونے کی گنیاں لے کر جا رہے تھے۔ جن میں سے ہر ایک گنی سترہ سولہ کی تھی جو حضرت شاہ عالم

[1] سورۂ یوسف۔

کے بارگاہ کا روز مرّہ کا خرچ تھا۔ شاہ عالم کی طرف سے آپ کو آپ کو حکم ہوتا کہ فلاں فلاں جگہ سے اس کو لے لو فلاں کام میں صرف کرو۔ یہ سونا لے کر احمدآباد کے بازار سے وہ گزر رہے تھے کہ سلطان شاہ غزنی اور ان کے ساتھی زبردستی میاں مخدوم سے چھین کر لے گئے۔ میاں مخدوم نے حضرت شاہ عالم سے آکر قصہ عرض کیا حضرت مسکرائے فرمایا کہ محبت الٰہی کا بیج غزنی کے دل میں بو دیا گیا اور دوسرا سونا دوسری جگہ سے حضرت نے عنایت فرمایا کچھ عرصہ کے بعد حضرت شاہ عالم گھوڑا گاڑی پر سوار ہو کر تشریف لے جا رہے تھے اور میاں مخدوم بھی حضرت شاہ عالم کے ساتھ تھے کہ اس راستہ میں میر سید نیچے سلام اور قدم بوسی سے مشرف ہوئے اور بھی کوئی گذرتا تو سلام اور قدم بوسی سے مشرف ہوتا اگر سوار ہوتا تو پیادہ پا ہو جاتا ادھر اب محبت الٰہی کے بیج کے سرسبز ہونے کا وقت آچکا تھا۔ شاہ غزنی بھی آپکے سامنے سے گزرے مگر جوانی کے غرور کی بنا پر اور سلطان سے قرابت داری کے زعم میں سواری سے نیچے بھی نہیں اترے اور سلام بھی نہیں کیا یہاں مخدوم نے حضرت شاہ عالم سے عرض کیا کہ ملاحظہ کیجئے کہ یہ جوان اس طرح غرور کے ساتھ گذر گیا۔ حضرت شاہ عالم نے ہندی زبان میں ارشاد فرمایا۔

جو راجن جی کا نہایا ہوئے تو تجھ جیسے　　　فقیروں کی برسوں تین کنا سی کرے

یہ فرماتا تھا کہ شاہ غزنی نے ادھر اپنے آپ کو گھوڑے پر سے نیچے پھینکا اور ترک علائق کر کے حضرت شاہ عالم کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے۔ حضرت شاہ عالم نے تزکیۂ نفس کی خاطر باورچی خانہ کی دیگ کے دھونے کی خدمت ان کے سپرد فرمائی اور انکی ارشاد و تربیت کی ذمہ داری میاں مخدوم کو سونپی شاہ عالم کے انتقال کے بعد دس سال تک میاں مخدوم کی آپ تربیت کرتے رہے۔ یہاں تک

حضرت شاہ عالم کی پیشین گوئی شاہ عزنی کے متعلق صحیح ثابت ہوئی اور خود ان سے بہت سے خرقِ عادت واقعات اور کرامات ظاہر ہوئیں اور ان کے خلفا میں شاہ فضل اللہ کاشانی مشہور ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری اس مایۂ گم گستہ سے ہمیں بھی بہرہ ور فرمائے اور راہ سلوک پر گامزن ہونے کی توفیق دے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ

محمد وعلٰی آلہ وصحبہ اجمعین برحمتک یا

ارحم الراحمین

نوٹ عزیزم مولوی خلیل احمد بن حضرت مولانا ہاشم صاحب جوگواڑی کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ تقریباً دو سال سے مشایخ احمدآباد کی کتابت و طباعت کا مسئلہ تعویق میں پڑا ہوا تھا عزیز خلیل احمد کی کوشش سے مشایخ احمدآباد (ابتداء تاسیس سے لیکر نویں صدی ہجری) کی تصحیح کتابت اور طباعت مکمل ہونے پر اس کے بعد والی جلد کے متعلق بھی آں عزیز کی رائے فوری طباعت کی ہوئی اسلئے بطور مقدمہ وتمہید کے سطور بالا لکھدی گئیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے اسلاف حقہ کی راہ حق پر چلنے اور انکے مشرب پر گامزن ہونے کی توفیق بخشے اور احمدآباد کے علاوہ گجرات کے دیگر مواضع کے مشایخ کے حالات جو مرتب ملیں جلد زیور طبع سے آراستہ فرمائے تاکہ ان مشایخ کرام کے اسوہ اور نمونہ کے اتباع کی توفیق میسر ہو۔ واللہ الموفق وھو المیسر۔

یُوسُفْ مُتَالَا

۱۳ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ

شیخ محمود راجن چشتی

سنہ ۹۰۱ھ

شیخ محمود راجن بن شیخ سراج الدین بن شیخ علم الدین ۔ آپ کی پیدائش پٹن کی ہے ۔ ابتدائی تعلیم و تربیت والد کی نگرانی میں ہوئی اور پھر والد ہی کے زیر سایہ باطنی فیض حاصل کیا اور والد نے خلافت سے نوازا ۔

والد ماجد کے علاوہ شیخ قازن نے سہروردیہ اور شطاریہ سلسلہ میں اجازت مرحمت فرمائی ۔ حضرت گیسو دراز نے سلسلہ چشتیہ میں خلافت عطا فرمائی ۔ شیخ احمد کھٹو اور شیخ عزیز اللہ متوکل نے بھی خرقہ خلافت پہنایا ۔ [1]

وفات آپ نے بروز جمعہ سنہ ۹۰۱ھ کو اس دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرمائی احمد آباد میں سپرد خاک کیے گئے ۔ بعد میں آپ کے صاحبزادے شیخ جمال الدین جمن شاہ نے احمد آباد سے نقل کر کے نہر والہ میں حوض اعظم خاں جہاں پر دفن کیا ۔

حضرت شیخ جمال الدین جمن رح

م ۲۰ ذی الحجہ ۹۴۰ھ مطابق ۲ جولائی ۱۵۳۴ء

آپ کا نام جمال الدین ہے اور لقب جمن ۔ آپ اپنے والد ماجد شیخ محمود راجن کے مرید و خلیفہ ہیں ۔ نیز شیخ نصیر الدین ثانی رح ابن شیخ مجد الدین رح بن شیخ سراج الدین رح بن شیخ کمال الدین علامہ عرف شیخ خواجہ سے بھی خلافت رکھتے ہیں، جیسا کہ شیخ محمد کی تصنیف

---

[1] تاریخ صوفیائے گجرات بحوالہ انوار العارفین ۔

مجالس حسینیہ میں ہے۔ نیز آپ خاندانِ مغربیہ کی خلافت شیخ احمد کھٹو رحؒ سے بھی رکھتے ہیں، جن سے آپ کو محبت تھی۔ شیخ جمال الدین جمنؒ کی والدہ ماجدہ کا نام بی بی در ملک جو دھا، جو شیخ عزیز اللہ المتوکل علی اللہ کی بیٹی تھیں آپ ولیہ کاملہ تھیں جیسا کہ مجالس چشتیہ میں ہے۔

وصال آپ کا وصال ۲۰ ذی الحجہ ۹۴۰ھ مطابق ۲ جولائی ۱۵۳۴ء کو احمد آباد میں ہوا۔ فخر الاولیاء میں ہے کہ آپ کا مزار مبارک نور پورہ شاہ پور میں دریا کے کنارے پر ہے۔ مگر "مراتِ ضیائی" میں لکھا ہے کہ آپ کا مزار مبارک خانقاہ چانپانیر میں ہے۔ ایک رات کفار آئے اور آپ کو شہید کر دیا۔ اور اسی جگہ مدفون ہوئے۔ اس کتاب میں آپ کی تاریخ شہادت ۲۹ ربیع الاول ۹۸۲ھ مطابق ۱۹ جولائی ۱۵۷۴ء لکھی ہوئی ہے۔ گلزار ابرار میں یہ مصرع آپ کی تاریخ وصال میں لکھا ہے۔ ؎ شہید خنجر تسلیم عمر جاوداں دارد۔

آپ علوم ظاہری و باطنی کے عالم تھے اور صاحب وجد و سماع تھے۔ ایک دیوان بھی چھوڑا ہے، جس میں دیوان مغربی کی طرح کی غزلیں ہیں۔ مؤلفِ مناقب نے آپ کے دیوان سے تین غزلیں دی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک غزل کا ایک ایک شعر یہاں تبرکاً درج کیا جاتا ہے۔ ؎

چوں بدریائے جمالش غوطہ خورد
وید جمنؔ دنیا و عقبےٰ بکیست

گاہ پوشی دلق صوفی گہ قبائے سلطنت
مظہرے سازی وگہ از بہر اظہار دگر!

فی الجملہ ہرچہ ہست ہمہ حسن روئے تست
گر بنگرم بدیدۂ دل در تعینات

مؤلف مناقب نے آپ کے دیگر سلاسل کو بھی درج کیا ہے۔

خلفاء:۔ آپ کے بہت سے خلفاء تھے۔ مگر آپ کا سلسلہ حضرت شیخ حسن محمدؒ سے جاری ہوا۔[1]

شیخ ابراہیم برہانپوری

م سنہ ۹۰۱ھ　مطابق　سنہ ۱۴۹۵ء

آپ احمد آباد کے رہنے والے تھے۔ قرأت و تجوید کے ماہر تھے احمد آباد میں درس و تدریس میں مشغول رہے بعد میں برہانپور چلے گئے اور وہاں بھی درس و تدریس کو اپنا مشغلہ رکھا سنہ ۹۰۱ھ میں وفات ہوئی۔[2]

شیخ راجح بن داؤد

م سنہ ۹۰۴ھ مطابق سنہ ۱۴۹۸ء

شیخ عالم محدّث راجح بن داؤد بن محمد بن عیسیٰ ابن احمد حنفی، یکے از علمائے باعمل۔ سخاوی نے انکا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ صفر سنہ ۸۷۱ھ بمطابق سنہ ۱۴۶۶ء کو احمد آباد میں پیدا ہوئے۔ اپنے شہر ہی میں علی محمود ابن محمد المقری الحنفی سے صرف و نحو وغیرہ پڑھ کر علی مخدوم ابن برہان الدّین سے معانی و بیان اور علی ابن محمد تاج حنفی سے ہیئت و کلام پڑھکر جملہ علوم میں ممتاز ہوئے آپ نے اپنے ذہن کی رسائی سے شعر گوئی کے اندر بھی قدم رکھا۔ سخاوی لکھتے ہیں کہ مجھ سے ان کی ملاقات مکہ مکرمہ میں ہوئی جب کہ وہ اپنے بھائی قاسم اور چچا کے ہمراہ حج کے لئے آئے تھے۔ حج کے بعد زیارت قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے گئے اور واپس آکر مجھ سے الفیہ درحدیث پڑھا جس پر میں نے انہیں

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۲۰۰۵　[2] تذکرہ قاریان ہند

سند لکھدی جس سند کے اندر بدر دمامینی کا ترجمہ بھی تھا جس کی انہوں نے درخواست کی تھی کیونکہ دمامینی کا انتقال ہندوستان ہی میں ہوا تھا۔ اس سند کے اندر میں نے علاء الدین بخاری حنفی کا ترجمہ بھی لکھد یا تھا۔ اور علاء نے ابن عربی اور ان کے معتقدین کی جو تکفیر کی ہے بلکہ ابن عربی کے مصنفات کے مطالعہ سے جو لوگوں کو منع کیا ہے اس پر بھی میں نے اس سند پر علاء سے انہیں بیدار کر دیا تھا۔

آپ کی وفات ۹۰۴ھ بمطابق ۱۴۹۸ء میں ہوئی احمد آباد میں مدفون ہوئے۔[1] نور اللہ مرقدہٗ

شیخ جمال الدّین بن محمود

۹ ربیع الاول ۹۰۴ھ یا ۹۰۸ھ میں

شیخ جمال الدّین بن محمود بن علم الدّین بن سراج الدّین عمری۔ مولد و منشا گجرات ہے اپنے والد اور عم زاد نصیر الدّین ابن مجد الدّین گجراتی سے پڑھا۔

آپ نے المذاکرہ تصنیف فرمائی جس میں حقائق و معارف کو فارسی زبان میں بیان کیا۔ نیز فارسی ہی میں دیوان شعر بھی ہے۔

۹ ربیع الاول ۹۰۴ھ یا ۹۰۸ھ میں ہندوؤں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔[2]

شیخ نصیر الدین رح

م ۲۷ رجب ۹۱۰ھ مطابق ۲ جنوری ۱۵۰۵ء

فقیہ نصیر الدّین بن مجد الدّین بن سراج الدّین بن کمال الدّین عمری۔ یکے از مشائخ چشتیہ مولد و منشا احمد آباد اپنے شہر کے اساتذہ سے پڑھا بعد ازاں اپنے

---

[1] زبدۃ الخواطر اردو ص۱۲۴ ج۴ ۱۹۶، عربی ص۱۹۹ ص۱۱۱ [2] اعیان الحجاج، زبدۃ الخواطر اردو ص۱۳۲ عربی ص۱۳۵ ص۲۷ ج۴۔

والد سے طریقت میں مستفیض ہوئے اور ان کی رحلت کے بعد مسند ارشاد پر بیٹھے اور سلسلۂ بیعت شروع کیا۔ اپنے اسلاف کے انداز پر ترک دنیا و تجرد پر عمل پیرا رہے ۲۷ رجب ۹۱۰ھ بمطابق ۱۵۰۵ء کو آسودۂ لحد ہوئے[1] نور اللہ مرقدہٗ۔

شیخ بہاؤ الدّین شاہ باجن

ولادت ۷۹۰ھ/۱۳۸۸ء وفات ۹۱۲ھ/۱۵۰۶ء

فقیہہ بہاؤ الدین بن معز الدین بن علاؤ الدین بن شہاب الدین خطابی عملی تصوف اور شعر کو جمع کرنے والے شعراء میں ایسے ہیں حضرت نفیل[2] بن خطاب برادر امیر المومنین عمر بن الخطاب کی اولاد سے ہیں۔ مولد و منشاء احمد آباد ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ابن عزیز اللہ المتوکل الگجراتی کی خدمت میں رہنے لگے۔ اکیس ۲۱ سال تک ان کی خدمت میں رہے۔ ان سے حصول طریقت کے بعد گھر سے نکلے۔ متعدد شہروں میں آئے۔ برسوں یہ شغل رہا آٹھ سال بعد لوٹ کر گجرات آئے مگر کچھ عرصہ بعد پھر نکلے اور برہان پور قیام فرما ہوئے۔

جہاں ایک خانقاہ اور جامع مسجد تعمیر کرائی۔ شیخ علی متقی ابن حسام الدین نے اپنی جوانی کے زمانے میں ان کی بیعت کی۔ گلزار ابرار کے مصنف مولانا غوثی لکھتے ہیں کہ آپکے سلسلہ نسب کے چوتھے دادا مولانا احمد مدنی کے حالات لوگ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ابو مدین کے مریدوں میں سے تھے۔ رسمی علوم میں تبحر حاصل تھا۔ علم حدیث کے اکثر مشکل مقامات میں صاحب حدیث علیہ السلام سے حل کر لیا کرتے تھے۔ ہمیشہ آدھی رات کے وقت جب روضۂ منورہ کی آستانہ بوسی کے واسطے حاضر ہوا کرتے تھے تو آپ کے واسطے حرم محترم کے دروازے کشادہ ہو جایا کرتے تھے۔ یکایک دل میں سیر و سیاحت

---

[1] نزہۃ الخواطر اردو ص ۳۹۵ ۵۲۸ عربی ص ۲۶۴ ۵۵۲۔ [2] سہیل بن خطاب

کی آواز پیدا ہوئی تو اپنے فرزند شیخ ملک کو ہمراہ لیا۔ کچھ سفر دوست طلبہ بھی ساتھ ہو گئے اور چل نکلے۔ عراقین، خراسان، ماوراء النہر اور سندھ کی سیر کرتے ہوئے دہلی پہنچے۔ یہاں پر آپ سے بڑے بڑے لوگ محبت کرنے لگے۔ نیز نوشتۂ تقدیر دامن گیر ہوا۔ اور والی ملک نے کمال عجز و دلداری اور نہایت خواہش کے ساتھ جشنِ عروسی ترتیب دیکر شیخ ملک کو اپنا داماد بنایا۔ شیخ ملک مولانا احمد خطابی کے صاحبزادے ہیں۔

بہرحال شیخ بہاؤالدین 'باجن' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ۹۱۲ھ میں رحلت فرمائی۔ خوابگاہ برہانپور خاندلیس ہے۔ نوراللہ مرقدہٗ [1]

قدیم اردو میں شیخ باجن غیر معمولی اہمیت کے مالک ہیں؛ 'خزائن رحمت اللہ' کے نام سے فارسی نثر میں انکی ایک یادگار تصنیف ہے۔ جس میں صوفیائے سلف کے کلمات کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ اپنے پیر و مرشد شیخ رحمت اللہ کے ملفوظات واقوال جمع کئے گئے ہیں۔ کتاب فارسی میں ہے۔ لیکن شیخ باجن نے جا بجا اپنا اردو کلام بھی دیا ہے۔

شیخ باجن نے لکھا ہے کہ:

در ذکر اشعار کہ مقولۂ این فقیر است، بزبان ہندوی، جکری خوانند و قوالان ہندآں را در پردہ ہائے سرودی نوازند و می سرایند۔ بعضے در مدح پیر دستگیر و وصفِ روضۂ ایشاں و وصفِ وطن خود کہ گجرات است و بعضے در ذکرِ مقصد خود و مقصوداتِ مریداں و طالبان و بعضے در ذکرِ عشق و محبت

سیو یجے شیخ رحمت اللہ — شیخ سوین پائے اللہ
روشن گنبد برسے نور — حاجتمند کی حاجت پور

---

[1] گلزار ابرار ص۲۱۳۔ نزہۃ الخواطر ص۶۲/۴ ج ۱۱۱

باغ سہاوا ہے دربار واک چنبیری ہور انار
سابھر کنارے تمہارا تھانا زیارت آوے شاہ شہانہ
شیخ عزیزاللہ تن قطب جہانگیر باجن کو تمہیں ہو دستگیر
شاہ رحمت اللہ ہے سانچا پیر

کھولو کھولو ری پار دکھلاؤ مکھو
جس مکھو دیکھیں میری نینوجی سکھو
جس مکھو دیکھیں دکھ دلندر جاوے
شاہ رحمت اللہ کا درسن باجن پاوے

مولوی عبدالحق نے قدیم اردو، مطبوعہ کراچی ص۹۴ میں سال وفات ۹۱۲ھ دیا ہے۔ [۱]

شاہ باجن کا خاندان

صاحب خزینۃ الاصفیا لکھتے ہیں:
شیخ عزیز اللہ متوکل قدس سرہٗ پیر شیخ باجن است کہ پیر شیخ علی متقی است۔

لیکن شیخ باجن بار بار اپنے رسالہ میں شیخ رحمت اللہ کو اپنا پیر بیان کرتے ہیں آپ ایک نہایت عالی شان خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد معزالدین سات مرتبہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ جن میں سے پہلے تین حج انہوں نے تنہا ادا کئے۔ باقی چار حج اپنی والدہ ماجدہ کی معیت میں کئے۔ اس کے علاوہ بیت المقدس و دیگر مقامات متبرکہ کی بھی زیارت کی اور آخر میں شہادت پائی۔

شیخ باجن نے اپنے ایک بھائی کا بھی ذکر کیا ہے ان کا نام شیخ میاں تھا اور شیخ رحمت اللہ سے ارادت رکھتے تھے۔ شیخ باجن نے دوردراز علاقوں کی

---

[۱] تاریخ ادب اردو ص۱۰۶۔

سیاحت بھی کی، ہندوستان کے جنوب میں جزیرہ سیلان تک اور شمال میں سرحدِ ایران تک سفر کیا کہتے ہیں!

"این فقیر تا طرف سندھ و قریب خراسان و طرفِ دکن تا قریب سرحد سیلان مسافر بود" [1]

تاریخ ادب اردو میں لکھا ہے کہ شیخ باجن برہانپور کے رہنے والے تھے۔ مگر مولانا شیرانی لکھتے ہیں کہ: شیخ باجن متوفی ۹۱۲ھ باوجودیکہ گجراتی تھے۔ دہلی کی زبان سے بھی واقف تھے۔ [2]

نیز دکن ادب کی تاریخ میں ہے کہ:

بہاؤالدین باجن اور شاہ علی گاؤدھنی۔ ان دونوں نے بہمنی دور میں دکن کا سفر کیا ہے۔ اور یہاں کی فضا سے متأثر ہوئے لیکن یہ دونوں گجرات کے رہنے والے تھے اور ان کے اردو کارنامے گجرات کے ادیبوں اور شاعروں کے سلسلہ میں شامل ہوئے ہیں۔ [3]

شیخ بہاؤالدین باجن ہندوی اور فارسی میں شعر کہتے تھے۔ آپ نے اپنے پیر شیخ رحمت اللہ بن عزیز اللہ متوکل بانڈوی کے حالات و ملفوظات پر مشتمل جو تصنیف "خزائنِ رحمت" کے نام سے لکھی ہے اس میں آپ کے ہندوی اشعار بھی نظر آتے ہیں۔ علاوہ بریں بعض دوسرے بزرگوں کے ہندی ابیات اور فقرے بھی آپ نے اس کتاب میں درج کئے ہیں۔ آپ نے شیخ حمیدالدین صوفی ناگوری کا ایک فقرہ۔ "ہاں بابا کچھ کچھ" درج کیا ہے۔

---

[1] مقالات شیرانی ص ۱۲۴/۱۔ [2] ایضاً ص ۴۳/۱۔ [3] دکنی ادب کی تاریخ ص ۲۷۔

اور شیخ فرید الدین کا ایک ہندی دوہرہ بھی لکھا ہے اور اپنے اشعار کی زبان کو دہلوی کہا ہے ۔ خزانۂ رحمت کا آخری باب اس قسم کے ہندی اشعار اور دوہوں سے بھرا پڑا ہے ۔ ؎

یوں باجن بابے رسے اسرار چھابے
مندل من میں دھمکے !
رباب رنگ میں جھکے ؛
صوفی ان پر ٹھمکے

یوں باجن بابے رسے اسرار چھابے [1]

شیخ باجن پہلے شخص ہیں جو زبانِ دہلوی کا نمونہ دیتے ہیں، وہ اس کو ہندوی کے نام سے بھی پکارتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک ہندی اور زبان دہلوی ایک ہی چیز ہے ۔ شیخ باجن کی ایک چھوٹی سی نظم ؛ صفت دنیا بہ زبان دہلوی گفتہ، درج ذیل ہے ۔

یہ فتنی کیا کسے یہ ملتی ہے ۔۔۔ جب ملتی ہے تب چھلتی ہے
اول آں چھل بہت چھلائے ۔۔۔ آں چھوہری بہتی کھائے
آں رو کر بہت رلائے
یہ فتنی کیا کسے یہ ملتی ہے ۔۔۔ جب ملتی ہے تب چھلتی ہے
(دوہین دوم)
جے اس کارن تپنہ ترسنہ ۔۔۔ جے جگہ ملے تو اس سنہ بلسنہ

---

[1] تاریخ ادبیات ص ۲۱۴ ۔

بہ فتنی انہوں تپا دے	جکہ پاس انہوں نہ آوے
جے اس کدھی نہ نوریں	جے جکہ ملے تو بھی اس چھوڑ نہ
جے دیکھ اس بھتے بھاگے	یہ نیلیچ اُن سنہ لاگے
تخلص، دیکھ باجن یہ تو جھوٹی	مکہ میٹھی چت نیمٹھی!!

باجن اپنے کلام کو صریحاً کبھی ہندوی (اردو) اور کبھی دہلوی کہہ رہے ہیں.

مثلاً کہتے ہیں۔ سے "واین مناجات بہ زبان ہندوی گفتہ شدہ است "

تُرے پنتھہ کوئی چل نہ سکھے	جو چلے سو چل چل تھکے
پڑھ پنڈت پوتھی دھویاں	سب جاناں سدھ بدھ کھویاں
سبہ جوگیوں جوگ بسارے	سب تپیٔ تپ بکارے
ایک ورسنی ورسن بھولی	سر ناگے بالوہ کھلی
ایک سیوڑی ہوئی سیوکرنہ	ہوئی برتیی کیا رو کہہ دھرنا
ایک درویش ہوئی کرآئے	ہوئی قلندر روپ بھرائے
ایک ابدال ہوئی اب دھوتی	ایک باندہ ہا ہا ہوئی!
ایک کھلی ہوئی دوانی	ایک بادل ببند رانی!
ایک راتی ماتی ہوئی ارروانہ	بہی بے سدہ ہو ہو جاونہ
ایک اپاسی راتنہ جاگن	ہوئی بھکاری تجھ مانگہ!
یوں ٹولی ٹولی ہوئی کرے	سبہ رل رل کھل کھل کھوی کرے
وے مکت منے ایوے دیکھے	آرے باجن توں کس لیکھے سے

لے تاریخ ادبیات ج۱ ص۹۹ نزہۃ الخواطر ج۴ ص۱۱۱ سے مقالات شیرانی ج۱ ص۳۰ -

اور فارسی و ہندی میں بھی نظم لکھتے تھے۔ اپنی ایک تالیف میں جو مریدوں کو ہدایت اور اپنے مرشد کے حالات میں تصنیف کی ہے۔ ذیل کا ریختہ دیتے ہیں۔

یہ صوفی سرالہی ایں مرشد دارد شاہی
یہ مظہر عین خدائی
در آں مجلس کہ مظہر عین خدا باشد آں جا عین شین خدا باشد
آجاں بار در رحمۃ اللہ
آں جا ساقی رسول اللہ آں جا روئے نوشین اللہ
آں جا ہمہ اللہ باشد نہ غیر اللہ

کلام سے ایک اور مثال۔
باجن یہ وہ روپ نہ ہوئے جو کوئی بکھانے
بکھانے آپ کو جیوں سب کوئی جانے
آں نہ ولیست کہ من وصف جمالش دانم
ایں حدیث از دگراں پرس کہ من حیرانم
باش تا جاں برود در سر آں یار لطیف
کہ بکارے بہ ازیں کار نیاید جانم [1]

شیخ عبد اللطیف
صاحب مبارق الازہار
وفات ۹۱۵ھ / ۱۵۰۹ء

مبارق الازہار فی شرح مشارق الانوار۔ اس کے مصنف عبد اللطیف بن

[1] مقالات شیرانی ص۴ ۔

عبدالعزیز المشہور بہ ابن الملک ہیں۔ احمد آباد کے باشندے تھے، حدیث کے ماہر اور دینیات کے عالم تھے۔ مشارق کی شرح عربی میں ہے، حاشیہ میں حدیثوں کی تعداد ہندسوں میں لکھی ہے۔ احمد آباد کے قاضی محمد صالح ابن شیخ نورالدین نے اس پر فارسی میں حاشیہ لکھا ہے اس کا ایک نسخہ قاضی نورالدین صاحب بھروچ کے کتب خانہ میں بھی تھا۔

مصنف کا سن وفات ۹۱۵ھ/ ۱۵۰۹ء ہے۔

مرآۃ احمدی کے مصنف نے خاتمہ میں ایک محمودی امیر ملک عبداللطیف محمودی داورالملک مشہور بہ شاہ داول کا جن کے والد کا نام محمود (ملک محمود) تھا ذکر کیا ہے۔ وہ صوفی منش ایک امیر تھے جو ایک سپاہی سے ترقی کرتے کرتے محمود بیگڑہ کے امرار میں شامل ہو گئے تھے۔ ۹۷۸ھ میں ایک دشمن کے ہاتھ شہید ہو گئے۔ قصبہ آمرون میں ان کا مزار ہے۔

امیر ملک عبداللطیف شاہ عالم کے مرید اور خلیفہ تھے۔

قاضی نورالدین صاحب نے معارف ج ۲۲ صہ۵۹ میں اس کتاب کے زیر عنوان مصنف کا نام عبداللطیف بن عبدالملک المعروف بہ داورالملک متوفی ۹۱۵ھ امیر کبیر سلطان محمود بیگڑہ لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

اس نام کے تین بزرگ ہیں ایک تو وہی ملک عبداللطیف داورالملک بن ملک محمود اور دوسرے عبداللطیف بن عبدالملک، جو عالم فاضل تھے۔ اور تیسرے عبداللطیف بن عبدالعزیز المعروف ابن الملک۔ جو فن حدیث کے بڑے ماہر تھے۔ مشارق الانوار کے شارح یہی بزرگ ہیں۔ [1]

---

[1] گجرات کے تمدنی کارنامے صہ۲۳۔

قاضی جگن حنفی

م سنہ ۹۲۰ھ مطابق سنہ ۱۵۱۴ء

قاضی جگن گجرات کے بہت بڑے عالم تھے مگر ان کا نام ونسب تک معلوم نہیں۔ فاضل چلپی نے کشف الظنون میں لکھا ہے کہ قاضی جگن گجرات کے قصبہ کن میں رہتے تھے حیف ہے کہ ایک شخص قسطنطنیہ میں بیٹھ کر یہ بتائے کہ یہ کہاں کے رہنے والے تھے اور خود گجرات والے اتنا بھی نہ جانتے ہوں۔ فقہ حنفی میں انکی کتاب "خزانۃ الروایات" بہت مشہور کتاب ہے مگر علمار احناف اس کی روایتوں کو معتبر نہیں سمجھتے۔ تقریباً ۹۲۰ھ میں انہوں نے رحلت فرمائی۔

خزانۃ الروایات[1] یہ کتاب جگن الہندی گجراتی (م ۹۲۰ھ - ۱۵۱۴ء) نے مرتب کی ہے۔ حاجی خلیفہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، یہ کتاب حنفی فقہ کے احکام کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب چھٹی، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں لکھی جانے والی کتابوں سے اقتباسات کا مجموعہ ہے اور مرتب نے ان کتابوں کا اکثر حوالہ دیا ہے۔ اسکی ترتیب بھی اس قسم کی دوسری کتابوں جیسی ہے۔ صرف اس فرق کے ساتھ کہ شروع میں کتاب العلم کے عنوان سے ایک مقدمہ بھی تحریر کیا گیا ہے۔

مصنف نے یہ واضح کیا ہے کہ فقہ کے مطالعے اور دینی مسائل کی تحقیق سے ان کو تمام عمر گہری دلچسپی رہی اور اس کے نتائج کو انہوں نے ایک کتاب کی شکل میں مرتب کر دیا ہے۔

---

[1] انڈیا آفس، ۴- ۱۶۰۳-۴، آصفیہ ۲/ ۱۰۸۴- بنگال ۲/ ۲۵۲۔

کتاب العلم میں انہوں نے علم اور علمار کی فضیلت بیان کی ہے ، وہ خود حنفی تھے اس لئے امام ابوحنیفہ رح کے اوصاف و فضائل پر بھی ایک مقالہ قلم بند کیا ہے۔ انہوں نے فتاوی اور مفتی سے متعلق فنی نکات کی بھی تشریح کی ہے اور اصول فتاوی کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ شرط اولین یہ ہے کہ فتاوی قرآن اور حدیث سے اخذ کردہ قطعی دلائل پر مبنی ہوں ۔ اگر یہ صورت ممکن نہ ہو تو پھر فتاوی امام ابوحنیفہ رح کے فیصلوں اور اس کے بعد امام ابو یوسف اور امام محمد کے فیصلوں کے مطابق ہوں اگر امام ابوحنیفہ اور ان کے دونوں شاگردوں کی ` امر میں اختلاف ہو تو پھر مفتی کو یہ اختیار ہے کہ وہ جو رائے چاہے وہ پسند کرے لیکن اگر کسی شاگرد کی رائے استاذ کی رائے کے مطابق ہو تو پھر انکی رائے کو ترجیح دیجائے ۔ سوا اس صورت کے کہ مستند فقہار نے استصلاح کے پیش نظر دونوں شاگردوں میں سے کسی ایک کی رائے کو قبول کیا ہو ۔ اگر مفتی کو کوئی مستند حدیث مل جائے اور وہ اس کے اطلاق کے بارے میں مطمئن ہو تو پھر امام ابوحنیفہ کی رائے نظر انداز کر دی جائے کیونکہ خود ان کا یہ مشہور مقولہ ہے کہ اگر میری رائے مستند حدیث کے خلاف ہو تو اس کو نظر انداز کر دو ۔

التبانہ فی حرمۃ الخزانہ
خزانہ کے متعلق مولانا عبدالحی کی رائے

مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے "النافع الکبیر" صد ۱۲ پر اس کتاب کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ غیر معتبر کتابوں سے ترتیب دی گئی ہے اور اس میں رطب ویابس کو جمع کر دیا گیا ہے ۔ بعض گھڑی ہوئی احادیث بھی شامل ہیں ، اسی ضعف کے سبب علامہ مخدوم محمد جعفر بوبکانی نے اس کے تمام غیر معتبر و غیر مستند مواد کو خارج کر کے مفتیٰ بہا مسائل اور قوی روایات کا اضافہ کر کے "التبانہ فی حرمۃ الخزانہ" نام کی کتاب لکھی ، یہ کتاب مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی کے

ایک مبسوط مقدمہ کے ساتھ لجنۃ احیاء الادب السندی کراچی سے ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی ہے،

شاہ غزنیؒ

م ۲۰ / صفر ۹۲۰ھ مطابق ۱۴ / اپریل ۱۵۱۴ء

آپ کی شخصیت مظاہر قدرت عجیبہ میں سے ایک تھی ۔ کہ چوروں، ڈاکوؤں کے سرداروں میں کسی زمانے میں آپ کا شمار ہوتا تھا ۔ اسی اثنا میں حضرت شاہ عالمؒ کے ایک ارادت مند کے یہاں آپ کے گروہ نے چوری کی ۔ صبح شاہ عالم سے جب اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو مسکراتے ہوئے حضرت شاہ عالم نے فرمایا کہ اس گروہ کا سردار جلد ہی تائب ہو کر آئے گا ۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد اس کی تصدیق ہوئی اور آپ حضرت شاہ عالم کے ارادت مندوں میں داخل ہو گئے ۔ اور خانقاہ کی صفائی وغیرہ کا کام اپنے ذمہ لیا ۔ اور باحسنِ خوبی اس کو انجام دیتے رہے ۔ اس خدمت کے صلے میں اس قدر مجاہدہ کی توفیق مقدر ہوئی کہ حقائق و معارف کی واقفیت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوئے ۔

۲۰ / صفر ۹۲۰ھ کو انتقال ہوا اور احمدآباد کے دروازہ رائے گڑھ کے قریب دفن کیے گئے ۔ [1]

---

[1] اکابرین گجرات ص ۵۵۲ ۔

شیخ بہاؤالدین انصاری جنیدی

م رسنہ ۹۲۱ھ / سنہ ۱۵۱۵ء

شیخ بہاءالدین ابن ابراہیم بن عطاءاللہ انصاری شطاری جنیدی مولد و منشاء شہر جنید۔ ہندوستان کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ تمام علوم کو حاصل کیا پھر کئی مشائخ کی زیارت سے مستفیض ہوئے۔ سفر حج میں حرم میں شیخ احمد شریف شافعی جیلانی سے بیعت کی۔ واپس وطن تشریف لائے تو سلطان غیاث الدین حکمراں مالوہ کی حکومت تھی۔ شہر مندو میں اقامت فرما ہوئے اور کچھ عرصہ بعد احمدآباد تشریف لے گئے۔ اذکار و اشغال میں آپ کا ایک رسالہ ہے جسے شیخ ابراہیم بن معین ایرجی نے قلمبند فرمایا سنہ ۹۲۱ھ میں دولت آباد میں آسودۂ لحد ہوئے۔ [1]

حضرت سید یحییٰ حسینی

م ریکم محرم سنہ ۹۲۲ھ مطابق ۴ر فروری سنہ ۱۵۱۶ء

حضرت غیاث الدین ثانی قادری کے خلفاء میں سے تھے۔ اور جذب کے غلبہ کے باوجود نہایت صبر و تحمل کے ساتھ مریدان باصفا کی رشد و ہدایت تعلیم و تلقین کے فریضہ کو انجام دیتے رہے۔ اور یکم محرم سنہ ۹۲۲ھ کو عالم جاودانی کی طرف کوچ فرما کر احمدآباد میں آسودۂ لحد ہوئے۔ [2]

---

[1] نزھۃ الخواطر صفحہ ج ۴ ص ۱۰۶ [2] اکابرین گجرات صفحہ ۵۵

ابوالقاسم بن احمد المعروف بہ ابن فہد

(م ۹۲۵ھ)

محمد بن محمد بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن فہد الشرف محمد بن محب ابوبکر بن نقی ہاشمی مکیؔ شافعی جو اپنے بزرگوں کی طرح ابن فہد سے معروف تھے۔

آپ کی ولادت ۸۴۷ھ ۱۲ ربیع الاول سینچر کی رات عشاء کے وقت ہوئی تھی، آپ نے قاہرہ اور دمشق کا سفر کیا تھا وہاں سے اجازت اور روایتِ حدیث کی اجازت لے کر لوٹے اور ہندوستان کا سفر کیا ان کے ساتھ فتح الباری کا نسخہ تھا جو ان کے والد اور ان کے چچا کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، یہاں کے بادشاہ کی خدمت میں اس کو پیش کیا۔ اور سلطان محمود شاہ بیگڑا کے انتقال کے بعد منڈو چلے گئے۔ اور آپ نے منڈو میں انتقال کیا۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر اسّی سے متجاوز تھی ۹۲۵ھ میں آپکا انتقال ہوا۔

محمد بن محمد مصری مالکی معروف بہ ابن سعید

(م ۹۲۹ھ)

آپ اپنے وطن مصر میں ۸۵۶ھ ۶ رشعبان المکرم کو پیدا ہوئے۔ آپکی والدہ اُم ولد تھیں۔ اپنے والد کے سایہ عاطفت میں تربیت پائی۔ قرآن حفظ کیا اور کافیہ اور شروح کافیہ پڑھیں، الفیۃ النحو پڑھی۔ باپ کے انتقال کے بعد ان سے بہت کچھ میراث میں پایا تھا۔ مگر جلد ہی سارا اِدھر اُدھر خرچ کر کے جب تنگدست ہوگئے تو مصر کی طرف چلے گئے وہاں سے مکہ مکرمہ گئے۔ اور علامہ

حافظ شمس الدین سخاوی سے مؤطا پڑھی اور انہی سے مسند امام شافعی، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ، پڑھیں۔ اسی طرح ان سے ان کی شرح الفیہ پڑھی۔ اور اس کے علاوہ دوسری تصانیف ان سے حاصل کیں، اور ایک مدت تک ان کی خدمت میں رہ کر ان سے استفادہ کرتے رہے۔ اسی لئے علامہ سخاوی نے ان کا اپنی تاریخ میں بڑے شاندار الفاظ سے تذکرہ کیا ہے کہ وکان صاحب ذکاء و فضیلۃ فی الجملۃ واستحقار و تشدق فی الکلام مگر انہوں نے آپ پر تنقید کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ وکانت سیرتہ غیر مرضیۃ۔

اس کے بعد وہ یمن چلے گئے۔ زبید پہنچے۔ وہاں درس حدیث دیتے رہے۔ وہاں سے ہندوستان کا سفر کیا، اور بندر کھنبایت اترے وہاں کا حاکم آپ کی طرف متوجہ ہوا اور آپ کی بڑی آؤ بھگت کی۔

ابن فہد آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں کہ صاحب ترجمہ ہندوستان میں رہے۔ ہندوستان (گجرات) کے بادشاہ محمود شاہ کے مقربین خاص میں سے تھے۔ جس نے آپ کو ملک المحدثین کا لقب دیا تھا۔ اس علاقہ میں سب سے پہلے آپ کو یہ لقب دیا گیا۔ اس لئے اکابر علماء آپ کے مطیع و منقاد ہوئے اور آپ کا مکان طلباء کے لئے ماوی و منزل بن گیا۔ اہل حکومت سے روابط کی بنیاد پر حرمین والوں کو عطایا برابر بھیجتے رہے۔ اور سلطان محمود شاہ کی حیات تک یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ اگرچہ ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے سلطان مظفر شاہ کے دور میں یہ بات نہیں رہی کہ بعض وزراء کے حسد کی بناء پر یہ وظائف آپ سے واپس لے لئے گئے مگر پھر بھی انتقال تک برابر دینی خدمت انجام دیتے رہے۔ آپ نے کوئی نرینہ اولاد نہیں چھوڑی آپ کے انتقال پر آپ کے متبنّٰی لڑکے اور بیوی نے آپ کا ورثہ پایا آپکی صاحبزادی جو قاہرہ میں تھی اسکو میراث میں سے کچھ نہ مل سکا۔[۱]

[۱] النور السافر صد ۹۶۔

مقالات عرشی میں ہے کہ !

آپ ابن سوید نام سے مشہور ہیں۔ محدّث سخاوی کے شاگرد تھے اور اُن سے مؤطا، مسند شافعی، سنن ترمذی، اور سنن ابن ماجہ حدیث میں، اور خود امام سخاوی کی شرح الفیہ اصولِ حدیث میں پڑھکر مصر سے یمن چلے گئے تھے اور وہاں درسِ حدیث دیتے تھے۔ اس کے بعد یمن سے کھنبایت آئے اور پھر گجرات پہنچکر سلطان محمود بیگڑہ کے دربار سے منسلک ہوگئے۔ بیگڑہ نے انہیں 'ملک المحدثین' کا خطاب دیا تھا۔ انہوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ اسی فن شریف کی تدریس میں گذارا۔ اور ۹۲۹ھ میں احمد آباد میں انتقال کر گئے۔

ظفر الوالہ میں ابن سوید کے متعلق لکھا ہے کہ !

۹۲۹ھ میں ملک المحدثین محمد بن محمد بن عبدالرحمٰن بن حسن جلال الدین مصری مالکی۔ انتقال کر گئے۔ اپنے اسلاف کی طرح وہ بھی ابن سوید کے لقب سے معروف تھے، آپ کا انتقال گجرات میں احمد آباد میں ہوا۔ آپ کی ولادت ۸۵۲ھ ۱۲ رشعبان کو ہوئی تھی۔ علامہ سخاوی رح فرماتے ہیں کہ ان کے متعلق اتنا معلوم ہوا کہ وہ یمن پہنچے زبیلع میں درس دیتے رہے حدیث پڑھاتے رہے پھر وہاں سے کھمبایت چلے گئے۔ ابن فہد کہتے ہیں کہ سلطان محمود شاہ کے مقربین میں سے بن گئے۔ سلطان محمود شاہ نے آپ کو ملک المحدثین کا لقب دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا پایہ حدیث میں کتنا بلند تھا۔ اور یہ سب سے پہلا لقب ہے جو آپ کو دیا گیا۔ ابن فہد کہتے ہیں کہ میں نے ان کی چالیس حدیثیں جو الگ الگ بیس مشایخ سے مروی ہیں کو جمع کیا ہے اور میں نے ان کا نام رکھا ہے "الفتح المبین"، ان احادیث کی سند بڑی عالی ہے۔ سلطان محمود کے انتقال تک وہ اس منصب پر فائز رہے اس کے بعد ان کے صاجزادے سلطان مظفر شاہ حاکم بنے[۲]۔

[۱] مقالات عرشی ص۴۴ [۲] ظفر الوالہ ص۲۱۱

شیخ محمد بن بحرق حضرمی

(م ۹۳۰ھ)

شیخ جمال الدین محمد بن عمر بن مبارک بن عبداللہ بن علی حمیری حضرمی شافعی مشہور بہ بحرق یکے از علمائے محققین و فضلائے راسخین۔ آپ ۸۶۹ھ/۱۴۶۴ء میں پیدا ہوئے آپ نے قرآن مجید حفظ کیا، اور رسالۃ الحاوی، منظومۃ البرماوی اور الفیۃ النحو حفظ کرلی۔ [۱]

"حضرموت" کی ایک جماعت فقہاء سے آپ نے علم حاصل کیا۔ پھر یہاں سے آپ عدن چلے گئے اور امام عبداللہ بن احمد مخرم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا موصوف سے فقہ اصول اور عربی کی تعلیم حاصل کی۔ نیز الفیہ ابن مالک سیرۃ ابن ہشام بھی ان سے پڑھی۔ امام عبداللہ کے علاوہ شیخ محمد بن احمد ابا فضل سے استفادہ کیا۔ پھر آپ زبید تشریف لے گئے اور وہاں کے علماء سے علوم میں تعمق پیدا کیا۔ چنانچہ زبید میں زین الدین محمد بن عبداللطیف شرجی سے علم حدیث حاصل کیا اور شیخ جمال الدین محمد بن ابی بکر الصائغ سے علم اصول تفسیر، نحو وغیرہ حاصل کئے سید شریف حسین بن عبدالرحمن الاھدل کی خدمت میں رہ کر خرقہ پہنا۔ نیز شیخ ابوبکر العیدروس کی صحبت میں بھی رہے۔ پھر جب ۸۹۴ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں حافظ شمس الدین سخاوی سے سلوک و تصوف کی منزلیں طے کیں۔ [۲]

اوصاف وکمالات: خداوند قدوس نے آپ کو بڑے محاسن سے مالا مال کیا تھا۔ طلبہ پر احسان کرتے ضرورت مندوں پر خرچ کرتے۔ مقام شحر

[۱] النور السافر [۲] ایضاً

میں منصب قضاء پر فائز ہوئے مگر پھر آپ نے استعفیٰ دے دیا۔ پھر عدن پہنچے۔ یہاں کے امیر مرجان نے آپ کے کمالات کو دیکھ کر آپ کو مقرب بنا لیا مرجان کا جب انتقال ہوا تو آپ نے ہندوستان کا رخ کیا تو گجرات میں سلطان محمود بیگڑہ نے بھی آپ کے محاسن کی بنا پر عظمت بخشی۔ [۱]

آپ کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے جب زبید میں چلّہ کشی کی تو ابھی چلّہ پورا نہیں ہوا تھا کہ ہر عضو سے اللہ اللہ کی آواز آنے لگی۔

سلطان محمود کا بہت قرب حاصل تھا جس کی وجہ سے بعض وزراء کو آپ سے حسد ہوا، انہوں نے آپ کو زہر پلا دیا چنانچہ اس سے آپ نے شہادت پائی۔ تاریخ شہادت ۹۳۰ھ ہے۔

شیخ بحرق حضرمی کی عظمت کا یہ حال ہے کہ سخاوی جیسے ثقہ محدّث بھی اپنے اس شاگرد کی تعریف کرتے ہیں اور العیدروس انہیں علماء حضرموت میں سب سے ممتاز اور بہتر قرار دیتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں کہ شیخ الحضرمی اللہ کی آیات میں سے ایک آیت تھے۔ ان کی کتابیں ان کے تبحر علمی اور کثرت مطالعہ پر دلالت کرتی ہیں اور وہ تحقیق، جودتِ فکر اور باریک بینی میں بلندیوں پر پہنچے ہوئے تھے۔

مولانا شیخ جمال الدین بحرق الحضرمی نے تاریخ، سیر نبوی، عقائد، علم الکلام فقہ، ادب، موسیقی، نحو، لغت، تفسیر، اور حدیث کے مختلف موضوعات پر کئی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ آپ ایک عمدہ ادیب اور نثر نگار تھے۔ شیخ عیدروس کی طرف سے انہوں نے والیٔ یمن عامر بن عبدالوہاب کو جو رسائل لکھے تھے وہ اس کی شہادت دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ ایک فصیح اللسان اور قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ اور آپ کے قصائد کتب تراجم میں پائے جاتے ہیں۔

[۱] النور السافر۔ نزہۃ الخواطر اردو ۲۶۶/۴۔

تاریخ ادبیات عربی میں آپ کی علمی خدمات ذکر کی گئی ہیں لکھا ہے کہ ! شیخ بحرق حضرمی کی جو نظم و نثر دستیاب ہے اس سے آپ کے علمی مرتبہ کا یقین مشکل نہیں آپ دیگر ہندی علماء کے برعکس اہلِ زبان تھے ۔ لغت، ادب، نحو اور بلاغت پر کامل عبور تھا ۔ اور تمام عمر ان موضوعات پر لکھنے پڑھانے صرف کی تھی ۔

اس لئے ان کا اسلوبِ نظم و نثر دلکش اور سلیس ہے ۔ گو انہوں نے کہیں کہیں اپنے عہد کے پر تکلف اسلوب قافیہ و سجع کو بھی اپنایا ہے مگر اس میں تصنع اور بناوٹ کا عنصر نہیں ہے ان کے منتشر اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے عربی شاعری کے مروجہ اصناف میں سے اکثر پر طبع آزمائی کی ہے، مدح، ہجو، غزل اور دیگر اصناف کے نمونے انکے ہاں پائے جاتے ہیں ۔ ایک موقع پر کہتے ہیں ۔

اَظَنَنتَ اَنَّ الشعر یصعب صوغه عِندِی وقد اضحیٰ لدیَّ مدللاً

ابدی العجائبَ اَن برزت مفاخراً او مادحاً للقوم او متغزلاً

ترجمہ : (۱) کیا تیرا خیال یہ ہے کہ شعر کا ڈھالنا میرے لئے مشکل ہے حالانکہ وہ تو میرا مطیع و فرماں بردار ہو چکا ہے ۔

(۲) میں جب فخر کرنے لگوں، یا کسی کی مدح کر دوں یا حدیث حسن و عشق کی ترجمانی کے لئے غزل کہوں تو بڑے عجائب کا اظہار کرتا ہوں !

شیخ بحرق کے کمالِ علم اور ذہانت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ گجرات آنے کے بعد ایک سال کے مختصر عرصے کے دوران نہ صرف یہ کہ انہوں نے سیرتِ نبوی ﷺ پر ایک عمدہ کتاب لکھ کر اپنی قابلیت کا سکہ منوایا بلکہ بادشاہ کی نظروں میں وہ مقام بھی حاصل کر لیا جس پر وزراء گجرات کو بھی حسد آنے لگا اور ان کی جان لے کر چھوڑی ۔ [1]

---

[1] النور السافر ص۱۴۴ صفحہ ۱۴۶ صفحہ ۱۴۵ بحوالہ تاریخ ادبیات صفحہ ۲۰/۲ ۔

شیخ الحضرمی ایک بسیار نویس مصنف تھے اور چھوٹے رسائل سے لے کر بڑی علمی تصانیف ان کی یادگار رہیں۔ شیخ کے مختصر رسائل میں سے ایک رسالہ فی اثبات رسالۃ ہارون علیہ السلام وکفر فرعون، لکھی ہے جس میں انہوں نے دو اہم سوالات یعنی حضرت ہارون کی رسالت اور فرعون کا کفر کی حالت میں مرنا کے جوابا دئے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ بعض خود ساختہ علماء کا دعویٰ ہے کہ حضرت ہارون کو رسالت کا مرتبہ حاصل نہ تھا، اسی طرح بعض متصوفین کا خیال ہے کہ حضرت موسیٰ کا مدمقابل فرعون ایمان لاکر مرا لیکن یہ قرآن کریم کی آیات سے لاعلمی یا بعض آیات سے صرفِ نظر کا نتیجہ ہے، ورنہ خود آیاتِ قرآنی سے یہ صراحۃً ثابت ہے کہ حضرت ہارونؑ کو رسالت کا مرتبہ حاصل تھا اور یہ کہ فرعون کفر کی حالت میں مرا تھا۔ شیخ کے الفاظ ہیں۔

اعلم ان القرآن کلہ کسورۃ واحدۃ یصدق بعضہ بعضا وتفسر الآیۃ من الآیۃ الاُخریٰ فمن استدل بمفہوم اٰیۃ معارضا بہ صریح اٰیۃ اخریٰ فقد امن ببعضہ وکفر ببعضہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذٰلک سبیلاً اُولٰئک ھم الکافرون حقا۔ فلا بد من الجمع بین اٰیاتہ ورد متشابہاتہ الیٰ محکماتہ کل من عند ربنا۔

سن لے کہ سارے کا سارا قرآن ایک سورت کی مانند ہے جس کے بعض حصے دوسرے حصوں کی تصدیق وتفسیر کرتے ہیں۔ پس جس نے ایک آیت کے مفہوم سے استدلال کرتے ہوئے دوسری آیت کی مخالفت کی تو وہ گویا بعض آیات پر ایمان لایا اور بعض سے کفر کیا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لائے اور بعض سے کفر کیا اور وہ چاہتے یہ ہیں کہ ایک بین بین راستہ اختیار کریں، یہ لوگ بلاشبہ کافر ہیں۔ بس ضروری ہے کہ تمام آیات قرآنی پر

مجموعی نظر ہو اور متشابہات کو محکمات کے حوالے سے سمجھا جائے کیونکہ سب آیات ہمارے پروردگار کا کلام ہے ؛)

شیخ بحرق الحضرمی کی تصانیف میں سے یہ قابل ذکر ہیں ۔

۱۔ تبصرۃ الحضرۃ الشاہیۃ الاحمدیۃ بسیرۃ الحضرۃ النبویۃ الاحمدیۃ۔ سیرت نبوی ﷺ کے موضوع پر یہی وہ نادر کتاب ہے جو انہوں نے احمد المظفر بن محمود گجراتی کے لیۓ تصنیف کی تھی ۔ شیخ بحرق الحضرمی کی یہ کتاب سیرت نبوی کے موضوع پر متقدمین کی کتب سیرت کا ملخص اور نچوڑ ہے ۔ مصنف نے چونکہ یہ کتاب احمد شاہ گجراتی کے لیۓ لکھی اور اسی کے نام سے معنون ہے اس لیۓ قدرتی طور پر انہوں نے بادشاہ کو سیرت رسول ﷺ پر عمل کرکے اسم بامسمیٰ بننے کی تلقین بھی کی ہے ۔

۲۔ الاسرار النبویۃ فی اختصار الاذکار النبویۃ ، مختصر الترغیب والترہیب للمنذری ۔ جو امام ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی المنذری الشافعی (م - ۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء) کی کتاب "الترغیب والترہیب" کا خلاصہ ہے ۔

۳۔ الحدیقۃ الانیقۃ فی شرح العروۃ الوثیقہ ۔ (یہ ان کے اپنے ایک قصیدے کی شرح ہے جس میں انہوں نے شریعت وحقیقت کے درمیان موافقت وتطبیق میں کمال کر دیا ہے ۔)

۴۔ عقد الدرر فی الایمان بالقضاء والقدر ۔ (جو مسئلہ قضا و قدر کے موضوع پر ہے ۔)

۵۔ العقد الثمین فی ابطال القول بالتقبیح والتحسین ۔

۶۔ الحسام المسلول علیٰ مبغضی (منتقصی) الرسول ﷺ (اس میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے نفرت کرنے والا مرتد ہے ۔)

۷۔ العقیدۃ الشافعیۃ۔

۸۔ مختصر المقاصد الحسنۃ۔

۹۔ حلیۃ البنات۔

۱۰۔ ذخیرۃ الاخوان۔

۱۱۔ النبذۃ المنتخبۃ۔ من کتاب الاوائل للعسکری۔ (ابو ہلال العسکری کی کتاب الاوائل کا خلاصہ ہے۔)۔

۱۲۔ ترتیب السلوک الی ملک الملوک۔

۱۳۔ متعۃ الاسماع باحکام السماع (موسیقی کی شرعی حیثیت کے بارے میں)۔

۱۴۔ السماع۔

۱۵۔ مواھب القدوس۔

۱۶۔ شرح الملحۃ للحریری۔

۱۷۔ شرح لامیۃ ابن مالک مختصر شرح الصفدی علی لامیۃ العجم۔

۱۸۔ رسالۃ فی الفلاح۔

۱۹۔ ارجوزۃ فی الطب۔

۲۰۔ فتح الرؤف فی معانی الحروف۔

۲۱۔ مختصر الترغیب والترھیب

۲۲۔ الحواشی المفیدۃ علی ابیات الیافعی فی العقیدۃ۔ (۲۳) رسالہ فی الحساب۔

ان کے علاوہ بھی تصانیف ہیں جن کا ذکر حضرمی نے النور السافر میں کیا ہے۔[1]

صاحب النور السافر ص۱۲۲ پر فرماتے ہیں کہ آپ بڑے زبردست امام النحو امام اللغۃ اور امام الادب، بلکہ تمام فنون کے ماہر تھے علماء راسخین فی العلم میں سے

---

[1] نزھۃ الخواطر ص۲۰۶ ج۴ یاد ایام۔ اکابرین گجرات ص۵۵۹۔ النور السافر ص۱۹۱ تاریخ ادبیات ص۲۰۳ ج۴

تھے اور تمام علوم میں تبحر حاصل تھا۔ نظم ونثر دونوں پر کامل قدرت تھی۔
آپ نے مختلف فنون میں تصانیف فرمائیں جیسا کہ حدیث، تصوف، نحو، صرف حساب، طب، ادب اور فلکیات وغیرہ۔
صاحب النور السافر فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرموت کے علما میں سے آپ سے بہتر لکھنے والا نہیں دیکھا۔ آپ کے اشعار بھی بہت عمدہ ہوتے تھے منجملہ ان کے یہ ہے۔

لَوکُنْتُ مُفْتَخِرًا بِنَظْمِ قَصِیْدَۃٍ　لَبَنَیْتُ فِی ھَامِ الْمَجَرَّۃِ مَنْزِلًا
مِنْ کُلِّ قَافِیَۃٍ تَرُوقُ سَاعُھَا　وَتُعِیْدُ سَحْبَانَ فَصَاحَۃً بَاقِلًا
وَیُرِیْ لَبِیْدُ فِیْھَا بَلِیْدَ قَلْبِہٖ　حَسْرًا وَیَنْقَلِبُ الْفَرَزْدَقُ أَخْطَلًا
أَظَنَنْتَ اَنَّ الشِّعْرَ یَصْعَبُ صَوْغُہٗ　عِنْدِی وَقَدْ اَضْحیٰ لَدَیَّ مُذَلَّلًا
اِبْدِ الْعُجَابَ اِذَا بَرَزْتَ مُفَاخِرًا　أَوْمَادِحًا لِلْقَوْمِ أَوْ مُتَغَزِّلًا

اور یہ بھی آپ کا شعر ہے۔

وَلَوْلَا الشِّعْرُ بِالْعُلَمَاءِ یُزْرِیْ　لَکُنْتُ الْیَوْمَ أَشْعَرَ مِنْ لَبِیْدٖ

غرض صاحب النور السافر نے آپ کو آیۃ من آیات اللہ لکھا ہے۔ اور آپکی تصانیف آپ کے کثرت اطلاع اور غزارتِ علمیہ پر دلالت کرتی ہیں اور آپ بڑے زبردست محقق و مدقق تھے۔

حضرمی نے النور السافر میں آپ کی طالب علمی کا مفصل حال اس طرح لکھا ہے کہ آپ نے حضرموت میں پرورش پائی اور قرآن کریم حفظ کیا۔ آپ نے الفیۃ النحو اصل میں منظومۃ البرماوی اور الحاوی کا اکثر حصہ حفظ کیا۔ حضرموت کے جن فقہاء سے علم حاصل کیا ان حضرات مشایخ میں فقیہ محمد بن احمد باجرفی وغیرہ شامل ہیں۔
پھر آپ نے حضرموت سے عدن کی طرف سفر کیا اور عبداللہ بن احمد مخرم

کی صحبت میں رہے، ان سے فقہ واصولِ فقہ اور نحو حاصل کیا یہاں تک کہ ابتدائی علوم میں اکثر حصہ آپ نے انہیں سے پڑھا۔ نیز ان سے الفیہ بن المالک سیرت ابن ہشام ساری پڑھی اور فقہ میں حاوی صغیر کا خاصہ حصہ ان سے پڑھا اور ان سے علوم مختلفہ حاصل کئے۔ اسی طرح آپ نے فقیہ صالح محمد بن احمد بافضل سے علم حاصل کیا، اس کے بعد آپ زبید پہنچے وہاں کے علماء سے پڑھتے رہے اور علم حدیث زین الدین محمد بن عبداللطیف شرجی سے پڑھا اور علم اصول فقہ جمال الدین محمد بن ابی بکر الصائغ سے پڑھا نیز ان سے تفسیر و حدیث اور نحو بھی پڑھی اُن سے شرحِ باجہ وردیہ، جو ابوزرعہ کی ہے بھی پڑھی۔ اسی طرح سید حسین بن عبدالرحمن اھدل سے آپ نے باطنی علوم حاصل کئے اور انہوں نے آپ کو خرقۂ تصوف عطا کیا۔ اور شیخ ابوبکر عبدروس کی صحبت میں رہے ان سے فیض حاصل کرتے رہے اور رجب ۸۹۴ھ میں حج کو پہنچے تو وہاں حافظ شمس الدین سخاوی سے فیض یاب ہوئے اور تصوف میں بھی ان کے سلسلے سے وابستہ ہوئے خود آپ سے منقول ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے زبید میں چلہ کشی کی میں نے ابھی چالیس دن پورے نہیں کئے تھے کہ میں نے اپنے تمام اعضاء کو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے سنا۔

آپ کی دینی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرمی لکھتے ہیں کہ۔ آپ نے علم و عمل دونوں کے لئے انتھک کوشش کی اور تعلیم و تدریس افتاء تصنیف کے ذریعے خلق کی نفع رسانی میں ہر وقت مشغول رہے۔ آپ کو نظم و نثر اور خطبول (تقریر) میں بھی ید طولی حاصل تھا۔

طلبہ کے ساتھ بہت زیادہ احسان کرنے والے، اھل خیر سے محبت کرنے والے تھے۔ انصاف سے متصف، بہت زیادہ رجوع الی الحق والے۔ سخی،

قوی النفس، افعالِ خیر پر مداومت کرنے والے تھے۔
جن دنوں شہر کی قضا آپ کو سونپی گئی تو آپ نے حق کو ببانگ دہل کہا پھر کسی وجہ سے آپ نے اپنے کو اس سے الگ کر لیا اور عدن چلے گئے وہاں آپ کو قبولِ عظیم حاصل ہوا۔ وہاں کے امیر مرجان آپ کو بہت چاہنے لگے جب امیر مرجان کا انتقال ہو گیا تو آپ نے ہندوستان کا سفر کیا اور سلطان مظفر شاہ کے پاس پہنچے اور ان کے مقربین میں سے ہو گئے۔ سلطان مظفر شاہ آپ کی بہت زیادہ تعظیم کرتے اور جیسے جیسے ان کو آپ کے علم و فضل پر اطلاع ہوتی گئی آپ کی تعظیم و تکریم ان کے یہاں اور بڑھتی چلی گئی۔

علامہ سخاوی نے الضوء اللامع میں آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ نے حمزہ الناشری کی صاحبزادی سے نکاح کیا اور ان سے اولاد ہوئی۔ آپ نظم کے بہت زیادہ دلدادہ تھے اور آپ نے عامر بن عبدالوہاب کی مدح کی اس لئے کہ انہوں نے زبید میں مدارس کی تعمیر شروع کی تھی اور اس کی طرف خصوصی توجہ کی تھی۔

اسی طرح آپ نے شیخ احمد بن ابی بکر عیدروس اور شیخ ابوبکر بن عبداللہ عیدروس کا مرثیہ کہا نیز آپ کا ایک عظیم قصیدہ ہے جس کا نام ہے

"العروۃ الوثیقۃ فی الجمع بین الشریعہ والحقیقۃ" بعد میں اس کی آپ نے شرح لکھی "الحدیقۃ الانیقۃ" جس پر خود صاحب النور السافر نے شرح لکھی "الحواشی الرشیقۃ علی العروۃ الوثیقۃ"

علامہ محمد بن عمر بحرق حضرمی فرماتے ہیں کہ آپ کی ایک کرامت یہ ہے کہ ہندوستان کے کسی وزیر کی مجلس میں آپ موجود تھے اس مجلس میں ایک جادوگر بھی تھا۔

اس دوران اچانک وہ جادوگر اُڑا اور معلق ہوا میں بیٹھ گیا۔

آپ فرماتے ہیں کہ اس وقت میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا اور اس کے بعد اپنے جوتوں کو اشارہ کیا تو وہ فضا میں جا کر اس کی پٹائی کرنے لگے یہانتک کہ زمین پر واپس اپنی جگہ لوٹ آیا۔

آپ کے انتقال کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آپ کی موت زہر کے ذریعے واقع ہوئی کہ آپ کی بادشاہ نہایت تعظیم کرتا تھا، اس سے بعض وزراء نے حسد کیا اور یہ آپکی شہادت کا موجب بن گیا۔

آپ کا لقب بحرق تھا اس پر کسی نے یہ شعر کہا ہے۔

فانتَ بَحرٌ و قَافٌ مَا له طَرَفٌ مُحَمَّدٌ اسیلٌ المَعروفُ مَوصوفًا
سَمِیُّ خَیرِ الانام اَطھَرَ مَن مَضیٰ یَھنَاکَ بِھنَاکَ ھٰذا الفخرتشریفًا [1]

آپ کے شاگردوں میں سے حضرموت میں فقیہ محمد بن احمد باجرفیل ہیں۔
آپ کے مقاطیع اور رباعی بھی مشہور ہیں منجملہ ان کے!

اَنا فی سلوۃ علی کل حَال! اِذا بالحبیب اَو اِن اتَانی
اِغتنم الوصل اِن دَنا فی امانِ واذا ما نأیٰ اَعش من اَمانی [2]

---

[1] النور السافر ص ۱۳۳ [2] ظفر الوالہ ص ۱۱۸-۱۱۹-۱۲۰ / ۱۲۰۔

شیخ محمد بن خواجہ تاج الدین

(م ۹۳۱ھ / ۱۵۲۴ء)

علامہ محمد بن تاج الدین عمری حنفی۔ یکے از محققین عصر و ائمہ عہد۔ آپ کا شمار مشہور علماء میں ہوتا تھا۔ طریقت میں بھی ایسا عالی مرتبہ پایا تھا کہ اپنے جد بزرگوار حضرت فرید الدین گنج شکر رح کی یادگار شمار کئے جاتے تھے۔

احمد آباد میں سلطان مظفر گجراتی کے مصاحب تھے انہوں نے آپ کو تاج العلماء کا خطاب دیا۔

نہر والہ میں شیخ حسام الدین ملتانی کے مزار کے متصل ایک مدرسہ تھا جس میں آپ اور آپ کے والد مولانا تاج الدین درس دیتے تھے۔ آپ کا شمار ممتاز اساتذہ میں ہوتا تھا۔ آپ کثیر الدرس والافادہ تھے بے شمار علماء آپ سے مستفیض ہوئے۔ ۹۳۱ھ میں آپ کی رحلت ہوئی احمد آباد میں آپ مدفون ہیں۔ [1]

شیخ شرف الدین

(م ۱۰ ربیع الاول ۹۳۴ھ)

شیخ کبیر شرف الدین بن عبد القدوس۔ مشہور بہ شہباز مولد احمد آباد پانچ سال

---

[1] یاد ایام، نزہۃ الخواطر اردو ص ۲۶۳ عربی ص ۳۵۰ صفحہ ۲۹۱، گلزار ابرار ص ۲۳۳۔

کی عمر میں اپنے والد کے ہمراہ خاندیس پہونچے ۔ آپ اس وقت مکتب میں پڑھتے تھے جوں جوں آپکی عمر بڑھتی گئی اسی قدر درسیات سے (رسمی علوم سے) دلچسپی زیادہ ہوتی گئی ۔ وہاں کے اساتذہ سے علوم نقلیہ و عقلیہ کی تکمیل کے بعد احمدآباد واپس لوٹ آئے ۔

والد محترم کی رحلت کے بعد حاکم وقت نے آپ کو والد کے منصب پر فائز کرنا چاہا لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا ۔ اور یہاں پیر و مرشد کی تلاش شروع کی ان دنوں شیخ احمد کھٹو اور قطب زماں شاہ علی خطیب احمدآباد میں تھے ۔ آپ نے چاہا کہ ان میں سے کسی ایک سے اپنے ورد کی دوا طلب کریں ۔ اس کشمکش و پیچ میں تھے ایک رات خواب دیکھا کہ شاہ علی خطیب نے آپ کو اپنا مرید کرکے اور خرقہ خلافت پہنا کر فرمایا کہ جو خرقہ بے صحبت ہوتا ہے وہ بے پھل کا درخت ہوتا ہے ۔

چنانچہ صبح کو سب کچھ چھوڑ کر پیر و مرشد کی خدمت میں چلے گئے اور ان سے معرفت میں استفادہ میں مصروف ہوگئے ۔ چند سال بعد شیخ نے آپ کو خرقہ خلافت سے عنایت فرما کر برہانپور کی طرف جانے کی اجازت مرحمت فرمائی ۔

چنانچہ آپ برہانپور تشریف لے آئے ۔ اور یہیں شادی کی ۔ خواب میں شیخ نے دو بیٹوں کی خوشخبری دی تھی ۔ لہٰذا آپ کے دو فرزند ہوئے ۔ عبدالرحیم ۔ عبدالکریم ۔ آپ زاہد قانع اور متوکل تھے ۔ دنیا والوں کے ہاں نہ جاتے ۔ اور نہ ان کے مطبخ کا کھانا تناول فرماتے جب کوئی اہم کام پیش آتا تو جنگل کی طرف چلے جاتے اور دو رکعت نماز پڑھ کر مراقبہ میں مشغول ہو جاتے ۔ چھیاسٹھ سال تک آپ مسند مشیخت پر سرفراز رہے ۔

آپ نے اپنے آخری سفر کی خبر اپنے دوستوں کو نو۹ دن قبل دیدی تھی ۔ آپ نے ۱۰ ربیع الاول ۹۲۴ھ کو دار جاودانی کی طرف سفر فرمایا ۔ [1]

---

[1] گلزار ابرار ص ۱۵۲ ، نزھۃ الخواطر اردو ص ۱۵۰ ۔ ۲۲۵ عربی ص ۱۳۶ ج ۴ ۔ ۲۲۹ ۔

محمود

(م ۱۰ ربیع الثانی ۹۳۴ھ / یکم جنوری ۱۵۲۸ء)

محمود شمال سے دکن گئے تھے، وہ ایک قادر الکلام شاعر تھے جنہوں نے اردو کے علاوہ، فارسی، افغانی اور پنجابی میں بھی شاعری کی تھی لیکن ان کی اصل شہرت اردو کلام کی وجہ سے تھی۔
محمود کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاہ شہباز کے مرید تھے۔

کہے شاہ شہباز محمود کوں!
قدم رکھ توں ہر فن میانے ثبوت؛
محمود کوں شہباز بولے صریح کھول
تن خصلتاں کو چھوڑ جو پاوے وصال کولا

ایک "جھولنا" میں جو گجری کی ایک صنف ہے۔ شاہ شہباز کا اس طرح ذکر کرتے ہیں:

"تیرے نین سدا ہیں مست لالہ میرے دلکوں مار بیہوش کیئے، میرے حال کوں دیکھ بے حال ہوئے لوگاں دیکھ کے مجھ خروش کیئے دیکھو پیر شہباز تک دیکھنے میں یاراں سب سگل مدہوش کیئے محمود دیکھ بنجاول دل منیں تیرے جیو کوں پیومے نوش کیئے۔"

شاہ شہباز جن کا اصل نام ملک شرف الدین بن ملک عبدالقدوس تھا۔ شہر احمد آباد میں رہتے تھے اور شاہ علی خطیب (خلیفہ مخدوم قطب عالم بخاری) کے مرید تھے۔ احمد آباد کا حاکم آپ سے ناراض ہو گیا تو آپ

برہانپور چلے آئے اور بادشاہ خاندلیس عینا عادل خاں نے قلعہ اسیر کے قریب آپ کو رہنے کے لئے جگہ دی۔ انہوں نے ۱۰ ربیع الآخر ۹۳۴ھ/ ۱۵۲۸ء میں وفات پائی۔

"مضامین حقائق و معارف میں ارشادات ان کے بہت ہیں" پہلے دو شعروں میں محمود نے اپنے پیر کے ارشادات کا ذکر کیا ہے۔

"سب رس" کے ایک قلمی نسخے کے ترقیمے سے معلوم ہوتا ہے کہ وجہی کا سلسلہ بھی ایک واسطے سے پیر شہباز سے ملتا ہے۔ ترقیمے میں لکھا ہے کہ "مولانا وجہی چشتی کے پیر شاہ علی متقی کے پیر میاں شہباز ایں ہمہ چشتی گزراست" اس ترقیمے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ بادشاہ علی متقی ملتانی (م ۹۷۵ھ/ ۱۵۶۷ء) اور محمود کم و بیش ہم عصر تھے اور ملّا وجہی سے ایک نسل پہلے تھے۔

محمود کا بیشتر کلام غزلوں پر مشتمل ہے لیکن ساتھ ساتھ انہوں نے "جھولنا" مرثیہ، قصہ، کبت، اور دوہرے بھی لکھے ہیں۔ کلام کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ فارسی سے اس کا گہرا تعلق ہے اور وہ فارسی اسلوب، مضامین رموز و کنایہ کو قادر الکلامی کے ساتھ اردو شاعری میں استعمال کر رہے ہیں۔[1]

---

[1] تاریخ ادبیات اردو از ڈاکٹر جمیل جالبی ص۲۹۳۔

مولانا شہیدی قمی ملک الشعراء

(م ۹۳۵ھ مطابق ۱۵۲۸ء)

شہیدی قمی شاعر معروف ہیں۔ آپ کو والئی تبریز یعقوب نے اپنے تقرب کا اعزاز بخش کر ملک الشعراء کے خطاب سے سرفراز فرمایا ایک طویل مدت انکے ساتھ گذارنے کے بعد ہندوستان آکر گجرات میں اقامت فرما ہوئے۔ یہاں برسوں رہے اور یہاں کے رؤسا سے بیش بہا تحائف حاصل ہوئے۔

محمد بن قاسم لکھتے ہیں کہ جب اسماعیل عادل شاہ بیجاپوری نے ۹۳۷ھ میں ایک علاقہ فتح کیا جس میں اسے بے حساب مال غنیمت حاصل ہوئی۔ تو حضرت شہیدی بادشاہ ممدوح کے پاس آئے۔ بادشاہ نے خزانچی کو حکم دیا کہ مولانا شہیدی جس قدر اشرفی اٹھا سکیں انکی نذر کر دی جائیں۔

مولانا نے فرمایا، جب میں گجرات سے چلا تو مضبوط و توانا تھا۔ مگر سفر کی کلفت نے کمزور کر دیا ہے،، بادشاہ نے فرمایا کہ آپ ایک مرتبہ کچھ لے جائیے اسکو پہنچانے کے بعد دوسری مرتبہ تشریف لائیے اور پھر لے جائیے۔ اس پر مولانا نے فرمایا کہ؛ دزنا چیز آفتہا است و طالب را زیاں دارد،،

یہ کہنے کے بعد آپ خزانہ میں دو مرتبہ تشریف لے گئے اور اشرفی کی بوری دو مرتبہ اٹھائی جب انہیں الٹ کر گنا گیا تو پچیس ہزار تھیں بادشاہ نے ہنس کر فرمایا مولانا نے سچ فرمایا تھا کہ ان میں قوت نہیں ہے،،

زمانہ برسرآزادماست خوئے تو دارد

اپنے تذکرے میں انہیں سزا است کے را کہ آرزدئے تو دارد،

سام مرزا نے لکھا ہے کہ ان کا انتقال ۹۲۵ھ میں ہوا مگر یہ صحیح نہیں۔ مُلّا قاطعی نے لکھا ہے کہ آپ سرکھیج (احمدآباد) گجرات میں آسودۂ لحد ہوئے۔ [1]

حضرت سیّد عبدالوہابؒ بن سیّد غیاث الدین قادری

م ۱۷ ربیع الاول ۹۳۵ھ بمطابق نومبر، دسمبر ۱۵۲۸ء

سیر امتی ضلع احمدآباد آپ کی جائے ولادت ہے۔ آپ شیخ علم الدین حسینی کے نواسے ہیں آپ کی والدہ ماجدہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں بشارت دی کہ آپ کا بچہ ولی کامل ہوگا۔ والد ماجد سید غیاث الدین سے آپ نے تعلیم حاصل کی اور صرف پندرہ سولہ سال کی عمر میں تمام علوم ظاہرہ پر آپ نے عبور حاصل کرلیا اور والد ماجد کی کیمیا اثر صحبت سے باطنی علوم سے بھی بہرہ ور ہوئے۔

آپ نہایت حسین وجمیل تھے۔ ظاہری و باطنی حسن خلاق ازل نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ یہاں تک کہ بعض لوگ آپ کے چہرہ انور کو دیکھنے کی تاب نہ لاسکتے تھے۔

---

[1] نزہۃ الخواطر ص ۱۵۷ جزء ۴ ۲۵۰، دکنی ادب کی تاریخ ص ۲۹

والد صاحب کے انتقال کے وقت آپکی عمر پچیس سال تھی ۔ اس وقت احمدآباد منتقل ہو گئے اور سید یعقوب چشتی کے دامنِ فیض سے وابستہ ہو کر خلافت کے منصب تک پہنچے مرشد روحانی آپ پر اس قدر مہربان ہوئے کہ اپنی صاحبزادی کو آپ کے عقد نکاح میں دیا شاہ گجرات نے آپ کے لئے مسجد و خانقاہ تعمیر کرائی ۔ جہاں سے ہزاروں فیض یافتگان آپ کے فیوضِ روحانی سے سرشار ہوتے رہے ۔
بالآخر ماہ ربیع الاوّل ۹۲۵ھ میں آپ نے اس عالم سے کوچ فرمایا ۔ اور احمدآباد محلہ خانپورہ میں آسودۂ لحد ہیں ۔

قاضی محمود بن حامد بن محمد علوی دریائی

(م ۱۳ ربیع الثانی ۹۴۱ھ بمطابق ۲۰ دسمبر ۱۵۳۴ء)

عارف باللہ قاضی محمود بن حامد بن محمد علوی بیرپوری۔ آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نواسے حضرت حمزہ بن فاطمہ بنت حضرت علی رضہ کی نسل سے ہیں اور آپ ننھیال کی طرف سے عباسی ہیں۔ اس لئے کہ قاضی محمود کی والدہ قاضی عبدالملک عباسی کی صاحبزادی ہیں جو معتصم بن ہارون خلیفہ عباسی کی نسل سے ہیں۔ قاضی محمود قاضی جامکڈھ کے نام سے مشہور تھے، اور آپ کے والد قاضی جاملندہ کے نام سے مشہور تھے، آپ نے یا اپنے والد محترم سے علم حاصل کیا، یا قاضی حماد سے علم حاصل کیا اور یہ دونوں شیخ محمد بن عبداللہ حسینی بخاری کے شاگرد ہیں۔ یا شیخ محمد بن عبداللہ حسینی بخاری کے شاگرد شیخ عبداللطیف بن جمیل نہر والی کے آپ شاگرد ہیں۔

سلسلہ تصوف میں آپ کو متعدد طرق کی اجازت حاصل تھی۔ ان میں سے بعض سید احمد کبیر رفاعی تک پہنچتے ہیں اور بعض شیخ شہاب الدین عمر سہروردی تک پہنچتے ہیں۔

آپ خود بھی کبار مشائخ میں سے تھے۔ بڑی مخلوق آپ سے فیضیاب ہوئی آپکے کشوف وکرامات کا بڑا تذکرہ تھا۔ اور آپ کے حلقۂ ارادت میں آپ کے عجائب وغرائب مشہور تھے۔

۹۲۰ھ میں آپ احمد آباد سے بیرپور کی طرف منتقل ہو گئے جو احمد آباد کے قریبی دیہاتوں میں سے ایک دیہات ہے۔ وہاں مخلوق سے تنہائی میں

رہنے لگے، ۱۴ ربیع الثانی ۹۴۱ھ کو وہیں پر آپ نے انتقال فرمایا۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر ۶۶ برس تھی۔

شیرانی صاحب لکھتے ہیں: قاضی محمود بیرپور کے باشندے تھے۔ خرقہ انہیں اپنے والد سے ملا تھا۔ ایک عرصے تک احمدآباد میں رہے ۹۲۰ھ میں بقول مرأۃ احمدی وہ اپنے وطن بیرپور لوٹ گئے جہاں ۹۴۱ھ میں انتقال ہوا۔ لیکن مجمع الاولیاء اور خزینۃ الاصفیاء میں انکی تاریخ وفات ۹۲۰ھ ہے۔

خاتمہ مرأۃ احمدی میں ہے کہ آپ نے ۶۷ برس کی عمر پائی ۱۴ ربیع الثانی ۹۴۱ھ میں انتقال کیا۔ آخری گھڑی اشعار سن رہے تھے کہ زمین پر سر رکھدیا اور سجدہ ہی میں جاں بحق ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ آپ کی قبر قصبۂ بیرپور میں ہے۔ [1]

قاضی محمود دریائی کی آخری عمر کا حال خاتمہ مرأۃ احمدی میں اس طرح لکھا ہے کہ: کہتے ہے کہ عماد الملک جو گجرات کے امراء میں سے تھے قاضی صاحب کے ارادت مندوں میں سے ایک دفعہ سخت خطرناک مرض میں مبتلا ہوئے اپنے پیر کی خدمت میں احوال عرض کئے قاضی صاحب نے قاضی الحاجات کی بارگاہ میں ان کے لئے دعائیں کیں جواب ملا کہ انکی عمر ختم ہو چکی ہے اس مرض سے وہ جانبر نہیں ہونگے، قاضی صاحب نے الحاح و اصرار کیا الہام ہوا کہ بارہ سال آپکی عمر میں سے باقی ہیں اگر انہیں وہ دیں تو اتنی دیر وہ زندہ رہ سکے گا۔ قاضی صاحب نے قبول کرلیا سنکر مریدین و متعلقین آہ و زاری کرنے لگے کہ آپ کی عمر شریف تو سب کے لئے باعث برکت ہے سارا عالم آپ سے فیضیاب ہو رہا ہے ایسا نہ کریں فرمایا جو میں قبول کرچکا ہوں اس کو دوبارہ رد نہیں کرسکتا۔ چنانچہ

---

[1] خاتمہ مرأۃ احمدی ص۱۳۲۔ مقالات شیرانی ص۱

آپکی عمر میں سے بارہ سال عماد الملک کو دیدئے گئے۔ اور نئے سرے سے عماد الملک نے زندگی پائی۔ مگر عماد الملک اخیر عمر تک پریشانیوں اور حوادثات میں گرفتار رہے چند روز جو شیخ کے عمر میں سے باقی رہے گئے تھے مریدین کو وصایا اور معتقدین کے ارشاد و تلقین میں آپ مشغول رہے۔

قاضی محمود صاحب کا قلم عشقیہ مضامین ریز اور گہر بار ہوتا تھا۔ بیرپور آپکا وطن اصلی ہے جوانی میں آپ احمد آباد میں آکر مقیم ہوگئے اور ۹۲۰ھ میں قصبہ بیرپور واپس چلے گئے۔ ایک دفعہ آپ کو اسقدر جوشِ الہیٰ اور طلب الہیٰ کا جوش و جذبہ پیدا ہوا کہ والد محترم کی اجازت سے خلوت نشینی اختیار کی اور پھر صحرا نوردی شروع کردی اور زاویہ کے اندر خلوت اور تنہائی میں عبادتِ الہیٰ میں مصروف رہے اس کے کچھ عرصہ بعد پھر والد کی خدمت سے مشرف ہوئے اور ان سے استفادہ کیا۔

نقل ہے کہ جب آپ کو دفن کیا گیا تو آپ کے والد بزرگوار نے آپ کے روئے مبارک پر سے گوشۂ کفن اٹھا کر ایک نگاہ سے آپ کی جانب دیکھا۔ آپ نے بھی آنکھیں کھولکر تبسم فرمایا۔ والد نے کہا بابا محمود یہ کیا بچوں کی سی ادائیں ہیں آپنے پھر اسی طرح آنکھیں بند کرلیں۔

روایت ہے کہ آپ کے جد امجد کا نام قاضی محمد تھا جب قاضی جی کی صالحہ بی بی کے علی الاتصال چھ لڑکیاں ہوئیں تو قاضی جی کو لڑکے کی خواہش ہوئی تاکہ نسب پدری محفوظ رہے قاضی جی کی اہلیہ نے قبل اسکے کہ یہ ذکر دوسرے شخص کی زبان سے سنتے خود اپنی دلی خوشی کے ساتھ بالمشافہ شوہر کو اجازت دی کہ دوسرا نکاح کر لیجئے۔

قاضی جی نے جواب دیا آج رات میں اس بات کا استخارہ کرکے خاتم النبوۃ

علیہ السّلام کے حضور میں عرض کرونگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا محمد تم کو مبارک ہو اسی پاک دامن بیوی سے تمہارے تین صاحب کمال لڑکے ہونگے دوسری شادی کی ضرورت نہیں اور حرف ح علیحدہ علیحدہ تین جگہ قاضی جی کے کفِ دست پر لکھدیا اس بنیاد پر پہلے لڑکے کا نام حامد دوسرے کا نام حماد اور تیسرے کا نام حمید رکھا۔ [1]

قاضی محمود دریائیؒ کا خاتمہ مرآۃ احمدی میں مفصل تذکرہ ہے لکھا ہے کہ قصبہ بیرپور کے ایک بزرگ قاضی محمود دریائی بیرپوری ہیں۔ انکے والد بزرگوار قاضی حمید ہیں۔ جن کا عرف شاہ جائلندا تھا۔ آپ حضرت شاہ عالم سے ارادت رکھتے تھے اور ان کے جدامجد قاضی محمد قطب عالم کے مرید تھے۔ لیکن سادات بخاریہ کہتے ہیں کہ قاضی محمود جو حضرت شاہ عالم کے مرید ہیں وہ قطب عالم کے فرزند سید محمود کے مرید تھے لیکن کہتے ہیں کہ یہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکا۔ بلکہ آپ اپنے والد بزرگوار کے مرید تھے جب شاہ جائلندا کا آخری وقت آیا تو قاضی محمود نے عالم واقعہ میں دیکھا کہ حضرت پیرانِ پیرؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ آپ مقام محبوبیت پر ہو اور میرے ہم درجہ ہو مگر مناسب یہ ہے کہ اپنے والد بزرگوار سے بیعت ہو کر خلافت لے لو کہ یہ چیز اہلِ سلسلہ کے لیۓ لازم ہے قاضی صاحب نے یہ واقعہ صبح کے وقت پدر بزرگوار کے خدمت میں عرض کیا تو فرمانے لگے مجھے بھی پتہ ہے کہ یہ میرا آخری وقت ہے اور وقت موعود پہ آپکا ہاتھ پکڑ کر آپ کو خلعتِ خلافت دینی چاہیئے۔ دوسرے حضرات نے بھی یہ گفتگو سنی وہ بھی ارادت کے لیۓ مستعد ہو کر بیٹھ گئے۔ وقت موعود مقررہ دن کو آپ نے پہلے قاضی صاحب کے صاحبزادہ کو بلا کر مرید کیا اس کے بعد دوسرے لوگوں کو بیعت کیا اور اخیر میں

---

[1] مرآۃ احمدی، نزہۃ الخواطر ج۵ ص۲۳۵، گلزار ابرار ص۲۳۶۔

قاضی محمود کو بلاکر مرید کرکے خلعتِ خلافت عطا فرمائی اس کے بعد فرمایا کہ اب اس پر ہمارا معاملہ ختم ہے۔ دوسرے دن آپ نے آخرت کا سفر فرمایا، قاضی محمود اپنے والد بزرگوار کی رحلت کے بعد ارشاد و تلقین کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے اور ان سے خرق عادات بھی ظاہر ہوئے۔ کہتے ہیں کہ عالم آب دسمندر کی خدمت آپ کے سپرد تھی اسی لئے بار ہا جہاز اور کشتی والوں کی مدد ان کے متعلق سنی گئی۔ اور اسی مناسبت سے آپ کا لقب دریائی تھا۔

صاحب مرآۃ احمدی کی طرح "دریائی" لقب کی وجہ بیان کرتے ہوئے صاحب "تحفۃ الکرام" نے لکھا ہے کہ:

"قاضی محمود بعد از رحلت پدر بر مسند ارشاد تمکن جست، بزرگی و خوارقِ ایشاں عالم را فرو گرفت و خدمت عالم آب ہم بایشاں تعلق داشت۔ اکثر در کشتیہائے تباہی کہ یاد ایشاں می نمودند بساحل مراد میرسیدند از یں سبب "دریائی" لقب خاص مقرر گشت۔"

قاضی محمود پر حضرت شاہ عالم کی نظرِ عنایت تھی ایک دفعہ فرمایا کہ:
"قاضی شملہ دراز دارد" اس سے اس طرف اشارہ تھا کہ ان سے عالم میں بڑی کرامات مشہور ہونگی۔ اور درجۂ عالیہ حق تعالیٰ شانہ عطا فرمائیں گے چونکہ مولد و منشا یہ قصبہ تھا اور قصبائی لوگ فصیح زبان نہیں رکھتے محاورہ میں بول چال میں شاہ عالم کے بجائے منجھن میاں کہہ کر پکارتے تھے اتفاقاً ایک روز شاہ عالم کی رحلت کے بعد مجلسِ خاص منعقد تھی۔ حضرت شاہ سلطان شاہ شیخ جیو اور سلطان مظفر حلیم وغیرہ دیگر بزرگ مجلس میں موجود تھے اور محققانہ و عارفانہ گفتگو ہو رہی تھی اسی درمیان میں قاضی محمود کی زبان پر یہ آیا کہ منجھن میاں یہ فرماتے تھے۔ ایک شخص معترض ہوا کہ قاضی کیا بات ہے

کہ آپ کا اسم گرامی شاہ عالم کیوں نہیں کہتے تو وہ کہنے لگے میں دیہاتی آدمی ہوں۔ فصاحت جانتا نہیں ہوں، شاید یہ بے ادبی میری طرف سے آنجناب کی بارگاہ میں قبول کی جائیگی۔

ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے کہ محمود اپنے والد قاضی حمید/حامد عرف شیخ جاںلندہ کے مرید تھے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی 'اخبار الاخیار فی اسرار الابرار' میں قاضی محمود دریائی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سلطان مظفر بن سلطان محمود کے زمانے میں احمدآباد (گجرات) میں بڑے ٹھاٹھ سے زندگی بسر کرتے تھے۔ ۱۵۱۴ء/۹۲۰ھ اپنے آبائی وطن بیرپور تشریف لے گئے اور وہیں سکونت اختیار کرلی۔ اخبار الاخیار میں ان کا سالِ وفات ۱۵۱۹ء/۹۲۵ھ لکھا ہے، لیکن نوراحمد فریدی نے تذکرہ شاہ رکن عالم اور محمد سخاوت مرزا نے تذکرہ حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت میں ان کی وفات کا سن ۱۵۳۴ء/۹۴۱ھ بتایا ہے آپ بیرپور میں مدفون ہیں۔

قاضی محمود دریائی سلسلۂ قادریہ میں مرید تھے لیکن صاحبِ سکر و ذوق تھے۔ اور عشق و محبت آپ کا مشرب تھا۔ ان کی ہندی دانی اور ہندوی گوئی کی متعدد تذکرہ نگاروں نے شہادت دی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ ہندوی زبان میں آپنے جکریاں (ذکریاں) کہی ہیں جو اس علاقے کے قوال اکثر گاتے رہتے ہیں۔ یہ لوگوں کو بے انتہا پسند ہیں۔ ان میں اثر کے ساتھ بے تکلفی ہے اور عشق و وجدان کے اثرات ظاہر ہیں۔ مولوی عبدالحق نے اپنی تصنیف 'اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا حصہ' میں لکھا ہے کہ قاضی محمود دریائی کی شاعری کا ایک قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے۔ پروفیسر ابراہیم ڈار نے اپنے ایک مضمون بعنوان 'گجرات کا ایک

قدیم شاعر، میں لکھا ہے کہ قاضی محمود دریائی کا ایک ہندی دیوان ہے۔ جس کا ایک نسخہ احمد آباد کے ایک کتب خانے میں محفوظ ہے۔ دیوان سارے کا سارا ہندی زبان اور صوفیانہ رنگ میں ہے۔ جکری (ذکری) طرز کے اشعار نفس مضمون کے علاوہ اپنی راگ راگنیوں کی تاثیر کی وجہ سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ قاضی محمود دریائی تو اپنی نظموں کے شروع میں راگ راگنیوں کے نام بھی لکھ دیتے ہیں۔ اس صنفِ سخن میں جو اثر انگیزی ہوتی ہے اس کا حال شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے اس بیان سے مترشح ہے جس میں ان کے لوگوں میں مقبول ہونے اور قوالوں کے گانے کی طرف اشارہ ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت نظام الدین اولیاء کو مولانا وجیہ الدین سے ایک جکری سن کر وجد آگیا تھا۔ سماع کی اس تاثیر وکیفیت کی بنا پر صوفیہ کے ہاں اسے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ [1]

شیرانی صاحب نے اپنے ایک دوسرے مقالہ میں لکھا ہے کہ قاضی محمود دریائی گجرات کے مشاہیر صوفیہ سے ہیں۔ ہندی شعر گوئی میں ان کی شہرت ہندوستان میں پھیل چکی تھی۔ ایک خاص طرز کے نظم کے سلسلے میں جس کو "جکری" کہا جاتا تھا، ان کا نام زبان زد عام ہے۔ ایک زمانے میں یہ جکریاں گجرات میں مقبول تھیں۔

اخبار الاخیار میں منقول ہے!

جکرہائے وے کہ بزبان ہندی دارد دستور قوالان آن دیار است بغایت مطبوع و مؤثر و بے تکلف و آثار عشق و وجد از سخنان وے لائح است۔ (اخبار الاخیار ص۱۸۱)

علاؤ الدین ثانی برناوی اپنی تصنیف "کتاب چشتیہ" میں شیخ علاؤ الدین کی علائیوں کے ذکر میں (جو ایک خاص قسم کی متصوفانہ و عاشقانہ نظم ہوتی تھی)

[1] تاریخ ادبیات ص۲۱

مثلاً قاضی صاحب کی جکری کا بھی ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ :

"کلام مقبول او بہ مثل جکری قاضی محمود ہر کہ می شنود برحمت او آفریں می شود"

تحفۃ الکرام میں مذکور ہے :

"از غلبات عشق پیوستہ بحسب حال عاشقانہ بہندی بطرز دلبندی می بست"

صاحب خزینۃ الاصفیاء لکھتے ہیں :

"اشعار عاشقانہ بزبان ہندی فرمودے کہ قوالان آں دیار بوقت سماع اشعار آنجناب بمجلس اصفیاء می خوانند و بغایت مؤثر می باشند"

"جکری" دراصل "ذکر" کی بگڑی شکل ہے۔ اس کا اطلاق ایسی نظموں پر ہوتا ہے جن میں اور مضامین کے علاوہ سلسلے کا شجرہ اور مشائخ کی مدح ہوتی تھی۔ نظام الدین اولیاء (م ۷۲۴ھ) کے عہد میں بھی جکری کا رواج تھا۔ اور ان کو مولانا وجیہ الدین کی جکری پر حال آیا تھا جو حسب ذیل ہیں۔

"بنیا بن بہاجی ایسا سکھ سے باسوں"

میر علی شیر قانع نے لکھا ہے کہ "ہنگام جوانی از مقام غوثیت درگزشتہ بمقام محبوبیت دررسیدند"۔

مزاج کی عشقی کیفیت اور عشق کی اس گرمی کا اثر ان کی شاعری پر گہرا ہے۔ یہی رنگ انکی شاعری و شخصیت کا نمایاں رنگ ہے۔ سب تذکرہ نویسوں نے اس خصوصیت کا ذکر کیا ہے۔

مرآۃ احمدی میں یہ الفاظ ملتے ہیں :

"قاضی محمود از غلبات عشق پیوستہ برحسب حال نقش عاشقانہ بعبارت ہندی درمقامات ہندیہ بطرز دل پسندی می بست"

خـزینۃ الاصفیار سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے :

: صاحبِ ذوق ومحبت وعشق از عظمئے خلفائے شاہ عالم گجراتی است .
اشعار عاشقانہ بزبانِ ہندی فرمودے کہ قوالانِ آں دیار بوقتِ سماع
اشعار آنجناب بمجلس اصفیار می خوانند وبغایت موثر می باشند :

عشق کی اس شدت کا قاضی محمود دریائی پر یہ اثر تھا کہ ان کے سارے کلام سے اس جذبے کی گرمی کا احساس ہوتا ہے . اس عشق کا اظہار اللہ، اسکے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مرشد کے ساتھ بھی ہے ۔ کلام میں اپنے والد اور مرشد کا ذکر بار بار کرتے ہیں ۔ ؎

قاضی محمد تن شاہ جا ٹلندہ میرا سب دکھ کروہی ادلاوے
محمد سوری سائیاں مجھ اس بن اور نہ بھاوے

سائیں کن ایک بار اکھار ۔ ہوں دکھیا کردں جو بار
تیرے مکھڑے کے بلہار

محمود سائیں سیوک تیرا توں تو سمرت سائیں میرا
کریں ہماری سار

اسمت نبی محمد کی یہ محمود تیرا داس
برکت پیر جا ٹلند ھا : سائیں پور ویں من کی آس [1]

مولانا محمد عماد الدین بن محمود طارمی

(م ۹۴۱ھ)

آپ کا مولد ومنشا خـراسان کا ایک قریہ طارم ہے وہاں آپ نے نشوونما

---

[1] تاریخ ادب اردو ص۱۱۱ ۔

پائی، اور فنون کی تحصیل میں یہاں مشغول ہوئے۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو گجرات کا سفر کیا اور یہاں آکر مقیم ہو گئے۔ اور اخیر عمر تک انتقال تک یہیں مقیم رہے ملا عماد کے والد محمود طارمی بڑے تاجر تھے۔ اتفاقاً آپ نے بڑا ہی عظیم الشان خیمہ بنایا جس میں مال خطیر خرچ کیا۔ لولو وجواہر موتیوں سے اس کو مرصع کیا۔ اور اس کو لے کر ملک الروم کے پاس پہنچے۔ ایک روایت ہے کہ سلطان دہلی کے پاس لے گئے۔ وہ اس کی قیمت ادا کرنے سے عاجز رہے تو اس کو گجرات کے بادشاہ سلطان محمود کبیر کے پاس لائے انہوں نے بھی اس کو نہیں خریدا اس کو لے کر اپنے وطن واپس جانے کا ارادہ کیا اتفاقاً جمعہ کا دن تھا اور کسی مسجد میں تھے اور شاہ عالم احمد آبادی اسی مسجد میں موجود تھے۔ آپ نے شور و ہنگامہ سنا تو پوچھا کہ کس چیز کا شور ہے۔ آپ سے خیمہ کا قصہ بیان کیا گیا تو آپ نے محمود طارمی کو بلوایا جب وہ آپ کے سامنے پہنچے تو خیمہ منگوایا اور شیخ نے ان سے وہ خیمہ نو لاکھ اشرفی میں خرید لیا۔ اس شرط پر کہ اس کی قیمت چند دن کے بعد ادا کریں گے۔ اور اپنے مکان چلے آئے بعد میں لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ نے کیا کیا کہ یہ خیمہ جس کی قیمت ادا کرنے سے بڑے بڑے بادشاہ عاجز رہے۔ یہ خیمہ اس شیخ کو آپ نے بیچ دیا ہے وہ اس کی قیمت کہاں سے ادا کر سکیں گے۔

محمود طارمی فوراً شیخ کے پاس گئے۔ دیکھا کہ شیخ بیٹھے ہوئے ہیں اور خیمہ سامنے ہے اور لوگ اس خیمہ میں لوٹ مار مچا رہے ہیں سب لولو جواہر اس میں سے توڑ کر لے جا رہے ہیں۔ جب یہ حال انہوں نے دیکھا تو گھبرا گئے۔ اور شیخ سے مدت پورا ہونے سے پہلے ہی اپنی قیمت کا مطالبہ کیا شیخ نے فرمایا کچھ لوگوں نے تجھے اس بات پر اکسایا ہے۔ اچھا اب بتاؤ نقدی میں سے کس

جنس ہیں سے اپنی قیمت لینا چاہتے ہو۔ انہوں نے ایک نقد متعین کیا تو شیخ نے اپنا مصلیٰ اٹھایا اور حکم فرمایا کہ اس کے نیچے سے اس غیمے کی قیمت کی مقدار کے موافق نقد وصول کرلو، تو جو جنس انہوں نے نقدی میں سے شیخ سے مانگی تھی بغیر کسی کمی زیادتی کے وہاں پر موجود تھی۔

اس پر شیخ کی قدر و منزلت کے معترف ہوئے، اور شیخ سے اس بات کی دعار کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے اولاد عطا کرے۔ تو شیخ نے اپنے منہ سے پان نکالا اور ان کو عطا فرمایا۔ اور ان کو بشارت دی کہ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ اب وہ اپنے شہر لوٹے ان کے واپس جانے کے بعد ملا عماد طارمی کی ولادت ہوئی۔

اور وہاں ملا عماد تحصیل علوم میں مشغول رہے یہاں تک کہ اپنے زمانہ کے علمار سے علوم و فنون میں فائق ہوگئے اور اپنے والد سے شیخ کی کرامت کو سن چکے تھے اس لئے انکی ملاقات ہی کی خاطر انہوں نے گجرات کا سفر کیا۔ مگر یہاں پہنچنے سے پہلے ہی شیخ کی وفات ہو چکی تھی۔ اس لئے کہ ملا عماد طارمی سلطان مظفر بن سلطان محمود کے دور میں گجرات پہنچے تھے ایک روایت ہے کہ آپ نے سلطان محمود کبیر سلطان مظفر اور سلطان بہادر تینوں کا زمانہ دیکھا۔

ملا عماد تمام علوم میں ماہر تھے، بالخصوص عقلیات میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور ان کو علم سیمیار میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ مولانا عماد طارمی کے شاگردوں میں سے مولانا وجیہ الدین اور علامہ قاضی عیسیٰ بھی ہیں۔ [1]

ملا عماد گجرات پہنچے اور حضرت ملک قطب الدین کے مرید ہوئے جو حضرت شاہ کے خلیفہ تھے اسلئے کہ شاہ عالم وفات پاچکے تھے مولانا عماد الدین جیسے علوم ظاہری میں بے نظیر تھے علوم باطنی میں بھی یکتائے روزگار بنے اور خلق کی ارشاد

---

[1] النور السافر صفحہ ۱۹۴۔

ہدایت میں مشغول ہوئے۔ ۱؎

گجرات کی تمدنی تاریخ میں لکھا ہے کہ آپ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ مدرسہ عمادیہ کے نام سے آپ کا احمدآباد میں مدرسہ تھا جس میں طلبہ کا بڑا مجمع رہتا تھا۔ بڑے بڑے لوگ اس سے فارغ ہو کر نکلے۔ حضرت قاضی عیسیٰ اور حضرت شاہ وجیہ الدین علوی انہی کے شاگرد رشید ہیں۔ انہوں نے متعدد سلاطین گجرات کا عہد دیکھا، محمود اعظم، مظفر شاہ اور بہادر شاہ یکے بعد دیگرے انکے سامنے تخت نشین ہوئے۔ حضرت ملک قطب الدین خلیفہ حضرت شاہ عالم کے مرید تھے گجرات پر ہمایوں کے حملہ کرنے سے پہلے وہ پٹن نہر والہ میں تھے۔ دوسری جمادی الاول ۹۴۱ھ / ۱۵۳۴ء میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ ۲؎

مولانا طارمی کا کتبخانہ

مولانا محمد بن محمود طارمی علوم عقلیہ کے بڑے ماہر تھے۔ شیراز سے گجرات تشریف لائے۔ تو اپنا کتبخانہ بھی ساتھ لائے۔ یہاں انہوں نے درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا، کتب خانہ بڑا لاجواب تھا، جس میں ایران کی بہت سی نئی کتابیں بھی تھیں۔ ہمایوں کے آنے سے پہلے ہی پٹن میں انتقال ہو گیا۔ ۳؎

ظفر الوالہ میں آپ کے حالات مفصل درج ہیں لکھا ہے کہ ۹۴۱ھ میں آپ نے وفات پائی۔ ابتدار عمر ہی سے مشائخ کے درمیان آپ کو سب سے مقدم کیا جاتا اور آپ نے علم کیمیا، سیمیا مختلف فنون میں اسقدر مہارت حاصل کی کہ آپ کو علم کا سمندر کہا جا سکتا ہے۔ آپ طارم میں پیدا

۱؎ خاتمہ مرآۃ احمدی ص۱۰۱۔ ۲؎ گجرات کی تمدنی تاریخ ص۲۰۲ ۳؎ ظفر الوالہ ص۲۴۶ بحوالہ گجرات کی تمدنی تاریخ ص۲۲۲۔

ہوئے جو خراساں کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے ۔ وہیں نشو ونما پائی اور طلب علم میں وہاں کے علماء کے پاس مشغول رہے اور تمام علوم میں مہارت حاصل کی ۔ یہاں تک کہ آپ لوگوں میں نہایت احترام کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے ۔ پھر مختلف علاقوں میں آپ نے سفر کیا اور اس طرح آپ کے علوم میں اضافہ ہوتا چلا گیا ۔ اس کے بعد اپنی تمام کتابیں لے کر گجرات پہنچے اور یہاں پہنچکر آپ تعلیم وعبادت کے لیے فارغ ہو گئے اور آپ کا شہرہ دور دور تک پہنچ گیا اور افاضل علماء آپ کے پاس پہنچکر استفادہ کرنے لگے جن میں خصوصیت کے ساتھ مولانا وجیہ الدین علوی مشہور ہیں اور دوسرے قاضی مولانا عیسیٰ ہیں ۔

آپ نے نہروالہ پٹن میں انتقال کیا کہتے ہیں کہ سلطان بہادر نے آپ کے متعلق سنا تھا کہ آپ کو علم سیمیا حاصل ہے تو انہوں نے آپ سے درخواست کی کہ اس کا کوئی کرشمہ دکھائیں اس وقت سلطان بہادر نہر کے کنارے محل میں بیٹھ کر نہر کا نظارہ کر رہے تھے اور وہ بارش کا موسم بھی نہیں تھا کہ اچانک انہوں نے دیکھا کہ ایک گہوارہ ہے جس میں دو بچے ہیں اور وہ پانی کے اوپر تیر رہا ہے ۔ سلطان بہادر کہنے لگے کہ یہ عجیب بات آپ دیکھ رہے ہیں ؟ تو مولانا عماد الدین طارمی کہنے لگے کہ ہاں ایک گہوارہ ہے اور دو بچے ہیں ان کے باپ کا انتقال ہو گیا یہ دونوں یتیم ہو گئے ان دونوں کے باپ کا نام یہ یہ ہے کیونکہ وہ فلاں فلاں تھے ۔ نہروالہ پٹن میں رہتے تھے اور نہر نے ان دونوں بچوں کو تیرے پاس پہنچایا ہے تاکہ انکے باپ کے نام کا جو وظیفہ مقرر تھا ان بچوں کے لئے مقرر کر دیا جائے ۔ سلطان بہادر کہنے لگے کہ ان کے لئے وظیفہ مقرر کر دیا گیا ۔ اس کے بعد جب سلطان بہادر نے دوسری نگاہ کی تو وہاں نہ پانی تھا نہ سیلاب تھا اور نہ بچے تھے تو اس سے سلطان بہادر کو بڑا تعجب ہوا کہ بغیر بارش کے

زمانے کے یہاں نہر میں سیلاب کیسے نظر آگیا، گھوارہ اور بچے کیسے نظر آگئے اور کیسے وہ غائب ہو گئے۔

مولانا عماد کے والد کا نام محمود تھا جو تاجر تھے خیمہ بناتے تھے۔ انہوں نے ایک خیمہ بنایا جس میں بہت زیادہ مال لگایا۔ روم پہنچے وہاں جب کوئی خریدار نہیں پایا تو اس خیمہ کو لیکر گجرات پہنچے سلطان محمود بیگڑہ کو پیش کیا تو ان کو قیمت زیادہ معلوم ہوئی یا ایسی شان و ٹھاٹھ والا خیمہ ایسے آدمی کے لئے جو ہر وقت ہتھیار میں رہتا ہو اس کے مناسب حال نہیں دیکھا۔ اتفاقاً تاجر محمود جمعہ کی نماز کے لیے مسجد پہنچے تو وہاں مولانا نجھن جیو شاہ عالم نماز میں موجود تھے جب وہ نماز سے فارغ ہو کر چلنے لگے تو تاجر نے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور ان سے دعا کی درخواست کی کہ میرا خیمہ بک جائے۔ شاہ عالم نے ان سے ان کا نام، نسبت، پیشہ اور ضرورت پوچھی اور یہ کہ کہاں سے آئے تو یہ تمام تفاصیل انہوں نے بتائی۔ آپ نے اشارہ کیا کہ خیمہ اٹھا کر ہمارے گھر میں نصب کر دو۔ ایسا ہی کیا گیا۔ شاہ عالم نے وہ خیمہ ان سے خرید لیا اتنی قیمت دیکر جتنے میں خریدا نہیں جا سکتا تھا اس کی قیمت زیادہ ہونے کی وجہ سے ان کو قیمت کی ادائیگی کے لئے آئندہ تک کے لئے وعدہ کر دیا اتفاقاً کسی آدمی نے اس تاجر سے کہہ دیا کہ آپ اتنی بڑی رقم کا معاملہ کر رہے ہیں جو ان کے پاس ہے بھی نہیں اور فتوح غیب سے ان کے پاس کب اکٹھی ہو گی اور رقم سے ان کا وعدہ کب پورا ہو گا۔ وہ غریب مسافر آدمی تھے اچھی طرح پہچانتے نہیں تھے لہٰذا اس کے کہنے والے کی بات کا ان پر بڑا اثر ہوا اور ان کو وہم و تردد ہو گیا اور وہ سوچنے لگے کہ اب کیا کریں۔ پھر جب وہ شاہ عالم کے مکان کے قریب پہنچے تو وہاں ایک مخلوق کی مخلوق کا ہجوم خیمے پر دیکھا جنہوں نے اس میں نوٹ

مار رکھی تھی اور اس شاہی خیمے کو چھریوں سے کاٹا جا رہا تھا اس لئے کہ شاہ عالم نے لوگوں کو اس کے لوٹنے کی اجازت دے دی تھی۔

تاجر ندامت کے مارے اپنے ہاتھ کو کاٹنے لگا اور اس کا سابق وہم یقین میں تبدیل ہوگیا۔ ادھر شاہ عالم نے اپنے کشف سے اس کا باطنی حال معلوم کرلیا اور جس مصلے پر تشریف فرما تھے اس کی طرف اشارہ کرکے فرمانے لگے کہ جتنی آپکی قیمت ہے وہ اس مصلے کے نیچے سے اٹھا لیجئے۔ اشارہ کرکے مصلے کو موڑا تو کمی زیادتی کے بغیر اتنی ہی قیمت اس جگہ موجود تھی۔ تو اس نے اس مصلے کو بوسہ دیا اور معافی مانگی اور دعا کی درخواست کی کہ میں لاولد ہوں اللہ تعالیٰ مجھے لڑکا عطا فرمائے۔ شاہ عالم نے انکو لڑکے کی بشارت دی۔ طارم پہنچکر اللہ تعالیٰ نے ان کو لڑکا عطا کیا۔

بعضے کہتے ہیں کہ حضرت شاہ عالم نے پانی کی ٹنکی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا جس میں سے پانی کی آواز آرہی تھی کہ اس میں سے جتنا تیرا مال ہے کمی زیادتی کے بغیر لے لو۔ بعضے کہتے ہیں کہ شاہ عالم نہر پر تھے تو اشارہ کرکے فرمایا تو اس نے دیکھا کہ سونے کے سکوں میں سب پانی تبدیل ہوگیا اور بہہ رہا ہے اور اس نے ہاتھ مارا اور اپنی رقم لے لی پھر اس نے لالچ کیا اور کچھ زیادہ لیا تو جو پہلے سے لیا ہوا تھا وہ پھر پانی بن گیا کئی دفعہ ایسا ہوا۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا خُذْ وَلَا تَزِدْ، کہ جتنا تمہارا حق ہے اتنا ہی لو۔ چنانچہ وہ لے کر مجلس میں واپس لوٹ گیا۔

مولانا عماد الدین طارمی مغلوں کے حادثے والے سال میں اس حادثے کے وقوع سے پہلے ہی انتقال کرگئے۔ [1]

---

[1] ظفر الوالہ ص ۲۶۴ ج ۱۔

مولانا علاؤالدین علیسیٰ

علامہ علاؤالدین علیسیٰ، گجرات کے مشہور اساتذہ میں سے تھے۔ علامہ عماد الدین محمد طارمی سے طریقت میں فیض حاصل کیا۔ پھر تدریس کی مسند آراستہ کی۔ آپ کا علم وسیع اور افادہ عام تھا آپ سے شیخ عبدالقادر بن محمد اجینی نے فن کلام کی درسی کتب ۹۶۲ھ/۱۵۵۸ء میں پڑھیں اور بھی بے شمار افراد نے آپ سے استفادہ کیا۔ سلہ

شیخ جمالی

م ۱۰ر ذی قعدہ ۹۴۲ھ بمطابق ۲۰ر اپریل ۱۵۳۶ء

آپ کا نام جلال خان یا حامد بن فضل اللہ تھا۔ دہلی کے باشندے اور خاندان کنبوہ کے ممتاز فرد تھے۔ مولانا عبداللہ تلنبی کے شاگرد تھے۔ حضرت شیخ سماءالدین کے قیام انتھمبور کے دوران بیعت ہوئے اور انکی وفات تک خدمت میں رہے چند سال بلاد اسلامی کی سیاحت میں گذارے۔ مصر، دمیاط، مغرب، شام، عراق، عرب و عجم اور ایران وغیرہ کی سیاحت کی۔ ایران میں مازندران، گیلان، تبریز، خراسان، تربت شیراز، سبزوار، ہرات وغیرہ تمام مشہور مقامات کی سیر کی۔ سیاحت کے دوران اکابر علماء و مشائخ سے بھی ملاقات کی۔

حج کی سعادت کے بعد جب ہندوستان واپس آئے تو سلطان سکندر لودھی نے ان کو اپنا خاص مصاحب بنا لیا مگر پھر ابراہیم لودھی کے بجائے بابر

سلہ نزھۃ الخواطر عربی ج ۴ ص ۲۵۲۔

سے منسلک ہو گئے اور اس کی مدح میں زوردار قصائد نظم کئے۔ ہمایوں سے بھی شیخ کا تعلق قائم رہا۔

حضرت شیخ سماء الدین سہروردی کے خلیفہ اجل تھے۔ اپنے پیر سے دامادی کا رشتہ بھی رکھتے تھے۔ ذات کے اعتبار سے بھی اپنے پیر کے خاندان یعنی کمبوہ قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، جلال الدین نام تھا اور اسی نسبت سے اپنا تخلص رکھا۔ لیکن پھر اپنے مرشد کے حکم سے جمالی تخلص رکھ لیا۔ فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ اور شاعری کی کسی صنف میں بند نہیں تھے۔ مثنوی، قصیدہ، غزل ہر زمین میں طبع آزمائی کرتے رہے۔ سیر و سیاحت کے شوقین تھے۔ جب سفر حجاز کے لئے روانہ ہوئے تو اثناء سفر میں راہزنوں کے ہتھے چڑھ گئے انہوں نے جسم کا لباس تک اتروالیا۔ ایک تہہ بند باندھے ہوئے ہرات پہنچے اور مولانا عبدالرحمٰن جامی سے اسی عالم میں ملے انہوں نے ایک مفلوک الحال اور غبار آلود شخص کو دیکھا تو ازراہ تفنن فرمایا؛ میاں تو و خر چندیں فرق است، (تم میں اور گدھے میں کیا فرق ہے) مولانا جمالی حاضر جواب غضب کے تھے۔ فوراً اپنا اور مولانا جامی کا فاصلہ ناپا اور کہا؛ یک بالشت،؛ (صرف ایک بالشت کا فاصلہ ہے) مولانا جامی چپ ہو گئے۔ پھر پوچھا کون ہو؟ کہنے لگے ؛ از خاکسارانِ ہند،' (ہندوستان کے خاک نشینوں میں سے ہوں) مولانا جمالی کے کلام کی شہرت مولانا جامی تک پہنچ چکی تھی۔ انہوں نے دریافت کیا؛ از سخنانِ جمالی چیزے یاد داری؛؟ (جمالی کا کوئی شعر یاد ہے) مولانا جمالی نے تین شعر پیش کئے جو ان کے حسب حال بھی تھے۔ ؎

دو سہ گز بوریا و پوستکے   و لکے پر ز درد دوستکے
لتکگے زیر و لنگگے بالا   نے غم دزد و نے غم کالا

این قدر بس بود جمالی را　　عاشق رند ولا ابالی را !

مولانا جامی متاثر ہوئے پوچھا "طبع شعر داری؟" (شعر کا ذوق رکھتے ہو؟)
انہوں نے اپنی غزل کا یہ مطلع پڑھا۔

مارا زخاک کویت　　پیراہن است برتن
آں ہم زآب دیدہ　　صد چاک تا بہ دامن

یہ شعر پڑھا اور آب دیدہ ہو گئے۔ مولانا جامی سمجھ گئے بڑی عزت و تکریم سے پیش آئے۔

مولانا جمالی اپنے پیر و مرشد کی محبت سے سرشار اور اہلِ دنیا سے لاتعلق رہے سلطان سکندر لودھی آپ کا بڑا عقیدت مند تھا چنانچہ اس نے آپ کی شان میں ایک قصیدہ بھی کہا جس کے چند اشعار مندرجہ ذیل ہیں۔

اے مخزن گنج لایزالی　　وے سالک راہ دین جمالی
درگرد جہاں بسے زدی سیر　　در منزل خود رسیدی بالخیر
بودی تو مسافر زمانہ　　الحمد کہ آمدی بہ خانہ
در مکہ و در مدینہ گشتی　　گوہر بودی خزینہ گشتی
اے شیخ بہ ما برس بہ زودی　　بسیار مسافرت نمودی
بکشا بسوئے درگہم کام !　　تا دریابی زگلرخی کام !
چشم بہ جمال تو طپاں است　　دل مرغ مثالی در فغاں است
منم اسکندر و تو خضر مائی　　آں بہ کہ بہ سوئے ما بیائی
و شیخ زدوستاں نشد سیر　　تشریف نمودنش کشد دیر
از مہر کشد دو دیدہ را نور　　آں مہ نشود ز دیدہ ام نور

مولانا جمالی کو بھی سکندر لودھی سے خصوصی تعلق تھا تاہم اس تعلق میں

کوئی دنیاوی غرض پوشیدہ نہ تھی جیساکہ انہوں نے ایک شعر میں اس کا اظہار کیا ہے۔

میاں ما و شما دوستی براہ خدا است
نہ از برائے متاع زمانہ غدار

مولانا جمالی کے بعض اشعار کو قبول عام کی سند عطا ہوئی ان کا یہ نعتیہ شعر اہل دل کا سرمایہ ہے۔

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات
تو عین ذات می نگری در تبسمی!

ان کا یہ شعر بھی بے مثال معنوی لطافت کا حامل ہے۔

عشق را طرفہ لسانے است کہ صد سالہ سخن
دوست با دوست بہ یک چشم زدن می گوید

شیخ جمالی کو اپنے پیر شیخ سماء الدین سے بے حد محبت تھی۔ انہوں نے پیر کی مدح میں متعدد قصائد لکھے ہیں۔ وفات پر ایک دو مرثیہ بھی نظم کیا۔ جس کے چند ابیات درج ذیل ہیں۔

اے دیدہ خون بریز کہ دلدار غائب است
یعنی جمال آں مہ رخسار غائب است
اے ظلمت ستم رُخ آفاق را بپوش
کاں آفتاب عالم انوار غائب است
شیخے کہ سرّ حق ز لبش می شنود خلق
اکنوں میاں عالم اسرار غائب است [1]

---

[1] معارف ۲ ج ۶ ص ۱۱۱۔

مولانا جمالی کا یہ قطعہ بھی بڑا مقبول اور زبان زد خواص ہے۔

طَالَ شَوْقِیْ اِلٰی مَنَازِلِکُمْ   اَیُّھَا الْغَائِبُوْنَ عَنْ نَظَرِیْ

روز و شب مونسم خیال شماست   فَاسْئَلُوْا عَنْ خَیَالِکُمْ خَبَرِیْ

مولانا جمالی صاحب تصنیف بزرگ تھے انہوں نے سہروردی بزرگان طریقت کے حالات پر ایک ضخیم کتاب سیر العارفین لکھی جو اس موضوع پر بڑی جامع اور مستند خیال کی جاتی ہے۔ ایک مثنوی "مہر و ماہ" کے عنوان سے سپرد قلم کی ہے یہ مثنوی انہوں نے تبریز میں بیٹھ کر لکھی ہے۔ جس میں شہزادی مہرا ور شاہزادہ ماہ کی داستان محبت نظم ہے۔ مثنوی کا یہ شعر کتنا زوردار ہے۔

مرا تا دل بہ ایمان و یقین است!

محبت مذہب است و عشق دین است

مولانا ۱۰ رذیقعدہ ۹۴۲ھ بمطابق ۳۰ راپریل ۱۵۳۶ء کو گجرات (غالباً احمد آباد) میں فوت ہوئے (وہ ان دنوں ہمایوں بادشاہ کی فوجی مہم میں اس کے ہمرکاب تھے) اور لاکر دہلی میں وہاں دفن کئے گئے جہاں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے قبرستان میں انہوں نے اپنے لئے قبر تیار کر رکھی تھی۔

مولانا کے دو صاحبزادے تھے۔ دونوں شاعر اور اصحاب طریقت میں سے تھے۔ ایک شیخ گدائی سہروردی دوسرے شیخ عبدالحی حیاتی سہروردی دونوں باکمال بزرگ تھے۔ غرض مولانا جمالی صوفی درویش ہونے کے علاوہ بہت اعلیٰ درجہ کے فارسی کے شاعر بھی تھے۔ اور غالباً اس لحاظ سے وہ نہ صرف اپنے ہمعصروں میں سب سے ممتاز تھے بلکہ امیر خسرو کے بعد ہندوستانی شاعروں میں سب سے زیادہ قابل توجہ ہیں۔ ان کا دیوان خود ان کی زندگی میں مدون ہوچکا تھا۔ خوش قسمتی سے اس کے دو نسخے ہندوستان

میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ دو مثنویاں بھی ان کی یادگار ہیں۔
آپ کی تاریخ وفات ہے خسرو ہند بودہ۔ [1]

امیر زادہ عرف صدر خاں

(م ۹۴۲ھ مطابق ۱۵۳۵ء)

بہادر شاہ۔ شاہ گجرات کے ممتاز وزراء میں سے تھے۔ ہمایوں کے گجرات پر قبضہ کے بعد جب آپ کو قید کر کے ہمایوں کے سامنے لایا گیا وہ آپ کے فہم سلیم اور کمالات علمیہ کے اس قدر گرویدہ ہوئے کہ آپ کو خصوصی مصاحبین میں رکھتے تھے ۹۴۲ھ / ۱۵۳۵ء میں وفات پائی۔ [2]

شیخ بابو چشتی

دسویں صدی ہجری تقریباً

آپ کی خوابگاہ احمدآباد کے قریب مقام کھنبایت میں ہے۔ شیخ شیدا آپ کے مرید تھے۔ آپ اُن کے بغیر کھانا نہ کھاتے تھے۔ ایک دفعہ کسی خادم نے کہا ایک جولاہا اس قابل کب ہو سکتا ہے کہ اس کا انتظار کیا جائے۔ آپ نے فرمایا کھانا لاؤ۔ جب دیگ سے ڈھکنا اٹھایا تو دیگ میں کیڑے کلبلا رہے تھے آپ نے فرمایا پھر ڈھک دو اور جب تک شیدا نہ آئے اسکو ڈھکا رہنے دو۔ جب شیدا آئے تو پھر کھانا نکالا گیا جو بالکل صاف تھا۔ [3]

---

[1] خط پاک اوچ صفحہ ۳۱۰ تا ۳۱۳ [2] اکابرین گجرات صفحہ ۵۸ یاد ایام صفحہ ۴۵ [3] گلزار ابرار صفحہ ۱۱۱

شیخ میاں قطب الدین محبوب بن بابو صدر الدین

م ۲۰ رجمادی الثانی ۹۴۳ھ بمطابق ۳ ردسمبر ۱۵۳۶ء

حضرت سلطان ابراہیم ادھم بلخی کے نسل سے ہیں۔ ۸۵۶ھ میں احمدآباد میں آپ کا تولد ہوا۔ اور یہاں کے علماء سے آپنے علم حاصل کیا۔ اور علم ومعرفت کے حصول کے لئے شیخ بابو چشتی کے مرید ہوئے۔

ایام طفولیت میں حضرت شاہ عالم نے آپ کے سر پر عمامہ رکھکر خلافت بھی عطا فرمادی تھی اور وہ عمامہ شاہ عالم کے خلیفہ میاں مخدوم کے پاس بطور امانت رکھوا دیا تھا۔ آپ شریعت محمدیہ پر سختی سے کاربند رہنے والے تھے۔

۲۰ رجمادی الثانی ۹۴۳ھ کو عالم فانی سے دار باقی کو منتقل ہو گئے۔ اور خانپور احمدآباد کو دائمی مسکن ٹھہرالیا۔ [۱]

شیخ محمود بن بابو

م ۱۰ رجمادی الاخریٰ ۹۴۳ھ/۲۲ رنومبر ۱۵۳۶ء

شیخ محمود بن بابو بن صدرالدین بن جلال الدین بن الیاس عمری، شیخ قطب الدین محمود (یعنی قطب الدین لقب اور محمود نام ہے) علماء صالحین میں سے تھے۔ ۸۵۶ھ / ۱۴۵۲ء میں گجرات میں پیدا ہوئے اور وہیں پروان چڑھے۔ اساتذہ میں سید محمد بن عبداللہ بن محمود حسینی بخاری ہیں۔ اپنے مسکن میں ہی مشیخت کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔ بے شمار لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا ۱۰ رجمادی الاخریٰ ۹۴۳ھ ۱۵۳۶ء میں رحلت فرمائی اور رجان پور میں آسودۂ لحد ہوئے۔ [۲] (مرآۃ احمدی)

---

[۱] اکابرین گجرات ص۸۹ [۲] نزھۃ الخواطر ج۵ ص۳۳۲ـ۴

شیخ وجیہ عبدالرحمن بن علی مورخ الیمن معروف بہ ابن دیبع

م ۹۴۴ھ بمطابق ۱۵۳۷ء

حضرت ابن دیبعؒ کے متعلق یمنی مورخ لکھتے ہیں کہ آپ نے زبید کے علماء و مشائخ سے علوم حاصل کرنے کے بعد متعدد حج کئے۔ تیسرے حج میں ۸۹۶ھ میں حرمین میں امام سخاوی سے ملے، انکی صحبت میں رہے۔ انکی شاگردی اختیار کی اور متعدد کتابیں ان سے پڑھیں جن میں حدیث کے متعدد اجزاء اور مسلسلات شامل ہیں۔ اس کے بعد جب اپنے وطن زبید واپس لوٹے تو آپ نے اپنی کتاب "کشف الکربہ" تالیف فرمائی اس کے بعد "بغیۃ المستفید" اور "قرۃ العیون باخبار الیمن المیمون" تحریر فرمائی۔

حدیث و فقہ میں آپ ماہر ہوئے اور آپ نے "تیسیر الوصول الی جامع الاصول" تصنیف فرمائی جس میں ابن الاثیر کے جامع الاصول کو مختصر کیا اور وہ ہند میں ۱۲۵۱ھ میں طبع ہوئی اور دوبارہ قاہرہ میں اس کے بعد متعدد بار طبع ہوئی اور آپکا علمی شہرہ عالم اسلام میں پھیل گیا اور علماء نے اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یمن اور اس کے باہر آپکا طوطی بولنے لگا۔ اور خود علامہ سخاوی نے الضوء اللامع میں آپ کا ترجمہ لکھا ہے۔

دولت طاہریہ کے زمانے میں آپ یمن میں تھے اس لئے آپ نے ۸۵۵ھ سے لیکر ۹۲۳ھ تک کی دولت طاہریہ کی تاریخ لکھی جن کے آخری حاکم عامر بن عبدالوہاب ہیں جو خود آپکی بڑی تعظیم کرتے تھے اور انہوں نے آپ کو منصب تدریس سپرد کیا تھا۔

اسی سلطان کی خواہش پر آپ نے "العقد الباہر فی دولۃ بنی الطاہر" کتاب تالیف کی اور جب سلطان عامر قتل کئے گئے تو ابن الدیبع نے انکا مرثیہ کہا۔ اپنی کتب تاریخ میں آپنے "بغیۃ المستفید فی اخبار مدینۃ الزبید" سب سے پہلی تاریخ کی کتاب لکھی جس کو کئی فصلوں پر منقسم کیا۔ پہلی فصل میں شہر زبید کے بارے میں وارد شدہ احادیث کو ذکر کیا اور اس کے مؤسس اور اس کے بعد سنہ ۹۰۱ھ تک جو بادشاہ ہوئے ان کا حال لکھا اور ساتویں فصل میں آپ نے بنی رسول کو ذکر کیا ہے۔ آٹھویں میں بنو طاہر کا تذکرہ لکھا ہے جس میں المجاہد علی اور الظافر عامر وغیرہ کا ذکر ہے۔ پھر عبدالوہاب پر نویں فصل لکھی ہے اور آخری دسویں فصل عبدالوہاب کے بیٹے سلطان عامر بن عبدالوہاب کے تذکرے میں لکھی ہے جب یہ کتاب سلطان عامر بن عبدالوہاب کے سامنے پیش کی گئی تو اس نے اسے پسند کیا اور چند چیزیں رہ گئی تھیں انکے متعلق تنبیہ کی اس لئے آپ نے "بغیۃ المستفید" کے لئے ذیلی کتاب "الفضل المزید علی بغیۃ المستفید فی اخبار مدینۃ الزبید" لکھی۔ جن میں ان حوادث اور وفیات کو بھی لکھا جو اس کتاب کی تالیف کے بعد پیش آئے۔

ابن الدیبع کو مؤرخین میں خزرجی پسند ہیں اسی لئے قرۃ العیون فی اخبار الیمن المیمون کے مقدمے میں آپ نے لکھا ہے کہ میں نے اس کتاب میں خزرجی کی "العسجد المسبوک" کی پیروی کی ہے اور اس کا منہج اختیار کیا ہے اور ان کے ذکر کئے ہوئے فوائد کو میں نے ملخص کیا ہے۔ [1]

ظفر الوالہ میں آپ کے حالات تفصیل سے درج ہیں۔ اس طرح کہ وجیہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد عمر بن محمد بن عمر بن علی بن یوسف احمد شیبانی، زبیدی شافعی جو ابن الدیبع کے لقب سے معروف ہے اور یہ آپ کے

---

[1] الضوء اللامع۔ البدر الطالع وغیرہ۔

جَدّاعلیٰ علی بن یوسف کا لقب تھا۔ نوبوی زبان میں اس کے معنی ابیض گھوڑے کے ہیں۔ ۸۶۶ھ ۴ محرم بروز جمعرات عصر کے وقت آپ کی ولادت ہوئی زبید میں آپ پیدا ہوئے، وہیں نشوونما پائی۔ اور وہاں کے ائمہ علم سے علم حاصل کرنے میں مشغول ہوئے۔ اور حج وزیارت سے مشرف ہوئے۔

آپ نے ۸۹۲ھ میں حج کیا۔ علامہ سخاویؒ الضوء اللامع میں فرماتے ہیں کہ انہوں نے میرے سامنے یہ اشعار پڑھے تھے جس کو میں نے اپنے قلم سے لکھ لیا تھا۔

إنّ امرءًا باعَ اُخراہ بفاحشۃٍ　　من الفواحش یاتیھا لمفتون
ومن تشاغل بالدنیا وزخرفھا　　عن جنۃ مالھا مثل لمغبون
وکل من یدّعی عقلاً وھمتہ　　فیما یبعّد عن مولاہ مجنون
احبابنا إنّ لکم سوّلت　　انفسکم امرًا فصبر جمیل
وان اردتم ھجرنا والقلی　　فحسبنا اللہ ونعم الوکیل

اسی طرح ان کا یہ قول ہے۔

قل للنصیح اماتخاف غدًا اذا　　حشر الوریٰ شؤم المعاصی والجرم
قلت استمع منی مقالی یا اخی　　الیس من الکریم سوی الکرم

اسی طرح ان کا قول ہے۔

فی علم الحدیث لی ارتیاح　　وھا انا فیہ مجتھد وراوی
لعلی ان اکون بہ اماما　　فاروبہ علی قدم السخاوی

ابن فہد مکی فرماتے ہیں کہ اپنے شہر میں فنِ حدیث اور فن تاریخ میں آپ منفرد تھے۔ آپ کی تالیفات میں سے کشف الکربہ فی شرح دعاء ابی حربہ اسی طرح بغیۃ المستفید فی اخبار زبید۔ جس کو

سلطان ظافر عامر کے لئے آپ نے تیار کیا تھا، اور اسی سے مختصر کرکے لکھا تھا

العقدالباہر فی تاریخ دولۃ بنی طاہر جسکو مکمل کرکے سلطان کے پاس لے گئے تو سلطان نے آپ کو انعام و اکرام سے نوازا تھا اور خلعت فاخرہ عطا فرمائی اور کھجور کا ایک باغ عطا فرمایا۔ جامع زبید میں قرأت حدیث پر آپ کو مقرر فرمایا۔ فرماتے ہیں میں نے انکی بہت سی مرویات ان کے سامنے پڑھیں اور ان کی جملہ تالیفات پڑھیں انہوں نے مجھے ان تمام کی روایات کی اجازت لکھ کردی۔ آپ اپنی جلالت شان کے ساتھ تدریس و تالیف میں برابر مشغول رہے۔ حالانکہ اخیر میں آپکی نظر کمزور ہوگئی تھی۔ اور اسی سال کی عمر کو آپ پہونچ گئے تھے۔ پھر اس کے بعد آپ نے اپنے مکان میں یکسوئی اختیار کرلی اور ۹۴۴ھ ۱۷ رجب بروز پیر آپ نے انتقال کیا اور مسجد اشاعرہ میں عصر کی نماز کے بعد آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اور باب سہام کے مقبرہ میں جو آپ کے ننھیال بنی مبارز کے قبرستان کے پاس ہے وہاں آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کے انتقال کی خبر مکہ مکرمہ پہنچی تو مسجد حرام میں نماز غائبانہ پڑھی گئی۔ اور ان کے انتقال پر افسوس خواص و عوام سب نے کیا اس لیئے کہ آپ اکابر علماء حدیث کا خاتمہ شمار ہوتے تھے۔ آپ نے علم کا اصل اشتغال اپنے ماموں ابو النجار محمد طیب کے پاس رہ کر کیا۔ [1]

سیّد احمد بن سیّد جعفر شیرازی

م ماہ صفر ۹۴۴ھ بمطابق ۱۵۳۷ء

سادات شیرازی میں سے سید احمد جعفر شیرازی ہیں۔ سید احمد بن سید جعفر کا مزار انکا مزار قلعہ کے اندر اسلویہ دروازہ کے پاس واقع ہے۔ صحیح النسب سادات

[1] ظفر الوالہ صفحہ ۱۰۴۹ ج ۱

شیرازی میں سے تھے۔

آپ کے جدِ بزرگوار سیّد محمود شیراز سے انتقال فرما کر سندھ میں آ کر مقیم ہو گئے تھے۔ ان کی اولاد میں سیّد جعفر ہیں جو سندھ سے گجرات تشریف لائے، کچھ عرصہ یہاں اقامت فرمائی۔ اور اس کے بعد اپنے صاحبزادے سید احمد کو جانشین بنا کر سندھ واپس لوٹ گئے۔

سیّد جعفر کے صاحبزادے سید احمد گجرات میں مقیم رہے۔ آپ علم قرأت و تجوید میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ جس وقت سید جعفر سید احمد کو چھوڑ کر گئے اس وقت ان کی عمر بارہ برس تھی۔ سید احمد سے بھی بڑے خوارق عادات سرزد ہوئے ہیں۔

آپ نے اکابر سے فیوض و برکات کی نعمتیں پائی تھیں۔ ترک و تجرید آپ کی طبیعت میں ودیعت تھا۔ اس پر ریاضت اور مجاہدہ سے اور ترقی پائی تھی۔ ہر شب صرف دو رکعت میں پندرہ پارہ قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے۔ اس ریاضت اور مجاہدہ کو یہاں تک پہنچایا تھا کہ آپ نے خشکی کے راستہ سے حرمین شریفین کا سفر کیا اور وہاں بعض اوقات کھانا بھی میسر نہیں ہوتا تھا تو خفیہ طریقہ سے درختوں کے پتے کھا کر گذارا فرماتے۔ اور اپنے حال کے اخفاء کے لئے بہت عمدہ لباس زیب تن فرماتے۔ حکام وقت وظیفہ مقرر کرنے کے لئے اصرار کرتے جب بھی آپ اس کو قبول نہ فرماتے، جب ہمایوں کا گجرات پر تسلط ہوا تو اکثر علماء اور مشائخ جو اس زمانے میں احمد آباد میں مقیم تھے احمد آباد سے دوسری جگہوں میں منتقل ہو گئے۔ مگر آپ اپنے متوسلین سمیت وہیں مقیم رہے اور ہر ایک کو اس کی ضرورت کے موافق غلہ کھانا پینا غیب سے برابر پہنچاتے رہے۔

چالیس سال آپ نے خلوت میں گذارے۔ صرف جمعہ اور عیدین کے لئے باہر تشریف لاتے۔ ورنہ فرض نمازیں نماز باجماعت اپنے گھر میں اپنے حجرے ہی میں ادا فرماتے مگر اس کے بعد ایک واقعہ کی بناء پر آپ نے بارہ سال تک جمعہ وعیدین کے لئے بھی باہر نکلنا چھوڑ دیا۔

واقعہ یہ ہوا کہ رانا سانگا چیتوڑ کے حاکم نے احمد نگر پر حملہ کیا۔ اس کو سخت وتاراج کیا۔ اور سادات کے خواتین کو بجبر قید کر کے لے گیا۔ اور ان کو سرود و رقص پر مجبور کیا۔ جب سیّد احمد کو یہ حال معلوم ہوا تو آپ نے نیت کرلی کہ میں خلوت سے اس وقت تک باہر نہیں آؤنگا جب تک کہ سلطانِ گجرات اس سے انتقام نہ لے۔ چنانچہ جب سلطان بہادر نے چیتوڑ کو فتح کیا تو اسی گھڑی آپ خلوت سے باہر تشریف لے آئے۔

ایک دفعہ سلطان محمود بیگڑہ کے متعلق خادم نے سلطان محمود کی یہ خواہش ظاہر کی کہ انہیں آم کھانے کی خواہش ہے۔ اس وقت آم کا موسم بھی نہیں تھا۔ تو بہت سارے آم آپ نے سلطان محمود بیگڑہ کی خدمت میں بھیج دیئے اور حاضرین کو بھی دو دو آم عطا فرمائے۔ ۹۴۴ھ صفر کے مہینہ میں آپکا انتقال ہوا۔[1]

اورنگزیب سید جعفر بخاری کے نام اپنے خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

سیادت پناہ ومعارف آگاہ، سید عزیز القدر سید جعفر شاہ عنایتوں سے سر بلند ہو کر معلوم کریں کہ ۲۱ رجب کو دیبال پور کے مقام پر برادر بزرگوار بھائی اورنگزیب سے ملاقات ہوئی اور ہم سب یکجا ہو گئے۔ جمعہ کے روز ۲۲ تاریخ کو دشمن کو (جو پاس ساٹھ ہزار جرار فوج لیکر جس کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا توپ خانہ اور بے شمار ہاتھی تھے۔ بڑے غرور اور تمکنت کے ساتھ اجین سے

---

[1] خاتمہ مرأۃ احمدی ص۶۳۔

باہر نکلا، شہر سے چار کوس آگے بڑھ کر بہت بڑے رقبے میں اس نے مورچے لگا لئے تھے۔ ان کے چاروں طرف پانی کا نالا ایک قدرتی باڑھ کی طرح تھا۔) دفع کرنے کے لئے روانہ ہوئے اور ایسی جنگ چھڑی کہ سو سال کی مدت میں ایسی جنگ ہندوستان میں نہیں ہوئی تھی۔ جانِ سپار اور دلیر جوانوں نے دونوں طرف سے شیر کی طرح حملے کئے اور دادِ مردانگی دی۔ راجپوتوں نے تو ایسی بہادری دکھائی کہ ان سے اسکی توقع نہیں ہو سکتی تھی انہوں نے نمک حلالی اور جانثاری میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی بے دھڑک جان کی بازی لگا دی لیکن چونکہ تائیدِ الٰہی اور عنایتِ رسالت پناہی ہمارے شامل حال تھی ان کافروں فاجروں کی ایک بھی پیش نہیں گئی۔ آخر کار جسونت سنگھ اور قاسم خاں نے کاری زخم کھائے۔ ان کے بہت سے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ ان دونوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور جان بچا کر بھاگے۔ مال و متاع اسپ (گھوڑے) فیل و شتر خیمہ و خرگاہ جو کچھ ساتھ تھا وہ سب کا سب ویسے ہی چھوڑ گئے اور اپنے اور اپنے اسلاف و اخلاف کے لئے شرم و عار کے سوا کچھ حاصل نہیں کر سکے۔

دشمن کے تقریبًا پانچ ہزار نامی اور مشہور آدمی مارے گئے۔ ان میں سے اکثر تو بڑے پائے کے نامی سردار تھے۔ ان اس غضب کا پڑا کہ خود ہم کو اپنے بہادروں کی ہمت بڑھانے کے لئے آگے بڑھنا پڑا۔ اور ہم ہراول اور میمنہ کی فوج سے جا ملے۔ خود ہم نے اپنے ہاتھ سے بہت سے دشمنوں کو ٹھکانے لگایا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایسی عظیم الشان اور نمایاں فتح حاصل ہوئی۔ یہ محض اس کا فضل و کرم ہے۔ جو زمانے کو ایسی کامیابی نصیب ہوئی۔ اس احسانِ عظیم اور عنایتِ خاص کا شکر ہم پر اور تمام اہل عالم پر واجب ہے۔ پورا پورا شکر ادا کرنا تو انسان کی طاقت اور قدرت سے باہر ہے۔

اس فتح کے بعد تین روز تک ہم نے اجین میں توقف کیا۔ اس کے بعد ہم اکبرآباد روانہ ہوگئے ہیں۔ انشاء اللہ ہم عنقریب کامیاب اور فتح یاب ہونگے امید ہے کہ آپ ہمیشہ اپنے آباؤ اجداد کی ارواحِ پاک کے ساتھ —— ہماری کامیابی کے لئے توجہ فرمائیں گے۔ اور ہم کو توقع ہے کہ جس طرح اس فتح میں جو اللہ تعالیٰ کی عنایت اور آپ کے خاندان کے بزرگوں کی توجہ سے ہم کو حاصل ہوئی۔ آپ کی توجہ بھی ہمارے شاملِ حال تھی۔ اسی طرح دوسری فتوحات کے لئے آپ دعا اور توجہ فرمائیں گے۔ [1]

شاہ فضل اللہ کاشانی

(م ١٥ جمادی الاولیٰ ٩٤٦ھ مطابق ٢٧ ستمبر ١٥٣٩ء)

کاشان سے احمد آباد منتقل ہوکر یہیں مقیم ہوگئے۔ اور شاہ غزنی کے دامنِ ارادت سے وابستہ ہوکر ان کے خلیفہ ہوئے۔ قرآن کریم سے آپ کو خصوصی شغف تھا۔ تجوید کی تعلیم پر خصوصی اہتمام فرماتے۔

کتب تصوف کا درس بھی دیتے جس میں علوم معارف کے بحرِ ذخار سے طالبانِ حقیقت کو قیمتی موتی نکال کر پیش کرتے۔

پندرہ جمادی الاولیٰ ٩٤٦ھ میں آپ کی روح پرفتوح قفس عنصری سے علیین کی طرف کوچ فرما ہوئی۔ اور سابرمتی کے کنارے آپ کی قبر بنائی گئی۔ [2]

---

[1] اورنگزیب خطوط کے آئینہ میں۔ ص ٣٠٢، [2] اکابرین گجرات ص ٩٤۔

شیخ شہاب الدین احمد بن علی حلوی

(وفات ۹۵۱ھ)

شیخ شہاب الدین احمد بن علی حلوی۔ جو شیخ ابوبکر عیدروس کے شاگرد ہیں انکی خدمت میں بیس سال رہ کر ظاہری، باطنی علوم حاصل کیے۔ پھر انہوں نے آپ کو ہندوستان کے سفر کا حکم دیا۔ اس لیے ہندوستان پہنچے اور یہاں بڑی مخلوق آپ سے فیضیاب ہوئی۔ یہاں ہندوستان آنے سے پہلے آپ بڑے تجار میں سے تھے۔ مگر آپ نے فقر و درویشی اختیار کی اور اسباب تجارت چھوڑ دیا۔

ان کے متعلق حکایت مشہور ہے کہ آپ مکہ مکرمہ میں تھے اس وقت خطاطی سیکھ رہے تھے۔ مسعیٰ میں آپ کو ایک شخص ملے اور آپ سے کہا۔ "اِذْهَبْ فَقَدْ اَعْطَيْنَاكَ الْخَطَّ وَالْحَظَّ" کہ ہم نے آپ کو خط بھی دیدیا اور حظ بھی دیا۔ جب شیخ ابوبکر کی خدمت میں پہنچے اور ان کی شاگردی اختیار کی تو خود شیخ ابوبکر نے پوچھا کہ تمہیں یاد ہے کہ اس آدمی نے تمہیں مسعیٰ میں کیا کہا تھا۔ اور اس کی مراد کیا تھی تو خود ہی شیخ فرمانے لگے کہ وہ حضرت ابوالعباس خضر تھے اور حضرت خضر نے خط اور حظ دو چیزوں کے متعلق آپ کو بشارت دی تھی خطاطی تو تم سیکھ گئے اور حظ وہ خود ہماری ذات ہے۔ شیخ شہاب الدین کا ۹۵۱ھ میں احمد آباد میں انتقال ہوا۔ [1]

---

[1] النور السافر ص ۲۱۴۔

میر سید رفیع الدین صفوی رح

م ۹۵۴ھ بمطابق ۱۵۴۷ء

آپ حسب ونسب میں صاحبِ فضیلت بزرگ تھے ۔ آپ کے آباؤ اجداد سب کے سب عالم، صالح اور متقی تھے ۔ تفسیر معینی کے مصنف میر معین الدین آپ کے اجداد میں سے تھے جو سالہا سال تک مدینہ منورہ کے مجاور رہے ہیں اور بعد میں بھی آپ کی اولاد میں سے بعض مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے یہ تفسیر معینی جامع اور مفید تفسیر ہے اس کے علاوہ چند رسائل اور ہیں جو جزئی مسائل کی تحقیق میں ہیں ۔

شیخ صفی الدین کی طرف نسبت کرنے والے اپنے کو سادات صفویہ بتلاتے ہیں ۔ یہ بھی آپ کے اجداد میں سے ہیں ، غالباً شیخ الحدیث ، قدوۃ المحققین مولانا جلال الدین محمد دوّانی جن کو سادات اسلامیہ کہتے ہیں یہ بھی آپ کے اجداد میں سے تھے اور یہ وہ بزرگ ہیں جن کو روضۂ سرورِ عالم سے ان کے سلام علیک کا جواب ملا کرتا تھا ۔ غرضیکہ میر سید رفیع الدین صفوی بڑے دانشمند محدث تھے ۔ جود وسخاوت ، اخلاق اور مہربانیوں کے مجسمہ تھے ۔ آپ معقولات میں مولانا جلال الدین کے شاگرد ہیں جو آپ کے آباؤ اجداد کی بزرگی کے پیشِ نظر شیراز میں آپ کے گھر آکر آپ کو پڑھاتے تھے ۔ آپ کو علم حدیث میں شیخ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن محقق علم حدیث اور قدوۂ متاخرین سے شرف تلمذ حاصل ہے ۔ کہتے ہیں کہ شیخ سخاوی رح نے میر سید رفیع الدین کی آمد سے قبل تقریباً پچاس کتابوں سے روایت کرنے کی اجازت دی تھی جس کے بعد میر سید رفیع الدین نے بالمشافہ حدیث پڑھی اور عرصہ دراز تک شاگرد رہے ۔

آپ کا اصلی وطن شیراز تھا اور پیدائش بھی شیراز میں ہوئی ہے اس کے بعد اپنے والدین کے ساتھ حرمین شریفین میں سکونت پذیر ہو گئے ۔

پھر سلطان سکندر کے زمانے میں گجرات سے دہلی روانہ ہوئے اور سلطان سکندر کو آپ سے بے حد عقیدت تھی۔ اگرچہ آپ کو مال و دولت بہت ملتا تھا لیکن سب کو اللہ کے راستے میں لٹا دیتے تھے۔ آخر میں سلطان سکندر کی اجازت سے آگرہ میں مقیم ہو گئے۔ اب آپ کے خاندان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہا، جس کو آپ سے معمولی سی بھی رشتہ داری ہو۔ آپ کی نسل بالکل ختم ہو گئی ہے۔ ایک فرد بھی زندہ نہ رہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ نے ۹۵۴ھ / ۱۵۴۷ء میں وفات پائی آپ کا مزار آگرہ میں اسی گھر میں ہے جس میں آپ مقیم تھے۔ [1]

حسن بیگ صلائی

ولادت ۹۵۵ھ بمطابق ۱۵۴۸ء

صلائی ۹۵۵ھ / ۱۵۴۸ء میں پیدا ہوئے ان کا مولد ساحل مرغاب ہے۔ نشو و نما اور تربیت اسفراین میں پائی اور یہی ان کا آبائی وطن ہے۔ نسلاً، چغتائی ہیں اور ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو قدیم زمانے میں طوس میں نہایت معزز اور مکرم مانا جاتا تھا۔ آپ حکمت و فلسفہ، نجوم و ریاضی میں ماہر تھے۔

۹۸۱ھ میں جب کہ عمر چھبیس [۲۶] سال تھی سیاحت ہند کا شوق ہوا۔ یہاں پہنچ کر اکبری دربار سے وابستہ ہوئے۔ ۹۸۹ھ کے بعد گولکنڈہ گئے۔ ۹۹۷ھ میں احمد نگر پہنچے۔ اسی سال جب وہاں پردیسیوں کا

---

[1] اخبار الاخیار صفحہ ۵۱۳، ۱۴۔

قتلِ عام کیا جاتا ہے تو صلائیؔ اپنی جان بچا کر احمد نگر سے نکل جاتے ہیں۔ پھر فرزند کی وفات کا صدمہ سہنا پڑتا ہے۔

اس لئے مصائب سے تنگ آکر وطن کا عزم کرتے ہیں اور سندھ پہنچ کر جہاز میں بیٹھتے ہیں مگر جہاز سمندری طوفان میں پھنس گیا بالآخر دو مہینے اور تین دن سمندر کی مسلسل آفتیں سہنے کے بعد یہ ساحل گجرات پر آلگا۔ اور صلائیؔ نے خشکی پر قدم رکھا۔ پھر صلائیؔ عازم بیت اللہ ہوئے اور ۹۹۹ھ میں فریضۂ حج ادا کیا اور دو سال دیارِ عرب میں قیام کیا پھر ہندوستان واپس لوٹے۔ صوبۂ گجرات کے شہر کھنبایت میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور تجارت میں مصروف ہو گئے۔

گجرات میں ان ایام میں مظفر شاہ آخری تاجدار گجرات (متوفی ۹۷۷ھ) کے فرزند بہادر جسے صلائیؔ ابن نتول کے نام سے یاد کرتے ہیں اپنی یلغار اور لوٹ مار میں کھنبایت / کھمبات کے عوام کو بھی نشانہ بنایا۔ خود صلائیؔ کہتے ہیں کہ میرا تیس سال کا اندوختہ غارت ہو گیا۔

مرزا ابوالقاسم محی الدین صدر گجرات کی وساطت سے صلائیؔ نے جہانگیر سے نقصان کی تلافی کی درخواست کی۔ اس پر بادشاہ نے صلائیؔ کو سو بیگھہ زمین کھنبایت میں عنایت کرنے کا فرمان لکھدیا۔ شاہی حکم لے کر صلائیؔ کھنبایت آئے۔ حاکم بندر نے اسی وقت زمین ناپنے اور چک بندی کا حکم دیا۔ لیکن گوبند نے، جو شہر کا پٹیل تھا اور جس کا فرض زمین ناپنا تھا۔ شاعر کو تازہ ولایت سمجھ کر کچھ افتادہ اور کچھ اونچی نیچی زمین بتا کر ٹالنا چاہا۔ ان کا اصرار تھا کہ مزروعہ زمین دیجائے جیسا کہ شاہی حکم میں درج ہے۔ گوبند پر غصہ کے عالم میں آپ نے اس کا مزاج درست کرنے کے لئے قصیدہ ذیل نظم کیا۔

عرضی است بندہ راشنوای معدلت دثار
از قبیح فعل رابتر برگشتہ روز گار
سرکش زحکم شاہ جہانگیر مبرمی
کو راب‌جز تقلب وتکذیب نیست کار

نواب مستطاب فریدون فراز عطار
دادم وظیفۂ صلہ مدح شہر یار
صد بیگہ بہ بندر کمبایتم زمین
مزروع او فتادہ برابر گہِ شمار

اس کے برعکس مرزا ابوالقاسم محی الدین کی مدح میں کم ازکم دس قصائد کہے ہونگے۔

صلائی ایک قصیدے میں جو مرزا ابوالقاسم کی مدح میں ہے نظیری کی طرف تلمیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں اس وقت نظیری گجرات میں تھے۔

ازاں میان ملک الافصح آنکہ میدانی
کہ شد تصوف او بجہ اہل نیشا پور را

صلائی کے ممدوح اور بھی ہیں۔

(۱) قلیج خان جو ۱۰۱۲ھ میں صوبہ دار گجرات تھے۔
(۲) مرتضیٰ خان بخاری جو ۱۰۱۵ھ میں صوبہ دار گجرات ہوئے۔ صلائی نے ان کی مدح میں تین قصیدے لکھے ہیں۔
(۳) خان اعظم صوبہ دار گجرات۔
(۴) جہانگیر قلی خان۔
(۵) مقرب خان صوبہ دار گجرات۔

(۶) مصطفٰے خان، میر ضیاء الدین قزوینی سیفی۔

(۷) خواجہ نظام۔

(۸) مسعود بخشیٔ صوبۂ گجرات۔

آپ کا دیوان تقریباً سات ہزار ابیات پر مشتمل ہے۔ جس کے کئی نسخے مطلا و مذہب تقی اوحدی نے دیکھے ہیں۔

صلائیؔ کا ایک دیوان ۱۰۱۰ھ میں کھمبایت گجرات میں قلم بند کیا گیا ہے اس کا پتہ نہیں چلتا۔

تذکرہ "مخزن الغرائب" اور "روز روشن" میں بھی صلائیؔ کا تذکرہ کیا گیا ہے جو تقی اوحدی کے بیان سے ماخوذ ہے۔ صلائیؔ کی ہندوستان میں تقی اوحدی سے بھی ملاقات ہوئی ہے۔

صلائیؔ تخلص کا دوسرا شاعر بھی ہے۔ جس کا نام جلال الدین حسن ہے جو عباس ماضی کے ہاں منصب صدارت پر تھا۔ اور ۱۰۲۰ھ میں اسکی وفات ہوئی۔ [۱]

حسن بن محمود انصاری

م ۴ رجب ۹۵۶ھ مطابق ۲۹ جولائی ۱۵۴۹ء

شیراز کے ایک صاحب کمال خوشنویس تھے طہماسپ صفوی کے عہد میں سنی ہونیکے باعث شیراز سے بھاگ کر حجاز گئے۔ وہاں فن حدیث کی تحصیل کی اور سلطان مظفر کے زمانے میں گجرات اور وہاں سے آگرہ آئے ۴ رجب ۹۵۶ھ / ۲۹ جولائی ۱۵۴۹ء کو آگرہ میں ان کا انتقال ہوا۔ [۲]

۱؎ مقالات شیرانی ص ۲۴۴ تا ۲۴۶۔ ۲؎ مقالات عرشی ص ۹۹۔

ابوالفضل خطیب گازرونی

(م ۹۵۹ھ — ۱۵۵۵ء)

مندوی نے آپ کو شیراز کی طرف اور ابن المبارک نے گازرون کی طرف منسوب کیا ہے۔ [1]

شیراز میں پیدا ہوئے، علوم عربیہ کی تکمیل مولانا جلال الدین دوانی وغیرہ اکابر علماء سے کی، سلطان محمود گجراتی کے عہد میں گجرات آئے۔ شیخ مبارک کے استاد خصوصی تھے انہوں نے انہی کے نام پر اپنے بیٹے کا نام ابوالفضل رکھا تھا۔ حاشیہ بیضاوی، اور حاشیہ شرح مواقف اور شرح ارشاد (قلمی) ان کی تصنیفات میں شامل ہیں۔

شیخ ابوالفضل محمد قرشی صدیقی شیرازی کی تصانیف میں سے تین کتابیں موجود ہیں۔ جن میں ایک تفسیر بیضاوی پر حاشیہ (پشاور ۴۸۔ رام پور ۲۷)۔ ہے، بیضاوی کی تفسیر ہر دور میں ہر ملک کے اہل علم میں مقبول رہی ہے۔ اور اس پر سینکڑوں علماء نے حواشی لکھے ہیں۔ خطیب گاذرونی بھی ان اہل علم میں شامل ہیں۔ خطیب نے اپنے حواشی میں بیضاوی کے مشکل مقامات کا حل پیش کیا ہے اور عقلی و نقلی علوم کی بنیاد پر توحید، عقائد اور عبادات کے مسائل بیان کرنے کے علاوہ لغت، نحو، اور بلاغت کے مسائل سے بھی تعرض کیا ہے۔ گاذرونی کے یہ حواشی حاجی خلیفہ کی نظر سے گذرے تھے۔ وہ مصنف کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

: ھی حاشیۃ لطیفۃ فی مجلد اورد فیھا من الدقائق والحقائق مالا

[1] نزھۃ الخواطر ص ۳۱/۴۔

یحصی، یہ ایک عمدہ حاشیہ ہے جو ایک جلد میں ہے۔ مصنف نے اس میں بڑے باریک حقائق بکثرت جمع کر دیئے ہیں۔

خطیب کے ان حواشی سے ترکی عالم دین حسن آفندی، قاضی رشید نے اپنی کتاب "لوائح الفرح بالطابع السعید المشتملۃ علی الذکر والمدح والبسملہ والتحمید" میں بڑی مدد لی اور علم کلام کے مسائل اور معانی القرآن کے اسرار بیان کئے ہیں۔

خطیب گازرونی کی دوسری کتاب "حاشیہ علی شرح المواقف" (پشاور ۲ھ) ہے جو قاضی عبدالرحمن بن احمد الایجی کی کتاب "مواقف فی علم الکلام" کی بہترین شرح المواقف، للسید الشریف علی بن محمد الجرجانی (۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء) پر حواشی ہیں۔ حاجی خلیفہ نے اس کتاب کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

شیخ ابوالفضل گازرونی کی تیسری کتاب "شرح الارشاد" (بانکی پور ۲۱۳۲) ہے۔ الارشاد فی النحو، قاضی شہاب الدین احمد دولت آبادی (۸۴۹ھ/۱۴۴۵ء) کی تصنیف ہے جو ہندی علماء کے ہاں بہت مقبول رہی ہے۔ گازرونی کے حواشی تمام کتاب کو حاوی نہیں بلکہ صرف اہم چیدہ چیدہ مقامات اور مسائل کو لیا گیا ہے۔ وہ ہر مسئلہ کا آغاز "قولہ" کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور اس پر تفصیل سے کلام کرتے ہیں۔ مثلاً قولہ: الکلمۃ اسم ان استقلت دلالۃ کی وضاحت یوں کرتے ہیں ای یمکن تصور معناہ من غیر ان یکون آلۃ لملاحظۃ شئی آخر۔ یہ کتاب بھی حاجی خلیفہ کی نظر سے گزری تھی اور انہوں نے ان کی تعریف کی ہے ۹۵۹ھ/۱۵۵۱ء میں فوت ہوئے[1]

---

[1] تاریخ ادبیات ص ۲۳۴۔

شیخ غیاث الدین ثانی ابن شیخ عبدالوہاب معروف بہ شاہ جیو قادری

م ۹ ر رمضان ۹۶۰ھ

حضرت پیران پیر سید عبدالقادر جیلانی کے واسطے سے آپ کا نسب امام جعفر صادق پر منتہی ہوتا ہے۔ آپ کی ولادت احمد آباد میں ہوئی۔ اور سید والد محترم سے ظاہری و باطنی تعلیم پائی۔ اور خرقہ خلافت بھی پایا۔ پھر شب و روز مخلوق خدا کی تعلیم و تلقین میں گذارے یہاں تک کہ ۹ ر ماہ رمضان ۹۶۰ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور احمد آباد میں مدفون ہوئے۔[1]

ملا محمد قاسم فرشتہ

ولادت ۹۶۲ھ بمطابق ۱۵۵۴ء

فرشتہ کا پورا نام ملا محمد قاسم ہندو شاہ ہے اور تخلص فرشتہ آپ کے والد کا نام مولانا غلام علی ہندو شاہ تھا، بیٹے کی طرح باپ کے حالات بھی پردہ خفا میں ہیں۔ فرشتہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ۹۶۱ھ میں جبکہ ایک ہی سال میں تین بادشاہوں برہان نظام شاہ بن احمد شاہ بحری، سلطان محمود گجراتی اور سلیم شاہ سوری نے داعی اجل کو لبیک کہا تو مولانا غلام علی نے ان سب کی ایک ساتھ تاریخ وفات کہی جو یہ ہے۔ سہ

سہ خسرو دراز زوال آمد بیک بار　　　کہ ہند از عدل شاں دارالامان بود
یکے محمود شاہنشاہ گجرات　　　کہ ہم چوں دولت خود نوجواں بود

---

[1] اکابرین گجرات صـ۶۰۔

دوم ابراہیم شہ سلطان وصلی — کہ در ہندوستان صاحبقراں بود
سوم آمد نظام آں شاہ بحری — کہ در ملک دکن خسرو نشاں بود
زمن تاریخ فوت ایں ہر سہ خسرو
چو مے پرسی زوال خسرو آں بود

فرشتہ کا آبائی وطن استرآباد ہے۔ جہاں وہ ۹۶۲ھ/۱۵۵۴ء میں پیدا ہوئے بچپن ہی میں وہ احمد آباد آ گئے۔ جہاں انہوں نے شاہی خاندان کے افراد کے ساتھ تعلیم حاصل کی جب یہ نوجوان ہوئے تو مرتضیٰ نظام شاہ کے حلقۂ ملازمین میں شامل ہو گئے۔ حسین نظام شاہ ثانی کے قتل کے بعد یہ بیجاپور چلے گئے اور ۱۵۸۹ء میں ابراہیم عادل شاہ ثانی کی ملازمت اختیار کر لی۔ یہاں انہوں نے سب سے پہلے اختیارات قاسمی کے نام سے طب کے متعلق ایک کتاب لکھی۔ فرشتہ ملکی مہمات میں زیادہ تر مشغول رہتے تھے۔

ابراہیم عادل شاہ ثانی بڑے علم دوست فرماں روا تھے انہیں جب فرشتہ کی علمی صلاحیتوں اور خاص کر علم تاریخ سے دلچسپی کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے فرشتہ کو ہندوستان میں اسلامی عہد حکومت کی تاریخ لکھنے کا حکم دیا جب بادشاہ کا اصرار حد سے بڑھا تو انہوں نے مجبور ہو کر قلم اٹھایا اور نمونے کے چند اوراق لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیے۔ ان اوراق میں انہوں نے عمداً ابراہیم کے باپ علی عادل شاہ اول کے حالات لکھے اور اس کے قتل کے شرمناک واقعہ کو بلا کم و کاست بیان کر دیا۔

ابراہیم نے ان اوراق کو پڑھا اور اپنے باپ کی محبت سے زیادہ فرشتہ کی حقیقت نگاری کو ملحوظ خاطر رکھا اور ان کی اس روش کو سراہا اور انہیں حکم دیا کہ وہ ایسی ہی جرأت سے تاریخ لکھنے کا کام شروع کر دیں۔ اس واقعہ سے جہاں ایک طرف فرشتہ

کی بیباکی اور حق گوئی کا اندازہ ہوتا ہے وہیں دوسری طرف ابراہیم کی منصف مزاجی کا بھی پتہ چلتا ہے ۔

ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عہد حکومت کے واقعات فراموش ہو چکے ہیں لیکن اس کا یہ کارنامہ کہ اس نے فرشتہ سے تاریخ لکھوائی اس کے نام کو ہمیشہ ہمیشہ زندہ رکھیگا فرشتہ نے یہ تاریخ ۱۶۰۶ء سے لکھنی شروع کی اور پانچ سال کی محنت شاقہ کے بعد ۱۶۱۱ء میں اسے مکمل کیا ۔ انہوں نے ۳۲ تاریخی کتابوں سے استفادہ کرکے تاریخ فرشتہ کو مکمل کیا ۔ [1]

شیخ حسن بن موسیٰ

(م رجب ۹۶۲ھ / ۱۵۵۵ء)

شیخ حسن کی ولادت احمد آباد میں ہوئی ۔ بچپن ہی میں تجوید کے ساتھ حفظ قرآن کرلیا تھا ۔ علوم درسیہ سے فراغت کے بعد درس وتدریس میں مشغول ہو گئے اور تادم حیات یہی شغل رہا ۔

رجب ۹۶۲ھ میں وفات پائی ۔ احمد آباد میں مدفون ہیں ۔ [2]

شیخ رحمت اللہ

م ۱۹ ر جمادی الاخری ۹۶۶ھ بمطابق ۱۵ ار فروری ۱۵۲۰ء

شیخ عالم متوکل رحمت اللہ بن عزیز اللہ عمری ۔ یکے از علمائے عاملین وعباد اللہ الصالحین ۔ اپنے والد سے پڑھا ۔ اور آپ ہی سے علم وتربیت حاصل کی ۔

[1] تاریخ فرشتہ ص ۳۷ [2] تذکرہ قاریان ہند ۔

ان کے والد مشائخ کبار سے تھے۔ آپ بھی ان کے بعد مرتبہ مشیخت پر فائز رہے صلاح وعفاف و توکل اور گوشہ نشینی میں ممتاز تھے۔ زہد و ورع واستقامت میں ان کا مقام بلند تھا۔ جب پدر بزرگوار سے گجرات کی اجازت ملی تو احمد آباد جاکر اس کے ایک کنارے پر قیام کیا اور یہاں صوف پوشوں سے خانقاہ آباد ہوئی اور اس سبب سے وہ کوچہ شیخ پور کے نام سے مشہور رہا۔

آپ سے شیخ بہاؤ الدین کے علاوہ اور بہت سے حضرات نے استفادہ کیا ۱۹ رجمادی الاخری ۹۶۷ھ مطابق ۱۵ر فروری ۱۵۶۰ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔[1] نور اللہ مرقدہٗ۔

اکابرین گجرات میں فرخ شاہی سے نقل کیا ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ گجرات کے علماء، فضلاء سے حصول علم کے بعد علم طریقت والد محترم سے حاصل کیا۔ اور ان کے خلیفہ شمار ہوئے۔ اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ شیخ مجدالدین چشتی سے بھی تعلق ارادت قائم کیا اور ان کی طرف سے بھی خلافت پائی اور دو آتشہ ہو گئے۔

سلطان محمود بیگڑہ کو آپ سے ارادت تھی۔ اور شیخو پورہ میں سلطان محمود نے آپ کے لئے خانقاہ اور مسجد تعمیر کروائی اور یہیں پر تادم حیات مخلوقِ خدا کو فیض یاب کرتے رہے۔ ۲۲ رجمادی الثانی ۹۶۵ھ مطابق ۱۰ر اپریل ۱۵۵۸ء کو شیخو پورہ میں رحلت فرما کر اسی کو حشر تک کے لئے مسکن بنا لیا۔[2]

خاتمہ مرأۃ احمدی میں لکھا ہے کہ!

شیخ رحمت اللہ بن شیخ عزیز اللہ صدیقی۔ آپ صاحب ورع و تقویٰ تھے۔ سلطان محمود بیگڑہ آپ کے مرید تھے شیخ پور آپ کا آباد کیا ہوا ہے

---

[1] نزہۃ الخواطر ص ۲۰۱ ج ۴ ص ۱۱۴ ، گلزار ابرار ص ۲۰۴ [2] اکابرین گجرات ص ۲۹ فرخ شاہی۔

شیخ عزیزاللہ متوکل کے صاحبزادے شیخ سعداللہ تھے ان کے صاحبزادے مخدوم شیخ رفیع اللہ تھے۔ ان کی صاحبزادی خوشترا بی بی خونزا بی بی بڑی عابدہ زاھدہ تھیں اور انہوں نے عمر دراز پائی۔ یہ خاتون حضرت شیخ محمد چشتی رح کی خالہ ہوتی تھیں۔ جب جہانگیر ۱۰۲۷ھ میں احمدآباد تشریف لائے تو آپ نے ان کو ملاقات کے لئے طلب فرمایا بی بی نے جواب دیا کہ ہم گوشہ نشین مستورات میں سے ہیں۔ ہمیں بادشاہوں سے ملاقات سے کیا کام۔ اگر صرف دعا چاہتے ہیں تو ہم صرف غائبانہ دعا کرسکتی ہیں۔

بادشاہ نے ان کو معذور رکھا اور ان کا اعتقاد اور بڑھ گیا۔ ان کی قبر نصیرآباد میں میاں مخدوم عطاءاللہ بن شیخ نصیراللہ چشتی کی قبر کے نزدیک واقع ہے۔ [۱]

شیخ عبدالملک بنبانی عباسی

(م ۹۷۰ھ مطابق ۱۵۶۲ء کے بعد

محدث عبدالملک بنبانی عباسی احمدآبادی۔ اکابر علماء میں سے تھے۔ مولد و منشاء احمدآباد ہے اپنے بھائی قطب الدین عباسی سے درسیات و حدیث پڑھی جو حدیث میں شیخ شمس الدین بن محمد سخاوی مصری مولف "الضوء اللامع" کے شاگرد تھے۔

آپ نہایت طباع اور ذہین تھے۔ فقہ و حدیث و تفسیر اور ادب ہر ایک میں یکتا تھے۔ آپ قرآن مجید اور صحیح بخاری کے لفظاً و معناً حافظ تھے۔ ان کے معاصرین میں توکل و تنہائی میں کوئی دوسرا ان کا ہم پلہ نہیں تھا۔ مولانا کمال الدین مفتی اجین آپ کے شاگرد تھے ۹۷۰ھ کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔ [۲]

---

[۱] خاتمہ مرآۃ احمدی ص ۸۳ [۲] گلزار ابرار، نزہۃ الخواطر ۴۴۵ ج ۴۲۳ ہم۔

معارف میں مطبوعہ آپ کے حالات یہاں نقل کئے جاتے ہیں - علم حدیث کی خدمت میں بعض خاندانوں نے نمایاں حصہ لیا۔ ان میں سے گجرات کے ایک بنبانیوں کا خاندان ہے۔ اس خاندان نے بہت سے علماء پیدا کئے، جو آسمانِ علم کے درخشاں ستارے ثابت ہوئے، اور افتاء قضاء کے جلیل القدر مناصب پشتوں تک اُن کے خاندان میں رہے۔ اور اس خاندان کے باکمال وزراء نے نہ صرف ملکی انتظام میں نام پیدا کیا، بلکہ علوم و فنون کی سرپرستی، علماء کی قدردانی، صلحاء و اتقیاء سے عقیدت و نیازمندی اور اپنے ذاتی علمی کمالات کا نقش تاریخ کے صفحات میں چھوڑا، بنبانیوں کی اصل کے متعلق جمعات شاہیہ جلد چہارم (قلمی) میں اس طرح لکھا ہے۔

"بنبان ولایتی ست مابین خراسان و ملتان وایں جماعت کہ بہ ملک گجرات بنبان مشہور اند از انجا آمدہ وایشاں از حضرت عبداللہ بن عباس اند"

ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس خاندان کے بزرگوں نے کس زمانہ سے گجرات میں سکونت اختیار کی، لیکن اس کے علماء میں شیخ صدرالدین کا زمانہ سب سے مقدم معلوم ہوتا ہے۔ شیخ صدرالدین نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ جن کو انہوں نے شاہانِ گجرات کے نام سے معنون کیا۔ شیخ مذکور کو عربی ادب اور صرف و نحو سے خاص لگاؤ تھا،

قصیدۃ البردہ، قصیدہ کعب ابن زہیر، قصیدہ لامیہ (قاضی عبدالمقتدر) وغیرہ پر انہوں نے حواشی لکھے ہیں، نحو کی مشہور کتاب "الوافی" کی شرح "الکافی" انہی کی ہے۔ ہندوستان میں غالباً اس کتاب کی پہلی شرح ہی ہے شیخ نے قرآن مجید کی ایک تفسیر بھی لکھی جس کا نام تفسیر بحرالمعانی رکھا، وہ غالباً آٹھویں صدی کے آخر اور نویں صدی کے ابتدائی زمانہ میں بقید حیات تھے۔

شیخ منہاج الدین بنبانی غالباً شیخ صدر الدین کے بیٹے تھے، انہیں علم حدیث، تصوف اور صرف و نحو سے بہت دلچسپی تھی۔ علم النحو میں ان کے مرتبے کا اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جب مشہور مصری عالم شیخ بدر الدین دمامینی احمد آباد میں قیام پذیر تھے، اس وقت ان میں اور شیخ منہاج میں چند نحوی مسئلوں کے متعلق بحث چھڑ گئی اور دمامینی کو ان کے رد میں ایک کتاب الفتح الربانی فی الرد علی البنبانی لکھنی پڑی، اُن کی تصانیف کی تعداد اسّی سے متجاوز تھی۔ لیکن حدیث کی تالیفات میں سے صرف بخاری اور مسلم کی شرحوں کے نام ہم تک پہنچے ہیں۔

شیخ فیض اللہ بن زین العابدین بنبانی کا ہمیں شکر گذار ہونا چاہیے کہ ان کی مجمع النوادر سے اکثر حالات ماخوذ ہیں۔ شیخ فیض اللہ گجرات کے مشہور سلطان محمود بیگڑہ (۸۶۳ھ تا ۹۱۷ھ) کے خزانچی تھے۔ شیخ نے قرآن مجید کی تفسیر دستور الحفاظ اسی سلطان کے نام سے معنون کی ہے۔

اس کے علاوہ اُن کی تاریخ صدر جہاں[1] اور مجمع النوادر[2] نہایت مفید تصانیف ہیں، اتفاق سے یہ تینوں نوادر دست و بردِ زمانہ کے ہاتھوں برباد ہونے سے بچ گئے ہیں۔

اسی خاندان کی ایک مایۂ ناز ہستی شیخ عبدالعزیز المعروف بہ عبدالملک بنبانی ہے۔ انکا سلسلۂ نسب عبداللہ بن عباس سے ملتا ہے جس کی چند کڑیاں حسبِ ذیل ہیں۔

---

[1] مختصر نوٹ کے لئے دیکھو روئداد آل ہند تاریخ کانفرنس اجلاس بمبئی "گجرات کی چند تاریخی کتابوں کی تعیین" [2] اس کتاب پر پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال صاحب نے ایک پر مغز مقالہ سپرد قلم کیا ہے لاہور کے اورینٹل کالج میگزین بابت اگست ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا ہے۔

شیخ عبدالملک بن شیخ محمود بن شیخ خضر بن شیخ نصیرالدین بن شیخ برہان الدین بن شیخ خضر بن شیخ عیسیٰ بن شیخ حسن بن شیخ الیاس ۔

شیخ عبدالملک زین البلاد احمد آباد میں پیدا ہوئے، اور وہیں ۹۷۰ھ کے قریب قریب انتقال فرمایا، خاندان کے اور بزرگوں کی طرح شیخ عبدالملک بھی خانوادہ سہروردیہ سے منسلک تھے غالباً انہی کی خانقاہ میں تعلیم پائی ہوگی، حدیث اپنے بڑے بھائی شیخ قطب الدین بنبانی سے پڑھی، جن کو مشہور مصری عالم شیخ شمس الدین سخاوی سے سند حاصل تھی، حدیث میں مولانا عبدالملک کے ممتاز شاگردوں میں مولانا کمال محمد عباسی (مفتی اجین مالوہ) کا نام خاص طور سے قابلِ ذکر ہے۔ شیخ عبدالملک نے تفسیر وحدیث میں کمال حاصل کیا۔ اور استاذ زمانہ کے رتبۂ عالی پر فائز ہوئے۔ انہیں صحیح بخاری ازبر تھی، ہمیشہ مسجد اور حجرے میں ورد اوراد میں مشغول رہتے، توکل اور تجرید میں آپ کی مثال نہ تھی۔ تمام علوم کا زبانی درس دیا کرتے تھے۔ افسوس ہے کہ مولانا جیسے باکمال محدث کے متعلق ہماری معلومات بہت کم ہیں۔ ان کے ایک فرزند شیخ عبداللطیف (متوفی ۹۱۵ھ) نے مشارق الانوار کی شرح "مبارک الازھار" لکھی ہے۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ بھروچ کے قاضی صاحب سید نورالدین احمد حسین کے ذاتی کتب خانہ میں موجود تھا۔

شیخ خلیل محمد عباسی، شیخ عبداللطیف کے صاحبزادے ہیں والد سے علم حدیث حاصل کیا۔ احمد آباد کے بخاریوں کے ایک مشہور عالم اور صوفی سید محمد مقبول عالم[1] انہی سے روایت کرتے ہیں، چنانچہ علامہ نورالدین (متوفی ۱۱۵۵ھ) نورالقاری

---

[1] مختصر ترجمہ کیلئے دیکھو مراۃ احمدی ص۲ طبع بمبئی ۔

فی شرح البخاری میں فرماتے ہیں !

وبہ قال مولانا مقبول عالم حدثنی مولانا خلیل محمد عباسی البنبانی حدثنی والدی عبداللطیف حدثنی والدی عبدالملک حدثنی محمد المدعو بجاراللہ عن والدہ الخ۔

ذیل میں ہم عبدالملک بنبانی محدّث گجراتی کی اسناد حدیث پیش کرتے ہیں، یہ اسناد شیخ رشیدالدین چشتی کی کتاب مخزالاولیاء سے لی گئی ہیں۔ اس کتاب کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی کے کتب خانہ میں موجود ہے چونکہ سلسلۂ اسناد میں زیادہ تر نام ہی ہیں اس لئے ہم عربی متن کے نقل کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

صحیح بخاری انہ یروی من الشیخ محمّد المدعو بجاراللہ عن والدہ عزالدین عبدالعزیز عن شہاب الدین ابی الفضل احمد بن علی بن حجر عن محمد بن محمد الہاشمی عن قاضی القضاۃ محبّ الدّین محمد بن محمد بن محمد الطبری عن الشیخ ابی الفتح المراغی عن شہاب الدین ابی العباس احمد بن ابی طالب بن ابی نعیم نعمۃ بن حسن بن علی بن بیان بن شحنۃ الحجازی الدمشقی الصالحی عن سراج الدین ابی عبداللہ الحسین بن المبارک بن محمد بن یحیٰی الزبیدی عن ابی الوقت عبدالاوّل بن عیسٰی بن شعیب بن اسحاق بن ابراهیم الصوفی السنجری ثم الہروی عن جمال الاسلام ابی الحسن عبدالرحمٰن بن محمد بن المظفر بن محمد بن داؤد بن احمد بن معاذ بن اسهل بن الحکم الداؤدی عن ابی محمد عبداللہ بن احمد بن حمویۃ

بن احمد بن یوسف بن اعین الحموی السرخسی عن ابی عبد اللہ محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر بن ابراھیم البخاری الفربری عن محمد بن اسمٰعیل البخاری رحمہم اللہ۔

صحیح مسلم انہ یروی من محمد المدعو بجار اللہ عن ابی العباس احمد بن ابی طالب الصالحی المذکور فی سند صحیح البخاری وانہ یروی عن محمد بن ابی السعادة الحالی قال اخبرنا الحافظ ابو القاسم عبد الرحمٰن بن محمد بن اسحٰق بن مندة الاصفہانی عن الحافظ ابی بکر محمد بن عبد اللہ الجوزقی قال ابو حاتم المکی بن عبد اللہ التمیمی قال اخبر الامام ابو الحسین مسلم رحمۃ اللہ علیہ

سنن ابی داؤد قد یروی من محمد المدعو بجار اللہ قال اخبرنی والدی عز الدین عبد العزیز سماعًا قال اخبرنا ابو العباس بن ابی بکر الواسطی و ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن کامل الترمذی عن الخطیب ابی الفتح محمد بن محمد المنذری قال اخبرنا ابو الفضل عبد الرحمٰن بن یوسف بن یحیٰی الموصلی سماعًا قال اخبرنا ابو الفتح مفلح الدین بن احمد الدومی و ابو النصر ابراھیم بن محمد الکرخی سماعًا عن المسند ابی طاھر محمد بن محمد بن عبد اللطیف قال انبا تنا ام عبد زینب ابنة احمد بن عبد الرحیم المقدسی عن ابی القاسم بن الحاسب قال حدثنی الحافظ ابو الطاھر احمد بن محمد السلفی اذنًا قال کتب ابو جعفر العبادانی من البصرة قال اخبرنی القاضی ابو عمر القاسم بن جعفر بن عبد الواحد الہاشمی قال اخبرنا ابو علی محمد بن احمد بن عمر اللؤلؤی، قال اخبرنا الامام ابو داؤد السجستانی رحمہم اللہ تعالیٰ۔

سنن الترمذی اَنّہ یروی من الشیخ محمّد المدعو بجار اللہ عن والدہ عزالدّین عبد العزیز قال اخبرنی شیخ الحنفیہ امین الدین یحیی بن محمّد القاھری قال اخبرتنا الاصلیّۃ ام محمد سارۃ ابنۃ عمر الحموی قال أنبأنا الصّلاح عمر بن الحسین المراغی قال اخبرنا الفخر ابوالحسن علی ابن احمد البخاری المقدسی اخبرنا ابوالفتح عبد الملک بن عبد اللہ الکرخی سماعاً اخبرنا ابوعامر محمود بن قاسم الازدی قال اخبرنا ابوالعباس احمد بن محمد بن احمد بن محبوب المحبوبی قال اخبرنا الامام ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی الترمذی رحمہم اللہ۔

سنن نسائی اَنّہ یروی من محمد المدعو بجار اللہ عن والدہ عزالدّین عبد العزیز قال اخبرنا الحافظ تقی الدّین محمد بن علوی المالکی اذناً قال اخبرنا قاضی القضاۃ ابن زین الدین ابی بکر بن الحسین المراغی المدنی قال اخبرنا المسند برھان الدین ابراھیم بن محمد الدمشقی المؤذن سماعاً قال اخبرنا مسند الدنیا شہاب ابوالعباس احمد بن ابی طالب، قال اخبرنا ابوطالب عبد اللطیف بن محمد قال اخبرنی ابو ذرعہ طاھر بن محمد بن طاھر المقدسی سماعاً قال اخبرنا محمد عبد الرحمٰن سماعاً قال اخبرنا ابوالنصر احمد بن الحسین بن محمد الدینوری قال حدثنی ابوبکر احمد بن محمد بن اسحٰق السنّیّ قال حدثنی ابوعبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی النّسائیؒ۔

سنن ابن ماجہ انّہ یروی محمّد المدعو بجار اللہ عن والدہ عزالدین عبد العزیز قال اخبرنا

الشیخان الحافظان تقی الدّین محمّد علوی المکی و قاضی القضاۃ شہاب الدّین احمد بن علی بن حجر اذنًا قال البرھان ابراھیم بن صدیق الدمشقی سماعًا. قال اخبرنا رحلۃ الدنیا ابو العباس احمد بن ابی طالب الصالحی اذنًا قال اخبرنا ابو محمد عبد اللطیف بن محمد بن علی قال اخبرنا ابو منصور محمد بن الحسین القزوینی سماعًا. قال اخبرنا ابو طلحۃ القاسم بن المنذر الخطیب قال اخبرنا ابو الحسن علی بن ابراھیم بن العطار قال اخبرنا الامام ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی المعروف بابن ماجہ۔

مؤطا امام مالک

یرویہ بن محمد المد عو بجار اللہ عن والدہ عز الدّین عبد العزیز عن شہاب الدّین ابی الفضل احمد بن علی بن حجر قال اخبرنا العلّامہ برھان ابراھیم بن احمد بن الواحد قال اخبرنا المسند ابو عبد اللہ محمد بن جابر بن محمد بن قاسم وادی آشی تونسی قال اخبرنا ابو محمد عبد اللہ بن ھارون القرطبی الطائی سماعًا قال اخبرنا القاضی ابو القاسم احمد بن زید بن عبد الرحمٰن بن نقی قال اخبرنا ابو عبد اللہ بن فرخ الفقیہ مولیٰ محمد بن الطلاع قال اخبرنا ابو ولید یونس بن عبد اللہ بن مغیث عن ابی علیسٰی یحییٰ بن عبد اللہ عن ابیہ عبید اللہ بن یحییٰ عن ابیہ الامام یحییٰ بن یحییٰ اللیثی عن الامام مالک۔ (معارف ۲۶۳)

شیخ عبد الملک کو صحیح البخاری لفظًا و معنًی یاد تھی

مورخ شیخ عبد الملک کے متعلق لکھتے ہیں

کَانَ حَافِظًا لِلْقُرْاٰنِ وَصَحِیْحِ الْبُخَارِی لَفْظًا وَمَعْنًی وَ کَانَ یُدَرِّسُ

عن ظهر قلبہ ولم یکن مثلہ فی زمانہ فی التوکل والتجرید ۔ (تاریخ گجرات)
شیخ محمد الفارسی نے عیون موارد السلسلۃ فی الاحادیث المسلسلۃ، میں آپ کا ذکر روایۃ مسلسلۃ بالمشارقہ کے اندر کیا ہے اور وہ روایت یہ ہے ۔

"مروی عن بسندہ عن الشیخ عبد الملک وبہ الی داؤد الطائی عن نعمان بن ثابت الکوفی عن عطاء ابن ابی رباح عن ابی ھریرۃ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم اذا نقع النجو رفعت العاھۃ عن کل بلد"

ہمیشہ حجرہ اور مسجد میں درود اور نماز میں مشغول رہتے تھے ۔ کبر سنی کے سبب سے آنکھوں کی روشنی جاتی رہی تھی ۔ تمام علوم کا درس حفظ دیا کرتے تھے ۔ توکل اور تجرید میں آپ کا مثل اس زمانہ میں کوئی نہیں تھا ۔ مولانا کمال عباسی حدیث میں آپ کے شاگرد ہیں ۔ ۹۷۰ھ میں آپ راہی آخرت ہوئے ۔ [1] نور اللہ مرقدہٗ ۔

۱۹۴۲ء میں مولانا ابوظفر ندوی لکھتے ہیں کہ بنبانیوں کا صرف ایک خاندان احمد آباد میں آج آباد ہے ۔ اور وہ لوگ سلطان احمد اوّل کے مقبرہ کے سامنے رہتے ہیں، ان میں سے تین افراد سیّد قائم الدّین عریفی، سید احمد عریفی، اور حسین عریفی قومی کاموں میں بہت دلچسپی لیتے ہیں، ان کا خاندان احمد آباد میں بہت مشہور ہے بنبانیوں کا دوسرا خاندان بڑودہ میں ہے ، ان کو بڑودہ جاگیر میں ملا تھا ، مگر آج صرف فضلیت ان کے ہاتھ میں ہے ، اس خاندان کے گل سرسبز قاضی احمد صاحب مہاراجہ پرتاب سنگھ بن فتح سنگھ بن سیاجی راؤ راجہ بڑودہ کے مصاحب ہیں انکو راجہ کی طرف سے راج رتن کا خطاب ملا ہے ۔ [2]

---

[1] نزہۃ الخواطر اردو صا۲۳۱ ج۴ ۳۴۵ عربی ص۲۲۲ ج۴ گلزار ابرار ص۲۱۱ [2] گجرات کی تمدنی تاریخ ص۷۵

شیخ جمال بن حسین بہتری

م ۲۴ شعبان سنہ ۹۷۱ھ یا سنہ ۹۸۰ھ مطابق ۱۴ اپریل سنہ ۱۵۶۴ء

سید شاہ جمال بن حسین بن ابو مظفر بن ابو الوقت حسنی ۔ پیران پیر سید عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے ہیں ۔ آپ کے والد ہرمز سے دکن تشریف لائے ۔ اور وہاں کے قصبہ بہتری میں سکونت پذیر ہوئے ۔ اور وہیں پر آپ کی ولادت ہوئی ۔ علم ظاہری و باطنی آپ نے والد صاحب سے حاصل کیا ۔ اور درجہ کمال تک پہنچے ۔

والد صاحب کی رحلت کے بعد مسند مشیخت پر متمکن ہوئے ۔ سلطان بہادر نے دکن سے آپ کو گجرات بلوا کر آپ کے لئے خانقاہ تعمیر کروائی اور سالانہ وظیفہ مقرر فرمایا ۔ سلطان بہادر کی اعزاز و تکریم کا واقعہ بھی بڑا عجیب ہے ۔ انہوں نے جب آپ کی شہرت سنی اور آپ کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کیا تو سلطان سے کہا گیا کہ شیخ کے یہاں تو کسی کی رعایت نہیں ہوتی سلطان نے اس پر خفا ہو کر کہا کہ اگر انہوں نے میرے اکرام کا لحاظ نہیں کیا تو میں انہیں ذلیل کر کے چھوڑوں گا ۔ مگر سلطان کے خدام نے دیکھا کہ شیخ تو اپنے دستور پر قائم رہے اور سلطان کی کوئی رعایت نہیں کی ۔ اس کے باوجود سلطان تھوڑی دیر مؤدبانہ ، عاجزانہ حاضری کے بعد واپس آ گئے ۔ جب بادشاہ سے اصل حقیقت دریافت کی گئی تو انہوں نے کہا کہ جب میں شیخ کی خدمت میں پہنچا تو دیکھا کہ شیخ کی خدمت میں شیخ کے دائیں بائیں دو شیر کھڑے غضبناک مجھے تک (دیکھ) رہے ہیں ۔

چنانچہ اس کے بعد سلطان کو آپ سے گہری عقیدت ہو گئی اور آپ کو احمدآباد لے آئے۔ پھر آپ یہیں مقیم رہے۔

آپ نہایت صالح دیندار اور صاحب کشف وکرامات تھے۔ آپ نے احمدآباد میں ۲۳ رشعبان ۹۷۱ھ بمطابق ۱۴ راپریل ۱۵۶۴ء کو عالم جاودانی کو کوچ فرمایا۔ اور احمدآباد کے ایک محلہ رائے گڑھ میں مدفون ہوئے۔ آپ کے پانچ بیٹے تھے (۱) امین اللہ (۲) یتیم اللہ (۳) صوفی (۴) حسین (۵) اور بدرالدین۔

یتیم اللہ عالم باعمل تھے۔ درس دیا کرتے تھے اور والد کی رحلت کے بعد والد کے جانشین ہوئے۔

صاحب گلزار ابرار آپ کی وفات کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ سے ۱۰۰۲ھ میں احمدآباد میں ملاقات ہوئی اور میری (صاحب گلزارِ ابرار) ملاقات کے تقریبًا پانچ سال بعد آپ کی رحلت ہوئی ہے۔ [1]

خاتمہ مرآۃ احمدی میں لکھا ہے کہ! بزرگانِ سلسلہ قادریہ میں سے سید جمال بہتری سید جمال قادری بن سید حسین ہیں جن کا نسب پیرانِ پیر سید عبدالقادر جیلانی رح کے صاحبزادے سید عبدالوہاب تک پہنچ کر منتہی ہوتا ہے۔ جن کے (سید جمال کے) والد ماجد ہرمز کے راستے سے دکن پہنچے۔ احمدنگر کے اطراف میں پھلری نامی قصبہ میں ورود فرمایا، وہاں سکونت پذیر ہوئے اور ارشادِ خلق اور ان کی رہنمائی میں مصروف ہوئے۔ سلطان بہادر گجرات کے بادشاہ نے جب دکن کا سفر فرمایا تو واپسی میں سید جمال کو نہایت نیازمندی کے ساتھ اپنے ہمراہ گجرات لے آئے۔ اور ان کے

---

[1] اکابرین گجرات ص۲۲۲ الحدیقۃ الاحمدیہ، نزھۃ الخواطر ص۱۳۴ ج۴، گلزار ابرار ص۲۲۔

لیے خانقاہ تعمیر فرمائی۔ اور وہاں آپ نے رہائش اختیار فرمائی سید کے پانچ صاحبزادے تھے جنمیں بیتیم اللہ کا تدریس کا شغل تھا، والد محترم کے انتقال کے بعد انکے جانشین بنے۔ سید جمال کا مزار رائے گڑھ دروازہ کے قریب شہر میں واقع ہے ۹۱۷ھ میں رحلت فرمائی۔ سلہ

شاہ علی گاؤ دھنی / گام دھنی

متوفی ۱۴ر جمادی الاولی ۹۷۳ھ - ۱۵۶۵ء

ولادت ——————— ۸۹۶ھ

شاہ علی بن قطب عالم شاہ ابراہیم بن شاہ عمر حسینی احمدی۔ والد محترم کی طرف سے سید احمد کبیر رفاعی تک سلسلہ نسب پہنچتا ہے۔ اور والدہ کی طرف سے سید عبد القادر جیلانی رح سے جا کر ملتا ہے۔ ۸۹۶ھ میں احمد آباد میں آپکی ولادت ہوئی۔ آپ کے والد ماجد سید ابراہیم رفاعی بغداد سے آکر گجرات میں آباد ہوئے۔ شاہ علی نے گجرات کے علماء سے علم حاصل کیا اور کمال کے درجہ کو پہنچے۔ سلوک و معرفت کے مدارج طے کرکے اپنے والد ماجد کی طرف سے خلافت پائی۔ اور طالبانِ رشد و ہدایت کی تعلیم و تلقین اور شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ والسلام کی نشر و اشاعت کو مشغلہ بنایا۔

شیخ محمد غوث گوالیاری رح جب گجرات تشریف لائے تو آپ نے والہانہ ان کا استقبال کیا اور جانبین سے تعلق و محبت میں اضافہ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ شیخ گوالیاری رح کے بارے میں علماء کے جب دو گروہ ہوئے تو شاہ علی حضرت شاہ وجیہ الدین کے گروہ میں رہے۔ جو شیخ گوالیاری

سلہ خاتمہ مرآت احمدی صـ ۶۲۔

کی طرف سے دفاع کر رہا تھا۔ شاہ علی گام دھنی نے اجازت وخلافت ملنے کے بعد باقاعدہ طریقت کے سلسلہ کو چلایا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ آپ کا نقش نگیں اللہ باقی محمد ساقی تھا جو بہ شکل برگ تنبول کندہ تھا۔ مریدوں کو جب شجرہ عنایت فرماتے تو شجرہ پر اس کی مہر لگائی جاتی۔

۱۴ ارجمادی الاولی ۹۷۳ھ / ۱۵۶۵ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور احمد آباد میں مدفون ہوئے۔ آپ کو شعر گوئی سے بھی خصوصی لگاؤ رہا۔ یہاں تک کہ شیخ بہاؤ الدین برناوی احمد آباد میں جب آپ کے مہمان ہوئے اس وقت آپ کا مجموعہ کلام آپ ہی کے قلم سے لکھا ہوا آپ سے حاصل کیا۔ آپ کا تخلص جیو (روح) تھا۔

آپ کی رحلت کے بعد آپ کے صاحبزادے سید مصطفیٰ نے آپ کی مسند ارشاد کو سنبھالا۔ لاجواپنے زمانہ کے صلحاء میں سے تھے۔

آپ کے کلام پر عشقیہ کیفیت کا اثر بہت گہرا ہے۔ اور سارا کلام اسی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ اس عشق کا اظہار اللہ تعالیٰ شانہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے مرشد کے ساتھ ہے۔

شاہ علی جیو گام دھنی کا کلام "فلسفہ ہمہ اوست" کا ترجمان ہے اور اس میں اثباتِ توحید وجود واحد اور اسرار الہیہ کو مختصر الفاظ میں اشاروں میں بیان کیا گیا ہے۔

گاؤدھنی مشکل پسند شاعر تھے اور اپنی بات کو اشاروں میں بیان کرنے کی وجہ سے ان کے اظہار میں حد درجہ ابہام پیدا ہو گیا ہے۔ کلام تصوف کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ اور وارداتِ قلبی اور عرفانِ ذات کے مسائل و تجربات روحانی کو "ہمہ اوست" کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

"جواہر اسرار اللہ" میں (جو ان کے دیوان کا نام ہے) وہ مسائل تصوف کو رنگا رنگ طریقے سے پیش کرتے ہیں۔ کبھی تمثیل سے واضح کرتے ہیں اور کبھی مثالوں سے۔

صاحب مرأت احمدی نے لکھا ہے کہ "جز نقش توحید نزد رے دیوانے دارد بہندی زبان در روشن و معنی برابر دیوان مغربی است۔"

جیو گاؤدھنی (م ۹۷۳ھ/ ۱۵۶۵ء) کی شاعری کی روح اسلامی ہے۔ لیکن اظہار کا مزاج ہندی ہے۔ [1]

شاہ علی گام دھنی کے ایک مرید حبیب اللہ نے شاہ علی کے کلام کو "جواہر اسرار اللہ" کے نام سے ان کی زندگی ہی میں مرتب کیا تھا۔ میر علی شیر نے تحفۃ الکرام اور مرزا محمد حسن نے مرأۃ احمدی میں شاہ علی جیو گاؤدھنی کے ذکر میں لکھا ہے کہ ان کا ایک ہندی دیوان بھی ہے۔ اس سے مراد غالباً ان کا وہی مجموعہ کلام ہے جو "جواہر اسرار اللہ" کے نام سے ملتا ہے۔ اور جس کے قلمی نسخے پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور اور حیدر آباد دکن کے عجائب خانہ میں موجود ہیں یہ مجموعہ بمبئی سے طبع بھی ہو چکا ہے۔ اس کی بحر مثنوی کی ہے اور اس میں قافیوں کا بھی التزام ہے۔ کچھ کلام مکاشفوں اور نکتوں کے عنوان سے ہے جیو گام دھنی نے وحدۃ الوجود کے مسئلہ اور محبت کو مثالیں دیکر اپنے کلام میں بیان کیا ہے۔ غالباً اسی لیے مرزا محمد حسن نے مرأۃ احمدی میں لکھا ہے کہ علی جیو گام دھنی کا دیوان صورت اور معنی میں شیخ مغربی کے دیوان کے برابر ہے۔ مثال کے طور پر ان کے پہلے دو نکتے درج کیے جاتے ہیں۔

---

[1] تاریخ ادبیات صفحہ ۳۷۲۔ اکابرین گجرات صفحہ ۹۲۔ ماہنامہ آب حیات اکتوبر ۱۹۶۳ء دی اورینٹل کالج میگزین لاہور۔

نکتہ اوّل :۔ اونچی پیپل لانبی دوڑ
ہم دکھلائے سوکاڈھے چور
آپ ہی آپ ٹھوکا دیتا
پرگھٹ ہو جگ کیری کینا

نکتہ دوم :۔ ہوں تجھ بوجھوں میری سا تھے
کہہ کس آگہی یہ توں پائے [1]

ان کے مجموعہ کلام ٫جواہر اسرار اللہ٬ میں سے ایک نظم معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں ۔

آدم آدمیں ہور جن سارے اسے نور نبی تھے کہتے
بھیس بھرا کر آپ دکھایا ہم تم اوپر بول سو دیتے
ڈونگر حیوان ہور نباتات اسے سب غیر نبی کا جانوں
احمد، محمدؐ ناؤں احد کے دو جامن منہ کوئی نہ آنوں
توریت ماں خدا ایں کہیا مہتر موسیٰ بات
محمد رسول حبیب خدا کا ساروں کہہ یہ بات
احمدؐ بھی ہے توریت ماہنیں محمد کیرا ناؤں
انجیل میں بھی احمد کہیا لکھے تس مولد تہا نوں

شاہ علی محمد کے ذیل کے اشعار میں راجستھانی اور گجراتی عنصر ملاحظہ فرمائیے

!! یہ جیو تو رہتا نہیں ہور من دو کھ سہتا نہیں
کو جائے پیو کہتا نہیں رے بھا ئیوں ہوں سوں کروں

---

[1] تاریخ ادبیات صہ ۲۲۱/۲ ۔

ہوں سوں کروں، یعنی ؛ میں کیا کروں ،، ۔ ہوں ، راجستھانی کا اسم ضمیر اور گجراتی کا حرف استفہام ہے ۔ سلہ

مرأت احمدی کے مصنف محمد حسن آپ کے دیوان کا پایہ شیخ مغربی کے دیوانِ فارسی کے برابر مانتے ہیں ۔ ان کے الفاظ یہ ہیں ۔ ؛ دیوانے دارد بہ زبان ہندوی در روش و معنی برابر دیوان مغربی است ،،

جب شیخ بہاؤالدین برناوی گجرات تشریف لے گئے تو احمد آباد میں شاہ علی جیو گاؤدھنی کے مہمان ٹھہرے تھے ۔ شاہ صاحب نے ایک روز انہیں اپنا ہندی کلام جو مختلف بحور داوزان میں تھا سنایا ۔ شیخ نے بہت پسند کیا اس پر شاہ علی محمد نے اس دیوان کا ایک نسخہ تحفۂ شیخ کی خدمت میں پیش کیا ۔ جو آیات کلام پاک و احادیثِ رسول سے محشیٰ و مزین تھا ۔ شیخ علاؤالدین ثانی جو شیخ بہاؤالدین برناوی کے جانشین تھے اپنی تالیف کتاب چشتیہ میں جو ۱۰۶۵ھ/ ۱۰۶۶ھ کی تصنیف ہے تحریر کرتے ہیں کہ یہ نسخہ اب تک ہمارے کتبخانہ میں محفوظ تھا ۔ ان کے الفاظ یہ ہیں !

آں متصوف صادق شعار اشعار رائق ہندویہ خود راکہ بہ زبان گجرات و در بحر عجیب پر لذّت جمع کردہ بود ، بہ حضور آں مخدوم باشعور از سر حبور بر خواند و انصاف طلبید ۔ ایں امام تمام کلام لذائذ انجام شیریں کام را بہ دجہ احسن بر پسندید ۔ و آں رسالۂ مجلد کہ در روے تمام جہولنہ و نکات موحدانہ مندرج بود دند و بآیات داحادیث موافق ساختہ محشیٰ کردند ۔ نسخہ ہندویہ بایں قدوہ چشتیہ گزرانیدند کہ تا امروز آں رسالہ یادگار ازاں بزرگوار در راجزاے اوراق آں مہر ضیائی صاحب وفاق باقی است ،،

سلہ مقالات شیرانی صہ ۱۸۵ بحوالہ تاریخ ادبیات صہ ۱

جواہر اسرار اللہ، مختصر نظموں کا ایک مختصر دیوان ہے جو عشق و معرفت کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ دیوان کی اکثر و بیشتر نظموں کا موضوع مسئلہ وحدت وجود ہے۔ جس کو شاہ صاحب سینکڑوں طرح سے بیان کرتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ وہ صفات سے گزر کر عین ذات میں محو ہیں۔ قلب پر وصالی کیفیت طاری ہے۔ بشر، شجر، حجر، پھول، کلی، غنچہ غرض تمام مظاہر قدرت میں محبوب حقیقی جلوہ نما ہے۔ اور یہ اس کے نشۂ محبت میں سرشار ہیں۔ اس سے رنگ رلیاں کرتے ہیں اور محظوظ ہوتے ہیں۔ کبھی مجنوں بنتے ہیں، کبھی لیلیٰ، کبھی شیریں ہیں، کبھی خسرو، کبھی دولہا ہیں اور کبھی دولہن، محبوب ان کا بھیس بھرتا ہے اور یہ محبوب کا بہروپ اختیار کرتے ہیں۔ وہ ان پر ناز کرتا ہے اور یہ اس پر ناز کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ وہ اپنی محبت میں مگن ہیں۔ چونکہ نظموں میں شاہ صاحب نے اپنی قلبی کیفیات اور وجدانی احساسات کا ذکر کیا ہے۔ اس تقریب سے ان کا نام مکاشفات رکھا ہے۔ صرف چند ایسی نظمیں ہیں جن میں فارسی مضامین روشناس ہوئے ہیں۔ [1]

شاہ علی جیوگاؤدھنی متوفی ۹۷۳ھ کا دیوان وہ ہے جس میں شاید پہلی مرتبہ بحر ہزج و بحر رجز مربع لائی گئی ہے۔

مثال ھزج:

ہنو تو بول کچھ کاچو ——— جو لاگے پیار تم سانچو
تمنے بنی ایہو ہی ناچو

---

[1] مقالات شیرانی صفحہ ۱۶۸/۱ ۔

مثال رجز مربع :-

یہ جیو تو رہتا نہیں ہور من دو دکھ سہنا نہیں !
کو جائے پیو کہنا نہیں رے بھائیو ہوں سول کروں سلہ

ذیل میں بعض اشعار، شاہ علی محمد جیو گاؤدھنی کی تصنیف "جواہر اسرار اللہ" سے نقل کئے جاتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوگا کہ یہ اشعار کس قدر ادبی پائے کے ہیں

جس پھولوں سونگھن جانوں تس باس تمہارا پانوں
کر ھار نکیوں گل لانوں یہ کرنیں اور کلا لال
ہور کلیاں جے ات لالاں سب دیویاں تیریاں بھالال
یہ جوہی بھی نرمائی ! ہور باس تمہارا لیائی
تو ھیڑے میں لے باھی ان ھار جیلوں سارے
سب کلیوں پھول پیارے ہنس کرے سو تو نہکا رے
تجھ مالی جے ہوں پاؤں لے جیوڑے نانہ چھپاؤں
میں نیلوں نانہ دکھاؤں تو گھر گھر شہ ہو آوے
ہور الیل کلیوں راوے جگ تیرا سہاگ کہنداوے

سادہ اٹھے یوں بیارن منجکوں بھیں کریکر آپس راؤں
کہیں سو نوشہ ہو کر آؤں کہیں سو آرس آپ کہاؤں
پگڑی باندہ قبا لٹکاؤں پھروں ھالنس زرینہ سارا
سہرا ھار جیلاں پھروں دل بادل ہو ؤں اسوارا

سلہ مقالات شیرانی صفحہ ۵۴

دھول دنا ہیں اونٹوں پرسات سید سب باجت جاویں
سب جگ کیری خوشبوئی لوک سو بھر بھر لیاویں

چھوڑو لوکا چہ لڑائی کان کرو یہ پریم کہانیں
تموں تمہاری شیریں بہاوے منجکوں میری لیلیٰ سہانیں
جے تم لیلیٰ جو بالوڑو منجھ مجنوں کی نینوں دیکھو
تموں تمہاری شیریں جو ڈو لیلیٰ کون کیوں پیکھو

اس لبستی کا کیا پتیارا آج تموں کل دو جوں مارا
سو کیوں تسکوں دھرے پیارا
یہ جگ باندی اس جگ کیرے جہاں نہ نمڑے کھیل سویرے
جا نوں بات سہی کر میری [1]

گلزار ابرار میں لکھا ہے کہ : آپ کی زبان سے توحید کے سوا اور آپ کے قلم سے موحدانہ اشعار کے سوا کوئی حرف نہیں نکلتا تھا ۔ آپ کا ہندی زبان (گوجری یا اردو) میں ایک دیوان ہے ۔ روش اور معنی کے اعتبار سے شیخ محمد مغربی کے دیوان کا نمونہ ہے ۔

آپ سید احمد کبیر رفاعی کی نسل سے تھے ۔ ملک محمود پیارا اور ملک اشرف گجراتی نے عالم علوی کو آپ کے کوچ فرما جانے کے بعد آپ کو قطب عالم بٹوہ کے مزار میں دیکھا ہے ۔ نیز احمد آباد اور بٹوہ کے دوسرے بزرگوں نے بھی

---

[1] مقالات شیرانی ص ۲۹۹ ۔

اس خرقِ عادت کے متعلق گواہی دی ہے۔ ۹۷۰ھ میں دار فانی کو خیر آباد کہہ کر عالم جاودانی کو کوچ فرما ہوئے۔ لہ

شاہ علی جیو گا دُھنی کے متعلق مرأتِ احمدی میں ہے کہ! شاہ علی جیو گام دھنی سید عبدالرحیم کے صاحبزادے ہیں۔ صرف توحید پر آپ کا کلام ہوتا

آپ کی قبر رائے گڑھ میں شاہ عزنی کی قبر کے پاس ہے۔ ۹۷۳ھ میں ۴ ارجمادی الاولیٰ کو آپنے انتقال فرمایا جبکہ انتقال کے وقت آپکی عمر تہتر ۷۳ برس تھی۔ لہ

دیوان کے مرتب آپ کے دیوان کے متعلق لکھا گیا ہے کہ آپ کے ایک مرید حبیب اللہ نے مرتب کیا بعض کہتے ہیں کہ ان کے ایک مرید ابوالحسن ابن عبدالرحمٰن قریشی الاحمدی نے پہلی مرتبہ مرتب کیا، اور اس کا نام "جواہر اسرار اللہ" رکھا۔ دوسری مرتبہ ان کے پوتے سید ابرہیم ابن شاہ مصطفٰے نے اسے مرتب کیا۔ اور اس پر ایک دیباچہ لکھا جو طویل عربی عبارت سے شروع ہوتا ہے۔

شاہ علی محمد جیو گا دُھنی کا کلام فلسفہ ہمہ اوست کا ترجمان ہے۔ اور اس میں اثباتِ توحید و وجود واحد اور اسرار اللہ کو مختصر الفاظ میں اشاروں میں بیان کیا گیا ہے۔

لہ گلزار ابرار صفحہ ۳۰۶ ۔ لہ خاتمہ مرأت احمدی صفحہ ۱۰ ۔

شیخ محمد بن افلح مکی

(م ۹۷۲ھ کے کچھ بعد)

شیخ محمد بن افلح مکی ہندوستان سے مکہ مکرمہ کے لئے گجرات کے وزیر الغ خان کی کشتی میں سوار ہو کر جا رہے تھے کہ حادثہ ہوا کہ کشتی اور تمام کشتی والے ڈوب گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

شیخ محمد بن افلح بڑے علامہ تھے۔ خصوصًا فصاحت اور بلاغت اور ادب میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا۔ آپ کی مجلس میں ہر وقت لطیفے اور حکایتیں اور علمی گفتگو رہتی۔ آپ کے فہم و فقہ کا دائرہ بڑا وسیع تھا۔ ان کے متعلق صاحبِ النور السافر کا گمان یہ ہے کہ وہ زبید سے تعلق رکھتے تھے۔ اور یمن کے مشہور سات بزرگوں میں سے ایک شیخ افلح ہیں۔ یہ ان کی اولاد میں سے ہیں۔ انہوں نے ایک عرصہ تک ہندوستان میں درس دیا۔ آپ کے شاگردوں میں فقیہ علی بن صبر الیافعی مشہور رہیں، فقیہ محمد بن سراج حضرمی بھی ایک دفعہ آپ کے درس میں حاضر ہوئے۔

شیخ محمد بن افلح نے متعدد قصائد کہے۔ جن میں سے کچھ قصائد صاحبِ النور السافر کے والد اور ان کے بھائی سید احمد کے بارے میں کہے ہیں۔ جو انتہائی فصیح اور بلیغ ہیں۔ اس کشتی کے حادثے میں شہید ہونے والوں میں فقیہ محمد زبیدی بھی تھے۔

غرض محمد بن افلح شافعی المذہب علم و اصول میں بڑے محقق تھے۔ انکی اس کشتی میں ناخدا احسن علوان تھے۔ وہ بھی انکے ساتھ شہید ہو گئے۔

ظفر الوالہ میں لکھا ہے کہ ۹۷۲ھ میں ناخدا حسن علوان کے ساتھ مشیخ شہاب احمد زبیدی اور رفقیہ جمال الدین محمد بن افلح یمنی گجرات سے حج کے لئے تشریف لے گئے۔ مگر ان کی کشتی جدّہ میں داخل نہ ہوسکی، سقطرہ میں داخل ہوئی کئی مہینے وہاں ٹھہرے رہے اور یہ دوسری کشتی تھی کہ جسے سقطرہ میں لنگر انداز ہونا پڑا تھا۔ دوسری کشتی کے ناخدا عنبر عبدالبنی تھے باہم اتفاق سے دوسری کشتی کا سامان بھی اس میں رکھ دیا گیا۔ مگر سقطرہ سے جس دن چلے اسی دن کشتی ڈوب گئی اور تمام کشتی والے شہید ہو گئے۔ [1]

شیخ علی بن ابراہیم حسینی رفاعی

م ۲۴ رجمادی الاخری ۹۷۳ھ بمطابق ۱۵ر جنوری ۱۵۶۶ء

عالم صالح شیخ علی بن ابراہیم حسینی رفاعی۔ آپ سید احمد کبیر قطب رفاعی کی اولاد میں سے ہیں۔ اور آپ صاحب کشف وکرامات تھے۔ آپ ۲۴ رجمادی الاخری ۹۷۳ھ بمطابق ۱۵ر جنوری ۱۵۶۶ء کو عالم جاودانی کی طرف کوچ کرگئے آپ کا مدفن احمد آباد ہے۔ [2]

سید عبدالرحیم رفاعی رحمۃ اللہ علیہ

سادات رفاعیہ میں سے سیّد عبدالرحیم ہیں جو سیّد احمد کبیر رفاعی کی اولاد میں سے ہیں۔ سلطان پور جو رائے پور کے دروازے کے باہر ہے آپ کا

---

[1] النور السافر ص۲۵۷، ظفر الوالہ بمظفر والہ ص۴۹۲ [2] اردو نزھۃ الخواطر ص۳۶۷ عربی نزھۃ الخواطر ص۲۷۱ ج۴ ۲۳۳۔

آباد کیا ہوا ہے۔ سلطان پور میں آپ کا مزار ہے۔[۱]

تقی اوحدی اصفہانی صاحب عرفات العاشقین

پیدائش ۲؍محرم ۹۷۳ھ بمطابق ۲۹؍جولائی ۱۵۶۵ء

تقی اوحدی دسویں اور گیارہویں صدی کے ایک اہم مصنف ہیں جنہوں نے فارسی نظم ونثر میں اپنے کمال کی بہت سی یادگاریں چھوڑیں۔ مگر بدقسمتی سے ان کی ساری تصنیفات دستبرد زمانہ کی نذر ہو گئیں صرف ایک تذکرہ عرفات العاشقین باقی رہ گیا ہے۔[۲]

نسب و خاندان تقی اوحدی ایران کے ایک مشہور خاندانِ سادات کے فرد تھے اس خاندان نے اوحدالدین عبداللہ اور ابوعلی[۳] دقاق جیسے مشائخ روزگار پیدا کئے، وہ حسینی سید اور اوحدالدین کی ساتویں پشت میں تھے، جن کا سلسلۂ نسب[۴] ابوعلی دقاق سے اس طرح ملتا ہے۔

اوحدالدین عبداللہ بن مسعود بن محمد بن علی بن احمد بن عمر بن اسمٰعیل بن ابوعلی دقاق

ماں کی طرف سے بھی تقی اوحدی کی سیادت مسلّم تھی، ان کے نانا حافظ سعدالدین[۵] عنایت اللہ خوالنساری[۶] ولایت کی دولت کے مالک تھے، ان کا سلسلۂ نسب زین الاولیاء خواجہ حسن ماضی[۷] تک پہنچتا ہے۔ اس طرح مادری اور جدی دونوں سلسلوں میں ولایت کا سلسلہ چلا آتا تھا، چنانچہ تقی نے اس کی طرف کئی بار اشارہ کیا ہے، مثلاً[۸]

> و این کمینہ ذرہ را از طرفین آباء و اجداد کامل فاضل، موحد، صاحب خرقہ و سجادہ بل
> ہادی و مہدی زمان و دوران بودہ اند و از نشاء آدم شراب معارف جاودانی
> چوں جام و دستکامی دریں سلسلہ الی یومنا ہٰذا دست بدست آمدہ۔

---

[۱] خاتمہ مرآۃ احمدی ص۶۵ [۲] معارف ع۱ ج،، [۳] ابوعلی دقاق کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو۔ کشف المحجوب (اردو ترجمہ) ص۱۵۱ و نفحات الانس ص۲۴۳۔ [۴] ملاحظہ ہو نفحات الانس ص۲۴۳ جہاں اوحدین کا سنہ وفات ۶۹۷ھ، عارفانہ اشعار اور ایک عارفانہ رباعی درج ہے۔ [۵] یہ ان کا لقب معلوم ہوتا ہے کیونکہ دوسری جگہ صرف عنایت اللہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

والد کے حالات[۱] کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

بطناً بعد بطنٍ صاحب خرقہ وسلسلۂ اولیاء و اصفیا شدہ اند۔

تقی اوحدی کی دو نسبتیں یعنی اوحدی و دقاقی ان کے دو بزرگوں یعنی اوحدالدین اور ابو علی دقاق سے علی الترتیب متعلق ہیں، اس خاندان میں یہ دو بزرگ سب سے زیادہ نمایاں تھے۔

بہر حال تقی کے اجداد کا تعلق بلیان سے تھا۔ جو گازرون کے علاقہ میں ہے اور یہ گازرون فارس میں ہے۔ اس سلسلہ میں انکے آباد اجداد نے شیراز میں سکونت اختیار کرلی تھی۔

تقی کے والد ابتدائے ۹۷۲ھ[۲] میں اصفہان آئے اور یہیں شادی کی اور صرف چند دن قیام کرکے سفر پر روانہ ہوگئے اور ہندوستان پہنچ گئے۔ دوسرے سال کی بالکل ابتداء میں ۲ محرم ۹۷۳ھ[۳] بروز چہارشنبہ تقی کی پیدائش ہوئی۔

ذیل کی عبارت میں تقی نے جو تفصیلات لکھی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً ان کی والدہ کا نام زھرہ تھا۔ اور شادی کے صرف ایک سال کے اندر ہی ان کی پیدائش واقع ہوئی۔ ابھی تقی پیدا بھی نہ ہوئے تھے کہ ان کے والد کو شیراز جانا پڑا۔ پھر وہ ہندوستان چلے گئے اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔

تقی اوحدی نے یکم رجب ۱۰۱۵ھ[۴] کو ہندوستان کے ارادہ سے رخت سفر باندھا ان کے ساتھ دوستوں کی ایک خاص جماعت تھی جو ہندوستان میں قسمت آزمائی کرتے آرہی تھی، یہ وہ سن تھا جبکہ اکبر کا ستارہ غروب ہوچکا تھا اور سریر ہند پر شاہزادہ سلیم جہانگیر کے لقب سے متمکن تھے۔

وسط ۱۰۱۵ھ کے قریب تقی آگرے کی طرف آئے اور یہاں ان کے سوا سال قیام کرنے کی اطلاع ملتی ہے۔ ان دنوں بادشاہ بہ نفس نفیس دارالخلافہ میں موجود تھا۔

(بقیہ حاشیہ) ملتا ہے عجیب بات ہے کہ یہی تقی کے دادا کا بھی نام تھا۔[۳] یہ لفظ مشکوک ہے، دیباچے میں خوانپ پور لکھا اور دوسری جگہ خوانسار ملتا ہے۔ (تصحیح قیاسی) [۴] دیباچہ عرفات میں انکا مضجع (مدفن) بحر بادتوان کے قریب لکھا ہے۔ [۵] دیباچہ عرفات۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] عرفات ورق ۷۲۱

مگر تقی کی دربار میں رسائی کی کوئی اطلاع نہیں ہے پھر وہ گجرات کے ارادے سے روانہ ہوئے اور غالباً وسط ۱۰۱۸ھ میں وہ گجرات پہنچے ہونگے یہاں ان کی ملاقات نظیری نیشاپوری (متوفی ۱۰۲۱ھ یا ۱۰۲۳ھ) سے ہوئی۔ جن کے یہاں شعر وسخن کا بڑا چرچا رہتا تھا۔ تقی اوحدی ان محفلوں میں شریک ہوکر داد سخن لیتے اور دیتے تھے۔

گجرات یعنی احمد آباد میں تقی نے زیادہ دن قیام کیا مگر قسمت میں گردش تھی اسلئے ایک جگہ جم کر رہنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ یہاں سے پھر آگرہ واپس آگئے۔ کل قیام گجرات کی مدت چھ سال لکھی گئی ہے۔

تقی اوحدی احمد آباد سے آگرہ واپس ہوئے اور یہاں اپنی اہم تصنیف یعنی تذکرہ شعرائے فارسی موسوم بہ "عرفات العاشقین" کی تکمیل میں مصروف ہوئے اس کام میں انہیں دو سال (۱۰۲۲ھ تا ۱۰۲۴ھ) لگے۔ یہی وہ تصنیف ہے جس کی بدولت ان کا نام زندہ وروشن ہے۔

تقی اوحدی آگرہ سے پھر گجرات گئے بظاہر یہاں کے دوبارہ قیام کی مدّت طویل معلوم ہوتی ہے کیونکہ کعبہ عرفان گجرات ہی میں عمل میں آیا۔

محمد صوفی مازندرانی (متوفی ۱۰۳۵ھ) سے تقی کی احمد آباد میں ملاقات ہوئی۔ لیکن یہ ملاقات قیام اول کے موقع یعنی ۱۰۲۱ھ کے قبل کی نہیں ہے کیونکہ عرفات ہی میں دوسری جگہ ہے کہ اس تذکرہ کی تکمیل کے وقت مولانا محمد صوفی احمد آباد میں تھے۔ بہرحال دوسرے دوران قیام میں یعنی ۱۰۲۳ھ کے قبل ہی دونوں میں ملاقات ہوئی ہوگی، اس ملاقات سے دونوں کے ربط کا پتا چلتا ہے۔ (کلام تقی)

تقی واحدی بڑے پرگو شاعر اور زبردست مصنف تھے جنہوں نے تیس ہزار کے قریب اشعار لکھے اور متعدد نثری تصنیفات یادگار چھوڑیں جن میں سے بیشتر کا نام تک مٹ چکا ہے۔

رباعیات کے چند نمونے ملاحظہ ہوں ۔

اے حاصل عمر آرزومندی تو آزاد نہاد نا ابد بندی تو
گر بار وشِ بندگی از کف دادیم آخر بکجا رفت خداوندی تو

اے خدا تیری آرزو حاصلِ زندگی ہے اور کوئی شخص خواہ وہ کتنا ہی آزاد طبع ہو تیرے خیال سے غافل نہیں رہ سکتا ، اے خدا اگر ہم بندگی کے طریقے چھوڑ بیٹھے تو یہ تو کوئی بڑی بات ہوئی ، آخر تیری خداوندی کا کیا تقاضا ہے ۔

برنالش من دل اثر می سوزد برسوز دلم جان سقر می سوزد
در شعلہ رشک آفتابت خورشید تاروز قیامتش جگر می سوزد

میری زار نالی سے اثر کا دل جل اٹھتا ہے ، میرے دل کی سوزش پر دوزخ کو بھی رحم آجاتا ہے ۔خورشید تیرے آفتاب کے رشک کی آگ میں تا قیامت جلتا رہے گا ۔

یادم زلبت چوں درکفن می آید جاں رقص کناں سوے بدن می آید
تاشعلہ حسرت فتاد است بدل بوئے جگر از نالۂ من می آید

جب تیرے لبوں کی یاد قبر میں آتی ہے تو جان رقص کناں بدن میں آجاتی ہے ۔ جب سے دل میں حسرت و یاس کا شعلہ بھڑکا ہے میرے نالے سے بوئے جگر آرہی ہے یعنی جگر کباب ہوگیا ہے

تیغت بخود ز قتل من می بالد جانم ز شوق در بدن می بالد
تا روز جزا بہ خواہش زخم دگر بسمل شدہ تو در کفن می بالد

اے دوست جس طرح تیری تلوار میرے قتل کے خیال سے اپنے آپے میں نہیں سماتی اس طرح میری خوشی کا یہ عالم ہے کہ جان بدن میں بالیدہ ہو رہی ہے تو نے مجھے گھائل تو کر دیا ہے مگر میں روز جزا تک زخم دگر کی تمنا کرتا رہوں گا کیونکہ تیرا بسمل کفن میں بھی بالیدہ ہوتا ہے ۔ (معارف نئے ج ۷ ، ۷)

شیخ حسن بن موسیٰ

مصنف گلزارِ ابرار کے والد

وفات ۱۴ر صفر ۹۷۳ھ مطابق ۹ ر ستمبر ۱۵۶۵ء

آپ مصنف گلزارِ ابرار کے پدر بزرگوار ہیں۔ کلام مجید کے حافظ اور علوم مروجہ کے عالم تھے۔ آپ کے والد ماجد نے چار سال کی عمر ہونے کے بعد آپ کو استاد کے سپرد کیا۔ آٹھویں سال میں کلام اللہ حفظ کرلیا۔ اور علوم کی تحصیل میں مشغول ہوئے۔ ان ایام میں آپ کے پدر بزرگوار کا انتقال ہوگیا جس کے سبب سے آپ کی ہمت جمعیت متأثر ہوئی۔ اس لئے آپ کسی قدر نحو، فقہ اور حدیث کی تحصیل کرسکے۔ تعلق ارادت سیّد جلال ابن سید احمد جعفر رفاعی سے قائم کرکے خانقاہ میں رہتے تھے۔ ۹۴۱ھ میں آپکی عمر چوبیس سال کی تھی۔ ہمایوں شاہ نے گجرات فتح کرنے کے واسطے لشکر کشی کی تھی اور سلطانی خیمے احمدآباد میں نصب ہوئے تھے۔ اور سلطان بہادر دریا پار کرکے سواحل کی طرف چلے گئے تھے۔ ان حوصلہ آزما حادثات کے پیش آنے سے گجراتی پریشان تھے۔ اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَۃً اَفْسَدُوْھَا۔ اسی بنا پر جو لوگ اجتماعی حالت میں آباد تھے متفرق ہوکر ہند کے شہروں میں منتشر ہوگئے

ہمراز صوفیوں کی مفارقت کے سبب سے پریشانی اور اہل قبیلہ کی جدائی کا رنج وغیرہ امور نے آپ کو گھر سے بھی آوارہ کردیا۔ لہذا آپ ہمایونی لشکر کے ہمراہ خاندیس سے چل کر مالوہ کی طرف آئے ایک صنع لوہرو نامی شہر منڈو (مانڈو) سے شمالی سمت میں تین کوس کے فاصلے پر

واقع ہے۔ اس موضع میں قیام کرنے کا ارادہ کیا، اور نو بارہ نامی ایک عمارت قصبہ اور آبادی، کی حدود سے دور ہے اس عمارت میں آپ قیام فرما ہوئے اور روزی کے واسطے یہ تجویز کیا کہ آپ کی ہمسائگی میں کاغذیوں کا ایک محلہ تھا وہاں جاکر چند دستہ کاغذ قرض خریدے اور کاغذ کا کاروبار شروع کر دیا اس پیشہ کے ذریعے سے وسعتِ رزق کا دروازہ آپ کے چہرہ پر کشادہ ہوا یہاں تک کہ اس ملک کے تمام سوداگروں کے معاملات کا انحصار آپ کے مشورہ پر ہو گیا۔ پھر یہیں آپ نے نکاح کیا اور سمد ہیانہ والوں کی کشش اور کوشش کے اثر سے آپ نو بہرہ میں رہنے سے دل تنگ ہو کر منڈو (مانڈو) میں رہنے لگے۔ پہلے ایک لڑکے نور محمد کے دو سال کی عمر میں انتقال کے بعد عرصہ دراز تک اولاد نہیں تھی۔

مولانا غوثی کے ماموں شیخ میاں جیو (جو سید جلال بن سید احمد جعفر کے مرید، شیخ صدرالدین ذاکر کے خلیفہ تھے) تجارت کے لئے احمد آباد گجرات گئے تھے۔ ایک دفعہ شب جمعہ کو اپنے پیر کے روضہ میں گئے اور مراقبہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میری فلاں ہمشیرہ جو بچہ ہونے سے نا امید ہے ان بزرگوار کی برکت سے نشاط خوشخبری کے ساتھ امیدوار ہو۔ عالم مثال میں ایسا نظر آیا کہ ایک نہایت منور فانوس ہاتھ میں دیا گیا ہے جس کی روشنی کے اندر اس جگہ بآسانی پہنچ گیا ہوں کہ جہاں کا عزم تھا۔ شیخ میاں جیو وطن واپس آئے تو یہ بشارت ہمشیرہ کو سنائی اور اس بشارت کی تصدیق میں شب جمعہ ۱۱ رجب ۹۲۲ھ کو مولانا غوثی کا تولد ہوا۔ ایک نام محمد تجویز ہوا اور والد صاحب نے یوسف نام دیا ابھی مولانا غوثی پانچ سال کی عمر کو پہنچے تھے کہ منڈو کا علاقہ جنگ وجدال کی زد میں آگیا اکثریت دور دراز

ہجرت کر گئی ۔ مگر ان کے والد جو پہلے ہی احمد آباد سے یہاں مہاجرن کر آئے تھے کہاں جاتے ۔ قیام کا فیصلہ کر کے یہیں پڑے رہے اور گوشہ گیر ہو گئے ۔ ۹۷۳ھ میں وصال تک چھ سال خلوت گزیں رہے ۔ مولانا غوثی کے والد شیخ حسن کا انتقال شب جمعہ ۱۴ ر صفر ۹۷۳ھ کو ہوا ۔ [1]

شیخ حسین بغدادی

م ۹۷۰ھ مطابق ۱۵۶۹ء

شیخ فاضل علامہ حسین بغدادی یکے از علمائے کبار ۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اولادیں سے تھے ۔ مولد ومنشار بغداد ہے عقلی اور نقلی علوم میں اجتہاد اور ایجادِ سخن کا رتبہ حاصل تھا ۔ جب آپ تحصیل علم کے مرتبہ کو پہنچ گئے تو اس کے بعد بھی میر غیاث الدین بن منصور شیرازی سے پڑھا ۔ جب شیراز داخل ہوئے تو شہر کے امیر ابراہیم خاں نے ایک مجلس منعقد کی جس میں شیخ حسین کو طلب کیا اور حضار مجلس کے سامنے وہ اعتراض پیش کئے جو غیاث الدین ابن منصور نے شرح تجرید کی بحث میں پیش کئے تھے ۔ یہ ایسے اعتراض تھے کہ تمام اہل سخن عاجز آچکے تھے ۔

شیخ حسین بغدادی نے فرمایا کہ اگر کتاب شرح تجرید دو روز کے لئے مجھے عنایت کر دی جائے ۔ تاکہ اس بحث میں کچھ غور کروں ۔ اس پر امیر نے کتاب علامہ صاحب کے حوالہ کر دی ۔ علامہ نے وہ تمام اشکال دوسری مجلس میں اس خوبصورتی سے حل کر دیئے کہ علمائے اسلام نے کھل کر تحسین کی ۔ مگر مولانا غیاث الدین نے شرمندہ ہو کر آپ کو ناصبی اور خارجی وغیرہ کے الزامات سے ملوث کیا ۔ امیر بلدیہ سے کہا کہ علامہ صاحب کو شہر بدر کر دیا جائے ۔ مگر امیر شہر نے انکار کر دیا اور کہا کہ لوگ تو مولانا حسین سے

---

[1] گلزار ابرار اردو صفحہ ۶۰۹ ۔

استفادہ کے لئے آئیں اور میں انہیں شہر بدر کردوں ۔ بالآخر مولانا غیاث الدین بھی علامہ حسین سے خوش ہو گئے ۔ اس کے بعد مولانا حسین کچھ مدت تک شیراز میں مقیم رہے ۔ پھر حج و زیارت سے مشرف ہو کر ہندوستان تشریف لائے ۔ کئی بڑے شہروں کی سیاحت کے بعد آخر احمد آباد گجرات میں طرح اقامت ڈال کر مسند تدریس آراستہ فرمائی ۔ آپ سے مولانا عبدالقادر بغدادی اور حکیم عثمان بوبکائی کے علاوہ بے شمار افراد نے پڑھا ۔

سنہ ۹۷۸ھ میں ۷۷ رسال کی عمر میں رحلت فرمائی ۔ رسول آباد میں مدفون ہیں ۔ قدس اللہ سرہٗ ۔ [1]

شیخ مبارک سندھیؒ

وفات سنہ ۹۷۸ھ / سنہ ۹۸۸ھ بمطابق سنہ ۱۵۷۱ء / سنہ ۱۵۸۰ء

شیخ مبارک ابن ابو المبارک پاتری سندھی ۔ مولد و منشا سندھ ۔ سندھ کا موضع پات / پاٹو جب مسیح الاولیاء کے آباء و اجداد نے آباد کیا تھا تو اس میں شیخ مبارک کے آباء و اجداد بھی شریک تھے ۔ یہیں آپ کی ولادت ہوئی ۔ سندھ ہی میں شیخ عباس ابن جلال سندھی کی خدمت میں رہ کر فقہ و اصول و کلام و عربیت میں کمال پیدا کیا ۔

وطن سے نکل کر احمد آباد گجرات پہنچے ۔ اور یہاں مسجد ناصر الملک کے مدرسہ میں مدت تک درس افادہ میں مشغول رہے ۔ یہ وہ زمانہ ہے جب شیخ طاہر محدث ایلچپور میں مقیم تھے اور مدرس کی خدمت انجام دے رہے تھے ۔ احمد آباد میں چند سال بسر کر کے آپ بھی ایلچپور چلے آئے ۔ یہاں والیٔ برار تفال خان نے ایک مدرسہ جاری کر کے

---

[1] نزہۃ الخواطر اردو ج۵ ۱۱۰ تا ۱۷۰، عربی ۱۴۲ ص ۹۶، گلزار ابرار ص ۲۱۳ ۔

آپ کو مدرسی پر مامور کر دیا۔ اور آپ فراغت خاطر کے ساتھ فرض منصبی انجام دینے لگے۔ کچھ عرصہ بعد ملک برابر کا ملکی نظام درہم برہم ہو گیا چنانچہ شیخ طاہر محدث اور شیخ مبارک برہانپور آ گئے کیونکہ انکے علم و فضل کا شہرہ سنکر محمد شاہ فاروقی بہت عرصے سے ان کو طلب کر رہے تھے یہاں شیخ طاہر شاہی مدرسہ میں معلمی پر مامور کر دیئے گئے اور محمد شاہ فاروقی نے آپکو قصبہ چوپڑہ کا قاضی بنا کر روانہ کر دیا۔ شیخ قضا کے عہدے سے چلے تو گئے لیکن برہانپور کی روحانی دلچسپیاں، علمی صحبتیں آپکو تڑپاتی رہیں۔ آخر کار اپنے منصب سے مستعفی ہو کر آپ برہانپور واپس چلے گئے۔ بادشاہ نے آپ کیلئے بھی ایک مدرسہ قائم کیا اور اس میں تدریس کی درخواست کی لیکن آپ نے قبول نہیں کیا۔ اس لئے ۹۸۲-۸۳ھ میں حکیم عثمان بو بکانی کو اس مدرسہ میں تدریس پر فائز کیا گیا۔

شیخ مبارک برہانپور آ کر روحانی صحبتوں میں دلچسپیاں لیتے رہے اور حضرت شیخ لشکر محمد عارف سے بیعت ہو کر ان سے شرح قیصری کا مقدمہ اول سے آخر تک سبقاً سبقاً پڑھا۔ اس اثناء میں مسیح الاولیاء بھی شیخ مبارک سے بعض کتابوں کا درس لیتے رہے۔

تلامذہ شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی نے جملہ علوم آپکے برہانپور میں قیام کے دوران پڑھے۔ ان کے علاوہ دیگر علماء نے بھی آپ سے پڑھا۔

وفات اذکار ابرار کے مطابق آپ کی وفات ۹۷۸ھ/۱۵۷۰ء میں ہوئی لیکن صاحب تذکرۂ اولیاء ہند نے اس کو مترجم کا سہو یا کتابت کی غلطی قرار دیا ہے۔ انہوں نے آپ کا سالِ وصال ۹۸۸ھ/۱۵۸۰ء لکھا ہے

آپ اس دنیائے فانی سے جمعہ کے روز رخصت ہوئے اور عادل پورہ برہانپور میں شیخ ابراہیم ابن عمر سندھی کے مزار کے قریب سپرد خاک ہوئے۔ نور اللہ مرقدہٗ۔ ؎۱

؎۱ نزہۃ الخواطر عربی ص ۲۸۰ ج ۴، گلزار ابرار، تذکرہ اولیائے سندھ ص ۲۲۵۔ برہانپور کے سندھی اولیاء ص ۲۰۲۔

غزالی مشہدی

(م ۲۷ رجب ۹۸۰ھ بمطابق ۲ دسمبر ۱۵۷۲ء)

ملحدانہ خیالات اور بے راہ روی کیوجہ سے جب عراق میں آپکو لوگوں نے قتل کرنا چاہا تو وہاں سے بھاگ کر دکن چلے گئے پھر وہاں سے ہندوستان آئے خان زمان نے آپکو خرچ کیلئے ایک ہزار روپیہ بھجوایا تھا۔ آپ نے جونپور سے یہ قطعہ بطور لطیفہ لکھ کر بھیجا تھا۔ اس میں صنعت معما بھی موجود ہے۔

قطعہ اے غزالی بحق شاہ نجف　　کہ سوئے بندگان بے چول آں
چونکہ بے قدر بودہ آں جا　　سر خود را بگیر و بیروں آں

چند سال خان زماں کے پاس رہے بعد میں بادشاہی ملازمت میں پہنچے۔ دربار میں ملک الشعرا کا خطاب ملا۔ آپ کے اشعار کے چند دیوان اور ایک مثنوی ہے کہتے ہیں انہوں نے چالیس پچاس ہزار شعر کہے ہیں اگرچہ ان کا کلام کچھ زیادہ بلند نہیں کمیت و کیفیت کے لحاظ سے ان کے اشعار اپنے ہمعصروں سے کہیں زیادہ ہیں ان کی وفات جمعہ کی شب ۲۷ ماہ رجب ۹۸۰ھ میں احمدآباد میں اچانک اور دفعتاً ہوئی اور اکبر کے حکم سے آپ کو سرگنج یا سرکھیج میں جہاں بڑے بڑے مشائخین اور سلاطین دفن ہیں دفنایا گیا قاسم ارسلان نے قاسم کاہی کی زبان سے یہ تاریخ کہی۔

قطعہ دوش غزالی آں سگ ملعون　　مست جنب شد بسوئے جہنم
کاہی سال وفاتش بنوشت　　ملحد دولی رفت زعالم!

بود گنجے غزالی از معنیٰ !! مدفنش خاک پاک سرگنج است
بعد یک سال تاریخش ! احمد آباد و خاک سرگنج است

یہ مطلع اسی کے نام سے مشہور ہے لیکن میں نے غزالی کے دیوان میں اسے نہیں پایا۔

شورے شد و از خواب عدم دیدہ کشودیم
دیدیم کہ باقیست شب فتنہ غنودیم !

غزالی کا نمونہ کلام۔

درکعبہ اگر دل سوئے غیر است ترا طاعت ہمہ فسق وکعبہ دیر است ترا
دردل بحق است وساکن میکدہ می نوش کہ عاقبت بخیر است ترا

ماز گرگ خود نمی ترسیم اما ایں بلا است
گر تماشائے بتاں محروم می باید شدن

غزالی جیسے شعراء بدایونی کی نظر میں

اس زمانہ کے سارے ہی چھوٹے بڑے شاعر بجز تین چار معمر قدمار کے حیدری مشرب (بے قید اور آزاد) ہیں لیکن یہ دونوں غزالی اور کاہی تو ان آوارہ مشرب شاعروں کے پیشوا اور مقتدار تھے کہ انہوں نے اپنی خباثتوں کو اپنے شاگردوں اور ماننے والوں میں خوب جی کھول کر تقسیم کیا۔ جب ان شاعروں کو دیکھتا ہوں تو اس فکر میں پڑ جاتا ہوں کہ کہیں شعرائے متقدمین میں بھی ایسے ہی نہ گزرے ہوں۔

قاسم بن شیخ یوسف سندھی اور طاہر سندھی

م ۹۸۱ھ بمطابق ۱۵۷۳ء

آپ شیخ طاہر محدث کے چھوٹے بھائی اور مسیح الاولیاء کے والد ہیں۔ آبائی وطن سندھ سے احمد آباد آئے۔ ہجرت کے وقت آپ متاہل ہو چکے تھے۔ علوم ظاہری کی تحصیل کے بعد شیخ بہاء الدین رح کے مرید ہوئے۔ جو اس زمانہ میں شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے آستانہ کے سجادہ نشین تھے۔ ۵ ذی الحجہ ۹۶۲ھ کو جب مسیح الاولیاء کی ولادت ہوئی اس وقت آپ گھر پر نہ تھے بلکہ جاگیر پر تھے۔ اسلئے محدث طاہر نے مولود کا نام "عیسیٰ" رکھا۔ بعض بشارتوں سے مولود کا نام "سلیمان" رکھنے کا اشارہ پایا جاتا تھا۔ اس لئے کبھی کبھی سلیمان کہہ کر پکارتے۔

آپ تقویٰ شعار، عبادت گذار اور متوکل تھے۔ شیخ طاہر محدث فرمایا کرتے تھے کہ میرے بھائی قاسم کا مشرب صوفیانہ تھا۔ ۹۸۱ھ میں بمقام ایلچپور برار انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔ آپ کو نظم پر بھی دسترس حاصل تھی۔ حتیٰ کہ تاریخ گوئی پر بھی عبور رکھتے تھے۔ [1]

تاریخ ادب اردو میں ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں کہ: ہمایوں کے زمانے میں جب سندھ کے حالات خراب ہوئے تو دو سندھی عالم شیخ قاسم اور شیخ

---

[1] تذکرۂ قاریانِ ہند، تذکرہ اولیائے سندھ، برہانپور کے سندھی اولیاء ص ۱۵،۱۴،۱۴۰۔

طاہر سندھ کے قصبہ پاتری سے (۹۵۰ھ/۱۵۴۳ء) کے قریب ہجرت کر کے احمدآباد اور وہاں سے ایلچپور (برار) میں جاکر آباد ہو گئے۔ ان کے صاحبزادے شیخ عیسیٰ (۹۶۲ھ-۱۰۳۱ھ/۱۵۵۴ء-۱۶۲۱ء) جو مسیح الاولیاء کے نام سے مشہور ہیں۔ والیٔ خاندیس شاہ فاروقی کے بار بار کہنے سے برہانپور چلے گئے۔ برہانپور میں ایک پورا محلہ "سندھی پورہ" کے نام سے موجود ہے وہ ان نو واردین کی طرف منسوب ہے۔

تاریخ معصومی میں اس خاندان کا ذکر نہیں ملتا۔ لیکن عین المعانی اور کشف الحقائق میں مفصل حالات مذکور ہیں۔ اور گلزار ابرار میں سب سے زیادہ تفصیل درج ہے۔ [۱]

شیخ الانقیاء شیخ حسن بن احمد

م ۲۸ ذیقعدہ ۹۸۱ھ/۹۸۲ھ بمطابق ۱۴ مارچ ۱۵۷۴ء/۱۵۷۵ء

شیخ فاضل کبیر حسن بن احمد بن نصیر الدین عمری ابو صالح حسن محمد۔ آپ کا سنِ ولادت ۹۲۳ھ ہے۔ مولد و منشاء احمدآباد ہے اور احمدآباد ہی کے اساتذہ سے علوم نقلیہ و عقلیہ حاصل کئے۔ طریقت میں اپنے والد اور عم شیخ جمال الدین اور دوسرے شیوخ چشتیہ سے مستفیض ہوئے۔

آپ کو فقہ و اصولِ فقہ، عربی، تصوف اور تفسیر میں کمال حاصل تھا۔ اکتالیس سال تک مسند مشیخت پر فائز رہے۔ اور کئی کتب تصانیف فرمائیں۔ جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

---

[۱] تاریخ ادب اردو، از ڈاکٹر جمیل جالبی ص ۶۲۹۔

۱۔ تفسیر قرآن جس میں ربط آیات کا التزام ہے۔
۲۔ تفسیر بیضاوی پر حاشیہ۔
۳۔ نزہتہ الارواح کا حاشیہ۔

۵۹ سال کی عمر میں ۲۸ ذیقعدہ ۹۸۱ھ یا ۹۸۲ھ مطابق ۴ مارچ ۱۵۷۴ء یا ۱۵۷۵ء کو وصال ہوا۔ یہ مختصر احوال لکھے گئے بعد میں آپ کے مزید تفصیلی احوال ملے جو حسب ذیل ہیں۔ [۱]

آپ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رح کی نسل سے ہیں۔ آپ کا نام شیخ حسن محمد اور کنیت ابو صالح ہے۔ آپ کی جائے ولادت احمد آباد گجرات ہے۔ آپ علوم ظاہری و باطنی کے عالم تھے اور صاحب تصنیف بھی چنانچہ تفسیر محمد، تقسیم الاوراد، رسالہ چہار برادران حاشیہ تفسیر بیضاوی، حاشیہ قوت القلوب، حاشیہ شرح مطالع از قسم ثانی۔ (یہ حاشیہ بہت اعلیٰ ہے) اور حاشیہ نزہتہ الارواح آپ کی تصانیف ہیں۔

گلزار ابرار میں آپ کا ذکر ہے۔ آپ مادرزاد ولی تھے۔ اپنے والد ماجد کی زندگی میں اتنے مشہور ہوئے کہ لوگ آپ سے بے حد عقیدت رکھتے تھے۔

ولادت:۔ آپکی ولادت ۹۲۳ھ (بمطابق ۱۵۱۷ء) میں ہوئی آپ کے والد گرامی کا نام شیخ احمد رح تھا جو میاں جیو کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کے والد گرامی کا سلسلہ نسب شیخ کمال الدین علامہ رح تک یوں پہنچتا ہے شیخ احمد المشہور بہ میاں جیو رح بن نصیر الدین ثانی رح بن شیخ مجد الدین رح بن شیخ سراج الدین رح بن شیخ کمال الدین علامہ رح۔ آپ کی والدہ محترمہ کا نام بی بی خدیجہ تھا جو حافظِ قرآن تھیں۔ مجر الاولیا میں لکھا ہے کہ بی بی خدیجہ کے والد کا نام میاں شیر ملک تھا۔ جن کا سلسلۂ نسب شیخ لطیف الدین رح تک پہنچتا ہے۔ جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رح کے مرید و خلیفہ تھے اور سفر حجاز میں

---

[۱] نزہتہ الخواطر اُردو ۱۵۴/۴۔ عربی ایضاً ۱۵۶ ص ۸۴/۴۔

حضرت شیخ کمال الدین علامہ رح کے رفیق سفر تھے۔

خلافت: - آپ اپنے چچا شیخ جمال الدین جمن رح کے مرید و خلیفہ ہیں۔ اور اپنے والد گرامی سے بھی خلافت رکھتے ہیں اور آپ کے والد اپنے آباؤ اجداد سے خلافت رکھتے تھے۔ مزید براں آپ شیخ محمد غیاث نوربخش رح ابن محمد علی نوربخش رح سے بھی چند سلاسل کی خلافت رکھتے تھے۔ نیز شیخ بہاؤالدین رح جو حلیم سہروردی رح کے نام سے مشہور تھے ان سے بھی خلافت کے حامل تھے۔ فخرالاولیاء میں آپ رح کی خلافت کے حالات اس طرح لکھے ہیں۔ کہ آپ نے اپنے والد گرامی شیخ میاں جیو رح سے چھ سال کی عمر میں خلافت پائی اور بارہ سال کی عمر میں شیخ جمال الدین جمن رح کے مرید ہوئے سولہ یا سترہ سال کی عمر میں جملہ علوم ظاہری سے فارغ ہو گئے جب اٹھارہ سال کی عمر کے ہوئے تو ان کے چچا و مرشد شیخ جمن رح کا وصال ہوگیا اور آپ رح ان کے سجادہ پر بیٹھے اکتالیس سال مسند ارشاد پر جلوہ افروز رہے ستائیس سال اپنے والد صاحب رح کی زندگی میں اور چودہ سال اپنے والد صاحب کے بعد مراٗت ضیائی میں رحمت علی شاہ، جو حضرت مولانا ضیاء الدین جے پوری رح (خلیفہ حضرت مولانا فخرالدین دہلوی) کے خلیفہ و قائم مقام تھے۔ نے لکھا ہے کہ، جس وقت شیخ محمد غیاث نوربخش قادری رح (جن کا نام مناقب میں شیخ محمد بن علی نوربخش رح اور شیخ غیاث الدین نوربخش رح بھی لکھا ہے) احمدآباد آئے تو ایک دن شیخ جمال الدین جمن رح سے ملاقات ہوئی جبکہ شیخ حسن محمد رح بھی انکے ہمراہ تھے۔ شیخ محمد غیاث الدین رح نے نور باطن سے معلوم کیا کہ یہ بچہ ولی کامل ہوگا۔ سو ان کے چچا سے کہا کہ اے شیخ جمال الدین یہ بچہ مجھے عطا کر دے۔ آپ نے فرمایا بہتر ہے مگر ابھی بہت چھوٹا ہے۔ آپ سفر سے فراغت پالیں اور یہ بھی علوم ظاہری سے فارغ ہولے اور کچھ بڑا ہو جائے اس کے بعد آپ مرید کرلیں۔ فرمایا بہتر ہے۔ وہ حج پر چلے گئے تو شیخ جمال الدین جمن رح نے اپنے دل میں سوچا کہ میں جانے حسن محمد رح کو شیخ محمد غیاث نوربخش قادری رح

کی ملک کر دیا ہے لیکن اسے خاندان چشتیہ کی نعمت سے محروم نہیں ہونا چاہیے ۔ پس آپ نے شیخ حسن محمد کو مرید کر لیا اور اپنے خاندان چشتیہ کی نعمت و خلافت سے مشرف فرمادیا جب شیخ محمد غیاث بن شیخ محمد ملی نور بخش رح حج سے واپس آئے تو شیخ جمال الدین جمن رح شیخ حسن محمد کو آپ کی خدمت میں لے گئے اور کہا کہ آپ کا بیٹا حاضر ہے اپنے خاندان کی نعمت سے سرفراز فرمائیں ۔ آپ نے مسکراتے ہوئے مزاح کے طور پر فرمایا کہ ہم چاہتے تھے کہ آپ حسن محمد رح کو بلاشرکت ہمیں بخش دیں ۔ مگر آپ نے اپنی شرکت بھی کر دی انہوں نے کہا میں نے اسے آپ کی غلامی میں دے دیا ہے ۔ مگر یہ خرقہ آبا و اجداد سے پشت بہ پشت آرہا ہے ۔ میں نے چاہا کہ یہ سلسلۂ چشتیہ ہمارے گھر سے نہ چلا جائے انہوں نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں ۔ بس شیخ محمد غیاث نور بخش رح نے حضرت شیخ حسن محمد رح کو اپنے خاندان قادریہ میں بیعت کیا ، اور تربیت فرمائی ۔ یہاں تک کہ کمالیت تک پہنچا دیا اور خرقۂ خاندان قادریہ ، گازرونیہ ، فردوسیہ ، کبرویہ ، نوربخشیہ اور ہمدانیہ عطا کیا چنانچہ آپ کے ہاں ہر خاندان کی خلافت کا شجرہ لکھا جاتا ہے مگر سلسلۂ چشتیہ دو طریق سے لکھا جاتا ہے ۔ ایک اپنے والدگرامی رح کی جانب سے دوسرا حضرت شیخ جمال الدین جمن کی طرف سے جن سے آگے ہمارا سلسلہ چلا ۔

وصال :- آپ کا وصال ۲۸ ذیقعدہ ۹۸۲ ھ (مطابق ۱۱؍ مارچ ۱۵۷۵ء) بروز ہفتہ نماز ظہر سے دو گھڑی قبل ہوا ۔

مرات ضیائی میں لکھا ہے کہ آپ کی وفات ۲۷ ؍ اور بعض کے نزدیک ۲۸ ؍ ذیقعدہ ۱۰۸۱ ھ (مطابق ۷ یا ۸ ؍ اپریل ۱۶۷۱ء) کو ہوئی ۔ مگر مجالس چشتیہ میں آپ کے بیٹے شیخ محمد رح نے لکھا ہے کہ آپ کی وفات ۲۸ ؍ ذیقعدہ ۹۸۲ ھ (مطابق ۱۱ ؍ مارچ ۱۵۷۵ء) بروز ہفتہ ہوئی ۔ آپ کا قطعہ تاریخ وصال یہ ہے ۔

آں سراج اولیاء شیخ حسن قطب دوراں سید و سالار چشت

چوں بحق پیوست تاریخ وصال گفت ہاتف بود گلزار بہشت

آپ کا مزار احمد آباد گجرات محلہ شاہ پور میں آپ کے والد گرامی رح کے مزار مبارک کے قریب ہے ۔

اولاد :۔ حضرت شیخ حسن محمد رح کے تین بیٹے تھے شیخ محمد رح ، شیخ قطب محمد ، شیخ احمد رح ۔ شیخ قطب محمد ، شیخ احمد دونوں لا ولد فوت ہوگئے ۔ آپ کی اولاد کا سلسلہ حضرت شیخ محمد رح سے جاری ہوا ۔

خلفاء :۔ آپ کے خلفاء بہت ہیں مگر سلسلہ آپ کے بیٹے شیخ محمد رح سے جاری ہوا ۔ [۱]

معمولات :۔ اولاً نماز صبح کے فرض پڑھنے کے بعد سے بلا فصل دوپہر تک تلاوت اور رسمی درس میں مشغول رہتے تھے ۔ اس کے بعد درویشان خانقاہ کے ساتھ کسی قدر کھانا کھاتے تھے ۔ قیلولہ کے بعد نماز ظہر ادا کرتے اس کے بعد وعظ و نصیحت کی مجلس شروع ہو جاتی تھی ، جو عصر تک رہتی ۔ عصر کے بعد درود وظائف میں مشغول رہتے پھر نماز مغرب ادا فرماتے ۔ اس کے بعد ذکر جہر شروع کرکے عشاء تک اس میں مشغول رہتے پھر نماز عشاء ادا کرکے حجرہ کے اندر چلے جاتے ۔ نماز کمال نیاز کے ساتھ ادا کرتے رات میں تنہا بیدار رہتے تھے جب صبح کی سفیدی نمودار ہو جاتی تو پھر وہی معمول از سر نو شروع کر دیتے تھے ۔ [۲]

خاتمہ مرأت احمدی میں آپ کے متعلق لکھا ہے کہ ! آپ صاحب فضل و کمال تھے ۔ شیخ حسن محمد کے والد شیخ احمد جمیا نجی بن شیخ نصیر الدین کے نام سے معروف تھے ۔ آپ علم ظاہر و باطن میں یگانۂ روزگار تھے ۔ بچپن ہی میں آپ کو پانچ یا چھ سال کی عمر میں شیخ جمال الدین جمن سے ارادت بلکہ خلافت

---

[۱] مناقب المحبوبین صہ ۹ ، گلزار ابرار صہ ۲۰۲ ۔

کا شرف حاصل ہوگیا تھا۔ نیز شیخ محمد علی بن نوربخش کی طرف سے بھی آپکو ارادت وخلافت تھی۔ آپ صاحب ورع وتقویٰ تھے۔ اور ریاضی، حال واستقبال کے غیب کی خبریں الہٰی الہام کے ذریعہ آپ بتایا کرتے تھے۔ قادریہ نوربخشیہ طیفوریہ وغیرہ سلاسل میں بھی آپ کو اجازت وخلافت تھی۔ آپنے قرآن مجید سورۂ تغابن سے لے کر اخیر تک شیخ جمال الدین جمّن سے پڑھا اور ربلوغ کے بعد اپنے والد ماجد کی خدمت میں رہ کر ان سے بھی خلافت پائی۔ آپ کا شمار نادرزاد نیک لوگوں میں تھا۔ اور صغر سنّی ہی سے لوگ آپکے بڑے معتقد تھے۔ سلطان محمود شہید اور دیگر امرا سلطنت آپ سے عقیدتمندی کا ثبوت دیتے تھے۔ اور ان کی طرف سے آپ کے لئے وظیفہ مقرر تھا اسی لئے شاہپور اور رکن الملک کا چکلہ شیخ کے تصرف میں تھا۔ باطنی دولت کے ساتھ ساتھ آپ ظاہری ثروت کے بھی مالک تھے لیکن دولت میں سے درویشوں پر خوب خرچ کرتے۔ آپ نے اندرون شہر شاہپور دروازہ کے متصل جامع مسجد تعمیر کروائی۔ جو ایک لاکھ کے خرچ سے آٹھ نو سال میں مکمل ہوئی۔ اس دوران سلطنت کی تبدیلی کی بنا پر کچھ حصّہ نامکمل رہ گیا۔ اور بالخصوص مسجد کے منارے ناقص رہ گئے۔

محراب کے بائیں جانب مسجد کی تاریخ بنا کندہ کی ہوئی ہے جو اسطرح ہے۔

قطب زمانہ شیخ حسن ساخت مسجدی\
کانجا کنند اهل عبادت دعائے شیخ\
چوں شیخ ابن رفیع مکان را بنا نمود\
تاریخ سال روز قضا شد بنار شیخ

حسن میں بناء شیخ کے الفاظ سے تاریخ نکلتی ہے۔ شیخ کی تصانیف

وحواشی بھی ہیں بالخصوص بیضاوی کی تفسیر پر حاشیہ اور اسی طرح تفسیر محمدی جس میں ربطِ آیات کو خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے (آپ کی تصانیف ہیں) اکتالیس سال تک آپ مسندِ ارشاد و ہدایت پر متمکن رہے جن میں سے ستائیس سال اپنے والد بزرگوار کی موجودگی میں اور چودہ سال ان کی وفات کے بعد مسندِ ہدایت پر متمکن رہے۔

آپ کے چار صاحبزادے ہیں۔ شیخ محمد جو اپنے والد کے انتقال کے بعد مسندِ مشیخت پر بیٹھے اور دوسرے کمال الدین محمد تیسرے شیخ قطب محمد جو برہانپور کے علاقے میں سکونت پذیر تھے۔ وہیں انتقال کیا اور شیخ مازن کی قبر کے پاس ان کی قبر بنائی گئی۔ اور چوتھے شیخ صالح محمد جن کی وجہ سے آپکو ابو صالح بھی کہتے ہیں۔ اور دو صاحبزادیاں، بی بی خدیجہ اور بی بی عائشہ۔ آپ کی وفات بروز شنبہ ۲۸ ذوالقعدہ ۹۸۰ھ میں ہے۔

محمد بن محمد بن احمد المیانجی فاروقی چشتی گجراتی

(م ۱۰۰۰ھ بمطابق ۱۵۹۲ء)

محمد بن احمد المیانجی صاحب "تفسیر محمدی" کے صاحبزادے ہیں۔ ان کے مندرجہ ذیل رسالے برلن کے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔

وفات ۱۵۹۲ء/۱۰۰۰ھ کے بعد ہوئی۔

(۱) نکات الاخوان، بعون اللہ الملک المنان (برلن ۳۱۰۵)

(۲) مراجین العشاق، بین البحر الاشراق (ایضاً ۳۱۰۲)۔

(۳) الجمع بین الدنیا والعقبیٰ (ایضاً ۳۱۴۵)۔

(۴) رسالہ فی من عرف اللہ کل لسانہ (ایضاً ۲۲۲۳)۔

(۵) الرسالہ فی بیان جہاد الاکبر (انڈیا آفس ۱۴۱۲)۔

(۶) جواہر العلوم (برلن ۲۲۳۲)

(۷) الحیرۃ فی ذات اللہ (ایضاً ۲۲۴۳)

(۸) تحفۃ السلوک الموصلۃ الی اللہ ملک الملوک (ایضاً ۳۲۸۵)

(۹) رسالۃ فی الاوراد (۷۳۸۲)

(۱۰) المفلس فی امان اللہ (ایضاً ۱۳۶۴)

(زبید احمد ۳ تاریخ بروکلمن ۲ ! ۲۰۴ ؛ مقدمہ مراجین العشاق)

شیخ محمد بن محمد بن احمد فاروقی چشتی کی تمام دستیاب کتب اور رسائل

تصوّف سے متعلق ہیں۔ "نکات الاخوان بعون اللہ المنان" میں صوفیانہ، اور فکرانگیز معارف بیان کئے گئے ہیں۔ ہر بات اور ہر مسئلہ کا آغاز "نکتہ" سے کرتے ہیں۔ مثلاً نکتہ۔ العقل ما ینجیک من الاخلاق المذمومۃ الی الاخلاق المحمودۃ؛ یعنی عقل کے سلسلے میں یہ نکتہ ہے کہ عقل وہ ہے جو تجھے اخلاق مذمومہ سے نجات دلاکر اخلاق محمودہ سے آشنا کردے۔ مگر "مراجین العشاق، بین البحر الاشواق" کا بھی تقریباً یہی اسلوب ہے۔ تاہم یہاں ہر مضمون و مسئلہ کا آغاز بلفظ مرجان، (موتی جمع مراجین) سے کرتے ہیں۔ مثلاً مرجان، واعلم ان العشق یکون بحیث لا یغیرمعہ العاشق والمعشوق (یعنی عشق کا وجود یوں ہے کہ اس کے ساتھ عاشق و معشوق کا ہونا ضروری نہیں، عشق کو دوام ہے) "رسالہ فی بیان الجہاد الاکبر" میں اصلاح نفس انسانی کے متصوفانہ اصول بیان کئے ہیں۔[1]

قاضی عیسیٰ احمد آبادی

(م ۹۸۲ھ بمطابق ۱۵۷۴ء)

علوم وفنون کے ماہر علّامہ قاضی عیسیٰ احمد آباد کے مشہور علماء میں اور وہاں کے مشہور مدرسین میں سے تھے۔

آپ کی چند تصانیف فن تصوف و اخلاقیات میں ہیں جن میں سے ایک "الرّسالہ فی جواز السماع" (برٹش میوزیم) ہے۔ دوسری کتاب "الرسالہ فی التوکل" (بانکی پور ۱۳: ۹۳۶) ہے۔[2]

---

[1] تاریخ ادبیات عربی ادب ص۲۵۵ ج ۲ ۲ھ النورالسافر ص۳۱۷، عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ ص۳۲۱۔

شیخ راجی محمد علنی

(م ۹۸۲ھ مطابق ۱۵۷۴ء)

شیخ راجی محمد ابن شیخ خاں حنفی ۔ شیخ عین القضاۃ ہمدانی کی اولاد سے تھے ۔ کم سنی ہی میں تعلیم کی غرض سے برہانپور گئے اور دو سال تک قیام کیا ۔ یہاں علوم کا ایک حصہ پڑھا اور پھر احمد آباد بیدر تشریف لے گئے ۔ یہاں شیخ محمد بن ابراہیم اسماعیلی ملتانی سے ۱۲ رسال تک استفادہ کے بعد اجین لوٹ آئے اور پچاس سال تک مصروف تدریس رہے ۔ [1]

آپ فرماتے تھے کہ ایک رات مجھ کو مکاشفہ میں معلوم ہوا کہ اکمل الاولیاء شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ مصلی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور بے شمار لوگ اور وحوش وطیور آپ کے گرد محو جماں ہیں ۔ ان سب میں شیخ عبدالقادر نے میرا نام لے کر بلایا اور مصلی کے نیچے جو خس و خاشاک تھا اس کو اپنے دست مبارک سے جھاڑ دیا ۔ اور فرمایا کہ جو دوئی کا زنگ تمہارے دل کے آئینہ پر تھا وہ صاف ہوگیا ۔ اب مصلے پر بیٹھو اور شکرانہ کی نماز پڑھو ۔ پھر شیخ نے قطبی ولایت کی خوشخبری مجھے دی ۔ اس کے بعد پیر نے بھی خرقۂ خلافت عطا فرما کر اجین میں رہنے اور لوگوں کی رہنمائی اور تعلیم کی اجازت مرحمت فرمائی ۔

اولاد آپ کے چھ بیٹے تھے ۔ عبدالرحمن، عبدالکریم، عبدالرحیم یہ تین ایک بیوی سے اور عبدالحلیم، عبدالحمید اور عبدالمجید دوسری منکوحہ سے تھے ۔ شیخ عبدالکریم والد کی رحلت کے بعد سجادہ نشین ہوئے ۔ نہایت سنجیدہ جوان مرد تھے پرہیزگار، حق شناس، خداپرستی، جہاں دوستی، اور زندہ دلی جیسے اوصاف

---

[1] اعیان الحجاج ۔

عالیہ سے متصف تھے۔ ان کی وفات ۱۰۰۰ھ میں ہوئی۔ پدر بزرگوار کے گنبد کے باہر جنوبی سمت میں دفن کئے گئے۔

شیخ عبدالکریم نے دو فرزند چھوڑے ایک شیخ عبدالعزیز جو علوم متداولہ سے آراستہ تھے۔ انہوں نے اوّلاً رسمی علوم کا اکتساب شیخ عبدالکریم نہروالہ سے کیا پھر علامہ وجیہہ الدین علوی احمد آبادی کی خدمت اور درس میں بیٹھکر علوم کی تحصیل کی۔

شیخ عبدالکریم کے دوسرے فرزند شیخ عبدالقادر تھے جو اپنے آبائے کرام کے وطن میں آبائی مکان اور خانقاہ کو آباد کئے ہوئے تھے۔

شیخ راجی محمد عیسیٰ اُجین میں پچاس برس تک درس و تدریس میں مشغول رہے اور ۲۷ رمضان ۹۸۲ھ میں اس دنیا کو خیر باد کہا۔ (گلزار ابرار)

میر محمد غزنوی

(وفات ۹۸۳ھ مطابق ۱۵۷۵ء)

میر محمد نام شمس الدین محمد اتکہ کے بھائی تھے۔ کامران اور ہمایوں کے ساتھ بھی رہے اکبر کے دور میں بڑا اعزاز پایا۔ خان کلاں کے خطاب اور پنج ہزاری منصب سے نوازے گئے۔ پہلے پنجاب کی صوبداری دی گئی جہاں آپ نے گھوکروں کی سرکشی کو دبایا۔ پھر آپ مرزا محمد حکیم کی اعانت کے لئے کابل بھیجے گئے۔ گئے۔ جہاں آپ نے مرزا سلیمان سے لڑکر کابل کا تخت مرزا محمد حکیم کے لئے حاصل کیا۔ اکبر کے تیرہویں سال جلوس میں آپ کو سنبھل کی جاگیرداری دی گئی۔ سترہویں سال جلوس میں آپ گجرات کی مہم پر بھیجے گئے۔ جس کی تسخیر کے بعد آپ کو پٹن کا مرزبال یعنی حاکم بنا دیا گیا۔ جہاں آپ نے ۹۸۳ھ مطابق ۱۵۷۵ء میں وفات پائی

سپاہ گری، سیاست دانی، باغبانی اور شعروشاعری کا آپ بہت ہی عمدہ ذوق رکھتے تھے ۔

ملا بدایونی کا بیان ہے کہ آپ اکبر سے یوں کہا کرتے تھے کہ " آپ کے عہد کی بڑائی اس وجہ سے ہے کہ مجھ جیسا آدمی موجود ہے "

ملا صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ بڑے عالی مرتبہ اور مشہور امیر تھے ۔ آپ کی محفل کبھی اہل علم سے خالی نہ رہتی تھی ۔ اپنے سیاسی مشاغل کے باوجود شعر کہنے کے لئے وقت نکال لیا کرتے تھے ۔ آپ نے اپنا ایک بڑا دیوان مرتب کیا ہے ۔

مراۃ العالم میں بھی آپکے متعلق تفصیل سے لکھا گیا ہے ۔

رباعی:۔ درجوانی حاصل عمرم بنادانی گزشت
آنچہ باقی بود آں ہم در پشیمانی گزشت
اے جواں جز تخم نومیدی نکشتی درجہاں
موسم پیری رسید وقت دہقانی گزشت

سنبھل کی حکومت کے زمانے میں آپ کے سامنے شیخ سعدی رہ کا یہ مطلع پڑھا گیا

دے عاشق صابر بود مگر سنگ است
زعشق بصبوری ہزار فرسنگ است

تو آپ نے اس پر کہا ۔

دے کہ چہرۂ ساقی زیادہ گلرنگ است
بنوش بادہ برآواز نے کہ دل تنگ است

ریاض الشعراء میں آپ کا تخلص عزوری بتلایا گیا ہے جو کہ صحیح نہیں ۔ اس میں آپ کی شاعری کے متعلق یہ رائے درج ہے ۔

ص۲۴۴
درترکی و فارسی اشعار اردو لیکن درافکار رمزہ کہ باید کمتر یافت می شود۔ بزم تیموریہ

شاہ عبدالجلیل بن شاہ غیاث الدّین ثانی

(م ۹۸۳ھ بمطابق ۱۵۷۵ء)

آپ کی ولادت باسعادت احمدآباد میں ہوئی۔ آپ نے علم باطنی وظاہری والد ماجد سے حاصل کیا۔ اور رتبہ خلافت کو پہنچے اور خلق کی تعلیم میں مشغول ہوئے۔ آپ کو باطنی حسن وکمال کے ساتھ ساتھ حسنِ یوسفی بھی عطا کیا گیا تھا جس کی بنا پر بہت سے امراء نے آپ سے رشتہ مصاہرت قائم کرنا چاہا۔ مگر یہ شرف آپ کی طرف سے سید یحییٰ بن سید خوندمیر چشتی کے مقدر رکھا۔ اور انکی صاحبزادی مسمیٰ عائشہ کو آپ نے اپنے عقد نکاح میں قبول فرمایا۔ آپ صائم الدھر تھے اور زیادہ تر وقت یادِ الٰہی میں گذرتا۔ سنت نبویہ علی صاحبہا الف تحیۃ والسلام آپ کا خصوصی شعار تھا دنیا کی مال و دولت سے نفور تھے۔

ایک مرتبہ کسی نے ایک ڈبیہ پیش کی کہ اسمیں ایک ایسی چیز بطور ہدیہ ہے جو ہر چیز کی کیمیا گر اور سونا بنا دینے والی ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ میرے جسم سے جو چیز مس ہو وہ سونا بن سکتا ہے یہ فرماکر لوہا اٹھا کر دیا جو سونا بن گیا تھا۔

۹۸۳ھ میں پیغام اجل آگیا اور احمدآباد میں آسودۂ لحد ہوئے۔ آپ کے خلفاء کرام کی فہرست طویل ہے جن میں سے بعض حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۱۔ سید مصطفےٰ بن یحییٰ حسینی۔ ۲۔ سید عبدالحلیم بن سید مصطفےٰ۔
۳۔ ملک عبداللطیف بن ملک داؤد شاہ ۴۔ شیخ فرید بن شیخ محمد
۵۔ ملک محمود ۶۔ سید خوندمیر
۷۔ سید خلیل ۸۔ شیخ خوب محمد

۹ - شیخ حاجی ۱۰ - شیخ علی
۱۱ - شیخ عبداللہ ۱۲ - شیخ رزق اللہ
۱۳ - خواجہ عطاء اللہ [1]

سیّدی سعید سلطانی

(وفات ۳ر شوال ۹۸۴ھ مطابق ۲۳ر دسمبر ۱۵۷۶ء)

صاحب النور السافر لکھتے ہیں کہ ۳ر شوال ۹۸۴ھ مطابق ۲۳ر دسمبر ۱۵۷۶ء کو پیر کے دن سیّدی سعید سلطانی حبشی کا احمد آباد میں انتقال ہوا۔ جو حنفی المذہب تھے۔ اور بہت کثیر قسم کے بڑے فقیہ اور جملہ علوم کے ماہر تھے۔ قرآن کریم کے بھی حافظ تھے۔ اور بہت زیادہ عبادت گذار تھے۔ اس درجے تک کہ رمضان المبارک میں پانچ ختم فرماتے تھے۔ فوجی افسران آپ کا نہایت احترام کرتے تھے۔ نہایت تعظیم و تکریم کا معاملہ آپ کے ساتھ بجالاتے۔ انہوں نے آپ کے لئے پندرہ ہزار گنی مقرر کر رکھی تھی سیدی سعید طالب علموں سے بہت زیادہ محبت کرنے والے تھے۔ جب آپ حج کو گئے تو شیخ ابن حجر ہیثمی کی شاگردی اختیار کی۔ اور ان سے پڑھا۔ ان کو کتابیں جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ کتابیں مصر تک سے منگواتے تھے۔ انہوں نے احمد آباد میں نہایت خوبصورت مسجد تیار کی۔ اس کے علاوہ بڑے افعالِ خیر آپ نے سرانجام دیے مسجد کے ساتھ ہی آپ کی قبر بنائی گئی۔ اور انکی قبر کے پہلو میں شیخ عبدالمعطی اباکثیر کی بھی قبر بنائی گئی [2]

---

[1] اخبار گجرات صفحہ ۲۷۱ [2] الفوائد السبہۃ، النور السافر صفحہ ۳۲۰ ۲۷۲

مولانا ابوظفر ندوی لکھتے ہیں کہ سیدی سعید کی ولادت غالباً حبشہ میں ہوئی اور وہاں سے غالباً یمن میں آکر ترکوں کی فوج میں داخل ہوئے ۔ اور پھر مصطفیٰ رومی خاں کے ساتھ گجرات آئے ۔ رومی خاں کے چلے جانے کے بعد جہاں اور ترکی اور حبشی ملازم ہوئے ۔ سعید بھی ملازم ہوئے ۔ آخر میں ترقی کرکے سلطان محمود کے مقرب ملازموں کے زمرہ میں شامل ہوگئے ۔ اسی لئے ان کو سیدی سعید سلطانی کہتے ہیں ۔

سلطان محمود کی شہادت کے بعد حبشی سرداروں نے ملک کے بڑے حصے پر قبضہ کرلیا تو سیدی سعید نے جھوجھار خاں کی رفاقت اختیار کرلی ، ان دونوں میں پہلے سے دوستی تھی ، سیدی سعید بہادر آدمی تھے ۔ اور مختلف جنگوں میں بڑے کارہائے نمایاں انجام دے چکے تھے ۔ وہ ان دو جنگوں میں بھی شریک تھے جن میں سے ایک جھوجھار خان سے ہوئی تھی ۔ اور دوسری محمد الغ خاں سے ہوئی تھی ، ناصر جنگ نے ان کی ذاتی قابلیت ہی کی بناء پر چنگیز خان حاکم بھروچ کے پاس انہیں بطور سفیر کے بھیجا تھا ۔

پھر انہوں نے فوجی خدمت ترک کردی اور جھوجھار خان کے ساتھ رہنے لگے جن سے ان کے پہلے سے تعلقات تھے انہوں نے سیدی سعید کو اپنا بھائی سمجھا اور اس قدر آپس میں محبت بڑھی کہ ان کے وہ بڑے معتمد علیہ ہوگئے

جھوجھار خان اور ان کے بھائی نے ان کی نیکی ، وفاداری اور سعادت مندی کے پیش نظر پچاس لاکھ ٹنکہ کی آمدنی کا ایک گاؤں ان کو دیا اور وظیفہ علیحدہ مقرر کردیا ۔ سیدی سعید نے اس کے بعد بڑے کار خیر انجام دیئے ۔

سیدی سعید کے کام :۔ سید سعید بڑے صالح نیک دل اور فیاض تھے ان کے مشیر بھی اچھے تھے ۔ انہوں نے اپنی دولت اپنے

عیش و عشرت پر صرف نہیں کی۔ بلکہ غریبوں کے لئے مکانات بنواتے۔ حاجتمندوں کے لئے روزینے مقرر کئے۔ غلاموں کی مدد کی۔ اور مسکینوں کی ضرورتیں پوری کیں۔ آپ نے ایک مسجد تعمیر کی جس کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے۔ اس کے ساتھ ایک لنگر خانہ بھی قائم کیا جس میں دشیشہ پکا کر لوگوں کو کھلایا جاتا۔ دشیشہ ایک قسم کی غذا ہے جو گیہوں بھگو کر اور کوٹ کر پکاتے ہیں۔

ان کے زمانہ میں غیر ملکیوں کے حملوں اور خانہ جنگی کی وجہ سے بیکاری بے روزگاری اور افلاس بہت بڑھ گیا تھا۔ خصوصاً متوسط سفید پوش طبقہ بہت پریشان حال ہو گیا تھا۔ سیّدی نے اس لنگر خانہ میں ان سب لوگوں کا بندوبست کیا، اور مفت کھانا کھلانا شروع کر دیا۔ جس کا خرچہ رفتہ رفتہ اتنا بڑھ گیا کہ بیس من گجراتی بھیک منگے فقیروں کے لئے اور بیس من سفید پوش غریبوں کے لئے پکتا اس کا چوتھائی یا پانچ من الگ ایک مکان میں پکایا جاتا۔ جو لنگر خانہ سے قریب تھا۔ جو لوگ آجاتے ان کو وہیں دسترخوان بچھا کر کھلا دیا جاتا۔ اور باقی گھر گھر الگ تقسیم کر دیا جاتا۔

خود سیدی کے دسترخوان پر دونوں وقت شرفاء کی جماعت بیٹھتی۔ جس میں حضرم (حضرموت) کے شرفاء، شہر کے علماء ارباب تصوف اور مخلص احباب بھی شامل ہوتے۔ مخصوص مصاحبوں کے لئے الگ دس من روزانہ مقرر تھا سیدی خصوصیت کے ساتھ تارک الدنیا اور گوشہ نشین لوگوں تک کھانا پہنچانے کی کوشش کرتے۔ [1]

سردی کے موسم میں صاحب حیثیت لوگوں کو بطور تحفہ قبائیں دیتے۔ اور ایک ہزار غرباء کو تقسیم کرتے۔ ان کا یہ دستور اکبر کے احمدآباد فتح کرنے

---

[1] ظفر الوالہ ج دوم۔

تک برابر جاری رہا۔

وہ زیادہ تر علم و فضل والوں کے ساتھ صحبت رکھتے، ان کی مجلس میں بہترین آدمی جمع ہوتے۔ اور انہی اصحابِ فضل و کمال سے انہوں نے مختلف علوم و فنون حاصل کیے۔ ان کی علم نوازی ہی کا نتیجہ تھا کہ شیخ حمید بن قاضی عبداللہ سندھی محدث وقت نے جامع حمیدی کی تبویب ختم کی تو اسکو سعیدی کے نام پر معنون کیا اور اس کا نام جامع سعیدی فی تبویب المجیدی رکھا۔

کتبخانہ انہی بزرگوں کے فیض صحبت سے آپ کو کتابوں کے جمع کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ بڑی کوشش سے ایک کتب خانہ قائم کیا۔ شہر میں جس قدر کتابیں مل سکیں وہ سب جمع کیں۔ پھر کتابوں کے اکٹھا کرنے کے لئے ایک جہاز ٹھیک کر کے مصر روانہ کیا۔ اور اس کے ناخدا خواجہ سلامت اللہ شاطر مغربی کو ایک فہرست دی کہ اس کے مطابق کتابیں خرید کر اور اس جہاز پر لاد کر لائیں۔

یہ جہاز کتابوں کو لے کر گھوگھہ بندر (کاٹھیاواڑ) پہنچا۔ تو بد قسمتی سے طوفان کی زد میں آ گیا اور جہاز نے کروٹ لے لی۔ جس کی وجہ سے کتابیں ضائع ہو گئیں ان میں سے جو بچ سکیں وہ کتب خانہ میں داخل کر دی گئیں۔ اکبر کے فتح احمد آباد کے بعد تاریخوں میں اس بیش قیمت کتب خانہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

ظفر الوالہ کے مصنف آصفی ان کی مہربانیوں کے بڑے معترف ہیں وہ لکھتے ہیں۔ کہ شیخ سیدی سعید مجھ پر بڑے مہربان تھے۔ اور میرے ساتھ ان کا سلوک بہت اچھا تھا۔ اس نے شیخ کی تعریف میں ایک عربی نظم لکھی ہے جس کے آخر میں مسجد کے بنا کی تاریخ نکالی ہے۔

وہ ظاہر و باطن ہر لحاظ سے بہترین آدمی تھے۔ بے حد مخیر فیاض اور بلند

اخلاق تھے۔ اور بڑے شان وشکوہ سے رہتے تھے۔ بیس سے زیادہ ان کے حبشی غلام تھے، ایک سو نوکر تھے، تیس گھوڑے، دس اونٹ، اور پچاس بیل تھے۔ جو بہل اور بار برداری کی گاڑیوں میں استعمال ہوتے۔ اپنے علاقہ کا اس قدر بہترین انتظام کیا کہ اس کی آمدنی دوگنی ہوگئی تھی۔ وہ ظاہر کے بھی امیر تھے اور اپنی نیکیوں سے باطن کے بھی۔

وہ اپنے ابنائے جنس یعنی حبشیوں کا خصوصیت کے ساتھ بڑا خیال رکھتے تھے۔ ان کا یہ غیر معمولی عروج دیکھ کر لوگوں کو حسد ہوگیا اور یہ دیکھ کر کہ جھوجھار خاں جیسا آدمی ان کا ادب کرتا ہے۔ وہ جل گئے۔ آخر میں جھوٹے بہتان لگاکر دونوں امیروں کو آپس میں لڑا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جھوجھار خان نے اپنے تمام گاؤں واپس لے لیئے اور اتنا شدید اس میں جذبۂ انتقام پیدا ہوا کہ قتل تک کی دھمکی دے دی۔

ان کا ستارہ پھر فوراً ہی اوج پر آگیا۔ کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ الغ خان نے ان کو اپنی وکالت میں لے لیا۔ اور جھوجھار خاں سے کہیں بہتر گاؤں ان کو بخش دیئے۔

ان کی منجملہ نیکیوں میں سے ایک نیکی یہ تھی کہ اپنے جہاز پر اپنے ساتھ ایک جماعت کو حج کرانے کے لیئے لے گئے۔ انہی کے ساتھ مدینہ منورہ کی بھی زیارت کی اور حرمین میں بہت سے کام انجام دیئے۔ اکبر بادشاہ نے احمدآباد فتح کیا تو اس کے تیسرے سال حکومت کی طرف سے امیر حج بناکر بھیجے گئے۔ حج سے واپس آئے تو ۳ رشوال ۹۸۴ھ مطابق ۴ ہر دسمبر ۱۵۷۶ء دوشنبہ کے دن احمدآباد میں ان کا انتقال ہوگیا۔ اور اسی مسجد میں جو آپ نے بنوائی تھی (جس کا ذکر آگے آرہا ہے) دفن کیا گیا۔

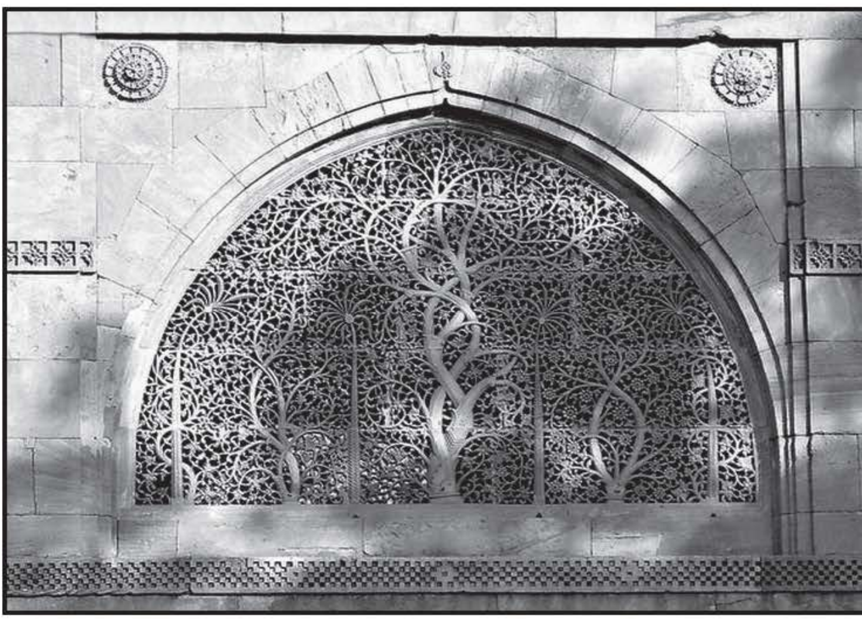
ان کا آخری نیک عمل یہی حج تھا۔

جالی والی مسجد

یہ مسجد بہت قدیم اینٹ کی بنی ہوئی سیدی سعید کے مکان سے متصل تھی۔ جس کو ایک مجذوب شیخ ابن نے بنوانا شروع کیا تھا کہ وفات پا گئے۔ اور اسی مسجد میں دفن کئے گئے۔ ان کے بعد شیخ سعید اس کے متولی ہوئے۔ اور انہوں نے بھی اس کی تعمیر جاری رکھی۔ ان کا جب انتقال ہوا تو وہ بھی اسی میں دفن کئے گئے۔ شیخ سعید نے اس کی بنیاد بہت مضبوط اور بلند کردی اسکی چھت قبہ نما بنوائی۔ پتھروں کی جالیاں خاص اہتمام سے بنوا کر اس میں لگوائیں۔ مسجد کو پہلے سے زیادہ نہ صرف وسیع کردیا بلکہ آس پاس کی تمام زمینیں بھی خرید کر مسجد میں شامل کردیں۔ صحن کے ساتھ ایک چبوترہ بھی بنوایا۔ اور اس کے داہنے طرف اپنے لئے پتھر کی قبر بنوائی وہ اس سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ پیام اجل آپہنچا اور مسجد نامکمل رہ گئی۔

مسجد کا جائے وقوع اور اس کا طول وعرض

قلعہ سے کچھ ہی فاصلہ پر لال دروازہ سے متصل یہ مسجد واقع ہے۔ یہ سیدی سعید کی مسجد کہلاتی ہے۔ عمارت کی حیثیت سے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے طول میں ۶۸ اور عرض میں ۲۷ فٹ ہے۔ پہلے زمانہ میں ہندوؤں کے مندر کی طرح آٹھ گوشے بنا کر ان پر گنبد بنانے کا رواج تھا۔ اس میں کمانوں کے اوپر گنبد بنا کر سائبان بنایا گیا ہے۔ ایک ایک ستون پر چار چار کمانیں رکھی ہیں۔ مینارے آٹھ گوشے اور سادے ہیں زینہ کی دیواروں پر نقش و نگار بنا ہوا ہے۔ ساری دنیا میں اس کی شہرت کا سبب اس کی حسین وجمیل جالیاں ہیں۔ جن کی کہیں مثال نہیں ہے۔ بعض



مشہور جالی مسجد سیدی سعید، لال دروازہ، احمد آباد

جالیوں پر درخت اور پتیوں کی تصویریں ہیں۔ جو بہت خوبصورت اور نادر نیز احمد آباد اور گجرات کے آثار قدیمہ کے لئے باعث زینت ہیں۔ یہ درخت اور پتیاں اس تناسب اور خوبی کے ساتھ نقش کی گئی ہیں کہ ایک چھوٹے سے باغ کا منظر بن گیا ہے۔ کھجور اور ناریل کے درختوں کی پتیاں اس نزاکت سے بنائی گئی ہیں کہ انسان انہیں دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔

اسکے متعلق غیر ملکیوں کی آراء

مسٹر ہوپ نے لکھا ہے کہ دنیائے مشرق میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ فرگوسن کا بیان ہے کہ دہلی اور آگرہ کہیں بھی ایسی جالیاں نظر نہیں آئیں۔۔ ازمنۂ وسطیٰ میں بھی یونان وغیرہ میں اسکی نظیر نہیں ملتی۔ زار روس اپنی شاہزادگی کے زمانے میں جب احمد آباد آیا تو اس نے ان جالیوں کو دیکھ کر کہا کہ ان میں مختلف درختوں اور ان کی پتیوں کو اس حسن و نزاکت کے ساتھ بنایا گیا ہے کہ ان کو دیکھ کر لوگ گرد آباد اور ریگستان کو بھول جاتے ہیں (جہانگیر نے احمد آباد کا نام گرد آباد رکھا تھا) حالانکہ اس وقت احمد آباد تقریبًا ویران ہو گیا تھا۔ اور اس کی ساری رونق ختم ہو گئی تھی۔ سر جان مارشل جیسا نکتہ چین بھی اقرار کرتا ہے کہ یہ مسجد اپنی خوبصورت جالیوں کی وجہ سے ساری دنیا میں مشہور ہے۔ خصوصًا اس کی دو جالیوں میں پھول، پھل، درخت اور بیل جیسا خوبصورت نقش و نگار کہیں دوسری جگہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ فرگوسن نے کہا کہ یہ مصنوعی نہیں بلکہ اصلی معلوم ہوتا ہے۔ ان کا بنانے والا اپنے فن کا ماہر بلکہ موجد تھا۔ اس نے اپنے دماغ اور فکر سے نئے نئے نقشے بنائے اور ان کو عمل میں لایا۔ اس نے پتھروں پر اس طرح کے نقش و نگار بنائے ہیں کہ گویا وہ پتھر پر نہیں کپڑے پر بنے ہیں۔ ان میں

زرگر، مصوّر، سنگتراش، معمار، نجار سب کی روحیں جمع ہوگئی ہیں۔ اسکا نمونہ پہلے لکڑی کے تختہ پر بنایا گیا، جس پر ایک ہزار خرچ ہوا۔ پھر اس نمونہ کو پتھر پر اتارا گیا۔ لندن اور نیویارک کے عجائب خانوں میں اس کی نقلیں موجود ہیں۔

اس زمانہ میں اس نقش ونگار کی نقل فرنیچر میں بھی کرنے لگے تھے۔ سچ یہ ہے کہ یہ نقش ونگار اس وقت کے باکمال کاریگروں کا ایک معجزہ۔

مرہٹوں کے زمانہ میں قلعہ بھدر کے قریب ہونے کی وجہ سے اگرچہ اس عمارت کو سخت نقصان پہنچا۔ مگر خوش قسمتی سے اصل مسجد بچ گئی۔ اور اس کو کوئی ضرر نہیں پہنچا۔

مسجد کی موجودہ حالت

مرہٹوں اور انگریزوں کے ابتدائی عہد میں اس مسجد کی حالت بہت خراب ہوگئی تھی اس میں چونا وغیرہ لگا کر بہت گندہ کردیا گیا تھا۔ انگریزوں نے اس میں ؛ معاملت دار کی عدالت ؛ قائم کردی۔ اور ایک سرکاری محکمہ کا دفتر بنادیا عرصہ تک وہ اسی حالت میں رہی اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ کہتے ہیں کہ جالی اکھاڑ کر لندن لے آئے جولارڈ کرزن کو آثار قدیمہ سے بڑی دلچسپی تھی۔ وہ جب وائسرائے مقرر ہوکر ہندوستان آیا تو اس نے ؛ آثار قدیمہ ؛ کے نام سے ایک مستقل محکمہ قائم کیا اور اس کے قانون کی رو سے مسجد عدالت اور دفتر سے خالی کرالی گئی اور اس کی حفاظت کا باقاعدہ انتظام کیا گیا۔

اس کے بعد محکمہ آثار قدیمہ کے تحت سنی وقف بورڈ نے اس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔ اس نے مسجد کے لئے امام، موذن وغیرہ مقرر کئے، وضو کے لئے پانی کا حوض اور روشنی کا انتظام کیا۔ اب یہ آباد ہوگئی ہے اور پانچوں وقت باجماعت نماز ہونے لگی ہے۔

اس کی آس پاس کی زمین جو گورنمنٹ نے لے لی تھی اگر وہ واپس مل جاتی تو اس کی آمدنی سے مسجد کی مرمت اور دوسری ضروریات پوری کی جاسکتیں۔

آصفی نے اس مسجد کی تاریخ کہی ہے جس کا آخری شعر یہ ہے۔

عمّر الجامع للہ عامر جاء سعید

صرف اللہ کے لئے اس نے مسجد بنائی۔ بنانے والا سعید آیا۔ ۱؎

سیّدی سعید کی مسجد پر آصفی کا قصیدہ

ازلفت جنّة عدن وعدا الاجر یزید
لسعید صدق اللہ للخیر یجید!
وبنی المسجد للہ ولہ منہ الوعود
فیہ ذکر وصلوۃ وخشوعٌ وھجود
تنزل الرحمة تغشی کل کہل و ولید
غفر اللہ لعبد ونعد الا وعید
حافظ الوقت لشکر فلت ما کنت ترید
والی الطاعة بادرٌ یتولاک حمید
فقد بدا التوفیق من ھو یبدئ و یعید
ان تجد کل اناس لبنا الخیر رشید
آصفی علم تنام من یرمہ فسدید
فلمن یسأل عنہ جاء بَیتٌ ومفید
عمر الجامع للہ عامر جاء سعید ۲؎

۱؎ ظفر الوالہ ۲۲، الفوائد البہیہ، النور السافر ص۳۲۰، گجرات کی تمدنی تاریخ ص۱۵۲ تا ۱۶۶۔ ۲؎ ظفر الوالہ بمظفر والہ ص۵۴۱ و ۶۴۰ تا ۶۴۳۔

شیخ علامہ جمال الدین محمد بن عبدالرحیم بن محمد عمودی

(م ١٢ رجب ٩٨٤ھ بمطابق ١٥٧٦ء)

شیخ علامہ جمال الدین محمد بن عبدالرحیم بن محمد عمودی ۔ آپ کے بارے میں عبدالقادر حضرمی النور السافر میں تحریر فرماتے ہیں کہ ان کے دادا محمد عمودی شیخ احمد عمودی کے بھائی تھے ۔ اور یہ دونوں شیخ کبیر علامہ شہیر فقیہ عثمان بن محمد عمودی کے فرزند تھے ۔ جن سے عبدالقادر حضرمی مستفیض ہوئے ۔

آپ کریم النفس با اخلاق، کثیر التواضع عوام کے مقبول و محبوب تھے ۔ ١٢ رجب شب شنبہ ٩٨٤ھ مطابق ١٥٧٦ء کو آپ نے رحلت فرمائی آپ کا مدفن احمد آباد ہے ۔ [1]

شیخ عمودی کا ذکر ظفر الوالہ میں ٩٧٥ھ کے واقعات میں زبردست خان رومی کے ذیل میں مصنف نے کیا ہے کہ آپ (زبردست خاں رومی) نے شہادت پائی ۔ آپ نہایت قوی و شجاع تھے ۔ آپ پر عفت و صلاح غالب تھی اور حق تعالیٰ شانہ، کی طرف سے فرائض و سنن کے علاوہ نفل عبادات کی بھی توفیق ملی تھی ۔ صالحین سے مجالست رکھتے، ان کی مجالس میں حاضری دیتے انکے نصائح کو سنتے خاص طور پر شیخ جمال الدین عمودی سے ان کا سب سے زیادہ تعلق تھا ۔ جب آپ کو گولی لگی تو اس وقت شیخ عمودی کی گود میں آپ نے روح مالک کے حوالے کی ۔ [2]

---

[1] نزہۃ الخواطر اردو صفحہ ٢١٥ ج ٤۵٩، عربی ج ۲ صفحہ ٤٦٣ ٣٠٢/٤ [2] ظفر الوالہ بمظفر والہ صفحہ ٥٢ ۔

میاں میانجی بن داؤد

(م ۹۸۵ھ بمطابق ۱۵۷۷ء)

آپ مصنف گلزار غوثی کے ماموں ہیں۔ آپکی زاد بوم منڈو ہے۔ آپ کے پدر بزرگوار سلطان ناصرالدین خلجی کے زمانہ میں نہر والہ (پٹن) سے منڈو آئے تھے۔ جب آپ کی عمر ۱۲ سال ہوئی تو باپ عالم دنیا سے کوچ کر گئے۔ آپ بہت سے مشائخ کے مقبول ہوئے۔ خاص کر کلاہ ارادت سید جلال ابن سید احمد جعفر سے حاصل تھی۔ جو سیّدی احمد کبیر رفاعی کی نسل سے ہیں۔ آپکی قبر احمدآباد میں ہے۔ اور خلعت خلافت شیخ صدر الدین ذاکر سے ملا تھا۔ جنکی خواب گاہ بڑودہ میں ہے۔ ہمیشہ تجارت کے ذریعہ سے قوت حاصل کیا کرتے تھے اور سرمایہ درویشوں کو تقسیم کرتے۔ اسّی سال کی عمر ہوئی منجملہ اس کے تیس سال سے زیادہ آپ کی نیم شبی نماز اور سحری نالہ میں فرو گذاشت نہیں ہوئی۔ ۹۸۵ھ میں عالم باقی کو کوچ کر گئے۔ آپ کے دو فرزند تھے تاج محمد اور شیخ حسین رحمہم اللہ۔ [1]

میاں عبدالصمد

م ۹۸۵ھ بمطابق ۱۵۷۷ء

میاں عبدالصمد، جو بڑے عالم و فاضل نہایت متواضع اور علماء اخیار میں سے تھے۔ ان کے متعلق یہ حکایت مشہور ہے کہ کسی کا نام اگر کسی پیغمبر کے

---

[1] گلزار ابرار ص ۳۴۴

ناموں میں سے ہوتا تو جب تک وہ با وضو نہیں ہوتے تھے تو اس نام کی تعظیم و تکریم اس درجہ کرتے تھے کہ اس نام کو اپنی زبان سے ادا نہیں کرتے تھے۔

صاحب النور السافر لکھتے ہیں کہ ابن الحاج نے اپنے المدخل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ایک روایت نقل کی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مامن اھل بیت فیہ اسم نبی الا بعث اللہ تبارک و تعالیٰ ملکاً یقدسھم بالغداۃ والعشی۔

کہ جس گھر میں انبیاء کے ناموں میں سے کوئی نام ہو تو اللہ تبارک و تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتے ہیں جو صبح و شام ان کی تقدیس کرتا ہے۔

۹۸۵ھ مطابق ۱۵۷۷ء میں آپ کا انتقال ہو۔ [1]

سیّد عطاء محمد

م ربیع الاول ۹۸۶ھ بمطابق ۱۵۷۸ء

آپ کا لقب علاء الدین ہے۔ صحیح النسب سادات اور سلسلۂ قادریہ کے عالی مرتبہ مشائخ میں سے ہیں۔ احمد آباد گجرات میں ریاضت اور عبادت کے لئے ایک حجرہ تجویز کر لیا تھا۔ ۹۴۲ھ میں ہمایوں نے جب صوبہ گجرات فتح کیا تو سلطان بہادر ابن مظفر شکست کھا کر جزائر کے سواحل کی طرف چلے گئے۔ اس وقت سیّد عطار نے بھی بہادر شاہ کے لشکر کے ہمراہ ہجرت کی۔ کرشمۂ قدرت سے دریا کے ساحل پر اسیر فرنگ ہو گئے اور جب وہاں سے رہائی ملی تو حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً، کا سفر فرمایا۔ پھر وہاں سے تھوڑی مدت میں تشریف لے آئے۔ آپ کے حالات بہت عمدہ تھے اس طرح

---

[1] النور السافر صـ ۳۲۳۔

کہ ایام سال کا اکثر حصہ روزہ میں گذرتا تھا، روزہ میں افطار کا سبب ضیافت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ آپ کی رات کا کھانا صرف ایک پیالہ شوربائے باقلا، اور ایک پیالہ دودھ ملا ہوا قہوہ تھا۔ دونوں پیالوں کا وزن پانچ، چھ چمچہ سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ چشتیہ، سہروردیہ، مغربیہ اور شطاریہ خانوادہ سے بھی اجازت، خلافت اور ارشاد کا خرقہ ملا تھا۔

عربی شعر شیخ ابن فارض مصری کی روش پر کہا کرتے تھے۔ "اعجوبۃ الزماں" اور "نادرۃ الدوران" یہ دو دیوان آپ کے ارباب سخن میں مشہور ہیں۔ ربیع الاوّل ۹۸۲ھ میں احمدآباد میں راہی عقبیٰ ہوئے اور آپ کی قبر اسی خانقاہ میں بنائی گئی جس میں رہتے تھے۔ پانچ بیٹے اور تین خلیفہ چھوڑے۔ سب صلحاء میں سے تھے اولین فرزند سجادہ نشین تھے۔ سید عبدالرزاق نام اور ابوبکر کنیت تھی۔ دوسرے فرزند "سید نصیر" نام اور "ابوصالح" کنیت تھی۔ تیسرے فرزند "سید محمد" چوتھے فرزند "سید علی" اور پانچویں سید احمد تھے۔

اوّلین خلیفہ شیخ بہاء الدین دوسرے خلیفہ شیخ محمد اور تیسرے خلیفہ شیخ ابراہیم تھے۔ یہ تمام اولاد اور خلفاء ظاہری اور باطنی کمالات، دینی و دنیاوی سعادت اور علمی و عملی شرف سے آراستہ و پیراستہ تھے اور زمانہ کے مشائخ اور اولیاء کے حلقہ میں کامل طور پر امتیاز رکھتے تھے۔ [۱]

مولانا قاسم کاہی

م ۱۵۸۰ء بمطابق ۹۸۸ھ

سید نجم الدین نام اور کاہی تخلص تھا۔ ان کے آباء و اجداد اصفہان میں آباد تھے۔

---

[۱] گلزار ابرار ص۴۹۳ ص۵۰۵، نزہۃ الخواطر ج۴ ص۳۵۹۔

جب تیمور نے اصفہان پر حملہ کیا تو وہ اس کے لشکر میں جا ملے۔ پھر اس کے ہمراہ سمرقند میں جاکر آباد ہو گئے وہاں سے "سعد" کی ایک بستی کوفن میں منتقل ہوئے کاہی اسی جگہ ۱۴۶۲ء/۸۶۸ھ میں پیدا ہوئے۔

پندرہ سال کی عمر میں ہرات گئے اور مولانا جامی رح کے درس میں شریک ہوئے سات سال تک ان سے مستفید ہوتے رہے۔ علوم عقلی ونقلی کی متداول کتابیں پڑھیں اور تزکیۂ باطن سے بھی بہرہ ور ہوئے ۱۴۸۲ء/۸۹۰ھ میں کابل آ گئے اور ایک عرصہ تک وہاں مقیم رہے، وہیں مولانا ولد مجذوب سے تصوف وعرفان کی تربیت حاصل کی۔ کاہی دو مرتبہ ہند آئے۔ پہلی مرتبہ ۱۵۲۸ء سے ۱۵۴۹ء تک بھکر میں ہاشمی کرمانی کے ہاں قیام کیا۔ اوران سے کسب فیض بھی کیا۔ اسی بار ۱۵۳۴ء سے ۱۵۴۹ء کے درمیان وہ سومنات اور گجرات میں مقیم رہے۔ سلاطین گجرات بہادرشاہ (۱۵۲۶ء تا ۱۵۳۶ء) اور محمود شاہ ثالث (۱۵۳۷ء تا ۱۵۵۳ء) نے انکی قدرومنزلت کی۔ دوسری مرتبہ وہ ۱۵۵۳ء میں اس سرزمین میں آئے۔ دہلی میں ہمایوں بادشاہ نے واپسی پر انہیں عالی رتبہ دے کر نوازا اور وہ خواص وعام میں مقبول ہوئے۔

۱۵۶۱ھ میں وہ دربار اکبری سے وابستہ ہو گئے۔ اکبر اپنے آپ کو ان کا مرید کہتا تھا۔ کچھ عرصہ کے لئے وہ بنارس اور جونپور میں بھی مقیم رہے پھر سیر وسیاحت کے لئے پشاور گئے، ۱۵۶۴ء وہ قریہ ٹونک میں تھے جہاں انہوں نے نثر میں تین رسالے لکھے۔ زندگی کے آخری دن آگرہ میں گذار کر ۱۵۸۰ء/۹۸۸ھ میں وفات پا گئے۔

تصانیف: (۱) دیوان۔ (۲) قصیدہ نغز درباب اطرلاب بمدح ہمایوں بادشاہ (۳) مثنوی گل افشاں، بوستان سعدی کے جواب میں۔ (۴) کتاب درعلم موسیقی

(۵) رسالہ معّامنظوم جس میں ۲۳۰ معمّے شامل ہیں۔ (۶) علم عروض، معانی و بیان اور نقد الشعر و قرض الشعر کے متعلق ۳ رسالے نثر میں موجود ہیں۔ عبدالقادر بدایونی، قاسم کاہی کے عیوب خوب بیان کرتے ہیں۔ مگر ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ " وہ علم تفسیر، ہیئت، کلام اور تصوف میں مہارت رکھتے تھے۔ تصوف، معما، تاریخ اور حسنِ ادا میں اہلِ زمانہ کے مطابق تھے "

قاسم کاہی مروّت و سخاوت میں بے مثل تھے۔ بذلِ مال کے متعلق ان کی یہ رباعی مشہور ہے۔ ؎

ای آنکہ بخل کیسہ را بند کنی		خود را بوجود مال خورسند کنی
این مال خداست صرف کن درراہ او		امساک بمال دیگری چند کنی

استغنار:- ایک مرتبہ جلال الدین اکبر بادشاہ کی مدح میں ایسا قصیدہ لکھا جس کے ہر شعر میں فیل اور اس کے لوازم کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس کا مطلع یہ ہے ؎

تا بہ فیلاں میل دیدم دلستانِ خویش را		صرف راہِ فیل کردم نقدِ جانِ خویش را

بادشاہ نے دوسو تومان (دس ہزار روپے) انعام دئے۔ قاسم نے ایک ہفتہ میں تمام رقم فقرار و مستحقین میں تقسیم کر دی۔

اکبر بادشاہ کو ان کی صحبت اتنی مرغوب تھی کہ اس نے حکم دیا کہ جب سید کاہی دربار میں آئیں تو ان کو بیس تومان (ایک ہزار روپیہ) دئے جائیں۔ یہ سن کر وہ بے نیازی سے مسکرا دئے اور کہا، بادشاہ کو فقیر کی حاضری اور ملاقات کی خواہش نہیں اسلئے اس نے اجرت مقرر کر دی ہے اور انعام واکرام سے پشت کو گراں بار کردیا ہے[1]

---

[1] تاریخ ادبیات ج ۴ صفحہ ۲ ۲۷۵ صفحہ ۲۷۶۔

شیخ عبد المعطی مکی ثم احمد آبادی

(م منگل ۲۷ ذی الحجہ ۹۸۹ھ بمطابق ۱۵۸۱ء)

شیخ عبد المعطی بن شیخ حسن بن شیخ عبد اللہ باکثیر مکی حضرمی احمد آبادی عالم کبیر اور محدث جلیل تھے ۹۰۵ھ میں مکہ مکرمہ میں ولادت ہوئی۔ وہیں تربیت و تعلیم پائی اور معقولات و منقولات پر عبور حاصل کیا۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام زکریا انصاری بھی تھے عربی میں بہت عمدہ اشعار کہتے تھے۔

آپ نے اپنے کسی استاذ سے کتاب الشفاء کی قرأت ایک ہی مجلس میں یعنی فجر سے ظہر تک کی تھی۔ [۱]

بخاری شریف کی سماعت شیخ زکریا انصاری سے کی تھی۔ شیخ زکریا اپنے استاذ حافظ ابن حجر عسقلانی سے روایت کرتے تھے۔ لہذا آپ کی سند عالی تھی اسی بنیاد پر علماء کا آپ کے پاس حدیث سننے کے لئے بڑا اژدہام رہتا تھا۔ نیز آپ نے اسماء رجال الصحیح البخاری پر کتاب تصنیف فرمائی۔ جس میں امام بخاری سے لیکر صحابی تک ہر راوی پر کلام کیا ہے۔ لیکن یہ کتاب تکمیل کو نہ پہونچ سکی۔ [۲]

آپ کے اشعار میں سے چند کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے ؎

یارب یامن علیہ مستندی	ومن علی فضلہ العمیم معتمدی
خذ بیدی قبل ان اقول لمن	القاہ عند القیام خذ بیدی
فامنن الٰہی فی سمعی وفی بصری	بصحۃ دائماً وفی جسدی
ومابقی لی من الحیاۃ یکن	فی دعۃ سیدی وفی رغد

آپ نے اپنے بعض اشعار میں اس حدیث کی ترجمانی کی ہے جس میں ارکان اسلام

---

[۱] النور السافر۔ [۲] ایضاً ص ۳۲۵۔

کا ذکر ہے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

هنيئاً لمن صحّ اسلامه — ونال من الدين الوفي نصيب
اقام الصلوٰة وآتى الزكوٰة — وصام وحج وزار الحبيب

آپ کے مندرجہ ذیل اشعار کے بارے میں آپ نے فرمایا کشادگی کے لیے بڑا مجرب ہے ۔ ؎

يا مالك الملك يا فتاح يا رزاق — يا من تكفل لكل الخلق بالأرزاق
فرّج علينا الهي كل امر ضاق — وامنن برزق وسيع فائض دفاق

چنگیز خاں کے احمد آباد پر قبضہ کی تاریخ ان اشعار میں بیان فرمائی ہے ۔ ؎

لاتعجبوا لنصر جنكيز — خان في عزته
نصر من الله له — والسّعد في عزته
وقد اتى تاريخه — النصر في طلعته

شعر گوئی پر اس قدر عبور تھا کہ مصنف "النور السافر" کے والد محترم کی شان میں جو قصائد کہے وہ دس سے زائد کاپیوں میں لکھے ہوئے تھے ۔ ہندوستان آکر آپ نے دہلی میں قیام فرمایا ۔ پھر دہلی سے احمد آباد آگئے اور وہاں درس وتدریس میں مشغول رہے بروز منگل ۲۷ ذی الحجہ ۹۸۹ھ میں آپکا انتقال ہوا ۔ احمد آباد ہی میں مدفون ہیں [1]

شیخ عبد القادر حضرمی نے النور السافر میں متعدد مقامات پر آپ کا ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ شیخ عبد المعطی ۹۸۹ھ ۲۷ ذی الحجہ کو بدھ کی شب میں احمد آباد میں انتقال کر گئے ۔ آپکی ولادت ۹۰۵ھ رجب میں ہوئی تھی ۔

---

[1] تذکرہ قادریان ہند ۔ نزہتہ الخواطر اردو ۳۴ ص ۲۲۶ ۔
[2] نزہتہ الخواطر ۲۴۴ ص ۲۱۵ جلد ۴ گلزار ابرار ۔

آپ بڑے اونچے ادبار، فضلاء اور شعراء میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کی ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی وہیں نشو ونما پائی، علماء افاضل کی ایک جماعت سے علم حاصل کیا معقولات ومنقولات کی ان سے تعلیم لی اور متعدد فنون ان سے حاصل کئے۔ اخیر میں ہندوستان آکر یہاں مقیم ہو گئے۔

آپ کے بیانات بڑے پر لطف ہوتے تھے۔ صلاح وتقویٰ اور عفاف کے دامن کو آپ نے کبھی نہیں چھوڑا، اسی پر انتقال تک گامزن رہے۔ آپ نے بعض مشائخ سے ایک ہی مجلس میں صبح سے لے کر ظہر تک کتاب الشفاء کی تلاوت کی تھی۔

آپ کے مشائخ میں شیخ الاسلام زکریا انصاری بھی ہیں اس لئے کہ آپ نے ان سے صحیح بخاری کی سماعت کی تھی، جبکہ آپ کے والد قرأت کر رہے تھے۔ اور شیخ زکریا انصاری حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد ہیں اسی لئے اپنے زمانے میں سند عالی میں آپ مشہور تھے اور اپنے اقران اور ہم زبان علماء میں اس چیز میں ممتاز تھے اسی لئے طلبار کا آپ پر حدیث کی اجازت لینے کے لئے ازدحام رہتا۔

مصنفُ النور السافر، شیخ عبد القادر فرماتے ہیں کہ میں نے بچپنے میں متعدد مجالس میں آپ سے صحیح بخاری کی سماعت کی ہے اور مجھے اپنے اپنے مبارک الفاظ سے اس کی اجازت بھی دی ہے۔ میرے والد محترم نے ان سے اس کی درخواست کی کہ اشعار میں بھی آپ بیان کر دیں۔

شیخ عبد المعطی کی تصانیف میں اسماء رجالِ البخاری قابل ذکر ہے کہ جس میں امام بخاری سے لے کر راوی حدیث صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام کے حالات آپ بیان کرتے ہیں اگرچہ یہ کتاب پوری نہ ہو سکی نصف حصہ

مکمل ہوا۔ اگر یہ پوری ہوجاتی تو اس باب میں شاندار کتاب ہوتی۔
آپ کے اشعار کا کچھ نمونہ یہ ہے۔

ضاق ذرعی مما أُلاقی یا الھی	والیك الشکوی من اللأْءِ
یا علیما بما یجن فوادی	یا رجائی فی شدتی و رخاءِ
یا بدیع السماء یا مالك الملك	و یا ذا الجلال و الالاءِ
یا لطیفاً بخلقه و رحیما	بالبرایا یا سابغ النعماءِ
لك ملك السماء و الارض و	الخلق و لك الامر یا سمیع الدعاءْ
فأقل عثرتی الھی و یسر	کل عسر یا ارحم الرحماءِ
و اننی ما ارتجیه و وسع	لی رزقی براحة و ھناءِ

کئی مناسبات پر آپ کے اشعار ملتے ہیں۔ اسلام کے قواعد خمسہ کو آپ نے نظم میں بیان کیا ہے۔ اسی طرح بارہ اماموں کو آپ نے نظم میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح رمضان المبارک، شمع، قہوے اور چنگیز خان کی احمد آباد کے بارے میں آپ کے اشعار ہیں۔ [1]

شیخ عبد المعطی باکثیر مکی سورت میں

اسی سال ۹۶۳ھ میں شیخ ابو السعادات احمد آباد سے سورت آئے۔ پھر چار مہینے بعد شیخ عبد المعطی بن حسن باکثیر مکی اور خطیب ابو السعادات ابن زہیرہ اور عبداللہؒ عراقی تینوں مشائخ احمد آباد سے اپنے گھر والوں کو لے کر سورت آگئے اور وہیں پر سکونت پذیر ہوئے۔ [2]

ختم بخاری کی تقریب پر شیخ عبد المعطی کا قصیدہ

۹۸۵ھ بمطابق ۱۵۷۷ء میں مصنف النور السافر کے والد کے یہاں بخاری شریف کا ختم ہوا۔ اس موقع پر شیخ عبد المعطی اباکثیر نے ایک قصیدہ کہا۔ [3]

---

[1] النور السافر صفحہ ۲۷۵۔ [2] ایضاً صفحہ ۲۲۳۔

حدیثٌ غوالی مسند ومسلسلٌ　　ومطلق دمعی فوق خدی مرسل
فیا شیخ یا ابن العیدروس ومن له　　علی هامة الجوزاء مقام ومنزل
سمعت احادیث البخاری مسند　　بمجلسك العالی وانت المبجّل
نهنیٔ بختم شریهنا لك مبدأ　　کما دنك الحسنیٰ تحل وترحل
صحیح البخاری والشفاء کلاهما　　لدیو الهدی أمن واصل ومعقل له

شیخ عبدالمعطی اباکثیر
ختم احیاء العلوم اور مکان کی تعمیر پر قصیدہ

شیخ عبدالمعطی اباکثیر نے یہ اشعار اس وقت کہے جبکہ مصنف "النور السافر" کے والد نے احمد آباد میں مکان تعمیر کیا۔ جس کی تاریخ "بیت السعادة" کے حروف سے نکلتی ہے وہ اشعار یہ ہیں۔

انشأه مولانا الشریف بقصره　　العالی المنیف فشا دمن برکاته
شمس الشموس العیدروس المجتبیٰ　　شیخ ابن عبدالله شهم حباته
ومن السعادة قد أتی تاریخه　　بیت السعادة فهو من ایاته

اسی طرح مصنف کے والد کی حیات میں احیاء العلوم کے ختم پر شیخ عبدالمعطی اباکثیر نے یہ قصیدہ کہا۔

یا خادم العلم الشریف بقلبه　　ولسانه وبسائر الارکان
اکملت احیاء العلوم قرأة　　بالبحث والتصحیح والاتقان ۲ه

شیخ عبدالمعطی کے سورت کی جامع مسجد پر اشعار

صاحب "النور السافر" لکھتے ہیں کہ ۹۷۱ھ مطابق ۱۵۶۳ء میں میرے والد نے سورت میں مسجد تعمیر کی۔ شیخ عبدالمعطی بن حسن اباکثیر مکی نے اس پر تاریخی اشعار کہے

هذه بقعةٌ شرفت فی الازل　　قد حوت قبة نزهت عن مثل

سلہ النور السافر صلا۳۲۱ سلہ ایضاً صلا۳۱۳ سلہ ایضاً صلا۳۴۹ ۔

شیخ بن عبداللہ بن شیخ بن شیخ عبداللہ العیدروس

(م ۲۵ رمضان ۹۹۰ھ)

آپ نے ۹۹۰ھ ۲۵ رمضان المبارک شب شنبہ میں احمد آباد میں وفات پائی اور اپنے گھر کے صحن میں دفن کئے گئے۔ آپ کی تاریخ وفات بہت سی کہی گئیں ان میں سب سے بہترین فقیہ عبداللہ ابن احمد بن فلاح الحضرمی نے اس نظم میں بیان کی ہے۔

ارخت نقلة سیدی شمس الشموس العیدروس

فانظر تجد تاریخہ "القطب هو شمس الشموس"

اس میں "القطب ھو شمس الشموس" سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ اور فضلاء نے بھی بہت سے مراثی کہے یہ اتفاق پیش آیا کہ اپنی وفات سے تقریباً دو مہینے پہلے آپ نے امام نووی کے مناقب میں ایک رسالہ منگوایا اور اپنے سامنے اس کے مقابلے کا حکم دیا۔

مؤلف نے اس میں امام نووی کے بارے میں جو مراثی ذکر کئے گئے تھے۔ ان کو اس میں ذکر کیا تھا۔ سن کر شیخ عیدروس کہنے لگے کہ جب مراثی پڑھے جاتے ہیں تو کوئی ضرور مرتا ہے۔ اتفاقاً دو ماہ بعد آپ ہی کی وفات واقع ہوئی۔

آپ کی ولادت تریم میں ۹۱۹ھ میں ہوئی تھی ۔

آپ ہندوستان میں ۳۲ سال مقیم رہے ۔ اس لئے کہ ۹۵۸ھ میں ہندوستان پہنچے تھے ۔ آپ اسماً بھی شیخ تھے کہ آپ کا نام شیخ تھا ۔ اور اسی لئے بعض صلحاء آپ کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ نام آپ پر برابر صادق آتا تھا کہ چار طرف سے آپ شیخ تھے ۔ ایک یہ کہ آپ کا نام شیخ رکھا گیا دوسرے سنِ شیخوخت کو بھی آپ پہنچے ۔ تیسرے اہل تصوف کے آپ شیخ بنے ، چوتھے طلبہ علم کے آپ شیخ بنے ۔ شیخ عبداللطیف وبیر آپ کے بارے میں کہتے ہیں ۔

شَیخٌ تَقَدَّمَ فِی السُّلُوْکِ لِاَنَّہٗ   اِنْ عَدَّ اَرْبَابُ الْکَرَامَۃِ اَوَّلٌ

آپ کے والد حضرت شیخ ابوبکر بن عبداللہ العیدروس کی خدمت میں حاضر تھے تو انہوں نے آپ کے والد سے فرمایا تَمَنَّ یَا عَبْدَ اللہِ ، کچھ مانگئے ! تو آپ نے فرمایا کہ نیک صالح اولاد کے لئے دعا ر چاہتا ہوں ۔ تو آپ نے بشارت دی اور آئندہ ہونے والی اولاد ناموں کے ساتھ گنوا دی ۔

آپ کے متعلق شیخ ابوبکر بن سالم اباعلوی کہا کرتے تھے کہ آلِ اباعلوی میں اول سے اخیر تک آپ جیسا اس خاندان میں کوئی نہیں آیا ۔ آپ مجاہدے کی حد تک عبادت کرتے یہاں تک کہ رمضان المبارک میں رات کو چار عمرے اور دن میں چار عمرے ادا فرماتے ۔ جس کو شیخ عبدالمعطی بن حسن اباکثیر نے ایک قصیدے میں بھی ذکر کیا ہے ۔

قد عشت فی ام القری دھراً علی   تحصیل علم شو درس قرآن

وعبادۃ وزھادۃ فی خلوۃ   مستترا عن سائر الاخوان

آپ کے مشائخ میں شیخ شہاب الدین ابن حجر ہیثمی اور علامہ عبداللہ بن

احمد اباقشیر حضرمی وغیرہ ہیں۔ اور آپ نے علامہ دیبع سے زبید میں ملاقات کی ہے۔

آپ کی تصانیف یہ ہیں ؛ العقد النبوی والسر المصطفوی ؛ ؛ الفوز والبشری ؛ آپ کا قصیدہ ہے ؛ تحفۃ المرید ؛ اس کی آپ نے دو شرحیں کیں ایک بڑی شرح اور ایک چھوٹی۔ بڑی کا نام ؛ حقائق التوحید ؛ اور چھوٹی کا نام اسرار التوحید ؛ اسی طرح آپ کا ایک رسالہ ؛ معراج ؛ میں اور ایک عدل کے بارے میں ہے نیز آپ نے اوراد میں ایک کتاب لکھی جس کا نام ؛ الحزب النفیس ؛ ہے اور ؛ نفحات الحکم علی لامیۃ العجم ؛ یہ تصوف کے بارے میں ہے مگر وہ مکمل نہ ہو سکی۔ اسی طرح آپ کے اشعار کا دیوان ہے جس کے یہ شعر ہیں۔

یا قارئ الخط ادعوا اللّٰہ یغفرلی　　　ذنبی وانّی وعصیانی کذا زللی

آپ کے مناقب وکرامات کو علامہ حمید بن عبد اللہ سندھی نے مستقل رسالے میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح علامہ شہاب الدین احمد بن علی عسکری مکی نے اپنی کتاب ؛ نزھۃ الاخوان والنفوس فی مناقب شیخ بن عبد اللہ العیدروس ؛ میں ذکر کیا ہے اس میں سے کچھ حصہ شیخ عبد القادر نے اپنی کتاب ؛ الفتوحات القدسیہ فی الخرقۃ العیدروسیۃ ؛ میں بھی ذکر کیا ہے۔ [1]

مقالاتِ عرشی میں لکھا ہے کہ

شریف شیخ بن عبد اللہ عیدروس حسینی یمنی

آپ کو ابن حجر ہیثمی، عبد اللہ بن احمد فاکہی، عبد الرحمٰن بن دیبع وغیرہ سے تلمذ تھا۔ آپ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف اور حساب میں بے بدل شمار ہوتے

[1] النور السافر ص۳۲۲ تا ۳۲۸۔

تھے ۔ ۹۰۸ھ بمطابق ۱۵۰۲-۳ء میں اپنے وطن سے ہجرت کرکے احمدآباد میں مقیم ہوئے ۔ یہیں ۳۲ رسال خدمت علم کرکے ۲۵ ررمضان ۹۹۰ھ بمطابق ۱۵۸۲ء کو انتقال فرمایا ؛ شیخ الاولیاء ، مادہ تاریخ ہے ۔ انہوں نے ۹۸۵ھ میں بخاری شریف کا درس تمام کیا تو شیخ عبدالمعطی نے اس تقریب میں ایک قصیدہ کہا جسے صاحبِ النور السافر نے نقل کیا ہے ۔ [۱]

مرأۃ احمدی کے خاتمہ میں آپ کے متعلق لکھا ہے کہ ؛ سادات عیدروسیہ میں سے سید شریف شیخ ہیں ان کا مزار احمدآباد جوہری واڑہ میں واقع ہے ۔ آپ انتہائی درجہ کے متواضع تھے ۔ فرمایا کرتے تھے اگر کوئی شخص میرے پیر کو بوسہ دیتا ہے تو گویا کہ میری آنکھ میں کسی نے تیر مارا ہو ، اتنی مجھے تکلیف ہوتی ہے ۔ اور اگر کوئی میری دست بوسی کرتا ہے تو گویا میرے منہ پر اس نے طمانچہ مارا ۔ آپ کی وفات ۵ ررمضان المبارک کو ۔۔۔ ہوئی ۔ آپ کی تصانیف میں سے ؛ العقد النبوی ، اس علاقہ میں مشہور ہے ۔ آپ کے صاحبزادے سید عبداللہ بھروچ میں اور آپ کے پوتے سید محمد عیدروس سورت میں مدفون ہیں ۔ [۲]

ظفرالوالہ میں اتنی بات ملتی ہے کہ ؛ مولانا ابوعبداللہ شیخ عیدروس نے اپنا قاصد چنگیز خان کے پاس بھیجا ۔ چنگیز خان نے اسے مرحبا کہا اور پوچھا کہ مولانا کیسے ہیں ؟ قاصد نے کہا کہ ؛ وہ آپ کے متعلق پوچھتے ہیں اور آپ کے ساتھ ہیں یعنی انکی حمایت آپکے ساتھ ہے اور وہ یوں کہتے ہیں ؛ البلد عروس علی زفاف لاتنکح الا بصداق وایجاب وقبول ومن طلب الحسناء لم یغلھا المہر ، کہ آپ شہر پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں ایجاب وقبول اور مہر وغیرہ جب تک نہ ہو وہاں تک

---

[۱] مقالات عرشی ص۵۳ [۲] خاتمہ مرأۃ احمدی ص۶۵ ۔

تو عروس پر قبضہ نہیں ہو سکتا۔ چنگیز خان نے پوچھا مہر کتنا، تو قاصد نے کہا کہ ایک ہزار اشرفی معجل اور اتنی ہی جائیداد ادھار چنگیز خان نے کہا: قبلت؛ ؎

شیخ شمس الدین شیرازی

م ۹۹۰ھ مطابق ۱۵۸۲ء

آپ کا لقب اور تخلص زندہ دل تھا۔ آپکی قبر بیجاپور دکن میں ہے۔ چودہ سال کی عمر تھی کہ آپ نے علوم متداولہ حاصل کرکے تفسیر بیضاوی شریف پر حاشیہ لکھا تھا۔ فرماں روایان پارس کی نسل سے ہیں۔ جب سلطنت بنی اعمام (چچا زاد بھائیوں) کے ہاتھ میں پہنچی تو آپ کے ساتھ بد اخلاقی کا برتاؤ ہوا۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے فرزند کی سلامتی کے واسطے یہ رائے قائم کی کہ تم کو اس ملک سے سفر کر جانے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ جب حکومت ہی نہیں رہی تو دوسرے پیشوں سے تو درویشی اچھی ہے۔ آپ نے ماں کا فرمانا قبول کیا۔ مادر مہربان نے وقت روانگی دو نصیحتیں فرمائیں (۱) اول یہ کہ اپنے دست بیعت سے ایسے بزرگ کا دامن پکڑنا جو زمانہ کا قطب اور غوث ہو (۲) دوسرا یہ کہ جب تک زندہ رہو۔ اس ملک میں واپس آنے کی خواہش نہ کرنا۔ آپ نے والدہ کی رائے کے مطابق قلندری لباس پہن کر عراق عرب کے راستہ سے ہر ایک شہر کی زیارت کی اس سیر وسیاحت کے سلسلے میں جہاں کہیں پہنچے پیر کی تلاش نہیں چھوڑی۔ یہاں سے آپ جزیرہ دیو۔ گجرات آئے وہاں پر ایک درویش صاحب سے ملاقات ہوئی جن کی زیارت سے کشش محسوس فرمائی۔ آپ چند روز ان کی صحبت میں رہے اس اثنا میں خبر ملی کہ شیخ

؎ ظفر الوالہ بمظفر وآلہ ص ۴۹۹ ۔

محمد غوث قدس سرہٗ جوان درویش صاحب کے پیر ہیں گوالیار کی طرف سے ہجرت فرما کر احمدآباد آئے ۔ آپ نے یہ الہامی پیام سنکر احمدآباد کا راستہ طے کیا اور خانقاہ کا پتہ لگا کر حاضر دربار ہوئے ۔ ایک اخروٹ ہاتھ میں لے کر قلندرانہ سامنے گئے عقل اور خواہش تام وکمال ایک ہی دیدار کے نذر ہو گئی ۔ خیالات اور سوالات جو ضمیر میں بھر رہے تھے سب فراموش ہو گئے ۔ اس عالم بیہوشی میں قطب الاقطاب نے آپکا ہاتھ مع اخروٹ کے پکڑ لیا اور فرمایا تم میرے مرید ہوئے آپ نے جواب دیا ۔ ہاں ۔ بالآخر چند سالہ خدمت اور ریاضت کی بدولت اپنے اخلاق اور اوصاف کی تہذیب و تبدیل کرکے دو جہاں کی دولت پائی باشندگانِ صوبہ دکن کی رہنمائی کی اجازت ملی ۔ آپ فرمایا کرتے تھے ، جب میں مالوہ سے چلا تھا تو کئی سیر گیہوں زنبیل میں رہ گئے تھے ۔ جب بیجاپور میں پہنچا تو آبادی سے پانچ کوس دور ایک ہوادار ٹیلہ تھا وہاں پر رہنے کا ٹھکانہ کر لیا اور وہ باقی ماندہ گیہوں بلندی کے دامن میں بکھیر دیئے تھے ۔ ہر سال اُگ آتے تھے ۔ میں بقدر صرفہ اٹھا لیا کرتا تھا اور باقی ماندہ زمین پر گر پڑتے تھے ۔ پھر فصل پر اُگ آتے تھے ۔ اسی طرح ھَلُمَّ جَرًّا ۔ جب گذر اوقات کے لائق قوت اس طور پر مقرر ہو گئی تو میں کسی سے کچھ نہ لیتا تھا اور باوجودیکہ تمام مشہور خانوادوں میں مجھ کو اجازت تھی ۔ لیکن جب تک پیر کا انتقال نہیں ہوا کبھی مرید کرنے کا خیال بھی نہیں ہوا ۔ بعد میں شیخ عبدالغفور نام کے ایک جوان صاحب استعداد تھے ان کو اپنی خدمت میں قبول کیا ۔ اور نیز ان کی تربیت میں ہمت بھی کام میں لائے ۔ شیخ عبدالغفور کو اپنے مکان میں چھوڑ کر ایک سال آپ اپنے پیر کے روضہ کی زیارت کو گوالیار جایا کرتے تھے اور جانے میں اور آنے میں دونوں دفعہ منڈو (مانڈو) پر سے گذرا کرتے تھے اور صاحب گلزار ابرار غوثی منڈوی کے محلہ میں اترا کرتے تھے ۔ صاحب گلزار ابرار علم تکسیر اور جفر جامع میں آپ کے شاگرد ہیں ۹۸۷ھ کے بعد یہ سفر گوالیار کبھی

موقوف کردیا اور اپنے مکان میں مشغول بحق رہے۔ یہاں تک کہ پھر ۹۹۰ھ میں اخروی سفر پیش آگیا، اور شیخ عبدالغفور تکیہ و خانقاہ میں جانشین رہے۔ [۱]

نزہۃ الخواطر وغیرہ میں آپ کے متعلق مزید لکھا ہے کہ الشیخ فاضل مولانا شمس الدین محمد شیرازی مشہور بہ زیرک۔

آپ کا وطن شیراز ہے۔ سلطان محمود شاہ گجراتی کے زمانہ میں اپنے وطن کو ترک کر کے صوبہ گجرات میں تشریف لائے اور احمدآباد میں سکونت اختیار فرمائی آپ کے التفات سے سلطان محمود نے خوب فائدہ حاصل کیا۔ آپ نے سلطان ممدوح کے لئے مآثر محمود شاہی تصنیف فرمائی [۲]۔

نواب میر معصوم بھکری

م ۱۰۱۹ھ بمطابق ۱۶۰۶ء

محمد معصوم بن سید صفائی حسینی ترمذی قندھاری ثم السندھی البھکری۔

عہد اکبری کا یہ نامور طبیب، مؤرخ اور سپہ سالار ۸ رمضان ۹۴۴ھ کو بمقام بھکر (سکھر) پیدا ہوا۔ اس کے اجداد سادات ترمذ سے تھے۔ ماں کی طرف سے سلسلہ شیر قلندر سے ملتا ہے۔ جو ایک مشہور بزرگ حسن ابدال سبزواری کے پوتے تھے، چنانچہ میر کے اسلاف مقبرہ بابا شیر قلندر کے متولی تھے۔ والد کا نام سید صفائی الحسینی تھا۔ اسی مناسبت سے میر کو سید صفائی کہتے تھے، اجداد نے دو تین پشتوں سے قندھار کو وطن بنا لیا تھا۔ مگر میر سید صفائی بھکر آکر آباد ہو گئے تھے، سلطان محمد حاکم بھکر آپکی بہت عزت کرتے تھے۔ سید صفائی سلطان محمود حاکم بھکر (۹۵۲ھ۔ ۹۸۲ھ) کے عہد حکومت میں

---

[۱] گلزار ابرار صفحہ ۳۵۴، صفحہ ۳۵۵، [۲] ایضاً صفحہ ۲۲۴؛ نزہۃ الخواطر اردو صفحہ ۳۴۶، ۴۹۱۔

دہلی سے سندھ آئے تھے چونکہ یہ دینی علوم میں بڑی زبردست قابلیت رکھتے تھے اس لئے سلطان انکی بہت توقیر کرتے تھے، شاہ قطب الدین ہروی کی وفات کے بعد سید صفائی بھکر کے شیخ الاسلام مقرر ہوگئے اور عمر بھر اپنے اس عہدے پر قائم رہے ۹۹۱ھ میں آپ کا انتقال ہوگیا۔

میر معصوم شفقت پدری کے سائے میں پروان چڑھے آپ کی تعلیم کے متعلق اتنا معلوم ہوا ہے کہ وہ قاضی اللہ دتہ سیوستانی کے درس سے کسب علوم کرتے رہے علم حدیث کی شاید آپ نے بعد میں تکمیل کی تھی کیونکہ آپ اپنی تصنیفات میں لکھتے ہیں کہ!

" بعد از فتح گجرات بہ ملازمت شیخ حمید مشرف شدہ مشکوٰۃ را من اولہ و آخرہ مع کتب حدیث پیش ایشاں گزرانیدہ و اجازۃ حاصل نمودہ "

اس سے پہلے آپنے ملا محمد کنگروی سے بھی علم حاصل کیا جو کنگری از مضافات بھکر میں تھے طویل عرصہ ان کی خدمت میں رہے

تکمیل علوم کے بعد میر معصوم اپنے والد کی وساطت سے سلطان محمود کی ملازمت میں داخل ہوئے، سلطان محمود کی وفات کے بعد بھکر پر اکبر کا قبضہ ہوگیا، تو میر معصوم دوسرے ملازموں کی طرح شاہی ملازمت سے منسلک ہوگئے۔

کم و بیش ۲۰ رسال آپ مغل حکومت کی خدمت میں رہے اور ترقی کرتے کرتے آپ مقربوں میں شامل ہوگئے۔ مآثر رحیمی اور مآثر الامراء میں آپ کی عزت افزائی کا مجملاً ذکر کیا گیا ہے۔ گجرات کی لڑائیوں میں آپ مرزا عبدالرحیم خانخاناں کی زیر قیادت فوجوں میں مختلف خدمات سرانجام دیتے رہے۔ فتح گجرات کے بعد احمد آباد میں مستقل طور پر آکر مقیم ہوئے۔ اور نظام الدین بخشی مصنف طبقات اکبری کے ساتھ امور نظامی و علمی کو فروغ دیتے رہے۔

میر معصوم نے پیدل بھکر سے گجرات تک کا سفر کیا تھا۔ اس وقت آپ

افلاس کی مصیبت میں گرفتار تھے۔ آپ کو شکار سے بڑی دلچسپی تھی۔

خواجہ نظام الدین تک رسائی ہونے کا باعث شیخ عبدالحق فاروقی بھکری تھے جو خواجہ نظام الدین کی سرکار میں دیوان اور صاحب اختیار تھے۔ اور وطن میں میر کے ہم مدرسہ رہ چکے تھے۔ قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کے ساتھ یہ تعلق ہی آپ کو بھکر سے گجرات لایا۔ شیخ نے آپ کو خواجہ نظام الدین سے ملادیا وہ اس وقت طبقات اکبری کی تالیف کر رہے تھے۔ اور میر معصوم کو تاریخ پر زبردست عبور تھا۔ اس لیے خواجہ نے آپ کی آمد کو بہت غنیمت خیال کیا اور آپ کو اپنا مصاحب بنالیا۔ طبقات میں خواجہ نے میر کی مصاحبت کا ذکر بھی کیا ہے۔

اس کے بعد میر معصوم شہاب الدین احمد خاں صوبہ دار گجرات کی ملازمت میں داخل ہو گئے۔ شہاب الدین نے آپ کو منصب بھی عطا کیا۔ کچھ دنوں کے بعد آپ بادشاہ اکبر کی خدمت میں پہنچے۔

بعض مورخین کا بیان ہے کہ آپ ۹۹۰ھ میں احمد آباد گجرات آئے اور اکبر کی خدمت میں پہنچے اکبر نے آپ کی خدمات سے متاثر ہو کر دربیلہ اور کاکری (متعلقہ بھکر) کی جاگیر آپ کو دے دی۔ اور ایک قیمتی پوستین عنایت کرنے کے بعد میر کو والدہ سے ملنے کی اجازت دیتے ہوئے جلد دربار میں واپس آنے کی ہدایت کی چنانچہ طویل مدت کے بعد آپ اپنے وطن پہنچے۔ جب عبدالرحیم خانخاناں، مرزا جانی بیگ ترخان کے مقابلے کے لئے سندھ آئے تو میر معصوم خانخاناں کے دست راست کی حیثیت سے اس مہم میں شریک تھے۔ ظاہر ہے کہ اس معرکے میں آپ کی رائے خانخاناں کے لئے کس قدر مفید ثابت ہوئی ہوگی۔ میر نے اپنی تصنیف "تاریخ سندھ" میں اس کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔

چنانچہ سندھ فتح ہوا، اور میر پھر اکبر کے دربار میں پہنچ گئے۔ جس وقت مغلوں نے اسیر گڑھ پر حملہ کیا تو میر بھی ان کے ہمراہ تھے۔ دکن میں اکبر نے جس جس مقام پر قیام کیا میر نے وہاں بطور یادگار کتبے نصب کرا دیئے۔

شمس العلماء ڈاکٹر عمر بن داؤد پوتہ ڈائرکٹر شعبۂ تعلیم سندھ کے اس مقدمہ سے جو انہوں نے میر کی "تاریخ سندھ" پر لکھا ہے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتبات اب بھی قصر نیلکنٹھ، مانڈوا ور اندور میں موجود ہیں۔

آپکو اکبر کے عہد ہی میں ایک ہزاری منصب مل گیا تھا۔ فتح دکن کے بعد ۱۰۱۱ھ میں آپکو اکبر نے شاہ عباس والئ ایران کے دربار میں بطور سفیر بھیجا اور آپ نے نہایت فراست اور دانشمندی سے اپنے فرائض ادا کئے اور شاہ عباس کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر واپس ہوئے لیکن اس وقت دہلی پہنچے جب اکبر بستر مرگ پر دراز تھا۔ اکبر کے بعد جہانگیر اورنگزیب حکومت پر بیٹھے تو انہوں نے بھی آپ کی عزت میں کوئی کمی نہ کی بلکہ آپ سے زیادہ التفات کیا۔ جہانگیر نے ۱۰۱۵ھ میں میر کو بھکر کے عہدۂ امین الملکی پر سرفراز فرمایا۔ آپ نے مشکل سے تین چار سال امین الملک کی حیثیت سے کام کیا۔

یکم ذی الحجہ ۱۰۱۹ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ اور آپ اپنے مشہور منار کے قریب ہی دفن ہوئے۔

آپ کے سنگ مزار پر یہ تاریخ مرقوم ہے۔

میر معصوم آں شہ برج شرف ۔۔۔ آفتاب دیں فخر زمن
روز جمعہ سادس ذی الحجہ گشت ۔۔۔ عازم جنت بہ امر ذوالمنن
سال فوتش از خرد جستم بگفت ۔۔۔ بودہ نامی صاحب ملک سخن

میر معصوم ایک بلند پایہ شاعر، مورخ، اور طبیب تھے۔ آپ نظیری اور

فیضی کی صحبتوں میں شریک ہوتے تھے۔ اگرچہ آپ نظیری اور فیضی کی سی شہرت حاصل نہ کر سکے تاہم آپ کی بلندی فکر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کسی طرح اپنے ہمعصر شعراء سے کم رتبہ نہ تھے۔ ملا عبدالقادر بدایونی آپ کی شاعری کے متعلق لکھتے ہیں:

"سلیقۂ درست در شعر و معاد طبع بلند و فطرت عالی دارد"

میر نے حسب ذیل تصانیف بطور یادگار چھوڑی ہیں۔

۱۔ معدن الافکار، ۲۔ حسن و ناز، ۳۔ اکبر نامہ، ۴۔ پری صورت۔ یہ سب مثنویاں تھیں۔ ان کے علاوہ ایک اور مثنوی بھی تھی جو ہفت پیکر کے طرز پر لکھی گئی تھی مگر اس کا نام معلوم نہیں ہو سکا یہ سب کتب اب مفقود ہیں البتہ "حسن و ناز" کا سراغ سندھ کے کتب خانوں میں ملتا ہے میر علی شیر قانع نے بھی اپنی کتاب "تحفۃ الکرام" میں اس کا ذکر کیا ہے۔

۵۔ دیوان نامی، ۶۔ طب نامی، ۷۔ مفردات معصومی۔ یہ ایک مختصر رسالہ تھا۔ طب کی یہ دونوں کتابیں اب بھی موجود ہیں۔ ۸۔ تاریخ سندھ، یہ کتاب تاریخ کی ہے۔ اس فن میں میر کو بڑی دست گاہ حاصل تھی۔ عبدالقادر بدایونی اور خواجہ نظام الدین نے میر کی تاریخ دانی کا واضح طور پر اعتراف کیا ہے۔

آپ کی یہ تصنیف یعنی "تاریخ سندھ" نادرات میں شمار ہوتی ہے اور شمس العلماء ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ کے اہتمام سے شائع ہوئی ہے۔ موصوف نے اس پر ایک فاضلانہ مقدمہ بھی تحریر کیا ہے۔

آپ کتبہ نویسی میں بہت خوشخط تھے ہمیشہ سنگ تراش کو ساتھ رکھتے۔ ہندوستان سے تبریز اور اصفہان تک ہر جگہ راستے کی منزلوں، مساجد اور عمارات کے دروازوں پر آپ نے اپنے اشعار پتھروں پر

کندہ کرکے لگوا دیئے تھے۔ قلعہ آگرہ کے دروازے پر اور جامع مسجد فتح پور کا کتبہ بھی میر ہی کے ہاتھ کا ہے۔

آپ نہایت زاہد اور متقی تھے۔ آپ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ بھکر کے معمولی آدمیوں کو ہندوستان سے سوغات بھیجا کرتے تھے۔ بھکر کے اکثر بڑے اور چھوٹے آدمیوں کا یومیہ اور سالیانہ مقرر کر رکھا تھا۔ مگر وطن۔ واپسی پر میر اپنے اس حسنِ سلوک کے سلسلہ کو جاری نہ رکھ سکے اور اہل وطن کو آپ سے کچھ تکلیف پہنچی۔

میر معصوم کو فن تعمیر سے بھی حد درجہ دلچسپی تھی۔ آپ نے اکثر مقامات خصوصاً سکھر میں بہت سی عمارات بنوائیں۔ بھکر کے قریب جو دریا گزرتا ہے اس کے درمیان میں ایک عمارت تعمیر کرائی تھی جس کا نام ستیاسر ہے۔ اس کو دنیا کے عجائبات میں شمار کیا جاتا ہے۔ مینار معصومی بھی اسی کو کہا جاتا ہے یہ مشہور مینار ۱۰۰۲ھ میں تعمیر ہوا تھا۔

اس سر بہ فلک مینار کو دیکھنے کے لئے دور دور سے سیاح آتے ہیں مسجد منزل گاہ بھی میر ہی کی تعمیر کی ہوئی تھی۔

آپ نامی تخلص کرتے تھے۔ آپ کے کلام میں سادگی اور روانی پائی جاتی ہے۔ آپ کا ایک شعر یہ ہے۔

داد پیغام بقا صدمہ من خندہ کناں
ظاہر است از سخن او اثر خندہ ہنوز [1]

انہوں نے احمد آباد سے اٹک میں بدایونی کے پاس اپنا قصیدۂ منقبت روانہ کیا تھا جس کے چند شعر یہ ہیں۔

---

[1] اطبائے عہد مغلیہ صـ ۱۸۰۔

وامی کہ بو و برد لم از عشق در ازل | از دولت فراق تو با درد شد بدل
طوفان آتشی کہ دل از درد برکشید | افگندہ در مزاج زمین وزمان خلل
ہستم ز آفتاب شفیعی امید وار | روزیکہ ہیچ جا نبود سایۂ امل
باران ابر رحمت وساقی روز حشر | آں دیں پناہ اعظم وآں حبّذا اجل [1]

آپ سے کسی نے کہا کہ اس راستہ میں راہنمائی کے بغیر کام نہیں چلتا کسی مرشد سے تلقین حاصل کرو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے دوسرے مرشد میر ابو الغیث بخاری ہیں جو عہدہ اور مرتبہ میں ہم سے کئی درجے بڑے تھے۔

شیخ ابراہیم قاری شطاری سندھیؒ

(م ۹۹۱ھ مطابق ۱۵۸۳ء)

آپ کا آبائی وطن سندھ ہے۔ شیخ لشکر محمد عارف باللہؒ کے خلیفہ ہیں۔ ظاہری و باطنی کمالات سے آراستہ تھے۔ تجوید پر عبور حاصل تھا۔ دل گداز آواز سے قرآن مجید پڑھتے تھے۔ حضرت مسیح الاولیاء اور آپ کے پیر شیخ لشکر علم قرأت میں آپ کے شاگرد تھے۔ جب احمد آباد گجرات میں غوث الاولیاء کی آمد اور انکے فضائل کا شہرہ سنکر شیخ لشکر نے انکی خدمت میں جاکر بیعت ہونیکا فیصلہ کیا تو اپنے تمام مریدوں کو جمع کرکے فرمایا کہ "احمد آباد میں ایک بزرگ وارد ہوئے ہیں میں انکی خدمت میں حاضر ہوکر فیض یاب ہونا چاہتا ہوں۔ تم آزاد ہو چاہے ان سے بیعت کرلو یا کہیں اور چلے جاؤ"۔ مریدوں نے عرض کیا "آپ اپنی ذات کیلئے جو مناسب جانیں کریں، ہم لوگ ہر حال میں آپ کے خادم ہیں آپکو چھوڑ کر نہیں جاسکتے"۔ پھر شیخ لشکر غوث الاولیاء کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت ہوئے۔ شیخ ابراہیم آپ کے ساتھ تھے حضرت غوث الاولیاء نے شیخ لشکر سے آپکے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے شیخ ابراہیم کے کمالات

---

[1] منتخب التواریخ صفحہ ۴۳

اور حسن قرأت کا ذکر کیا غوث الاولیاء کو قرأت سے بڑا شغف تھا یہ سنکر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ نمازوں میں آپ ہی امامت کیا کریں اور جب تک مسیح الاولیاء احمد آباد میں رہے آپ ہی کی اقتداء میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور آپ کی خوش الحانی سے متاثر ہو کر آپکو مرغ لاہوتی کا خطاب دیا تھا۔

خانقاہ غوثیہ میں پہنچنے پر شیخ ابراہیم نے اندازہ کیا کہ انکے پیر اور دادا پیر عسرت سے دو چار ہیں چاہا کہ کتابت کے ذریعہ کمائی کرکے نذر کیا کریں لیکن اس خیال سے کہ اس پیشہ میں آرام اور عزت ہے۔ فقیری کا تقاضا تو یہ ہے کہ مشقت وتحقیر برداشت کی جائے۔ چنانچہ آپ نے جنگل سے لکڑیوں کا بوجھ سر پر لانا شروع کیا اور سالہا سال تک نفس کشی کی اس ریاضت سے خانقاہ کے مصارف کی خدمت کی۔ برہان پور کے بادشاہ میران محمد شاہ فاروقی نے مولانا حافظ صدر سندھی کو بھیج کر آپ سے استدعا کی کہ میری مستورات قرأۃ وتعلیم قرآن کی خواہش مند ہیں آپ چونکہ ضعیف العمر اور بہمہ صفات موصوف ہیں یہ ذمہ داری قبول فرمائیں آپ نے لطائف الحیل سے ٹالدیا۔ آپ تمام زندگی نہایت سادہ اور بے تکلف متواضع ومتوکل وضع پر قائم رہے لباس میں صرف سترپوشی کی حد تک اہتمام رکھا۔ یہاں تک کہ سلے اور بے سلے کی تخصیص نہ تھی روحانیت میں آپ کا یہ مقام تھا کہ ایک مرتبہ کسی نے کہا تھا کہ کھانا کھاتے وقت رب کا نام یاد رکھنا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا ابراہیم کے نزدیک صوفی وہ ہے جو رازقِ حقیقی کے مشاہدے کے بغیر کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے۔ آپ کے متوسلین میں سے آپ کے خلیفہ شیخ عبدالرحیم کپڑونجی نے ممتاز مقام حاصل کیا جنہیں آپ سے سلسلہ شطاریہ میں خلافت حاصل تھی۔ آپ کی وفات ۹۹۱ھ میں ہوئی۔ مادہ تاریخ "صاحب فیض" ہے ۹۹۱ھ شیخ ابراہیم ابن عمرؒ کے مقبرہ کے متصل عادل پورہ برہان پور میں مدفون ہیں۔ [1]

---

[1] برہانپور کے سندھی اولیاء صفحہ ۲۰۰، گلزار ابرار صفحہ ۳۵۹۔

شیخ ابو محمد تمیمی برہانپوری

م ۲۳ رمحرم ۹۹۲ھ مطابق ۴ رفروری ۱۵۸۴ء

شیخ ابو محمد بن خضر بن بہاء الدین تمیمی برہانپوری۔ ہندوستان کے مشہور مشائخ سے تھے ۹۲۸ھ میں برہانپور میں پیدا ہوئے۔ اپنے دور کے ممتاز اساتذہ سے پڑھا۔ جب شیخ فضل اللہ جونپوری بارادۂ حج برہانپور تشریف لائے تو آپ نے ان سے بیعت کی پھر شیخ جلال الدین ابن نظام الدین بن نعمان برہانپوری سے بیعت کی اور نو سال تک انکی خدمت وصحبت میں رہے۔ یہاں تک کہ طریقت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوگئے۔ نہایت متقی صائم النہار اور قائم اللیل تھے۔ قلیل شئ پر افطار کرتے جب ان کے مرشد جلال الدین فوت ہوئے تو حج کا سفر اختیار کیا۔ اسی سفر میں جب احمد آباد پہنچے تو آپ کے مرشد اول شیخ فضل اللہ سے ملاقات ہوئی۔ جن کی خدمت میں کچھ مدت رہے اس کے بعد حرمین شریفین روانہ ہوگئے۔

حج و زیارت کے بعد مکہ مکرمہ میں شیخ علی متقی سے ملاقات ہوئی جن کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہوئے۔ ہندوستان لوٹے تو شیخ فریدالدین بن عالم لنگی کی صحبت میں سالہا سال گذار دیئے۔

۲۳ رمحرم ۹۹۲ھ مطابق ۴ رفروری ۱۵۸۴ء میں برہانپور میں وفات پائی۔ مقبرۂ شیخ میں آسودۂ لحد ہوئے [1]

---

[1] اعیان الحجاج بحوالہ نزھۃ الخواطر ۲۶ ص ۱۶/۴۷

سید شیخ بن عبداللہ حسینی حضرمی احمدآبادی

وفات ٢٥ رمضان ۹۹۰ھ بمطابق ۱۵۸۲ء

سید شیخ بن عبداللہ حسینی حضرمی احمدآبادی ۔ خاندان عیدروسیہ سے تعلق تھا ۔ اپنے زمانے کے قطب تھے ۔ اس خاندان کا قدیم مسکن تریم (حضرموت) ہے جو بحر عرب کے مشرقی ساحل پر واقع ہے ۔ یہ خاندان علم وفضل میں بہت ممتاز تھا ۔ اس خاندان کے کئی بزرگ براہ، سورت وبھروچ ھندوستان کے مغربی ساحل پر آئے اور احمدآباد سورت، دکن، احمدنگر اور گجرات کے دیگر علاقوں میں علوم دین اور تصوف کی اشاعت کی ۔ ۔ المشرع الروی کے مصنف شلی نے انکے متعلق لکھا ہے کہ!

شیخ بن عبداللہ حضرمی العیدروس کی ولادت ۹۱۹ھ میں بمقام تریم ہوئی شیخ شہاب الدین بن عبدالرحمن اور شیخ عبداللہ بن محمد باقشر سے حفظ قرآن کی تکمیل کی ۔ پھر یمن گئے ۔ وہاں سے عدن پہنچے اور شیخ محمد بن عمر سے مختلف علوم کی تحصیل کی وہاں سے حجاز تشریف لے گئے اور ۹۳۸ھ میں حج ادا کیا اس کے بعد حجاز ہی میں شیخ ابوالحسن بکری کی خدمت میں رہے اور ان سے علوم کی تکمیل کی ۔ پھر اپنے والد کے ساتھ مدینہ منورہ کی حاضری سے مشرف ہوئے ۔ پھر تریم واپس لوٹ آئے ۔ پھر آپ نے ۹۴۱ھ میں دوسرا حج ادا کیا ۔ تین سال مکہ مکرمہ میں رہ کر شیخ شہاب الدین احمد علامہ عبداللہ بن احمد فاکہی، ابن حجر ہیثمی، علامہ عبدالرؤف بن یحیی، اور علامہ محمد بن الخطاب مالکی کی صحبت میں رہ کر علم حاصل کرتے رہے ۔ یہاں تک کہ تفسیر، حدیث، فقہ، عربیہ، تصوف، فرائض اور حساب وغیرہ میں مہارت حاصل کی طواف اور عمرے وہاں کے قیام میں پابندی سے بکثرت ادا کرتے رہے ۔

اور تین سالہ قیام کے دوران گاہے بگاہے مدینہ منورہ بھی حاضری دیتے رہے۔
پھر زبید کا سفر کیا۔ وہاں حافظ عبدالرحمٰن بن دیبع سے علم حاصل کیا۔ پھر شحر پہنچے اور وہاں شیخ کبیر احمد بن عبداللہ شہید سے علم حاصل کیا۔ مذکورہ مشائخ سے آپ کو تمام کتب حدیث اور انکی تمام مرویات کی اجازت ملی۔ اور بہت سوں کی طرف سے آپ کو خرقہ خلافت بھی ملا۔

تریم آکر تیرہ سال مقیم رہے۔ صاحب النورالسافر کی تحریر کے مطابق ۹۸۵ھ میں آپنے ہندوستان کا سفر اختیار کیا اور احمد آباد کو وطن بنایا۔ احمد آباد پہنچکر مشہور وزیر عمادالملک کی صحبت میں رہے اور وہاں اصلاح خلق اور تدریس علوم میں مشغول رہے۔ ایک بڑی مخلوق نے آپ سے علم حاصل کیا جن میں سب سے زیادہ مشہور آپ کے صاحبزادے شیخ عبدالقادر، آپ کے پوتے شیخ محمد بن عبداللہ سورتی، النوہط کے مصنف سید بن علی، نیز شیخ احمد بن علی بسکری، عبداللہ بن احمد فلاح، شیخ محمد بن احمد فاکہی۔ اور شیخ حمید بن عبداللہ سندھی ہیں۔

اوصاف و کمالات

شیخ عبدالقادر حضرمی نے لکھا ہے کہ آپ کا اسم شیخ تھا۔ اور اسم بامسمیٰ تھا چنانچہ آپ حد شیخوخت کو بھی پہنچے اور علوم باطنی اور علوم ظاہری کے بھی شیخ تھے۔ [1]

ماہ رمضان میں عمرات

آپ کی زندگی مجاہدانہ گذری۔ رمضان المبارک میں روزانہ آٹھ عمرے کرتے تھے چار دن میں اور چار رات میں۔ حدیث میں ہے کہ رمضان میں عمرہ میرے ساتھ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ) حج کے برابر ہے چنانچہ آپ نے اس فضیلت کو حاصل کرنے کیلئے یومیہ آٹھ عمرے کرنے کا معمول بنالیا تھا۔ علامہ حمید فرماتے ہیں کہ یہ آپ کی کرامت

تھی ورنہ روزانہ آٹھ عمرے کرنا آسان نہیں ۔

تصانیف آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جن میں سے العقد النبوی السر المصطفوی، الفوز والبشری، مشہور ہیں۔ نیز آپ نے ایک قصیدہ نظم فرمایا جس کا نام تحفۃ المرید ہے ۔ اس کے بعد اس کی دو شرح لکھیں بڑی شرح کا نام "حقائق التوحید"، اور چھوٹی شرح کا نام سراج التوحید ہے ۔

اسی طرح مولد پر بھی ان کے دو قصیدے ہیں ۔ ایک بڑا ہے ایک چھوٹا ہے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے بارے میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا ۔ اور اوراد و اذکار پر ایک رسالہ لکھا۔ جس کا نام "الحزب النفیس" ہے اور تصوف میں "نفحات الحکم علی لامیۃ العجم"، تصنیف کیا ۔ اور آپ کے اشعار کا ایک دیوان بھی ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

لنا بالرسول المصطفیٰ خیر نسبۃ	مسلسلۃ تعلو علی کل رتبۃ
ائمۃ علم اللہ جوھر سرہ	زواھر حلم قدوۃ للطریقۃ
شموس تجلت والبدور طوالع	نجوم لنا بالسعد منہ استھلت
شموس بدت فی عالم الغیب شرقۃ	بدور بدت ابدال اوتاد صفوۃ

سادات کے متعلق فرماتے ہیں

لنا سادۃ فاقوا علی کل سادۃ	بتمکین ارث کابرا عن کابر
لنا قادۃ فاقوا الکمالات بعزمھم	ففی کل وقت منھم کم مظاھر
ھنیئا لھم طوبیٰ لھم من عشائر	حقیق لھو ذلک حذو ابالبشائر
ھم القوم لایشقی جلیس لھم بھم	خصوصیۃ خصو بنور البصائر
وکیف لایکون الحق حشو قلوبھم	وھم بضعۃ المختار اھل المفاخر

نیز آپ کے ایک قصیدے کا مطلع یہ ہے ۔

حجاب من اللہ وحرز منیع — علینا دواماً وفضل وسیع

آپ کی کرامات تھے۔ متعدد علماء نے آپ کی کرامت اور آپ کے فضائل مناقب پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ جیسا کہ علامہ حمید بن عبداللہ سندھی نے آپ کے مناقب ایک کتاب میں جمع فرمائے ہیں۔ اور علامہ شہاب الدین بن علی البسکری المکی کی تالیف بھی ہے جس کا نام نزھۃ الاخوان والنفوس فی مناقب شیخ بن عبداللہ العدروس مصنف النور السافر نے بھی الفتوحات القدوسیہ فی الخرقۃ العدروسیہ کا معتد بہ حصہ آپ کے حالات کے بارے میں تصنیف فرمایا ہے۔ شیخ عبدالمعطی باکثیر کا آپ کے مناقب میں مستقل قصیدہ ہے جس کا پہلا شعر ہے۔

ذاعت فضائلہ وشاع ثنائہ — فی الخافقین وجاوزت بغداد

شیخ عبداللطیف دبیر نے آپ کے بارے میں جو قصیدہ لکھا ہے۔ ؎

شیخ الانام مفید کل محقق — بحر العلوم العارف الربانی

ابن العفیف ابو الشہاب المجتبیٰ — قطب الزمان العدروس الثانی

وفات آپ نے احمد آباد میں ۳۲ رسال اقامت فرمائی اور ۲۵ رمضان ۹۹۰ھ کو احمد آباد میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کے گھر کے صحن میں آپ کو دفن کیا گیا۔

آپ کے انتقال کے بعد آپ کے فرزند سید احمد ہندوستان تشریف لائے اور بھروچ میں مقیم رہے ان کا انتقال ۱۰۲۴ھ میں ہوا۔ [1]

---

[1] نزھۃ الخواطر عربی ص۲۵۵ ج۴، نزھۃ الخواطر اردو ص۱۵۸ ج۴ ۲۵۱، گلزار ابرار ص۵۰۳، النور السافر ص۳۲۳، تذکرہ قاریان ہند جزء اول ص۱۲۶ ۲۱۷۔

غوثی نے آپکا مختصر مگر جامع تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے

سید شیخ ابن شیخ عبداللہ عیدروسی صادقی یمنی حضرمی

آپ عالی نسب سادات میں سے ہیں۔ نسب میں حضرت امام جعفر صادق رح کو پہنچتے ہیں۔ حدیث، اسماء رجال، علم الانساب، سیر و تاریخ، اصطلاحات تصوف اور بیان عرفان میں کامل طور پر تبحر اور رسائی رکھتے تھے۔ داد و دہش اور عفو و درگزر طبیعت ثانیہ تھی۔

اپنی مدۃ العمر میں کسی امیر و وزیر کے دروازہ پر نہیں گئے۔ اپنے عالی خاندان آباء و اجداد کا سلسلہ صحیح ہوتے ہوئے قادریہ خانوادہ اور مغربیہ خاندان میں اپنی ارادت اور خلافت کی نسبت قائم رکھتے تھے۔ [1]

مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطانپوری

(م ۹۹۱ھ مطابق ۱۵۸۳ء)

عالم کبیر عبداللہ ابن شمس الدین انصاری سلطانپوری مشہور بہ مخدوم الملک کا وطن ٹھٹھہ صوبہ سندھ ہے جہاں سے ان کے دادا نے ترک اقامت کے بعد جالندھر میں طرح اقامت ڈالی۔ شیخ عبداللہ کا مولد سلطانپور صوبہ پنجاب ہے۔ اوائل عمر میں تعلیم شروع کردی تھی۔ سرہند گئے اور وہاں شیخ عبداللہ سرہندی سے درسیات پڑھیں۔ دہلی پہونچے اور حدیث میں شیخ ابراہیم ابن المعین ایرجی سے اکتساب فرمایا۔ آخر میں اپنے وطن لوٹے مشغلہ تدریس و تصنیف شروع کردیا جس

---

[1] گلزار ابرار ص ۵۰۳، ۵۰۴

سے قبول عام کی سند حاصل ہوئی ۔

۹۴۴ھ میں جب میر ابو البقار بن میر عبد الباقی ابن میر تقی الدین محمد جو ایران اور توران کے تمام علمار او رفضلار میں افضل تھے ھند آئے اور یہاں کے علمار کے ساتھ علم آزمائی کی مجلس ہوئی تو انہوں نے مخدوم الملک ہی کو سب پر ترجیح دی ۔

سلطان ہمایوں نے آپ کو شیخ الاسلام کی سند پر فائز فرمایا ۔ سلطان ہمایوں کے بعد سلطان اکبر نے بھی آپ کے لئے یہ منصب برقرار رکھا ۔ سلطان شیر شاہ نے آپ کو صدر الاسلام کا خطاب دیا تھا ۔ اکبر نے مخدوم الملک کا خطاب دیا اور آپ کو ایک لاکھ سالانہ وظیفہ پیش کرتا ۔ کئی سال تک یہی سلسلہ رہا ۔

پھر جب مبارک ابن خضر ناگوری نے اکبر کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ آپ تو خود مجتہد ہیں آپ کو کسی صدر اور قاضی کی تقلید ضروری نہیں تو اکبر نے مخدوم الملک کو حجاز روانہ کردیا ۔ شیخ عبداللہ جب مکہ مکرمہ کے سرائے میں داخل ہوئے تو شیخ شہاب الدین احمد ابن حجر مکی آپ کی تعظیم کے لئے آگے بڑھے ۔ حجاز سے واپسی پر سنہ ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء میں آپ احمد آباد پہنچے

بدایونی لکھتے ہیں کہ آپ فقہ تاریخ ، حدیث بلکہ جملہ علوم نقلیہ میں متبحر اور اہل بدعت خصوصاً شیعیت کے خلاف شدید متعصب تھے ۔ نیز کتاب روضۃ الاحباب کے بارے میں ان کا دعوی تھا کہ یہ امیر جمال الدین محدث کی تصنیف نہیں ہے کیونکہ اسی کتاب کی جلد ثالث میں امیر جمال الدین نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت میں یہ مبالغہ آمیز شعر لکھا ہے کہ ۔ ؎

ہمیں بس بود حق نمائی او ۔ کہ کردند شک در خدائی او

بدایونی کہتے ہیں پھر میری طرف مخدوم الملک نے متوجہ ہو کر کہا کہ دیکھئے حضرت علی کی مدح میں انہوں نے ایسا مبالغہ کیا کہ رفض سے گذر کر حلول کے عقیدہ تک پہنچ گئے ۔ خدا ایسے عقائد سے ہمیں محفوظ رکھے ۔ بدایونی کہتے ہیں کہ میں نے عرض

کیا کہ یہ تخیل حضرت امام شافعی رح کے اشعار سے ماخوذ ہے۔ ؎

لوانّ المرتضیٰ ابدی محلہ — لصار الناس طُرًّا سجدًا لہ

کفیٰ فی فضل مولانا علی — وقوع الشک فیہ انہ اللہ

بدایونی کہتے ہیں یہ سنکر مخدوم الملک نے بڑی غضب آلود نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور کہا یہ اشعار حضرت امام شافعی رح کے نہیں ہو سکتے میں نے عرض کیا کہ یہ اشعار میر حسن میبذی نے بھی تو حضرت علی کے دیوان الشعر کی شرح میں لکھے ہیں۔ اس پر مخدوم الملک نے کہا کہ میبذی بھی تو رافضی ہی تھا۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے بعض ثقہ حضرات سے سنا ہے کہ روضۃ الاحباب کی تیسری جلد امیر جمال الدین محدث کے قلم سے نہیں بلکہ میرک شاہ نام کے ایک صاحب نے لکھکر ان کی طرف منسوب کر دی ہے۔ مخدوم الملک نے کہا میں نے بھی روضۃ الاحباب کی دوسری جلد میں بعض لغویات پر مناسب حواشی لکھوائے ہیں۔

تصانیف آپ کی تصانیف بہت ہیں جن میں چند یہ ہیں۔ ۱ کشف الغمہ، ۲ منہاج الدین ۳ عصمت الانبیاء ۴ شرح العقیدۃ الحافظیہ ۵ رسالہ فی تفضیل العقل علی العلم۔ ۶ فقہ میں رسالہ فی الصباح ۷ شرح شرح الجامی، ۸ شرح شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

سنہ ۹۹۱ھ میں احمد آباد میں آپ کی وفات ہوئی۔ مآثر الامراء میں ہے کہ بادشاہ کے حکم سے کسی نے آپ کو زہر دیدیا تھا۔ وفات کے بعد آپ کا جنازہ احمد آباد سے جالندھر لایا گیا اور وہاں دفن کر دیئے گئے۔ ؎[1]

دربار ملی میں آپ کا تذکرہ اس طرح ہے کہ شریعت متین کے پھیلانے میں ہمیشہ کوشاں رہے۔ کٹر سنی تھے، ان کی سعی و کوشش سے بہت سے ملحد

---

[1] دربار اکبری ص ۳۱۸، نزہۃ الخواطر اردو ۳۳ ص ۲۱۹، طبقات اکبری جلد اول ص ۴۸۵ گلزار ابرار ص ۴۹۵، منتخب التواریخ ص ۶، نزہۃ الخواطر عربی ۲۳۴ ص ۲۰۴۔

اور بے دینوں کو سزا دی گئی۔ کتاب "روضۃ الاحباب" کے متعلق وہ بڑے اصرار سے کہا کرتے تھے کہ اس کا تیسرا باب امیر جمال الدین کا نہیں ہے۔ جس سال گجرات فتح ہوا ہے۔ ان دنوں یہ فتح پور میں شاہی دیوان خانے کے وکیل تھے اور بڑے جاہ وجلال کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

ملا عبدالقادر بدایونی جب پنجاب کے سفر سے واپس لوٹے تو ایک روز شیخ ابوالفضل کہ ہنوز دربار تک ان کی رسائی نہ ہوئی تھی۔ اور حاجی سلطان تھانیسری کی معیت میں ان سے ملاقات کرنے کے لئے گئے۔ مخدوم الملک اس وقت مذکورہ کتاب کا تیسرا باب کھولے ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے کہ: دیکھو ولایت ایران کے ظالمانِ دین نے مذہب میں کیا کیا خرابیاں پیدا کی ہیں؛ پھر وہ شعر دکھایا جو منقبت میں تھا۔

ہمیں بس بود حق نمائی او کہ کردند شک در خدائی او

پھر بولے: اس نے (تیسرے باب کا مصنف) تو رفض سے بھی کئی درجے آگے بڑھکر یہ معاملہ حلول خداوندی تک پہنچا دیا ہے۔ میں نے بھی یہ طے کیا ہے اس جلد کو شیعوں کے سامنے آگ دکھاؤں؛

اگرچہ عبدالقادر ان دنوں گوشۂ گمنامی میں تھے۔ اور ان سے ان کی یہ پہلی ملاقات تھی۔ پھر بھی انہوں نے جرأت سے کام لیا اور کہا کہ: یہ شعر تو اس بیت کا ترجمہ ہے جو امام شافعی رح کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور اس طرح ہے:

لو ان المرتضیٰ ابدیٰ محلہ لصار الناس طرا سجدا لہ
کفی فی فضل مولانا علی وقوع الشک فیہ انہ اللہ

اس پر انہوں نے ان کو گھور کر دیکھا اور پوچھا کہ یہ کہاں لکھا ہے؟ انہوں نے

جواب میں کہا۔ "دیوان امیر کی شرح میں" کہنے لگے "دیوان کا شارح قاضی میر حسین تو بدعتی ہے، اس کے علاوہ اُسے بھی لوگوں نے رافضی کہا ہے" ملّا نے کہا کہ "یہ بات دوسری ہے" ادھر شیخ ابوالفضل اور حاجی سلطان ہر لمحے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر ملا کو خاموش رہنے کا اشارہ کر رہے تھے۔ ملانے پھر فرمایا کہ "میں نے بعض مستند راویوں سے یہ سنا ہے کہ یہ تیسرا باب میر جمال الدین کا نہیں ہے بلکہ ان کے بیٹے میرک شاہ یا کسی اور شخص کا نوشتہ ہے یہی سبب ہے کہ یہ تحریر پہلے دو ابواب کی تحریر سے مختلف ہے۔ اور اس میں محدثانہ روش کے بجائے شاعرانہ طرز اختیار کیا گیا ہے" جواب میں بولے "اے بابا میں نے تو دوسرے باب میں بھی ایسی ایسی چیزیں دیکھی ہیں جو بصراحت بدعت اور عقیدۂ فاسد پر دلالت کرتی ہیں، میں نے ایسے مقامات پر حواشی بھی لکھے ہیں۔

چنانچہ ایک جگہ مصنف لکھتا ہے کہ جب طلحہ رضؓ نے سب سے پہلے حضرت علیؓ کی بیعت کی تو آپ نے فرمایا "ید شلاء وبیعۃ شلاء" ذرا غور تو کرو کہ جو ہاتھ غزوۂ اُحد کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ بنا اور جسے گیارہ زخم آئے تھے۔ اُسے حضرت علیؓ برا شگون سمجھیں، کہ جو شرعاً ممنوع ہے۔ میرے نزدیک ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا یہ ناممکنات میں سے ہے۔

بدایونی نے کہا کہ "شگون اور فال میں تو بہت فرق ہے" اب پھر ابوالفضل چپکے سے بدایونی کے ہاتھ کو زور سے دبا کر ان کو بولنے سے روک رہے تھے۔ اتنے میں مخدوم الملک نے ان دونوں سے پوچھا کہ "ان صاحب کی تعریف کیا ہے؟" دونوں نے بدایونی کے بارے میں کچھ بتایا اور اس طرح بدایونی کہ یہ ملاقات بخیر وخوبی گزر گئی۔ جب باہر آئے تو دوستوں نے کہا کہ آج سمجھو خیر ہوئی جو انہوں نے تمہاری باتوں پر اعتراض نہ کیا ورنہ ان

سے چھٹکارہ دلانے والا کوئی نہ تھا۔

مخدوم الملک نے جب شروع شروع میں ابوالفضل کو دیکھا تو وہ اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ: یہ شخص دین میں بہت زیادہ خلل کا باعث ہوگا۔

چو بہ طفلیش بدیدم بمخدوم اہل دین را
کہ شود بلائے جاں ہا بہ شما سپردم ایں را

(جب میں نے اسے اس کے بچپن ہی میں دیکھا تھا تو اسے اہل دین کو دکھا کر کہا تھا کہ یہ بلائے جان ہوگا، اسے میں تمہارے سپرد کرتا ہوں۔)

مخدوم الملک ۹۹۰ھ میں مکہ معظمہ سے واپسی کے بعد بمقام گجرات عالم بقاء کو سدھارے۔ قطعہ ذیل سے ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

رفت مخدوم ملک و با خود برد ... رحمۃ اللہ نشان پیشانی
جستم از دل چو سال تاریخش ... گفت بشمار مصرع ثانی

آپ کا علمی پایہ مقالات شیرانی میں ہے کہ: آپ عہد اکبری کے مشہور عالم ہیں۔ انہوں نے دہلی میں مولانا ابراہیم بن معین حسینی ایرجی سے حدیث پڑھی تھی۔ شیخ مبارک جیسے ملاحدہ کے زیر اثر اکبر نے ۹۸۷ھ بمطابق ۱۵۷۹ء میں انہیں حرمین بھیج دیا۔ تو وہاں کے علماء نے جنہیں ابن حجر ہیثمی بھی شامل تھے۔ ان کا بڑی عزت و احترام کے ساتھ استقبال کیا۔ بدایونی نے لکھا ہے کہ یہ فقہ، اصول، حدیث وغیرہ علوم عقلیہ و نقلیہ کے سردار شمار ہوتے تھے۔ [1]

---

[1] مقالات عرشی ص۵۳۔

شیخ عبدالنبیؒ صدر شہید

(م ۱۲ ربیع الاول ۹۹۱ھ / ۹۹۲ھ بمطابق ۱۵۸۳ء / ۱۵۸۴ء)

شیخ عبدالنبی شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ کے پوتے ہیں۔ جو امام ابوحنیفہؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ شیخ عبدالنبی علوم نقلیہ میں ممتاز تھے اور علم میں بڑا تبحر حاصل تھا بلہ علم حدیث میں عالی سند رکھتے تھے، ہندوستان میں تعلیم ختم کرنے کے بعد چند بار مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ جاکر حدیث کا علم حاصل کیا تھا۔ شیخ عبدالنبی افادۂ علوم کے باوجود چشتیہ سلسلہ کے اوراد واشغال کے پابند تھے۔ حبس دم کی مشق یہاں تک پہونچی تھی کہ ایک پہر تک سانس روک کر مشغول رہتے۔ ؎۲

جلوس اکبری کے دسویں سال میں مظفر خاں دیوان اعلیٰ کے وسیلہ سے کل ہندوستان کے صدر الصدور مقرر ہوئے اور بعد میں یہ مقام حاصل ہو گیا تھا کہ سلطنت کے اہم معاملات بھی ان کے صوابدید پر موقوف تھے۔ اکبر بادشاہ کی نگاہ میں بھی آپ کی قدر ومنزلت تھی۔ بادشاہ حدیث سننے کے لئے ان کے دولتکدہ پر حاضر ہوتا تھا۔ اور شیخ عبدالنبی کی ترغیب سے احکام شرعی کے اجرا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نفاذ میں بہت کوشاں تھا۔ آپ کی صحبت سے اکبر کا یہ حال تھا کہ خود اذان دیتا اور امامت بھی کراتا بلکہ مسجد میں جھاڑو بھی دیتا تھا۔ ؎۳

ایک روز سالگرہ کی تقریب کے موقع پر اکبر بادشاہ کے لباس پر زعفران کا رنگ چھڑک دیا گیا تھا۔ شیخ عبدالنبی نے غضبناک ہوکر دربار میں اس طرح عصا چلایا کہ اکبر بادشاہ تک جا پہونچا۔ بادشاہ کو یہ بات ناگوار ہوئی اور اس نے اپنی ماں سے

؎۱ النور السافر ص ۳۳۹ ؎۲ مآثر الامراء ؎۳ ایضاً۔

شکایت کی۔ اسکی والدہ حمیدہ بانو بیگم نے کہا کہ میرے بیٹے ! رنجیدہ نہ ہو یہ بات تمہاری نجات کا ذریعہ ہے۔ قیامت تک لوگ ذکر کیا کریں گے کہ ایک عالم نے بادشاہ وقت کے ساتھ ایسا معاملہ کیا اور بادشاہ نے اس پر تحمل کیا۔ [1]

چونکہ شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک عبداللہ سلطانپوری روزانہ بادشاہ کا احتساب کرتے جس سے وہ پریشان ہوگیا تھا۔ فیضی ابوالفضل کو جب اس کی پریشانی کا علم ہوا تو انہوں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ ہمارا علم شیخ عبدالنبی اور شیخ عبداللہ سے زیادہ ہے اگر حضور اجازت دیں تو قوی دلائل سے ہم ان کو ملزم ٹھہرائیں۔ چنانچہ ایک روز دسترخوان پر طعام مزعفر بھی تھا۔ جب شیخ عبدالنبی نے اس کو کھایا تو ابوالفضل نے کہا کہ اے شیخ اگر زعفران حلال تھا تو تم نے بادشاہ سے اس طرح بازپرس کیوں کی اور اگر حرام ہے تو خود کیوں کھایا۔ [2]

جلوس اکبری کے چوبیسویں سال اکبر بادشاہ نے علماء اور دانش مندوں کی ایک مجلس قائم کی اور ان سب کے اتفاق رائے سے یہ طے ہوا کہ بادشاہ وقت امام اور مجتہد زمانہ ہے۔ دینی مسائل میں جس بات کو وہ اختیار کرے لوگوں کیلئے اس کا قبول کرنا باعث ثواب ہے۔ دنیوی زندگی کی سہولت اور مسلمانوں کی مصلحت کی غرض سے بادشاہ اپنی صائب رائے سے جو طریقہ اختیار کرے اس کی پیروی کرنا ہر شخص پر لازم ہے اور جو حکم بھی دے بشرطیکہ سنت و فرض کے خلاف نہ ہو اس کی مخالفت کرنا دنیاوی نقصان اور آخرت کے خسارے کا سبب ہوگا۔

اس مضمون کو تیار کرکے شیخ عبدالنبی، شیخ عبداللہ، غازی خاں بدخشی اور اس زمانے کے بڑے بڑے علماء سے مہریں لگوالیں۔ [3]

جب شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک سلطانپوری کے متعلق بادشاہ کو یہ بات پہونچی کہ

---

[1] مآثرالامراء [2] ایضاً [3] ایضاً۔ بحوالہ منتخب التواریخ۔ النور السافر۔

وہ کہتے ہیں کہ ہم سے زبردستی مہر لگوائی گئی ہے۔ اکبر بادشاہ نے اُسی سال شیخ عبدالنبی کو حاجیوں کے قافلہ کا سالار بنا کر وہ نقدی ان کے حوالہ کی جو ان مقدس مقامات کے شرفاء اور مستحقین کو بھیجی جاتی تھی۔ شیخ عبداللہ کو بھی ساتھ روانہ کر دیا۔ اس طرح دونوں حضرات کا اخراج عمل میں آیا اور حکم دیا گیا کہ حرمین شریفین میں عبادت و ریاضت میں مشغول رہیں اور بن بلائے اپنے ملک ہندوستان واپس نہ آئیں۔

جب مرزا محمد حکیم کے آنے اور بہادر بنگال کے سرداروں کی سرکشی کیوجہ سے ہندوستان میں فتنہ و فساد برپا ہوا تو ان دو حضرات نے واپسی کا ارادہ کیا اور شریف مکہ کے دھمکانے اور حکم شاہی کے باوجود جلوس اکبری کے ستائیسویں سال میں احمد آباد گجرات میں آکر مقیم ہو گئے لیکن دشمنوں نے از سر نو ان حضرات کی مخالفت کر کے بادشاہ کے حضور میں طلب کرالیا۔ چنانچہ بادشاہ نے محاسبہ کے لئے قید کر کے شیخ ابوالفضل کے حوالہ کر دیا۔

قید و بند کے زمانہ میں بادشاہ نے کئی مرتبہ کہلا بھیجا کہ آپ حضرات دین کے معاملہ میں اگر سختی سے باز آجائیں تو آپ کو وہی مقام دیا جائے گا جو پہلے تھا لیکن شیخ عبدالنبی اس دین فروشی کو مسترد فرماتے رہے۔ [۱]

ایک مرتبہ اکبر بادشاہ نے کسی کافر کو شیخ عبدالنبی کے قتل پر مامور کیا وہ شخص جب بھی بُرے ارادے سے آپ کے پاس آتا تو آپ کو نماز و تلاوت میں پاتا۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ آپ کا حکم سر آنکھوں پر اور اگر آپ ہمارے ہندوؤں کے بڑے لوگوں میں سے سو اشخاص کو قتل کروانا چاہیں تو میں حاضر ہوں لیکن یہ آپ کا مسلم شیخ تو ہر وقت اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول رہتا ہے۔ لہذا آپ مجھے معذور رکھیں۔ [۲]

---

[۱] النور السافر [۲] ایضاً۔

اس کے بعد آپ کی شہادت کے بارے میں بیانات مختلف ہیں صاحب النور السافر لکھتے ہیں کہ آپ کے سامنے زھر کا پیالہ پیش کیا گیا مگر آپ تاڑ گئے اور فرمایا میں اپنی خودکشی میں معاون نہیں بن سکتا اس کے بعد خود بادشاہ کے حکم سے آپ کو سولی دیدی گئی۔ بعضے لکھتے ہیں کہ ابوالفضل بادشاہ کا مزاج شناس تو تھا ہی اس نے یہ اندازہ لگا لیا کہ شیخ عبدالنبی کے قتل کی بازپرس نہ ہوگی چنانچہ اس نے ۱۲ ربیع الاول کی شب ۹۹۱ھ یا ۹۹۲ھ میں پوشیدہ طور پر پھانسی دلوادی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک روز شیخ عبدالنبی فتح پور پہنچ گئے۔ اور اکبر کو برا بھلا کہا۔ اس نے آپ کے منہ پر پوری قوت سے گھونسہ مارا اور راجہ ٹوڈرمل کے حوالہ اس بہانہ کر دیا کہ ان سے ستر ہزار روپیہ کا حساب لیا جائے جو مکہ معظمہ جاتے وقت ان کو دیئے گئے۔ اس کے بعد حوالات میں آپ کو محبوس رکھا گیا۔ اور رات کو کسی نے آکر ان کا گلا گھونٹ دیا۔ اور دوسرے دن دوپہر تک مینارہ والے میدان میں لاش پڑی رہی۔

ابوالفضل نے آپ کے قتل کے بعد بھی اپنا بغض ان الفاظ سے ظاہر کیا ہے کہ اس بدسگال سے پوچھ گچھ ہوئی تو اس نے خاموشی اور سرشاری کے سوا کچھ نہ جواب دیا۔ اس کو قید خانہ میں ڈال دیا گیا جہاں اس کا پیمانہ زندگی لبریز ہوگیا۔

آپ صاحب تصانیف بھی تھے۔ جیسا کہ تذکرہ علماء ہند صفحہ ۱۳۴ پر لکھا ہے کہ آپ کی ایک تالیف ؛ وظائف النبی صلی اللہ علیہ وسلم ؛ کا ایک قلمی نسخہ دارالمصنفین اعظم گڑھ کے کتب خانہ میں ہے۔

سماع پر بھی ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ ؛ قفال مروزی جنہوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ پر طعن کیا ہے ان کی رد میں بھی ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ [۱]

---

[۱] مآثر الامراء ج ۲ ص ۵۶۲

آپ کے قتل کی وجوہ:- ایک قصہ پیش آگیا کہ جن دنوں اکبر بانسواڑا کے سفر سے واپسی پر فتح پور میں قیام پذیر تھا تو متھرا کے قاضی، قاضی عبدالرحیم نے ان (عبدالنبی) کے پاس شکایت کی کہ: اپنا ارادہ ایک مسجد بنانے کا تھا۔ لیکن یہاں کے ایک سرکش مالدار برہمن نے اس زیر تعمیر مسجد کا سامان اٹھوا کر بت خانے کی عمارت پر صرف کر دیا ہے۔ جب ہم نے اس پر اعتراض کیا اور رکاوٹ ڈالنا چاہی تو اس کم بخت نے (اس کے منہ میں خاک) حاضرین کے سامنے (اس واقعے کے گواہ ہیں) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مبارک میں گستاخی کی اور مسلمانوں کی بری طرح تذلیل و توہین کی، جب شیخ نے اس برہمن کو طلب کیا تو وہ حاضر نہ ہوا۔ اس پر بیربل اور شیخ ابوالفضل کو بھیجا گیا وہ اس برہمن کو دربار میں لائے۔ شیخ ابوالفضل نے جو کچھ لوگوں کی زبانی سنا تھا وہ بے کم وکاست کہہ سنایا اور کہا کہ اس امر کی تحقیق ہو چکی ہے کہ اس نے گستاخی کی تھی چنانچہ علماء میں سے بعض نے تو اسے قابل گردن زنی ٹھہرایا۔ اور بعض اسکی تشہیر اور جرمانے کے قائل تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علماء دو گروہوں میں بٹ گئے۔

اس سلسلے میں ان میں بہت بحث و مباحثہ ہوا۔ شیخ عبدالنبی نے بڑی کوشش کی کہ بادشاہ سے اس کے قتل کا حکم حاصل کریں۔ لیکن بادشاہ نے کھلم کھلا حکم دینے سے گریز کیا۔ اور اشارۃً وکنایۃً یہ کہا کہ: شرعی سزاؤں کا تعلق تم سے ہے ہم سے کیا پوچھتے ہو؟

شیخ نے مکان پر پہنچتے ہی اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ جب بادشاہ کو اس صورتِ حال کا پتہ چلا تو اسے بہت طیش آیا۔ پھر ادھر تو اندرون حرم سے بیگمات نے اور ادھر باہر سے تمام ہندو مقربین نے بھی شور کیا۔

بدایونی لکھتے ہیں کہ: اس موضوع پر بڑی لمبی چوڑی بحث ہوئی۔ اس

دوران لوگوں نے دیکھا کہ بادشاہ کی مونچھوں کے بال شیر کے بالوں کی طرح کھڑے ہوگئے۔ ادھر لوگ مجھے پیچھے سے ٹھوکے دے رہے تھے کہ میں مزید بحث کو ختم کروں۔ اچانک بادشاہ جھلا کر بولے ''یہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو بیہودہ ہے''، میں اسی وقت آداب بجالا کر واپس حجرے میں چلا آیا۔ اس دن سے میں نے ایسی جرأت کرنا اور بحث مباحثے میں حصہ لینا ترک کردیا۔ اور گوشۂ تنہائی میں جا بیٹھا۔ کبھی کبھار دور رہی سے تسلیم بجالاتا تھا۔ اور بس۔ اس واقعے کے بعد شیخ عبدالنبی کو روز بروز زوال ہوتا گیا۔ بادشاہ اور ان کے درمیان گویا ایک پردہ حائل اور ایک کھنچاؤ پیدا ہوگیا۔ دونوں ایک دوسرے سے دور دور رہنے لگے۔ اور شیخ نے دربار میں جانا بالکل بند کردیا۔

انہی دنوں فیضی کا باپ شیخ مبارک آگرہ سے کسی معاملے کی مبارکبا دینے فتح پور آیا۔ بادشاہ نے اس کے سامنے بھی یہ سارا واقعہ دھرایا۔ اس نے جواب میں یہ کہا کہ آپ تو خود اپنے دور کے امام اور مجتہد ہیں۔ آپ کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ آپ شرعی یا ملکی احکام کے بارے میں ان لوگوں سے رجوع کریں۔ جنہیں علم سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اور جو فقط جھوٹی شہرت کے مالک ہیں۔

بادشاہ نے کہا: اب تم ہمارے استاد ہو اور ہم تم سے درس لیا کریں گے تم ہمیں کسی طرح ان ملاؤں سے چھٹکارا دلادو، اس نے بھی اپنی پرانی رقابتوں اور دشمنیوں کا بدلہ لینے کے لئے موقع غنیمت جانا اور اپنے خبث باطن کے سبب کہنے لگا: آپ اپنے مجتہد ہونے کا دعویٰ کردیں اور اس ضمن میں ان لوگوں سے محضر لکھوالیں، چنانچہ یہی وہ واقعہ ہے جس کی بنا پر اس نے یہ محضر تیار کیا کہ بادشاہ نہ صرف یہ کہ مجتہد ہے بلکہ دیگر مجتہدوں سے بھی افضل ہے

پھر شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک کو عام لوگوں کی طرح زبردستی پکڑ کر ان باجیوں کی محفل میں لایا گیا۔ اور کسی نے ان کی تعظیم تک نہ کی۔ وہ جوتیوں کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ اور ان سے زبردستی اور بہ جبر و اکراہ اس محضر پر دستخط کروالئے گئے۔[1]

النورالسافر میں ہے کہ: ۹۹۱ھ بمطابق ۱۵۸۳ء میں شیخ عبدالنبی صدر کو شہید کر دیا گیا۔ جو علم میں بڑا تبحر رکھتے تھے۔ اور اکبر کے نزدیک قابلِ تعظیم تھے یہاں تک کہ اکبر بذاتِ خود آپ کی خدمت کرتا تھا مگر پھر اس کے بعد آپ کو ابتلا پیش آیا جس پر آپ کا صبر بھی ضرب المثل ہے۔ جیل خانے میں جہاں آپ کو انواع و اقسام کے طریق سے عذاب دیا گیا وہاں بادشاہ اکبر آپ کے پاس آدمی بھیجتا کہ دینی تصلّب کو اب بھی آپ چھوڑ دیجئے۔ تب آپ سلطنت کے عہدوں پر جس طرح پہلے تھے بحال کر دئے جاؤ گے۔ مگر آپ کی طرف سے وہ جواب ملتا جس سے سلطان کا غیظ و غضب اور بڑھتا۔ بادشاہ نے کسی کافر کو آپ کے قتل کا حکم دیا تو ایک مدت تک اس کو بجا نہ لا سکا اس لئے کہ جب بھی وہ آپ کے پاس جاتا تو آپ کو نماز، تلاوت وغیرہ میں مشغول پاتا اور آپ کے قتل سے توقف کرتا اور وہ بادشاہ سے کہتا کہ آپ مجھے اگر سو کفار کے مارنے کا حکم کریں تو میں بجا لا سکتا ہوں لیکن یہ مسلمان، اس کو میں مار نہیں سکتا۔ اس لئے کہ میں نے اس کو ہمیشہ اپنے پروردگار کی طاعت و عبادت میں پایا ہے۔ اس لئے اس سے مجھے معذور رکھئے۔

کئی دفعہ آپ کے پاس زہر کا پیالہ لایا گیا اور آپ نے شاید محسوس فرما کر اس کے تناول کرنے سے انکار کیا۔ اور یہ کہتے ہوئے کہ مجھے معلوم ہے کہ اس میں کیا ہے اور میں اپنی جان کے قتل کرنے پر خود اعانت نہیں کر سکتا۔

---

[1] منتخب التواریخ، دربار ملی ص ۲۵۵۔

اس لئے کہ یہ دین میں حرام اور ناجائز ہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے آپ کو گلا گھونٹ کر مارنے کا حکم دیا۔ جس پر عمل کیا گیا اور آپ شہید ہوئے۔ اور یہ ۱۲ ربیع الاول کی شب میں ۹۹۰ھ بمطابق ۱۵۸۲ء میں آپ کو شہید کیا گیا۔ [۱]

اعمالِ خیر متعدد مرتبہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ حاضری کا شرف پایا اور وہاں علم حدیث حاصل کیا۔ جب واپس لوٹے تو اپنے آباء و اجداد کے طرز سماع کے منکر تھے۔ اور محدثین کی روش اختیار کی تھی۔ طہارت و پاکبازی اور تقویٰ کے علاوہ عبادتِ ظاہری میں مصروف رہتے تھے۔ جب عہدۂ صدارت پر فائز ہوئے تو لوگوں کو بے حساب اراضی مددِ معاش کے لئے دی اور بہت سے وظیفہ اور اوقاف بھی قائم کئے۔ جو وظائف و اوقاف انہوں نے قائم کئے اس کا عشر عشیر بھی کسی اور صدر نے نہ کیا ہوگا۔

اخبار الاخیار میں آپ کے حالات اس طرح ہیں کہ! شیخ عبدالقدوس رح کے صاحبزادہ شیخ عبدالنبی رح تھے۔ جو اسلامی تعلیم حاصل کرنے کے بعد جوانی میں زیارتِ حرمین سے مشرف ہوئے، مکہ مکرمہ پہنچ کر بعض فقہائے کرام سے تھوڑا سا علمِ حدیث حاصل کرکے اپنے وطن واپس آئے اور پھر زہد و عشق میں مشہور رہوئے۔ اپنے والد اور چچا صاحبان سے مسئلہ توحید و سماع میں گفتگو کی، آپ کے والد صاحب نے قوالی کے جواز میں ایک کتاب لکھی۔ آپ نے عدمِ اباحت میں ایک رسالہ سپردِ قلم فرمایا، اس سے اگرچہ آپ کو کافی تکلیف اٹھانی پڑی، لیکن یہی رسالہ آپ کی شہرت کا سبب بنا، بادشاہِ وقت اس زمانے میں ایک ایسے وزیر اعظم کا طلبگار تھا جو عالم اور دیندار ہو۔ چنانچہ بعض اسباب و ذرائع سے آپ ۹۷۱ھ میں کرسئ وزارت پر جلوہ افروز

---

[۱] النور السافر ص ۳۳۹۔

ہوئے۔ ایّام وزارت میں آپکی مہر میں یہ الفاظ منقوش تھے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ ؁

آپ نے دورانِ وزارت میں اپنی محنت کی بدولت زیادہ عزت و منصب حاصل کیا۔ آپنے وزیر اعظم ہوتے ہی ظلم و تشدد کو ختم کیا۔ اور اچھی طرح سے مال وجاہ حاصل کیا۔ بادشاہِ وقت کو آپ سے بڑی عقیدت تھی جس کی وجہ سے دوسرے لوگ بادشاہ کی نگاہ میں حقیر نظر آنے لگے اور دوسرے سرفار کے ساتھ آپکے مقابلے میں ان کے منصب سے کم معاملہ ہونے لگا۔ غرضیکہ جو کوئی آپ کی طبیعت کے مطابق نہ ہوتا وہ بادشاہ کے یہاں حصولِ منصب سے محروم رہتا۔ کچھ عرصہ کے بعد ۹۸۶ھ میں بعض اسباب کی بنا پر مزاج شاہی میں کچھ فرق آگیا اور آپ عہدۂ وزارت سے معزول ہو گئے۔ آپکو اور مولانا عبداللہ سلطانپوری کو جو کہ افغانوں کے دور سے اب تک معزز و مکرم تسلیم کئے گئے تھے۔ جن کا لقب مخدوم الملک تھا اور جو صحیح الرائے، عقلمند اور تجربہ کار مشہور تھے مکہ مکرمہ کی طرف سفر کرنے کا حکم دیدیا گیا۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ! آخر کار پریشان ہو کر دونوں حضرات مکہ مکرمہ سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے۔

مخدوم الملک نے گجرات کے علاقہ میں پہنچ کر ۹۹۱ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور شیخ عبدالنبی لوٹ کر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے، عرصۂ دراز تک جیل میں محبوس رہے اس سے پہلے بادشاہ کی نظر میں آپ جتنے معزز و مکرم تھے اب اتنے ہی ذلیل و خوار اور غیر معتبر ہوئے۔ وہیں جیل خانہ میں ۹۹۲ھ میں انتقال فرمایا۔[1]

---

[1] اخبار الاخیار ص۲۶۵۔

شیخ محمود بن محمود

(م ۹۹۲ھ بمطابق ۱۵۸۴ء)

شیخ فاضل علامہ حکیم محمود بن محمود عباسی قاضی شہاب الدین بن شمس الدین سندھی ثم گجراتی۔ یکے از علمائے کبار۔ حضرمی فرماتے ہیں کہ وہ طب ومعالجات میں کمال درجہ مہارت رکھتے تھے۔ ان کی فراست وطبابت کا یہ واقعہ قابل بیان ہے کہ ایک بادشاہ نے سلطان محمود بیگرہ والیٔ گجرات کے حضور چند نفیس تحائف میں کنیز بھی پیش کی جو سلطان نے ایک وزیر کو عطا فرمادی۔ اتفاق کی بات مقاربت سے قبل حکیم صاحب نے کنیز کی نبض دیکھ کر وزیر سے کہا کہ آپ اس سے مقاربت سے پرہیز رکھئے ورنہ آپ مرجائیں گے۔ وزیر نے اس تجربہ کے لئے کنیز کو اپنے ایک غلام کے سپرد کیا۔ خلوت صحیحہ کے بعد غلام واقعی مرگیا۔ اس پر وزیر نے حکیم محمود سے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ اس کنیز کی والدہ کو حالت حمل میں ایسی چیزیں کھلائیں گئیں جن کا اثر کنیز کو ورثہ میں ملا۔ اور ہدیہ بھیجنے والے نے بادشاہ کو اس طریق سے قتل کرنا چاہا تھا۔ احمدآباد میں حکیم صاحب کی وفات ۹۹۲ھ مطابق ۱۵۸۴ء میں ہوئی۔[1] رحمۃ اللہ علیہ۔

شیخ محمد بن احمد فاکہی

(م ۲۱ جمادی الاولیٰ ۹۹۲ھ بمطابق ۱۵۸۴ء)

شیخ ابوالسعادات محمد بن احمد بن علی فاکہی مکی حنبلی۔ آپ کی ولادت مکہ مکرمہ میں ۹۲۳ھ میں ہوئی۔ جمیع علوم میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ کے اساتذہ میں علامہ ابوالحسن بکری شیخ

---

[1] نزہۃ الخواطر اردو ۵/۱۲ عربی ۵/۱۲ ص ۴۸/۳۴۷۔

الاسلام ابن حجر ھیثمی اور شیخ محمد خطاب قابل ذکر ہیں ۔ یہ سب مکہ مکرمہ کے زبردست علماء میں سے تھے ۔ ان حضرات کے علاوہ حضرموت اور زبید کے علماء سے بھی استفادہ کیا ۔ حضرمی نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے جن حضرات سے اکتساب کیا ہے ان کی تعداد نوّے سے زیادہ ہے ۔ [1]

اشتغال بالعلم کا یہ عالم تھا کہ اربعین نوویہ، عقائد نسفیہ المقنع در فقہ حنبلیہ، جمع الجوامع، الفیہ ابن مالک، تلخیص المفتاح، شاطبیہ در قرأت نور السعید لابن سید الناس ۔ یہ ساری کتابیں ازبریاد تھیں ۔ قرآن مجید کے بھی جید حافظ تھے اور سبعہ قرآن کی تلاوت کرتے ۔

تصانیف آپ نے نظم ونثر دونوں میں کئی مفید رسالے لکھے منجملہ ان کے آیۃ الکرسی کی تفسیر نور الابصار شرح مختصر الانوار، رسالہ در لغت ۔ باب السلاطین مشہور ہیں ۔

اوصاف حضرمی فرماتے ہیں کہ میرے والد انہیں شیخ الاسلام سے یاد کرتے وہ بڑے فیاض تھے بعضوں نے یہاں تک کہا کہ ان سے زیادہ سخی ہم نے دیکھا ہی نہیں ۔ اشراف اور عرب کے لوگوں میں سے جو کوئی بھی ھندوستان آیا وہ ان کا احسان مند رہا ۔ [2]

عجیب اتفاق ایک عجیب اتفاق کی بات ہے ان کے بھائی شیخ عبداللہ اور شیخ عبدالقادر کا شمار اہل علم وفضل میں ہوتا تھا ۔ ان تینوں بھائیوں کا انتقال یکے بعد دیگرے دس سال کے وقفہ سے ہوا ہے ۔ چنانچہ سب سے پہلے شیخ عبداللہ کی وفات ہوئی ۔ دس سال کے بعد شیخ عبدالقادر کی رحلت ہوئی ۔ اور پھر دس سال کے بعد شیخ محمد بن

---

[1] النور السافر ص ۳۶۳ [2] ایضاً ۔

احمد فاکہی کا انتقال ہوا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ کا ذکر شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمہ نے اپنی معجم میں کیا ہے کہ تین مشایخ عراقی بلقینی اور ابن الملقن اپنے زمانہ کے مایۂ ناز علماء میں سے تھے ان میں عراقی فنون حدیث میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ بلقینی مذہب شافعی کے زبردست عالم تھے۔ اور ابن الملقن کثرت تصانیف میں مشہور تھے۔ ان میں سے ہر ایک کی پیدائش دوسرے کے ایک سال بعد ہوئی اور وفات بھی اسی وقفہ سے ہوئی۔

وفات:۔ شیخ محمد بن احمد فاکہی تیس سال تک درس و تدریس اور خدمت خلق میں لگے رہے۔ بروز جمعہ ۱۲ جمادی الاولیٰ ۹۹۲ھ میں احمد آباد میں وفات ہوئی اور یہیں آسودۂ لحد ہوئے۔ [1]

شعر گوئی کا ملکہ بھی بہت عمدہ تھا۔ آپکا ایک شعر ہے۔

طبعت علی حب المعزة والثناء
وارجوهما فی طول عمری دیدنی

آپکی شان میں شیخ عبداللطیف کا مدحیہ قصیدہ ہے۔

یا علامة الدنیا ویا عالم غدا　　یقصر عن غاته فی العلی البدر

النور السافر میں لکھا ہے کہ: آپ کا سن ولادت ۹۲۳ھ ہے۔

آپ کو جمیع علوم میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ اور آپ نے مذاہب اربعہ کی کتب پڑھی تھیں۔

آپ کے مشائخ میں سے علامہ ابوالحسن بکری اور ابن حجر ہیثمی، اور شیخ محمد حطاب ہیں۔ نیز مکہ مکرمہ، حضرموت اور زبید کے بکثرت دیگر علماء بھی ہیں۔

---

[1] النور السافر نزهة الخواطر اردو ۳۲۳ عربی ۲۰۳ ص ۳۸۳۔

کہتے ہیں کہ تقریباً نوّے سے زائد مشائخ سے انہوں نے علم حاصل کیا۔ آپ کو یہ کتابیں حفظ تھیں۔ اربعین نووی، عقائد نسفیہ، حنابلہ کے فقہ میں مقنع، اصولِ فقہ میں جمع الجوامع، نحو میں الفیہ ابن مالک، معانی و بیان میں تلخیص المفتاح، قرأت میں شاطبیہ اور سِیَر میں نور العیون جو ابن سید الناس یَعمُری کی ہے نیز قرآن کریم کے آپ حافظ تھے۔ اور تجوید کی ساتوں قرأتوں میں پڑھتے تھے۔ آپ کو نظم اور نثر پر بھی عبور حاصل تھا۔ اور متعدد مفید رسائل اور تالیفات آپ نے تالیف فرمائیں۔ ایک آیت الکرسی پر تالیف کی دوسری شرح؛ مختصر الانوار، جس کا نام نور الابصار ہے جو فقہ شافعی میں ہے۔ اسی طرح لغت میں ایک رسالہ ہے نیز ایک عظیم کتاب تصنیف کی اور سلاطین میں سے کسی کے نام سے اس کا نام رکھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے زمانے میں آپ کو بڑی قبولیت عطا فرمائی تھی اس کے باوجود اختلاط اور میل جول سے آپ بہت دور رہتے۔ فرمایا کرتے تھے۔

اَلْاُنْسُ بِاللّٰہِ نورٌ سَاطِعٌ وَالْاُنْسُ بِالنَّاسِ سَمٌّ قَاطِعٌ

ایک مرتبہ بعض وزراء کی مجلس میں استفہام انکاری پر گفتگو ہو رہی تھی تو کسی نے ان کی طرف خطاب کرتے ہوئے؛ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتَابَ اَفَلَا تَعْقِلُوْن، یہ آیت پڑھی، تو انہوں نے برجستہ انکی طرف مخاطب ہوکر؛ اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوَاہُ وَاَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلٰی سَمْعِہٖ وَقَلْبِہٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِہٖ غِشَاوَۃً فَمَنْ یَّھْدِیْہِ مِنْ بَعْدِ اللّٰہِ اَفَلَا تَذَکَّرُوْن، پڑھی۔

آپ مہمانوں پر بہت زیادہ خرچ کرتے اسی لئے کوئی چیز آپ جمع کرکے نہیں رکھتے تھے۔ ہمیشہ قرضدار رہتے۔

آپ پر تواضع کا اس قدر غلبہ تھا کہ بعضے لوگ اس کو چاپلوسی سمجھتے۔ ہندوستان آپ پہنچے اور ایک طویل مدّت یہاں مقیم رہے۔ پھر اپنے وطن مکہ مکرمہ ۹۵۷ھ میں لوٹ گئے۔ اس سال آپ نے حج کیا پھر مدینہ منوّرہ پہنچکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی پھر آئندہ سال دوسرا حج کیا۔ اس کے بعد ہندوستان ۹۶۰ھ بمطابق ۱۵۵۲ء میں واپس لوٹے اور وفات تک یہیں مقیم رہے۔

علامہ ابو السعادات کی شان میں شیخ عبداللطیف اُبیر نے ایک قصیدہ کہا جس کا یہ شعر ہے۔

یا علامۃ الدنیا ویا عالم غدا — یقصّر عن غایاتہ فی العلی البدرُ

تباھت بہ کجرات لما ثوی بہا — فان فخرت یوما یحق لہا الفخر

۱۲ رجادی الاولیٰ بروز جمعہ ۹۹۲ھ علامہ ابو السعادات فاکہی نے انتقال فرمایا[1]

شیخ احمد بن بدر الدین

م ۴ رمضان المبارک ۹۹۲ھ

شیخ عالم محدث احمد بن بدر الدین لقب شہاب الدین۔ علم وفضل میں نامور صلاح وتقویٰ میں مشہور تھے شیخ عبدالقادر نے آپ کا تذکرہ "النور السافر" میں اس طرح کیا ہے کہ۔

آپ کا سال ولادت ۹۰۳ھ اور مولد مصر ہے۔ اور وہیں کے اساتذہ سے تحصیل علم کیا۔ منجملہ ان اساتذہ کے شیخ الاسلام زین الدین زکریا انصاری۔ شیخ

[1] النور السافر صفحہ ۳۶۳۔

علامہ برہان الدین بن ابو شریف ۔ شیخ کمال الدین ، شیخ زین الدین الغزی، شیخ نورالدین ملتجی ہیں ۔

شیخ الاسلام ابو العباس طنبدا وی بکری سے زبید میں ۹۲۶ھ میں ملاقات ہوئی اور ان سے استفادہ کیا ۔

آپ کی ولادت سے قبل آپ کے والد محترم اپنے زمانہ قیام شام میں صاحب فراش ہوگئے تو انہوں نے بواسطہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صحت کے لئے دعا کی ۔ خواب میں دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کندھے پر تھپکی دے کر فرمایا ۔ اے ابو احمد کھڑے ہوجاؤ تو وہ صحت یاب ہوگئے ۔ ان کے فرزند متولد ہوا اس کا نام احمد رکھا گیا تب ان کی کنیت ابو احمد قرار پائی ۔

آپ کی کئی تصانیف ہیں ۔

۱ ۔ شرح المنہاج للنووی (در فقہ)
۲ ۔ شاطبیہ (قرأت)
۳ ۔ العمدۃ للمقدسی (الحدیث)
۴ ۔ الاربعین

آپ تقویٰ میں فائق تھے ۔ اور قلیل الاختلاط تھے ۔ شب جمعہ ۴ رمضان المبارک ۹۹۲ھ کو احمدآباد میں داعی اجل کو لبیک کہا ۔ اور وہیں آسودۂ لحد ہوئے۔[۱]

النور السافر میں آپ کے متعلق لکھا ہے کہ شیخ شہاب الدین احمد بن شیخ بدرالدین عباسی مصری شافعی ۔ آپ کی ولادت مصر میں ہوئی تاریخ ولادت ۹۰۳ھ ہے ۔ آپ نے ۹۹۲ھ بمطابق ۱۵۸۴ء ۴ صفر شب جمعہ میں احمدآباد میں وفات پائی ۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر نوے سال تھی اور عرب کے قبرستان

---

[۱] النور السافر، نزھۃ الخواطر اردو ج۵ ص۳ ، عربی ج۴ ص۱۹ ۔

میں احمد آباد میں آپ کو دفن کیا گیا۔ جہاں آپ کے قریب آپ کے شاگرد اور آپکے ساتھی شیخ محمد بن عبدالرحیم عمودی کی بھی قبر بنائی گئی ہے۔

دونوں کے درمیان کافی اتحاد اور بڑی محبت تھی گویا کہ یک جان دو قالب ہیں۔ آپ علمار عاملین اور اللہ تعالیٰ کے عباد صالحین میں سے تھے۔ آپ نے جن شیوخ سے علم حاصل کیا وہ یہ ہیں۔ شیخ الاسلام زکریا انصاری، علامہ برہان الدین بن ابی شریف، امام نورالدین محلی، شیخ کمال الدین طویل، شیخ زین الدین غزی، اور شیخ نورالدین بلیجی ہیں۔

شیخ الاسلام ابوالعباس طبنداوی بکری سے بھی ۹۲۶ھ میں زبید میں علم حاصل کیا۔ فقہ میں آپؒ کو نووی رح کی کتاب ؛منہاج ؛قرأت میں ؛شاطبیہ، حدیث میں مقدسی کی ؛عمدہ ؛اور نووی رح کی ؛اربعین حدیث ؛اور نحو میں ؛اجرومیہ؛ اور ؛مختصر ابی الشجاع ؛ ازبر اور حفظ تھیں۔ تمام ہی علوم میں آپکو دسترس حاصل تھی مگر علم الحرف، علم الفلک اور علم المیقات میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ بڑے متورع، لوگوں سے بہت کم اختلاط اور میل جول رکھنے والے کتاب وسنت پر عامل اور سلفِ صالحین کے طریقے پر عامل تھے۔

آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد کے متعلق قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے والد شام جاکر شدید بیمار ہو گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا۔ خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے کندھے پر دست مبارک مار کر ارشاد فرمارہے ہیں۔ ؛قُم یا اَبا احمد، حالانکہ اس وقت احمد نامی ان کی کوئی اولاد نہ تھی تو جب آنکھ کھلی تو بالکلیہ مرض جاتا رہا، اٹھ کھڑے ہوئے۔ مصر سے جب چلے تھے تو آپ کی بیوی حاملہ تھی چند روز کے بعد خبر پہنچی کہ ؛ آپ کے ہاں اللہ نے لڑکا

دیا،، اس کا نام آپ نے احمد رکھا صحیح بخاری کے اساتذہ و طلبہ میں جو اشعار معروف ہیں۔

كَانَ البُخَارِي حَافِظًا وَمُحَدِّثًا جَمَعَ الصَّحِيحَ مُكَمَّلَ التَّحْرِيرِ
مِيلَادُهُ صِدقٌ وَمُدَّةُ عُمرِهِ فِيهَا حَمِيدٌ وَانقَضَى نُورِ

یہ شیخ شہاب الدین احمد کے شعر ہیں وفات سے پہلے آپ نے اپنے کسی تلمیذ سے لکھوایا۔

وامنح صَدِيقَكَ مَا استطعت صِدْقًا وادفع عَدُوَّكَ بِالَّتِي فَاِذَا الَّذِي

انہوں نے تلمیذ سے یہ بھی املا کروایا کہ میں نے علامہ عبد اللہ اباکثیر سے مکہ مکرمہ ۹۲۳ھ میں یہ سنا۔ وہ بیان کر رہے تھے کہ ایک شخص علماء مصر میں سے مکہ مکرمہ آئے پرانے زمانے میں اور وہاں رہنے لگے۔ ایک دن حرم میں کرسی پر بیٹھے تاکہ لوگوں کو نصیحت کریں تو حمد و صلوٰۃ کے بعد سب سے پہلے جو انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی وہ یہ تھی: انہوں نے کہا مجھے بچپنے میں تہذیب سکھاتے ہوئے میرے والد نے یہ شعر پڑھا تھا۔

اِذَا شِئتَ اَن تَحيَا سَلِيمًا مِنَ الاَذَى وَذَنبُكَ مَغفُورٌ وَعِرضُكَ صَيِّنٌ
فَلَا يَنطِق مِنكَ اللِّسَانُ بِسَوءَةٍ فَلِلنَّاسِ سَوآتٌ وَلِلنَّاسِ اَلسُنٌ

نیز آپ نے شاگرد سے یہ بھی املا کروایا، شیخ عبد اللہ اباکثیر سے نقل کرتے ہوئے کہ وہ بیان کرتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اعرابی آیا۔ اور عرض کیا: اَفِي قُرآنِكَ مِثلُ هٰذَا،، ؟ کیا آپ کے قرآن میں اس کے مانند ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کیا؟ تو اعرابی نے چند اشعار پڑھے جن میں سے ایک شعر یہ ہے۔

فَاِن جَهَرُوا بِالقَولِ فَاعفُ تَكَرُّمًا وَاِن سَتَرُوا عَنكَ المَقَالَةَ لَم تَسَل

فرماتے ہیں اسی پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تھی ؛ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ۔

نیز شیخ عبداللہ سے نقل کرتے ہوئے یہ اشعار بھی انہوں نے لکھوائے۔

مَنْ لَّمْ يَبْكُوْهُ نَاصِحُوْهُ يَضْحَكُ مِنْ حَالِهٖ عَدَاهُ
اَدَّبَهُ الْاَيَّامُ وَاللَّيَالِیْ مَنْ لَّمْ يُؤَدِّبْهُ وَالِدَاهُ

میاں خان چشتی

م ۵ رجادی الاولی ۹۹۵ھ بمطابق ۱۲ راپریل ۱۵۸۷ء

حضرت میاں خان چشتی، ملتانپور کے نزدیک دریائے سابرمتی کے کنارے پر حجرہ بنا کر وہاں مقیم تھے۔ اسی جگہ آپ کی قبر بھی بنائی گئی۔ قریب میں ایک بڑی مسجد ہے۔ جو ملک مقصود کی تعمیر کردہ ہے۔ آپ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

میاں خان چشتی شیخ نظام الدین نارنولی کے مرید تھے اور آپ خواجہ خاتون علی تاج ناگوری چشتی کے، وہ خواجہ اسمٰعیل بن خواجہ حسن سرمست فاروقی چشتی کے، اور وہ خواجہ حسن سرمست ابن خواجہ سالار کے؛ اور وہ خواجہ اختیار الدین

۱؎ الانوار السافر صفحہ ۲۴۲ تا ۲۴۴۔

عم کے، اور وہ خواجہ محمد صابی کے، اور وہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رح کے مرید تھے۔ آپ کے یہاں کا قاعدہ یہ تھا کہ آپ کسی سے زیادہ ملتے جلتے نہیں تھے۔ خلوت میں رہتے۔ اگر کوئی شخص ملاقات کے لئے آتا تو حجرے کے اندر سے آواز دیتے کہ کون ہو؟ جب وہ اپنا نام بتاتا پوچھتے کہ کبھی ملاقات کیلئے آئے ہو۔ اگر وہ کہتا کہ میں پہلے کبھی نہیں آیا تو حجرے کا دروازہ کھول دیتے تھوڑی دیر ملاقات کرکے اس کو رخصت فرما دیتے۔ اور اگر وہ کہتا کہ ایک بار یا اس سے پہلے ملاقات کرچکا ہوں تو جواب دیتے کہ فقیر وہی ہے جس کو آپ دیکھ چکے ہیں۔ دوبارہ دیکھنے کی کیا ضرورت پیش آئی ہے۔ ایک مرتبہ شیخ محمد چشتی بن شیخ حسن محمد اپنے والد سے اجازت لے کر میاں خان کی ملاقات کو چلے۔ حجرہ کی زنجیر کھٹکھٹائی حسب عادت آپ نے پوچھا کہ کون ہو؟ شیخ محمد نے پرجوش آواز میں فرمایا ابھی تک کس کس میں پڑے ہو۔ میاں خان تھوڑی دیر سوچ میں رہے۔ اس کے بعد ٹھنڈا سانس بھر کر کہا کہ آجاؤ۔ معلوم ہوا کہ شیخ حسن محمد کے صاحبزادے آئے ہوئے ہیں۔ حجرہ کا دروازہ کھولا اور ان سے گفتگو فرمائی تو اہل دل اور ہم جنسوں کیلئے استثناء ہے وہ عوامی قاعدہ ان کے لئے نہیں تھا۔ ۵ رجمادی الاولیٰ کو آپ نے انتقال فرمایا۔ [1]

ملک چاند والد میاں جیو جی

آپ کی زاد بوم احمد آباد ہے۔ آپ کا جسم شریعت کا مظہر اور دل طریقت کا منبع تھا۔ آپ نے اپنے وطن سے حجاز کی طرف سفر اختیار فرمایا اور مکہ معظمہ میں رہائش اختیار کی جس رات آپ نے عالم جاودانی کو کوچ فرمایا اسی رات احمد آباد میں ایک اور

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی صـ ۸۴ ۔

شخص کا بھی انتقال ہوا۔ جو ظلم اور تکلیف دینے میں بدنام تھا۔ چند روز بعد شہر کے بزرگوں میں سے کسی نے اس ظالم شخص کو خواب میں دیکھا کہ وہ تو بخشے ہوئے لوگوں کی طرح خوشحال ہے۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ تیرے ساتھ یہ معاملہ کیسے کیا گیا۔ اس نے کہا جس رات میری موت کا پیام آیا اس رات کو ملک چاند کا بھی سفر آخرت تھا۔ اس رات فرشتوں کو حکم ملا کہ آج کی رات جس کو بھی واپسیں سفر پیش آئے چاہے وہ نیک ہو یا خطا کار اس کے نامہ اعمال پر بخشش کے قلم سے خط کھینچ دو۔ اس تاریخ کے مرنے والوں کو اس بہتر نجات کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ [1]

شیخ جمال محمد جموجی پور ملک چاند

متوفی ۹۹۶ھ مطابق ۱۵۸۹ء

آپکا نام جمال محمد اور زاد بوم احمد آباد گجرات ہے۔ آپ کا مزار عادل پور برہانپور میں دریا خاں رومی کے باغیچہ کے اندر ہے جو آپ کے با اعتقاد مریدوں میں سے تھے۔

آفتاب طلوع ہونے سے عشاء تک مدتوں تفسیر اور حدیث کا درس دینے کا شغل رکھا اور ایسا نہیں کہ فیض کا دروازہ دشمن کے واسطے بند کر کے صرف دوست کے واسطے کھولا ہو۔ تعلیم دینے میں کبھی آشنا کو بیگانہ پر ترجیح نہ دی ۹۹۷ھ میں سفر حجاز کے واسطے روانہ ہوئے۔ شیخ محمود عبداللہ، شیخ عبدالقادر اور ردہ ملک پیر محمد حسن جنہوں نے اولیاء اللہ کے حالات کا تذکرہ لکھا ہے یہ تینوں اصحاب آپ کے ہمراہ تھے۔

شیخ طاہر یوسف نے جب سنا کہ غوث الثقلین شیخ محی الدین جیلانی کا پیراہن شیخ جموجی کے پاس ہے۔ تو شیخ طاہر آپ کے پاس گئے مسیح الزماں اور دیگر چند مشائخ

---

[1] گلزار ابرار صفحہ ۲۴۳۔

وقت بھی ہمراہ بھے قمیص کی دامن بوسی سب کو نصیب ہوئی ۔

آپ نے ۹۹۸ھ بمطابق ۱۵۸۹ء میں برہانپور میں انتقال فرمایا، اور دریا خان رومی کے باغیچہ میں مدفون ہوئے ۔ [1]

شیخ جمال الدین محمد بن علی حشیری

متوفی ۱۷ ربیع الثانی ۱۰۰۰ھ بمطابق ۳۱ جنوری ۱۵۹۲ء

شیخ جمال الدین محمد بن علی حشیری کا احمد آباد میں ۱۰۰۰ھ بمطابق ۱۵۹۲ء میں ۱۷ ربیع الثانی کو انتقال ہوا ہے، مشہور مشائخ میں سے تھے ۔ اور آپ کی بڑی شہرت تھی ۔ آپ کے متعلق بڑی کرامات مشہور ہیں ۔ بنو حشیر یہ اہلِ ولایت اور اہل صلاح کا شروع ہی سے خاندان چلا آرہا ہے، آپ کا نسب بنی ذھل بن عامر سے ملتا ہے جو عک بن عدنان کا بطن ہے، اور انکا خرقہ اور تصوف کا سلسلہ ابی الغیث بن جمیل یمنی تک پہنچتا ہے ۔ ان میں سے ایک جماعت کا شرجی نے طبقات میں ذکر کیا ہے جن میں سے بطور خاص علی بن احمد حشیبر جو مشائخ کبار میں سے ہیں جن کا ۸۲۲ھ میں انتقال ہوا ہے ۔ اسی طرح ان میں سے محمد بن عمر بن احمد بن حشیر ہیں ۔ جو بڑے فقیہ عالم اور عارف کامل تھے ۔ ان کی بھی بڑی کرامات مشہور ہیں حشیبر خاندان کے تصوف کے بڑے ابو الغیث بن جمیل یمنی کا انتقال ۶۵۱ھ میں ہوا ہے ۔ [2]

---

[1] گلزار ابرار صـ۴۳۸، صـ۴۳۹ ۔ نزھۃ الخواطر صـ۷۹ ، ۱۳۹ ج ۴ ۔

[2] النور السافر صـ۴۱۲ ۔

شیخ طٰہٰ چشتی

م ۱۰۰۰ھ مطابق ۱۵۹۱ء

آپ حضرت سلیم چشتی کے مرید بھی تھے اور خلیفہ بھی تھے۔ جب سلیم چشتی سفر حج پر روانہ ہوئے تو آپ بھی ان کے ساتھ تھے۔ حج سے واپسی پر گجرات پہنچے تو شیخ سلیم چشتی نے احمدآباد میں مقرر کر دیا۔ شیخ محمد شیروان اور بعض دوسرے عزیزوں کو بھی آپکے ساتھ رہنے کا حکم دیا۔ شیخ طٰہٰ نے عرض کیا کہ حضور اس علاقے میں بڑے بڑے اولیاء اللہ ہیں جنکی شہرت پورے ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے میں یہاں رہ کر کیسے کام کرسکوں گا۔

آپ نے فرمایا یہ تمام لوگ تمہارے تابع اور فرمابردار بن جائیں گے شیخ طٰہٰ احمدآباد میں قیام پذیر ہوئے۔ وہاں کے بزرگوں نے آپ کا باطنی امتحان لیا پھر آپ کے تابعدار بن کر روحانی فائدہ حاصل کرنے لگے۔

معارج الولایت کے مصنف لکھتے ہیں کہ ! اکبر کے زمانے میں مظفر ہوائی کو گجرات کا سلطنت دار بنا دیا مظفر شیخ طٰہٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ اپنے ہاتھ سے میری کمر پر تلوار باندھ دیں تاکہ اس کی برکت سے ھندوستان کی سلطنت میرے زیر نگیں رہے۔

حضرت شیخ نے جواب دیا کہ ھندوستان کی سلطنت کو اللہ تعالیٰ نے اکبر بادشاہ کے سپرد کر دیا ہے میں کون ہوتا ہوں کہ اس میں تبدیلی کی کوشش کروں۔ یہ بات سنتے ہی مظفر غصے سے بھڑک اٹھا اور کہنے لگا کہ اکبر کے لشکر سے لڑنے کی بجائے میری تلوار تمہارے خون سے تر ہوگی۔ شیخ نے فرمایا کہ میرا اور تیرے درمیان ایک ہفتہ کی مہلت ہونی چاہئے۔ اسکے بعد جو مرضی ہو کرنا۔ ابھی ہفتہ بھی نہ ہوا تھا کہ اکبر کی فوجیں

گجرات آپہونچیں اور گجرات پر قبضہ کر کے مظفر کو وہاں سے نکال دیا۔

شیخ طٰہٰ کی وفات ۱۰۰۰ھ میں ہوئی۔ [1]

چوں طٰہٰ بلطفِ خدا و نبی
ازیں دیر دون شد بخت رواں
۱۰۰۰ھ
شود وصالِ ترحیل آں شاہ دیں
زمہر دوم مرحوم طٰہٰ عیاں

ملک محمود بن پیارو

م ۱۰۰۰ھ مطابق ۱۵۹۱ء

شیخ فاضل محمود بن پیارو حنفی مشہور بہ ملک محمود - یکے از فضلائے مشہور رین درگجرات ۔ ان کے والد ملک پیارو برہانپور میں وزیر تھے ۔ وہ جب قتل ہو گئے تو ملک محمود برہانپور سے گجرات آ گئے ۔ انہوں نے طریقت و راہ سلوک طے کرنے کے لئے سید عرب شاہ حسینی بخاری کا دامن پکڑا ۔ پھر حرمین شریفین کا سفر فرمایا اور حج و زیارت سے فارغ ہو کر واپسی میں آگرہ میں قیام فرما ہوئے ۔ یہ دور سلطان اکبر تیموری کا تھا ۔ جس نے آپ کی بڑی قدر کی ۔ اپنا جلیس مقرر کر لیا ۔

کچھ عرصہ بعد شیخ معین الدین اجمیری کے مقبرہ کی تولیت سپرد کر دی ۔ پھر کچھ مدت کے بعد ۹۸۵ھ میں آپ گجرات تشریف لے گئے ۔ اگرچہ سلطان کو آپ کا اجمیر سے جانا ناگوار نہ تھا مگر جب اس نے ملک محمود کے رجحانِ قلب کا اندازہ کر لیا تو انکی علیحدگی منظور کر لی ۔

آپ فقہ و حدیث میں ماہر تھے اور شعر گوئی میں ملکہ تامہ حاصل تھا ۔ شیریں سخن تھے ۔ اخلاق کریمانہ سے متصف تھے ۔ مصنف نے اُن سے گجرات میں ملاقات کی اور

---

[1] خزینۃ الاصفیاء صـ۳۸۴ ۔

لکھا ہے کہ جب بھی ان کی خدمت میں باریاب ہوا انہیں جامع الصفات پایا۔ ہر ایک کے نزدیک محترم و مقبول اور محبوب تھے

ملک محمود کو مخدوم جہانیاں بخاری کے جانشین مخدوم شاہ عالم بخاری سے ایسی عقیدت ہوگئی کہ انہوں نے بادشاہ سے اس درگاہ کی مجاورت کی درخواست کی جو بڑے پس وپیش اور رد و بدل کے بعد قبول کر لی گئی اور وہ احمدآباد جاکر اس آستانہ کے مجاور بن بیٹھے توکل و قناعت کا گوشہ اختیار کر لیا اور اسی مجاورت میں انتقال ہوا ۸۸۱ھ میں احمدآباد میں وفات پائی اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔ [1]

ملک القضاۃ صدر جہاں فیض اللہ بن زین العابدین

مصنف محمود شاہی

ملک القضاۃ صدر جہاں فیض اللہ بن زین العابدین بن حسام بنبانی / بنبانی محمود شاہ بیگڑہ، بادشاہِ گجرات کے دربار میں تھے۔ اور ۹۰۳ھ میں اس بادشاہ کی طرف سے دکن میں سفارت پر گئے تھے اور اسی سال انہوں نے کتاب مجمع النوادر لکھی اور ۹۰۷ھ میں طبقات ناصری کے تتبع میں طبقات محمود شاہی لکھی۔ [2]

شیخ محمد

مصنف مناہل الانظار و ادویہ مفردہ

محمد بن عبداللہ لاری نے سلطان محمود شاہ (۸۶۳ھ - ۹۱۶ھ) کے حکم سے "مناہل الانظار" اور "ادویہ مفردہ" دو کتابیں تالیف کیں۔ [3]

---

[1] گلزار ابرار صفحہ ۲۹۶، نزہۃ الخواطر صفحہ ۲۵ ج۲ صفحہ ۵۰۲، منتخب التواریخ صفحہ ۶۳۸۔ [2] طبقات ناصری ۲؍۳۹۶ صفحہ
[3] تاریخ ادبیات فارسی ادب صفحہ ۳۳۵ ج ۱

مولانا عبدالکریم شیرازی

مؤلف طبقاتِ محمودیہ

شیخ علامہ عبدالکریم بن عطاء اللہ شیرازی ۔ آپ کا وطن شیراز ہے ۔ سلطان محمود شاہ کبیر کے عہد میں احمدآباد تشریف لائے اور احمدآباد میں شیراز کا سا ماحول پیدا کردیا ۔ علم تاریخ و رجال اور علوم حکمیہ میں ممتاز الاقران تھے ۔ آپ کے ایک صاحبزادے تھے ۔ جن کا نام عطاء اللہ تھا ۔ جو سلف کے متبع اور اپنے والد محترم کے پیرو تھے ۔

تصانیف طبقات محمودیہ ، جن میں حضرت آدم ؑ کی تخلیق سے لے کر ۹۱۵ھ مطابق ۱۵۰۹ء تک کے واقعات کے ساتھ ہر دور کے اکابر علماء شعراء اور ملوک و امراء کے حالات تحریر فرمائے ہیں ۔ [1]

تاریخ ادبیات فارسی میں ہے کہ !

اس کتاب کے مصنف عبدالکریم کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ملتیں ڈری کا خیال ہے کہ شاید یہ وہی مُلّا عبدالکریم ہمدانی ہوں جنہوں نے بہمنی خاندان کے مشہور وزیر محمود گاواں کے حالاتِ زندگی لکھے تھے ۔ اور جن کا خلاصہ فرشتہ نے محمد شاہ بہمنی کے حالات کے آخر میں دیا ہے ۔

بقول مؤلف والی ہرمز ، توران شاہ (۸۷۵ھ ۔ ۸۷۶ھ) نے انہیں دو ایک سال تک ایک ہزار دینار کا وظیفہ دیا ۔

۸۹۲/۸۷-۱۴۸۷ھ میں یہ والی ھرمز کی طرف سے بادشاہ (غالباً شاہ گجرات) کے پاس ایک سفارت پر بھیجے گئے ۔ جہاں راستے میں ان کا جہاز تباہ ہوگیا تھا بعد میں

---

[1] گلزار ابرار صفحہ ۲۴۳ نزہۃ الخواطر اردو صفحہ ۳۲۲ ۔ عربی صفحہ ۲۰۱ جلد ۴ صفحہ ۳۲۶ ۔

انہوں نے محمود شاہ بیگڑہ (۸۶۳ھ ۔ ۹۱۷ھ) کے ایما پر یہ کتاب لکھی ہوگی ۔ "طبقات محمود شاہیہ" کا نام "طبقات اکبری" اور "گلشن ابراہیمی" کے مؤلفین نے اپنے مآخذ میں دیا ہے ۔ یہ ایک عام تاریخ ہے جو ۹۰۵ھ ۔ ۹۱۰ھ تک کے حالات و واقعات پر مشتمل اور ایک فاتحہ اور نو طبقات میں منقسم ہے ۔ فاتحہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کے پہلے تیرہ سالوں کا ذکر ہے ۔ ہر طبقے میں ایک صدی کے حالات سال بسال مندرج ہیں ۔ اور ہر طبقے کا آغاز ہجری سال سے ہوتا ہے ۔ دسویں صدی ہجری کے پہلے پانچ سالوں کے واقعات "خاتمہ" کے ذیل میں دیئے ہیں ۔ نویں طبقے اور خاتمے میں جنوبی ہند بالخصوص گجرات کے واقعات کے بارے میں بہت سا مواد ملتا ہے ۔

ضمیمہ مآثر محمود شاہی

مآثر محمود شاہی کے نام سے دو کتابیں لکھی گئیں ۔ ایک عبدالخالق معروف بہ "سر برہنہ" نے لکھی ۔ جو بقول مؤلف "طبقات محمود شاہی" ۸۹۵ھ میں فوت ہوئے ۔ اور ایک "مآثر محمود شاہی" (گجرات کی تاریخ) جو بقول ریو "تاریخ محمود شاہی" بھی کہلاتی ہے عبدالکریم نے لکھی ہے ۔

بعضوں کا خیال ہے کہ ممکن ہے یہ اول الذکر کا ضمیمہ ہو یا پھر اسی نام کی ایک اور کتاب کا ضمیمہ جو محمود شاہ بیگڑہ کے حکم پر لکھی گئی ۔ جس کے دیباچے میں مؤلف نے نہ اپنا نام دیا ہے اور نہ کتاب کا ۔

ضمیمہ مرصع زبان میں لکھی ہوئی سلطان محمود شاہ بیگڑہ کے دور کی تاریخ ہے جو سلطان کے حکم پر لکھی گئی ۔ اس کا آغاز (۸۹۲ ۔ ۸۹۷ھ) سے ہوتا ہے ۔ جب سلطان مذکور نے بہادر گیلانی کے خلاف لشکر کشی کی اور اختتام اعظم ہمایوں کے ہاتھوں قلعہ آسیر کی فتح (۱۵۱۱ء/۹۱۷ھ) پر ہوا ہے ۔ سلہ

(سلہ تاریخ ادبیات فارسی ادب صفحہ ۲۹۹)

قاضی عبداللہ بن قاضی ابراہیم

آپ اکابر علماء اور اتقیاء میں سے تھے، آپ نے علم وفضل مخدوم عبدالعزیز ابہری ہروی سے حاصل کیا۔ آپکی طبیعت نہایت درجہ تیز تھی، اور ورع وتقویٰ میں کامل تھے۔ ابتداء میں آپ اپنے وطن دربیلہ میں مقیم رہے۔ جب شاہ بیگ نے سندھ کو فتح کیا تو ان دنوں آپ نے باغبان اور راوت میں بھی کچھ عرصہ سکونت اختیار کی اور ۹۲۴ھ میں سندھ سے ہندوستان پہنچے اور وہاں سے مدینہ طیبہ جاکر مقیم ہوگئے اور وہیں آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

آپ کے خلفاء میں سے شیخ صالح، شیخ رحمت اللہ اور شیخ حمید تھے۔

شیخ رحمۃ اللہ:۔ آپ اپنے زمانے کے یکتا تھے۔ آپ نے مناسک حج میں تین رسالے تحریر فرمائے جن پر مناسک میں لوگوں کا معمول رہا ہے۔ آپ حرمین کی مقدس سرزمین میں مدفون ہیں۔

شیخ حمید:۔ آپ فضائل وکمال سے آراستہ وپیراستہ تھے علوم نقلیہ وعقلیہ میں کامل مہارت رکھتے تھے اور حدیث وتفسیر میں بھی خصوصاً آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔

جس وقت مظفر بن سلطان محمود گجراتی اکبر کے امراء میں سے ایک امیر شہاب خان پر غالب آگیا اور احمد آباد پر قبضہ کر لیا۔ خانخاناں امراء کی ایک جمعیت لے کر مقابلے کیلئے پہنچے۔ اور سلطان مظفر کو شکست دی اور متعدد علماء کو کام پر لگایا جن میں سے تاریخ معصومی کے مصنف بھی تھے۔ مصنف تاریخ معصومی نے مشکوٰۃ اول سے اخیر تک اور دوسری کچھ کتابیں اس وقت گجرات میں رہ کر شیخ حمید سے پڑھیں

اورحدیث کی اجازت حاصل کی۔ شیخ حمید خان اعظم کھوکہ کی رقابت میں حرمین شریفین کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے اور مکہ مکرمہ پہنچکر مقیم ہوگئے۔ اور درس وتدریس میں مشغول ہوگئے اور علمار مکہ میں علمار حدیث میں سے بلکہ ان کے مقتدار علمار میں سے بن گئے۔ [۱]

مولانا مجذوب شاہ منصور

سنہ ۹۳۴ھ میں سلطان چانپانیر سے جب دکن کی طرف عماد الملک کی مدد کے لیے چلے ہیں تو برہانپور کے رستہ پر مولانا مجذوب شاہ منصور رہتے تو اسکے حاکم محمد خان ان سے ملنے کیلئے پہنچے اور ان سے کسی بشارت کی توقع کی کہ جنگ کے متعلق کچھ خوشخبری عنایت ہو۔ ان کے ہاتھ میں ایک تیر تھا جس کو انہوں نے توڑا اور ایک جانب میں پھینک دیا تو اس کے ٹکڑے جو الگ الگ ہو چکے تھے وہ اڑنے لگے۔ [۲]

قاضی عبداللہ سندھی

شیخ عالم فقیہ قاضی عبداللہ ابن ابراہیم عمری سندھی مہاجر مدنی مولد دربیلہ صوبہ سندھ۔ تحصیل درسیات شیخ عبدالعزیز ابہری شارح مشکوٰۃ سے کی اور خود مدت تک تدریس فرمائی۔ جب سلطان شاہی بیگ قندھاری سندھ پر قابض ہوا تو آپ حرمین کی زیارت کے ارادے سے روانہ ہوئے۔

سنہ ۹۴۷ھ مطابق سنہ ۱۵۴۰ء میں گجرات پہنچے جہاں شیخ علی متقی برہانپوری سے ملاقات ہوئی جن کی شہرت چار دانگ گجرات میں تھی حتیٰ کہ بہادر شاہ بھی ان کا معتقد

---

[۱] جبر: سوم صـ۲۰۲ [۲] ظفر الوالہ صـ۱۵/۱

تھا، اور چاہتا تھا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو لیکن شیخ متقی اجازت نہیں دیتے تھے۔ بہرحال کچھ مدت احمدآباد میں شیخ علی متقی کی خدمت میں رہکر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور تھوڑی مدت میں وہیں انتقال فرمایا۔ رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ معصومی سے ان مقتدر مشاہیر علماء کے ترکِ وطن کرنے کی شہادت ملتی ہے اوّلاً ۹۲۷ھ میں قلعہ بھکر سے سادات کو بیدخل کیا گیا اس کے بعد قاضی عبداللہ بن ابراہیم ۹۳۴ھ میں گجرات چلے گئے اور وہاں سے حجازِ مقدس جا پہنچے اور وہیں وفات ہوئی۔

مولانا شیخ کمال مالوی

سلطان محمد شاہ کے زمانے میں گجرات میں شیخ کمال مالوی تشریف لائے انکے ذمہ کچھ قرض تھا جسکی ادائیگی کی قدرت کا مطالبہ کیا گیا لیکن ان میں ادائیگی قدرت نہیں تھی۔ آپ نے اس کے بارے میں خلجی کو لکھا خلجی نے اس کو قبول کر لیا۔ ساتھ ہی خلجی نے درخواست کی کہ گجرات مجھے دیدیا جائے۔ آپ نے قبول کر لیا۔ جب خلجی اور سلطان قطب الدین باہم مقابل ہوئے تو شیخ قطب عالم نے اپنے صاحبزادے مولانا منجھن شاہ عالم کو شیخ کے پاس بھیجا کہ سلطان قطب الدین کے لئے دعا کریں اور ان کے لئے مدد کا ان سے سوال کریں تو شیخ کمال مالوی نے جواب دیا کہ ایسا ایسا ہوا ہے۔ اور اب اَلْحُرُّ حُرٌّ مَا وَعَدَ، شریف آدمی وعدہ کو پورا کرتا ہے۔ شاہ عالم نے عرض کیا کہ اگر اس کا سبب قرض ہی ہے تو میرے والد اس کے کفیل ہیں کہ وہ ادا کر دیا جائیگا تو شیخ کمال مالوی نے جواب دیا کہ یہ تقدیری امر ہے۔ جو ہو چکا وہ لکھا جا چکا۔ اس پر مہر لگ چکی۔ میں اب وہاں تک کیسے پہنچ سکتا ہوں۔ اور شیخ نے اپنی جیب سے ایک مہر شدہ خط دکھایا پھر شاہ عالم کو دو تیر دیئے تاکہ ان دونوں تیروں

کو پھینکے۔ شاہ عالم دونوں کو لے کر اپنے والد کے پاس لوٹے وہ مسکرائے اور فرمایا کہ وہ راضی نہیں ہوئے۔ پھر خود قطب عالم نے خون ریزی کو روکنے کے لئے تیر کے نوک دار حصے کو دور کر کے صرف لکڑی والا حصہ دونوں تیروں کا سلطان کے پاس بھیجا اور اس کے بعد سلطان قطب الدین کو فتح ہوئی۔ بعضوں نے یہ قصہ مولانا شیخ کمال مالوی جن کا مزار عیلم پور میں ہے۔ جو دارالسلطنت احمدآباد میں مسجد خداوند خان کے برابر میں ہے اس مسجد کا نام مسجد ملک عِلم ہے۔ انکی طرف یہ قصہ منسوب کیا ہے۔ پھر وہ قصہ ذکر کیا ہے جو مرأة احمدی میں ہے۔ [1]

مرأة احمدی میں ہے کہ: شیخ کمال مالوی کا مزار خداوند خاں کی مسجد کے پشت میں عیلم پور میں واقع ہے۔

مرأة سکندری میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ شیخ کمال باکمال بزرگوں میں سے تھے چونکہ سلطان محمود خلجی مالوہ کے حاکم کو بزرگوں کے ساتھ بہت زیادہ اعتقاد تھا جہاں بھی وہ کسی درویش کامل اور صاحب تصرف بزرگ کے متعلق سنتے چاہے دور ہوں چاہے نزدیک ہوں تو ان کے لئے تحفے اور ہدایا بڑے اخلاص اور نیازمندی کے ساتھ بھیجتے اور ان کے ساتھ محبت اور تعلق استوار کرتے۔ شیخ کمال کے ساتھ بھی آپ کو پہلے سے تعارف اور تعلق تھا چنانچہ نقد و جنس آپ کی خدمت میں بھیجنے لگے اور استدعا کی کہ اگر بادشاہ کی درگاہ سے علی الاطلاق ملک گجرات میرے نام پر مقرر ہو جائے تو خدام اور خانقاہ کے مصارف حضرت شیخ احمد کھٹو کا وظیفہ جو تین کروڑ گجراتی تنکے ہیں وہ میں مقرر کر دونگا۔ اور پانچسو تنکے سونا ارسال کیا سلطان محمد شاہ بن احمد شاہ کو کسی خود غرض نے خبر پہونچا دی کہ شیخ کمال باوجودیکہ درویشی کا دعویٰ کرتے ہیں اور دنیا سے تجرد کے مدعی ہیں وہ زر و جواہر کو اس

---

[1] ظفر الوالہ صفحہ ۱۱-۶/۱

قدر دوست رکھتے ہیں کہ قرآن پاک کا غلاف بھی سونے کا ہے۔ جو سلطان محمود خلجی نے بھیجا ہے جب تفتیش کی گئی تو یہ سچ نکلا اور یہ سونا سلطان محمد نے قبضہ میں کرلیا جس کی وجہ سے سلطان کی طرف سے شیخ کمال بہت زیادہ رنجیدہ ہوگئے اور رات دن اللہ جلّ واعلیٰ کی بارگاہ میں سلطان محمد کی معزولی اور سلطان محمود کے تخت نشین ہونے کیلئے دعا کرتے رہے اور سلطان محمود کو لکھ کر بھیجا کہ گجرات کی طرف متوجہ ہوجائیں سلطان محمود اسّی ہزار فوج لے کر گجرات پر قبضہ کے ارادے سے چلے ادھر امرا نے سلطان محمد کو احمدآباد کی سلطنت سے معزول کر کے سلطان قطب الدین ان کے صاحبزادے کو سلطنت کی گدّی پر بٹھایا تھا۔ جب خبر پہنچی کہ سلطان محمود تسخیر گجرات کے ارادے سے بہت بڑے لشکر کو لے کر پہنچ رہا ہے۔ سلطان قطب الدین نے حضرت قطب الاقطاب قطب عالم سے توسل کیا اور مریدانہ ان کے یہاں جاکر عرض کی کہ اس سلسلہ کی سلطنت اور ہمارے خاندان کی سلطنت آپ بزرگوں کا عطیہ ہے اور سلطان محمود اس طرف کو آرہا ہے میں اس کی امید کرتا ہوں کہ اس کا شر آسان طریقہ سے ٹل جائے۔ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ تم اطمینان رکھو حق تعالیٰ قادر مطلق ہیں۔ البتہ اس فتنہ کا باعث بھی بعض بزرگوں کی رنجش خاطر ہے۔ جو نا عاقبت اندیشی سے پیدا ہوئی۔ اور نا عاقبت اندیشی آپ کے پدر بزرگوار کی طرف سے سرزد ہوئی تھی۔ اس کا علاج بھی کرلیا جائے گا یہ فرمایا اور سوچا کسی شخص کو شیخ کمال کے پاس عذر و معذرت کے لئے بھیجوں کہ تقصیرات آپ معاف فرمادیں۔ قطب الاقطاب نے اس کے لئے صاحبزادے شاہ منجھن کو یعنی شاہ عالم کو بطور خاص بھیجا کہ شیخ کو ہماری دعا پہنچاؤ اور ان سے معافی مانگو کہ باپ کی غلطی کا مواخذہ بیٹے سے کرنا مناسب نہیں۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ اور سلطان محمود کو لکھدو کہ صلح مصالحت کے طریقہ کو اختیار کرکے واپس لوٹ جائے۔ والد ماجد

کے حکم کو لیکر جب شاہ عالم شیخ کے پاس پہنچے اور پیام پہنچایا، شیخ نے قبول نہیں کیا شاہ عالم نے پھر واپس آکر والد ماجد سے قصہ بیان کیا قطب العالم نے دوبارہ آپ کو بھیجا، یہاں تک کہ تین دفعہ نہایت نیازمندی سے شاہ عالم نے پیغام پہنچایا آخری مرتبہ میں شیخ کمال نے سختی کے ساتھ گفتگو کرنی شروع کردی کہ سات سال کی مدت ہو چکی ہے کہ میں قادر ذوالجلال کی بارگاہ سے استدعا اور دعا کر رہا ہوں کہ ملک گجرات سلطان محمود کے نام مقرر ہو جائے اب وہ باپ جس نے ہم پر ظلم کیا اس کے لڑکے کو گجرات کی سلطنت حوالے کردی جائے ؟ اور اس کو تسلیم کیا جائے ؟ اور سلطان محمود جو فقراء اور درویشوں کا محب اور معتقد ہے اس کو مقصد کے حصول کے بغیر واپس کردیا جائے یہ نہیں ہو سکتا اس لئے آپ میاں برہان الدین کو ہماری دعا پہنچائیں اور کہیں کہ تیر ترکش سے نکل چکا ہے اس کا واپس لوٹنا محال ہے۔ مگر حضرت شاہ عالم نے تبسم فرماتے ہوئے اسی وقت جواب دیا۔

اولیا را ہست قدرت از الٰہ ::: تیر رفتہ باز گردانند ز راہ !!

یہ سنکر شیخ غضبناک ہو گئے کہنے لگے کہ یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے لوحِ محفوظ پر نظر کرو، ملکِ گجرات سلطان محمود کے نام کردیا گیا ہے۔ یہ فرماتے ہوئے ہاتھ اوپر کو اٹھایا اور غیب سے ایک کاغذ ہاتھ میں لے کر شاہ عالم کو دیا کہ یہ فرمان حکومتِ گجرات کے متعلق کہ یہ حکومت محمود خلجی کے نام درست کردی گئی ہے اس لئے اب اس باب میں مبالغہ کرنا کوئی فائدہ نہیں دے گا آپ واپس چلے جائیں اور صورتِ واقعہ اپنے والد سے عرض کردیجئے اس جواب کو سنکر ہاشمی رگ جنبش میں آئی۔ وہیں پر اس کاغذ کو پارہ پارہ کرکے فرمایا کہ یہ دیوانِ قضا کا نوشتہ اور لکھا ہوا قطب العالم کی اجازت کے بغیر منظور نہیں ہوتا۔ اس وقت شیخ کو کام کا انجام پتہ چلا کہ تقدیر ایسی ہوتی ہے۔ شیخ اسی وقت بے ہوش ہو گئے اور کہنے لگے کہ سید زادہ نے جلدی کی اور یہ کہتے ہی جان بحق ہو گئے

یہ واقعہ ۹۰۵ھ میں پیش آیا جب یہ خبر قطب الاقطاب کو پہنچی تو فرمانے لگے کہ منجھلے نے جلدی کردی ابھی تحمل کرنا چاہیئے تھا۔ [1]

مولانا کمال مالوی سے سلاطین گجرات کی عقیدت

۹۱۹ھ میں سلطانِ گجرات بارہ ہزار سوار سو ہاتھیوں کو لے کر نکلے اور مولانا شیخ عبداللہ اور مولانا شیخ کمال مالوی کی قبر کی زیارت کے لئے پہونچے اور ظہر کی نماز دھار کی حوض پر جاکر پڑھی وہاں محل میں تھوڑی دیر اترے آرام کیا اور پھر سوار ہوئے اور جاکر ان دونوں اولیاء کی قبر پر حاضری دی اور وہاں صدقہ خیرات کیا۔

سید مبارک بخاری

ابوالفتح احمد شاہ کے ۹۶۱ھ میں تختِ شاہی پر بیٹھنے کے بعد سید مبارک بخاری کو امیرالامراء بنایا گیا اور آپ کا لقب المجلس الاشرف، رکھا گیا۔ اور تمام افغان آپکی تابعداری میں دیئے گئے جب ۹۶۱ھ میں حالات خراب ہوگئے اور ملکِ گجرات آپس میں تقسیم کرلیا گیا تو تقسیم اس طرح ہوئی کہ سلطان کے لئے صرف احمدآباد اور اس کے متصل حویلی وغیرہ کے علاقے اور دیہات تھے۔

اعتماد خاں کیلئے کڑی، جھالاوار، ہلاد، نڑیاد، بھیل، رادھنپور، سمی، مونجپورا سوراشٹر تھے۔ اور اس وقت سے پٹن کھمبایت اور رستاسی کے نام سے جو اس علاقے کے دیہات مشہور تھے تمام کے تمام سید مبارک کو دیدئے گئے اور اس کے متعلقہ علاقوں میں سے دھولقہ، دھندوقہ، گھوگھا، کپڑونج،

---

[1] خاتمہ مرآت احمدی صـ۹۳

چانپانیر، سرنال ، باراسنول ، یہ سب سید مبارک کے طے ہوئے ۔ [1]

سکندر بن محمد عرف منجھو بن اکبر

مصنف مرآۃ سکندری

ولادت سنہ ۹۶۱ھ

مصنف سکندر بن محمد عرف منجھو بن اکبر ۱۵۵۴ء/۹۶۱ھ کے لگ بھگ محمودآباد میں پیدا ہوئے ۔ خاں اعظم (مرزا عزیز کوکہ ، گورنر پنجاب) کی ملازمت میں گجرات کے بادشاہ مظفر شاہ ثالث کے خلاف مہم (۱۵۹۱ء/۱۰۰۰ھ) میں شریک ہوئے ۔

جہانگیر نے احمدآباد میں ان سے ملاقات کی ۔ اور ان کا ذکر اپنی توزک میں کیا ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت انہیں شاہی ملازمت میں آٹھ نو برس ہو چکے تھے ۔ "مرآۃ سکندری" ۱۶۱۱ء/۱۰۲۰ھ میں لکھی گئی ۔ سلاطین گجرات یعنی مظفر شاہ اول سے مظفر شاہ ثالث کی وفات (۱۰۰۰ھ) تک کی تاریخ ہے ۔ ان سے قبل گجرات کی جو تواریخ لکھی گئیں وہ مختصر تھیں ۔

اس کتاب میں انہوں نے سلاطینِ گجرات کی خوبیوں کے ساتھ ان کی خامیوں کا بھی ذکر کیا ہے ۔ اس کتاب میں سیاسی واقعات کے علاوہ تمدنی ، معاشرتی اور عمرانی حالات بھی آگئے ہیں ۔

سیدی علی چلپی

ترکی امیر البحر سیدی علی نے اپنے سفرنامہ کے طور پر محیط اور مرآۃ الممالک کے نام سے دو کتابیں لکھی ہیں ۔ محیط میں ان راستوں کا مفصل بیان ہے جو عرب جہاز

---

[1] ظفر الوالہ بمظفر والہ صفحہ ۳۹ - ۳۹۹ ۔

رانوں نے قرون وسطیٰ کے پچھلے دور میں اختیار کئے تھے قبل اس کے کہ اہل پرتگال ان کو معلوم کرتے محیط کے جن ابواب میں تفصیلی بیانات ہیں ان کا ترجمہ ڈاکٹر ایم بٹنر (DR. M. BITTNER) نے جرمن زبان میں کیا ہے۔

سیدی علی کی دوسری کتاب مرآۃ الممالک کا جرمن، فرانسیسی اور انگریزی ترجمہ ہو چکا ہے۔ آپ سلطان سلیمان اول کے زمانہ میں تھے اور ان کی خدمات کا بیشتر حصہ اسی کی ملازمت میں گذرا۔ اس کے باپ کا نام حسین تھا۔ اس کا بیان ہے کہ فتح قسطنطنیہ کے بعد سے ان کے باپ اور دادا شاہی اسلحہ خانہ غلطہ کے مہتمم تھے۔ انہوں نے خود بھی فن جہاز رانی کا عمیق مطالعہ کیا تھا۔ یہ فتح رہوڈس (RHODES) کے موقعہ پر موجود تھے۔ اور ان تمام لڑائیوں میں شریک تھے جو بحر روم میں واقع ہوئیں۔ نیز خیرالدین پاشا کی تمام فتوحات میں اس کے ہمرکاب تھے انہوں نے ہیئت، فلسفہ اور فن جہاز رانی پر کتابیں لکھیں اور کاتب رومی کے نام سے مشہور ہوئے۔ سلطان ترکی نے سیدی علی چلپی کو مصر کا امیر البحر مقرر کرکے ترکی بحری بیڑے کو بصرہ سے واپس لیجانے پر مامور کیا۔

سیدی علی حلب سے موصل ہوتے ہوئے بغداد پہنچے اور وہاں سے کربلا کی زیارت کے لئے گئے۔ بغداد واپس آکر قطب الامارہ کو روانہ ہوئے۔ اور واسط سے گذر کر زکیہ گئے۔ وہاں سے بصرہ پہنچے۔ یکم شعبان ۹۶۱ھ کو بصرہ سے مصر کی طرف جہاز سے روانہ ہوئے اور راستہ میں مسقط کے قریب پرتگالی جہازوں سے مقابلہ ہوا۔ جس میں پندرہ میں سے صرف نو ترکی جہاز محفوظ رہ سکے۔ اس کے بعد یہ مختصر ترکی بیڑا ایک زبردست طوفان میں گرفتار ہو کر ھندوستان کے مغربی ساحل کی طرف بہہ نکلا۔ اس طوفان میں ان جہازوں کو بہت نقصان پہنچا خود سیدی علی کا جہاز بری طرح زخمی ہو گیا آخر بمشکل تمام یہ مجروح بیڑا سورت پہنچا جہاں عماد

الملک وزیر سلطان احمد نے اسے مدعو کیا تھا۔

جس زمانے میں سیدی علی گجرات پہنچے وہ اس ملک کے لئے نہایت انتشار اورابتری کا زمانہ تھا چند ہی روز قبل محمود ثانی قتل کیا جاچکا تھا۔ اوراس کی جگہ احمدخاں احمد شاہ ثانی کے لقب سے تخت پر بیٹھایا گیا تھا اور محض نام کا سلطان تھا۔ علی چلپی نے گجرات کے سیاسی حالات کو مختصر طور پر بیان کیا ہے اور اس سلسلہ میں سلطان محمود کے قتل اور ناصر الملک خداوند خان اور عادل خاں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اس وقت کی سیاسی فضا میں نمایاں حصہ لیا تھا یہ دیکھ کر کہ بحری راستہ سے مصر پہنچنا ناممکن ہے۔ سیدی علی نے بری راستہ سے سندھ پنجاب اورافغانستان ہوتے ہوئے قسطنطنیہ پہنچنے کا فیصلہ کیا۔ آخر نومبر یا ابتدائے دسمبر ۱۵۵۴ء میں وہ اس طویل سفر کیلئے روانہ ہوئے۔ اور بھروچ، بڑودہ، چمپانیر اورمحمود آباد سے گذرتے ہوئے احمدآباد پہنچے جو اس وقت بھی گجرات کا دارالسلطنت تھا۔ راستہ میں انہیں تاڑ کے درخت نظر آئے اور انہوں نے تاڑی کو دیکھا یہ ان کے ساتھیوں کے لئے عجیب چیز تھی۔ وہاں انہیں بڑے بڑے برگد کے درخت بھی دکھائی دیئے جن کی جڑیں شاخوں سے لٹک رہی تھیں۔ اور وہ اس قدر وسیع تھے کہ اُن کے نیچے ہزاروں آدمی کھڑے ہو سکتے تھے۔ بعض مقامات پر خیمہ کے ہر چہار طرف بے شمار بندر اور چھوٹے چھوٹے طوطے جمع ہوجاتے تھے، سورت سے روانہ ہونے کے تقریباً پچاس روز بعد غالباً جنوری ۱۵۵۵ء کے آخری حصہ میں سیدی علی احمدآباد پہنچے اور وہاں وزیر عماد الملک اور سلطان احمد ثانی سے ملاقات کی۔ سلطان بہت مہربانی سے پیش آئے اور ایک گھوڑا اور کئی اونٹ اور سفر خرچ کے لئے روپیہ پیش کیا۔

سیدی علی کا بیان ہے کہ سلطان نے انہیں بھروچ کی گورنری بھی پیش کی تھی لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا۔ عماد الملک کے مکان پر اتفاق سے ایک پرتگالی سفیر سے

ملاقات ہوگئی۔ دونوں میں گفتگو نہایت تیزی سے ہوئی اور سفیر نے سیدی علی کو دھمکی دی کہ تم کسی بندرگاہ سے نہ جاسکوگے۔

جس کا جواب سیدی علی نے یہ دیا کہ میں خشکی سے بھی سفر کرسکتا ہوں احمدآباد کے قیام میں سیدی علی نے شیخ احمد مغربی کے مزار کی زیارت کی اور یہیں انہوں نے اپنی مشہور کتاب محیط کی تالیف بھی کی ہے۔ [1]

شیخ جمال الدین مولانا قاضی محمد حسین قریشی مہائمی قاضی العسکر

یہ ۹۶۳ھ میں الغ خان کے ساتھ فوج میں تھے، جب خلجی کے مقابلے کے لیے نہر کو پار کرنے کے انتظار میں الغ خان نے کئی دن کنارے پر انتظار کیا، اس لیے کہ اس قدر مدوجزر تھا کہ پانی کو عبور کرنا بہت مشکل تھا، اسی میں اکتا کر ایک دفعہ مرجان شامی جو مقدمے پر امیر تھے انہوں نے نہر کو کشتی کے ذریعے عبور کرنا چاہا تو الغ خان نے ان کو منع کرنے کے لیے علماء کو بھیجا جن میں سے صاحب ظفرالوالہ کے الفاظ میں: المفتی المتقن الاستاذ الصاحب جامع شتات الفخر قاضی العسکر جمال الدنیا والدین مولانا قاضی محمد بن حسین القریشی المہائمی بھی تھے اسی طرح ۹۷۰ھ کے واقعات کے ذیل میں بھی آپ کے تذکرے میں لکھا ہے کہ: والاستاذ الکامل جمال الدنیا والدین محمد بن حسین القریشی المہائمی المعروف بالقاضی وکان احد زمانہ فضلاً وادباً،

اور ۹۸۰ھ میں جب مغل گجرات میں داخل ہوگئے اور یہ تمام امراء ادھر ادھر منتشر ہوگئے تو اس وقت شیر خان کے ساتھ جو حضرات چلے گئے ان میں مولانا قاضی جمال الدین محمد بن حسین قریشی مہائمی بھی ہیں۔ اور شیخ جمال کے ساتھیوں میں

---

[1] معارف ج ۲۷ ص ۱۵۔

اس وقت شیخ الہٰ داد جونپوری بھی تھے۔ جن کے متعلق یہ الفاظ ہیں؛ جامع فنون التسلیۃ فی حرکاتہ وسکناتہ شیخ الہ داد الجونپوری۔ [۱]

مولانا شیخ کمال محمد

مولانا شیخ کمال محمد کا ذکر ظفر الوالہ میں ۹۶۵ھ کے واقعات کے ذیل میں ہے۔ [۲]

مولانا عبد اللطیف بن محمد المعروف بالدبیر

متوفی دسویں صدی ہجری

جب ہندوستان پہنچے تھے اس وقت سے عماد الملک کے مکان میں رہتے تھے اور سلطان محمود کے بعد جو فتنے پیدا ہوئے اس وقت بھی احمد آباد میں عماد الملک کے ساتھ رہے اور انہیں کے ساتھ نکل کر بھروچ آئے۔ پھر جب عماد الملک احمد آباد کی طرف لوٹ گئے تو سورت آ گئے اس کے بعد ظفر الوالہ میں لکھا ہے کہ؛ وھذہ البقعۃ مقبولۃ وکان بہا اذ ذاک من کل صنف من الناس خیارھم۔ اور یہ شہر، یہ علاقہ بڑا مقبول تھا۔ اس میں صلحاء اور اخیار میں سے ہر قسم کے لوگ تھے۔

مولانا عبد اللطیف عماد الملک کے ساتھ رہتے تھے، اس کے باوجود سورت کے والی آپ سے محبت کرنے لگے اور آپ کے معتقد ہو گئے اور آپ کو یہاں ٹھہرایا۔ آپ کی خدمت کی اس لئے آپ یہاں رہ گئے بلکہ آپ کے یہاں قیام کے ایام آپ کے لئے عید اور خوشی و مسرتوں کا باعث رہے۔ ایک مصرعہ ہے۔

کُلّ اَرْضٍ تُنْبِتُ العِزَّ طَیِّبٌ ۔ جہاں بھی عزت ملے وہ جگہ اچھی ہے۔

---

[۱] ظفر الوالہ بمظفر والہ ص ۴۵۱-۵۳۸-۵۶۳۔ [۲] ایضاً ص ۴۸۳-۴۸۴۔

ایک دفعہ مولانا عبداللطیف اسی مجلس میں تھے ان سے کہا گیا کہ : خداوندخان سورت پہنچ گیا، اس وقت مجلس میں خداوندخاں کے وزیر ریحان بدرالدین جہانگیر خاں مولانا عبداللطیف کے پاس تھے، اور وہ بھی مولانا کے معتقدین میں سے تھے تو مولانا عبداللطیف نے ان سے فرمایا کہ آپ تھوڑی دیر کے لئے مجلس سے ایک طرف ہوجائیں اور جب میں بلاؤں تب آئیں۔

خداوندخاں مجلس میں پہنچے بہت خوش خوش گویا کہ وہ ساری دنیا کے مالک بن گئے۔ پہنچتے ہی آپ کے قدموں میں گر پڑے، بوسہ دینے لگے مولانا نے انہیں گلے لگایا۔ اس کے بعد سماع کی مجلس ہوئی۔ عید نہ ہونے کے باوجود اس دن عید کا گمان ہوتا تھا۔ اس کے بعد مولانا عبداللطیف نے ان کے وزیر ریحان بدرالدین کا تذکرہ شروع کیا اور یہ کہ وہ خداوندخان کی خدمت میں ہونے چاہئیں۔ خداوندخان نے پوچھا کہ وہ کدھر ہیں مولانا نے باہر سے ان کو بلایا وہ سلام کرکے داخل ہوئے اور مولانا عبداللطیف نے ان کے متعلق ان کو اچھی طرح رکھنے کا خداوندخان کو حکم دیا کہ ان کو معاف کردیجئے اور اچھی طرح رکھئے۔

جب خداوندخان واپس لوٹ کر گئے تو ان کو بھی گھوڑے پر سوار کرکے لے گئے۔ اور قلعے کے پاس پہنچ گئے۔ خداوندخاں بڑے تیز ذہن کے آدمی تھے۔ اسی طرح شیخ مولانا عبداللطیف بھی بڑے ادبا میں سے تھے مگر ان کی باتوں میں مزاح زیادہ ہوتا تھا۔ قلعے میں پہنچ کر جب خداوندخان کی مجلس شروع ہوئی تو سب سے پہلے جو انہوں نے بات شروع کی وہ یہ تھی کہ : بچہ عبداللطیف بچہ ہی کہلائے گا اگرچہ وہ نبی کا صاحبزادہ ہو، اس سے عمادالملک کی طرف سے جو خط لکھا تھا اس کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔

ریحان بدرالدین کہتے ہیں کہ یہ کلمہ مولانا عبداللطیف کے متعلق سن کر میں تو کانپنے لگا میرا حال خراب ہوگیا اس لئے کہ مجھے معلوم تھا کہ میں نے بہت طویل مدت عمادالملک کی خدمت میں رہ کر اس سے بھی زیادہ خطوط لکھے ہیں۔

یہ سوچ کر میں سمندر کی جانب دیکھنے لگا۔ تاکہ کچھ سکون حاصل ہو۔ تو وہ میری طرف کو لوٹ کر میرے متعلق بھی اسی طرح کا کلمہ کہہ کر وہی باتیں یاد دلانے لگے تو میں نے کہا کہ مجھے عماد الملک نے حکم دیا تھا اور معذور تھا، وَالْمَأمُورُ مَعْذُوْرٌ، تو اس پر انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ یہ باتیں سنکر میں خاموش تو ہو گیا۔ مگر مجھے ان کی طرف سے خوف محسوس ہونے لگا اس لئے جیسے ہی مجلس سے اٹھے تو میں جلدی سے دروازے کی طرف دوڑا اور نکل کر مولانا عبداللطیف کے پاس پہنچ گیا اور ان سے ماجرا بیان کیا کہ اگر زندگی اس کے ہاتھ میں ہوتی تو آج میں زندگی کھو بیٹھا ہوتا اور مجلس میں جو گفتگو ہوئی وہ ان سے دہرائی تو مولانا ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہونے لگے۔

ریحان بدر کہتے ہیں کہ میں نے مولانا عبداللطیف کے ہاتھ کو چوما اور پیدل ہی سورت سے بھروچ کی طرف روانہ ہو گیا۔

خداوند خان جب مولانا عبداللطیف سے ملنے کے لئے پہنچے تو اپنے ساتھ مولانا کیلئے تیس رطل سونا اور عنبر، مشک، عود، زعفران اور زباد یہ تمام خوشبوئیں ایک من ملا کر لے گئے، اور حلویات، مٹھائیاں اور سبزیاں دس من اور قشر ڈیڑھ من اور ایک گاؤں جس کی آمدنی پانچ ہزار محمودی تھی، مولانا کی خدمت میں سب پیش کیا جبتک خداوند خاں زندہ رہے مولانا سورت ہی میں رہے۔ اس کے بعد بھروچ لوٹ آئے وہاں کچھ عرصہ رہے تھوڑی مدت ہی بھروچ میں ٹھہر کر اس کے بعد امیر الامرا الغ خان کے پاس پہنچ گئے۔

مولانا عبداللطیف بہت مزاحی طبیعت رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رستم نے مجھے قاصد بنا کر بھیجا (یہ بھروچ کے محاصرے کے وقت رستم کے ساتھ تھے) کہتے ہیں کہ مجھے رستم نے شرف الدین مرزا کے پاس بھیجا جو محمد شاہ فاروقی

کے ساتھ بھروچ کے مضافات میں آکر مقیم ہو گیا تھا ۔ جب میں اس سے گفتگو کر کے جواب لے کر واپس لوٹا تو میں نے دیکھا کہ رستم دروازے پر کھڑا ہے اور سامنے سے آنے والوں کو دیکھ رہا ہے دبوس[1] اس کے ہاتھ میں ہے ۔

میرے پیچھے شرف الدین کا کوئی خادم تھا جس کا مجھے علم نہیں تھا کہ کوئی پیچھے بھی ہے ۔ تو رستم دروازے کے ایک کنارے پر کھڑا ہو کر پوچھنے لگا کہ یہ کون ہے تو میں نے اس خادم کی طرف دیکھا مگر میں نے رستم کے چہرے کو بہت بدلا ہوا پایا اس دوران اس نے اپنے ہاتھ سے دبوس بھی پھینک دیا اور ذرا اس نے حرکت کی تو میں یہ سوچ کر کہ کہیں غصے میں میرا قصد کر رہا ہے ۔ جلدی سے دروازے سے باہر نکل گیا تو اس نے مجھے بہت نرمی سے آہستگی سے آواز دی میں واپس گیا تو وہ ہنس کر پوچھنے لگا کہ میں تو اس خادم کا قصد کر رہا تھا تم تو میرے والد کے بمنزلہ ہو یہ دیکھ کر تم کیوں بھاگ گئے تھے ۔ اس کے بعد تھوڑی دیر ٹھہرے اور عصر کی نماز کی تیاری کرنے لگے مجھ سے پوچھا کہ باوضو ہو ؟ میں نے کہا کہ تم نے جو حرکت کی تھی وہ وضو کو باقی رہنے دے سکتی ہے تو یہ سنکر اس نے ایسا قہقہہ لگایا کہ میں نے اس دن کے علاوہ کبھی اس طرح قہقہہ لگا کر ہنستے ہوئے اس کو نہیں دیکھا ۔ شیخ عبداللطیف دبیر نے صاحب النورالسافر کے بھائی فضل اللہ کی ولادت پر یہ اشعار کہے ۔

بدا کوکب من افق عز و سودد	به یسر الله الامانی کما نشا
و زهت به الدنیا و عاد لاهلها	نشاطا لهم عاطی المدامة و النشاء
ولا غرو منه انه خیر بضعة	لخیر عباد الله ان قام او مشی
و من عجب ان جاء عام ظهوره	لقد وافق الاسم الشریف بلا غشا
و هذا هو الحظ العظیم بلا مرا	و ذلک فضل الله یوتیه من یشا[2]

---

[1] بڑے دستے والا چمچہ [2] النورالسافر صـ۲۹۱ ، ظفر الوالہ بمظفر و الہ صـ۲۴۳/۲

علامہ ادیب ابو القاسم میرکی

علامہ ابو القاسم میرکی نے حاجی خان کی شہادت پر یہ مرثیہ کے اشعار کہے ۔

لقد فقدنا وزیرًا فی عصرہ فرید   لفقدہ الروح ذابت والصخر ثم الحدید

تاریخہ جاء شطر فار السعید شہید ۔

اسی طرح عبدالملک بن اسد خان کے مرثیہ میں انہوں نے یہ اشعار کہے جنکو ۹۷۱ھ میں پہلے قید کیا گیا پھر شہید کیا گیا ۔

ابن الوزیر فقدنا   عبدالملک المکرم   ظلم بہ قد تقضی

کما جریٰ فی محرم   تاریخہ جاء یحکی   علیہ رب ترحم[1]

سید حامد بخاری

سید حامد بخاری بن سید میراں بن سید مبارک : سید مبارک گجرات کے بڑے سرداروں میں سے تھے ۔ کہتے ہیں کہ اپنے وطن اوچ سے گجرات پہنچے ۔ ایک روز راستے میں ایک مست ہاتھی سے مقابلہ ہو گیا ۔ سید نے مجبور ہو کر ایک ایسا تیر اس کی پیشانی پر لگایا کہ سوفار[2] کے علاوہ اس (پیشانی) پر کچھ معلوم نہ ہوتا تھا ۔ اس روز سے وہاں کے لوگ ان کے تیر کی قسم کھانے لگے ۔ اس کے بعد تو وہ رفتہ رفتہ سرداری کے منصب پر فائز ہوئے ۔

سید مبارک نے بٹن، دولقہ اور دندوقہ کے بہت سے محلات جاگیر میں

---

[1] ظفر الوالہ بمظفر والہ صفحہ ۵۰۹ ۔ [2] دہان تیر ۔

حاصل کرلئے۔ ان میں سے دولقہ اور رندوقہ ان کے مرنے کے بعد سید میراں اور ان کے بعد سیّد حامد کی جاگیر میں مقرر ہوئے۔

جب اکبر بادشاہ پٹن پہنچے تو سید مذکور (حامد بخاری) اپنی جماعت کے ہمراہ حاضر ہوئے۔ اور جب گجرات کی حکومت خان اعظم مرزا عزیز کوکہ کے سپرد ہوئی تو سید مذکور (حامد بخاری) انکی کمک پر مقرر ہوئے۔ خان اعظم مرزاؤں کی لڑائی میں احمد آباد کے انتظام پر تھے۔ اٹھارہویں سال جلوس اکبری میں ان کو دولقہ اور رندوقہ کی اور پھر ملتان کی حکومت ملی۔ اور بنگرام، بلوچستان، کابل، اٹک کی لڑائیوں میں حصہ لیا اور بلگرام میں شہید ہوئے۔ [۱]

ظفرالوالہ میں آپکے متعلق لکھا ہے! ۹۷۸ھ میں رستم خان نے محمد شاہ اسیر کے حاکم کو لکھا کہ الغ خان کی اولاد کی بنسبت تم اس ملک گجرات کے زیادہ حقدار ہو اس طرح لکھ کر ان کو بلایا۔ اس نے اکلیسر کے اطراف میں آکر نزول کیا اور رستم خان دوسرے کنارے کی طرف جاکر اس سے ملا اور واپس قلعے میں آیا۔

رستم خان کے علاوہ اس سے مکاتبت کرنے والوں میں اور امیں جو رستم خان کے ہمراہی ہو گئے تھے۔ سیّد حامد بن سیّد میراں بن سیّد مبارک بخاری بھی تھے جو دھولقہ کے حاکم تھے۔ اور امیر شرف الدین مرزا انکے ہمراہ تھے جو خواجہ احرار نقشبندی قدس سرہٗ کی اولاد میں سے تھے۔ [۲]

کوتہ نامی شاعر

۹۷۹ھ میں کوتہ نامی شاعر بڑے مشہور تھے شاعر وقت سمجھے جاتے تھے علم موسیقی کے بھی استاد مانے ہوئے تھے، انکی صاحبزادی لال کور کی تھی۔ [۳]

---

[۱] تاریخ مآثر الامراء صفحہ ۶۴۲ [۲] ظفرالوالہ بمظفر والہ صفحہ ۵۳۱ [۳] ایضاً صفحہ ۵۴۸۔

شمس خان بن داؤد قریشی

مسندِ عالی شمس خان بن داؤد قریشی نائب شمس خان المعروف بہ کروری بہت بڑے عالم، فاضل، اور مدبّر تھے۔ کتابوں کا بے حد شوق تھا۔ ان کا کتب خانہ ۹۸۰ھ بمطابق ۱۵۷۲ء میں موجود تھا۔ فقہ کی مشہور کتاب "نصاب الاحتساب" جو درگاہ حضرت پیر محمد شاہ کے کتب خانہ میں موجود ہے وہ اسی کتب خانہ کی ہے۔ یہ کب ضائع ہوا اس کا پتہ نہ چل سکا۔ کیا عجب ہے کہ اکبر کے قبضۂ گجرات کے وقت لوٹ کی نذر ہو گیا ہو۔ شمس خان کا کوئی ذکر گجرات کی تاریخوں میں نہیں ملتا لیکن سترہ رسائل میں ایک شمس خان تولی وزیر مظفر شاہ آخری کا البتہ ذکر ملتا ہے۔[1]

ملک محمد امین کمال

ان کو گجرات کا باشندہ لکھا گیا ہے۔

یہ امین وہ ہیں جنہوں نے بہرام گور اور حسن بانو کے قصے کو قدیم اردو میں نظم کیا ہے ان کے متعلق نصیر الدین ہاشمی نے اپنی کتاب "دکن میں اردو" میں صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ بیجاپور کے باشندے تھے اور ابراہیم عادل شاہ کے زمانے سے تعلق رکھتے تھے اور نام انہوں نے مختصراً صرف امین لکھا ہے، لیکن شمس اللہ قادری نے کتاب "اردوئے قدیم" میں ان کا پورا نام ملک محمد امین کمال دیا ہے۔ اور انہیں سلطان بہادر (۱۵۲۵ء-۱۵۳۵ء / ۹۳۲ھ-۹۴۳ھ) اور محمود شاہ ثانی (۱۵۳۶ء-۱۵۵۴ء)

---

[1] گجرات کی تمدنی تاریخ صفحہ ۲۲۲۔

۲ ۴ ۹ ۹ ھ - ۱۷۱ ۹ ھ) کے زمانے کا شاعر کہا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ایمن ان بادشاہوں کے ندیمان خاص میں سے تھے۔

ملک محمد ایمن کمال میں لطیفہ گوئی اور بدیہہ گوئی کا وصف بھی تھا۔ سکندر بن محمد نے "مرآۃ سکندری" میں ان کے اس رخ کا تعارف کرایا ہے۔ اور لطائف کا ذکر بھی کیا ہے۔ اس قسم کی لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی کی مثالیں انبیاء اور اولیاء کی زندگی میں بھی ملتی ہیں۔ محمد ایمن حضرت شاہ عالم کے ارادتمند تھے جس سے ان کی ثقاہت شخصی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ملک محمد ایمن کمال نے بہرام وحسن بانو کا قصہ لکھنا شروع کیا۔ لیکن پایہ تکمیل کو نہ پہنچا سکے۔ یہ کام اس دور کے ایک اور شاعر دولت نے کیا۔ [1]

شیخ محمد جی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی زاد بوم احمد آباد گجرات ہے۔ شیخ صدر الدین ذاکر سے آپ کا تعلق ارادت ہے۔ آپ کا سلوک حالت جذب سے ملا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے اکثر آپ پر حالت جذب طاری رہتی۔ آپ کے فرائض نماز روزہ وغیرہ ازلی حفاظت سے قضا ہونے سے محفوظ رہتے۔ صاحب گلزار ابرار تحریر فرماتے ہیں کہ جب آپ کے پیر و مرشد ۹۸۳ھ میں میں حضرت غوث الاولیاء کی قبر مبارک پر حاضری کے لئے گجرات سے گوالیار کو تشریف لے گئے تو آپ اس وقت اپنے مرشد کی اجازت سے شیخ حبیب شطاری کے ہمراہ اپنے وطن کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے تو راستہ میں آپ کا گذر مانڈو پر بھی ہوا۔ تو چند روز آپ کی صحبت حاصل رہی۔ اپنے وطن پہنچنے کے چند دن بعد آپ کی زندگانی کا آفتاب والپسیں نفس کے افق میں غروب ہو گیا۔ اور انتقال فرما گئے۔ [2]

---

[1] تاریخ ادبیات صفحہ ۲۳۹ [2] گلزار ابرار صفحہ ۴۸۲

شیخ عارف قندھاری

آپ کی تالیف "تاریخ اکبری یا تاریخ محمد عارف قندھاری" مشہور ہے۔ آپ بیرم خاں خانخاناں کے "میر ساماں" تھے گجرات میں بیرم خاں کی وفات کے وقت آپ اس کے پاس موجود تھے، یقیناً عبدالرحیم خانخاناں اور بیوہ کے ساتھ احمد آباد بھی آئے ہوں گے، اسکی وفات کے بعد آپ حج کیلئے چلے گئے۔ واپسی پر کچھ عرصے تک بہار میں رہے اور ۱۵۷۷ء/ ۹۸۵ھ میں بہار سے اکبر کے دربار میں آگئے۔

یہ کتاب عہد اکبر کے ۱۵۷۹ء/۹۸۷ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے یہ غالباً ایک بہت بڑی تاریخ تھی جس کا اب صرف آخری حصہ رہ گیا اور باقی کا ناپید ہے اس لئے کہ اس میں ہمایوں کے عہد کے واقعات کے بھی اشارات ملتے ہیں۔ [1]

نشانی

نام علی احمد، مولانا حسین نقشی مہرکن کے صاحبزادے تھے اپنے علم و فضل کے لحاظ سے مشہور رہے۔ نقش رازی اپنے والد بزرگوار سے سیکھی۔ دونوں نے اس فن کو بڑی ترقی دی۔ مولانا نشانی نگینہ پر ایسی نقش سازی کرتے کہ بے مثل و بے مثال ہوتی۔ لوگ عراق، خراسان اور ما وراء النہر تک انکی نقاشی کو بطور تبرک ساتھ لے جاتے علم و فضل میں بھی ان کا پایہ بلند تھا لیکن نقش سازی اور مہرکنی نے دوسرے کمالات پر پردہ ڈالدیا تھا۔ گو صرف ایک صدی کے صوبہ دار ہوئے لیکن ملا بدایونی کا بیان ہے کہ کسی امیر سے کم تر نہ تھے۔ ہیئت اور طبعیات کے ماہر تھے۔ ہر طرح کی خوشنویسی کرتے۔ املا اور انشاء میں بھی بے مثل سمجھے جاتے تھے۔ ملا بدایونی

---

[1] تاریخ ادبیات فارسی صفحہ ۱۷۵۔

کا بیان ہے کہ اگر وہ شاعر ہوتے تو انکی شاعری، جریدۂ روزگار پر باقی رہتی۔ مگر کبھی کبھی شعر کہتے اور تخلص اپنے پیشے کے مطابق رکھا۔ جس زمانے میں اکبر نے گجرات فتح کیا تو انہوں نے اکبر کے نام کا سکہ کندہ کرکے دربار میں پیش کیا اور تاریخ میں یہ اشعار کہے۔ ؎

خسروا سکہ گجرات بنام تو زدند ÷ ملک را سایۂ عدل تو تبارک بادا
اے خوش آں دم کہ چو تاریخ ولے از من پرسی ÷ گویمت سکۂ گجرات مبارک بادا

بڑے راسخ العقیدہ مسلمان تھے فیضی کے عقائد کو پسند نہیں کرتے تھے۔ فیضی نے بہت فخر یہ لکھا تھا۔ ؎

شکر خدا کہ عشق بتاں است راہبرم   در ملت برہمن دو ردین آذرم

اس کے جواب میں انہوں نے ایک طویل قصیدہ کہا جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

؎ شکر خدا کہ پیرو دین پیمبرم   حُبّ رسول وآل رسول است راہبرم
بے زارم از برہمن و ناقوس واہرمن   منکر ز دیں راہب و قسیس و آذرم
قائل بروز حشر و قیام قیامتم   امیدوار جنت و حوری و کوثرم
حاسد بسوئے من بحقارت نظر مکن   چوں نیستی خلیل منم یا بر آذرم

فیضی اکبر کا بڑا چہیتا شاعر اور ہم مجلس تھا لیکن اکبر کا لحاظ کئے بغیر اس سے شاعرانہ معرکے کرتا اور اس کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیتا۔ [1]

---

[1] منتخب التواریخ صفحہ ۲۵۵/۳ ۔ بزم تیموریہ صفحہ ۴۲۸، ۴۲۹ ، منتخب التواریخ اردو صفحہ ۵۴

شیخ ابو جیو بن خضرؒ

شیخ نعمان اسیری کے رشتہ داروں میں سے تھے ۔ اور شیخ فضل اللہ سے تعلق ارادت حاصل تھا ۔ آپ اصحاب ہمت و توکل و اخلاق فاضلہ میں سے تھے ۔ معرفت الٰہیہ کا وافر حصہ آپ نے پایا تھا ۔ آپ کا منظوم کلام درد مندوں کے لئے درماں تھا ۔ دسویں صدی کے مشائخ میں مورخین آپ کا ذکر کرتے ہیں ۔ [1]

فسونی بعہد اکبر

آپ کا نام محمود بیگ تھا ۔ ابوالفضل نے آپ کے نام کے ساتھ "شیرازی" لکھا ہے ۔ اور ملا بدایونی نے آپ کو یزدی بتلایا ہے ۔ لکھتے ہیں کہ آپ ٹھٹھ سے آکر شاہی ملازم ہوئے ۔ (ج ۳ ص ۲۹۷)

ریاض الشعراء میں آپ کے نام کے ساتھ تبریزی لکھا ہوا ہے ۔ ابوالفضل نے آپ کا ذکر شعراء میں تو ضرور کیا ہے لیکن صرف اتنا ہی لکھنے پر اکتفا کیا کہ آپ نیکیوں میں نامور ہیں ، اور علم نجوم کے ماہر ہیں ، اس کے بعد اس نے آپ کے "۲" اشعار نقل کئے ہیں ۔ (آئین اکبری ص ۲۸۱)

ملا بدایونی نے لکھا ہے : طبع بہ شعر مناسبت داشت "

ریاض الشعراء میں ہے کہ اکبر کے علاوہ جہانگیر اور شاہجہاں کے دربار سے بھی منسلک رہے ۔ جہانگیر نے ان کو افضل خاں کا خطاب بھی عطا کیا تھا ۔ لیکن توزک جہانگیری میں افضل خاں فسونی کا ذکر نظر سے نہیں گزرا ۔ مخزن الغرائب میں افضل خاں فسونی کے

---

[1] اکابرین گجرات ، اذکار ابرار ص ۳۴۲ ۔

ذکر ملتا ہے کہ "در زمان اکبر بادشاہ واقعہ نویس گجرات بودہ است"،
آئین اکبری میں ان کی دو رباعیاں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے (ایضاً ص)

از دست جفائے تو اگر بگریزم   دور از تو بکوچہ بر سر ریزم
بر خاک رہے کہ افتم از بنشینم   برگرد سر کہ گردم از بر خیزم ؎

شیخ نور محمد خلیل چانپانیری

آپ بوہرہ قوم میں سے ہیں، ساٹھ سال تک خوردہ فروشی کی بساط سے قناعت، توکل اور رضا بہ قضا کے ساتھ نعمت حاصل کرتے رہے۔ بازار میں تجارت کیلئے بیٹھتے اور اپنے مقام خلوت در انجمن کے چہرہ پر --- پردہ ڈالے رہتے جب حضرت غوث الاولیاء گوالیار سے ہجرت فرما کر گجرات تشریف لائے تو ایک روز بازار چانپانیر کے راستہ میں حضرت غوث الاولیاء کی کیمیا اثر نگاہ شیخ کے استغراق پر جا پڑی فرمایا: اے شیخ کہاں تک فطری نور مخفی رکھو گے بہت مدت ہوئی ہے کہ لوح محفوظ سے تمہارا خطاب شیخ نور اللہ ہوگیا ہے۔ یہ کہہ کر حضرت غوث الاولیاء نے آپ کا ہاتھ اپنے ولایت بخش ہاتھ سے پکڑ کر دوکان سے اٹھا لیا اور دکان فقراء پر لٹا کر آپ کو خانقاہ میں لے آئے۔ اسی وقت خلعت خلافت پہنا کر رہنمائی اور شیخوخیت کی مسند پر بٹھایا۔ پھر اخیر عمر تک آپ سوائے مسجد کے اپنے حجرہ سے باہر نہیں نکلے۔ اور "اللہ نور السموٰت والارض" کا مظہر بن گئے۔ ابدی خوابگاہ احمد آباد ہے۔ ؎

؎ بزم تیموریہ صفحہ ۲۷۷   ؎ گلزار ابرار صفحہ ۲۹۰

مولانا شیخ محمود سہروردی

۱۴ ر ذوالقعدہ دسویں صدی ھجری

وہ حکایت نامی رسالے اور شرائف محمودیہ میں لکھا ہے کہ آپکی جائے ولادت ملتان ہے اور ٹھٹھ کے علاقہ میں اور لاہور وغیرہ میں بھی آپ تشریف لے گئے وہاں سے حضرت شاہ عالم کی خدمت میں پہنچے اور ان سے مستفیض ہوئے اور اجازت اور خلافت پائی۔ اور قطب پور کے قریب میں پرانے اساول میں سابرمتی کے کنارے آپ نے اقامت فرمائی، جام خیرالدین نے اس قلعہ کی بنیاد رکھی تھی، جو لکر ٹلکوٹ کے نام سے مشہور ہے اور شیخ کا مزار بھی اسی جگہ دریائے سابرمتی کے کنارے پر ہے اور جام خیرالدین کی وصیت کے موافق ان کا مزار بھی شیخ کے پائنتی میں ہے، اور بی بی مرکی بھی اپنے باپ کے پہلو میں مغربی جانب میں ہے اور شاہ بھیکن کا مزار جام خیرالدین کے پہلو میں مشرق کی جانب میں ہے۔ شیخ محمد سہروردی کی وفات ۱۴ ر ذوالقعدہ کو ہوئی۔ [1]

---

[1] خاتمہ مرآت احمدی صد ۵۶۔

شیخ ابن

دسویں صدی ہجری تقریباً

شیخ ابن ایک مجذوب تھے، انہوں نے ایک مسجد احمد آباد میں بنوانی شروع کی تھی، ابھی مسجد ناتمام تھی کہ آپ کا وصال ہوگیا۔ آپ اسی مسجد میں محوِ خواب ہیں وہ مسجد جالی والی کے نام سے مشہور رہی۔ آپ کے بعد شیخ سعید نے تعمیر کا کام جاری رکھا۔ یہ مسجد سیدی سعید کے مکان کے قریب ہونے کی وجہ سے سیدی سعید کہلانے لگی۔ شیخ ابن کے حالات کتابوں میں نہیں ملتے۔ [1]

مفتی محمد اکبر

دسویں صدی ہجری کے آخر میں

شیخ فاضل علامہ محمد اکبر بن محمد شریف اپنے زمانہ کے ان علماء میں سے تھے جو علوم حکمت وفلسفہ میں فائق تھے۔ آپ احمد آباد کے مسند افتاء پر بھی فائز رہے۔ شیخ محمد محسن صدیقی کے علاوہ دوسرے کئی علماء نے آپ سے اکتساب کیا۔ میرزاھد شرح المواقف پر آپ نے حاشیہ تحریر فرمایا۔ [2]

مولانا حبیب اللہ

دسویں صدی ہجری تقریباً

علامہ حبیب اللہ بن شمس الدین کابلی صوبہ گجرات کے مشہور علماء میں سے

---

[1] تاریخ صوفیائے گجرات ، [2] نزھۃ الخواطر عربی ۴۲۳ ج ۴ صفحہ ۲۹

تھے ان کا لقب منصب الملک ہے جو گجرات ہی کے ایک سلطان کا دیا ہوا تھا آپ محمود شاہ صغیر کے زمانہ میں گجرات میں سفارت پر مامور تھے۔ اور ان کے عم بزرگوار شیخ سراج الدین عمر بن کمال الدین نہروالی آصف خاں کے وکیل تھے ایدر کی فتح تک آپ زندہ تھے۔ سلطان محمود کو اس فتح کی خبر انہوں نے لکھی۔ آپ سفارت کے ساتھ معرکوں کی تیاری میں لشکریوں کے صلاح کار بھی تھے جیسا کہ آصفی نے اپنی تاریخ ظفر والہ میں ذکر کیا ہے۔ [1]

سیّد کمال الدّین بن سید شاہ میر شیرازی

دسویں صدی ہجری

اساول احمد آباد میں آپ کا قیام تھا۔ جہاں عمر بھر علمی خدمات انجام دیتے رہے اور وہیں پیوند خاک ہوئے۔ وہاں کی جامع مسجد کے پیچھے آپ کو دفن کیا گیا۔ [2]

فقیہ العرب حسن ڈابھولی

شیخ علامہ حسن ڈابھولی مشہور بہ فقیہ العرب۔ بستی سرکھیج جو کہ مضافات احمد آباد میں ہے وہاں سلطان محمود، شاہ کبیر اور ان کے صاحبزادے مظفر شاہ حلیم کے دور میں تھے۔ وہاں درس و افادہ میں مصروف تھے۔ ان کے تلامذہ میں شیخ عبد القادر راجبنی کے علاوہ بھی بے شمار حضرات ہیں۔ [3]

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۴ صـ ۱۰۱، ۱۵۲، [2] اکابرین گجرات صـ ۵۹۴، تاریخ اولیاء گجرات۔

[3] گلزار ابرار، نزہۃ الخواطر ج ۴ صـ ۱۰۲، ۱۸۱۔

شیخ سعد اللہ چشتی

دسویں صدی ھجری

آپ شیخ عزیز اللہ چشتی کے دوسرے فرزند ہیں۔ عالم و فاضل تھے ایک عرصہ تک درس و تدریس کی خدمت میں مصروف رہے۔ ان کے صاحبزادے مخدوم رفیع اللہ عالم و فاضل متقی و پرہیزگار تھے۔ سلہ

مولانا یونس لاکہ

لاکہ ایک قبیلہ کا نام ہے۔

اب بھی ضلع سورت میں لاکھی قبیلہ موجود ہے آپ کو علم کی تعلیم دینے اور بصیرت کے حاصل کرنے میں شیخ وجیہہ الدین علوی اور قاضی عیسیٰ احمد آبادی کے برابر قدرت حاصل تھی۔ قاضی عبدالغنی، سید ابراہیم بھکری، شیخ نظام الدین ابن کبیر ملا طیب سندھی اور قاضی اسحٰق اسیری جن کے حالات گلزار ابرار میں لکھے گئے ہیں آپ کے شاگرد ہیں۔ سلہ

شیخ احمد بن محمد بن عبدالرحیم

وفات ۱۰۰۱ھ مطابق ۱۵۹۲ء

شیخ عبدالقادر بن شیخ کے تلامذہ میں شیخ احمد بن محمد بن عبدالرحیم باجابر بھی معروف ہیں جن کا لقب شہاب الدین باجابر حضرمی ہے۔ شلی نے اپنی تاریخ

سلہ تذکرہ قاریان ہند۔ سلہ گلزار ابرار صفحہ ۲۶۵۔

میں انکا بھی تذکرہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ،دیکھنے والا دیکھتے ہی آپ کے رعب اور ہیبت کیوجہ سے مرعوب ہوجاتا آپ کے چہرے انور سے علم وفضل ٹپکتا تھا۔ آپ نے اپنے والد شیخ محمد سے علم حاصل کیا ان کے ظل عطوفت میں تربیت پائی۔ اور ان کے علوم سے آپ بہرہ ور ہوئے۔

والد محترم کے علاوہ دیگر علماء سے بھی آپ نے علم حاصل کیا اس کے بعد ناظم ہندوستان ہوئے۔ اور ہندوستان پہنچ کر شیخ عبدالقادر بن شیخ کی صحبت میں رہکر علم حاصل کیا۔ آپ بڑے اونچے شعراء میں سے تھے، زیادہ تر آپ نے سادات اہل بیت کی تعریف میں قصائد کہے۔ شیخ عبدالقادر بن شیخ کی مدح میں آپ نے یہ قصیدہ کہا۔ ؎

وما قصدی الجزاء سوی انتسابی　　الیٰ عُلْیا کم یوم القیامة

مگر قضاء وقدر کے فیصلے انسان پر غالب آتے ہیں۔ ہندوستان پہنچکر مال و دولت اور عیش وعشرت سے آپ نے کچھ حصہ بھی نہیں پایا تھا کہ اس سے پہلے ہی آپ کی وفات ہوگئی۔

صاحب خلاصۃ الاثر لکھتے ہیں کہ ،جب بھی میں آپ کو یاد کرتا ہوں تو میرا غم تازہ ہوجاتا ہے،، اسی لئے انہوں نے آپ کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے[1] جس کا نام صدق الوفا ہے۔ لاہور میں ۱۰۰۱ھ بمطابق ۱۵۹۲ء میں آپ نے وفات پائی۔

میر سید جلال صدر مقصود عالم

معاصر شمس الدین الرملی و تقی الدین الغزی

آپکی ولادت ۱۵ر جمادی الاخری ۱۰۰۳ھ بمطابق ۲ر فروری ۱۵۹۵ء ہے اور ،وارث رسول، سے تاریخ ولادت نکلتی ہے۔

---

[1] خلاصۃ الاثر ۱۷

آپ محمد بخاری رضوی کے فرزند ہیں، جن کا سلسلہ پانچ واسطوں سے شاہ عالم تک پہنچتا ہے۔ شاہ عالم کا مزار احمدآباد میں ہے۔ میر سید جلال کا لقب مقصود عالم تھا آپکے والد میر سید محمد شاہ عالم کے سجادہ نشین تھے۔ اور فضل و بزرگی سے آراستہ تھے۔ فقر و توکل میں ممتاز تھے۔ آپ نے قرآن شریف کا ترجمہ بہت اچھی عبارت میں کیا ہے جس زمانے میں جہانگیر بادشاہ گجرات کے سمندروں کی سیر کے ارادے سے نکلے تو کھنبایت میں میر سید محمد نے نہایت تعظیم و تکریم سے ان کے ساتھ وقت گذارا۔

شاہ جہاں سے بھی میر سید محمد کی دو مرتبہ ملاقات ہوئی۔ پہلی مرتبہ شہزادگی کے زمانے میں احمدآباد میں اور دوسری دفعہ جب شاہ جہاں جنیر سے دارالخلافہ کی طرف آرہے تھے۔ میر سید محمد کا ۱۰۴۵ھ میں انتقال ہوا اور شاہ عالم کے مزار کے مغربی دروازے کے پاس گنبد میں دفن ہیں۔ اپنی تاریخ ولادت کے متعلق شیخ سعدی کا مصرعہ پڑھ دیتے تھے۔

من و دست و دامان آل رسول ﷺ

میر سید محمد کے صاحبزادے میر سید جلال صورت و سیرت میں بہت خوب اور پاکیزہ تھے۔ علوم و فنون میں بھی مہارت رکھتے تھے شعر و شاعری سے بھی مناسبت تھی۔ اور رضائی ان کا تخلص تھا یہ مشہور رباعی ان ہی کی ہے۔ ؎

درنخوت و کبر لاعلاجم چہ کنم | باآنکہ اسیر احتیاجم چہ کنم
میرم بنیاز و ناز دلبر نکشم | من عاشق معشوق مزاجم چہ کنم

صاحب مآثرالامراء لکھتے ہیں کہ!

ملامحمد صوفی مازندرانی! ایران سے آکر احمدآباد میں مقیم ہوگئے تھے ان کو میر جلال سے تعلق خاطر ہوگیا اور ملا میر کو تعلیم دیتے تھے انکے اشعار پر لطف ہوتے ہیں۔ یہ شعر انکے ساقی نامے کا ہے۔ ؎

نمی ماند ایں بادہ اصلا بآب
تو گوئی کہ حل کردہ اند آفتاب

ملا محمد مازندرانی کی بیاض کا نام میخانہ تھا۔ اس میں شعراء کے دواوین سے ساٹھ ہزار اشعار منتخب کئے تھے۔ گجرات کے صوبے دار سیف خاں کو ملا سے بڑی عقیدت تھی۔ ملا مازندرانی نے وفات سے قبل یہ رباعی کہی تھی۔ ؎

اے شاہ نہ تخت و نہ نگیں می ماند — از بہر تو یک دو گز زمیں می ماند
صندوق خود و کاسۂ درویشاں را — خالی کن و پر کن کہ ہمیں می ماند

جہانگیر نے بھی جب یہ رباعی سنی تو اس پر رقت طاری ہوگئی۔

شاہ جہاں کی تخت نشینی کے بعد وہ اپنے والد کے حکم سے سلطنت کی مبارکباد دینے کے لئے دارالخلافہ آگرہ آئے بادشاہ نے آپ کا بہت اعزاز و اکرام کیا۔ دوسری مرتبہ پھر بادشاہ کے پاس آئے۔ چونکہ پہلے بھی اس خاندان کے چند لوگ سلاطین گجرات کے بڑے امراء میں سے تھے اس لئے شاہ جہاں نے بڑے اصرار کے بعد لباس درویشی اتروایا اور موسوی خاں کی بجائے سید جلال کو ہندوستان کی صدارت کا عہدہ عنایت کیا۔

سیّد جلال نے اخلاق فاضلہ سے آراستہ اور عالی خاندان سے وابستہ ہونے کی بنا پر بادشاہ سے کہا کہ سابق صدر موسوی خاں کے تساہل اور بے خبری کی وجہ سے اکثر ایسے آدمیوں کی مدد معاش مقرر ہوئی ہے جو اس کے مستحق نہ تھے اور اکثر لوگ جعلی سندوں کی بنا پر بہت سی اراضی پر قابض ہوگئے ہیں تمام ملک میں شاہی حکم پہونچا کہ تحقیق و تنقیح تک مددِ معاش کی سندیں ضبط کر لی جائیں۔ اس حکم کی بنا پر لوگوں نے سید جلال کو بڑا بدنام کیا۔

کہتے ہیں کہ مُلّا محمد صوفی مازندرانی جوانی میں ایران سے ہندوستان آئے اور اکثر

علاقوں کی سیر و سیاحت کے بعد احمد آباد میں مقیم ہو گئے موصوف کا میر جلال سے تعلق ہو گیا اور وہ انہیں تعلیم دیا کرتے تھے۔

میر سید جلال کے دو لڑکے تھے۔ ان میں سید جعفر شاہ عالم کے روضہ کے جانشین ہوئے اور سید علی ہندوستان کی صدارت پر فائز ہوئے۔

میر سید جلال صدر کی وفات لاہور میں ۱۰۵۷ھ میں ہوئی۔ جسدِ خاکی احمد آباد منتقل کر کے والد کے پاس دفنایا گیا۔ ان کے پوتے سید جعفر نے اس جملے سے تاریخ وفات نکالی ہے۔ "سید محمد آخر الاولیاء" [۱]

شاہ جہاں نامہ میں آپ کا ذکر اس طرح پر ہے کہ! اس نفس مطمئنہ کے افعال واقوال کی تعریف کرنا ممکن نہیں کیونکہ انسانی اور ملکوتی صفات کا عروج جمیل اس کی ذات والا صفات میں جلوہ گر تھا۔ آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اولاد علی رض کے باعث افتخار تھے۔ سیادت و شرافت کے آثار پیشانی سے ٹپکتے تھے اور چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ واقعی آلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اولاد علی رض ہیں۔ ذی علم، صاحب استعداد، مومن، متقی تھے، اور معرفت الٰہی سے بہرہ مند علوم الٰہی کی خوب تحصیل کی تھی۔ اولیاء اللہ کے مشرب و مقامات سے ایسے آگاہ تھے کہ ذوق معرفت دل میں سما گیا تھا۔ رفتہ رفتہ معرفت اور وجدان کے بلند ترین درجے حاصل کر لئے۔ عارفوں کے اسرار و رموز ان کے دل بیدار پر روشن ہو گئے۔ ریاضت و عبادت کی کثرت اور علم و عمل کے امتزاج سے سلوک و معرفت کی تمام منزلیں طے کر لیں۔ اس کے باوجود خوش گفتاری، فصاحت، آداب مجلس اور بادشاہی محفلوں کے آداب میں کامل تھے۔ یہ صفات اگرچہ جزئی ہیں لیکن انسانِ کامل کا زیور رہیں۔ حرکات و سکنات کی سنجیدگی، گویائی، موزوں طبعی،

---

[۱] ماثرالامراء ج ۳ ص ۳۰۵، نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۱۳، تذکرہ قاریان ہند ص ۱۲۸، اخبار الاخیار۔

دقیقہ سنجی میں طاق تھے کبھی کبھی نشاط و انبساط کے تقاضے اور عہد شباب کی سرخوشی میں عاشقانہ و عارفانہ اشعار بھی کہتے۔ چونکہ ان کا سلسلۂ نسب ۔ ۔ ۔ ۔ حضرت علی بن موسیٰ رضا رح تک پہنچتا ہے۔ لہٰذا اس مناسبت سے رضائی تخلص رکھا تھا۔ اس سید ذی جاہ کے کلام میں سے یہاں تین رباعیاں لکھنے پر اکتفا کی جاتی ہے۔

رُباعی

آں ماہ کہ مہر او مرا مضطر داشت　　　وز خاک فراق برسوم افسر داشت
چوں پردہ ز خورشید رخ خود برداشت　　　ناکہ دیدم کہ در کلاہم سر داشت

عشق است کہ کام دل و جاں می شکند　　　عشق است کہ پیدا و نہاں می شکند
عقلم آزر شدہ است و عشقِ ابراہیم　　　کایں تنہا می تراشد آں می شکند

ہرچند کہ چوں روح مجرد پاکم　　　آلودہ و پابند جہاں خاکم
مانندۂ مہتاب بہ پائے ہمہ کس　　　می افتم و نور دیدہ افلاکم

یہ فرشتہ صفات سید اپنے پدر بزرگوار کے زمانے میں نیز ان کے وصال کے بعد بھی جب بھی دربار شاہی میں تشریف لائے شاہانہ عنایت سے مشرف ہوئے۔ شاہ جہاں بادشاہ انہیں اپنی مجلسِ خاص میں بلاتے۔ شاہجہاں نے کئی بار فرمایا کہ "ہمارے عہد حکومت میں سید جلال کا وجود نہایت غنیمت ہے" سچ پوچھئے تو حسب نسب، صورت شان، وجاہت و شرافت، ظاہری اور باطنی کمالات کے سبب اگر کوئی شخص شاہ جہاں کا مقرب بننے کا مستحق ہوسکتا ہے تو وہ یہی سید ذی جاہ ہے۔ ان صفات کی بدولت یہ صورت تھی کہ بادشاہ سلامت ایک لمحے کو سید جلال کی جدائی گوارا نہ کرتے تھے۔ پیشِ نظر رکھنے کی یہ سبیل نکالی کہ ۹ رشعبان ۱۰۵۲ ھ

۲ رنومبر ۱۶۴۲ء کو بڑے اصرار کے ساتھ انہیں صدر کل کا عہدہ عنایت کر کے چھ ہزاری ذات، دو ہزاری سوار کا منصب عطا فرمایا۔ تمام محتاجوں، مسکینوں، عابدوں، صالحوں کی عرضیوں پر انہی کے دستخط ہوتے اور انہیں مدد معاش یا جاگیر دیجاتی۔

سادات رضویہ کے اس چشم وچراغ کی ولادت ۱۲ رجمادی الثانی ۱۰۰۳ھ / ۲۲ رفروری ۱۵۹۵ء کو ہوئی "وارث رسول" سے تاریخ ولادت نکلتی ہے۔ سن ۲۱ رجلوس میں بتاریخ یکم جمادی الاول ۱۰۵۷ھ ۴ رجون ۱۶۴۷ء جہان فانی سے باغ بہشت کو روانہ ہوئے۔

بتاریخ یکم جمادی الاول ۴ رجون ۱۶۴۷ء لاہور کے واقعات سے خبر ملی کہ جامع فضائل، سید عالی نسب، سید جلال صدر الصدور متعدد امراض میں مبتلا رہ کر ۲۳ ر ربیع الثانی ۲۹ رمئی ۱۶۴۷ء کو جہانِ فانی سے بہشت بریں کو سدھارے، بادشاہ نے پاکیزہ نسب سید کے انتقال پر افسوس کیا۔ بارگاہ الٰہی میں مغفرت کی دعا مانگی۔

مرحوم کے تین بیٹے ہیں۔ بڑا لڑکا سید جعفر کہ حضرت علی مرتضیٰ رض کی اولاد کا فخر ہے اپنے آبا و اجداد کا سجادہ نشین ہے۔ دوسرا فرزند خلاصۂ سادات کرام مظہر لطف ازلی سید علی جس کے پر نور چہرے سے شرافت و جلال ٹپکتا ہے حضرت نے اُسے دو چند ترقی دیکر ہزاری ذات دو سو سوار کے منصب پر سربلند فرمایا تیسرا لڑکا سید موسیٰ ہے۔ دائم المرض ہے لہٰذا آپ نے اس کا وظیفہ مقرر کر کے حکم فرمایا کہ احمدآباد میں بیٹھ کر دعائے دولت کرتے رہو۔ [1]

---

[1] شاہ جہاں نامہ ج ۲ ص ۴۶۹۔

شیخ ابوتراب

وفات ۱۰۰۳ھ یا ۱۰۰۵ھ بمطابق ۱۵۹۶ء

شیخ فاضل علامہ ابوتراب بن کمال الدین بن حبۃ اللہ چشتی - آپ شیراز کے سلامی سادات سے تھے - آپ چانپانیر میں پیدا ہوئے اور احمدآباد میں سکونت اختیار کی - اپنے والد اور دادا سے تعلیم حاصل کی آپ کے دادا حبۃ اللہ الملقب بہ سید شاہ میر کبار علماء سے تھے - سلطان احمد کے پوتے سلطان قطب الدین کے زمانے میں گجرات آئے - کچھ دنوں کے بعد وہ اپنے وطن واپس چلے گئے - اور پھر دوبارہ شاہ اسمٰعیل صفوی کی شورش کے زمانے میں سلطان محمود بیگڑہ کے عہد میں اپنے بیٹے میر کمال الدین کے ہمراہ گجرات آئے - اور چانپانیر محمدآباد میں جو وہاں کے سلاطین کا قدیم دارالحکومت ہے سکونت پذیر ہوئے اور طلبہ کے افادہ میں مشغول ہو گئے - آپ نے مفید کتابیں تالیف کیں اور لائق بیٹے چھوڑے - ان میں سب سے لائق ابوتراب کے والد میر کمال الدین ہیں - جب شیخ میر ابوتراب کے دادا شیخ حبۃ اللہ فوت ہوئے تو میر ابوتراب کے بڑے بھائی اور چچا کی اولاد رہ گئی - یہ تمام سادات مغربیہ سلسلہ میں بیعت تھے - اس خاندان کے نامور بزرگ شیخ احمد کھٹو ہیں - شیخ ابوتراب کے خاندان کو سلامی اس لئے کہتے ہیں کہ غالباً ان کے بزرگوں میں سے کسی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مقدسہ سے سلام کے جواب میں آواز سلام سنی تھی -

مختصر یہ کہ میر ابوتراب نے قابلیت سے اس ولایت گجرات میں ایک مقام پیدا کرلیا جس سال بادشاہ وہاں گیا تو میر ابوتراب جو اس علاقہ کے اصحاب شوریٰ میں ممتاز تھے گجرات کے سارے امیروں سے پہلے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے -

جونانہ کے مقام پر خواجہ محمد صروی اور خان عالم نے آپ کا استقبال کیا۔

۹۸۵ھ میں آپ کو حاجیوں کی قافلہ سالاری کا اعلیٰ منصب ملا۔ پانچ لاکھ روپے نقد اور دس ہزار خلعت میر ابوتراب کے حوالے ہوئے کہ آپ اپنی فراست سے ان مقاماتِ مقدسہ کے مستحقین کو مناسب طریقہ سے پیش کردیں۔ حجاز کے سفر میں آپ نے مفوضہ خدمت اچھی طرح انجام دی اور جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم کا نقش ساتھ لائے۔ اکبر بادشاہ نے حکم دیا کہ میر ابوتراب دارالخلافہ آگرہ سے چار کوس پر قافلہ کے ساتھ ٹھہریں بادشاہ کے حکم کے مطابق ارکان سلطنت نے ایک خاص جگہ آراستہ کی۔ اس کے بعد بادشاہ امراء عظام اور علمائے کرام کے ہمراہ استقبال کے لئے گیا اور اس پتھر کے ٹکڑے کو جو جان سے زیادہ عزیز تھا اپنے کندھے پر رکھ کر چند قدم چلا۔ اس کے بعد امراء سلطنت حسبِ مراتب سر پر رکھ کر شہر لائے اور وہ نقش قدم بادشاہ کے حکم سے میر ابوتراب کے گھر میں رکھا گیا خیر الاقدام اس کی تاریخ ہے (۹۸۷ھ)۔

موٴرخین کا خیال ہے کہ یہ قدم جعلی تھا جیسے کہ محمد ایوب قادری کی کتاب "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ اکبر بادشاہ کے زمانے میں یہ بات مشہور تھی کہ بادشاہ وقت اکبر نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور دین محمدی کو ناپسندیدہ جانتا ہے اور اس کے استخفاف کی کوشش کر رہا ہے اس لئے مصلحت کی بنا پر مخلوق کی زبان بندی کے لئے اس نے تکلف و تصنع کے ساتھ استقبال کا یہ انتظام و اکرام کیا چنانچہ اس کی تائید شیخ ابوالفضل کی تحریر سے بھی ہوتی ہے۔

اگرچہ اکبر جانتا تھا کہ اس نقش قدم کی کچھ اصل نہیں ہے اور علماء نے اس کا جعلی ہونا ثابت کردیا ہے لیکن اس نے اپنی پردہ پوشی کی خاطر اس عظیم انتساب کا خیال کیا اور اس کی تعظیم کی اور اس نے اس کا زبردست احترام کیا۔

گجرات کی حکومت جب اعتماد خاں کو ملی جو مدتوں سے وہاں کا حاکم تھا اور دوسرں

کے مقابلہ میں وہاں کی آبادی کے طریقے اچھی طرح جانتا تھا تو میر ابوتراب اس صوبہ کے امین مقرر ہوئے اور اپنے دو بھتیجوں میر محب اللہ اور میر شرف الدین کے ساتھ اس صوبہ میں متعین ہوئے۔

شیخ ابوتراب کی وفات ۱۰۰۳ھ یا ۱۰۰۵ھ میں ہوئی۔ احمد آباد میں مدفون ہیں۔ مآثر الامراء کی رو سے ۱۵۹۶ء / ۱۰۰۵ھ میں اساول (احمد آباد) میں دفن ہوئے۔ آپ نے چند کتابیں فارسی میں تصنیف فرمائیں جن میں سے تاریخ گجرات مشہور ہے۔

"تاریخ گجرات" یہ گجرات کے حکمراں بہادر شاہ (۱۵۲۶ء-۱۵۳۶ء ۹۳۲ھ-۹۴۳ھ) کے حالات سے لیکر مظفر شاہ کے ہاتھوں احمد آباد کی فتح (۱۵۸۴ء/۹۹۲ھ) تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔[1]

کتاب "مخدوم جہانیاں" میں آپکی کتاب "تاریخ گجرات" کے متعلق قدرے تفصیل ملتی ہے کہ میر ابوتراب گجراتی نہایت اہم سیاسی شخصیت تھے ۱۰۰۵ھ بمطابق ۱۵۹۶ء / ۱۵۹۰ء میں انکا انتقال ہوا، اور وہ اساول میں دفن ہوئے۔ جو احمد آباد (گجرات) کے مضافات میں واقع ہے۔ انہوں نے ایک تاریخ گجرات لکھی ہے جسے ۱۹۰۹ء میں مشہور مستشرق ڈینی سن راس نے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (کلکتہ) سے شائع کیا ہے۔ وہ اپنے مقدمہ میں اس قدم شریف کے سلسلے میں مزید رقم طراز ہیں۔

۹۸۸ھ بمطابق ۱۵۸۰ء میں ابوتراب کو گجرات جانے کی اجازت ملی تو بادشاہ (اکبر) نے انہیں اس نقش قدم کے لے جانے کی بھی اجازت مرحمت فرمائی اور وہ اس (نقش قدم) کو اساول (متصل احمد آباد) لے گئے۔ وہاں انہوں نے اسکے

---

[1] مآثر الامراء صفحہ ۲۳۸/۳ تا ۸۵۔ اعیان الحجاج۔ نزھۃ الخواطر عربی صفحہ ۱۲/۵ تا ۲۲، تاریخ ادبیات صفحہ ۵۴۲/۴۔

اعزاز میں ایک عمارت اور خانقاہ بنوائی۔ مرہٹوں کے دور میں جب اساول تاخت وتاراج ہوا تو میر ابو تراب کے اخلاف اس نقش قدم کو احمد آباد لے آئے۔

عہد اکبری کے یہ سیاسی عوامل و محرکات تھے کہ اس نقش قدم کی اتنی شہرت و عزت ہوئی، دہلی کے مشہور قدم شریف کی دیکھا دیکھی زمانہ شناس لوگوں نے ہند وپاکستان میں متعدد جگہ قدم شریف کی زیارتیں قائم کر رکھی ہیں جن کا تفصیلی ذکر ہے۔

سید ہبت اللہ

شیخ ابو تراب کے جد امجد

آپ شاہ میر کے نام سے مشہور تھے۔ آپ ان بزرگ سادات میں سے ہیں جو حسنی حسینی تھے۔ آپ شیراز کے بڑے علماء میں سے تھے۔ امیر صدر الدین محمد شیرازی کے ہمنشین اور مولانا جلال الدین محمد دوانی کے ہم عصر تھے۔ آپ سلطان محمود کبیر (بیگڑہ) کے زمانہ میں شیراز سے گجرات تشریف لائے اور چانپانیر میں قیام فرمایا۔ آپ سیادت و فضیلت کے نیر اعظم تھے۔ سلطان نے ان کی نہایت تعظیم و تکریم کی۔

آپ نے کئی کتب تصنیف فرمائیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

۱۔ علم الہیئت کے بارے میں اپنے بیٹوں کے لئے ایک شرح ان کے زمانۂ اسباق میں تحریر فرمائی۔

۲۔ اسنی الکواشف فی شرح المواقف۔

۳۔ لوامع البرھان فی قدم القرآن۔

۴۔ محاکمہ شرح شمسیہ۔

۵۔ علم حدیث اور اصولِ حدیث کے بارے میں ایک رسالہ۔

آپ کی خوابگاہ احمد آباد میں ہے
آپ کے کئی بیٹے تھے جو سب سعادت مند اوصافِ حمیدہ سے موصوف تھے۔
ان میں فرزند رشید شاہ کمال الدین محمد تھے۔ جو کمالات سے مزین اور محاسن سے آراستہ و پیراستہ تھے۔

شیخ محمود بن عبداللہ

متوفی ۱۰۰۴ھ مطابق ۱۵۹۵ء

آپ کا مولد و منشار گجرات اور مزار برہانپور میں ہے۔ جس وقت سماع میں آپ کو جوش آتا تھا، اور آپ کی آہ سے دریائے عشق میں طوفان پیدا ہوتا تھا تو آپ کے آنسوؤں کی موجوں پر موجیں آتی تھیں۔ آپ شیخ لشکر محمد عارف کے خلیفہ ہیں۔ قرآن حفظ تھا، دل آویز لہجہ اور داؤدی الحان سے تلاوت کیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں میاں جمال جموجی محدث تھے، اور درویش ملک پیر محمد حسن آپ ان دونوں اصحاب کی مصاحبت میں برہانپور سے سفرِ حجاز کو روانہ ہوئے۔ اور لوٹ آئے۔

مسیح القلوب کہتے ہیں ایک روز میں آپکی عیادت کے واسطے گیا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اے فلاں میرے واپسی سفر کا وقت آگیا ہے۔ آپ ایسی دعا سے میری مدد کریں کہ ارباب شہود کے طریقہ پر میں دفن کیا جاؤں۔

مولانا غوثی اور ان کے دیگر چند دوست رحلت کے روز آپ کے سرہانے میں موجود تھے۔ حلقہ چشم میں آنکھیں اس طرح عاشقانہ گردش کرتی تھیں کہ جیسے کوئی محبوب جان فشانی اور نظر بازی کرتا ہے۔ نیز مسیح القلوب کہتے تھے ہنگام رحلت

اسی طرح دو شخص اور بھی میری نظر سے گزرے ہیں، میرے عم مکرم شیخ طاہر بن یوسف اور شیخ الاولیاء۔ آپ کا سالِ رحلت ۱۰۰۴ھ بمطابق ۱۵۹۵ء ہے۔

آپ کی نظر و توجہ کی جاذبیت اس قدر تھی کہ ایک گویئے کا لڑکا آپکی نظر شفقت کے اثر سے مسلمان ہو گیا۔ جس پر مولانا غوثی کہتے ہیں۔ ؎

معشوق در لباس ایاز ست جلوہ گر   غوثی مگر بدولتِ محمود میرسد[1]

مولانا غوثی لکھتے ہیں کہ: شیخ محمود بن عبداللہ صوفی صلاح و تقویٰ میں معروف علماء میں سے تھے۔ آپ کا مولد و منشاء گجرات ہے۔ آپ نے قرآن کریم حفظ کیا۔ اس کے بعد برہانپور گئے۔ طریقت شیخ لشکر محمد عارف برہانپوری سے حاصل کی پھر ۹۹۹ھ میں حجاز کا سفر کیا۔ اس وقت سفر میں شیخ جمال محمد محدث برہانپوری بھی ساتھ تھے۔ حج و زیارت سے فارغ ہو کر ہندوستان واپس آئے۔ آپ بڑے صاحبِ وجد و حال تھے ۱۰۰۵ھ میں برہانپور میں آپ نے انتقال فرمایا اور برہانپور میں دفن کئے گئے۔[2]

شیخ عبدالرحیم

متوفی ۱۰۰۵ھ بمطابق ۱۵۹۶ء

شیخ عبدالرحیم موضع احمدآباد سے پانچ کوس دور کپڑوَنج کے ہیں۔ اس مقام سے چل کر برہانپور سے ایک کوس کے فاصلہ پر دریا کے کنارہ حجرہ پسند کیا تھا۔ چند روز بعد علی عادل شاہ فاروقی فرمانروائے صوبہ خاندیس نے اس جگہ جامع مسجد اور ایک بڑی سرائے تعمیر کرا کر ایک شہر آباد کر دیا اور عادل پور نام رکھا

---

[1] گلزار ابرار صہ ۴۳۴۔ نزہۃ الخواطر ۴۷۵ ج ۵ صہ ۴۰۸۔ [2] گلزار ابرار صہ ۴۳۳۔

آپ کا حجرہ جامع مسجد کے متصل واقع ہوا ۔ اس میں شک نہیں کہ آپ فارغ البالی اور آزادی میں ہمت اور توکل کے آشنا تھے ۔

آپ کے مرشد طریقت شیخ ابراہیم قاری سندھی ہیں جن کا لقب مرغ لاہوتی ہے ۔ ایک روز آپ نے مسیح القلوب کی قطبیت کی خوشخبری لوگوں کو سنائی اور کہا کہ مجھ کو عالم خواب میں اس مضمون کی آگاہی دی گئی ہے ۔

آپ کی رحلت ۱۰۰۵ھ میں ہوئی ۔ اس حجرہ میں آپ کی قبر بنائی گئی جس میں بزمانۂ حیات قیام پذیر تھے ۔ قدس سرہ ۔[1]

شیخ بالنا بخاری

وفات ۱۰۰۵ھ / ۱۰۰۷ھ بمطابق ۱۵۹۶ء / ۱۵۹۸ء

آپ مخدوم جہانیاں کی نسل سے ہیں ۔ آپ آغاز جوانی میں سلوک اور شریعت کے پابند تھے ۔ اوسط عمر میں الٰہی جذبہ پیدا ہوا ۔ آپ نے ڈیڑھ سو برس عمر پائی ۔ بات کرتے وقت ہر ایک نیک و بد کی نسبت ہمیشہ اپنے نفس کی طرف کیا کرتے تھے ۔ لیکن مخاطب میں اس بات کے آثار بہت جلد ظاہر ہو جاتے تھے ۔ آپ کی زبان سے ایسی بات جو وقوع پذیر نہ ہو نکلتی ہی نہیں تھی ۔

سید قاسم پسر سید محمود بارہہ اکبر شاہ کے امرائے اعظم میں سے تھے ۔ یہ سید ۱۰۰۴ھ میں آپ کو اپنے ہمراہ شہر پٹن سے احمد آباد لے گئے تھے ۔ ایک روز ایک کنوئیں کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے ۔ سید نے ایک روپیہ آپ کے ہاتھ پر رکھا آپ نے اسی ہاتھ سے کنویں میں ڈال دیا ۔ لوگوں نے کہا آپ نے ایسا کیوں کیا ؟ فرمایا ، میں نے کچھ بُرا نہیں کیا ۔ ایک برہمن کے ہاتھ جنت کو بھیج دیا ، چند روز

---

[1] گلزار ابرار ص۲۱۳ ۔

بعد آپ کی والدہ کے پاس سے اس مضمون کا خط آیا کہ "تم نے جو کچھ ایک برہمن کے ہاتھ بھیجا تھا پہنچ گیا ہے" کہتے ہیں کہ جنت " آپ کی والدہ کا نام تھا اور یہ بھی عجب نہیں کہ " الجنۃ تحت اقدام امہاتکم " کے اعتبار سے کہا ہو۔ جب آپ لوٹ کر پٹن آئے تو ۱۰۰۵ھ یا ۱۰۰۶ھ میں انتقال فرمایا قبر صحن مکان میں بنائی گئی۔ [۱]

ملک شیر خلوتی

متوفی ۱۰۰۵ھ مطابق ۱۵۹۶ء

آپ شیخ مشائخ کے بیٹے اور بہاء الدین زکریا کے پوتوں میں سے ہیں سید مصطفے چشتی کے مرید تھے۔ زاد بوم احمد آباد گجرات اور خوابگاہ موضع بُودر جو علاقہ خاندیس میں ہے۔ آپ درویشی کی وضع کو سپاہیانہ وضع میں چھپایا کرتے تھے اولا معاہدہ کر لیا کرتے تھے کہ تمام رسوم سے آزاد رہونگا اور دوسرے سپاہیوں کی طرح سلام کے واسطے ہر روز نہیں آونگا بلکہ جس وقت لشکر کا سردار شکار کے واسطے یا لڑائی کے واسطے یا دیہات کے دیکھنے کے واسطے سوار ہوتا تھا اس وقت آپ بھی رکاب میں ہوتے تھے اور ان اوقات کے سوا دیگر اوقات میں باطن کی صفائی میں مشغول رہتے تھے۔ تمام دن رات کو نفل نمازوں میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں صرف کیا کرتے تھے۔ دسویں صدی کے بہت سے مشائخ سے فیض حاصل کیا تھا اور شیخ بدھا چشتی کی ملازمت سے بالخصوص علم طریقت یاد کیا تھا۔

۹۸۲ھ میں گجرات سے خاندیس آئے۔ چند روز اس ملک کے امرائے اعظم کی نوکری میں بسر کئے۔ جب آپ کی بزرگی اور آزادی کا شہرہ عادل شاہ فاروقی کے کان

---

[۱] گلزار ابرار صفحہ ۱۹-۴۲۰

میں پہنچا جو اُس ولایت کا فرمان روا تھا تو اس نے حکم جاری کیا کہ لشکر کا سردار آپ کی اس نسبت کے شرف سے سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ملک نے بھی سردار کی التماس کو قبول فرمایا۔

سنہ ھ میں جب عادل شاہ دکن کی لڑائی پر گیا تو آپ ہمراہی میں نہیں جاسکے اور نوکری ترک کردی۔ قصبہ بودر کے ایک گوشہ میں خلوت اختیار کرلی۔

سنہ ھ میں ملک علام کا فرمان طلب صادر ہوا جس کے بموجب دنیا کو رخصت کرکے آخرت کی طرف روانہ ہوئے۔ نور اللہ مرقدہٗ۔ [1]

شیخ بہلول دہلوی

م سنہ ھ

محدث بہلول ابن کبیر قادری دہلوی، علم فقہ، حدیث اور تفسیر کے ماہر علمار میں سے تھے، آپ اصلاً شکار پور کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے منتقل ہوکر دہلی آئے۔ اور مفتی جمال الدین دہلوی سے علم پڑھا۔ پھر گجرات پہنچے۔ تو شیخ عبداللہ بن سعداللہ اور شیخ رحمت اللہ بن قاضی عبداللہ دونوں کی صحبت میں ایک طویل مدت تک رہے پھر دہلی واپس آئے۔ اور طریق تصوف شیخ قمیص بن ابی الحیاۃ الساد ھوری سے حاصل کیا اور درس وافادہ میں مشغول ہوگئے۔ آپ اپنے زمانے میں صلاحِ عمل، کثرتِ عبادت اور طریقت میں ضرب المثل تھے۔ (کما فی اخبار الاصفیار)

بدایونی منتخب میں ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ آپ علم حدیث کے ماہرین میں سے ہیں اور فقر و درویشی اور فنار کے طریقے کو اکابر سے حاصل کیا اور معرفت

---

[1] گلزار ابرار صفحہ ۔

کی حلاوت اور استقامت کو ان سے حاصل کیا۔

مدت تک افادہ اور افاضہ میں مشغول رہے اور دنیا کی طرف قطعاً التفات نہیں تھا۔ شنلہ ھ میں ۱۴ رجب کی شام کو دہلی میں آپ نے انتقال کیا اور جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کی شہرت والا پتھر دفن کیا گیا ہے اس کے جوار میں آپ کو دفن کیا گیا۔ [۱]

شیخ علاؤ الدین ثانی مجذوب

متوفی شنلہ ھ بمطابق ۱۵۹۹ء

آپ کی گفتار غیبی علوم کا رسالہ اور آپ کی زبان لوح محفوظ کی مترجم تھی۔ زاد بوم تھاسرہ ہے۔ جو احمد آباد گجرات کے توابع میں سے تھا۔ کہتے ہیں آپ کو الٰہی جذبہ نے ایکبارگی آلیا۔ اپنے وطن سے اجمیر میں آئے اور چند سال اس شہر میں حالت وجد میں گذار کر گوالیار پہونچے چند روز کے بعد دارالخلافہ آگرہ چلے گئے۔ جو ذی احتیاج آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ ان کے مافی الضمیر اور دل کے حال کا آپ کو علم ہو جاتا بغیر عرض حال کئے ہوئے ہر ایک شخص اپنے مدعا کا جواب آپ کی تقریر سے پا لیتا تھا۔

آپ کے خادم شیخ نظام کا بیان ہے کہ تاریخ ساتویں جمادی الآخر سنلہ ھ تھا کہ جب ہمارے زمانہ کے سپہ سالار مرزا عبدالرحیم خانخاناں گجرات سے چل کر اکبر بادشاہ کی ملازمت میں بمقام دارالسلطنۃ لاہور حاضر ہوئے تو حکم ہوا کہ ایک کثیر لشکر اپنے ہمراہ لے کر صوبہ ٹھٹھہ کی فتح کے واسطے کوچ کریں یہ حال سنکر میرے دل میں آیا کہ صوبہ ٹھٹھہ میں بہت سے خداشناس حق پرست لوگ ہیں کیونکر فتح کی صورت پیدا ہوگی۔ ہنوز اس

---

[۱] نزہۃ الخواطر ۱۳۳ جـ ۵

خیال کی تصویر ذہن میں پورے طور پر منعکس ہونے بھی نہیں پائی تھی کہ اپنے خشم آلود نگاہ سے مجھکو دیکھا اور بہت سی نئی نئی وضع کی تصنیف کی ہوئی گالیوں کا خلعت عطا۔ کیا اور فرمایا تو کون ہے جو تجھکو بزرگوں کے قرار داد میں صواب اور خطاء کے ساتھ رائے زنی کا منصب حاصل ہو مالک ٹھٹھ علاؤالدین ہے اور سپاہ سے جانے والا اس کا برگزیدہ دوست ہے۔ ایسی خوبصورتی کے ساتھ فتح کا چہرہ نمایاں ہوگا کہ اس سے بہتر شکل کسی کے بھی تصور میں نہیں آسکتی۔ چنانچہ آپ نے جیسے فرمایا تھا ویسا ہی ظہور پذیر ہوا اسی طرح جب سپہ سالار نے دکن کی فتح کے واسطے عزم کیا تھا تو آپ نے خوشخبری دی تھی کہ کارآمد قلعہ اس دفعہ ہم نے تمہارے واسطے فتح کردیا ہے تم اس قلعہ کو بے تامل دیکھ لوگے بالآخر ایسا ہی ہوا۔ قلعہ سے مراد احمدآباد نگر پایۂ تخت دکن ہے۔

۹۰۰ھ کے بعد دارالبقاء کی طرف کوچ فرماگئے حدود آگرہ میں آپ کی قبر ہے۔[1]

حکیم عثمان بوبکانی

متوفی ۱۰۰۸ھ بمطابق ۱۵۹۹ء

آپ شیخ عیسیٰ ابن شیخ ابراہیم صدیقی سندھی کے فرزندارجمند ہیں۔ آپ کی ولادت مضافات سندھ کے ایک مقام بوبکان میں ہوئی۔ آپ کو حصول علم کا شوق اور خدا طلبی کا ذوق احمدآباد گجرات لے آیا جو ان دنوں مختلف علوم وفنون کے علماء و فضلاء کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ احمدآباد آمد سے پہلے ہی متداول کتب درسیہ سے فارغ التحصیل ہوچکے تھے۔ احمدآباد میں شیخ علامہ وجیہہ الدین علوی کے درس میں شریک ہوکر تفسیر و حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ نیز علوم تصوف کا بھی درس لیتے رہے پھر قاضی

---

[1] گلزار ابرار صفحہ ۲۴۳۔

محمود موربی اور شیخ حسین بغدادی کے پاس رہ کر علوم میں مزید تعمق حاصل کیا خصوصاً منطق ومعانی اور ریاضی وحکمت میں کمال پیدا کیا ۔

حصول علم میں یہ کامیابی حکیم عثمان کے ذوق طلب کے علاوہ سندھ کے ایک باخدا بزرگ مخدوم نوح ہالہ کی دعاء کا فیض اثر بھی ہے چنانچہ صاحب گلزار ابرار نے خود حکیم عثمان کی روایت سے لکھا ہے کہ ۔

میں ایک روز مخدوم ہالہ کی خدمت میں گیا اور چاہا کہ علمی کمالات حاصل ہونے کے واسطے دعاء کے لئے التماس کروں ۔ ابھی ضمیر کی مخفی بات زبان پر نہ آئی تھی کہ آپ نے فرمایا واتقوا اللہ یعلمکم ۔

جملہ علوم سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا مشغلہ اختیار کیا ۔ آپ کے علمی فضائل وکمالات کا شہرہ دور تک پھیل گیا ۔ جب آپ برہانپور تشریف لائے تو بادشاہ وقت محمد شاہ فاروقی نے عزت واحترام کے ساتھ رکھا اور درس و فتویٰ نویسی کے اعلیٰ منصب پر آپ کو مامور کیا اور زرخیز اراضی کا ایک موضع آپ کے لئے نامزد کردیا ۔

۲۷ رسال آپ نے برہانپور میں درس وفتویٰ نویسی اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ فیض رسانی کے دریا بہائے اور علماء محدثین اور مفسرین کی ایک جماعت آپ کے فیض سے سیراب ہوئی ۔

جب برہانپور میں آپ کا درس شروع ہوا اس وقت مسیح الاولیاء شیخ عیسیٰ جند اللہ برہانپور میں موجود نہ تھے وہ اپنے فاضل اجل چچا شیخ طاہر محدث کے درس سے فارغ ہوکر مزید حصول علم وکمال کی تلاش میں روانہ ہوچکے تھے اور مختلف مشائخ سے فیضیاب ہوتے ہوئے بمقام آگرہ شیخ جلال الدین ملتانی کی خانقاہ میں مقیم تھے کہ آپ کو اپنے چچا شیخ طاہر محدث کا خط پہونچا کہ : جیسا تم چاہتے ہو ویسے معلم برہانپور میں تشریف فرما

ہیں ان سے مراجعت کرو "

مسیح الاولیاء کے علاوہ قاضی عبدالسلام سندھی، شیخ صالح سندھی، قاضی نصیرالدین بنبانی، شیخ شکر جی نے بھی آپ کے علوم سے استفادہ کیا ہے۔

صاحب گلزار ابرار نے آپکی تصنیفات کے متعلق لکھا ہے کہ آپ کی تصانیف بہت سی ہیں منجملہ انکے تفسیر بیضاوی کا حاشیہ اور بخاری کی شرح ہے۔

شیخ عثمان بوبکانی نے تین بادشاہوں کا زمانہ دیکھا ہے اور ہر بادشاہ نے آپ کی قدرومنزلت ایک دوسرے سے زیادہ ہی کی۔

سنہ ھ میں آپ اپنی جاگیری موضع پر تشریف لے گئے تھے کہ اکبر نے تسخیر خاندیس کے عزم سے خود اقدام کیا اور برہانپور کے اطراف افواج پھیلا دیں۔ چونکہ ملکی نظام معطل تھا ڈاکوؤں نے مسلح ہوکر اس موضع پر حملہ کیا اور مال و متاع لوٹ کر آپ کو اور آپ کے ۱۷ رفقاء کو شہید کرڈالا۔

آپ تقویٰ اور عبادت میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ ملا غوثی صاحب گلزار نے لکھا ہے کہ شیخ لشکر عارف فرمایا کرتے تھے کہ حکیم عثمان کے مثل اطمینان اور فراغتِ قلب سے عبادت کرنے والا مجھے نظر نہیں آیا۔

شیخ طاہر محدث فرماتے تھے۔

جیسی شکستگیٔ خاطر، عاجزی اور گمنامی حکیم کی ہے۔ میں نے عالموں میں کسی میں نہیں دیکھی۔ چالیس سال کے اندر کسی گھر کا لقمہ نہیں کھایا۔

آپ کی شہادت تقریباً سنہ ۹۹۱ھ میں ہوئی۔ نور اللہ مرقدہ۔ [۱]

حکیم عثمان بوبکانی ملا علی القاری اور بدرالدین القرافی کے ہمعصر ہیں۔

---

[۱] تذکرہ قادیان ہند ص ۱۶۳، تذکرہ اولیائے سندھ۔

شیخ مبارکؒ ناگوری

وفات ۱۷ ذیقعدہ ۱۰۰۱ھ مطابق ۱۹ مئی ۱۶۰۱ء

شیخ مبارک بن شیخ خضر ناگوری۔ آپ قریشی النسل تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد میں شیخ موسیٰ یمن کے رہنے والے تھے۔ ۸۰۰ھ میں یمن سے نکل کر سیستان میں مقیم ہو گئے تھے۔ آپ کے والد شیخ خضر بزرگوں کی زیارت کے ارادہ سے دسویں صدی ہجری میں ھندوستان آئے قصبہ ناگور میں چند بزرگوں کی موجودگی کے باعث اقامت اختیار کر لی ۹۱۱ھ میں شیخ مبارک تولد ہوئے، چار سال کی عمر سے تعلیم شروع ہوئی۔ چودہ سال کی عمر میں علوم متداولہ سے فارغ ہو گئے۔

احمد آباد پہونچکر خطیب ابوالفضل گازرونی اور مولانا عماد طارمی سے بھی استفادہ کیا سلوک و تصوّف میں بھی اعلیٰ مقام حاصل کیا اور شیخ یوسف و شیخ عمر سے سلسلہ شطاریہ چشتیہ، سہروردیہ میں اجازت حاصل کی۔

۹۵۰ھ میں آگرہ پہنچے۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۹ سال تھی۔ میر رفیع الدین صفوی کی خانقاہ میں قیام کیا۔ شیخ چندن قریشی کی صاحبزادی سے نکاح ہوا۔ پھر درس و تدریس میں لگ گئے آپ چاروں ائمہ کے احکام سے واقف تھے۔ آپ کے درس میں ہر مذہب و ملت کا آدمی شامل ہوتا۔

ملا بدایونی نے لکھا ہے کہ شیخ مبارک اپنے زمانے کے بڑے کامل شخص تھے۔ صلاح و توکل، زہد و تقویٰ میں فائق اقران تھے۔ ہمیشہ علوم دینیہ کے درس میں مشغول رہے۔ علم تصوّف کو کمال درجہ پر پہنچایا تھا۔ شاطبی آپ کو زبانی یاد تھی۔ قرآن شریف دس قرأت کے ساتھ یاد تھا۔

صاحب اخبار الاصفیاء لکھتے ہیں کہ ان کے کتب خانہ میں پانچ سو ضخیم کتابیں خود ان کے قلم سے لکھی ہوئی موجود تھیں۔

آپکی ایک تصنیف ہے جس کا نام بدایونی اور طبقات کے مطابق "منبع نفائس العلوم" اور مآثر کے مطابق "منبع عیون المعانی" ہے (عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ صـ ۲۶۵)۔

آپ کے سات لڑکے ہوئے جن کے نام یہ ہیں ۱ شیخ ابوالفیض ۲ شیخ ابوالفضل ۳ شیخ ابوالخیر ۴ شیخ ابوالبرکات ۵ شیخ ابوالمکارم ۶ شیخ ابوتراب ۷ شیخ ابوالحامد۔

شیخ مبارک کا انتقال ۱۷ ذیقعدہ ۱۰۰۱ھ بمطابق ۱۹ مئی ۱۶۰۱ء میں ہوا، آگرہ میں مدفون ہیں۔ ؂۱

آپ کے مفصل حالات ان کتب میں موجود ہیں۔

۱ آئین دوم ۲۰۶۔ ۲ بدایونی سوم ۷۳۔ ۳ طبقات ۴۲۱ ب ۴ مآثر ۱۹۷، ۵ بیل ۳۷۱۔ ۶ حدائق ۳۹۴۔ ۷ تذکرہ ۱۷۴۔ ۸ قاموس دوم ۳۰۔

علامہ احمد بن علی بسکری

م ۱۳ ربیع الثانی ۱۰۰۹ھ بمطابق ۲۰ اکتوبر ۱۶۰۰ء

علامہ احمد بن علی بسکری کے والد علامہ علی بن محمد بسکری نے علامہ محمد بن عبدالحق عقیلی مالکی کو تربیت دی تھی اور بچے کی طرح اپنے پاس رکھ کر انکی تربیت کی تھی اور علامہ محمد بن عبدالحق نے علامہ علی بن محمد بسکری سے علم حاصل کیا تھا۔

اسی لئے جب علی بن محمد بسکری کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے علامہ محمد بن عبدالحق عقیلی مالکی کو اپنی وفات سے کچھ پہلے وصیت کی کہ میرے بیٹے علامہ احمد بن علی بسکری کی تربیت تمہارے ذمہ ہے۔ اس لئے آپ نے علامہ محمد بن عبدالحق عقیلی مالکی سے تربیت پائی۔

؂۱ تذکرہ قاریان ہند،

ابتدائی علوم ان سے پڑھے اور تمام علوم سے فراغت تک اور تمام علوم میں مہارت تک انہوں نے تربیت کا حق ادا کیا، اور اپنے مربّی واستاذ کی وصیت کو پورا کیا۔

صاحب النور السافر لکھتے ہیں کہ: شیخ احمد نہایت کتاب وسنت۔ کے متبع صاحب علم و صلاح اور سلف صالحین کے طریقے پر چلنے والے تھے۔ بقدر کفاف پر قناعت کرنے والے، نہایت عفیف اور پاکدامن تھے۔ اور آپ کا کوئی وقت ضائع نہیں ہوتا تھا۔ ہر وقت تصنیف وتالیف یا مطالعہ کتب میں مشغول رہتے۔

آپکی متعدد تصانیف ہیں قہوے کے بارے میں آپ کا ایک مفید رسالہ ہے انتقال سے کچھ پہلے آپکی بینائی چلی گئی تھی اور آپ نے احمدآباد میں ۱۰۱۳ھ ۱۲ ربیع الثانی کو شب شنبہ میں وفات پائی۔ انتقال کے وقت آپکی عمر ستر برس تھی۔

آپ کے اشعار کا کچھ نمونہ یہ ہے۔ ؎

أَقْسَمْتُ بِاللّٰهِ مَا حَالَتْ مَوَدَّتُكُمْ يَوْمًا وَلَا حُلْتُ عَنْ عَهْدِي وَمِيْثَاقِي
وَلَا تَنَفَّسْتُ أَنْفَاسًا أُرَدِّدُهَا إِلَّا وَفِي ضِمْنِهَا دَمْعِي وَأَشْوَاقِي

کسی شاعر کا شعر آپ کے سامنے پڑھا گیا۔

صَحِيْحُ الْبُخَارِيْ لَوْ أَنْصَفُوْا لَمَا خُطَّ إِلَّا بِمَاءِ الذَّهَبِ

تو آپ نے اس کی اصلاح کرتے ہوئے اسے یوں پڑھا۔

صحیح البخاری لو انصفوا لما خط الا بماء البصر
وَمَا ذَاكَ إِلَّا لِضَبْطِ الْأُصُوْلِ وَعَدْلِ الرُّوَاةِ بِنَقْلِ الْخَبَرْ
وَقَدْ فَاقَ فَضْلًا عَلٰى غَيْرِهٖ وَأَضْحٰى إِمَامًا لِكُتُبِ الْأَثَرْ

اسی طرح مشہور دعائیہ قصیدے پر آپ کی تضمین ہے فرماتے ہیں۔

إِنِّيْ تَعِبْتُ مِنَ الذُّنُوْبِ وَثِقْلِهَا هِيَ كَالْجِبَالِ فَلَا أُطِيْقُ لِنَقْلِهَا
فَامْنُنْ عَلَيَّ بِمَحْوِهَا وَبِغَسْلِهَا يَا مَنْ يُرَجّٰى لِلشَّدَائِدِ كُلِّهَا

يَا مَنْ إِلَيْهِ الْمُشْتَكٰى وَالْمَفْزَعُ

يَا رَبِّ طَاعَاتِيْ إِلَيْكَ قَلِيْلَةٌ يَا رَبِّ أَوْزَارِيْ عَلَيَّ ثَقِيْلَةٌ

مَالِی مَلَاذٌ وَلَالِی حِیْلَۃٌ　　مَالِی سِوٰی فَقْرِی اِلَیْکَ وَسِیْلَۃٌ

وَبِالْاِفْتِقَارِ اِلَیْکَ فَقْرِی اَدْفَعُ

کَیْفَ السُّؤَالُ حَقِیْرَۃٌ وَذَلِیْلَۃٌ　　وَبِضَاعَۃُ التَّقْوٰی لَدَیَّ قَلِیْلَۃٌ

وَعَوَائِدُ الْاَفْضَالِ مِنْکَ جَزِیْلَۃٌ　　مَالِی سِوٰی فَقْرِی اِلَیْکَ وَسِیْلَۃٌ

فَلَئِنْ رُدِدْتُ فَاَیَّ بَابٍ اَقْرَعُ

یَارَبِّ ھٰذَا الْعَبْدُ اَصْبَحَ رَاجِیًا　　عَفْوًا مِنَ الْمَاضِی وَمَا ھُوَ آتِیًا

وَتَکُوْنُ عَنِّی فِی الْقِیَامَۃِ رَاضِیًا　　حَاشَا لِجُوْدِکَ اَنْ تُقَنِّطَ عَاصِیًا

اَلْفَضْلُ اَجْزَلُ وَالْمَوَاھِبُ اَوْسَعُ [1]

شلی نے آپ کے بھی حالات تحریر فرمائے ہیں اور آپ کی بڑی تعریف کی ہے آپ نے اپنے والد اور شیخ، شیخ عبدالقادر بن عیدروس سے علم حاصل کیا۔ آپ نہایت خوبصورت اور خوش اخلاق بزرگ تھے، اور ہر گھڑی آخرت کی تیاری میں مصروف رہنے والے تھے۔ صاحب النورالسافر لکھتے ہیں کہ شیخ احمد بڑے علم وصلاح والے تھے کتاب وسنت کی اتباع کرنے والے اور سلف صالحین کے طریق پر چلنے والے تھے۔ آپ نہایت عفیف اور پاکدامن اور بقدر کفاف پر قناعت کرنے والے تھے۔ آپ کے اوقات نہایت منتظم مشغول رہتے یا تو کسی کتاب کے مطالعہ میں آپ مشغول پائے جاتے یا کسی کتاب کی تصنیف میں آپ مشغول ہوتے اسی لئے آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔

اخیر عمر میں آپ کی بینائی چلی گئی اور انتقال سے پہلے کچھ عرصہ آپ نے اسی طرح معذوری میں گزارا۔ آپ کی مدح میں خطباء، وشعراء نے بکثرت اشعار کہے ہیں جن میں شیخ عبداللطیف بن محمد کے یہ اشعار اور ان کا یہ قصیدہ بہت معروف ہے۔

اَعْنِی بِہٖ احمد المختار سیرتہ　　خلقا وخلقا سواہ لا یساویہ

---

[1] النورالسافر ص۳۸۶ تا ۳۸۹۔

شہاب نجل علی البسکری بلدا — المالکی مذھبًا من ذا یضاھیہ
قد خصہ بجمیل الفضل خالقہ — بسرطی معان فی معالیہ
لہ بدیع بیان فی الخطاب یری — وغیر لفظ وقد جلت معانیہ
اخبارہ قد اتت فی الحال تخبرعن — أبیات افکارہ المخصوص من فیہ
حدیثہ الحسن العالی روایتہ — أعلت لسامعہ شانا وروایہ

۲۰ راکتوبر ۱۶۰۱ء بمطابق ۱۰۰۹ھ میں ۱۳ ربیع الثانی سنیچر کی رات آپ نے احمد آباد میں انتقال فرمایا اور یہیں دفن کئے گئے۔

اشعار کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

میری مدح سے مقصود احمد بن علی ہیں جنکے طور طریق کو خلقت اور اخلاق دونوں اعتبار سے پسند کیا گیا ہے جن کا کوئی ہمسر نہیں، جو علی بن احمد کے فرزند ارجمند ہیں بسکری شہر کے باشندے اور مالکی المذہب ہیں کون ہے جو آپ کا مشابہ ہو۔ جنہیں خالق جل و علا نے فضل جمیل اور بلند درجہ کے الہامی علوم کے ساتھ خاص کیا ہے۔ آپ کا اندازِ گفتگو بہت نرالا ہے اور مختلف الفاظ میں ایک مضمون بیان فرماتے ہیں اور ان الفاظ کے معانی بھی بہت اونچے ہوتے ہیں۔ اسی وقت آپ کے کچھ مخصوص اشعار جو آپ ہی کے دہن مبارک سے نکلے میری نظر کے سامنے آئے۔ آپ کی گفتگو بہت اونچی ہے۔ اس کا روایت کرنا باعثِ فخر ہے اور سامع و راوی دونوں کا درجہ بڑھاتا ہے۔ [1]

آپ ملا علی القاری کے معاصر ہیں

---

[1] خلاصۃ الاثر ج ۱

میاں نجم الدّین مندوی

ولادت سنہ ۱۴۷۴ء / ۸۷۹ھ مطابق سنہ ۱۰۱۰ھ / ۱۶۰۱ء

۱۴۰

آپ کی ولادت ۸۷۹ھ میں ہوئی۔ شاہ جیو کے مرید تھے آپ نے ایکسو تیس سال کی عمر پائی۔ آپ کے والد بزرگوار سلطان غیاث الدین مندوی کے وزیر تھے۔

آپ عالم و عارف باللہ صاحب حال دنیاداری سے علیحدہ تھے۔ اور ستر چھپانے کی حد تک لباس پہنتے تھے۔ آپ کی عمر سات برس کی تھی کہ آپ کے پیر و مرشد نے آپ پر توجہ کر کے اپنی جانب کھینچ لیا

کہتے ہیں کہ آپ نے احمد آباد میں ایک مردے کو زندہ کیا تھا اور اس واقعہ کے بعد آپ وہاں سے ایسے غائب ہوئے کہ پھر کسی نے آپ کو وہاں نہ دیکھا۔ چنانچہ احمد آباد سے روانہ ہو کر دہلی آئے۔ زیادہ تر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کے مزار پر حاضر رہتے تھے۔ خواجہ صاحب کی روحانیت سے اجازت لے کر اجمیر گئے کچھ عرصہ بعد وہیں اجمیر میں انتقال کر گئے۔

کہتے ہیں کہ خواجہ معین الدّین اجمیری رح نے اپنی اولاد میں سے کسی سے اس کے خواب میں کہا کہ شاہ نجم الدین کا زمانۂ وفات قریب آگیا ہے۔ ان کو میرے کمرے کے سامنے دفن کرنا۔ چنانچہ میاں نجم الدین کا مزار خواجہ کے گنبد کے پائیں میں ہے۔ [1]

---

[1] اخبار الاخیار صـ ۵۶۵۔

سید حسین بن شیخ جلال بھکری

وفات ۱۲ر شعبان ۱۰۱۰ھ بمطابق ۳ر فروری ۱۶۰۲ء

آپ حافظ، زاہد، عارف اور درویش تھے۔ اکثر وقت ورد اور تلاوت میں گزرتا تھا۔ گجرات سے ۹۸۲ھ میں خاندیس آئے۔ یہاں کے حاکم نے موضع جوکامہ میں وظیفہ مقرر کر دیا۔ جوکامہ پرگنہ جوبرہ میں ایک گاؤں ہے۔ آپ نے اسی جگہ گوشہ نشینی اختیار کی، تیس سال خدا پرستی میں گذارے۔ پھر ماہ رجب ۱۰۱۱ھ میں محمد پور چلے آئے۔ موضع محمد پور سرکار سارنگ پور میں ہے۔ محمد پور کا جاگیردار اپنے وقت میں یکتائے روزگار تھا۔ ناہر خاں نام تھا۔ پہلے سے آپؒ سے شناسائی تھی اور طبیعت بھی درویش دوست واقع ہوئی تھی۔ آپ کی تشریف آوری سے جاگیردار (ناہر خاں) بہت مسرور ہوئے۔

یہ ناہر خاں حسن و جمال میں یوسف ثانی تھے یہاں تک کہ روشن ضمیر پیر شاہ لطیف محمد (جو قطب عالم بخاری قدس سرہٗ کے پوتوں میں سے ہیں) مرید کے جمال پر فریفتہ ہو گئے تھے۔

مصنف گلزار ابرار لکھتے ہیں کہ یہ تماشائی داستان بڑی لمبی چوڑی ہے۔ اس کے جواہر جداگانہ نظم و نثر کے تاگے میں پروئے جا رہے ہیں خدا کرے انجام کو پہنچ جائے۔

۱۰۱۰ھ میں جب اکبر شاہ کا لشکر برہان پور گیا تو اس صوبہ کے جاگیرداروں کو دوسری جاگیریں دے دی گئیں۔ اس سلسلہ میں ناہر خاں کو محمد پور مضافات سارنگ پور مالوہ دیا گیا۔ غرض ناہر خاں نے سید کی تشریف آوری کو مبارک سمجھ کر خوب خدمت کی یہاں تک کہ آپؒ نے ۱۲ر شعبان ۱۰۱۰ھ میں انتقال فرمایا اور قصبہ کے کنارہ قبر

بنائی گئی ۔ [1]

شیخ ولی محمد

متوفی ۱۰۱۰ھ بمطابق ۱۶۰۱ء

شیخ ولی محمد حنفی شطاری ۔ یکے از مشائخ شطاریہ ۔ مولد و منشاء چانپانیر ۔ آپ قاضی زادہ احمدآباد گجرات کے بیٹے ہیں ۔ ۹۸۱ھ میں جب شیخ صدرالدین ذاکر چانپانیر سے غوث الاولیاء کے مزار کی زیارت کے لئے احمدآباد کے راستہ سے گوالیار کو روانہ ہوئے اس وقت آپ کی عمر ۱۸ رسال تھی ۔ اسی وقت سلوک و تصوف کا شوق پیدا ہوا اور آپ شیخ ذاکر کی خدمت میں پہنچے ۔ گھر بار چھوڑ کر آپ بھی ساتھ ہو گئے ۔ شیخ ذاکر کی واپسی مانڈو ہوتے ہوئے ہوئی ۔ یہاں آپ نے کچھ مدت قیام کیا تو شیخ ولی محمد نے آپ کی صحبت میں رہ کر تین چلّے پورے کئے ۔ بعد میں آپ برہانپور مقیم ہو گئے ۱۰۱۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی ۔ آپ کے جنازہ میں بہت سے اولیاء شامل تھے ۔ [2]

شیخ داؤد حلّاج

متوفی ۱۰۱۲ھ بمطابق ۱۶۰۳ء

آپ کا وطن عماد پور ہے جو احمدآباد گجرات کے قریب ایک علاقہ ہے ۔ آپ کے چھوٹے بھائی شیخ خلیل کا بیان ہے کہ پیشہ وری چھوڑنے کا اولین باعث یہ ہوا کہ ایک روز آپ کے ساتھ دوسرے ہمعصر اطفال ایک گلی میں کھیل رہے تھے ۔ اس گلی میں شیخ بدھن گوڈریہ کا گذر ہوا ۔ آواز دی کہ جس کے پاس کچھ ہو اس گدا کو دو تمام لڑکے بھاگ گئے آپ نے

---

[1] گلزار ابرار صفحہ ۲۶۱ ۔ [2] نزہۃ الخواطر اُردو ۵۶۹ ، گلزار ابرار صفحہ ۵۸

دلیری کر کے ایک تانبے کا پیسہ ہاتھ میں رکھ کر نہایت ادب کے ساتھ پیش کیا۔ شیخ بڈھن نے وہ پیسہ لے لیا اور منہ کا لعاب اس نوجوان کے منہ میں ڈالا۔ اس وقت سے خداطلبی کی چنگاری دل کے تہ خانہ میں جا پڑی۔ ۱۰۱۳ھ میں وفات ہوئی۔ نوراللہ مرقدہ [۱]

شیخ پیر محمد

وفات ۱۰۱۳ھ بمطابق ۱۶۰۴ء

شیخ پیر محمد بن شیخ جلال محمد قادری برہانپوری صاحب صلاح متقی اور پرہیزگار تھے۔ علامہ وجیہہ الدین علوی کے شاگرد شیخ یوسف بنگالی سے رسمی علوم پڑھے۔ پھر تادم حیات درس وتدریس میں لگے رہے۔ نماز صبح سے شام تک طلبہ کے درس میں مشغول رہتے تھے۔ آپ کے مدرسہ میں کبھی تعطیل نہیں ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علماء نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کئے۔ ایک مرتبہ والی ملک خاندیس نے آپکو بے انتہا تعظیم کے ساتھ اپنی مجلس میں تشریف آوری کی تکلیف دے کر بلایا اور اس بات کا اظہار کیا کہ بادشاہی خواہش یہ ہے کہ آپ جیسے حضرات ملازم حضور ہوں آپ نے فرمایا کہ میں ایسے گروہ کی خدمت میں لگا ہوا ہوں جو علم کا طالب ہے لہذا مجھے فرصت ہی نہیں۔

پھر والی ملک نے کہا کہ ہم روزانہ آپ کو بلانا نہیں چاہتے۔ نہ طلبہ کے افادہ سے باز رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن جب کسی موقع کے مناسبت سے آپ کو یاد کیا جائے ضرور تشریف لائیں۔ اس پر آپ نے خاموشی سے گفتگو کا سلسلہ ختم کر دیا مسیح القلوب فرماتے ہیں کہ آپ پھر کبھی والی ملک کے دولت خانہ پر نہیں گئے۔ ۱۰۱۳ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ خوابگاہ برہانپور میں ہے۔ [۲]

---

[۱] گلزار ابرار صفحہ ۴۷۵۔ [۲] ایضاً صفحہ ۴۴۹۔

ملاّ شیخ اسحاق بکھری اسحاق

وفات ۱۰۱۸ھ مطابق ۱۶۰۹ء تقریباً

آپ ابتداءً سلطان محمود خاں بکھری کی ملازمت میں منسلک تھے۔ اور آخر میں مرزا غازی ترخانی کے ملازم مقرر ہوئے۔ سید حسام الدین راشدی نے لکھا ہے کہ "معلوم ہوتا ہے کہ وہ سلطان محمود خاں بکھری کی وفات کے بعد گجرات چلے گئے اس وقت گجرات میں خواجہ نظام الدین ہروی صاحب طبقات اکبری دیوان اور بخشی تھے۔ آپ ان سے وابستہ ہوکر ان کے وکیلِ مطلق العنان بنے۔

ذخیرۃ الخوانین میں ہے کہ شیخ اسحاق فاروقی اور ذخیرۃ الخوانین کے مؤلف شیخ فرید بکھری ان کے مطلق العنان وکیل تھے۔ سندھ کے مشہور مؤرخ میر معصوم بھکری کو شیخ اسحاق کی محبت کھینچ کر گجرات لائی کہ دونوں نے بکھر میں ایک جگہ تعلیم پائی تھی۔ شیخ اسحاق نے میر معصوم کی گجرات تشریف آوری کو مغتنمات میں سے سمجھ کر صوبے دار گجرات شہاب الدین احمد خاں نیشاپوری سے سفارش کرکے دیوانی کی خدمت دلائی اور منصب مقرر کرایا۔ شیخ اسحاق اور میر معصوم بکھری نے خواجہ نظام الدین ہروی کو طبقات اکبری کی تالیف میں بھی مدد دی۔

ترخانی دور کے مشہور مؤرخ سید طاہر محمد نسیانی مؤلف تاریخ طاہری بھی شیخ اسحاق کے تلامذہ میں سے تھا۔ شیخ اسحاق کی عمر اور ان کے مدفن کے متعلق یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ قیاس ہے کہ انہوں نے میر معصوم کی وفات ۱۰۱۵ھ (۰۷-۱۶۰۶ء) کے دو تین سال بعد وفات پائی ہوگی۔ [1]

---

[1] تاریخ سندھ ج ۲ ص ۲۰۳، ۲۰۴

حاجی دبیر مصنف ظفر الوالہ بمظفر وآلہ

معاصر القاری و عبدالرؤف المناوی

(م ۱۰۲۰ھ بمطابق ۱۶۱۱ء کے بعد)

شیخ عبداللہ محمد بن سراج الدین، عمر بن کمال نہروالی گجراتی معروف بہ حاجی دبیر محدث مورخ اور ادیب تھے۔ ۱۵۳۹ء/۹۴۶ھ کے لگ بھگ حجاز میں پیدا ہوئے اور شیخ عزالدین زمزمی اور شیخ ابن حجر ہیثمی سے استفادہ کیا۔ ۱۵۵۴ء/۹۶۲ھ میں ہند آکر وزیر محمد الغ خاں کے ملازم ہوئے اور اس کے لئے ایک کتاب "فواتح الاقبال و نوائح الانتقال" تصنیف کی۔ ان کی مشہور کتاب "ظفر الوالہ بمظفر وآلہ" (گجرات کے خاندان مظفری کی تاریخ) تین جلدوں میں حکومت ہند نے سر ڈینی سن راس کے زیر اہتمام شائع کی ہے۔ سال وفات معلوم نہ ہو سکا۔ بہرحال آپ ۱۶۱۲ء/۱۰۲۰ھ میں بقید حیات تھے۔

شیخ عبداللہ بن محمد بن عمر المکی الآصفی الغخانی کی نادر کتاب "ظفر الوالہ بمظفر وآلہ" ان چند گنی چنی کتب تاریخ میں سے ہے جو ہندی علماء نے عربی زبان میں تصنیف کیں اور ان میں اسلامی ہند کی تاریخ قلمبند کی۔ "ظفر الوالہ" دو دفتروں پر مشتمل ہے۔ دفتر اول میں آل ظفر کے ان شاہان گجرات کی مفصل تاریخ ہے جنہوں نے ۱۳۹۶ء سے ۱۵۷۲ء تک حکومت کی۔ ضمنی طور پر اس دفتر میں دکن اور خاندیس کے سلاطین کی تاریخ بھی مذکور ہے۔ دفتر ثانی میں شمالی ہند کے ان تمام شاہی خاندانوں کی تاریخ قلمبند کی گئی ہے جنہوں نے بارہویں صدی عیسوی سے سولہویں صدی عیسوی تک مختلف اوقات میں مختلف علاقوں پر حکومت کی۔ مصنف نے اپنی اس کتاب میں تمام معتبر کتب تاریخ سے استفادہ کیا ہے جو فارسی میں اس وقت دستیاب تھیں۔ مثلاً: "ابوالفضل"، "الجرجانی" اور

؛ضیاء البرنی ، کے علاوہ ؛ مرآۃ سکندری ؛ ؛ تاریخ مجی ، تحفۃ السعادات ، اور ؛ تاریخ بہادر شاہی ، کے اقتباسات مصنف نے بکثرت دیئے ہیں ۔ [1]

اوائل خدمتی کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ ایک دن میں فوجی چھاؤنی کی طرف سیر کیلئے نکلا میں دیوان میں تھا ، میں دیکھ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اعتماد خاں پر کس قدر انعامات فرما رکھے ہیں ، قبے ، قالینیں جو دیباج و استبرق سے بنائی گئی ہیں ۔ میں دیکھنے میں اس قدر محو تھا کہ آنے جانے والوں سے غافل تھا کہ اچانک میں نے دیکھا کہ حیرت خاں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تو میں نے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا وہ مجھے اپنے خیمے میں لے گئے اور مجھے چھوڑ نہیں رہے تھے ۔ انہوں نے مجھے ایک گھوڑا ، اونٹ ، خیمہ اور دوسو محمودی سکے عنایت کئے ۔ اور میرے محسن الغ خان تھے ۔ تو مروت نے اس سے انکار کیا کہ میں اپنے امیر کو چھوڑ کر بغیر کسی وجہ کے الگ ہو جاؤں اس لئے میں شہر واپس لوٹ آیا اور سعید بدرالدین حسن دہلمانی جہانگیر خان کے وزیر وہ بھی مجھ پر بڑی عنایت فرماتے تھے ، اور تمام بندر وہ بنادر کے تاجر حضرات سے خط و کتابت رہتی تھی ۔ ؛ واکثرھما ذات عرب ، اور تاجروں کی اکثریت عرب حضرات تھے ۔ ؛ وکنت اکفیہ ذلک ، مصنف فرماتے ہیں کہ تمام کام میں انجام دیتا تھا ۔ تو ایک دن وہ مجھے جہانگیر خان کے پاس لے گئے اور ان سے کہنے لگے کہ ہمارے دیوان کو ان جیسے کی بڑی سخت ضرورت ہے اور ابھی تو ہمارے قبضے میں ہیں تو جہانگیر خان مجھ سے پوچھنے لگے کہ حیرت خان کی طرف سے تمہیں کیا ملتا ہے ۔ میں نے کہا کہ دوسو محمودی ، کہا ٹھیک ہیں ؟ میں نے کہا اتنا ہی اور باقی وعدے پر بھی ، کہنے لگے ؛ بلین الیاس والرجاء ، اس کے بعد فرمایا کہ میری طرف سے

---

[1] تاریخ ادبیات ص ۲۹۳، ۲۹۴ ج ۱ ۔

سو محمودی ہر مہینے تمہیں پابندی سے ملا کریں گے۔ تو اسی پر میں کام کرتا رہا جب تک الغ خان نے مجھے اپنے پاس بلا لیا۔ ۱؎

مصنف ظفر الوالہ اس وقت بھی الغ خان کے ساتھ تھے جب ۹۶۷ھ میں چنگیز خان کے ساتھ الغ خان کی صلح پر گفتگو ہو رہی تھی اور اس وقت مصنف کے ساتھ شیخ صوفی سلیم الدین استنبولی بھی تھے۔

مصنف اور شیخ عبد اللطیف کا تعلق۔

۹۶۷ھ کے واقعات میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ " وکان یعرف ما بینی و بین رفیقی صدیقی ثقتی برکتی صہری ظہیری ادیب الزمان مولانا عبد اللطیف بن محمد سجوقی المدنی دبیر جنگیز خان من النسبۃ و المحبۃ "، مصنف الغ خان کے دبیر تھے اور شیخ عبد اللطیف چنگیز خان گجراتی کے دبیر تھے۔ ۲؎

صاحب ظفر الوالہ ! لکھتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ سے گجرات واپس لوٹا تو جس کشتی میں سورت کے لئے سوار ہو کر آیا اس کا نام تھا "تیز رو" اس وقت ان کشتیوں اور بندر سورت کے علاقے کا مالک اکبری امیر محمد قلیج خاں تھا جب سورت بندر قریب پہنچ گیا تو جو سامان کشتی میں آیا تھا اس میں سے عمدہ کپڑا نکال کر اس کو قینچی سے کاٹا جانے لگا۔ سب سے پہلے قینچی جو چلائی گئی وہ سورت کے قدیم بندر جس کا نام منیر بار رانیر تھا، وہاں کے مشہور ولی کبیر مولانا شیخ عثمی کے مزار کے مجاورین کو بھیجا گیا۔ پھر مجاہد شہید مرجان کے مزار کے مجاورین کے لئے بھیجا گیا۔ ۳؎

۱؎ ظفر الوالہ بمظفر والہ ص۴۴۵ ۲؎ ایضاً ص۴۲۶، ۴۶۹، ۵۴۷ ۳؎ ایضاً ص۵۸ ۔

تاریخ ادبیات میں آپکا تذکرہ اس طرح ہے کہ "مصنف عبداللہ بن محمد بن عمر النہروالی الاصفی الغ خانی ہیں۔ جو حاجی دبیر کے نام سے زیادہ معروف ہیں۔ ان کا زمانہ حیات دسویں صدی ہجری کا آخری اور گیارہویں کا ابتدائی حصہ تھا۔ مصنف ۹۴۶ھ / ۱۵۴۰ء کے قریب مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور ۹۶۳ھ بمطابق ۱۵۵۵ء میں جب انکی عمر کوئی سولہ سال تھی وہ پہلی مرتبہ ہندوستان آئے۔ اس کے تین سال بعد وہ اپنے پہلے آقا محمد الغ خاں حبشی کی ملازمت میں داخل ہوئے جو گجرات کا ایک ممتاز امیر تھا۔ اور عمادالملک سے منسلک تھا۔ ۹۸۰ھ بمطابق ۱۵۷۲ء میں جب اکبر احمدآباد میں داخل ہوا تو الغ خان کے قید ہو جانے کیوجہ سے مصنف بے روزگار ہو گئے۔ لیکن ایک سال بعد ہی گجرات سے وقف کا روپیہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ لے جانے کا کام ان کو تفویض کر دیا گیا۔ ۹۸۳ھ بمطابق ۱۵۷۵ء میں وہ ہندوستان واپس آئے اور گجرات کے ایک اور امیر سیف الملک کی ملازمت اختیار کی۔ اس کے بعد وہ خاندیس کے ایک ممتاز امیر فولاد خان کی ملازمت میں داخل ہو گئے۔ انکی صحیح تاریخ وفات کا علم نہیں تاہم یہ معلوم ہے کہ ۱۰۲۰ھ بمطابق ۱۶۱۱ء میں وہ بقیدِ حیات تھے۔

یہ کتاب دو دفتروں میں منقسم ہے۔ دفتر اول کا تعلق گجرات کے مظفری سلاطین سے ہے جنہوں نے ۷۹۹ھ سے ۹۸۰ھ تک حکومت کی۔ (۱۳۹۶ء تا ۱۵۷۲ء) اس دفتر میں خاندیس اور دکن کے حکمرانوں کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ دفتر دوم میں ان مختلف حکمران خاندانوں کی مختصر تاریخ قلم بند کی گئی ہے جنہوں نے بارہویں صدی عیسوی سے سولہویں صدی عیسوی تک شمالی ہند پر حکومت کی تھی۔ مشہور مستشرق پروفیسر ڈینی سن راس نے اس کتاب کی اہمیت کو سب سے پہلے محسوس کیا اور اس کو مرتب کر دیا یہ ایڈیشن تین جلدوں پر مشتمل ہے اور ہر جلد میں ایک عالمانہ مقدمہ بھی شامل ہے۔ فاضل مرتب نے لکھا ہے کہ یہ کتاب صرف بادشاہوں کے حالات تک محدود

نہیں، اوراس کی اہمیت اس سے بڑھ کر ہے۔ پہلی جلد کا بڑا حصہ تاریخی، سوانحی اور کتابیاتی اضافوں پر مشتمل ہے جو پڑھنے والے کو ایک طرف تو اسلام کے ابتدائی دور کی تاریخ کی طرف پیچھے اور دوسری طرف سترہویں صدی کے آغاز کی تاریخ تک آگے لے جاتے ہیں۔

بعض جگہ تحریر میں بے احتیاطی کے باوجود یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مکہ مکرمہ میں پیدا ہونے۔ اور پرورش پانے والے شخص کی عربی ہے اور دوسرے ہندی اور فارسی ناموں کا تلفظ صحیح ہے کیونکہ بدیسی ہونے کی وجہ سے مصنف نے اس بات کا بہت خیال رکھا ہے کہ سب نام بالکل صحیح اور واضح طور پر لکھے جائیں۔ [1]

نزھۃ الخواطر میں بھی آپ کے حالات ملتے ہیں، اس طرح کہ الشیخ محمد شاہ بن عمر آصفی الغنانی مکی، شیخ عبداللہ بن سراج الدین بن کمال الدین نہروالی۔ حدیث وعلوم اورادب کے ماہر علماء میں آپکا شمار تھا۔ آپ نے گجرات کی تاریخ میں ظفر الوالہ فی اخبار المظفر والہ، تالیف فرمائی۔ اور دوسری فواتح الاقبال وفواتح الانتقال یہ بھی علم تاریخ میں عربی زبان میں تصنیف فرمائی، جیساکہ آپ نے ظفر الوالہ میں تصریح کی ہے۔

آپ کا مولد ومنشاء مکہ مکرمہ ہے آپ کے والد سراج الدین عمرؒ جو وزیر گجرات آصف خان کے وکیل تھے ۹۴۲ھ میں گجرات سے حجاز کا سفر کیا ہے اسی سفر میں ۹۴۶ھ میں محمد بن عمر آصفی کی مکہ مکرمہ میں ولادت ہوئی۔ جب آپکا سن پندرہ برس تھا اس وقت بھی آپ مکہ مکرمہ میں تھے مکہ مکرمہ کے علماء سے آپ نے علم حاصل کیا۔ صاحب نزھۃ الخواطر لکھتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ آپ نے شیخ عزالدین عبدالعزیز زمزمی اور شیخ شہاب الدین احمد بن حجر ہیثمی وغیرہ مشائخ

---

[1] عربی ادبیات صہ۱۸۰۔

سے پڑھا، اس لئے کہ دونوں مشائخ ان حضرات میں سے تھے جن کے لئے سلطان محمود احمدآبادی کی طرف سے وظیفے جاری تھے اور سلطان محمود کے مکہ مکرمہ میں قائم کئے گئے مدرسے میں مدرس تھے۔

غرضیکہ آصفی نے مکہ مکرمہ میں طویل قیام کیا ہے، اور جب آصف خان ۹۵۲ھ میں گجرات واپس لوٹے اور ۹۶۱ھ میں شہید کئے گئے۔ اس وقت آصفی مکہ مکرمہ میں تھے اور اپنے والد کے ساتھ رہتے تھے۔

آصف خان کی شہادت کے بعد پھر وہ ہندوستان آئے مگر ہندوستان آنے کا سن معلوم نہیں۔ اندازہ یہ ہے کہ ۹۸۱ھ میں ہندوستان واپس لوٹے ہیں اس لئے کہ آپ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ۹۸۰ھ میں معلم حیات ہروی سے عجم کی بندر ہرمز میں ملا ہوں تو شاید حجاز سے گجرات لوٹتے ہوئے سفر میں ان سے آپ کی یہ ملاقات ہوئی ہے۔ گجرات پہنچنے کے بعد امیر سیف الملوک مفتاح الغخان حبشی کے مقربین میں رہے اور طویل عرصہ ان کے کاتب بنکر ان کی ملازمت میں رہے جیساکہ خود آپ نے لکھا ہے۔ آپ ۹۹۱ھ میں امیر سیف الملوک کے ساتھ احمد نگر میں بھی رہے اور آپ نے اسی امیر سیف الملوک الغخان مذکور کے لئے "فواتح الاقبال ونوائح الانتقال" نامی کتاب تاریخ میں لکھی ہے۔ امیر سیف الملوک کے بعد آپ عبدالکریم بن جھنجھار خان حبشی (جنکا لقب فولاد خان تھا۔ جنکی وفات ۱۰۱۴ھ میں ہے) کی ملازمت میں رہے۔

آصفی گجرات کے بارے میں کہتے ہیں۔

کجرات من الفی عصاہ بھا یجد	عنھا بھند ما یسوء بمعزل
مرآۃ فردوس لذ لث سلوۃ	فیھا لآدم کان اول منزل
روح وریحان و فاکھۃ کذا	طیر ویجری ماءھا یتسلسل

الّا تلفت لویکون بد ارکہ لثلثۃ یذ ھبن حزما یختلی
ولدانھا کالحور عزّمنالھم الیّ الثریا من ید المتناول
انفوا التکحل غیرۃ منھم کما یحمون ثغرا بارداعن تنبل
کانوا فبانوا اشرحل بارضھم من لایری رأی الفتی المتأھل
ففشا التکحل والتنبل فابتلی یاصاح من سکنی الغریب مرابتلی، لہ

شیخ عبدالقادر

وفات ۱۰۲۱ھ مطابق ۱۶۱۲ء تقریبًا

آپ ابی محمد، ابن ابی احمد، ابن ولی ماموں بغدادی کے فرزند رشید اور سید جمال بھکری/بھتری کے مرید ہیں، زاد بوم باب الازج، بغداد جدید ہے۔ اسی میں قطب الاقطاب سید محی الدین عبدالقادر جیلانی کی خوابگاہ ہے۔ پل کی دوسری طرف والی آبادی کا نام بغداد قدیم ہے۔ اس میں امام موسیٰ کاظم کی آرام گاہ ہے۔ اہل بغداد اسی کو برج اولیاء کہتے ہیں جس کے اندر ایک روایت کے مطابق چوبیس ہزار نامدار مشائخ محو آرام ہیں۔

غوثی لکھتے ہیں کہ ایک روز آپ کے حالات راقم نے دریافت کئے تو فرمایا " ایزدی مشیت کے بموجب میں اپنی زاد بوم میں ڈھائی برس کی عمر کو پہنچ کر بے باپ ہوگیا۔ لہٰذا عم مکرم نے میری پرورش اپنے ذمہ لی۔ نو برس کی عمر میں کلام ربانی حفظ کر لیا۔ جب گیارہویں سال کا آغاز ہوا تو عم مکرم مجھ کو اپنے ہمراہ بندر گوہ لے گئے وہاں پر عم مکرم سامانِ سفر باندھ کر اس جہاں کو روانہ ہوئے۔ میں جب تک سولہ برس کا نہیں ہو لیا تب تک اس بندر سے نکلنا نہیں ہوا۔

لہ نزھۃ الخواطر صفحہ ۳۰۶ ج ۵۔

اَلقصّہ ۹۶۲ھ میں (کہ یہی سال سلطان مظفر بن محمود کے جلوس کا ہے)
احمد آباد گجرات میں آیا۔ یہاں پر چند روز سرکھیج کے مدرسہ میں فقیہہ حسن عرب کی
ملازمت میں علوم ادب کی تحصیل کی فقیہہ صاحب دا بہولی کر کے مشہور رہیں۔ اس کے
بعد شیخ حسین بغدادی کی شاگردی سے علوم عقلی حاصل کیا۔ اسی اثنار میں قاضی
علار الدین عیسیٰ احمد آبادی کی خدمت میں علم کلام کی کتابیں پڑھیں با لآخر اپنی جملہ تحصیل
کو شیخ وجیہہ الدین علوی شطاری کی خانقاہ میں رہ کر کمال کے درجہ پر پہنچایا۔ ۹۸۲ھ
میں جب کہ اکبر شاہ نے گجرات فتح کیا۔ میں نے تحصیل علم کے واسطے
دارالسلطنت آگرہ کی طرف سامان باندھا۔ چند روز بعد شرح تجرید کا قدیم حاشیہ تحریر
اقلیدس محطی، شرح تذکرہ مولانا نظام اعرج اور نیز دیگر بعض عربی علوم، علامی میر
فتح اللہ شیرازی کے درس میں سکر شہرستان خاطر کی آئینہ بندی کی۔ پورے ایک
ہزار سال ہجری ۱۰۰۰ھ میں ملک الشعرار فیضی فیاضی بن شیخ مبارک خضر، نہایت
خواہش کر کے مجھے اپنے ہمراہ دکن لے گئے۔

غوثی فرماتے ہیں کہ میں بھی اپنے وطن سے جو دکن کے عین راستہ پر واقع ہے
طوعاً و کرہاً ہمراہ ہو کر اس جانے میں شریک تھا۔ جب بازگشت ہوئی تو آپ اجین کے
اندر ملک الشعرار کی ہمراہی سے رہ گئے تھے۔ یہاں پر اس شہر کے طالبان علم کی فیض
رسانی شروع کی۔ ۱۰۲۱ھ تک آپ کے وجود سے مسند فیض رسانی رونق پر تھی۔
اسی جگہ عقد بھی کر لیا تھا۔ دو لڑکے اور ایک لڑکی اس بیوی سے ہیں ابو علی فیاض اور
ابا حسن فیاض نام ہیں۔ اور نیز ان دونوں تاج دانش کے گوہروں کی تاریخ ہائے
ولادت بھی ہے۔ اول الذکر فرزند نے ۱۰۱۹ھ میں عالم روحانی کو کوچ کیا۔
دوسرے فرزند بقید حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ عمر طبعی کو پہنچائے۔

تصنیفات:۔ قصائد عربی کا ایک دیوان متنبیانہ طرز پر، ہر ایک فن کی کتابوں

پر جستہ جستہ حاشیے، عربی عبارت کا ایک رسالہ جو نہایت سنجیدگی اور رنازگی کے ساتھ ملک الشعرار کے بعض حالات کے بیان میں ہے۔ اور ایک رسالہ علم کی تعریف میں متکلم اور حکیم کی طرز پر جو شیخ ابوالفضل مبارک کے نام سے معنون ہے اس قدر آپ کی تصنیفات ہیں۔ [۱]

میر محمد ہاشم سنجر کاشی

متوفی ۱۰۲۱ھ بمطابق ۱۶۱۲ء / ۱۶۱۳ء

آپ بڑے اونچے شاعر تھے، ۱۰۰۰ھ یا ۱۰۰۲ھ میں ہندوستان پہنچے۔ اور اکبر بادشاہ کے ملازم ہو گئے۔

غالباً ۱۰۰۸ھ (۱۶۰۰-۱۵۹۹ء) کے لگ بھگ میر سنجر پر عتاب شاہی ہوا۔

آپ کچھ دن گجرات میں راجا سورج سنگھ کے پاس نظر بندی میں رہے۔ جب آزاد ہوئے تو آپ بیجاپور پہنچے اور شاہنواز خاں کے توسل سے ابراہیم عادل شاہ ثانی کے دامن دولت سے وابستہ ہو گئے۔ یہیں سے شاہ ایران نے بلوا بھیجا۔ ابھی آپ سفر کی تیاریوں میں تھے کہ اسہال شروع ہوئے اور ۱۰۲۱ھ (۱۳-۱۶۱۲ء) میں وفات پائی۔ [۲]

شیخ عبدالقادر لاہوری

وفات ۱۰۲۲ھ بمطابق ۱۶۱۳ء

معمر فقیہہ عبدالقادر بن محمد بن زین العابدین بن عبدالقادر بن محمد شریف حسنی اُچی

---

[۱] گلزار ابرار ص ۵۴۸، ۵۴۹۔ [۲] تاریخ سندھ ص ۳۰۵، ۳۰۶۔

ثم اللاہوری ۔ جو معروف مشائخ میں سے ہیں ۔ اپنے والد سے علم حاصل کیا ۔ اور اس کے بعد مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے ۔

بدایونی "منتخب التواریخ" میں لکھتے ہیں کہ اکبر شاہ نے آپ سے مکہ مکرمہ کے سفر کی درخواست کی ۔ چنانچہ آپ گجرات تشریف لائے ۔ وہاں کے امرا نے حکم شاہی کے موافق آپ کے حجاز کے سفر کا انتظام کیا ۔ حج و زیارت سے فارغ ہو کر آپ واپس ہندوستان لوٹے اور لاہور میں افادہ و عبادت میں مصروف ہوئے ۔

صاحب خزینۃ الاصفیاء لکھتے ہیں کہ آپ بڑے متقی، زاہد اور نیک علماء میں سے تھے عبادت آپکا شیوہ تھا ۔ ۱۰۲۲ھ میں لاہور میں آپ نے انتقال فرمایا ۔ اور لاہور میں دفن کیے گئے ۔ سلہ

شیخ خوب محمد چشتی

متوفی ۱۰۲۳ھ

آپکے مفصل حالات نہ مل سکے مرآۃ احمدی میں یہ سطور تحریر ہیں ۔

خوب میاں محمد چشتی ۔ آپ درویشِ کامل تھے اور بڑے اونچے شعراء میں سے تھے ۔ تصوف میں آپ کو دسترس حاصل تھی ۔ "جام جہاں نما" پر آپ نے شرح تحریر فرمائی ۔ جس کا نام "امواج خوبی" ہے ۔ آپ کی دوسری تصنیف خوب ترنگ بھی مشہور و معروف ہے ۔ آپ نے ۱۰۲۳ھ میں ۱۴ رشوال کو انتقال فرمایا ۔ کسی نے آپ کی تاریخ وصال اردو میں کہی ہے "خوب تھے" ۔ آپکا مزار فرحت الملک کی مسجد سے متصل احمد آباد کے چوک میں واقع ہے ۔ ۲

سلہ نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۷۹ سلہ خاتمہ مرآت احمدی ص ۱۰۳ ۔

شیخ خوب محمد حنفی چشتی، علم ومعرفت میں ممتاز تھے۔

میاں صاحب ولی کامل اور عابدمرتاض تھے، رات دن خدا کی عبادت میں مصروف اور اس کی محبت میں سرشار رہتے تھے۔ علم دین کے متبحر عالم تھے انکے ارادتمندوں کا حلقہ بھی وسیع تھا۔ انہوں نے اس کتاب میں اپنے مرشد کا نام شیخ کمال محمد سیستانی بتلایا ہے، شیخ کمال محمد کی ہستی بھی اس وقت کے اولیائے عظام میں سے تھی گو آپ سیستان میں پیدا ہوئے لیکن عمر کا بڑا حصہ بغداد میں بسر فرمایا۔ اس زمانے میں آپ جیلانی بسطامی شاہ کے لقب سے مشہور تھے۔ چنانچہ آپ خوب ترنگ کی یہ عبارت ملاحظہ ہو جو عذر کتاب کے تحت درج ہے۔ ؎

ہیں مرشد تھیں سنیاں بیان	دی مرشد صاحب عرفان
جنھوں مجھی سکھلایا دین !	جنھیں مجھ دل ہوا یقین
جیلانی بسطامی شاہ !	بغدادی جس جستر کلاہ !
ہر باطنی پر بجت لیکھ !	ہوں معتقد ہوا آن دیکھ
وارث محمدی ہر تھا نون	شیخ کمال محمد نانون !
کیا عروج مقام اقدام	اللھم اغفر وارحم [1]
کہ تاریخ تنہوں کی خوب	جن عدد دون ذاکر محبوب

؛ ذاکر محبوب سے ۹۶۹ھ نکلتا ہے۔

ان کو تھا یہ علم کمال	ہذا العلم افواہ الرجال

اس کے چند سطر بعد کتاب کا نام بھی درج فرمایا ہے ملاحظہ ہو۔

وہ جو تنجہ کون آئی ترنگ	جمع کئی ئی تس تس ڈھنگ

پیش نظر ایک نسخہ میں اس شعر کی شرح فارسی میں یوں درج ہے۔

---

[1] نزہتہ الخواطر عربی ص ۱۵۲۔

یعنی از آں جرعہ دریا نما موجے کہ نزد جمع کردم۔

خوب ترنگ تس دیا خطاب مدح رسول اللہؐ کی باب

شیخ خوب محمد گجرات کے باشندے تھے اور احمد آباد کے مضافات میں رہتے تھے۔ وہ اس کتاب میں "ہم عذر خواہی در نظم" کے عنوان میں پہلے شعر کی شرح یوں تحریر فرماتے ہیں۔

جیوں مری بولی ہین بات عرب عجم مل ایک سنگھات

یعنی چنانچہ ہر ایک شعر از زبان خود شعر می گویند من بزبان گجراتی کہ آمیز ست بالفاظ عربی و عجمی بے کم و بیش می گویم عیب نکنید۔

تحفۃ الکرام کی جلد اول میں صـ۶ پر خوب محمد کے متعلق حسب ذیل سطور درج ہیں "میاں خوب محمد چشتی درویش کامل و صاحب لسان و صاحب سخن بودند در تصوف دست رسا داشتہ و بر جام جہاں نما شرح نوشتہ امواج خوبی و خوب ترنگ نیز از ایشان یادگار مشہور و معروف است۔

بست و چہارم شہر شوال سنہ یکہزار و یکصد و سہ بعالم دیگر انتقال نمودند تاریخ وصال "خوب تھے" گفتہ است۔ قبر شریف در چوک احمد آباد متصل مسجد فرحت الملک دروازہ واقع است[1]" مصنف خوب ترنگ کے اجداد کے خاندان کا خاص تعلق حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے ہے، قادری اور شطاری خاندان میں بھی پیری مریدی کرتے آئے ہیں۔ چنانچہ محمد یحییٰ قادری دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

قادری و شطاری است اور طریق
لطف حق بودہ ہر حالش رفیق

خوب ترنگ ۱۵۷۸ء مطابق ۹۸۶ھ میں تصنیف ہوئی، اس کے چودہ سال

[1] تاریخ ادبیات صـ۳۳

بعد مصنف کو اس کی شرح ۱۵۹۲ء مطابق ۱۰۰۰ھ میں لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

اس کتاب کا صحیح نام خوب ترنگ ہے۔ اس کا آغاز دوسری ماہ شعبان بروز دوشنبہ ۹۸۶ھ/۱۵۷۸ء میں ہوا ہے اور تقریباً چھ ماہ کے عرصہ میں اس کتاب کی تحریر اختتام کو پہنچی۔

یعنی محرم کے مہینے میں ختم ہوئی۔ چنانچہ مصنف کی لکھی ہوئی تاریخ ملاحظہ ہو۔

لسنے کی تاریخ اس بھتا نہ

پائے عدد ہر مصرع مانہ

خوب محمد کہی بچا را :

چودہ گھاٹ اس برس ہزار

دوجا چاند سو تھا شعبان

دلیس دوشنبہ کہیا بیان

توگویا کتاب ۹۸۶ھ میں مکمل ہوئی۔ شاہ صاحب کبھی اپنا تخلص خوب اور کہیں پورا نام خوب محمد بھی نظم کرتے تھے۔ [1]

تاریخ ادبیات میں ہے کہ : شیخ خوب محمد چشتی احمد آباد گجرات کے رہنے والے مشہور بزرگ اور صاحب تصنیف درویش تھے۔ نسبت ارادت شیخ کمال الدین سیستانی (م۔ ۱۰۰۹/۱۶۰۰ء) سے تھی جو شیخ وجیہ الدین معتقد شیخ محمد غوث گوالیاری کے شاگرد اور خلیفہ تھے اور گجرات میں رہا کرتے تھے۔ لیکن پھر کسی بات پر سلطان مظفر شاہ والیٔ گجرات سے ناراض ہو کر مالوہ چلے گئے تھے۔ بعد میں پھر احمد آباد آگئے ہونگے سید ظہیر الدین مدنی اپنے مضمون ؛ گجرات میں مذہبی مثنویاں ؛ میں لکھتے ہیں کہ ۱۰۲۳ھ/۱۶۱۴ء بمقام احمد آباد آپ کا انتقال ہوا۔

شیخ خوب محمد چشتی نے تصوف اور علوم ادب پر چند کتابیں گوجری زبان

---

[1] معارف ج ۲ ۲۷

میں لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام ، بھاؤ بھید، ہے ۔ ایک نسخہ مولوی عبدالحق مرحوم کے پاس تھا ۔ اس میں شاعری کے صنائع کا ذکر گوجری زبان میں کیا گیا ہے ۔ اصل صورت کچھ یوں ہے کہ صنعتوں کی تعریف اور تشریح فارسی میں ہے، لیکن ساتھ ہی گوجری زبان میں مفہوم ادا کر دیا گیا ہے، مثالیں بھی گوجری زبان کی ہیں ۔ یہ سب کی سب منظوم ہیں ۔ اور شیخ خوب محمد چشتی کی اپنی تصانیف میں سے ہیں ۔ مثال کے طور پر شاعری کی صنعتِ تضاد، کے متعلق کہتے ہیں کہ صنعت تضاد آں است کہ الفاظ چند ضد یک دیگر باشند، یعنی صنعت تضاد وہ ہے کہ چند الفاظ ایک دوسرے کی ضد ہوں ۔ مثال یہ دی ہے ۔

دھیان خدا کا پکڑ جو چھوڑے اسے کہیں جا کا نہ

اس میں پکڑنا اور چھوڑنا ایک دوسرے کی ضد ہیں ۔

، چھند چھنداں ، اسی قبیل کا ایک اور رسالہ ہے ۔ جس کا تعارف ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے اپنے ایک مضمون ، اردوئے قدیم کے دو نادر مخطوطات ، میں کرایا ہے ۔ دراصل اس کتاب کے دو حصے ہیں یا یوں کہئے کہ یہ دو الگ الگ رسالے ہیں ۔ پہلے رسالے میں صرف عروض ہندی کا ذکر ہے اور ہندی کے اوزان کی فارسی اوزان سے مطابقت دکھائی گئی ہے ۔ دوسرے رسالے میں عروض کی باتیں ہیں ۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عربی زبان کے ساتھ ہندی کی تال بھی لکھی ہے ۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کہتے ہیں کہ اس موضوع پر اردوئے قدیم میں یہ غالباً پہلی تصنیف ہے ۔ یہی حال ، بھاؤ بھید ، کا معلوم ہوتا ہے ۔ ان تصانیف کا اس حیثیت کے علاوہ کہ مقامی زبان میں عروض اور صنائع پر یہ ابتدائی رسالے ہیں ۔ یہ اہمیت بھی ہے کہ مصنف نے فارسی بحروں کو ہندوی میں مقبول بنانے کی کوشش کی ہے ۔ بقول پروفیسر ابراہیم ڈار اس انقلاب انگیز تغیر نے اردو کے مستقبل کا فیصلہ کر دیا ۔ یعنی اس کی وجہ سے مقامی زبان میں فارسی بحروں اور خیالات کو منتقل کیا ہے ۔

شیخ خوب محمد چشتی کی تیسری تصنیف ،خوب ترنگ، کے نام سے ہے ۔ ڈاکٹر محی الدین زور نے، اردو شہ پارے ، میں اس کا نام خوش ترنگ، لکھا ہے ، معروف نام ،خوب ترنگ، ہے ۔ کتاب مثنوی کی طرز پر ہے ۔ اور اس کا موضوع تصوف وعرفان ہے ۔ خوب محمد چشتی نے اسکی شرح بھی فارسی نثر میں لکھی تھی ۔ شرح کا نام ،امواج خوبی، ہے ،خوب ترنگ، چھوٹی بحر کی مثنوی ہے ۔ زیادہ حصہ وحدۃ الوجود یا توحید وجودی کے اثبات اور تشریح میں ہے ۔ ہندو بھگتوں اور موحدوں اور ویدانتی فلسفۂ حیات کے زیر اثر وحدۃ الوجود کا جو غلط تصور عوام اور بے خبر خواص میں پھیل چکا تھا ۔ یہ مثنوی اس کا رد کہی جا سکتی ہے ۔ اس میں خدا تعالیٰ کی ذات وصفات اس کی صفات کے عمل ، صفات اور کائنات کے تعلق ، صفات اور ذات کے ربط وغیرہ کی باتیں وجود کے مختلف مراتب کے تعین کے ساتھ کی گئی ہیں ۔ اور خدا تعالیٰ کو ہر شئی کی حقیقت ہونے کے باوجود ہر شئی سے منزہ دکھایا گیا ہے ۔ [1]

طرز شعر گوئی :۔ جب شیخ خوب محمد چشتی (م ۱۰۲۳ھ/۱۶۱۴ء) نے شاعری شروع کی تو انہوں نے باقاعدہ طور پر فارسی زبان وادب سے استفادہ کیا ۔خوب محمد چشتی نے جکری دوہرہ اور عقدہ کی صف اور تکنیک کو چھوڑ کر مثنوی کو اظہار کا ذریعہ بنایا ۔ اور فارسی بحور استعمال کیں ۔ یہ عمل ہندی میں نیا اور فارسی اسلوب ، آہنگ وطرز احساس کو اپنانے کی طرف پہلا قدم تھا ۔خوب ترنگ، کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ زبان میں بیان کی قدرت بڑھ گئی ہے ۔

،امواج خوبی، میں ، عذر خواہی ، کے عنوان کے تحت اپنی گجری اردو کے بارے میں ، من بزبان گجراتی ، کہ بالفاظ عجمی وعربی آمیز است بیان گفتم ، کے الفاظ لکھتے ہیں ۔ ،خوب ترنگ، جس میں شیخ کمال محمد سیستانی کے اقوال و

---

[1] تاریخ ادبیات ص ۲۲/۲ ۔

ہدایت کو نظم کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ اسکے متعلق خوب محمد چشتی نے لکھا ہے کہ، ایں مثنوی گجراتی را خطاب خوب ترنگ دارم، مثنوی، خوب ترنگ، میں ایک جگہ یہ شعر ملتا ہے۔

جیوں دل عرب و عجم　　　سن بولی بولی گجرات

اور ایک جگہ وہ اسی بات کو یوں ادا کرتے ہیں۔

جیوں میری بولی منہ بات　　　عرب و عجم ملا ایک سنگھات

فتح گجرات کے بیس سال بعد ۱۵۹۱ء / ۱۰۰۰ھ میں خوب محمد چشتی نے اپنی گجراتی (قدیم اردو) مثنوی، خوب ترنگ، کی فارسی میں شرح لکھی، اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ، اینجا قصد شعر مبین حفظ مراتب نکرد کہ مضمون مراتب بغایت مغلق و اشکالے تمام دارد و اگر قصد رعایت شعر باشد از افہام مستعمان دور تر افتد کہ ما وسعنی فی الارض ولا فی السماء ہر کہ در زمین و آسمان نگنجد در وزن شعر و قافیہ چگونہ سنجد،، ؎۱

شیرانی اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں کہ: گجرات کے مؤرخ صاحب مرآۃ احمدی نے انہیں صوفی کامل اور شاعر، صاحب سخن بیان کہا ہے۔ تصوف کے میدان میں ان کا مرتبہ بلند ہے۔ جام جہاں نما پر ایک شرح: امواج خوبی، اور، خوب ترنگ، انکی مشہور و معروف تصنیفات ہیں۔ مرآۃ احمدی کی عبارت ہے۔

: درویش کامل و صاحب لسان و صاحب سخن بودند۔ در تصوف دست رسا داشتند و بر، جام جہاں نما، شرح نوشتہ۔: امواج خوبی، و، خوب ترنگ، از ایشاں یادگار مشہور و معروف است،، (مرآۃ احمدی صـ۶۷ـ)۔

ان کے ذہنی کارنامے تصوف کے میدان تک ہی محدود نہیں بلکہ دیگر فروع علوم کو بھی شامل ہیں۔ ہندی اور فارسی عروض پر انکی ایک تصنیف کا ذکر آئندہ سطور میں آئے گا۔

ان کے واقعات زندگی پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ صرف اس قدر معلوم

؎۱ تاریخ ادبیات صـ۳۷۳ـ۔

ہے کہ ان کا انتقال ۲۴ رشوال ۱۰۲۳ھ میں ہوا، اور چوک احمد آباد میں مسجد فرحت الملک کے پاس خانپور کے دروازے کے قریب مدفون ہیں، انکی وفات کی تاریخ "خوب بخشے" سے برآمد ہوتی ہے۔

خوب محمد کا نام انکی ہندی مثنوی "خوب ترنگ" تصنیف ۹۸۶ھ اور اس کی فارسی شرح تالیف ۱۰۰۰ھ کی بنا پر اب تک زندہ ہے۔

انکی فارسی شرح "امواج خوبی" کی تاریخ تالیف شعر ذیل سے نکلتی ہے۔

عدد شمار ز تاریخ "شرح نعت محمد"

ہزار سال مکمل ز "فکر خوب محمد"

"شرح لغت محمد" اور "فکر خوب محمد" اس کے مادہ تاریخ ہیں۔ ایک اور شعر جس میں مصنف نے ایک نہایت اچھوتے طریقے سے تاریخ تصنیف نکالی ہے حسب ذیل ہے

شمارم سال شرح نعت احمد

دہم سال از دہم عشر از دہم صد

یعنی دسویں صدی کے دسویں عشر کا دسواں احد اس سے وہی سال ۱۰۰۰ھ مقصود ہے اس شرح پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف فارسی زبان کا ایک قابل منشی، اعلیٰ شاعر اور عمدہ تاریخ گو تھا۔

اس کا انداز تحریر نہایت سلیس، سادہ اور رواں تھا۔ ایک مصنف کی حیثیت سے اس کا رتبہ ان تمام بزرگوں سے جن کا ذکر ان اوراق میں ہو چکا ہے۔ بہت بلند ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ خوب محمد اپنی زبان کو عربی، فارسی آمیز گجراتی کہتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں۔

"ہریک شعر بزبان خود تصنیف کردہ اند، ومیگفتند ومن بزبان گجراتی کہ الفاظ عجمی وعربی آمیز است" (امواج خوبی صے قلمی)

یہ عبارت انکی مثنوی "خوب ترنگ" کے اس شعر کی تشریح ہے ۔

جوں میری بولی منہ بات
عرب عجم مل ایک سنگات ۔ [1]

تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ "شیخ خوب محمد چشتی فارسی روایت کے علمبردار کا نام ہے شیخ خوب محمد چشتی (م ۱۰۲۳ھ/۱۶۱۴ء) گجرات کے ان صوفیائے کبار میں سے ہیں جن نام آج بھی عزت واحترام سے لیا جاتا ہے ۔ آپ کمال محمد سیستانی (م ۹۷۵ھ/۱۵۷۱ء) کے مرید اور یگانہ روزگار انسان تھے ۔ فارسی زبان وبیان اور انشاء پر انہیں مکمل عبور حاصل تھا ۔ آپ کی مشہور زمانہ تصنیف "امواج خوبی" فارسی انشاء کا خوبصورت نمونہ ہے ۔ "امواج خوبی" میں

زبان کے سلسلے میں "عذر خواہی" کے عنوان سے انہوں نے ایک دلچسپ بات یہ لکھی ہے کہ "ہر یک شعر بزبان خود تصنیف کردہ اند ومیکنند ومن بزبان گجراتی کہ با لفاظ عجمی وعربی آمیز است، ہمچناں گفتم عیش میکنند کہ لفظ را تغیر دادہ، نیاوردہ ام ۔"

اس بیان کے معنی یہ ہیں کہ شیخ خوب محمد چشتی نے گجراتی زبان استعمال کی ہے اور صرف اظہار مدعا کیلئے عربی و فارسی الفاظ کا سہارا لیا ہے ۔ اگر عربی وفارسی الفاظ کو چھوڑ کر اس زبان کا تجزیہ کیا جائے تو یہ وہی زبان ہے جسے آج ہم اردو کے نام سے موسوم کرتے ہیں ۔ اور جو اس وقت خصوصاً مسلمانان گجرات کی عام اور ادبی اظہار کی واحد زبان تھی "خوب ترنگ" میں خوب محمد چشتی نے تصوف و اخلاق کے باریک

---

[1] مقالات شیرانی صفحہ ۱۹۱، ۱۹۲

عالمانہ نکات بیان کئے ہیں ۔ جیسا کہ مثنوی کے آغاز میں خوب محمد چشتی نے لکھا ہے کہ انہوں نے اس مثنوی میں اپنے پیر و مرشد شیخ کمال محمد سیستانی کے اقوال اور ہدایات کو نظم کا جامہ پہنا کر، ایں مثنوی گجراتی راخطاب خوب ترنگ دادم،، اور یہ بھی واضح طور پر لکھا ہے کہ انہوں نے گجرات کی بولی میں عرب و عجم کی بات شامل کی ہے ۔

جیوں دل عرب و عجم کی بات　　　سن بولی بولی گجرات

'عذر خواہی' کے تحت ایک اور جگہ لکھا ہے کہ :

جیوں میری بولی منہ بات　　　عرب عجم ملا ایک سنگہات

یہ وہ ، نیا رجحان ، ہے جو خوب محمد چشتی کے قلم سے بار بار ظاہر ہو رہا ہے ۔ خوب محمد چشتی اس نئے رجحان کے اولین معمار ہیں ؛خوب ترنگ ، میں خوب محمد نے حضرت ، وحدت ، قوس احدیت ، قوس واحدیت ، حضرت الہیت ، قوس ظاہر وجود ، تمثیل مرایت ، حقائق ، موجودات ظہور عین حق ، ظہور عین عالم ، مطلق از اسقاط اضافات ، وجود سے کہ قائم بوجود سے ، نور وجود ، عین حجاب و منکشف حجاب ، احاطہ افعال حق در عالم ، فاعل بصفاتست نہ بذات وغیرہ جیسے دقیق موضوعات پر قلم اٹھایا ہے ۔ اس قسم کے موضوع پر آج سے تقریباً چار سو سال پہلے کی اردو میں لکھنے کی دشواریوں کو وہی لوگ جانتے ہیں جنہوں نے جوئے شیر لانے کا ہنر سیکھا ہے ۔ اس اعتبار سے یہ ایک بیش بہا تصنیف ہے

اور اسی وجہ سے یہ کتاب اہل علم و فضل میں اتنی مقبول ہوئی کہ انہوں نے ،خوب ترنگ ، سامنے رکھ کر اس سے اپنی تصانیف بنائیں ۔

محمد عاصم برہانپوری نے ،نغمات توحید کے نام سے ۱۱۶۵ھ / ۱۷۵۱ء میں اس کا

ترجمہ کیا، اور شیخ محمد مخدوم (م ۱۱۵۵ھ/۱۷۴۲ء) نے جوار کاٹ کے رہنے والے تھے اس کے بعض مشکل ابیات کی شرح ؛مفتاح التوحید؛ کے نام سے لکھی۔

خوب ترنگ میں کہیں منقولات شیخ محمد کو منظوم کیا گیا ہے، کہیں تصوف کے باریک نکات حکایت کے پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں۔ ایک جگہ شیخ چلّی کی کی حکایت بیان کی گئی ہے۔ اور ایک مقام پر بلونت سوار کی داستان کے ذریعے تصوف کی باریکیاں سمجھائی گئی ہیں۔ شیخ چلّی کا قصہ دلچسپ ہے۔ لکھا ہے کہ: ایک ہی احاطے میں شیخ چلّی کے چار مکان تھے ایک دن وہ ایک مکان کی چھت پر چڑھے تو دیکھا کہ تین مکان تو ہیں چوتھا نہیں ہے۔ بہت پریشان ہوئے کہ آخر کہاں چلا گیا۔ سوچا کہ اس سے روٹھ کر چلا گیا کہ پہلے میں نے اس کا خیال کیوں نہیں کیا۔ چھت سے نیچے اترے اور اس کی تلاش میں نکل گئے تاکہ روٹھے کو منا کر لائے۔ لوگوں سے مکان کا ؛حلیہ؛ بیان کیا کسی نے کہا کہ ہاں اس طرف جاتے دیکھا ہے۔ ادھر بھاگے مگر وہاں بھی نہ ملا۔ اسی دوڑ دھوپ میں اتنے تھک گئے کہ سوچا ذرا دیر کسی مسجد میں آرام کر لوں۔ پھر تلاش کو نکلونگا وہاں جو آئے تو کچھ قلندر بیٹھے نظر آئے ان سے اپنا احوال بیان کیا اور سو گئے۔ قلندروں کو جو مذاق سوجھا تو انہوں نے اس کی داڑھی مونچھ صاف کر دی۔ فجر کے وقت آنکھ کھلی تو وضو کی غرض سے حوض پر گئے۔ وہاں جو اپنا عکس دیکھا تو کہا یہ میں تو نہیں ہوں۔ شاید کوئی بھولا بسرا قلندر میری جگہ آ گیا ہے۔ اب وہ خود اپنی تلاش میں نکلے آوازوں پر آوازیں دیں۔ مسجد کا ایک ایک کونا چھان مارا لیکن وہ اپنے آپ کو نہ پا سکے۔

خوب محمد چشتی نے تصوف کے اس باریک نکتے کو خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

پانی میں سُکھ دیکھت بار | بج ڈاڑھی یوں دیا قرار
ہوں رہا مسجد مانہ سوئے | یہ منجھ مسراتیں ہے کوئے
کوئی قلندر رہے جنہ تانہ | بھولا آیا میری تھانہ
جاؤں ڈھونڈھ منجھے لے آون | واہ ہیں ہوں منجھ کیوں پاؤں
پھر آئے مسجد کے دوار | ہانکاں ماریں بہت پکار
ہو ہوں ہو ہوں کر چیلا دیں | رہے ہوں ہب ہونکوں کیوں پاویں

شیخ چلّی کا یہ قصہ مولانا عبدالرحمٰن جامی (م ۸۹۸ھ/۱۴۹۲ء) کی مثنوی ،سلمان وابسال، کے اس کُرد کے قصے سے ملتا ہے جو کوہ وصحرا سے شہر میں آیا اور یہاں کے ہنگلے کو دیکھ کر خیال کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس ہنگلے میں گم ہو جائے۔ اسلئے اپنی پہچان کے لئے سوتے وقت ایک کدو اپنے پیر میں باندھ لیا۔ مردِ زیرک نے جو کُرد کو کدو باندھے سوتے دیکھا تو سمجھ گیا کہ معاملہ کیا ہے۔؟

اس نے چپکے سے کدو اس کے پیر سے کھولا اور اپنے پیر سے باندھا اور وہیں سوگیا۔ کُرد جب بیدار ہوا تو دیکھا کہ وہ کدو جو اس نے اپنے پیر میں باندھا تھا کسی اور کے پیر میں بندھا ہے۔ اس نے مردِ زیرک کو آواز دی اور کہا۔

این منم یا تونئی دائم درست | گرمنم چوں این کدو برپائے تست
ورتوئی این من کجا یم کیستم؛ | درشمار ی من نیایم چیستم

جامی کے ہاں کُرد کا کردار پیش کیا گیا ہے۔ خوب محمد چشتی کے ہاں شیخ چلّی کا معروف کردار لایا گیا ہے۔ کُرد اور شیخ چلّی دونوں سادہ لوح ہیں دونوں اسی سادہ لوحی میں گم ہو جاتے ہیں اور اپنے آپ کو تلاش کرتے ہیں۔

خوب محمد اور مولانا جامی دونوں نے عرفانِ ذات کے نکتے کو دلچسپ معمّے کے ذریعے بیان کیا ہے۔ خوب محمد چشتی کو اس مثنوی کی شرح فارسی لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کیا یہ کام خوب محمد، بولی گجرات، میں نہیں کر سکتے تھے؟ خوب محمد نے اس کی وجہ: امواجِ خوبی (فارسی) میں یہ بتائی ہے۔

"ایں جا قصد شعر مبین حفظ مراتب نکرد کہ مضمون مراتب بغایت مغلق و اشکالے تمام دارد و اگر قصد رعایت شعر باشد از افہام مستمعان دور تر افتد کہ ما وسعنی فی الارض ولا فی السماء، ہر کہ در زمین و آسمان نگنجد در وزن شعر و قافیہ چگونہ سنجد۔"

اکبر اعظم کی فتح گجرات (۹۸۰ھ/۷۳-۱۵۷۲ء) کے بعد جب مغل صوبے دار حکام وعمال اور افواج یہاں آئیں تو سلطنتِ گجرات کا پرانا نظام درہم برہم ہو گیا اور وہ ساری اقدار ٹوٹنے لگیں۔

فتح کے دس بارہ سال کے اندر اندر گجرات کے اہل علم و ادب پر بھی فارسی کا گہرا اثر ہونے لگا اور اسی کے ساتھ گجری کا نہ صرف زور گھٹنے لگا بلکہ ادبی و تخلیقی سطح پر اس زبان کی کوئی خاص اہمیت باقی نہ رہی۔ جو لوگ فارسی جانتے تھے معاشرے میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

خوب محمد چشتی فارسی کے بلند پایہ انشاء پرداز تھے۔ نئے تہذیبی عوامل نے انہیں یہ موقع فراہم کیا کہ وہ فارسی میں اپنے خیالات کا اظہار کر کے خود کو بدلتے زمانے کے نئے تقاضوں کے مطابق بنا کر، اپنی اہمیت و قدر و قیمت کا احساس دلائیں۔

"خوب ترنگ" انہوں نے "بولی گجرات" جاننے، بولنے اور سمجھنے والوں کے لئے لکھی تھی: "امواجِ خوبی" خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں کے لئے لکھی جو فارسی جانتے تھے تاکہ یہ نیا طبقہ بھی انکی فکر سے روشناس ہو سکے۔ خوب محمد

گجرات کے تہذیبی و سیاسی تاریخ کے ایسے موڑ پر پیدا ہوئے جب فارسی اثر ایک بڑھتے پھیلتے دریا کی طرح گجرات پر غالب آ رہا تھا۔

اس بات کا ثبوت خوب محمد چشتی کی ایک اور تصنیف "چھند چھنداں" سے بھی ملتا ہے۔ "چھند چھنداں" ایک منظوم رسالہ ہے جو ہندوی و فارسی عروض پر لکھا گیا ہے۔ اور اس میں مصنف نے فارسی عروض کو ہندوی عروض کے حوالے سے سمجھانے کی کوشش کی۔ منظوم اس لئے لکھا ہے کہ طلبہ کو یاد کرنے میں آسانی ہو۔

گجرات اُس وقت سارے برعظیم میں اردو زبان کا پہلا اور واحد مرکز تھا اسی لئے جب دکن میں اردو کے نئے مراکز ابھرے تو وہاں کے اہل علم و ادب نے قدرتی طور پر گجری ادب کی روایت کو اپنایا۔

اسی لئے دکنی ادب کی ابتدا باقاعدہ اس نقطے سے ہوتی ہے جہاں صدیوں کا سفر طے کرکے گجری ادب پہنچا تھا۔ دکنی ادب پر گجری ادب کے اثرات کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ شاہ برہان الدین جانم (م ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء) جو خاص دکن کے باشندے ہیں اپنی تصانیف میں کئی جگہ اپنی زبان کو "گجری" کہتے ہیں "کلمۃ الحقائق" میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔ "سب یوں زبان گجری نام این کتاب کلمۃ الحقائق"۔ "ارشاد نامہ" میں یہ شعر ملتا ہے۔

یہ سب گجری زبان کریہ آئینہ دیا نمان

"حجۃ البقا" میں لکھتے ہیں۔

جے ہو ویں گیان بچاری نہ دیکھیں بھاکا گجری

شمس العشاق میراں جی کی شاعری، زبان و بیان اور روایت اسی سے اپنا چراغ جلاتی ہے۔ پروفیسر محی الدین زور بھی دبے الفاظ میں اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "ہو سکتا ہے گجرات کے اثر سے دکن کی ادبی زبان

بڑی حد تک بدل گئی ہو اور جو لوگ اس متبدلہ زبان میں لکھتے تھے وہ اپنی زبان کو گجری کہنے لگے، کیونکہ گجری اردو کے
مخصوص اوزان سے اس کے پاس اپنی ہئیت تھی جس میں دوہرے، عقدہ، مکاشفہ اور ریبین شامل تھے۔ تصوف اور اخلاق کے موضوعات کو شاعری کی زبان میں ترتیب دینے کی روایت تھی۔ [۱]

شیخ کبیر بن منوّر لاہوری

وفات ۱۰۲۶ھ مطابق ۱۶۱۷ء

آپ کا مولد و منشا لاہور ہے۔ آپ نے اپنے والد محترم اور شیخ سعد اللہ لاہوری سے علم حاصل کیا۔ جیسا کہ بختاور خاں مرآۃ العالم میں لکھتے ہیں کہ۔

---

[۱] تاریخ ادب اردو صفحہ ۱۲

آپ نے اپنے والد سے پڑھا اور آپ علوم نقلیہ عقلیہ کے مدرس تھے۔ آپ نے احمد آباد میں ۱۰۲۶ھ میں انتقال فرمایا۔ اور شیخ محمد بن عبد اللہ حسینی بخاری کے پہلو میں دفن ہوئے۔[1]

مُلّا اسد قصّہ خوان

وفات ۱۰۲۷ھ بمطابق ۱۶۱۸ء۔ ۱۶۱۹ء

ملا اسد قصہ خوان بھی میرزا غازی کی محفل کے شعراء و ادباء میں سے تھے۔ ان کا اصل فن قصہ خوانی تھا۔ نہایت ہی فصیح و بلیغ اور خوش گفتار تھے۔ تصوف کی طرف مائل تھے ان کے والد کا نام مولانا حیدر تھا۔ ان کا پیشہ بھی قصہ خوانی تھا۔ گویا یہ فن ان کو وراثتاً ملا تھا۔ ان کا خاندان شیرازی تھا (۱۰۱۰ھ ۱۶۰۱-۲ء) کے لگ بھگ اکبر بادشاہ کی قدر دانیوں کی توقع لے کر آگرہ کے لئے روانہ ہوئے راستہ میں ٹھٹھہ پہنچے تو مرزا غازی سے ملاقات ہوئی مرزا غازی ان سے بے حد متاثر ہوئے اور منصب و جاگیر دی۔

مرزا غازی جب ۱۰۱۳ھ (۵-۱۶۰۴ء) میں ہندوستان گئے تو ملا اسد اور ملا مرشد دونوں کو ساتھ لے گئے۔ دونوں مرزا غازی کی وفات تک ان کے ساتھ رہے۔ پھر ۱۰۲۵ھ کے قریب جہانگیر کے پاس پہنچے۔ جہانگیر نے ملا اسد کو حفیظ خاں کا لقب دیا ملا اسد نے گجرات سے آگرہ آتے ہوئے ۱۰۲۷ھ (۱۹-۱۶۱۸ء) میں وفات پائی ملا مرشد نے اپنے عزیز دوست ملا اسد کی وفات پر ایک تاریخی قطعہ کہا

اسد رفت و تاریخ فوتش ز مرشد
طلب کرد دل گفت اسد رائیگاں رفت　۱۰۲۷ھ　۱۹-۱۶۱۸ء

---

[1] تاریخ سندھ ص ۳۰۲،۳۰۱ ج ۲　[2] نزہۃ الخواطر ص ۳۲۴ ج ۵۔

شیخ محمّد عیدروس بن عبداللہ

(وفات سنہ ۱۰۳ھ)

شیخ محمد عیدروس بن عبداللہ بن شیخ بن عبداللہ بن شیخ عبداللہ العیدروس الحضرمی، علمار کاملین میں سے تھے۔ شلی نے آپ کے تذکرے میں لکھا ہے کہ آپ علم و عمل، زہد و ورع، حال و مقال، تحقیق و تدقیق کے امام تھے۔ سنہ ۹۷۰ھ میں تریم میں پیدا ہوئے۔ آپکی تاریخ ولادت: إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ، سے نکلتی ہے۔ پھر قرآن کریم حفظ کیا اور اپنے والد محترم کی تربیت میں رہ کر علم کے حصول میں مشغول رہے خود والد سے بھی علم حاصل کیا اور شیخ سید محمد بن حسن، فقیہ محمد ابن اسمٰعیل اور سیّد عبدالرحمٰن بن شہاب آپ کے اساتذہ میں معروف ہیں ایک جماعت سے آپ نے تصوف میں اجازت پائی۔ اسی طرح مشائخ کی ایک جماعت سے آپ نے حدیث پڑھی۔ آپ عبادت میں ہمیشہ مشغول رہتے اور یہ عبادت بچپن ہی سے آپ کا شعار و دثار تھی۔ اسی لئے آپ کے مشائخ آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ "آپ کے علم و فضل پر اجماع منعقد ہے" آپ کے اساتذہ و مشائخ میں آپ کے عم مکرم شیخ عبدالقادر بن شیخ بھی ہیں۔ آپ کے عم مکرم شیخ عبدالقادر بن شیخ آپ کے والد کو مبارک باد دیتے ہوئے فرماتے ہیں يَكْفِيكَ فخرا یا عبداللہ خروج مثل هٰذا الولد عن صُلبك: اس جیسے بچے کا آپ کی نسل سے ہونا آپ کے لئے بڑا باعثِ فخر ہے،

جب آپکی شہرت آپ کے جد محترم شیخ بن عبداللہ نے سنی تو آپ کو

اپنے پاس احمد آباد بلالیا۔ چنانچہ آپ یمن سے سفر کر کے احمد آباد پہنچے اور ۹۸۹ھ میں ان سے ملاقات ہوئی اور آپکے جد محترم نے آپکے وہاں (احمد آباد) پہنچنے پر مستقل قصیدہ لکھا۔ اپنے جد محترم کی صحبت میں رہ کر ان سے درس وافادہ میں مشغول رہے اور مشیخت کے درجے کو پہنچے یہاں تک کہ جد محترم نے خوش ہو کر آپ کو الباس وتحکیم اور تدریس کی مسند نشینی کی اجازت اور خرقہ خلافت عنایت کیا اور اپنا ولی عہد بنایا۔ اسی لئے ۹۹۰ھ میں اپنے جد محترم کے انتقال کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔

ہندوستانیوں اور حضرموتیوں میں سے جن حضرات کی آپ کے دادا کفالت فرماتے تھے آپ بھی برابر انکی کفالت فرماتے رہے۔ اسی طرح والد کے انتقال کے بعد بھی جو جو مالی ذمہ داریاں آپ کے والد محترم نے اپنے سر لے رکھی تھیں ان تمام کو برابر انجام دیتے رہے۔ اس طرح یہ اپنے والد اور دادا دونوں کے صحیح جانشین اور وارث ثابت ہوئے۔ اس کے بعد آپ احمد آباد سے سورت منتقل ہو گئے اور سورت ہی میں مقیم ہو گئے۔ اور یہاں آپکی بڑی شہرت ہوئی اور اس علاقے کے لوگ الفت وعقیدت کے ساتھ آپ سے پیش آتے رہے۔ حتیٰ کہ ہندوستان کے بادشاہ کی طرف سے بھی آپ کیلئے آپ کے اخراجات کو دیکھتے ہوئے وظیفہ جاری کیا گیا مگر آپ کے خرچ واخراجات اور داد و دہش کی اتنی کثرت تھی کہ آپ بعض اوقات آمدنی سے بھی زیادہ خرچ کرتے۔

سنہ ۱۰۳۰ھ میں سورت میں آپ نے انتقال فرمایا اور سورت میں آپ دفن کئے گئے۔ سورت کے کسی تاجر نے آپ کی قبر پر بڑا قبہ بنایا اور آپکی قبر کے نزدیک مسجد اور حوض بنایا اور قریب میں خانقاہ تعمیر کی اور یہاں کے مقیمین کیلئے زمینیں اور جائیدادیں وقف کیں۔ سورت میں آپکی قبر

اور خانقاہ مشہور و معروف ہے ۔

مشہور ہے کہ آپ کے والد نے کسی سے آپ کے متعلق سوال کیا ، تو اس نے کہا کہ میں اسے اس کے باپ سے اچھا گمان کرتا ہوں ۔

یہ بات سنکر ان کے والد سجدۂ شکر بجالائے اور فرمایا کہ : یہی میری امید و تمنا تھی حقیقت بھی یہی ہے کہ ہر والد اپنے بیٹے کو اپنے سے اچھا ہی دیکھنا چاہتا ہے ۔[1]

النور السافر میں لکھا ہے کہ : شیخ محمد العیدروس ۹۸۹ھ میں ہندوستان پہنچے اور مصنف النور السافر کے والد محترم نے ان کے پہنچنے پر یہ قصیدہ کہا ؎

أَلَا یَا مَرْحَبًا بِالْعَیْدَرُوس　　جَمَالُ الدِّیْنِ مُحْیِی النُّفُوْس
مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ جِئْتُمْ　　إِلَیْنَا مَرْحَبًا شَمْسَ الشُّمُوْس [2]

نیز شیخ عیدروس لکھتے ہیں کہ : ۹۹۰ھ میں شیخ محمد العیدروس احمد آباد سے بھروچ آئے اور وہاں کئی مہینے مقیم رہے پھر احمد آباد واپس چلے گئے ۔ جب وہ احمد آباد سے آکر بھروچ میں مقیم تھے تو شیخ محمد بن عبد اللطیف مخدوم زادہ نے ان کو یہ اشعار لکھ کر بھیجے ۔

لَقَدْ أُنِسْتَ یَا شَمْسَ الشُّمُوْسِ　　فَأَھْلًا بِالشَّرِیْفِ الْعَیْدَرُوْسِ
بِقُطْبِ الْوَقْتِ أَھْلًا ثُمَّ سَھْلًا　　أَیَا زَیْنَ الْمَجَالِسِ وَالدُّرُوْسِ
وَبُرُوْجٌ عِنْدَمَا حَلَلْتَ فِیْھَا　　لَقَدْ أَمْسَتْ بِبَیْنِكَ کَالْعَرُوْسِ
وَسُرَّتْ مِنْكَ تَرْجُو الْقُرْبَ فَضْلًا　　وَإِلَّا فَھِیَ فِیْ یَوْمٍ عَبُوْسِ [3]

---

[1] نزھۃ الخواطر عربی ص ۳۵۲ ج ۵ ، ۵۷۰ ، خلاصۃ الاثر ص ۲۶۲، ۲ ۔ [2] النور السافر ص ۲۳۲
[3] النور السافر ص ۴۰۲ ۔

شیخ شیخ جیو گجراتی

م ۱۷ ربیع الثانی ۱۰۳۱ھ مطابق ۲۷ فروری ۱۶۲۲ء

شیخ جیو بن محمود بن عبداللہ بن محمود بن حسین حسینی بخاری ۔ گجرات کے نامور مشائخ میں سے تھے ۔ آپ کا مولد اساول نامی قریہ ہے ۔ سن ولادت ۹۵۳ھ ہے اپنے والد اور چچا محمد بن عبداللہ حسینی بخاری سے پڑھا اور مسندِ مشیخت مزین فرمائی آپ سے بے شمار مشائخ طریقت نے فیض حاصل کیا آپ نے ۱۷ ربیع الثانی ۱۰۳۱ھ مطابق ۲۷ فروری ۱۶۲۲ء کو رحلت فرمائی اس وقت آپکی عمر ۷۸ برس تھی ۔ [1] (مرآۃ احمدی)

مسیح الاولیاء شاہ عیسیٰ جنداللہ

متوفی ۱۵ شوال ۱۰۳۱ھ مطابق ۱۳ اگست ۱۶۲۲ء

نام شیخ عیسیٰ ، ابوالبرکات کنیت ، جنداللہ ، عین العرفا مسیح الاولیا لقب اور جندی تخلص تھا ۔

آبائی وطن : حضرت شیخ عیسیٰ کے آباء و اجداد کا وطن قصبہ پات (سندھ) تھا ، اس قصبہ کی بناء و آبادی میں ان بزرگوں کا مقدس ہاتھ تھا ، اور ان کے قدوم کی برکت سے اس کی آبادی اور ترقی میں برابر اضافہ ہوتا رہا ۔

---

[1] نزھۃ الخواطر ص ۱۴۸ ج ۵ ۔

ہمایوں کی شکست کے بعد جب سندھ کی ابتری اور بدنظمی کی وجہ سے ہزاروں باعزت اور بزرگ خاندان اپنے وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ تو شیخ قاسم اپنے برادر بزرگ شیخ طاہر محدث کے ہمراہ اپنے وطن مالوف سے نکل کر احمدآباد پہنچے۔

قیام احمدآباد:۔ شیخ طاہر کچھ عرصہ کے لئے احمدآباد میں مقیم ہو گئے۔ احمدآباد میں ان کے زمانۂ قیام کی تعیین مشکل ہے، یہاں آنے کے بعد مشہور بزرگ حضرت محمد غوث گوالیاری کے زیر تربیت مراتب عالیہ طے کئے اور خلافتِ شطاریہ سے سرفراز ہوئے۔

ایلچ پور میں قیام:۔ پھر اپنے اعزا اور اقربا کے ساتھ احمدآباد سے ایرج پور ایلچ پور (برار) پہنچے، یہاں کے حاکم تفاؤل شا کی عقیدت مندی نے ایلچ پور میں سکونت اختیار کرنے پر مجبور کر دیا، آپ مدرسہ عماد شاہیہ میں درس و تدریس میں مصروف ہو گئے، اور شہر کے عوام و خواص آپ سے مستفیض ہونے لگے۔

پیدائش اور تعلیم و تربیت:۔ ۵/ذی الحجہ یوم یکشنبہ ۹۶۲ھ مطابق ۱۰/اکتوبر ۱۵۵۴ء کو شاہ عیسیٰ پیدا ہوئے۔ شیخ طاہر محدث نے اپنے چچا عیسیٰ کے نام کی مناسبت سے ان کا نام عیسیٰ رکھا۔

شاہ عیسیٰ کی ابتدائی تعلیم و تربیت ان کے والد کے زیر سایہ ہوئی نو سال کی عمر میں کلام اللہ حفظ کر لیا، پھر تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کی تعلیم اپنے عم محترم شیخ طاہر محدث سے حاصل کی۔

حضرت شیخ قاسم کا انتقال اور برہانپور میں آمد:۔ پانچ محرم ۹۸۱ھ مطابق پنجشنبہ ۷/مئی ۱۵۷۳ء کو شیخ قاسم کا ایلچ پور میں

انتقال ہوگیا، اس حادثہ کے بعد شیخ طاہر محدث اپنے اعزا اور اقرباء کے ہمراہ ایلچ پور سے برہانپور چلے آئے، اور شہر کے شمالی حصہ میں سکونت اختیار کی، یہ حصہ علماء و فضلاء کی سکونت گزینی کے باعث "محلہ سندھیان" کہلانے لگا اور اب سندھی پورہ کہلاتا ہے

یہاں آنے کے بعد شیخ عیسیٰ حضرت شیخ یوسف بنگالی کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے، اور پانچ سال کے قلیل عرصہ میں جملہ علوم متداولہ میں مہارت حاصل کرلی اور پچیس سال کی عمر میں صاحبِ فضل و کمال ہوگئے۔

ارادت و بیعت:۔ علوم ظاہری میں تکمیل کے بعد طلبِ حق کا جذبہ پیدا ہوا اور مرشدِ کامل کی تلاش میں اکبرآباد روانہ ہوگئے۔ اور اجین، سارنگ پورہ، اور گوالیار ہوتے ہوئے قاضی جلال الدین ملتانی کی خدمت میں آگرہ پہنچے، کچھ دنوں تک ان سے استفادہ کیا۔

جب ملا حکیم عثمان سندھی الصدیقی برہانپور آئے تو شیخ طاہر محدث نے شیخ عیسیٰ کو واپس بلا لیا، ان سے انہوں نے علمِ قرأت حاصل کیا۔

شاہ عیسیٰ نے بہت سے علماء سے علوم ظاہری حاصل کئے۔ مگر جس رہبر کی تلاش تھی وہ نہ ملا آخرکار شیخ محمد عارف کی خدمت میں پہنچے، اور چند ہی دنوں کی صحبت میں ان سے ارادت و عقیدت مضبوط ہوگئی، اور بیعت سے مشرف ہوکر دولتِ سرمدی سے فیضیاب ہوئے۔ [1]

وفات:۔ ستر سال کی عمر میں ۱۵ رشوال ۱۰۳۱ھ مطابق ۳۱ راگست ۱۶۲۲ء کو برہانپور میں جان عزیز جاں آفریں کے سپرد کردی۔

فیض عالم اور ہادی العظم سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ انکی وفات پر ان کے

---

[1] کشف الحقائق، گلزار ابرار، معارف ۳۲ ج ۸ ص ۲۱۸، ۲۱۹

ایک معتقد نے مرثیہ لکھا ہے۔

ان کا مزار سندھی پورہ میں ایک وسیع احاطہ میں ہے۔ جس کے گرد چار دیواری ہے۔ جو اب تک زیارت گاہ خلائق ہے۔ مدرسہ اور خانقاہ کی عمارتوں کے آثار اب بھی باقی ہیں۔

خلفاء و معتقدین:۔ آپ کے خلفاء میں حضرت برہان الدین راز الہیٰ، ملا ابو الخیر بلخی، شیخ محمد صدیق، ملا عبدالعزیز لاہوری، ملا یوسف، شیخ محمود، سید یعقوب، مرزا فتح پوری، اسماعیل فرحی، عبدالستار خلیل، میران عبدالرحمٰن، اور معتقدین میں نواب عبدالرحیم خانخاناں، مرزا داراب خان، عاقل خان رازی ملا شیخ عثمان، سنبل (غلام) قابل ذکر ہیں

تصانیف:۔ حضرت مسیح الاولیاء کی حسب ذیل تصانیف اب تک معلوم ہوسکی ہیں۔ (۱) روضۃ الحسنیٰ (۲) عین المعانی (۳) انوار الاسرار (۴) حواس پنجگانہ (۵) حاشیہ بر اشارات عربیہ (۶) شرح قصیدۂ بردہ (۷) قبلۃ المذاہب الاربع (۸) حاشیہ بر شرح ضیائیہ (۹) تفسیر محمدی (۱۰) تتمیم شرح مائۃ عوامل (۱۱) رسالہ عقود (۱۲) شرح دو رباعیات ــــ اسرار الوحی (۱۳) رسالہ دقیقہ (۱۴) مجمع البحرین۔

مذکورہ بالا تصانیف کے مطالعہ سے ان کے علمی تبحر کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کو تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، معانی، بیان جملہ فنون میں عبور حاصل تھا، عروض اور شاعری میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ جملہ اصناف سخن پر قدرت رکھتے تھے۔ معاگوئی میں خاص ملکہ تھا۔ آپ کی اکثر تصانیف میں آپ کے اشعار ملتے ہیں غالباً علیحدہ کوئی مجموعہ کلام نہیں ہے۔ عاقل خان رازی نے ثمرات الحیات

میں ایک غزل نقل کی ہے۔

اے طوطئ خوش گو بہ منقار دو عالم — شد آئینہ روئے تو رخسار دو عالم
خواہی برخ خویش زہر گو نہ تماشہ — از نہ غرضت چیست زاظہار دو عالم
زلف سیہت در تتق غیب نہاں بود — ظاہر شدہ در کسوت اغیار دو عالم
آن جان جہاں کز خود و زغیر نہاں بود — گشت است عیاں بر سر بازار دو عالم
جندی منشین جز مئے معشوق زمانہ — چوں ہست دلت مخزن اسرار دو عالم [1]

خواجہ علی متخلص مسیحی

خلیفہ خواجہ مسیح الاولیاء

آپ احمدآباد گجرات کے رہنے والے تھے۔ حضرت حسین رومی کے فرزند اور قادری سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ گجرات کے بڑے دولتمندوں میں آپ کا شمار تھا۔ طریقت کی تلقین حضرت مسیح الاولیاء سے پائی تھی شاید اسی نسبت سے ہی 'مسیحی' تخلص اختیار کیا ہوگا۔

صوفیانہ اشعار کہتے تھے۔ آزاد خاطر اور فارغ البال تھے۔ حضرت مسیح الاولیاء سے انتہائی محبت رکھتے تھے۔ آپ نے خرقِ عادات سے متعلق ایک رسالہ لکھ کر علامہ غوثی کو دیا تھا منجملہ ان کے یہ ہے کہ 'شیخ عبدالرحیم کہتے تھے ایک رات اعتکاف کے اندر خواب اور بیداری کے درمیان مجھ کو ایسا معلوم ہوا کہ چار نورانی اشخاص نے مسیح الاولیاء کے بیٹھنے کے واسطے ان کے مکان میں تخت آراستہ کیا ہے اور ان کے نام سے قطبیت کا ترانہ گاتے ہیں اور مسیح الاولیاء مسکراتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھ جیسے شخص کو اس تخت کی نشست کے قابل نہ سمجھو۔ قصہ کوتاہ ان چاروں اشخاص نے مسیح الاولیاء کے عذر

---

[1] معارف ج ۷۸ ص ۲۲۲۔

پر خیال نہ کرکے تخت کے اوپر بٹھایا اور سب نے از راہ طرب سامنے ادب سے ہاتھ باندھ کر مبارکباد دیں خوشی اور نشاط کی آوازیں بلند کیں جب میں صبح کے وقت مسیح الاولیاء کی خدمت میں گیا تو میرے چہرہ سے رات کی دیکھی ہوئی حالت کے آثار معلوم فرمائے اجازت کے واسطے لب نہ ہلایا اور مجھ کو کہنے سے روک دیا۔ درس سے فارغ ہونے کے بعد جب خلوت ہوئی تو وہی خواب کی سرگذشت مجھ سے بے کم وکاست خود بیان فرمائی "[1]

شیخ محمد ابن شیخ عبداللہ سندھی

خلیفہ مسیح الاولیاء

آپ کی ولادت، نشو و نما، تعلیم و تربیت برہانپور میں ہوئی مسیح الاولیاء کے شاگرد مرید اور خلیفہ تھے۔ مسیح الاولیاء کے سب سے پہلے مرید شیخ محمد ہی ہیں۔

مسیح الاولیاء کسی کو مرید نہیں کرتے تھے بلکہ طالبانِ ارادت وبیعت کو لطائف الحیل سے ٹال دیا کرتے تھے۔ ایمائے غیبی سے آپ کو راغب کیا گیا تب آپ نے یہ سلسلہ شروع کیا، بشارت کے بعد آپ نے کسی کو مرید کرنے سے گریز وانکار نہیں کیا۔

حضرت عثمان بونکانی رح کے درس میں جب مسیح الاولیاء نے شرکت کی اس زمانہ میں شیخ محمد نے بھی حکیم عثمان کے درس میں نقلی اصطلاحات پر چند کتابیں پڑھی تھیں اور اس طرح وہ اپنے پیر کے ہم درس تھے۔ جب شیخ نعمت اللہ زیارت حرمین شریفین سے فارغ ہو کر واپس آئے تو بندر ڈابھول (ڈابھیل متصل سورت) کے متعلق۔۔۔

" مذکور الصدر بندر میں مسیح الاولیاء کے خلیفہ حضرت شیخ محمد نامی اس نواح کے

---

[1] گلزار ابرار صفحہ ۶۰۴، نزہۃ الخواطر عربی صفحہ ۲۵۱/۵، برہانپور کے سندھی اولیاء صفحہ ۲۶۵ ۴۶۵، صفحہ ۲۶۶

لوگوں کی راہنمائی کے واسطے نامزد تھے ان کے دیدار سے آنکھوں کو منور کیا۔ [1]
اس روایت کی حقیقت یہ ہے کہ جب گجرات کے متعدد لوگ برہانپور آکر مسیح الاولیاء کے مرید ہوئے چونکہ ان میں سے اکثر یہاں موجود رہ کر سلسلہ شطاریہ کی تعلیم و تکمیل نہ کر سکتے تھے اسلئے انہوں نے منت والتجا کی کہ کسی خلیفہ کو ہمارے ہمراہ بھیج دیا جائے تاکہ ہماری مقصد برآوری ہو۔ آپ نے شیخ محمد کو نامزد فرمایا یہ وہی زمانہ ہے جب شیخ نعمۃ اللہ بندر ڈابھیل پہنچے تھے۔ [2]

مرزا عزیز الدین دہلوی

وفات ۱۰۳۳ھ مطابق ۱۶۲۳ء

شیخ عزیزالدین بن شمس الدین محمد غزنوی ثم دہلوی۔ اکبر بادشاہ بن ہمایون کورگانی کے رضاعی بھائی تھے۔ اکبر بادشاہ کو آپ سے بہت محبت تھی اس نے ۹۸۰ھ میں گجرات کی تولیت آپ کے سپرد کردی تھی۔ لیکن مرزا محمد حسین نے آپ کی مخالفت کی اور آپ پر گھیرا ڈال دیا چنانچہ اکبر بادشاہ نے احمدآباد کا رخ کیا اور آگرہ سے احمدآباد تک چودہ سو میل کا سفر نو دن میں طے کیا۔ احمدآباد آکر مرزا محمد حسین سے مقابلہ کیا اور اس کو شکست دیکر اپنے ساتھی مرزا عزیزالدین کو تنگی سے نجات دلائی۔

اس احسان کے باوجود مرزا عزیزالدین اکبرشاہ کو درست بات کہتا خصوصاً جبکہ وہ خلاف شرع کام کرتا۔ اس سے اکبرشاہ ان سے ناراض ہوگیا چنانچہ آپ کو گجرات سے ہٹا دیا لیکن بعد میں آپ سے خوش ہوگیا تھا اور بنگال اور بہار کو آپ کے حوالہ کر دیا ۹۸۸ھ میں اکبرشاہ نے آپ کو خان اعظم کا لقب دیا۔ ایک زمانے تک یہ علاقے آپ

---

[1] اذکار الابرار ص۵۶۳ [2] برہانپور کے سندھی اولیاء ص۲۴۴

کے زیر تحویل رہے ۔ پھر اکبر شاہ نے آپ کو مالوہ میں اراضی بطور ھدیہ دی اور دکن کے علاقوں کو آپ کے حوالہ کر دیا ۔ لیکن وہاں کے امراء کے نفاق کیوجہ سے آپ زیادہ مدت وہاں نہ رہ سکے لہٰذا اکبر شاہ نے دوبارہ ۹۹۵ھ میں گجرات آپ کے سپرد کر دیا اور طویل مدت تک بحسن وخوبی اپنے کام کو انجام دیا ۔ ۱۰۰۱ھ میں اکبر شاہ نے آپ کو آگرہ بلانا چاہا لیکن اس کی بعض اختراعات مثلاً سجدہ کروانا ، واڑھی منڈوانا وغیرہ کیوجہ سے آپ نے انکار کر دیا ۔ ۱۰۰۱ھ میں آپ ایک سو افراد کے ہمراہ جن میں آپ کے گھر والے شامل تھے حجاز کی طرف روانہ ہوئے ۔ حج و زیارت سے مشرف ہوئے ۔ ۱۰۰۳ھ میں جب ہند لوٹے تو سلطان نے آپ کو بڑا منصب دیا اور اپنی مہر " مہر اوزک" آپ کے حوالہ کر کے اہم امور میں آپ کو وکیل بنا دیا ۔

اکبر شاہ کے بعد جب اس کا بیٹا جہانگیر تخت نشین ہوا تو اس کے بیٹے خسرو نے بغاوت کر دی ۔ خسرو مرزا عزیز الدین کا داماد تھا ۔ اس بغاوت سے جہانگیر مرزا عزیز الدین سے بدظن ہو گیا اور آپ کو ختم کرنا چاہا لیکن بعض اصحاب شوریٰ کے روکنے پر باز آگیا ۔ لیکن بہرحال آپ کا منصب اور اراضی چھین لی ۔

اس واقعہ کے تین سال بعد پھر گجرات آپ کے حوالہ ہوا اور جہانگیر نے اپنے بیٹے قلی خاں کو آپ کے ساتھ نائب بنا کر روانہ کیا ۔ کچھ عرصہ بعد آپ نے بلاد دکن کے فتنوں کو ختم کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ برہانپور پہنچے اور جہانگیر کی طرف ایک آدمی کو روانہ کیا تاکہ او دیپور میں کفار سے جنگ کرنے کی اجازت لے کر آئے آپ کو اللہ کے راستہ میں شہید ہونے کا بہت شوق تھا ۔ چنانچہ جہانگیر نے لڑائی کی اجازت دے دی لیکن بغیر جنگ کے وہاں کے سلطان نے آپ کا خیر مقدم کیا ۱۰۲۳ھ میں وفات ہوئی احمد آباد میں مدفون ہیں ۔ [1]

---

[1] نزھۃ الخواطر عربی ج۵ صفحہ ۲۸۰

طالبؔ آملی

وفات ۱۰۳۶ھ بمطابق ۱۶۲۶ء/۱۶۲۷ء

یگانۂ روزگار شاعر طالب آملی مرزا غازی کی محفل شعر و ادب کے ایک رکن تھے کہا جاتا ہے کہ آپ ۹۸۷ھ (۸۳۔۱۵۸۲ء) کے قریب شہر "آمل" میں پیدا ہوئے۔ تنگی معاش کیوجہ سے تیس سال کی عمر میں کاشان آئے کچھ دن وہاں رہ کر آپ اصفہان پہنچے۔ وہاں سے بددل ہوکر مشہد آئے۔ مشہد سے آپ مَرو پہنچے۔ اور ایک سال تک آپ مرو میں رہے ۱۰۱۶ھ (۸/۷۔۱۶۰۷ء) کے آخر میں آپ نے ہندوستان کا رخ کیا۔ صاحب خیر البیان کا کہنا ہے کہ "آپ ۱۰۱۶ھ (۸/۱۶۰۷ء) میں ہندوستان آئے اور یہاں آنے کے بعد مرزا غازی ترخان نے انہیں اپنے مصاحبوں میں داخل کر لیا۔"

مجمع النفائس میں ہے کہ "طالب نے پہلے سندھ میں مرزا غازی کے پاس قیام کیا اس کے بعد وہ ہندوستان آئے"

سیّد طاہر محمد نسیانی نے لکھا ہے کہ "اسی زمانے میں طالب آملی اور شمس قندھار پہنچ کر مرزا غازی کی ملازمت میں داخل ہوئے"

قندھار ہی میں چیچک کے مرض میں آپ (طالب آملی) کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی۔ جس نے قندھار سے دلبرداشتہ کر دیا اور آپ ۱۰۲۰ھ (۱۲/۱۶۱۱ء) میں ہندوستان آگئے یہاں آپ مصائب روزگار میں مبتلا ہوگئے۔ دیانت خان نے پہلے آپ کو دربار جہانگیری میں پہنچایا لیکن آپ کچھ بول نہ سکے۔ دیانت خاں نے پھر عبداللہ خاں فیروز جنگ کے پاس گجرات پہنچا دیا۔ وہاں سے آپ آگرہ آئے اور اعتماد الدولہ مرزا

غیاث الدین سے وابستہ ہو کر مہرداری کے منصب پر فائز ہوئے لیکن پھر اس سے استعفیٰ دے دیا۔

اعتمادالدولہ نے آپ کو دربار شاہی تک پہنچا دیا۔ یہاں تک کہ جہانگیر نے ۱۰۲۸ھ (۱۹/ ۱۶۱۸ء) میں جب وہ کشمیر جا رہے تھے کالا نور میں آپ کو "ملک الشعراء" کا خطاب دیا۔

آخر میں چند سال آپ پر جنون کی کیفیت طاری رہی اور بالکل خاموش ہو گئے۔ جہانگیر کی وفات سے ایک سال پہلے ۱۰۳۶ھ (۲۷-۱۶۲۶ء) میں آپ نے جوانی ہی میں وفات پائی اور فتح پور میں مدفون ہوئے۔ [1]

---

[1] تاریخ سندھ ص ۲۵۷-۲۵۸ ج ۲۔

شیخ عبدالقادر حضرمی احمد آبادی

معاصر نورالدین الحلبی صاحب السیرۃ الحلبیہ

(م ۱۰۳۷ھ / ۱۰۳۸ھ بمطابق ۱۶۲۷ء / ۱۶۲۸ء)

آپ سید شیخ بن عبداللہ حضرمی کے فرزند ہیں ۔ گجرات کے مشہور عالم، مصنف اور صاحب سلسلہ تھے ۔ ان کا کتب خانہ نہایت عالی شان تھا ۔ آپ نے تاریخ میں ایک کتاب عربی میں "النور السافر عن اخبار القرن العاشر" (مخطوطات : برٹش میوزیم، ۹۳۷ - بانکی پور، ۶۵۹۔ بوہار، ۲۷۳ - رام پور، ۶۵ - آصفیہ، ۳۴۴/۱) کے نام سے لکھی ۔ اس کتاب میں اپنا تذکرہ بھی کیا ہے ۔

۲۰ ربیع الاول ۹۷۸ھ جمعرات کی شام کو مصنف کی ولادت ہوئی جس پر مصنف کے والد نے یہ تاریخی جملہ کہا جس سے تاریخ ولادت نکلتی ہے : "بخ بمولود قطب زمانہ"

اسی طرح مخدوم زادہ علامہ جمال الدین محمد بن عبداللطیف جامی مکی نے بھی جملہ کہا جس سے تاریخ ولادت نکلتی ہے اور مصنف کے والد نے یہ اشعار کہے ۔

بدرالنور من نجد ومن شعب عامر بطلعة ابی بکر الفتی عبد القادر

ان ابیات کی فقیہ احمد بن فقیہ محمد ابا جابر اور شیخ محمد بن عبداللطیف مخدوم زادہ نے تخمیس بھی کی ہے ۔

مصنف کے والد نے انکی ولادت سے کچھ آدھ مہینے پہلے اولیاء اللہ کی ایک جماعت

کو خواب میں دیکھا جن میں پیران پیر شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی اور شیخ ابوبکر العیدروس تھے۔ اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے ان کے والد سے کسی ضرورت کی چیز کا سوال کیا اسی لئے انہوں نے ان کا نام عبدالقادر رکھا۔ اور دوسرے بزرگ کی نسبت سے انکی کنیت ابوبکر رکھی۔ اور ان کا لقب محی الدین تجویز کیا۔

مصنّف سے پہلے ان کے والد کی بہت سی اولاد پیدا ہوکر وفات پاتی رہی، انکے علاوہ کوئی زندہ نہ رہا تھا۔ اس لئے ان سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے۔ لوگوں نے مصنف سے بیان کیا کہ بعض بڑے وزراء آپ کے والد کے پاس کسی حاجت میں دعاء کے طلبگار ہوئے۔ آپ چھوٹے تھے، سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی وقت آپنے یہ آیت پڑھی۔ وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ۔ تو شیخ نے ان سے فرمایا کہ نیک فال کے لئے یہ آیت کافی ہے۔ پھر اللہ کے حکم سے حاجت پوری ہوگئی۔ مصنف کی والدہ اصل میں ہندیہ ام ولد تھیں۔ والدہ کیلئے بھی مصنف اکلوتے تھے۔ یہی انکی اولاد تھی۔ اور آپ کی والدہ صاحبہ نہایت نیک صالحہ متواضعہ بااخلاق اور کثرت سے صدقہ وخیرات کرنے والی تھیں۔

سنہ۱۰۱۱ھ میں ۲۰ رمضان المبارک کو جمعہ کے دن چاشت کے وقت ان کا انتقال ہوا جبکہ انکا آخری کلام لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ زبان پر جاری تھا۔ مصنف کے والد کے پہلو میں ان کی قبر بنائی گئی۔

مصنّف کی تعلیم

مصنف نے کسی نیک بندے سے قرآن پاک پڑھا یہاں تک کہ ختم کیا۔ یہ تعلیم مصنف کے والد کی حیات میں ہوئی۔ اس کے بعد علم کے حصول میں مشغول ہوئے اور متعدد فنون کی کتابیں علماء کی ایک جماعت سے پڑھیں یہانتک کہ تمام علوم وفنون سے فارغ ہوگئے۔ اس کے بعد مصنف کو کتابوں کے جمع کرنے کا شوق ہوا۔ دور دور علاقوں سے آپ نے کتابیں

منگوا کر جمع کرنی شروع کیں۔ مصنف نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ اور مصر کے علماء نے اس کی تعریف کی اور طلبہ کی بڑی تعداد نے مصنف سے نفع اٹھایا۔ مصنف فرماتے ہیں کہ جنہوں نے مجھ سے خرقۂ تصوف پہنا ان میں یہ قابل ذکر ہیں۔ علامہ جمال الدین، محمد بن یحییٰ شامی مکی، علامہ بدر الدین حسن بن داؤد دکوکنی ہندی، فقیہ احمد بن فقیہ ولی محمد بن عبد الرحیم اباجابر حضرمی، علامہ شہاب الدین احمد بن ربیع ابن شیخ الکبیر، علامہ احمد بن ربیع بن شیخ الکبیر علامہ احمد بن عبد الحق مکی مصری۔

فرماتے ہیں کہ یہ صرف علماء کے نام ہیں ان کے علاوہ ملوک تجّار، اور عوام میں سے جنہوں نے خرقۂ تصوف ان سے پہنا ان کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔

مصنف کی کتاب الفتوحات القدسیہ فی الخرقۃ العیدروسیۃ، ایسی نفیس کتاب ہے کہ اس پر جو تقاریظ لکھی گئیں وہ کئی کاپیوں پر مشتمل ہیں۔ اس کتاب کی تاریخ "لبس خرقہ" سے نکلتی ہے۔ اس پر محمد بن عبد اللطیف مخدوم زادہ نے یہ اشعار کہے

وَلَمَّا کَانَ ذَا التَّالِیفُ فِیْمَنْ لَتَشَرَّفَ فِی الْاَنَامِ بِلُبْسِ خِرْقَۃٍ
فَلَا عَجَبَ وَلَا بِدْعَ اِذَا مَا اَتیٰ تَارِیْخُ ذٰلِكَ لُبْسِ خِرْقَۃٍ

دیگر تصانیف حسب ذیل ہیں۔

(۱) الحدائق الخضرۃ فی سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ العشرۃ (۲) المنہاج الی المعرفۃ المعراج، (۳) اتحاف الحضرۃ العزیزہ بعیون السیر الوجیزہ، (۴) المنتخب المصطفیٰ من اخبار مولد المصطفیٰ، (۵) الانموذج اللطیف فی اہل بدر الشریف، (۶) اسباب النجاۃ والنجاح فی اذکار المساء والصباح، (۷) الدر الثمین فی بیان المہم من علم الدین

(۸) الحواشی الرشیقۃ علی العروۃ الوثیقہ (۹) منح الباری بختم البخاری، (۱۰) تعریف الاحیاء بفضائل الاحیاء، (۱۱) الجواہر المتلالی من کلام الشیخ عبد اللہ فی الغزالی (۱۲) عقد اللآل بفضائل

الآل، (۱۳) خدمۃ السادۃ آل اباعلوی باختصار العقد النبوی (۱۴) البغیۃ المستفید فی شرح تحفۃ المرید (۱۵) النفحۃ العنبریۃ فی شرح البیتین العدنیۃ، (۱۶) غایۃ القرب فی شرح نہایۃ الطلب، (۱۷) اتحاف اخوان الصفاء لبشرح تحفۃ الظرفاء باسماء الخلفاء، (۱۸) الفتح القدسی فی تفسیر آیۃ الکرسی، (۱۹) صدق الوفاء بحق الاخاء، (۲۰) النور السافر عن اخبار القرن العاشر، (۲۱) الروض الاریض والفیض المستفیض ۔

اکثر تصانیف کو اہل علم نے پسند کیا اور تعریف کی، جن میں علامہ جمال الدین فقیہ محمد بن عبدالرحیم اباجابر حضرمی، فقیہ محمد بن امام عبدالقادر حبانی، فقیہ عبدالملک بن عبد السلام وعیسن اموی شافعی یمنی، علامہ جمال الدین محمد بن عبدالمولی قرطبی مغربی قابل ذکر ہیں۔ فقیہ عبدالملک نے جو قصیدہ کہا۔

ومهماتذكرواعندى تصبنى لواعج صعقةمن بعدصعقه

مصنف شیخ عبدالقادر نے ۹۹۶ھ میں احمد آباد سے بھروچ کا سفر کیا اور بھروچ میں ایک سال دو مہینے آپ نے قیام کیا۔

شیخ محمد بن عبداللطیف مخدوم زادہ نے انکی طرف یہ شعر لکھ کر بھیجا۔

مَذ قَدِمتم لِبَروجِ وَحَلَلتُم بِرُبَاهَا غَارَتْ جَمِيعُ النَّوَاحِي [1]

۹۹۹ھ میں شیخ عبدالقادر نے سورت سے جیول کی طرف سفر کیا، اس سے پہلے آپ نے پورے سات مہینے سورت میں قیام کیا کہ رجب کے مہینے میں وہاں پہنچے تھے اور صفر میں وہاں سے واپس ہوئے۔

بھروچ سے وہ سورت آئے تھے اور جیول بندر پہنچکر آپ

---

[1] النور السافر ص ۳۹۶ ۔

نے پانچ مہینے قیام کیا۔ وہاں سے احمدنگر گئے، وہاں سے سنہ ۱۰۰۰ھ ذوالقعدہ کے مہینہ میں ایک سال تین ماہ ٹھہر کر احمدآباد اپنے والد کی زیارت کے لیۓ چلے تاکہ وہاں والدہ صاحبہ اور بچوں سے ملاقات کریں سنہ ۱۰۰۴ھ ربیع الثانی میں احمدآباد پہنچے جاتے ہوۓ راستے میں "جیول" سے "دیو" گئے اور "دیو" سے "موربی" پہنچے جو جوناگڑھ کے ضلع میں ہے۔ وہاں سے احمدآباد آۓ۔

جیول میں اقامت کے دوران علاّمہ محقق محمد مُقری بن علامہ علی مقری اور علامہ عبدالقادر بن مخدوم الخطیب کلیانی سے بھی ملاقات رہی۔ مصنف فرماتے ہیں "واخذت عنهم واستفدت منهم" میں نے ان سے استفادہ کیا۔

آپ کے دوست عفیف الدین عبداللہ بن احمد بن فلاح حضرمی نے اس سفر کے بارے میں یہ اشعار کہے۔

تشرفت البلاد ومن يليها بمقدم شيخنا شمس الشموس
واضحت تزدهي عجبًا وتيهًا بعبد القادر ابن العيدروس

چار سال احمدآباد سے غائب رہنے کے بعد احمدآباد پہنچے۔ [1]

وفات: سنہ ۱۰۲۰ھ / سنہ ۱۰۳۰ھ میں وفات پائی اور احمدآباد میں اپنے والد کے پاس دفن ہوۓ۔

سول ہاسپٹل احمدآباد کے پورب میں ایک گلی گئی ہے اسی کے اختتام پر ایک مقام جوہری باڑہ ہے وہیں موصوف کا مزار ہے۔ [2]

---

[1] النور السافر ص ۴۰۸ [2] گجرات کی تمدنی تاریخ ص ۲۲۸۔

النور السّافر کے متعلق آپ کی ۲۵ تصنیفات کے نام گنوائے گئے ہیں جو تمام کی تمام بوہار کے کتب خانہ میں موجود تھیں جن میں سب سے مشہور تصنیف النور السافر، دسویں صدی ہجری یعنی سولھویں صدی عیسوی کے مشاہیر کے حالات اچھپ چکی ہے۔ اس دور کے ہندوستان میں عربی زبان کو مادری زبان کے طور پر بولنے والے اور لکھنے والے زیادہ تر جنوبی ہند کے حضارمہ تھے۔ اور شیخ عبد القادر ان کے گل سرسبز تھے ۱۶۲۸ء مطابق ۱۰۳۸ھ میں احمد آباد میں فوت ہوئے۔

؛ النور السافر عن اخبار القرن العاشر؛ اہل علم وفضل اور مشاہیر کے تذکروں کے اس سلسلے کی ایک کڑی ہے جس کا آغاز حافظ ابن حجر عسقلانی نے ؛ الدرر الکامنہ فی المائۃ الثامنہ ؛ لکھ کر کیا تھا۔ حافظ ابن حجر نے آٹھویں صدی ہجری (چودہویں صدی عیسوی) کے مشاہیر اہل علم وفضل کے سوانح مرتب کئے۔ اس کے بعد حافظ شمس الدین السخاوی نے ؛ الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع ؛ لکھی۔ جو نویں صدی ہجری (پندرہویں صدی عیسوی) کے اہل کمال کی تاریخ اور سوانح حیات پر مشتمل ہے۔ اول الذکر دونوں کتابیں دیار عرب کے علماء کی ہیں مگر مؤخر الذکر ایک ایسے عالم کی تصنیف ہے جو اگرچہ نسلاً تو عرب تھے مگر پیدائشی طور پر ہندی تھے۔ النور السافر اور پہلی دو کتابوں کی ترتیب وغیرہ میں کچھ فرق ضرور ہے۔ ایک تو یہ کہ اول الذکر دونوں کتابیں حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب ہوئیں مگر النور السافر سن وار واقعات وحوادثات کے مطابق مرتب ہوئی۔

دوم یہ کہ اول الذکر دونوں کتابیں اختصار سے لکھی گئیں۔ مگر النور السافر میں کہیں کہیں تفصیل وتطویل سے کام لیا گیا ہے۔ سوم یہ کہ پہلی دونوں کتابوں کا دائرہ کار صرف سوانح رجال تک محدود ہے۔ مگر النور السافر میں دیگر سیاسی و ادبی

تاریخ کے واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں اگرچہ جہاں تک علمی پایۂ اور مرتبہ کا تعلق ہے اس میں علامہ سخاوی اور حافظ ابن حجر کے درمیان جتنا فرق ہے اس سے زیادہ فرق صاحب النور السافر اور علامہ سخاوی کے درمیان ہے۔

النور السافر کے مصنف نے اپنی کتاب کا آغاز تبرکاً سیرت نبوی سے کیا ہے اس کے بعد ۱۴۹۵ء/ ۹۰۱ھ سے ۱۵۹۱ء/ ۱۰۰۰ھ تک کے اہم تاریخی حوادث اور علم و فضل کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔

آپ اپنی کتاب کے موضوع کے دائرۂ کار کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ھٰذا نموذج لطیفٌ و عنوان شریف ذکرت فیہ وفیات من ظفرت بتاریخ وفاتہ ممن مات فی ھٰذا القرن الذی اول سنۃ احدیٰ وتسعمائۃ ختم بالحسنی من سائر العلماء والصلحاء والقضاۃ والادباء والملوک والاعیان مصریًا کان او شامیًا، حجازیًا کان او یمنیًا رومیًا او ھندیًا مشرقیًا ومغربیًا وضممت الیٰ ذکر بعض الحوادث والماجریات والحکایات العجیبۃ والملح الغریبۃ۔

یہ ایک عمدہ نمونہ اور اچھا عنوان ہے میں نے اس میں ان لوگوں کی تاریخ وفات ذکر کی ہے جو سنہ ۹۰۱ھ کے بعد اس صدی کے آخر تک فوت ہوئے اور انکی تاریخ وفات مجھے میسر آسکی۔ ان میں تمام علماء، صلحاء، قاضی، ادیب، بادشاہ اور سربرآوردہ اشخاص مذکور ہیں خواہ وہ شام یا مصر کے ہوں، خواہ حجاز، یمن، روم، ہند، مشرق یا مغرب کے ہوں۔ اس کے علاوہ میں نے اس کتاب میں حوادث، واقعات، عجیب حکایات اور انوکھی دلچسپ باتیں بھی شامل کردی ہیں۔ [1]

---

[1] نزہۃ الخواطر ص ۲۳۵ ج ۵، خلاصۃ الاثر ص ۴۴۲ ج ۲، بحوالہ تاریخ ادبیات ص ۲۹۵ ج ۲۔

صاحبِ النور السافر کتاب کے خاتمہ پر فرماتے ہیں کہ اس تاریخ کی تالیف سے فراغت ۱۰۱۲ھ ۱۲ ربیع الثانی بروز جمعہ احمد آباد میں ہوئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا یُوَافِی نِعَمَہٗ وَیُکَافِی مَزِیْدَہٗ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ دَعْوَاھُمْ فِیْھَا سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَتَحِیَّتُھُمْ فِیْھَا سَلَامٌ وَاٰخِرُ دَعْوَاھُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ [1]

اولادِ مصنف ۹۹۹ھ میں صاحب النور السافر کے صاحبزادے شیخ کی ولادت ہوئی، اور یہ تاریخ ولادت اسیدی شیخ جاء، سے نکلتی ہے۔

اَکْرِمْ بِہٖ مِنْ ھِلَالٍ　　فَاقَ الْبُدُوْرَ ضِیَاءً

تَارِیْخُہٗ اِنْ تَرُمْہُ　　قُلْ: سَیِّدِیْ شَیْخ جَاء، [2]

ان کی ولادت بھروچ میں ہوئی۔ ۱۰۰۵ھ میں مصنف کو اللہ تعالیٰ نے دوسرا لڑکا دیا نام عبد اللطیف اور تاج العارفین لقب تجویز کیا۔ علامہ شہاب الدین احمد بن علی لبسکری نے اس پر یہ تاریخی جملہ کہا جس سے تاریخ ولادت نکلتی ہے۔ بدا تاج العارفینا، جس کو اس نظم میں انہوں نے ضبط بھی کیا۔

بدا تاج لجمع العارفینا　　ولی اللہ فاعلمہ یقینا

بدا عبد اللطیف بکل لطیف　　یعم بہ الاقارب والبنینا

لیکن چودہ مہینے کی عمر پاکر یہ بچہ ذوالقعدہ میں فوت ہوگیا جس کی ولادت ایک سال قبل رمضان میں ہوئی تھی [3]

---

[1] النور السافر ص۴۲۸ [2] ایضاً ص۴۰۶ [3] ایضاً ص۴۹۲۔

محمد فضل اللہ
مصنف النور السافر کے بھائی

مصنف کے بھائی محمد فضل اللہ ۔ یہ ان کا تاریخی نام ہے ۔ انکی ولادت پر فاضل عبداللطیف منشی نے اشعار کہے ۔

بَدا کوکبٌ من افقِ عزٍّ وسؤدد   به لبسر الله الامانی کما نشا

مگر جلد ہی دو سال چار مہینے کے بعد ، رجمادی الاولیٰ ۹۷۰ھ انکی وفات ہوگئی ۔ ان کو جس جگہ دفن کیا گیا تھا وہیں پر بعد میں مصنف کے والد کو دفن کیا گیا ۔

علامہ عبدالمعطی اباکثیر نے اس چھوٹے بچے کو غسل دیا ۔ [1]

صاحب النور السافر کے والد

۹۷۴ھ میں مصنف کے والد نے بھروچ سے احمدآباد کا سفر کیا ۔ اور وفات تک احمدآباد میں مقیم رہے ۔ جس دن وہ احمدآباد میں داخل ہوئے تو ایک عظیم مجمع نے جس میں وزراء ، حکام وغیرہ بھی تھے آپ کا استقبال کیا ۔ [2]

۹۸۱ھ میں مصنف کے والد کا ایک جہاز جس کا نام عیدروسی تھا ۔ جو شہر سے مدین کی طرف آرہا تھا مفقود ہوگیا ، کچھ پتہ نہ چل سکا ، اس میں سادات واشراف کی ایک جماعت بھی شہید ہوگئی ۔ [3]

---

[1] النور السافر ص۲۹۱ [2] ایضاً ص۲۶۸ [3] ایضاً ص۳۰۰ ۔

شیخ فقیہ شیخ محمود بن محمد

وفات ۹ ربیع الثانی ۱۰۴۰ھ بمطابق ۱۳ نومبر ۱۶۳۰ء

محمود بن محمد بن حسن عمری چشتی۔ یکے از علمائے صالحین۔ مولد و مسکن احمدآباد ہے آپ نے اپنے والد سے ظاہری و باطنی علوم حاصل کئے۔ والد صاحب کی وفات کے بعد آپ مسند ارشاد پر بیٹھے۔ آپ سے شیخ راجح بن داؤد گجراتی نے احمدآباد میں نحو و صرف اور منطق وغیرہ پڑھی سخاوی نے ان کا ذکر الضوء اللامع میں کیا ہے۔

آپ کی وفات ۹ ربیع الآخر ۱۰۴۰ھ بمطابق ۱۳ نومبر ۱۶۳۰ء میں احمدآباد میں ہوئی۔ نور اللہ مرقدہٗ۔[1]

شیخ علی متقی دوم

(متوفی ۱۰۴۰ھ بمطابق ۱۶۳۰ء)

شیخ علی بن شیخ ابو محمد ابن شیخ حسن ابن شیخ راجہ۔ حضرت سلمان فارسی رضہ کی نسل سے ہیں۔ شیخ محمد چشتی کی صحبت میں رہ کر سلوک کی منازل طے کیں۔ ورع و تقویٰ اور زہد و قناعت آپ کا شعار تھا۔

آپ کا انتقال ۱۰۴۰ھ میں ہوا آپ کا مزار شاہ بھیکن کے روضے کے پاس احمدآباد میں ہے۔[2]

---

[1] نزہۃ الخواطر اردو ۲۱۹، عربی ۲۶۷/۵، ص ۴۰۹۔ الضوء اللامع [2] تذکرہ قاریان ہند

مرزا حسن عسکری لکھتے ہیں کہ شیخ محمد چشتی کے خلیفہ شیخ علی متقی (دوم)
بن شیخ ابو محمد بن شیخ حسین بن شیخ راجہ۔ آپ حضرت سلمان فارسی کی نسل سے تھے، ورع و تقویٰ میں بے نظیر تھے کسی کے گھر کا کھانا نوش نہیں فرماتے تھے۔ البتہ جب اپنے شیخ کی زیارت کو جاتے تو شیخ کے گھر کا کھانا نوش فرماتے حالانکہ بڑی تنگی سے آپ کا گذر ہوتا تھا۔ گذارہ اس طرح فرماتے تھے کہ جہاں سبزی فروش اپنی بیکار سبزیاں پھینک دیتے سبزی بیچنے کے بعد اس میں سے چن کر اپنے لئے کچھ جمع کر لیتے اس کو پکاتے اور اسی کو کھا کر اس پر گذارہ فرماتے۔ آپ صاحب تصانیف تھے۔ اخیر عمر میں چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے آپ نے ۱۰۴۰ھ میں ۱۱ رجب کو انتقال فرمایا۔ آپ کی قبر پرانے اساول میں حضرت شاہ بھیکن کے مقبرہ کے پاس ہے۔ [1]

شیخ بن عبداللہ بن شیخ بن عبداللہ

وفات ۱۰۴۱ھ مطابق ۱۶۳۱ء

شیخ عبدالقادر بن شیخ کے تلامذہ میں شیخ بن عبداللہ بن شیخ بن عبداللہ بن

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی۔ ص ۸۳

شیخ بن عبداللہ العیدروس الیمنی ہیں۔ جو بہت بڑے محدث، صوفی، اور فقیہ ہیں۔ آپکی جائے ولادت تریم ہے۔ قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد اپنے والد سے تحصیل علم میں مشغول رہے اور والد کی طرف سے آپ کو خرقہ بھی ملا اور بکثرت مشائخ سے آپ نے علوم میں استفادہ کیا جن میں سے بعضے یہ ہیں۔ فقیہ فضل بن عبدالرحمٰن ابا فضل شیخ زین باحسین بافضل، قاضی عبدالرحمٰن بن شہاب الدین وغیرہم۔

اس کے بعد آپ نے شحر، حرمین اور حجاز کا سفر کیا۔ آپ کا یہ سفر ۱۰۱۹ھ میں ہوا، وہاں شیخ محمد طیبار سے آپکی مصاحبت رہی، ان سے علمی گفتگو رہا کرتی تھی۔ اسی سال آپ نے حج فرمایا اور حجاز سے لوٹنے کے بعد عارف باللہ عبداللہ بن علی صاحب الوہط سے آپ نے علم حاصل کیا پھر عدن میں احمد بن عمر العیدروس سے علم حاصل کیا۔ اور اسی طرح شیخ عبدالمالک اور اکثر مشائخ سے آپ کو خرقۂ خلافت بھی سلاسلِ تصوف میں ملا۔ اور یمن کے جن مشہور علماء سے آپ نے علم حاصل کیا۔ ان میں سے شیخ احمد الحشیری، سید جعفر بن رفیع الدین، شیخ موسیٰ بن جعفر کشمیری اور سید علی الاھدل ہیں۔

تحصیل علم کے ساتھ ساتھ آپ عبادت اور تعلق مع اللہ کے حصول کی طرف سے کبھی غافل نہیں رہے۔ برابر عبادت میں مشغول رہے پھر ہندوستان کا آپ نے سفر کیا اور ۱۰۲۵ھ میں ہندوستان پہنچے وہاں اپنے عم مکرم شیخ عبدالقادر بن شیخ کی صحبت میں رہے۔ شیخ عبدالقادر انکی بہت تعریف کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے آپ کو بہت مشغول پایا اور انہوں نے آپ کو بڑی بشارتیں دیں اور اپنی طرف سے خرقہ خلافت بھی عنایت فرمایا اور آپ کو اپنی مرویات اور تالیفات کی اجازت عامہ عطا فرمائی۔ اس کے بعد آپ ناظم دکن ہوئے اور وزیر عنبر اور وہاں کے سلطان برہان نظام شاہ سے ملاقات رہی اور انہوں نے آپ کا

بڑا اعزاز و اکرام کیا مگر بعض حاسدین کے حسد کی بنا پر آپ دکن سے سلطان ابراہیم عادل شاہ کے پاس پہنچ گئے۔ سلطان ابراہیم نے بھی آپ کا بڑا اعزاز و اکرام کیا اور کوئی کام آپ کے مشورے کے بغیر سلطان انجام نہیں دیتا تھا۔ اس لئے کہ جب آپ پہنچے ہیں تو سلطان کو کسی بزرگ کی بد دعا کیوجہ سے ایک زخم ہو گیا جو کسی طرح مندمل نہیں ہوتا تھا آپ نے پہنچتے ہی ایسا تصرف کیا کہ بلا کسی علاج معالجہ کے سلطان ابراہیم ٹھیک ہو گئے جس سے انکا اعتقاد آپ کے بارے میں اور بڑھ گیا۔

سلطان ابراہیم عادل شاہ رافضی شیعہ تھے مگر آپ کی صحبت و برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق عطا فرمائی اور اہل سنت کے دائرے میں وہ داخل ہو گئے۔ وہاں کے عوام نے بھی جب سلطان سے آپ کا تعلق دیکھا تو ان کی نگاہوں میں بھی آپ کی قدر و عظمت بڑھ گئی وہاں کے قیام کے دوران سلطان کے قرب کی بنا پر بڑی دولت بھی آپ کے ہاتھ آئی آپ اسے صحیح مصرف میں .... خرچ کرنا چاہتے تھے آپ کی تمنا یہ تھی کہ حضر موت میں ایک بڑی جائیداد اشراف اور سادات کے لئے بنائی جائے، اس غرض کی خاطر آپ نے مال کثیر یمن بھیجا مگر مقدر کہ کشتی ڈوب گئی اور سارا مال ضائع ہو گیا۔

آپ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے ایک "السلسلہ فی الخرقۃ الشریفہ" مشہور کتاب ہے۔ سلطان ابراہیم عادل شاہ کی وفات تک ان کے پاس رہے ان کے انتقال کے بعد آپ دولت آباد منتقل ہو گئے اور وہاں وزیر فتح خان ابن عنبر کے ساتھ رہنے لگے، یہاں بھی آپ کا بڑا اعزاز و اکرام کیا گیا۔

۱۰۴۱ھ مطابق ۱۶۲۱ء میں آپ کی وفات ہوئی اس وقت تک آپ وہیں مقیم رہے اور دولت آباد کے قریب روضہ کے نام سے جو قبرستان معروف ہے وہاں آپ دفن کئے گئے۔ آپ کا سن ولادت ۹۹۳ھ مطابق ۱۵۸۵ء ہے۔ [1]

---

[1] خلاصۃ الاثر ص ۲۲۵، ۲۲۶۔

علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ: السید العالم المتقی شیخ بن عبداللہ بن شیخ عبداللہ بن شیخ عبداللہ العیدروسی الحسینی الیمنی الحضرمی، آپ کی ولادت ۹۹۳ھ میں ہوئی تریم میں آپ پیدا ہوئے۔ اپنے والد فضل بن عبدالرحمن بافضل، شیخ زین باحسین اور عبدالرحمن بن شہاب الدین وغیرہ علماء سے آپ نے علم حاصل کیا۔ شحر، یمن، اور حرمین کا آپ نے سفر کیا اور وہاں کے متعدد علماء سے بھی آپ فیض یاب ہوئے۔ اور آپ نے علم وعمل کی مشغولی اور تقوی کو لازم پکڑے رکھا۔

پھر ہندوستان کا آپ نے سفر کیا وہاں بھی آپ علماء سے فیض یاب ہوتے رہے۔ آپ نے بہت سی نفیس کتابیں اکھٹی کیں اور آپ کے لئے بے شمار اموال اکھٹے ہو گئے۔

آپ نے متعدد تصانیف فرمائیں اور ۱۰۴۱ھ میں انتقال کیا۔[۱] رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

شیخ سراج بن علامہ کمال الدین

متوفی ۱۰۴۱ھ مطابق ۱۶۳۱ء

شیخ سراج بن علامہ کمال الدین دہلوی۔ یکے از کبار مشائخ چشتیہ ۹۵۶ھ میں بمقام احمدآباد ولادت ہوئی۔ گہوارۂ علم ومشیخت میں نشو ونما ہوئی بعد میں والد مکرم کی جانشینی حاصل ہوئی اور ارشاد وتلقین فرماتے رہے۔

آپ نہایت متوکل علی اللہ اور داد ودہش کرنے والے تھے۔ بغیر مزامیر کے سماع کا ذوق رکھتے تھے اور کبھی کبھی آپ پر حالت وجد بھی طاری ہو جاتی تھی۔ تصنیف کے میدان میں بھی بلند خدمات انجام دی ہیں۔ ربیع الاول ۱۰۴۱ھ بمقام احمدآباد وفات ہوئی۔[۲]

---

[۱] البدر الطالع صـ ۲/۱ ۔ [۲] نزھۃ الخواطر

شیخ محمد چشتی

م ۲۹ ربیع الاول ۱۰۴۱ھ مطابق ۲۴ اکتوبر ۱۶۳۱ء

شیخ محمد بن حسن بن احمد بن نصیر بن مجد بن سراج بن علامہ کمال الدین دہلوی۔ آپ کا نام شمس الدین ہے اور لقب محمد۔ مجالس الاولیا میں ہے کہ آپ کے والد محترم نے آپ کا نام "محمد" رکھا۔ آپ کا خاندان علم و معرفت میں مشہور تھا۔ آپکی والدہ محترمہ کا نام بی بی امۃ الغنی ہے جو شیخ عطاء اللہ کی بیٹی تھیں۔ اور انکا سلسلہ نسب شیخ لطیف الدین تک پہنچتا ہے۔ جو حضرت سلطان المشائخ نظام الدین محبوب الٰہی رح کے خلیفہ تھے۔ بی بی امۃ الغنی کی والدہ تاج العلماء شیخ تاج الدین کی بیٹی تھیں۔ جو حضرت گنج شکر کی اولاد سے تھے۔ جیساکہ مجالس الاولیاء میں لکھا ہے، آپ کی جائے ولادت احمدآباد گجرات ہے جہاں آپ ۹۵۶ھ مطابق ۱۵۴۹ء میں پیدا ہوئے۔ چنانچہ لفظ "شیخ ولی" سے آپ کا سنِ ولادت نکلتا ہے۔

آپ کی پیدائش علم کے گہوارہ میں ہوئی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں تمام علوم سے فراغت پائی۔ علوم ظاہری سے فراغت کے بعد آپ علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ والد محترم کے دستِ حق پر بیعت کی اور انہی سے خرقہ خلافت پایا۔ والد ماجد کے وصال کے بعد ملک مقصود کی مسجد میں گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی اور کئی سال اسی حالت میں گذارے۔ پھر اپنے والد کی خانقاہ میں تشریف لائے جو شہر میں تھی اور درس و افادہ میں مشغول ہو گئے۔

آپ قناعت و توکل میں بے نظیر تھے۔ سلاطین اور امراء سے اجتناب کرتے تھے، رشد و ہدایت اور عبادت و ریاضت میں وقت گذارتے تھے۔ اپنا حال

کسی پر ظاہر نہ کرتے تھے۔ اخفار راز کو درویش کا جوہر سمجھتے تھے۔ آپ کو سماع بدون مزامیر کا شوق تھا۔ آپ پر بعض اوقات حالتِ وجد بھی طاری ہو جاتی تھی۔

تصانیف آپ نے ایک تفسیر لکھی جس کا نام تفسیر محمدی/حسینی ہے۔ نیز ایک کتاب نکات الاخوان تحریر فرمائی جس میں نکات ذکر کیے ان میں سے چند کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) الریاضۃ ترک الشہوات (۲) المجاھدۃ الانقطاع عن غیر اللہ (۳) التوبۃ الندامۃ (۴) البلاء سراج الطالب (۵) الفراسۃ مطالعۃ العیوب (۶) الحرص ترک القناعۃ (۷) الحسد طلب زوال نعمۃ الغیر۔ (۸) الشریعۃ الاقوال الطریقۃ الاعمال الحقیقۃ الاحوال۔

اولاد :- آپ کے چار بیٹے تھے۔ پہلے شیخ عزیز اللہ، دوسرے شیخ سراج دین تیسرے شیخ حسن محمد اور چوتھے شیخ محمود (والد شیخ یحیٰی مدنی)

آپ کے صاحبزادے عزیز اللہ حافظِ قرآن تھے مشہور تھا کہ جو آپ سے قرآن پڑھتا وہ بہت جلد حافظ ہو جاتا۔ شیخ عزیز اللہ کے ایک صاحبزادے شیخ رحمت اللہ تھے جن سے سلطان محمود کو بہت اعتقاد تھا۔

خلفاء :- آپ کے خلفاء بے شمار تھے۔ مگر آپ کے خلفاء میں سے مشہور ترین آپکے پوتے شیخ یحیٰی مدنی ہیں۔ جن سے سلسلہ چشتیہ آگے چلا۔

آپنے ۲۹ ربیع الاول ۱۰۴۰ھ مطابق ۱۶۳۱ء کو رحلت فرمائی۔ آپ کا مادۂ تاریخ وصال یہ ہے "واصل حق محمد چشتی"

آپ کا مزار مبارک احمد آباد گجرات میں آپ کے والد گرامی شیخ حسن محمد کے مزار کے قریب مشرق کی طرف مسجد انصار سے متصل ہے جیسا کہ مرأت ضیائی میں لکھا ہے [1]

---

[1] نزہۃ الخواطر عربی ص۳۴۳ ج۵، ص۶۳ ج۵، تذکرہ قاریان ہند، تذکرہ صوفیائے گجرات، مناقب المحبوبین ص۹۲

خاتمہ مرآۃ احمدی میں آپ کے تفصیلی حالات مذکور ہیں ! شیخ محمد چشتی بن شیخ حسن محمد چشتی ۔ آپکی ولادت ۹۵۶ھ میں ہے ۔ جو لفظ ، ولی ، سے نکلتی ہے ۔ علوم ظاہری و باطنی کی اپنے والد محترم سے آپنے تحصیل فرمائی ۔ والد محترم کی حیات تک انہیں سے استفادہ کرتے رہے انکی وفات کے بعد حضرت جلال الدین ماہ عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ سید جلال الدین نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آئے اور فرمایا کہ بڑی مخلوق آپ سے منتفع ہوگی ۔ اور آپکی ولایت کا شہرہ دور دور تک پہنچے گا ۔ اور طریق تصوف کی تصانیف کا کام آپ سے لیا جائے گا ۔ اور آپ کا قول و فعل اہل سلوک کے لیئے حجت ہوگا ، جب والد کے بعد گدی نشین ہوئے تو ظاہری فقر آپ کو پیش آیا ۔ بعض مریدین معتقدین نے درخواست کی کہ شاہانِ گجرات کی طرف سے آپ کے آباء و اجداد کو جو وظائف ملتے تھے اس کی سندیں موجود ہیں ۔ اگر وہ عنایت فرمائیں تو اکبر بادشاہ کے سامنے پیش کرکے ان کو حاصل کیا جاسکتا ہے ۔ تاکہ اس فقر کا علاج ہو سکے اور باعثِ اطمینان ہو ۔ ارشاد فرمایا کہ فقراء کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ بادشاہوں کے منت بردار ہوں ۔ بادشاہ حقیقی بندوں کی رزاقیت کے لیئے کافی ہیں ۔ ہر چند لوگوں نے اس پر بہت اصرار کیا ، مگر آپ نے قبول نہیں فرمایا جب زیادہ اصرار کیا گیا تو آپ نے وہ اسانید حوض میں پھینک دیں ۔

ایک طرف گذارے کی تکلیف ، دوسری طرف حاسدین کے حسد کی بنا پر آپ مجبور ہوگئے اور آپ نے شہر چھوڑ دیا اور شہر سے باہر دریائے سابرمتی کے کنارے پر آکر خلوت نشین ہوگئے ۔ اس جگہ جہاں مسجد ملک واقع ہے صرف نماز جمعہ کے لیئے اپنی خانقاہ میں شہر میں تشریف لے جاتے ، کبھی کبھی وہاں چلہ کشی کرتے چالیس دن وہاں گذارتے ۔ اس طرح آپ نے کئی سال گذار دیئے اس دوران اوراد و اشغال میں بوجہ اتم آپ مشغول رہے چند سال کے بعد خوارق اور کرامات کا

ظہور شروع ہوگیا، اور لوگ جوق در جوق حلقۂ ارادت میں داخل ہونے لگے جس کی وجہ سے آپ مجبور ہو کر شہر میں قیام کرنے لگے اور درس و تلقین میں مشغول ہوئے پھر آپ کو حق تعالیٰ کی طرف سے قطبیت کی بشارت ملی اور عوام کی زبانوں پر خود بخود شیخ محمد قطب جاری ہوگیا چنانچہ منجملہ دیگر حضرات کے ۱۰۲۰ھ میں ۲۷ رمضان المبارک کو سید شریف عبدالقادر بن حضرت شریف شیخ عیدروسی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور قطبیت کی مبارکباد دی۔ اسی طرح جب آپ دہلی پہنچے تو بزرگوں کے مزارات کی زیارت کے لئے گئے۔ منجملہ دیگر بزرگوں کے ایک روز شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی رح کے مزار کی زیارت کے لئے پہنچے تو وہاں خرقِ عادت ایک واقعہ پیش آیا جس کی دہلی میں شہرت ہوگئی اور بادشاہ جہانگیر اس وقت اجمیر میں مقیم تھے۔ ان کو بھی اس کی اطلاع ہوئی۔ سلطان جہانگیر نے اپنی طرف سے درخواست بھیجی کہ یہاں حضرت معین الدین اجمیری رح کی زیارت کے لئے تشریف لائیں تاکہ ہم سے بھی ملاقات ہو۔ چنانچہ آپ وہاں تشریف لے گئے۔ جہانگیر نے بھی وظیفہ کے تقرر کے لئے اصرار کیا مگر آپ نے کسی طرح قبول نہیں فرمایا۔ اس پر ایک گاؤں آپ کے بجائے آپ کے صاحبزادگان کے نام کر دیا گیا۔ جہانگیر جب ۱۰۲۷ھ میں احمد آباد پہونچے تو سید احمد قادری کی وساطت سے شیخ سے ملاقات کی درخواست کی۔ شیخ بادشاہ کے پاس پہنچے۔ اس وقت جہانگیر شیروں کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ کہ اچانک ایک شیر پنجرے کو توڑ کر حملہ کرتا ہوا باہر نکل آیا تمام مخلوق بھاگ گئی مگر شیخ اپنی جگہ اسی طرح کھڑے رہے شیر بَبَر پالتو کتے کی طرح آپ کے پاس پہنچ کر دم ہلانے لگا۔

آپ کی وفات ۱۰۳۰ھ میں ۲۹ ربیع الاوّل یکشنبہ کے روز چاشت کے وقت ہوئی۔ آپ کو آپکی خانقاہ میں والد بزرگوار کی قبر کے قریب مشرق کی جانب دفن کیا گیا۔ تاریخ وفات اس مصرعے سے مستفاد ہوتی ہے۔ "واصلِ حق محمد چشتی"۔

پہلے صاحبزادے شیخ حسن محمد ہیں جو ہمیشہ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ ایمان کے ساتھ مجھے میرے والد سے پہلے اٹھالے کہ انکی دوری کی طاقت مجھ سے برداشت نہیں ہوگی۔ چنانچہ ان کا پہلے انتقال ہوا۔ جب شیخ کو بھی ان کے انتقال کی خبر پہنچی تو اس قدر تعلق تھا کہ بیہوش ہو گئے اور پھر تیسرے دن آپ کا بھی انتقال ہوگیا۔

دوسرے صاحبزادے شیخ محمود محبوب: کہ تمام فرزندوں میں آپ زیادہ چہیتے تھے ہمیشہ گوشہ نشین رہتے۔ کہیں آمد و رفت نہیں رکھتے تھے ان کا اسی سال ۷ ربیع الثانی کو انتقال ہوا۔

تیسرے صاحبزادے شیخ سراج الدین، جو آپ کے محرم راز تھے، تمام امور کی نگرانی ان کے سپرد تھی۔ انہوں نے باپ کی وصیت کے موافق اپنے بھتیجے میاں شیخ یحییٰ کو حضرت شیخ کا جانشین بنایا۔ شیخ سراج الدین ۱۰۵۰ھ میں انتقال کر گئے۔

چوتھے شیخ عزیزاللہ، جن کی تعلیم و تربیت شیخ سراج الدین نے فرمائی۔ [۱]

شیخ محمد معروف بہ شیخ محمد اعظم چشتی قدس سرہٗ

م ۹ ربیع الاول ۱۰۴۲ھ بمطابق ۲۳ ستمبر ۱۶۳۲ء

آپ حضرت شیخ محمد چشتی قدس سرہٗ کے فرزند بھی تھے اور خلیفہ بھی۔ آپ کو چشتیہ سلسلہ کے علاوہ نقشبندیہ، قادریہ اور سہروردیہ سلسلوں سے بھی خلافت ملی تھی۔ آپ اپنے والد کے سجادہ نشین ہوئے۔ ظاہری اور باطنی علوم میں درجۂ کمال کو پہنچے۔ آپ کی چالیس کتابیں آپ کی علمی یادگار ہیں۔ ہزاروں مرید آپکے سلسلہ کو پھیلاتے رہے۔ سماع کی مجالس میں آپ پر وجد اور رقت طاری رہتی۔ نو ربیع الاول ۱۰۴۲ھ میں فوت ہوئے۔ آپ

---

[۱] خاتمہ مرآۃ احمدی ص۲۷۔

کا مزار احمدآباد میں ہے ۔

بعظمت شد چو در خلد معلیٰ — محمد اعظم آں فرخندہ انجام
وصالش فصل اسلام است پیدا ۱۰۴۲ھ — وگر از دل عیاں شیخ اسلام ۱۰۴۲ھ [1]

محمد بن احمد عاجز بن شیخ احمد گجراتی

عاجز کی دو مثنویاں "یوسف زلیخا" (۱۰۴۴ھ/۱۶۳۴ء) اور "لیلیٰ مجنوں" (۱۰۴۶ھ/۱۶۳۶ء) مشہور رہیں ۔

یوسف زلیخا میں عاجز نے اپنے اور اپنی کتاب کے بارے میں مفید مطلب معلومات فراہم کردی ہیں ۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں ۔

کہیا یو قصا بہوت اپروپ ہے — ہوئے دکھنی سوں تو بہت خوب ہے
نبی بعد ہجرت ہوئی یک ہزار — چہل چار پر جا کیا بر قطار
محمد اہے نام احمد پدر — تخلص ہیں عاجز ہوا سر بسر

محمد بن احمد عاجز شیخ احمد گجراتی کے بیٹے تھے ۔ یہ وہی شیخ احمد ہیں جنہوں نے محمد قلی قطب شاہ کے دربار میں اپنی دو طویل مثنویاں "یوسف زلیخا" اور "لیلیٰ مجنوں" پیش کیں تھیں ۔ بیٹے نے بھی اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چل کر اس دور کے رنگِ سخن کے مطابق یہی دو مثنویاں لکھیں ۔

"یوسف زلیخا" میں سلطان محمد عادل شاہ کی مدح سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دربار میں پیش کی گئی تھی ، لیکن لیلیٰ مجنوں میں جو یوسف زلیخا کے دو سال بعد لکھی گئی ، کسی بادشاہ یا امیر کی مدح میں کوئی شعر نہیں ملتا ۔ [2]

---

[1] خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۴۲۰،۴۱۹/۲ ۔ [2] تاریخ ادب اُردو تصنیف ڈاکٹر جمیل جالبی صفحہ ۲۴۲ ۔

عبدالحکیم لاہوری

وفات ۱۰۴۵ھ بمطابق ۱۶۳۵ء

شیخ عبدالحکیم، مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطانپوری کے فرزند ارجمند تھے۔ اپنے والد کے ساتھ حج کا سفر کیا۔ پھر انہیں کے ساتھ واپس آکر احمدآباد میں مقیم ہوئے۔ جب مخدوم الملک فوت ہوئے اور ان کا گھر بار لٹ گیا تو آپ احمدآباد سے لاہور آئے اور زاویۂ عزلت میں زندگی بسر کرنے لگے۔ علوم فقہیہ واصول کے ماہر اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ ۱۶۳۵ء/۱۰۴۵ھ میں بمقام لاہور فوت ہوئے اور زیب النساء کے باغیچے کے پاس دفن ہوئے۔ ''فصوص الحکم'' کی فارسی شرح (مقبول مفتی غلام سرور مقبول عام وخاص) اور چشتیہ کے اشغال واذکار سے متعلق ایک رسالہ موسوم بہ ''اسرار عجیبہ'' ان کی تصانیف ہیں۔ [۱]

محمد بن سید جلال الدین بخاری

مصنف لطائف شاہیہ

م ۱۰۴۵ھ

''لطائف شاہیہ'' سید محمد بن سید جلال الدین شاہی رضوی متوفی ۱۰۴۵ھ کی تصنیف ہے ۶۳ بابوں میں منقسم ہے۔ ہر باب کو لطیفہ سے تعبیر کیا ہے، اس میں حضرت شاہ عالم کے حالات زندگی تحریر کئے ہیں۔ دبھروچ کے قاضی صاحب کے کتب خانہ میں تھی۔ [۲]

---

[۱] تاریخ ادبیات مسلمانان پاک وہند (عربی ادب) صفحہ ۲۹۶۔ [۲] گجرات کی تمدنی تاریخ صفحہ ۲۳۳۔

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی

م ۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ بمطابق ۱۸ جون ۱۶۴۲ء

شیخ عبدالحق کے اجداد بخارا کے رہنے والے تھے ۔ ان کے اجداد میں سب سے پہلے آغا محمد ترک تیرھویں صدی عیسوی یعنی سلطان علاؤ الدین خلجی کے دور حکومت میں ۱۲۹۶ء میں ھندوستان تشریف لائے سلطان نے ان کی بڑی قدر و منزلت کی اور اعلی عہدوں سے نوازا ۔ ان دنوں گجرات کی مہم کی تیاریاں ہو رہی تھیں ۔ چنانچہ سلطان نے آغا محمد ترک کو اپنے امرار کی جماعت کے ساتھ گجرات روانہ کر دیا آغا محمد گجرات کی فتح کے بعد وہیں سکونت پذیر ہو گئے ۔ ان کے ایک سَو ایک بیٹے تھے جن کے ساتھ وہ

نہایت شان وشوکت سے دن گذارتے تھے ۔ ایک ہولناک حادثہ میں نو لڑکے انتقال کر گئے صرف ایک لڑکا ملک معزالدین بچا جس سے اس خاندان کا سلسلہ چلا ۔ آغا محمد اس صدمہ سے نڈھال ہوکر پھر دہلی واپس آگئے اور شیخ صلاح الدین سہروردی کی خانقاہ میں معتکف ہوگئے ۷۲۹ھ مطابق ۱۳۲۸ء کو سلطان بن محمد تغلق کے زمانے میں آغا محمد ترک نے داعی اجل کو لبیک کہا اور دہلی ہی میں عیدگاہ شمسی کے عقب میں سپرد خاک کیے گئے ۔

ملک معزالدین سے اس خاندان کا سلسلہ جاری ہوا خدا تعالیٰ نے ان کو بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا ۔ شیخ عبدالحق تحریر فرماتے ہیں کہ :

حق تعالیٰ نے ملک معزالدین کو یہ مرتبہ دیا کہ گویا سوآدمیوں کی استعداد اور فیضان ان کو تنہا عطا فرمایا ۔ [۱]

ان کے بعد ان کے بیٹے ملک موسیٰ نے بڑی عزت وشہرت حاصل کی ۔ ان کے کئی بیٹے تھے ان میں شیخ فیروز نے خاندان کو زیادہ عزت بخشی ۔ شیخ فیروز ۸۶۰ھ مطابق ۱۴۵۵ء میں بہرائچ کے کسی معرکہ میں شہید ہوگئے اس وقت ان کی بیوی حاملہ تھیں ۔ کچھ عرصہ بعد ان سے شیخ سعداللہ یعنی شیخ عبدالحق کے دادا پیدا ہوئے ۔ جو اپنے زمانے کے کامل شیخ ہوئے ۔ شیخ سعداللہ شاہ جلال گجراتی کے مریدوں میں سے تھے ۔ شیخ سعداللہ نے ۹۲۷ھ مطابق ۱۵۲۱ء میں اس دنیا کو رخصت کیا اور اپنے پیچھے دو لڑکے چھوڑے شیخ رزق اللہ اور شیخ سیف الدین ۔ والد کے انتقال کے وقت شیخ سیف الدین کی عمر آٹھ سال تھی ۔ وفات سے قبل والد ماجد نے آپ کے لئے دعا فرمائی تھی ۔ جس کا تذکرہ خود انہوں نے کیا ہے اور شیخ عبدالحق نے اخبارالاخیار میں اس کو تحریر فرمایا ہے کہ :

---

[۱] اخبارالاخیار ۔

نماز تہجد کے بعد مجھے قبلہ رو کھڑا کیا اور کہا الہٰی تو جانتا ہے کہ میں دوسرے لڑکے کی تربیت سے فارغ ہو چکا ہوں لیکن اس لڑکے کو یتیم و بے کس چھوڑ رہا ہوں، اس کو تیرے سپرد کرتا ہوں تو ہی اس کی تربیت اور حفاظت فرما۔

چنانچہ یہ لخت جگر بعد میں دہلی کا نہایت ہی باوقعت اور باعزت انسان بنا اور اسی کے گھر میں وہ آفتاب علم طلوع ہوا جس نے ساری فضائے علم کو منور کیا یعنی شیخ عبدالحق محدث دہلوی جن کا تذکرہ ہم یہاں کر رہے ہیں۔

تعلیم شیخ عبدالحق محدث دہلوی محرم ۹۵۸ھ میں پیدا ہوئے۔ قرآن پاک سے لیکر مصباح و کافیہ تک تعلیم اپنے والد شیخ سیف الدین سے حاصل کی پھر کسی دوسرے استاذ کے پاس بارہ سال کی عمر میں شرح شمسیہ اور شرح عقائد پڑھی اور پندرہ سال کی عمر میں مختصر و مطول کا درس لیا اور تقریباً اٹھارہ سال کی عمر میں بقدر کفایت تمام علوم نقلی و عقلی سے فارغ ہو گئے اس کے بعد کلام پاک حفظ کیا بیس برس کی عمر میں درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ ۳۸ رسال کی عمر میں حجاز کا شوق دامنگیر ہوا۔ اسی ارادہ سے ۹۹۶ھ مطابق ۱۵۸۷ء کے شروع میں حجاز کی طرف روانہ ہوئے۔ محمد غوثی نے گلزار ابرار میں لکھا ہے کہ شیخ ۹۹۵ھ کے شروع میں مالوہ ہوتے ہوئے گجرات پہنچے۔ یہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ جہاز کا موسم گذر چکا ہے۔ چنانچہ آپ سال بھر وہیں رہے۔

احمدآباد میں اس زمانہ میں مرزا عزیز کوکہ مالوہ کے حاکم تھے اور اکبر کے رضاعی بھائی تھے۔ شیخ عبدالحق نے ان کے پاس بھی قیام فرمایا وہاں سے مانڈو تشریف لے گئے اور مانڈو سے روانہ ہو کر شیخ محدث احمدآباد پہنچے۔ وہاں ان دنوں مرزا نظام الدین احمد مصنف طبقات اکبری صوبہ کے بخشی تھے انہوں نے نہایت گرم جوشی سے شیخ کا استقبال کیا اور اصرار کرکے

آئندہ موسم حج تک اپنے پاس ٹھہرایا۔

احمد آباد میں شیخ عبدالحق دہلوی شیخ وجیہہ الدین علوی کی خدمت بابرکت میں بھی حاضر ہوئے اور انکی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ خود شیخ عبدالحق اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں کہ :

> محرر سطور جب سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے ارادے سے احمد آباد گجرات پہنچا تو اس وقت وہاں مشائخ متاخرین میں شیخ وجیہہ الدین علوی جو جامع کمالات و برکات سن رسیدہ بزرگ تھے۔ درس و تدریس میں مشغول تھے۔ کتابوں کی تصنیف و ترتیب اور ارشاد طالبان حق میں ان کا انہماک تھا۔ ان کی ملاقات کی سعادت حاصل کی اور سلسلہ قادریہ کے کچھ اذکار و اشغال ان سے حاصل کئے۔

شیخ محدث دہلوی، دہلی سے بلا کسی زاد راہ کے احمد آباد پہونچے تھے۔ احمد آباد میں مرزا نظام الدین بخشی جو ان کے دیرینہ دوست تھے ان کو اپنے یہاں ٹھہرایا اور جب جہاز روانہ ہونے کا وقت آیا تو زاد راہ فراہم کیا اور جہاز کا بندوبست کیا۔

رسالہ صلوٰۃ الاسرار میں شیخ محدث نے لکھا ہے کہ ان کا شریک سفر ایک قادری درویش تھا۔ صبح کو جب جہاز کا لنگر اٹھایا جاتا تو یہ درویش جہاز کے ایک کونے میں بیٹھا ہوا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کا نام زور زور سے لیا کرتا۔ شیخ کو ان کی آواز بہت بھلی معلوم ہوتی تھی۔

مکہ مکرمہ میں محدث دہلوی ماہ رمضان سے کافی عرصہ قبل مکہ معظمہ پہونچ گئے تھے۔ چنانچہ رمضان ۹۹۶ھ تک انہوں نے وہاں کے محدثین سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا درس لیا۔ پھر شیخ علی متقی کے شاگرد شیخ عبدالوہاب متقی کے علمی و عملی کمالات کا مشاہدہ کرنے کے بعد ان کے دامن سایہ فگن سے وابستہ ہو گئے۔

رمضان المبارک آیا تو شیخ عبدالوہاب متقی کے زیر نگرانی حرم شریف میں سنت اعتکاف

بجالائے بعد رمضان انہی کے پاس مشکوٰۃ کی تصحیح کی اور جب حج کا موسم آیا تو شیخ عبدالوہاب ہی کی معیت میں تمام مناسک حج ادا کئے۔ حج سے فراغت کے بعد جب محدث دہلوی نے مدینہ منورہ کا ارادہ فرمایا تو شیخ عبدالوہاب نے کہا کہ ہوا نہایت سرد اور تم کمزور بدن ہو اگر اسی وقت چلے گئے اور کوئی بات ہوگی تو واپسی کو جلد جی چاہنے لگے گا۔ اس لئے چند روز تحمل کرو۔

مدینہ منوّرہ میں

شیخ عبدالحق مدینہ منورہ کی حاضری کے لئے بہت بے تاب تھے مگر شیخ کے مشورہ کی خلاف ورزی کیسے کرتے۔ مجبوراً دو تین ماہ صبر کیا جب ربیع الاول آیا تو بے تابی شوق بڑھی اور شیخ سے پھر اجازت چاہی۔ شیخ نے فرمایا کہ اگر زائد صبر کی طاقت نہیں ہے تو مبارک ہو۔ اجازت پاکر ۲۳ ربیع الاول کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے اور ۶/۵ ربیع الآخر کو مدینہ منورہ پہونچے۔ اور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضری کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ جمعہ کی رات آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اپنا قصیدہ پیش کیا۔ جب اس شعر پر پہونچے سے

خرابم در غم ہجر جمالت یا رسول اللہ ۔۔۔ جمال خود نما رحمے بجان زار شیدا کن

تو اس کی تکرار کرتے کرتے زار زار رونے لگے۔ شیخ خود فرماتے ہیں کہ غالب گمان یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند فرمایا کیونکہ رجب ۹۹۸ھ کی ۱۷ یا ۱۰ تاریخ کو رات جبل احد کے قریب ایک مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور میں آپ سے بغلگیر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔

شیخ محدث رجب تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے پھر مکہ معظمہ آکر شیخ عبدالوہاب سے مشکوٰۃ کا درس پورا کیا۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو شیخ عبدالوہاب نے فرمایا!

الحمد للہ اس علم پر پورا عبور حاصل ہو گیا بلکہ اس قدر ہو گیا ہے کہ اس علم کی خدمت کا حق ادا کیا جا سکتا ہے۔ اب چند دن دوسرے کام میں مصروف ہونا چاہئے

اور خلوت و ذکر اللہ کی کچھ لذت بھی چکھنی چاہئے ۔ (زاد المتقین)

شیخ عبدالوہاب نے آپ کو تصوف کی کچھ کتابیں پڑھائیں ۔ ان میں قواعد الطریقہ فی الجمع بین الشریعۃ والحقیقہ ، اور منہج السالک الی اشرف المسالک ۔ قابل ذکر ہیں ۔ آخر الذکر کتاب عربی میں ہے ۔ جس کا شیخ محدث نے فارسی میں ترجمہ کیا ہے ۔

پھر شیخ عبدالوہاب نے شیخ محدث دہلوی کو حرم شریف کے ایک حجرے میں جو باب جیاد کے مقابل اور حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان واقع تھا بٹھا دیا ۔ شیخ عبدالوہاب نے اس زمانہ میں انکی طرف خاص توجہ فرمائی ۔ ان کا یہ دستور تھا کہ ہر جمعہ کو حرم شریف میں حاضر ہوا کرتے تھے ۔ جب یہاں آتے تو شیخ عبدالحق سے بھی ملتے اور انکی عبادت وریاضت کی نگرانی فرماتے ۔ جب اس خلوت کدہ سے باہر آنے کی اجازت ملی تو شیخ محدث نے صحیح مسلم کی قرأت کی اجازت چاہی ۔ جب اس سے بھی فارغ ہو گئے تو حکم ہوا "اب ہندوستان کا ارادہ کرو" چنانچہ باوجود نہ چاہنے کے شیخ محدث دہلوی کو ہندوستان کا رخ کرنا پڑا ۔

خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں

رسالہ وصیت میں شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ جب ہندوستان واپس آیا تو خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندی کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا ۔ عرصہ تک طریقہ خواجگان کی مشق کی اور ذکر مراقبہ رابطہ حضور اور یادداشت کی تعلیم حاصل کی ۔

محمد صادق ہمدانی نے کلمات الصادقین میں لکھا کہ شیخ محدث نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے روحانی ارشاد پر حضرت خواجہ باقی باللہ کے دست حق پر بیعت کی تھی اگر سولہویں صدی کے آخر اور سترھویں صدی کے شروع کی مذہبی اور روحانی تاریخ کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو گی کہ حضرت خواجہ باقی باللہ کی ذات گرامی احیاء سنت اور اماتتِ بدعت کی تمام تحریکوں کا منبع و مخرج تھی ۔ ان کے ملفوظات ومکتوبات کا ایک ایک حرف ان کی مجددانہ مساعی ، بلندیِ فکرونظر کا شاہد ہے ۔

شیخ عبدالحق نے احیاء علوم کا بیڑا اٹھایا تو حضرت باقی باللہ کا آفتابِ ارشاد نصف النہار پر تھا ناممکن تھا کہ وہ ان سے کسب فیض نہ کرتے ۔ ان کا مختصر سا حال سپرد قلم کیا جاتا ہے ۔

خواجہ باقی باللہ

خواجہ صاحب ۹۷۱ھ میں کابل میں پیدا ہوئے ۔ ان کے والد ماجد قاضی عبدالسلام علم و فضل میں ممتاز تھے ۔ فقہ و حدیث میں کمال رکھتے تھے ۔ انہوں نے اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ کی ۔ خواجہ محمد باقی نے ملا صادق حلوائی سے علم حاصل کیا ۔

ایک مرتبہ دوران درس ایک مجذوب نے خواجہ صاحب کو مخاطب کر کے کہا ؎

درکنز و ہدایہ نتواں دید خدا را　　　　آئینہ دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

اس شعر کا سننا تھا کہ خواجہ صاحب کا دل علوم ظاہری سے گھبرا گیا اور مرشد کامل کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے ۔ عرصہ تک صحرا نوردی کرتے رہے ۔ مختلف بزرگوں کی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کیا ۔ اور بالآخر ایک روحانی اشارے پر ھندوستان کا رخ کر دیا اور یہاں آکر نقشبندیہ سلسلہ کے فیض کو عوام و خواص تک پہنچایا ۔

شیخ عبدالحق نے خواجہ باقی باللہ کے دامن تربیت سے وابستہ ہو کر بہت کچھ حاصل کیا کتاب المکاتب والرسائل میں خواجہ صاحب کے نام جو خطوط لکھے ہیں ان کا ذکر کیا ہے ۔

مہدوی تحریک

شیخ عبدالحق جب پیدا ہوئے تو مہدوی تحریک عروج پر تھی ۔

مہدوی تحریک کے بانی سید محمد جونپوری ۱۴ جمادی الاول ۸۴۷ھ مطابق ۱۴۴۳ء جونپور میں پیدا ہوئے تھے ۔ وہ دل و دماغ کی بڑی خوبیوں کے مالک تھے اسی لئے معاصرین نے ان کو اسد العلماء کا خطاب دیا تھا ۔ درس و تدریس میں خاص مہارت تھی ان کے حلقۂ درس میں شاہ و گدا سب ہی شریک ہوتے تھے ۔ چالیس سال کی عمر میں سید محمد جونپوری معتقدین کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر حجاز چلے گئے

وہاں عرصہ تک ارشاد وتلقین اور درس وتدریس میں مصروف رہے۔ مہدوی تذکروں میں لکھا ہے کہ ۹۰۵ھ؍۱۴۹۵ء میں جب کہ ان کی عمر باون سال تھی انہوں نے مکہ میں مہدویت کا اعلان کیا۔ اس کے بعد وہ گجرات کی طرف متوجہ ہو گئے اور احمد آباد میں مہدوی تحریک کا مرکز قائم کیا۔ وہاں علماء نے انکی شدید مخالفت کی لیکن جتنی وہ مخالفت کرتے تھے اتنی ہی انکی تحریک ترقی کرتی تھی۔

مولانا ابوالکلام آزاد تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ :

> عشق کی صداقت اور قلب کی پاکی نے انکی دعوت وتذکیر میں ایسی تاثیر بخشی تھی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ہزاروں آدمی حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور متعدد سلاطینِ وقت نے ان سے بیعت کی۔ ان لوگوں کے طور وطریق کچھ عجیب عاشقانہ و والہانہ تھے اور صحابۂ کرام کے خصائص کی یاد تازہ کرتے تھے۔ عشق الٰہی کی ایک جاں سپار جماعت تھی جس نے اپنے خون کے رشتوں اور وطن و زمین کی فانی الفتوں کو ایمان ومحبت کے رشتہ پر قربان کر دیا تھا اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر راہ حق میں ایک دوسرے کے رفیق و غمگسار بن گئے تھے۔ امیر و فقیر، اعلیٰ و ادنیٰ سب ایک ہی حال اور ایک رنگ میں رہتے اور بجز خلق اللہ کی ھدایت وخدمت اور احکام شرع کے اجراء و قیام کے اور کسی کام سے واسطہ نہ رکھتے تھے۔

سید محمد مہدی کا مقصد اگرچہ احیاء سنت اور اماتت بدعت تھا لیکن ان کی تحریک زیادہ عرصہ تک نہ چل سکی۔ مہدویت کا تصور اسلام کے ایک بنیادی اصول ختم نبوت سے ٹکرا گیا اور شیخ علی متقی، شیخ عبدالوہاب متقی اور دیگر علمائے اسلام نے اس کی پرزور تردید کی اور آخرکار یہ فتنہ نیست و نابود ہو گیا۔

شیخ عبدالحق اور علم حدیث:۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح حجاز سے

واپس آئے تو اپنے ساتھ علوم کا خزینہ بھی ساتھ لے آئے ۔ اور پھر اشاعت علوم میں مشغول ہوگئے ۔ بالخصوص علم حدیث کی اشاعت وتدریس میں ایسے منہمک ہوئے کہ پورے ملک ھندوستان میں ایک سلسلۂ تعلیم عام ہوگیا ۔ آپ نے فن حدیث میں کئی کتابیں لکھیں عربی میں مشکوٰۃ کی شرح لمعات مشہور رہے ۔ فارسی میں اشعۃ اللمعات ہے جو لمعات سے زیادہ مفصل ہے ۔ [1]

ایک وضاحت

اس میں کوئی شک نہیں کہ شیخ عبدالحق نے علم حدیث کے سلسلہ میں ھندوستان میں زبردست خدمات انجام دی ہیں ۔ اور انہی کی کوششوں سے ہندوستان میں حدیث کا خوب چرچا ہوا لیکن یہ جو مشہور رہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح سب سے پہلے وہ شخص ہیں جو عرب سے فن حدیث شریف لائے ۔ جیسا کہ نواب صدیق حسن خاں نے بھی اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ شیخ عبدالحق ہی سب سے پہلے علم حدیث کو یہاں لائے اور اس کی نشر واشاعت کی ۔ یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ حجاز مقدس میں جن مشائخ سے آپ نے علوم ظاہرہ وباطنہ حاصل کئے اور جن سے مشکوٰۃ پر عبور حاصل کیا یعنی شیخ عبدالوہاب متقی بھی گجرات سے حجاز جاکر مقیم ہوئے تھے ۔

گجرات کے شہر پٹن نہروالہ احمد آباد بھروچ اور سورت میں ان کے سفر حجاز سے بہت پہلے حدیث کا چرچا عام ہوچکا تھا ۔ چنانچہ سید عبدالقادر حضرمی لکھتے ہیں !

وفیها (ای فی سنۃ ۹۷۴) فی رجب ختم صحیح البخاری عند الامیر الصالح الغخان الحبشی بقراءۃ العلامۃ القاضی جمال الدین محمد المهائمی وعمل الغخان لختمہ ضیافۃ عظیمۃ ۔ [2]

رجب ۹۷۴ھ میں امیر الغخان کی موجودگی میں علامہ جمال الدین مہائمی کی قرأت سے

---

[1] رود کوثر [2] النور السافر۔

ختم بخاری کی تقریب ہوئی اس موقع پر النعمان نے ایک بڑی دعوت کا اہتمام کیا تھا۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے سفر حرمین سے پہلے گجرات میں بخاری شریف کا درس جاری تھا کیونکہ محدث دہلوی کا سفر حجاز ۹۹۵ھ کے بعد ہے۔

تصانیف آپ نے حدیث کے علاوہ سب سے زیادہ توجہ سیرت النبی کی تاریخ پر دی۔ چنانچہ آپ نے مدارج النبوۃ کے عنوان سے سیرت النبی پر ایک مبسوط کتاب ترتیب دی۔ مدینۃ النبی کی تاریخ میں جذب القلوب فی دیار المحبوب بھی مشہور ہے جس کا اردو ترجمہ تاریخ مدینہ منورہ کے نام سے شائع ہوا ہے۔
شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کی دوسری دلچسپی قادریہ سلسلہ کے بانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے تھی۔ آپ نے ان تصانیف کو رائج کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ غنیۃ الطالبین کا ترجمہ کیا۔ فتوح الغیب کی شرح لکھی۔ شیخ عبدالقادر جیلانی کی سوانح عمری بہجت الاسرار کا خلاصہ زبدۃ الآثار کے عنوان سے مرتب کیا۔
آپ کی ایک اور تصنیف زاد المتقین الی طریق الیقین ہے جس میں ان شیوخ واساتذہ کے حالات لکھے ہیں جن سے آپ نے سفر حجاز میں فیض حاصل کیا۔
ایک رسالہ نورانیہ سلطانیہ ہے جس میں جہانگیر کے لئے سلطنت اور قواعد حکمرانی کو ترتیب دیا ہے۔
آپ کی سب سے زیادہ کامیاب تالیف اخبار الاخیار ہے جس میں آپ نے ہندوستان کے اولیاء اور بزرگوں کے حالات تاریخی ترتیب سے لکھے ہیں۔
ان تصانیف کے علاوہ سو سے زائد اور تصانیف ہیں۔ آپ شاعر بھی تھے اور حقی تخلص تھا۔ آپ کا مجموعۂ کلام حسن الاشعار کے نام سے مرتب ہوا ہے۔ [1]

وصال: ۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ کو یہ آفتاب علم جس نے ۹۴ سال تک

[1] رود کوثر۔

فضائے ہند کو منوّر رکھا غروب ہوگیا۔ آپکی وصیت کے مطابق حوضِ شمسی کے کنارے آپکو سپردِ خاک کیا گیا۔ [1]

حضرت عبدالحق محدث دہلوی رح مدینہ منورہ میں حدیث ختم کر چکے تو حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ تم ہندوستان میں جاکر علم حدیث کو شائع کرو تاکہ لوگ فیض یاب ہوں۔ آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر حضوری آستانہ مبارک میری زندگی کس طرح کٹے گی۔ حکم ہوا کہ تم رات کے وقت مراقب ہو کر بیٹھا کرو۔ ہمارے پاس پہنچ جایا کروگے۔ جب بیدار ہوئے تو بہ تعمیل حکم ہندوستان کی راہ لی۔ جس وقت سورت یا بمبئی سے ہندوستان روانہ ہوئے تو جابجا فقراء سے ملنا شروع کیا۔ ایک جگہ پہنچے تو لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کوئی فقیر ہے؟ کسی نے نشان دیا کہ فلاں محلہ میں ہے۔ فجر کے وقت انکی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھتے ہی فقیر بولا کہ مولوی عبدالحق صاحب آپ کا بڑا انتظار تھا۔ آپ چپ بیٹھ گئے، بعد مزاج پرسی فقیر صاحب نے جام و صراحی نکال کر ایک ساغر نوش کیا۔ دوسرا جام لبریز کر کے مولوی صاحب کو دیا۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ حرام ہے تین بار انکار کیا اس نے کہا لے ورنہ پچھتائے گا۔ جب رات کو مراقب ہوئے تو دیکھا جہاں خیمہ دربار رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم ایستادہ ہے اس سے سو قدم آگے وہ فقیر لٹھ لئے کھڑا ہے۔ ہرچند مولوی صاحب نے آگے جانے کا قصد کیا لیکن فقیر نے جانے نہ دیا۔ ناچار واپس آئے۔ صبح کے وقت پھر اس فقیر کے پاس پہنچے اس نے پھر جام پیش کیا۔ آپ نے نہ لیا کہ میرے واسطے حرام ہے۔ تیرے حکم سے خدا اور رسول کا حکم افضل ہے۔ فقیر نے کہا کہ پی لو ورنہ پشیمانی اٹھاؤ گے۔ رات کو پھر وہی معاملہ پیش آیا۔ نہایت حیران ہوئے۔ تیسرے روز پھر اس فقیر کے پاس پہنچے اس نے پھر پیالہ پیش کیا

---

[1] گلزار ابرار صفحہ ۵۹۸

آپ نے انکار کیا۔ چوتھی شب جو مراقب ہوئے فقیر کو پھر سدّ راہ پایا۔ فقیر لٹھ لے کر انکی طرف دوڑا کہ خبردار جو اس طرف قدم اٹھایا۔ اس وقت اضطراب میں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا۔ اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا کہ عبدالحق چار شب سے حاضر نہیں ہوا۔ دیکھو تو باہر کون پکارتا ہے بلاؤ انہوں نے دونوں صاحب کو حاضر کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ عبدالحق چار رات سے تو کہاں تھا۔ انہوں نے سارا قصہ بیان کیا۔ حضرت نے اس فقیر کی نسبت کہا اُخْرُجْ یَا کَلْبُ۔ صبح کے وقت پھر شاہ صاحب فقیر کے پاس پہنچے اس کا حجرہ بند پایا۔ دو چار مرید بیٹھے ہوئے تھے۔ پوچھا کیا سبب ہے کہ اتنا دن چڑھے بھی انہوں نے دروازہ نہیں کھولا دیکھو کہ ہیں بھی یا نہیں۔ دروازہ کھولا تو پیر ندارد۔ حیران ہوئے۔ شاہ عبدالحق نے فرمایا کہ کوئی جانور یہاں سے نکلا ہے یا نہیں؟ وہ بولے کہ ایک کالا کتا تو ہم نے یہاں سے جاتا ہوا دیکھا تھا۔ فرمایا کہ بس وہی تمہارا پیر تھا کیونکہ رات یہ معاملہ پیش آیا تمہارا پیر کتا ہو گیا۔ [1]

سُلطانُ الہند امیر جوہر

م ۱۰۵۶ھ بمطابق ۱۶۴۶ء

شیخ بن عبداللہ عیدروس سے مستفید ہونے والوں میں امیر جوہر سلطان الہند ہیں جو بچپن میں اپنے بھائی کے ہمراہ ہندوستان لائے گئے۔ سلطان برہان نظام شاہ

عادل نے دونوں بھائیوں کو خرید لیا۔ اور ایک بھائی جوہر کو تعلیم قرآن کے لئے علماء کے سپرد کیا۔ انہوں نے قرآن پڑھا اور دیگر کتب پڑھیں، پھر گھوڑ سواری، تلوار چلانا، نیزہ بازی، تیراندازی وغیرہ میں مہارت حاصل کی یہاں تک کہ دو سو گھوڑے سواروں پر آپ کو امیر مقرر کیا گیا۔ آپ شافعی المذہب تھے۔ آپ نے شیخ بن عبداللہ عیدروس کے علاوہ مشائخ کی ایک جماعت سے علم حاصل کیا۔ انکی صحبت میں رہے یہانتک کہ شیخ بن عبداللہ عیدروس کی طرف سے خرقۂ خلافت بھی ملا۔ جیساکہ شلی فرماتے ہیں کہ میں آپ سے ہندوستان میں اپنے سفر کے دوران ملا ہوں اور آپ کو بڑا فاضل و بڑا عالم پایا۔ خود شلی سے بھی انہوں نے فقہ، نحو، حدیث وغیرہ علوم پڑھے شلی فرماتے ہیں کہ آپ بڑے عبادت گذار تھے کوئی ساعت تلاوت قرآن، ذکر اللہ یا نماز سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام سے خالی نہیں جاتی تھی اور آپ دقائق علوم اور سلاطین کے حالات وغیرہ کی کتب کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ آپ بڑے جری، بڑے بہادر، بڑے مدبر تھے۔ آپ مسلسل غزوات اور کفار سے جہاد میں مشغول رہے۔ پھر زمانہ کے انقلابات کی بنا پر اپنی مملکت کو چھوڑ کر بیجاپور تشریف لے گئے۔ اور وہیں ۱۰۵۶ھ مطابق ۱۶۴۶ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ اور اہل بیت اور سادات اور عرب کے مقبرے میں بیجاپور شہر میں دفن کئے گئے۔ [۱]

ہاشم علی

م ۱۰۵۶ھ مطابق ۱۶۴۶ء

آپ کا نام ہاشم علی تھا اور پورے نام کو آپ بطور تخلص استعمال کرتے تھے۔

---

[۱] خلاصۃ الاثر ج ۱ ص ۴۵

انڈیا آفس لائبریری کے کیٹلاگ کے مرتب نے آپ کو بیجاپوری لکھا ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ آپ (۱۰۳۵ھ/۱۶۲۵ء ۱۰۵۶ھ/۱۶۴۶ء) میں بقید حیات تھے نیز آپ کو حضرت شیخ احمد فاروقی الملقب بہ حضرت مجدد الف ثانی رح کا مرید بتایا گیا ہے یہ سب امور غلط فہمی پر مبنی ہیں۔ آپ کا وطن گجرات تھا، جس کا آپ نے خود ذکر کیا ہے

ہاشم علی لکھا تو ں نے کس دولہن کی بانا ں
اس غم سے ہے جگر خون اور چشم اشک ریزاں
گجرات میں پڑھے جب یہ مرثیے کو یاراں
سن کر چلے ہیں دکھی اپنے دکھن کو روتے

آپ کا زمانہ حضرت مجدد الف ثانی رح سے تقریباً ایک صدی بعد کا ہے۔ ڈاکٹر زور کی تحقیق کے مطابق (۱۱۵۸ھ/۱۷۴۵ء) میں آپ خاصے مشہور ہو چکے تھے۔ ایک مرثیے کی تاریخ تصنیف آپ نے "عین و قاف و سین و طا" سے نکالی ہے۔ جس سے ۱۱۶۹ھ/۱۷۵۵ء برآمد ہوتی ہے۔

آپ کے معاصرین میں حافظ رضی، رومی، مرزا، دکنی اور وفادر گجراتی جیسے شعراء شامل تھے۔ ایک جگہ آپ نے ان شعراء کی دائمی مفارقت کا ذکر مندرجہ ذیل شعر میں کیا ہے۔ ؎

ہزار حیف نہیں شاعرانِ دکن　　　سو رومی و مرزا و وفادر نہیں

آپ نے اپنا مجموعہ مراثی "دیوان حسینی" کے نام سے مرتب کیا تھا۔ جس کا ایک نسخہ اڈنبرا یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے۔ اس دیوان کی ابتداء میں آپ نے اس کے نام کی توجیہہ یوں کی ہے۔ ؎

شاعراں نے شعر بولے گرچہ رنگین دل کشنا
اے عزیزاں یہ سخن ہے اس دل بریاں کا

تو ں لکھا ہے کربلا کا یو بیان ہاشم علی
ہے یو دیوان حسینی نام اس دیوان کا [1]

شیخ جلال الدین محمد

م ۲۰ ربیع الاول ۱۰۵۴ھ بمطابق ۲۴ اپریل ۱۶۴۴ء

شیخ جلال الدین محمد بن جلال حسینی بخاری ۔ جو مقصود عالم سے معروف ہیں گجرات میں پندرہ ۱۵ جمادی الاخری ۱۰۰۵ھ کو پیدا ہوئے ۔ قرآن حکیم پہلے آپ نے حفظ کیا اور ابتدائی تعلیم مولانا حسین بستانی سے ، اور شیخ عبدالعزیز سے حاصل کی جو آپ کے والد کے تلامذہ میں سے تھے اس کے بعد طریقت کے حصول میں مصروف ہوئے ۔ اور طویل زمانے تک اپنے والد سے علم طریقت حاصل کرتے رہے شاہ جہاں نے آپکو اکبر آباد بلا لیا ۔ اور آپ کو صدارت سپرد فرمائی ۔

سلطان شاہجہاں آپ کے فضل وکمال کے بڑے معترف تھے اور کہا کرتے تھے کہ آپ کا وجود اس زمانے میں غنیمت ہے ۔ اس لئے آپ کو انکی طرف سے مناصب رفیعہ بھی حاصل ہوئے ۔

۲۰ ربیع الاول ۱۰۵۷ھ کو آپ نے انتقال فرمایا اور لاہور سے احمد آباد آپ کی نعش کو دفن کیلئے لایا گیا اور احمد آباد میں اپنے والد کے پہلو میں آپ کو دفن کیا گیا ۔ [2]

---

[1] تاریخ ادبیات ص ۵۱۶ ج ۴ [2] مرآۃ احمدی ، نزھۃ الخواطر ص ۱۵۹ ج ۵ ص ۱۱۳ ج ۵ ۔

شیخ احمد بن ابوبکر

وفات ۱۰۵۰ھ مطابق ۱۶۴۰ء

شیخ احمد بن ابوبکر جو ابن الشلی یمنی کے نام سے معروف ہیں، تریم میں پیدا ہوئے اور قرآن کریم محمد باعلبشہ سے حفظ کیا، تجوید ان سے پڑھی جزری، عقیدۂ غزالیہ، اربعین نووی، اجرومیہ کو حفظ کیا، اسی طرح ارشاد، ورقات الاصول اور قطر الندی وغیرہ پڑھیں۔ اور متعدد مشائخ سے آپ نے علم حاصل کیا جن میں آپ کے والد محترم علامہ ھادی بن عبدالرحمن، قاضی احمد بن حسین، شیخ ابوبکر، ان کے بھائی شہاب الدین ابن عبدالرحمن، شیخ عبدالرحمن بن عبداللہ، شیخ زین العابدین عیدروس، شیخ عبدالرحمن السقاف وغیرہ معروف ہیں فقہ، حدیث اور علوم عربیہ میں مہارت حاصل کرنے کے بعد مشائخ سے طرق تصوف میں بھی آپ کو اجازت ملی، اور متعدد مشائخ کی طرف سے آپ کو خرقۂ خلافت بھی ملا۔ اس کے بعد آپ ہندوستان تشریف لائے۔ اور یہاں ہندوستان میں شیخ، شیخ بن عبداللہ عیدروس سے تصوف کی تعلیم حاصل کی اسی طرح سید ابوبکر بن احمد عیدروس کی صحبت میں رہے۔ نیز شیخ جعفر عیدروس، سید عمر بن عبداللہ باشیبان سے بھی مستفید ہوئے۔ یہاں ہندوستان میں ملک عنبر سے بھی ملاقات رہی انہوں نے آپ کو بہت اچھی طرح رکھا۔ اور انکی وجہ سے ان علاقوں کے سلاطین اور ملوک کے یہاں بھی آپ کی شہرت ہوئی۔ اس کے بعد آپ یمن واپس تشریف لے آئے۔ لیکن وطن پہنچ کر بھی اس علم وفضل کے باوجود آپ علوم کی تحصیل میں برابر مشغول رہے قاضی احمد بن حسین سے فتح الجواد اور احیاء العلوم پڑھی۔ اسی طرح شیخ عبدالرحمن السقاف سے لغتِ عربیہ اور حدیث پڑھی اور تصوف کی

کتابیں ان سے پڑھیں پھر حرمین کا سفر کیا اور وہاں بھی علم کی تحصیل میں مشغول رہے، اسوقت حرمین میں مقیم جن مشائخ سے آپنے استفادہ کیا ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

شیخ عارف محمد بن علوی، شیخ عبدالعزیز زمزمی، شیخ محمد بن علی بن علان، شیخ سعید باقشیر، شیخ محمد بن عبدالمنعم الطائفی، سید احمد بن حادی، شیخ احمد بن محمد القشاشی۔

مشائخ میں سے اکثر نے آپ کو اپنی مرویات اور تالیفات کی روایت کی اجازت عطا فرمائی۔ اس کے بعد آپ حرمین سے واپس لوٹ آئے۔

ماہر علماء سے طویل زمانے تک استفادے کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و فضل میں بڑا اونچا مرتبہ عطا فرمایا۔ آپ حساب اور فرائض کے ماہر اور لغت کے ماہرین میں بہت اونچے مرتبے پر فائز ہوئے اور آپ سے بھی طلبہ کی ایک بڑی تعداد نے استفادہ کیا۔

آپ نہایت خوش اخلاق ہونے کے ساتھ ساتھ رات بھر قیام میں گزارتے اور عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ مخلوق کی اذیتوں پر صبر کرنے والے تھے۔ مساکین و فقراء سے بہت محبت کرتے تھے۔ فرماتے کہ "جس کو اللہ تعالیٰ اس زمانے میں فقر میں مبتلا فرمائے اس کا معتقد ہونا چاہیئے"، آپ کے بھائی آپ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ "میں جتنا عرصہ آپ کی صحبت میں رہا میں نے کبھی آپ کو غصے ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اور کسی نے آپ کو اذیت پہنچائی ہو تب بھی اس کی یا اور کسی کی غیبت کرتے ہوئے نہیں دیکھا"۔

آپنے تریم میں ۱۰۵۰ھ بمطابق ۱۶۴۰ء میں انتقال فرمایا۔ اور آپ کی ولادت ۱۰۱۹ھ بمطابق ۱۶۱۰ء میں ہوئی زنبل کے مقبرہ میں آپ دفن کئے گئے۔ وہاں آپکی قبر مشہور و معروف ہے۔

۱؎ خلاصۃ الاثر ص ۱۶۲، ۱۶۳ / ۱ج۔

البدرالطالع میں آپ کے متعلق مذکور ہے کہ : سیداحمد بن ابوبکر بن احمد بن ابوبکر بن عبداللہ بن ابوبکر علوی شلی حسینی حضرمی ۔ آپ تریم میں ۱۰۱۹ھ میں پیدا ہوئے اپنے والد محمد ہادی بن عبدالرحمٰن بن شہاب الدین، قاضی احمد بن حسین، سیدابوبکر، اور سید شہاب الدین ابوعبدالرحمٰن بن شہاب وغیرہ علماء سے علم حاصل کیا، اور فقہ، حدیث اور ادب میں مہارت حاصل کی ۔ ہندوستان کا سفر کیا اور وہاں کے علماء کی ایک جماعت سے پڑھا ۔ پھر اپنے وطن واپس لوٹنے کے بعد حرمین کے لئے روانہ ہو گئے ۔ بعد ازاں اپنے وطن واپس لوٹے اور اپنے وطن ہی میں ۱۰۷۰ھ میں انتقال فرمایا ۔[1] رحمہ اللہ تعالیٰ ۔

---

[1] البدرالطالع صفحہ ۲/۴۲ ۔

اورنگزیب عالمگیر کے استاد

میر محمد ہاشم گیلانی

م ۱۰۶۱ھ بمطابق ۱۶۵۱ء

آپ میر محمد قاسم گیلانی کے بیٹے تھے۔ حکیم ہاشم کے نام سے مشہور تھے۔ آپ نے بارہ سال تک حرمین شریفین میں شیخ محمد عربی محدث اور شیخ عبدالرحیم حسانی، نیز ملا علی سے منقولات اور میر نصیرالدین حسین اور مرزا ابراہیم ہمدانی سے معقولات کی تعلیم پائی تھی۔ پھر ہندوستان آکر حکیم علی سے طب اور ریاضی پڑھی اور کچھ عرصے تک احمدآباد گجرات میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔ شاہجہاں نے آپ کے علم و فضل بالخصوص طبی قابلیت کا حال سنا تو احمدآباد گجرات ہی میں صدارت و طبابت کی خدمات پر مامور کر دیا۔ پھر حکیم ہاشم گجرات سے دربار میں آگئے۔ اور بادشاہ کے حکم سے شہزادہ محمد اورنگزیب کو پڑھانے لگے "بادشاہ نامہ" کا مصنف لکھتا ہے کہ "اب تک اورنگ زیب کی ملازمت میں ہیں۔ حکیم ہاشم نے تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھا تھا اور اس کو شاہجہاں کے نام سے معنون کیا تھا۔[۱]

میر ہاشم نے علامہ سمرقندی کی اسباب و علامات پر بھی حاشیہ لکھا تھا۔[۲] "رموز الاطبا" مولفہ حکیم فیروزالدین لاہوری کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ میر محمد ہاشم نے جن کو کتاب مذکور میں مرزا محمد ہاشم لکھا ہے نفیسی شرح موجز، میبذی، شرح ہدایۃ الحکمۃ پر حواشی اور تعلیقات تحریر کئے تھے اور میر محمد ہاشم کو عہد اورنگ زیب میں تین ہزاری منصب اور مسیح الزماں خان بہادر کا خطاب بھی حاصل تھا۔ میر محمد ہاشم نے

---

[۱] بادشاہ نامہ ص ۳۴۵-۳۴۶ [۲] بڑی کا بیاض ص ۲۱۔

احمد آباد گجرات میں حکیم علی سے طب پڑھی تھی۔ ان کا ایک لڑکا بھی تھا جس کا نام سید محمد جعفر تھا جس نے عہد محمد شاہی میں فروغ پایا۔ اس خاندان کے کچھ افراد ریاست جے پور میں موجود تھے۔ [1]

سنہ ۱۰۶۱ھ بمطابق ۱۶۵۱ء میں اورنگ آباد میں انتقال ہوا، اور عمر ۸۰ سال ہوئی

---

[1] اطبائے عہد مغلیہ ص ۲۰۰، رموز الاطباء ص ۱۳، نزہۃ الخواطر عربی ج ۵ ص ۶۲۹، ص ۴۰۲

شیخ عباس مشہدی

م ۷ ربیع الاول ۱۰۶۳ھ مطابق ۵ فروری ۱۶۵۳ء

شیخ عباس حسینی رضوی مشہدی متعدد کتابوں کے مصنف ہیں ۱۰۰۸ھ میں گجرات پہنچے۔ یہاں سے حرمین شریفین کا سفر کیا۔ وہاں پانچ سال مقیم رہے۔ پھر ۱۰۲۶ھ میں واپس احمد آباد تشریف لے آئے۔ اور یہاں سکونت پذیر ہو گئے۔

آپ صاحب وجد و حال تھے۔ آپ نے احمد آباد میں ساتؐ ربیع الاول ۱۰۶۳ھ ۵ فروری ۱۶۵۳ء میں انتقال فرمایا، اور احمد آباد میں دفن کئے گئے۔ [۱]

خاتمہ مرآۃ احمدی میں ہے: آپکی قبر منجھوری میں ہے۔ آپ صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ سلوک و تصوف میں کامل اور مشہد کے رضوی سادات سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۰۲۰ھ میں گجرات تشریف لائے۔ یہاں سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور پانچ سال وہاں سکونت پذیر رہے۔ ۱۰۲۶ھ میں احمد آباد واپس لوٹے اور ۱۰۶۳ھ میں آپنے وفات پائی۔ تاریخی شعر یہ کہا گیا۔

سین وجیم علی الف ھجریہ	کان و باء و ھاومن ربیع الاوّل
عمرہ دل انہ حکیو	راح لیل الخمیس فی الربیع الاول

منجھوری میں پتھر سے تعمیر کی ہوئی مسجد آپ کی بنا کردہ ہے۔ [۲]

---

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۰۹ [۲] خاتمہ مرآۃ احمدی ص ۱۰۶ ۔

جعفر الصّادق العیدروس

م ۱۰۶۵ھ بمطابق ۱۶۵۴ء

جعفر بن علی بن عبداللہ بن شیخ المعروف جعفر الصادق "النور السافر" کے مؤلف کے خاندان میں مشہور بزرگ گذرے ہیں۔ تریم (حضرموت) میں پیدا ہوئے۔ تفسیر، فقہ، حدیث، تصوف، عربیہ، حساب، ہیئۃ، اور فرائض میں مہارت حاصل کرنے کے بعد کچھ مدت اپنے وطن میں اجلال و احترام سے گذاری۔ پھر ہند آئے۔ فارسی سیکھی اور اس میں عربی سے ترجمے کئے۔ کئی کتابوں کے مصنف اور بلند پایہ صاحب دیوان شاعر تھے دارا شکوہ کی کتاب "سکینۃ الاولیاء" کا عربی ترجمہ "تحفۃ الاصفیاء" کے نام سے کیا جس کا قلمی نسخہ رامپور میں ہے۔

تحفۃ الاصفیاء کا اسلوب بیان فصیح و بلیغ اور صحیح عربی زبان میں ہے۔[1]

آپ سیّد محمد بن عبداللہ کے بھتیجے تھے۔ گجرات تشریف لا کر کچھ دنوں احمد آباد میں قیام کیا۔ پھر بندر سورت میں اپنے چچا کے جانشین ہوئے۔ آپ اپنے اوصافِ حمیدہ کیوجہ سے جعفر صادق ثانی کے لقب سے مشہور تھے۔ شاہجہاں کو آپ سے بڑی عقیدت تھی۔ ۱۰۶۵ھ/۱۶۵۴ء / ۱۰۶۴ھ/۱۶۵۴ء میں وصال ہوا۔ اور اپنے چچا کے پاس دفن ہوئے۔

علامہ سخاوی نے آپکے تفوق فی العلوم کو سراہا ہے جیسا کہ لکھا ہے کہ اسید عالم جعفر صادق بن علی بن زین العابدین بن عبداللہ بن شیخ عیدروس حسینی یمنی،

---

[1] نزھۃ الخواطر ج۵ ص۱۰۱۔ خلاصۃ الاثر ج۱ ص۴۹۲۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند ص۲۰۳ (عربی ادب ۲)

شافعی ۔ تریم میں ۹۹۷ھ میں پیدا ہوئے ۔ آپ نے اپنے چچازاد بھائی سید عبدالرحمٰن سقاف ، سید ابوبکر بن عبدالرحمٰن اور شیخ رزین بن حسین بافضل وغیرہ علماء سے پڑھا ، اور تفسیر ، فقہ ، حدیث ، عربی زبان ، تصوف ، حساب ، فلک اور فرائض وغیرہ تمام علوم میں آپ فائق ہو گئے ۔

آپ نہایت سمجھدار اور خوبصورت تھے ۔ ادب وانشاء ، نظم ونثر دونوں پر بڑی قدرت رکھنے والے تھے ۔ آپ نے حج کیا اور تریم واپس لوٹے پھر ہندوستان کا سفر کیا اور اپنے عم مکرم شریف محمد سے پڑھا ، اور پھر مسند تدریس کو آراستہ کیا اور ۱۰۶۳ھ میں آپ نے انتقال کیا ۔ [1]

شیخ عبدالرشید

م ۱۵ محرم ۱۰۶۷ھ بمطابق ۲ نومبر ۱۶۵۶ء

شیخ عبدالرشید بن سراج الدین ۔ آپ مشائخ چشتیہ میں سے تھے ۔ ولادت و پرورش احمد آباد میں ہوئی ۔ اپنے والد سے اور شیخ یحییٰ بن محمود دعمری سے تحصیل علم کیا ۔ پھر شیخ یحییٰ ہی سے سلوک کیا ۔ شیخ یحییٰ کے مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کے بعد آپ نے مسند ارشاد سنبھالی ۔ آپ شیخ یحییٰ کے داماد بھی تھے ۔ ۱۵ محرم ۱۰۶۷ھ بمطابق ۲ نومبر ۱۶۵۶ء کو وفات ہوئی ۔ [2]

---

[1] البدر الطالع ص ۲۶ ملحق [2] نزہۃ الخواطر عربی ج ۵ ص ۲۲۷

علّامہ محی الدّین بہاری

وفات سنہ ١٠٦٩ھ بمطابق سنہ ١٦٥٩ء

شیخ محی الدین بن عبداللہ حنفی بہاری۔ اپنے زمانہ کے مشہور فقہاء میں سے تھے۔ آپ کا مولد ومنشار بہار ہے۔ آپ نے نو سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا۔ پھر اپنے والد سے علم حاصل کیا۔ اور صرف سترہ سال کی عمر میں آپ تمام علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے اور تدریس میں مشغول ہوئے اور ایک طویل زمانے تک تدریس میں مشغول رہے۔

پھر آپ جب دہلی پہنچے تو شاہ جہاں بادشاہ نے آپ کو اپنے صاحبزادہ اورنگزیب کی تعلیم پر مقرر فرمایا۔ اور بارہ سال تک ان کی تدریس میں آپ مشغول رہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلاطین مغلیہ میں جو دینی انقلاب پیدا کیا اس کی اہم شخصیتوں میں سے آپ بھی ہیں۔

اس کے بعد آپ نے علامہ وجیہہ الدین علوی (احمد آبادی) کے پوتے شیخ حیدر سے طریقت میں استفادہ کیا۔ اور اس کا آپ پر اتنا غلبہ ہوا کہ اپنے وطن جاکر ورع و عبادت ہی کے ہوکر رہ گئے۔

آپ کے علاقہ میں آپ ملا موھن کے نام سے معروف ہیں اس کی وجہ تسمیہ معلوم نہیں ہوسکی۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ کافیہ ابن حاجب پر آپ کی شرح ہے جو فارسی میں ہے۔ البتہ وہ صرف غیر منصرف کی بحث تک ہے۔ اسی طرح آپ کی اور بھی کتب ہیں۔ شیخ غلام ارشد جونپوری "گنج ارشدی" میں لکھتے ہیں کہ:

محی الدین صاحب شیخ محمد افضل جونپوری کے مشائخ میں سے تھے۔ اور متعدد دفعہ آپ کا جونپور آنا ثابت ہے۔

صاحبِ مآثر الکرام نے آپ کا سنِ وفات ۱۰۶۸ھ لکھا ہے۔ اور صاحبِ مرآۃ العالم نے آپ کی تاریخ وفات استاد الملۃ والدین لکھی ہے۔ اسی طرح بختاور خاں مرآۃ میں لکھتے ہیں کہ عالمگیری جلوس کے پہلے سال آپ کی وفات ہوئی۔ البتہ اس پر تقریباً سب کا اتفاق ہے کہ انتقال کے وقت آپ کی عمر ۸۴/ برس تھی۔ [1]

---

[1] نزہۃ الخواطر سنہ ۶۸ صفحہ ۴۱۲ ج ۵

حکیم ضیاء الدین خان رحمت

وفات ۱۰۷۵ھ بمطابق ۱۶۶۴ء

رحمت خان آپ کا خطاب تھا۔ آپ حکیم قطبا کے بیٹے اور حکیم رکنائی کاشی کے بھتیجے تھے۔ طالب آملی کی بڑی لڑکی آپ کے ساتھ منسوب تھی جس کی پرورش اسکی پھوپھی اور طالب کی بہن ستی النساء نے کی تھی۔ جو حکیم رکنائی کے بھائی نصیرا کی بیوی تھی اور شاہجہاں کے محل میں انکا بڑا رسوخ تھا۔ رحمت خان بھی اس تقریب سے شاہجہاں کی توجہات کا مرکز بن گئے۔ سنہ ۲۷ جلوس میں آپ احمدآباد کے دیوان اور توشک خانے کے داروغہ ہو گئے سنہ ۲۹ جلوس میں آپنے ڈیڑھ ہزاری منصب حاصل کرلیا۔ شاہجہاں کی بیماری کے دوران جب شہزادہ مراد نے سلطنت کا دعویٰ کیا اور اپنے نام کا خطبہ وسکہ جاری کیا تو رحمت خان بھی اسکے ساتھ ہو گئے۔

مراد کی گرفتاری کے بعد آپ عالمگیر کی ملازمت میں داخل ہو گئے عالمگیر نے آپ کو دو ہزاری منصب دیکر گجرات کا دیوان بنادیا۔ داراشکوہ احمدآباد پہنچے تو رحمت خان بھی اس کے ساتھ ہو گئے مگر جب داراشکوہ اجمیر سے فرار ہوا تو آپ عالمگیر کے پاس آگئے سنہ ۳ جلوس عالمگیری مطابق ۱۰۷۵ھ/۱۶۶۴ء میں رحمت خان کا انتقال ہوگیا۔

شیخ محمد سعید قریشی

وفات ۱۰۸۶ھ بمطابق ۱۶۷۶ء

محمد سعید نام تھا۔ قریشی النسب تھے، بعد میں سلطان مراد کی طرف سے خان کا

لقب عطا ہوا تو سعید خان بھی معروف رہے۔ آپ ملتان میں ۱۰۲۲ھ بمطابق ۱۶۱۳ء میں پیدا ہوئے، اور سندھ میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔

۱۰۵۵ھ میں شاہجہاں کے حکم سے سلطان مراد کے دربار سے وابستہ ہو گئے اور امورِ سلطنت میں انہیں مشورے دیتے رہے۔ پہلے ان کے ہمراہ برہانپور اور بعد میں گجرات گئے۔ شاہزادہ نے انہیں بخشی گری اور واقعہ نویسی کی خدمات پر مامور کیا۔ ۱۰۶۳ھ میں آپ ملتان واپس تشریف لے گئے اور وہاں انہوں نے اپنے لئے عالیشان عمارت اور جامع مسجد تعمیر کرائی۔ ۱۰۸۷ھ بمطابق ۱۶۷۶ء میں انتقال فرمایا، اور اپنے بنائے ہوئے مقبرے میں دفن ہوئے۔

آپ ریاضت و عبادت اور مطالعۂ کتب و سخن سرائی میں مشغول رہتے، چونکہ فنِ کتابت سے بھی آشنا تھے اس لئے قرآن مجید کی کتابت کرتے اور کلام مجید کی تفسیر بیان کرتے۔ انہوں نے ۱۰۷۲ھ میں "کیمیائے سعادت" کا ایک نسخہ بھی نقل کیا۔

شیخ سعید تعبیرِ خواب اور آدم شناسی یعنی علم فراست میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ آغازِ ملازمت کے ایام میں ایک روز شاہزادے کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے جا رہے تھے کہ داروغہ غسلخانہ نے اندر جانے سے روک دیا۔ شیخ نے یہ رباعی لکھ کر اندر بھجوائی۔

ای شاہِ جنابت چو جناب اللہ است
ہر حکم تو چوں حکم کتاب اللہ است
ایں چیلہ دیو فعلِ مناع درت
ابلیس صفت مانع باب اللہ است

سلطان کو یہ مذاقِ سخن پسند آیا، فرمایا: محل کے حرم کے سوا شیخ کو ہر جگہ

آنے کی اجازت ہے؛

علی نقی بادشاہ کے منصب دار نے شہزادہ سے شیخ کی برطرفی کے فرمان پر دستخط کروائے۔ جب شیخ کو معلوم ہوا تو وہ احمد آباد سے باہر نکل آئے۔ شاہزادے کو شیخ کی مفارقت شاق گذری۔ آپ ابھی اجمیر پہنچے تھے کہ شاہزادہ نے آپکی واپسی کے لئے عرضداشت بھیجی لیکن شیخ نے جواب میں جو غزل ارسال کی اسکا ایک شعر درج ذیل ہے۔

مشکل بود بکوئی تو دیگر نشستِ ما
پیچیدہ است زلف تو بہر شکست ما [1]

---

[1] پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ ص۵۰۰

شیخ عبد الفتاح

وفات ۲۴ رذی الحجہ ۱۰۹۰ھ بمطابق ۲۵ رجنوری ۱۶۸۰ء

شیخ عالم کبیر عبدالفتاح عسکری ۔ آپ کو معارف الٰہیہ میں کمال حاصل تھا۔ آپ نے المثنوی المعنوی پر ایک عمدہ شرح تصنیف فرمائی ۔

سلطان عالمگیر بن شاہجہاں نے آپ کو اپنے پاس بلوالیا ۔ اور آپ سے بہت زیادہ فائدہ حاصل کیا ۔ پھر بعد میں آپ کو احمد آباد جانے کی اجازت دے دی ۔

صاحب مآثر الکرام لکھتے ہیں کہ آپ کا روحانی سلسلہ بہت کم واسطوں سے پیران پیر سیّدنا عبدالقادر جیلانی رح تک پہنچ جاتا ہے کیونکہ جتنے مشائخ واسطہ ہیں ان کی عمریں بڑی طویل ہوئی ہیں ان کا شجرہ سلسلہ اگلے صفحہ پر آرہا ہے ۔

آپنے ۲۴ رذی الحجہ ۱۰۹۰ھ بمطابق ۲۵ رجنوری ۱۶۸۰ء کو وفات پائی۔ [1]

مآثر الکرام میں آپ کا تذکرہ اس طرح ہے کہ ! اولیائے کرام میں بڑے صاحب مرتبہ گذرے ہیں ۔ ظاہری و باطنی عقل وشعور کے جامع تھے اور آپ کا فیض عام تھا اور عوام وخواص میں بہت مقبول تھے ۔ ان کی خلافت کا سلسلہ طویل عمر رکھنے والے مشائخ کیوجہ سے چند ہی واسطوں سے حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ تک پہنچ جاتا ہے جو اس طرح ہے کہ میر عبدالفتاح نے شاہ اللہ داد رح سے خلافت حاصل کی اور

---

[1] نزہۃ الخواطر عربی ملد ۳ صفحہ ۲۳۵ ج ۵

انہوں نے شاہ غریب اللہ سے، اور انہوں نے شیخ تاج الدین سے، اور انہوں نے شیخ سعید سے، اور انہوں نے سید عبدالرزاق سے، اور انہوں نے اپنے والد ماجد غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت حاصل کی تھی۔

جب میر عبدالفتاح کا ذکر خیر سلطان اورنگزیب (انار اللہ برہانہ) تک پہنچا تو انہوں نے تشریف آوری کی استدعا کی اور پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ احمد آباد گجرات سے دارالخلافہ دہلی بلایا اور انکی صحبت خاص میں رہ کر بے حد برکتیں حاصل کیں۔

حضرت میر صاحب کچھ دنوں کے لیے سلطان سے رخصت ہو کر وطن مالوف چلے گئے اور ۲۴ ذی الحجہ ۱۰۹۰ھ کو نوّے سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ آرام گاہ احمد آباد میں ہے۔ مولانائے روم کی مثنوی سے بیحد شغف رکھتے تھے۔ ہمیشہ اس کا درس دیتے رہتے مثنوی کی شرح بھی تصنیف فرمائی جو لوگوں میں مشہور رہی ہے۔

شجرۂ سلسلہ

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

۵۶۱/۶۲ھ

شیخ عبدالرزاق قادری

شیخ سعید رح	تاج الدین رح
شیخ تاج الدین رح	(۵۹۵ھ)
شاہ غریب اللہ رح	
شاہ الہ داد رح	
میر عبدالفتاح رح	

سید علی بن جلالؒ

وفات ۱۰۹۱ھ بمطابق ۱۶۸۰ء

سید علی بن جلال بن محمد بن جلال حسینی بخاری ۔ آپ علم و صلاح میں مشہور و معروف تھے ۔ آپ کا مولد و منشاء گجرات ہے ۔ شاہجہاں نامہ میں تحریر ہے کہ ۱۴ رشعبان ۱۰۶۰ھ (۱۲ راگست ۱۶۵۰ء) کو میر سید علی خلف سید جلال مرحوم کو کتاب خانے اور نقاش خانے کی داروغگی عطا ہوئی ۔ یہ عہدہ میر صالح خوشنویس کا تھا ۔ وہ ۵ رشعبان کو فوت ہو گئے تو انکی جگہ میر سید علی کو مقرر کیا گیا ۔ جواہر خانے کی خدمت جو پہلے سید علی کے سپرد تھی محمد شریف ولد اسلام خاں کو تفویض ہوئی ۔

عالمگیر کے زمانے میں ہند کی صدارت آپ کے سپرد ہوئی اور ایک زمانے تک آپ اس پر فائز رہے ۔ علوم و فنون میں آپ بڑے ماہر سمجھے جاتے تھے ۔ ۱۰۹۱ھ ۱۶۸۰ء میں آپ نے وفات پائی ۔ [1]

شیخ احمد بن سلیمان

وفات ۲۱ رجمادی الاخری ۱۰۹۲ھ بمطابق ۷ رجولائی ۱۶۸۱ء

مولانا احمد بن سلیمان کردی گجرات کے مشہور اساتذہ میں سے ہیں ۔ آپ کے والد کردستان سے احمد آباد پہنچے ۔ جو متبحر عالم فاضل، صاحب تصانیف تھے ۔ انہوں نے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سے بھی استفادہ کیا تھا ۔ شیخ احمد نسلاً کردستانی ہیں مگر آپ کی ولادت گجرات میں ہوئی ۔

---

[1] مآثر الامراء ۔ نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۴۶۴ ، شاہجہاں نامہ ج ۳ ص ۵۰۷

اپنے والد کے یہاں آپ نے تربیت پائی اور آپ نے اکثر درسی کتب مولانا محمد شریف سے پڑھیں۔ شرح مواقف اور حکمت و منطق کی کتابیں مولانا ولی محمد خالو سے پڑھیں۔ اور آپ نے علم تصوف شیخ فریدالدین سے حاصل کیا۔ اور علوم ریاضی شاہ قباد (جو دیانت خاں کے نام سے مشہور تھے) سے حاصل کئے اور حدیث پاک اور بعض دوسرے فنون اپنے والد سے پڑھے۔ اس کے بعد تدریس میں مشغول ہوئے۔ آپ کے تلامذہ میں سے علامہ نورالدین بن محمد صالح مشہور ہیں۔ جو گجرات کے ان علماء میں سے ہیں جن کی تصانیف بکثرت ہیں۔

شیخ احمد بن سلیمان حکمت و منطق میں اپنے زمانہ میں منفرد تھے۔ اور آپ نے ہی اس کو گجرات میں پھیلایا ہے۔ آپ کی بہت سے علوم میں بہت سی تصانیف ہیں جن میں سے فیوض القدس بڑی معروف کتاب ہے جو علم کلام میں بہت اہم سمجھی جاتی ہے۔ ۲۱ رجمادی الاخریٰ ۱۰۹۲ھ کو پیر کے دن عصر کے وقت شام کو آپ کا انتقال ہوا۔

آپ کے شاگرد علاّمہ نورالدین فرماتے ہیں کہ آپ کی تاریخ وفات اس سے نکلتی ہے۔ "شمعی کہ بود ز انجمن علم گل شد"

آپ کو شیخ موسیٰ کی مسجد کے پیچھے مغربی جانب میں احمد آباد میں دفن کیا گیا۔

علمی تبحر علم و فضل میں آپ یکتائے روزگار تھے تمام علوم میں آپ کو دسترس حاصل تھی۔ فروع و اصول کے بڑے عالم اور جامع معقول و منقول تھے۔ اکثر علوم میں آپ کی تصانیف ہیں اور گجرات کے علاقے میں معقولات کے علوم کا رواج زیادہ تر ان کی وجہ سے ہوا۔ آپ کی منجملہ تصانیف کے فیوض القدس ہے جو علم کلام میں ہے۔ جس کو الہامی کلام کہا جا سکتا ہے۔ [1]

---

[1] مرآۃ احمدی، نزہۃ الخواطر ۵/۶۰ ص۵/۱۲۲ ، تذکرہ قاریان ہند۔

آپ کا کتب خانہ اور مدرسہ گردیہ

یہ مدرسہ بھی مولانا احمد بن سلیمان سے منسوب ہے۔ ان کا یہ مدرسہ بڑا بارونق تھا۔ ایک بڑی جماعت نے ان سے استفادہ کیا، اور وقت کے بڑے بڑے علماء اور فضلاء ان کے مدرسہ سے پڑھ کر نکلے جن پر گجرات بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔

مولانا نورالدین جیسے کامل الفن بزرگ ان کے ارشد تلامذہ میں تھے ان کے پاس ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا جس کی بعض کتابیں درگاہ حضرت پیر محمد شاہ احمدآباد کے کتب خانہ میں اب تک موجود ہیں۔

ان کے بعد ان کے ورثاء جس طرح انکا مدرسہ چلاتے رہے، کتبخانہ کی بھی حفاظت کرتے رہے۔ لیکن ۱۱۲۵ھ مطابق ۱۷۲۲ء میں ان کے پوتے محمد رضا بن غلام محمد بن احمد بن سلیمان کے زمانے میں جب ترکہ تقسیم ہوا تو کتب خانہ کے بھی حصے بخرے ہو گئے انکی ایک بہن فاطمہ تھیں کچھ کتابیں ان کے حصے میں آئیں، ان میں سے بعض کتب خانہ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ احمدآباد کے کتب خانہ میں آ گئی تھیں۔ [1]

علّامہ ولی محمد معروف بخانو

منطق اور حکمت کے ماہر علماء میں سے تھے۔ گجرات میں درس و تدریس وافادے میں مشغول تھے۔ شیخ احمد بن سلیمان سے علم حاصل کیا۔ اور آپ سے شرح مواقف اور دوسرے فنون حکمت کو پڑھا۔ [2]

---

[1] گجرات کی تمدنی تاریخ ص ۲۲۳ [2] مرآۃ احمدی، نزھۃ الخواطر ص ۳۴۵ ج ۶ ۔ ۷۰

شیخ حسام الدین ابن رکن الدین

ولادت ۱۰۹۵ھ بمطابق ۱۶۸۳ء

شیخ حسام الدین ابن رکن الدین عمری چشتی ۔ آپ چشتیہ سلسلہ کے کبار مشائخ میں سے ہیں ۔ آپ کی ولادت احمدآباد میں ۱۰۹۵ھ بمطابق ۱۶۸۲ء ہے ۔ آپنے اپنے والد محترم اور اپنے بھائی جلال الدین سے علم حاصل کیا ۔ نیز سید محمد مشہدی سے بھی پڑھا ۔ پھر آپنے اپنے بھائی جلال الدین سے طریقت میں فیض پایا ۔ اور اپنے بھائی جلال الدین کے انتقال کے بعد مسند مشیخت کی زینت بنے ۔ آپ صاحب وجد و حال تھے ۔ آپ کی کرامات اور آپ کے کشوف عوام میں بہت مشہور رہیں۔[۱]

شیخ محی الدین

وفات ۱۱۰۰ھ بمطابق ۱۶۸۸ء

شیخ محی الدین بن عبدالوہاب حنفی اپنے زمانہ کے مشہور مشائخ میں سے تھے سلطان عالمگیر نے گجرات کی صدارت آپکے سپرد فرمائی اور اس علاقے کے جزیہ وصول کرنے پر آپکو بطور امین مقرر فرمایا ۔ ایک عرصہ تک ان امور کو آپ انجام دیتے رہے ۔ اور احمدآباد میں ۱۱۰۰ھ بمطابق ۱۶۸۸ء میں آپکی وفات ہوئی ۔[۲]

---

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۱۳۱ ج ۷۵ [۲] مرأۃ احمدی، نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۲۸۱ ج ۴۱۳ ۔

شیخ صلاح الدین

م ۲۱ر ذی الحجہ سنہ ۱۱۰۰ھ بمطابق ۱۵ر اکتوبر سنہ ۱۶۸۹ء

شیخ صلاح الدین بن رکن الدین عمری چشتی۔ یکے از مشائخ کبار۔ ولادت اور نشو و نما احمد آباد میں ہوئی۔ اپنے والد اور دیگر علماء کرام سے علم و معرفت میں کمال حاصل کیا۔ فارسی میں آپ کا دیوان بھی ہے۔

۲۱ر ذی الحجہ سنہ ۱۱۰۰ھ بمطابق ۱۵ر اکتوبر سنہ ۱۶۸۹ء کو وفات پائی۔ [1]

بابا طالب اصفہانی بعہدِ اکبر

گیارہویں صدی ہجری

طبیعت میں درویشی تھی۔ اس لئے پہلے قلندر رہ گئے۔ آٹھ سال تک کشمیر میں رہے۔ کشمیر جب اکبر کے زیر نگیں ہو گیا تو آپ اکبر کی خواہش پر اس کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ اور حکیم ابو الفتح گیلانی، زین خاں کوکہ، ابو الفضل اور فیضی کی صحبت میں رہنے لگے۔ جو ان کی خوش صحبتی بے تعلقی اور قاعدہ کی پابندی سے متاثر رہے۔ [2]

اکبر نے ان کو تبت کا ایلچی بنا کر بھیجا۔ واپس ہوئے تو وہاں کے حالات ایک رسالہ میں قلمبند کئے۔ جس کو شیخ ابو الفضل نے اکبر نامہ میں شامل کیا۔ [3]

ادب و انشاء کے ساتھ ساتھ شعر و شاعری میں بھی بڑا سلیقہ رکھتے تھے۔

---

[1] نزہۃ الخواطر عربی ج ۶ ص ۱۳۱ صہ 119۔ [2] بدایونی ج ۳ ص ۲۶۵ [3] ایضاً ج ۳ ص ۲۶۵

ملا بدایونی لکھتے ہیں، "درمندی خیلے دارد وسلیقہ او درشعر وانشا درست است"[۱]

مآثر رحیمی میں ہے "درشاعری ونکتہ دانی نیز مہارتے تمام دارد"[۲]

آئین اکبری میں ہے "از معنی خبرے دارد واز معاملہ دانی نصیبہ"[۳]

جہانگیر کے زمانہ میں گجرات کے صدر مقرر ہوئے اسی کے عہد میں نوّے سال سے زیادہ کی عمر میں وفات پائی۔ (اقبال نامہ ص۱۳۳)

جہانگیر کو ان کی یہ رباعی بہت پسند تھی جو اس نے اپنی بیاض میں لکھ رکھی تھی۔

رباعی
زہرم بفراق خود چشناق کہ چہ شد — خوں ریزی وآستین فشانی چہ شد
اے غافل از آنکہ تیغ ہجر تو چہ کرد — خالم بہ فشار تا بدانی کہ چہ شد

(اقبال نامہ جہانگیری ص۲۳)

طبقات اکبری ج ۳ ص۵۱۸، آئین اکبری اور منتخب التواریخ ج ۳ ص۲۶۵ میں بھی یہ رباعی نقل کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ ان کے اشعار کے اور نمونے درج ہیں۔

شعر
شادم از اہلِ جہاں کز اثر صحبت شاں
بجہانے نہ دہم گوشۂ تنہائی را

دردل تنگم اگر مہر تو گنجد چہ عجب
تنگنائے دلِ من وسعت صحرا نورد

(آئین اکبری ص۱۸۱ ج۱، بدایونی ص۲۶۵ ج۳، بزم تیموریہ ص۵۲ ۔ ص۴۵۳)

---

۱ بدایونی ص۲۶۵ ج۳ ۲ ایضاً ص۱۲۶ ج۳ ۳ ایضاً ص۱۸۱ ج۱۔

سید مصطفیٰ محبوب اللہ

گیارہویں صدی ہجری

آپ سید حسین چشتی کے پوتوں میں سے ہیں ۔ ہمیشہ قیمتی خلعت پہنا کرتے تھے ۔ شیخ مشائخ کے بیٹے ملک شیر کہتے ہیں کہ ۔

ایک رات مجلس تھی ۔ اس رات میں سید حسین نے مجھے قطب زماں شیخ عبد الملک کو بلانے کے لئے بھیجا ۔ چونکہ شیخ عبدالملک سلس البول کے مریض تھے ۔ اور رات کا وقت تھا ۔ اس وجہ سے وہ تشریف نہ لائے ۔ کہ بیمار دل کو دن میں بلانا بہتر ہے ۔ اگر رات کو بلانے کا موقع آئے تو بلانے والے میں مردانگی چاہیئے ۔ ملک نے سید کو پیغام پیش کیا ۔ تو سید حسین نے تامل کے بعد فرمایا ملک شیر جاؤ اور کہو کہ جس طرح اشارہ کیا ہے ۔ اسی طرح بلانا چاہتا ہوں ۔

جب شیخ عبدالملک نے یہ جواب سنا تو بے تامل مجلس میں چلے آئے ۔ صبح تک وجد و حال میں مشغول رہے اور استنجا کی حاجت نہیں ہوئی ۔ گویا آپ نے بیماری سلب کر لی ۔ آپ کی خوابگاہ احمد آباد گجرات میں ہے ۔

شیخ محمد موسیٰ کشمیری

گیارہویں صدی ہجری

ان کا صاحب الںور السافر شیخ عبدالقادر نے اپنی کتاب میں تذکرہ کیا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور مقبول بندوں میں سے تھے ۔ آپ کے تفصیلی حالات زیادہ

نہیں مل سکے ۔ صرف آپ کے متعلق اتنا معلوم ہوسکا کہ شیخ بن عبداللہ العیدروس یمنی نے عدن میں ۱۰۱۱ھ میں آپ سے علمی استفادہ کیا ۔ نیز شیخ عبدالقادر بن سید شیخ حضرمی نے احمد آباد میں آپ سے پڑھا ہے ۔ [1]

کوکب بن قمر خان بن میر عبداللطیف قزوینیؒ

مصنف مجمع المضامین
گیارہویں صدی ہجری

آپ کے دادا میر عبداللطیف اکبر بادشاہ کے استاذ تھے ۔ بڑے پکے سنی تھے ۔ جب سلاطین صفویہ نے سنی مذہب کی بنا پر ان پر سختیاں کیں تو میر اپنی لاکھوں کی جائیداد پر لات مار کر ہندوستان ہجرت کر آئے ۔ یہاں مغلوں نے انکی بہت آؤ بھگت کی ۔ ان کے فرزند میر غیاث الدین جو تاریخ میں نقیب خان کے نام سے مشہور ہیں ۔ فن تاریخ میں یکتائے زمانہ تھے ۔ اور اکبر بادشاہ کی خلوت وجلوت کے مصاحب تھے ، بادشاہ کو ایک منٹ کے لئے بھی انکی جدائی گوارا نہ تھی ۔

میر عبداللطیف کے چھوٹے بھائی میر علاؤالدین قزوینی "تذکرہ نفائس المآثر" کے مصنف ہیں ۔ شاہ اسمٰعیل صفوی کے خروج کی تاریخ "مذہب ناحق" سے نکالنا اور پھر شاہی عتاب وخطاب کے وقت اسی مادے کو "مذہبنا حق" کی صورت میں ترمیم کردینا اسی خاندان کی طباعی اور ذہانت کا کارنامہ ہے ۔

جہانگیر نے توزک میں کوکب کا ذکر کیا ہے ۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کوکب میر عبداللطیف قزوینی کا پوتا ہے جو سادات سیفی میں سے تھے یہ دکن کے لشکر میں تھے ۔ منصب کی کمی ، تنگ دستی اور پریشانی میں کچھ دن گذارنے تنگ حوصلگی

---

[1] النور السافر ، نزہۃ الخواطر ج۵ ص۴۲۷ ۔

اور آشفتہ خاطری کی بنا پر ترکِ دنیا کر کے اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے رہے۔
چھ ماہ کے عرصے میں انہوں نے تمام ملک دکن، مثلاً دولت آباد، بیدر، بیجاپور، کرناٹک
اور گولکنڈے پھر بندر سورت، بھروچ (بھڑوچ) اور دوسرے قصبات، جو سر راہ
واقع تھے۔ انکی سیر کرتے ہوئے احمد آباد پہنچے۔ یہاں انہیں شاہجہاں کا ایک نوکر زاہد
گرفتار کر کے میرے (جہانگیر) کے پاس لایا۔ پوچھا کہ اس بے راہ روی کی کیا وجہ تھی۔
انہوں نے کہا کہ میری تقدیر نے یاوری نہ کی تو میں نے ترکِ تعلقات کر کے عالم حیرانی
و پریشانی میں دشت و صحرا کا رخ اختیار کیا۔ میں (جہانگیر) نے ان سے پوچھا کہ اس
جہاں گردی کے زمانے میں تو نے (حکومت کے دشمنوں) عادل خان، قطب الملک
اور عنبر میں سے کسی کو دیکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ حیف ہے مجھ پر کہ میں اپنی
تشنہ امیدوں کی سیرابی کے لیئے ان لوگوں کی طرف رخ کروں۔ پھر انہوں نے
کہا کہ آج تک کے واقعات میں نے ایک بیاض میں بطور روزنامچہ کے لکھے ہیں۔
ان کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اس غریب الوطنی کے زمانے میں بہت دکھ
اٹھائے۔ اور اکثر پیدل چلے۔ اور کئی مرتبہ قوت لایموت سے بھی محروم رہے۔
میں (جہانگیر) نے ان کو خلعت، گھوڑا اور ہزار روپے بطور خرچ کے عنایت کر کے
ان کے سابقہ منصب میں دس پندرہ گنا اضافہ کر دیا۔ یہ زبانِ حال سے یہ شعر
پڑھ رہے تھے۔

این کہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب!
خویشتن را در چنیں نعمت پس از چندیں عذاب

کوکب کے ہندی اشعار بڑی دلچسپی کا باعث ہیں۔ کوکب نے ۱۰۲۵ھ میں
ایک بیاض ترتیب دی۔ جس کا نام انہوں نے "مجمع المضامین" رکھا۔
مجمع المضامین کے پہلے حصہ میں مرتب نے ایک سو مختلف شعراء کی مثنویات و

دواوین سے انتخابی اشعار دیئے ہیں۔ مثنویوں میں اکثر صوفی شعراء کا کلام نظر آتا ہے۔ دوسرے حصے میں اکبری و جہانگیری عہد کے خواتین و امراء کے اشعار ہیں بعد میں فردیات، رباعیات، قصائد و قطعات، ہجو و ہزل آتے ہیں۔ ان کے بعد کوکب نے وہ اشعار ذکر کئے ہیں جو انہوں نے ہندی زبان میں لکھے ہیں۔ آخر میں نثر کا حصہ ہے جس میں کوکب نے اپنے سیاحتِ دکن کے چشم دید حالات قلم بند کئے ہیں۔ اس حصے کا نام "سیرِ کوکب" رکھا ہے۔ [۱]

شیخ نصیر بن قریش

گیارہویں صدی ہجری تقریباً

اصحابِ علم و معرفت میں آپ کا شمار تھا۔ آپ کا مولد و منشا گجرات ہے۔ ایک زمانہ تک ملوک و سلاطین کی خدمت میں رہے۔ جب اکبر بادشاہ نے اس علاقے کو فتح کیا تو یہاں سے منتقل ہو کر خاندیس آ گئے اور شیخ محدث جمال محمد برہانپوری کی خدمت میں رہنے لگے۔ انکی لڑکی سے نکاح ہوا۔ آپ "احیاء العلوم" کے مطالعہ کے بہت شوقین تھے۔ جب آپ کا انتقال ہو گیا تو شیخ علی متقی کے ساتھ آپ کی مثال بیان کی جاتی تھی۔ کہ آپ علی متقی ثانی تھے۔ اسی لئے علامہ وجیہ الدین علوی کے بھتیجے بہاؤ الدین بن محمد نے آپکی وفات پر کہا "الیوم مات علی المتقی"۔ آپ نے برہانپور میں انتقال فرمایا۔ [۲]

۱؎ توزک جہانگیری ص۳۵۲، مقالات حافظ محمود شیرانی ج۲ ص۱۶۔ ۲؎ نزہۃ الخواطر ج۵ ص۴۲۹، ۴۱۶، گلزار ابرار۔

خروشی

گیارہویں صدی ہجری

آپ کا ذکر کسی تذکرے یا تاریخ ادب میں نہیں آیا۔ آپ کے بارے میں معلومات کا ذریعہ دو بیاضیں ہیں جن میں سے ایک (بیاض ریختہ) کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد دکن (نمبر ۱۰۱) میں ہے۔ اس میں شعرائے ریختہ کا کلام ہے۔ دوسری بیاض (بیاض فارسی) کتب خانہ روضتین گلبرگہ شریف میں ہے یہ بیاض جو شعرائے فارسی کے کلام پر مشتمل ہے ایک مجموعۂ رسائل (نمبر ۲۱۴) میں شامل ہے۔ بیاض فارسی کے کاتب نے جو تمہید لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا نام "شاہ حبیب اللہ" اور وطن (محلہ نوشہرہ) کشمیر تھا۔ آپ طریقہ کبرویہ کے پیرو تھے۔ آپ کا آبائی سلسلۂ نقشبندیہ ... آپ کے جد اعلیٰ سید علی ہمدانی قدس سرہٗ کے توسط سے شیخ علاء الدولہ سمنانی قدس سرہٗ تک پہنچتا ہے۔

آپ کشمیر سے گجرات خود آئے یا آپ کے بزرگوں میں سے کسی نے گجرات کی سکونت اختیار کی اس بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ سید علی ہمدانی کی اولاد میں سے ایک بزرگ میر محمد صالح ہمدانی ۱۵۹۶/ ۱۰۰۵ھ میں سلطان ابراہیم عادل شاہ کے زمانے میں بیجاپور آئے تھے ممکن ہے انہی بزرگ کی اولاد میں سے کچھ لوگ گجرات چلے گئے ہوں۔

آپ کی پیدائش اور وفات کی تاریخوں کا بھی علم نہیں ہوسکا۔ لیکن آپ کے زمانے کا تعین کرنے میں آپ کے کلام سے مدد ملتی ہے۔ آپ نے ایک غزل میں اپنے 'پیر' کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

سجا ئین التجا کرنا خروشی ہم سری کے تئیں
جہاں ہیں جو شرف اٹھا ہمارا پیر کہلا وے

؛ شریف الحق ،؛ اور شاہ شریف سے حضرت سید شاہ شریف محمد شریف الحق قادری گجراتی مراد ہیں جو گجرات کے نامور صوفی گذرے ہیں ۔ روضۃ الاولیا بیجاپور (قلمی مخزونہ کتب خانۂ آصفیہ، حیدرآباد دکن) میں شاہ کریم اللہ قادری (جو شاہ شریف کے بھانجے تھے) کے حالات کے ضمن میں شاہ شریف کا ذکر بھی آیا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سلطان محمد عادل شاہ ۱۶۲۷ء - ۱۶۵۶ء/۱۰۳۶ھ - ۱۰۶۷ھ کے عہد میں بیجاپور تشریف لے گئے تھے ۔ بادشاہ نے ان کی بڑی عزت کی اور انہیں وہاں مستقل قیام کی دعوت دی لیکن شاہ شریف گجرات واپس چلے آئے ۔ شاہ شریف کا انتقال تقریباً ۱۶۷۶ء/۱۰۸۷ھ میں ہوا ۔

تقریباً یہی زمانہ خروشی کا ہے ۔ خروشی اپنے پیر کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک زندہ رہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے ولی کی زمینوں میں غزلیں لکھی ہیں ۔ ولی کی مقبولیت کا زمانہ یقینی طور پر شاہ شریف کی وفات کے بعد کا ہوگا ۔

؛ بیاض ریختہ ،؛ میں خروشی کی ۲۸ غزلیں ہیں آپ کا صرف یہی کلام اب تک دستیاب ہوا ہے جس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ تصوف آپ کا خاص موضوع ہے ۔ ایسے اشعار جن میں وحدت الوجود اور اس کے متعلقات کو پیش کیا گیا ہے اچھی خاصی تعداد میں ہیں ۔ ؎

قلم سے آہ کے املا ہوا ہوں ‌ ‌ حروفِ درد میں پیدا ہوا ہوں
جمالِ بے مثال اپنے کی خاطر ‌ ‌ کہیں ارواح کہیں اسما ہوا ہوں
تجلی میں ہیں اپنی ذات کی دیکھ ‌ ‌ کہیں وامق کہیں عذرا ہوا ہوں
کہیں گلزار میں جا گل کہایا ‌ ‌ کہیں میں بلبلِ شیدا ہوا ہوں

کہیں میں ہوں خروشی بندہ عشق کہیں میں راہبر اپنا ہوا ہوں

آپ کا یہی انداز آپ کو آپکے ہمعصروں میں ممتاز کرتا ہے ۔ ؎

ہے سخن تیرا عجب شیریں سخن سرو قد، نرگس نین، گل پیرہن
مجلسِ خوباں ہیں یارو میں کہوں ہے ہمارا یار، شمعِ انجمن! [1]

سیّد محمد قاسم بخاری

مؤلف سفینۃ السادات

سفینۃ السادات مؤلفہ سیّد محمد قاسم بن سیّد عبدالرحمن بڈھ حسنی بخاری ۔ اس میں بخاری سادات کے حالات درج ہیں ۔ ۱۰۷۳ھ کی تصنیف ہے اور ۱۱۸۲ھ کا مخطوطہ ہے (بھروچ کے قاضی صاحب کے کتب خانہ میں تھی ۔) [2]

شیخ ثناء اللہ

تقریباً بارھویں صدی ہجری

آپ کا نام شیخ ثناء اللہ اور تخلص ثناء تھا ۔ وطن احمد آباد گجرات تھا شاعری میں ولی کے شاگرد تھے ۔ صاحب تذکرہ 'مخزن الشعراء' کے بیان کے مطابق آپ احمد آباد کے شیخ زادے تھے ۔ ظاہری و باطنی علوم کی تکمیل حضرت شیخ نورالدین حسین صدیقی سہروردی (م ۱۶۵۳ء/۱۰۶۴ھ) سے کی یہ بزرگ حضرت محبوب عالم گجراتی (م ۱۶۳۷ء/۱۰۴۷ھ) کے خلیفہ تھے ۔

---

[1] ادبیات ص۲۶ [2] گجرات کی تمدنی تاریخ ص۲۲۳ ۔

شیخ ثنا نے بقول فائق محمد شاہ بادشاہ دہلی (۱۹-۱۷۱۶ ۱۷۴۸ء) کے زمانے میں کسی معرکے میں زخمی ہوکر شہادت پائی۔ اس معرکے کی تفصیلات کا علم نہیں ہو سکا۔ اور نہ صحیح تاریخ وفات کا پتہ چلتا ہے۔

فائق کے پیش نظر آپ کا پورا کلام تھا اس لئے یہ رائے دی ہے۔

"محاورہ اش بہ محاورہ حال فرقے دارد ومضامین درست می باید، اما این یک دو شعر کہ موافق محاورہ جدیدہ اہل گجرات است از سفائن قدیم بہم رسید"

اس کے بعد فائق نے یہ تین شعر لکھے ہیں۔ ؎

یہ ہوگئی ہے اسے نام سے ثنا کے ضد ۔۔۔ ثنا خدا کی بھی وہ بت نہیں کیا کرتا
ثنا کا کام یہی ہے کہ اپنے منہ سے بس ۔۔۔ سدا ثنا دہن یار کی کیا کرتا

آگے اس قاتل خون ریز کے مقتل میں ثنا ۔۔۔ جس نے سر اپنا جھکایا وہ سرافراز ہوا

فائق کے بیان اور منقولہ اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا کلام قدیم طرز میں تھا۔ اور "محاورۂ جدیدۂ اہل گجرات" کے مطابق نہ تھا۔ ان اشعار سے آپ کے اصل رنگ کلام کا اندازہ نہیں ہوتا۔ تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے مقامی لب و لہجہ سے اجتناب کرتے ہوئے شعر گوئی کا وہ انداز اختیار کیا جو آپ کے استاد ولی کے آخری زمانے کے کلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ آپ کے اب تک صرف یہی تین شعر دستیاب ہوئے ہیں۔ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں ایک قلمی کشکول ہے جس میں چند شعرائے گجرات (مثلاً داؤد اور دلکش) وغیرہ کا کلام ہے۔ آپ کی بھی ایک غزل ہے جو صنعت تنافر یعنی ہکلی زبان میں ہے۔ اس غزل کے دو شعر یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

دہ دہ دہ دلبر آیا ۔۔۔ بہ بہ بہ بانکی ادا کا
پہ پہ پہ پہرا ہے جامہ ۔۔۔ ز ز ز زربفت نما کا

ھہ ھہ ھہ ہاتھ میں دستنا خہ خہ خہ خنجر خو نی!
لہلا لہ اراہو سے بھرا ہے دہ دہ دہ دامن سوقبا کا [1]

شیخ عبدالملک بن کریم محمد

تقریباً گیارھویں صدی ہجری
صاحب نصاب الاحتساب

شیخ عمر بن محمد بن عوض کی تصنیف ہے۔ سنہ ۱۰۸۲ھ میں عبدالملک ولد کریم محمد بن راجی محمد بن حسن محمد بھروچی نے اس کی کتابت کی ہے۔ اس کا دوسرا نسخہ مع فارسی ترجمہ کے بھی ہے، اس کا نام توریہ ہے۔ شیخ فتح اللہ اس کے مترجم ہیں۔ اکبرآباد (آگرہ) میں سنہ ۱۱۱۱ھ میں ترجمہ مکمل ہوا۔ اس سے دو سو برس پہلے بھی اس کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا تھا جس کا نام دستورالاحتساب ہے۔ ترجمہ سوال وجواب کے پیرایہ میں ہے۔ مترجم کا نام خواجہ بن احمد بن محمود ہے۔ دیباچہ میں ہے کہ یہ ترجمہ سلطان مظفر شاہ ثانی حلیم بن سلطان محمود اعظم بیگڑہ کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا تھا۔ سلطان مظفر حلیم سنہ ۹۱۷ھ سے سنہ ۹۳۲ھ تک تخت نشین رہے۔ وہ حافظ قرآن، فقیہ اور محدث تھے۔ اور علم کے قدردان تھے اس لئے ترجمہ ان کے دورانِ حکومت ہی میں ہوا ہوگا۔ مترجم نے بادشاہ کے لئے چند دعائیہ اشعار بھی لکھے ہیں جو ذیل میں درج ہیں۔

خدایا تا جہاں را بادشاہی مظفر شاہ را دہ تاج شاہی
زعدلش مملکت آباد گرداں دلش از ہر چہ خواہد شاد گرداں
گلے آراستہ از بوستانش نگہداری ز تاراج خزانش
ہرآنکہ بخت بد باد سے ستیزد چناں افتد کہ ہرگز بر نخیزد

---

[1] ادبیات ۷، صفحہ ۵۰۲، ۵۰۲۔

ہمیشہ دولتش معمور باوا !! معاندرا بما مقہور باوا !!

یہ کتاب آخر سے ناقص ہے۔ اس پر قاضی القضاۃ قاضی نظام الدین کی مہر ثبت ہے۔ جس پر ۱۱۵۲ھ لکھا ہے۔ بھروچ کے قاضی صاحب کے کتب خانہ میں تھی۔ [1]

شیخ موسیٰ بن جعفر

(م گیارہویں صدی ہجری)

شیخ صالح محدث موسیٰ بن جعفر کشمیری صاحب علم وفضل تھے۔ اور اللہ کے اولیاء میں سے نیک بندے تھے۔ ان سے سید شیخ بن عبداللہ عیدروس یمنی نے عدن میں ۱۰۱۶ھ میں کسب فیض کیا۔ اور شیخ عبدالقادر حضرمی نے احمدآباد میں استفادہ کیا۔ اس کا ذکر عبدالقادر نے النور السافر صـ۳۴۳ پر ۹۹۰ھ کے واقعات کے ذیل میں کیا ہے۔

شیخ عبدالقادر نے ان دونوں کا تذکرہ "الزھر الباسم" میں کیا ہے۔ نیز اس کا ذکر کیا ہے کہ حضرت موسیٰ بن جعفر نے انہیں اجازت نامہ عطا کیا تھا۔ اور انہوں نے حضرت موسیٰ بن جعفر کو اجازت نامہ مرحمت فرمایا تھا۔ گویا دونوں ایک دوسرے کی طرف سے مجاز تھے۔ اسی طرح فقیہ احمد بن محمد باجابر اور شیخ عبدالقادر عیدروس نے بھی آپس میں ایک دوسرے کو اجازت نامے دیئے تھے۔ [2]

اجازت نامہ جو شیخ موسیٰ بن جعفر کشمیری نے دیا وہ یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اما بعد فھذہ صحیفۃ مکتوبۃ بالاشارۃ لما بلغ الکتاب اجلہ اعلموا

---

[1] گجرات کی تمدنی تاریخ صـ۲۲۳۔ [2] النور السافر صـ۴۱۵۔

اَیّهاالاِخْوان فِی اللّٰہ وَالمتحابُونَ لِلّٰہِ اَسعدنا اللّٰہ وا باکرمان الاخ الاعز الاجل الارشد فی الدّین المحفوظ عن العقبات والمهالك الكامل الواصل القطب الغوث العارف الوارث المحقق الربانی صاحب الاشارات العلیه و الحقائق القدسیه والانوار المحمدیه فی وجهه و اهمم العرشیة فی صدره وقلبه والاسرار الربانیة فی سره وروحه الذی السائر الطائر الی اللّٰہ و فی اللّٰہ و باللّٰہ المحبوب المجذوب السالك فا المنازلات الحقیقة والمترشح لمقام القطبیة الحامل فی زمانه لواء العارفین والمقیم فیه دولة المحققین كهف قلوب السالكین وقبلة همم المریدین الامام الهمام ابوالوقف السید الشریف الولی المقرب الشیخ المقبول عبدالقادر بن الشیخ الكبیر والعلم الشهیر شیخ بن عبداللّٰہ بن الاستاذ الاعظم قطب الوجود امام اهل الشهود الشیخ عبداللّٰہ العیدروس متع اللّٰہ الطالبین المستظلین بظلال ارشاده وهدایته و وصل الیه نعمة عظیمة رفیعة ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰہِ یُوْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْم : للّٰہ الحمد والمنة فحمداً ثم حمداً ۔

فاجازه الخادم الفقیر الحقیر المسكین بالارشاد فی قبول بذكر یه التوبة التائبین وتلقین الذكر الذكر القوی الخفی القوی للطالبین الراغبین وجلوس الخلوة واجلاس المریدین بالثلاثة والسبعة والعشرة والعشرین والثلاثین والاربعین فمن شاهد صلاحیة ذالك فیه وتفسیر الواقعات بعد التوجه والتامل بالصواب علی قدر عقولهم وحسب مراتبهم فی كل باب وحل المشكلات ورفع المعضلات واجزته الباس الخرقة الخمسة لمن تفرس فیه اهلیة ذالك واجزته فی جمیع مایتعلق بطریقة مشائخنا عموما و خصوصا اجازة تامة مطلقة عامة كاملة من غیر شرط ولا قید وایقنوا

ایہا الاخوان انہ اکبر وسیلۃ عند اللہ تعالیٰ فاغتنموا صحبتہ وخدمتہ غنیمۃ فوق التوصیف وتعریف ہذہ تذکرۃ فمن شاء اتخذ الیٰ ربہ سبیلا واوصیتہ بالورع والتقویٰ والترفع مع الطالبین المحتاجین والعفو عن زلاتہم والاحسان الیٰ من اساء الیہ سبیلا وبکثرۃ الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ سائر الانبیاء ودعاء المشائخ والعلماء عمومًا والمشائخ الشریفۃ المذہبیۃ الرضویۃ الجنیدیۃ الکبرویۃ الہمدانیۃ خصوصًا وان لا ینسانی فی صوالح دعواتہ فانی محتاج الیٰ دعاء الاولیاء الصالحین وانا ارجو رحمۃ اللہ وکرمہ ان یثبت ہذا الاخ الصالح الاعز فی الطریقۃ المرتبۃ قطب الاقطاب وہو راو سننا حتی یتمتع من ولایتہ الکاملۃ الشاملۃ جمیع القابلین المسلمین والعالمین وانہ قریب مجیب اللہم ثبتنا علیٰ طریقۃ مشائخنا العظام ومتابعۃ حبیبک محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام وکان ذالک فی اواخر شہر رمضان سنۃ الف وثمان عشرۃ من الہجرۃ النبویۃ فی احمدآباد گجرات والحمد للہ اولاً واٰخرا باطنا وظاہرا وکتبت لہ کتابا وان صارت الالفاظ قبابا قد جری ذالک قلم التقدیر علی لسان العبد الفقیر الراجی ربہ الہادی موسیٰ المدعو بکشمیری بن جعفر بن مولانا رکن الدین المجذوب الحق اصلح اللہ شانہم وصیر بین المساکین مکانہم برحمتک یا ارحم الراحمین یارب العالمین ۔ [1]

اب وہ اجازت نامہ نقل کیا جاتا ہے جو حضرت شیخ عبدالقادر نے حضرت موسیٰ بن جعفر کو دیا ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمدًا لمن اختار موسیٰ وخصصہ بالتکلم وشکرا لمن وہب الخضر

---

[1] معارف

القلب السلیم والصلوٰة والسلام علیٰ محمد خیر الانام و علی آله وصحبه الکرام صلوٰة لا غایة لها ولا انتهاء ولا امد لها ولا انقضاء ما دامت الفیوضات المحمدیة مستمرة السریان فی الملة الاحمدیة وما قبلت قوابل الاولیاء التجلیات الالهیة بواسطة روح الحضرة القاسمیة وبعد فقد ساق سابق القضا و شاق شائق العطایا بالرضا وتشرفت البلاد والعباد و قر الله من ذالك الشرف قسم احمد آباد الاخ الصالح ذا البرهان الواضح العالم العامل الکامل الواصل العارف بغوامض الحقائق الجامع للطائف اسرار الدقائق مظهر الصفات الازلیه مهبط الرحمات شیخ الوقت الشیخ موسیٰ بن جعفر الکشمیری نفعنا الله ببرکاته فتشرف العبد بلقاءه و فاز بدعاءه شهرا میمونة زهره وایاما سررة نوره فصحبته فی تلك المدة ولازمته و تذاکرت معه واستفدت من فوایده وصافیته ونادمته تالمت لفراقه جدا حتی انی اذا تذکرت تلك الاوقات الشریفة احن علی حنین الثکلی وانشد .

مرت لنا بمنی والخیف اوقات — بطیب عیش مع احباب لذات

ومن سعاداتی انی تحکمت له وتلقنت منه الذکر کما تلقاه هو من المشایخ الکبار واخذت عنه العهد والتوبة کما هو فی عرف الصوفیة الاخیار ولما وقع کذالك احب المخدوم المشار الیه ان یاخذ عنی لکمال تواضعه وغایة انصافه وشفقته الزائدة علی الفقیر و بذل جهده فی جبر خاطر العبد بکل ما امکن ومقابلة الحسنة بالحسنة بل بالتی هی احسن وعظیم محبته فی الاولیاء والصالحین و شدة تعظیمه واکرامه لسید المرسلین فاجبته تقربا الی خواطره الشریفة وتعرضا لدعواته المستجابة المنیفه واجزته فی جمیع ما یجوز لی عنی روایة من مقروء ومسموع

ومجاز ومجموع ومنطوق ومفهوم ومنثور ومنظوم وغیر ذالک مما للروایة فیہ مدخل وللنقل علیہ معول اجازۃ عامۃ مطلقۃ بالشرط المعتبر عند اهل الاثر فلیروعنی ذالک بالاتقان والاجازۃ فهو بحمد الله اهل للافادۃ ملتمسا منہ الدعاء بالتوفیق والعافیۃ فی اوقات الانابۃ ورجاء الاجابۃ باجازاتی فی ذالک المتصلۃ بنور الانوار محمد صلی الله علیہ وسلم ووفقنی الله وایاہ لتحقیق العلوم النافعۃ والاعمال الصالحۃ بوجهہ الکریم ثم لجمیع ذریاتنا واحبابنا ولا توفیق الا بالله ولا اعتماد الا علیہ ولا استناد الا الیہ لہ الفضل والمنۃ ولا رب غیرہ ولا ماٰمول الاخیرہ وکان ذالک فی یوم الثلثاء ثانی شهر شوال المبارک سنۃ ثمان عشرۃ بعد الف بمدینۃ احمدآباد وقال ذالک وتلفظ بالاجازۃ وکتب العبد الفقیر عبد القادر بن شیخ العیدروس عفی الله عنهما اٰمین حامدا ومصلیا ومسلما علی رسولہ محمد صلی الله علیہ وسلم وسلام علی المرسلین والحمد لله رب العالمین۔

حضرت موسیٰ کا اجازت نامہ اواخر رمضان کا ہے۔ اور حضرت عبدالقادر کا اجازت نامہ ۲ر شوال ۱۰۱۸ھ کا ہے۔ دونوں کے درمیان صرف چند روز کا فاصلہ ہے۔ کتب خانہ حضرت پیر محمد شاہ کے ایک مخطوطہ سے ایک اور شرف کا پتہ چلتا ہے۔ جو حضرت موسیٰ کشمیری کے توسط سے شیخ عبدالقادر کو نصیب ہوا۔ گمان غالب ہے کہ مندرجۂ ذیل عبارت بھی ان کی کتاب الزہر الباسم ہی سے ماخوذ ہوگی وہ لکھتے ہیں۔

سمعت شیخنا الشیخ موسیٰ بن جعفر الکشمیری یذکر عن شیخ مشایخہ الکبیر والعالم	میں نے اپنے شیخ موسیٰ بن جعفر کشمیری کو ایک مرتبہ اپنے شیخ الشیوخ قطب الاقطاب حضرت سید علی ہمدانی کا ذکر

الشهير قطب الاقطاب وفرد
الاحباب الشريف علي الهمداني
نفعنا الله ببركاته انه اخذ
اليد عن الشيخ المعمر الصحابي
ركن الدين الشيخ سعيد الحبشي
رضي الله تعالى عنه والشيخ
سعيد الحبشي هذا اخذ عن
النبي صلى الله عليه وسلم بغير
واسطة وهو من اصحاب عيسى
عليه السلام وذكروا ان عيسى
عليه السلام دعا له لطول
العمر حتى يدرك زمان
النبي صلى الله عليه وسلم و
سبب ذالك انه حضر ذات
يوم عند عيسى عليه السلام
فسمعه عليه السلام يذكر
النبي صلى الله عليه وسلم
ويعظم شانه فطلب حينئذ
الشيخ سعيد الحبشي من
النبي عيسى عليه السلام ان
يدعو له حتى يبقى الى زمن

کرتے ہوئے سنا کہ انہوں نے ایک معمر صحابی حضرت سعید الحبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مصافحہ کیا۔ حضرت سعید الحبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغیر واسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا تھا۔ حضرت سعید الحبشی دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی درازی عمر کی دعا کی تھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پا جائیں اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت سعید الحبشی ایک روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان بیان کرتے ہوئے سنا۔ تب حضرت سعید الحبشی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے استدعا کی کہ ان کی درازی عمر کی دعا کریں تاکہ وہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک زندہ رہیں اور آپ کے جمال باہر اور روئے طاہر کو دیکھنے کا انہیں شرف

النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویری جمالہ ملے ۔
ویتشرف برویتہ الطاھر ۔

اب صوفیائے کرام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کا سلسلہ بسند مسلسل مروج ہوا ۔ حضرت سعید الحبشی ، حضرت سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ کے زمانے میں موجود تھے ۔ لہٰذا حضرت سید علی ہمدانی کو رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کا شرف صرف ایک ہی واسطہ سے نصیب ہوا ۔

شیخ عبد القادر نے اس مقدس مصافحہ کے تسلسل کو یوں بیان کیا ہے ۔

فصافح بھذہ المصافحۃ الشیخ الکامل المکمل امیر سید عبد اللہ برزش آبادی قدس سرہ وصافح السید عبد اللہ برزش آبادی قدس سرہ بھذہ المصافحۃ تلمیذہ سلطان الحافظ علی الاوبہی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز وصافح الحافظ علی الاوبہی الشیخ الکامل المکمل الشیخ بایندہ ساکتری قدس سرہ العزیز وروح اللہ روحہ الشریف وصافح الشیخ بایندہ ساکتری تلمیذہ الشیخ الکامل المکمل الشیخ موسیٰ بن جعفر الکشمیری ابقاہ اللہ تعالیٰ ۔ واتفق ان الشیخ موسیٰ

مذکورہ طریقہ سے حضرت سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ نے میر سید عبد اللہ برزش آبادی سے مصافحہ کیا ، انہوں نے اپنے شاگرد سلطان حافظ الاوبہی سے ، انہوں نے شیخ بایندہ ساکتری سے اور انہوں نے اپنے شاگرد حضرت موسیٰ بن جعفر کشمیری سے ، اسی طرح مصافحہ کیا حج بیت اللہ و زیارت مدینہ منورہ کی نیت سے ۔ شیخ موسیٰ کشمیری احمد آباد پہنچے جو گجرات کے شہروں میں سے ایک شہر ہے مجھے ان سے ملنے کا اتفاق ہوا ۔ انکی ملاقات سے میں کامیاب ہوا ۔ حظ وافر حاصل کیا ۔ اور ہم دونوں کے درمیان ایسی گہری محبت و الفت ہو گئی کہ بیان نہیں کی جاسکتی

وصل الی احمد آباد احدی مدت لحلات بنیت حج بیت اللہ الحرام وزیارۃ قبر نبیہ علیہ الصلوٰۃ و السلام فاجتمعت بہ و فزت بلقاءہ وحظیت بدعاءہ وحصل بینی وبینہ من الالفۃ والوداد والمحبۃ والاتحاد یجل عن الوصف وتملیت بغدیۃ النفرا اربعۃ اشہرا ولہا جماد ی الاخر واخرھا رمضان فصافحتہ حینئذ بھذہ المصافحۃ المتصلۃ السند الیٰ قطب الاقطاب و فرد الاحباب السید علی الہمدانی نفعنا اللہ ببرکاتہ کما صافح السید علی الہمدانی الشیخ سعید الحبشی کما صافح الشیخ سعید الحبشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

ان کا قیام چار مہینہ رہا ۔ یعنی جمادی الآخر سے رمضان تک ۔ اسی زمانے میں، میں نے ان سے یہ مصافحہ کیا جس کی سند متصل حضرت قطب الاقطاب حضرت سید علی ہمدانی پر منتہی ہوتی ہے ۔ شیخ سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ نے شیخ سعید حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مصافحہ کیا تھا ۔ اور شیخ سعید الحبشی نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح مصافحہ کیا تھا ۔

لہ مقالہ قریشی ، معارف اعظم گڑھ ۱۹۵۸ء

میاں غیبن شاہ

گیارھویں صدی ہجری

میاں غیبن شاہ ایک مجذوب تھے ۔ باباغیبی کے نام سے مشہور رہتے شیخ محمد چشتی کی خدمت میں آیا کرتے تھے ۔جس وقت مظفر شاہ سلاطینِ گجرات کے آخری بادشاہ نے احمد آباد پر دوبارہ قبضہ کیا تو ان کے دروازہ پر پہنچ گئے اور وہاں جاکر کہنے لگے کون مظفر آیا ہے ۔ میں مظفر ہوں ۔ چند روز نہ ہی میں مظفر بادشاہ کو شکست ہوئی ۔ اور دوبارہ مغلوں کا قبضہ ہوگیا ۔ باباغیبن کی قبر شاہ پور دروازہ سے باہر واقع ہے[1]

اسد اللہ ابن محب الرحمٰن

عہد شاہ جہانی میں آپ احمد آباد تشریف لائے ہیں ۔حضرت سلطان حاجی ہود کے خاندان میں سب سے پہلے آپ ہی نے احمد آباد کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا ۔ احمد آباد میں آپ کا مزار ہٹھی سنگ مندر کے باغ کے عقب میں واقع ہے ۔[2]

مفسرِ کبیر شیخ یحییٰ بن محمود

م ۲۷ر صفر ۱۱۰۱ھ بمطابق ۹ر دسمبر ۱۶۸۹ء

شیخ یحییٰ بن محمود بن محمد چشتی ۔کبار مشائخ چشتیہ سے تھے ۔۲۰ر رمضان ۱۰۱۱ھ بمطابق ۱۲ر مارچ ۱۶۰۲ء

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی ص۵۸ ۔ [2] اکابرین گجرات ص۲۳ ۔

کو احمدآباد میں ولادت ہوئی۔ اپنے دادا کے پاس ۲۰ رسال رہ کر حفظ قرآن، علوم دین اور معرفت کو حاصل کیا۔ پھر انہی کے جانشین ہوئے۔

عرس و میلاد میں سماع بغیر مزامیر کا ذوق تھا۔ اپنے والد کی حیات میں حج کیا تھا۔ پھر والد کی رحلت کے بعد دوسری مرتبہ حجاز مقدس پہنچے اور چودہ سال قیام کیا۔ اس دوران آپ ایک سال مکہ مکرمہ میں گذارتے اور ایک سال مدینہ منورہ میں گذارتے۔

آپ نے تفسیر حسینی کے نام سے بیالیس رسالوں میں ایک تفسیر لکھی۔ اتوار ۲۷ صفر سنہ ۱۱۰۱ھ بمطابق ۹ ردسمبر ۱۶۸۹ء کو وفات ہوئی۔ مدینہ منورہ کے قبرستان بقیع الغرقد میں دفن ہوئے۔ ؎

خاتمہ مرآۃ احمدی میں آپ کے حالات تفصیل سے ملتے ہیں کہ شیخ محی الدین، ابو یوسف یحیٰ چشتی ابن شیخ محمود بن حضرت شیخ محمد چشتی۔ آپ کی ولادت سنہ ۱۰۱۱ھ میں ۲۰ ر رمضان المبارک کو پنجشنبہ کے روز ہوئی۔ آپ نے اپنے جدِ امجد شیخ محمد چشتی کی خدمت میں رہ کر بیس سال کی عمر میں تمام علوم ظاہری و باطنی حاصل کئے اور کسب باطن کو بھی کمال تک پہنچایا۔ حافظ قرآن بھی تھے۔ معاشی ضروریات کی بنا پر آپ نے شروع میں کچھ مدت سیف خاں اور مرزا عیسیٰ خان کے یہاں ملازمت بھی کی مگر اس دوران بھی ورع و تقویٰ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ چنانچہ آپ فوج کے ساتھ سوراشٹر کے علاقہ میں ایک علاقہ کو فتح کرکے تمام فوجی وہاں ٹھہرے ہوئے تھے اور تمام فوجی دیہات کا غلّہ اور گھاس وغیرہ لاکر خود بھی کھا رہے تھے اور جانوروں کو بھی کھلا رہے تھے۔ تو آپ اپنے گھوڑے کی لگام پکڑ کر ایک طرف کونے پر کھڑے ہو گئے۔ ساتھی فوجیوں

؎ نزہۃ الخواطر عربی ص ۴۲۹، ج ۶۔

نے بہت اصرار بھی کیا ______ کہ ہمارے لیئے اور ہمارے جانوروں کے لیئے غذا اس کے سوا کوئی میسر نہیں مگر پھر بھی آپ نے قبول نہیں کیا۔ اسی طرح بھوک کے عالم میں آپ سو گئے اسی دوران ایک غیبی ہاتھ نمودار ہوا اور ایک ہاتھ میں رومال تھا جس میں روغن لگی ہوئی کھجوریں اور دوسرے ہاتھ میں گھوڑے کے لیئے چارہ تھا۔ آپ کے حوالے کیا، آپ نے سیر ہو کر خود بھی کھایا اور گھوڑے کو بھی کھلایا۔ بعد میں بتایا کہ وہ حضرت خضر تھے۔ جب آپ اپنے جد امجد کے وصال کے بعد گدی نشین ہوئے تو آپ نے تمام آمد و رفت چھوڑ دی اور گوشہ نشین ہو گئے۔ اور عزلت و تنہائی اختیار کی۔ اس قدر خلوت نشین تھے کہ اورنگ زیب جس وقت اس صوبہ کے حاکم تھے تو اس وقت انہوں نے اپنے استاذ شیخ نظام کو شیخ کی خدمت میں بھیجا۔ ملاقات کی درخواست کی شیخ نے جواب دیا کہ انکی ملاقات کا مقصود دعا ہے۔ حقیر اس جگہ بیٹھکر دعا کر رہا ہے اور اگر اس کا اعتبار کیا جائے کہ اولوالامر کی اطاعت واجب ہے تو میں آسکتا ہوں۔ لیکن جو خوشدلی سے یہاں بیٹھ کر دعا ہو سکتی ہے وہ اس حال میں نہیں ہوگی۔ یہ سنکر اورنگ زیب شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس کی دعا فرمائیں کہ دین محمدی کی سربلندی اور برتری قائم ہو۔ شیخ نے اس کے لیئے دعا کی اور فرمایا کہ ایسا ہی ہوگا۔ چنانچہ اورنگ زیب بادشاہ ہوئے اور ان سے حمایت دین، شرع مبین کی حفاظت کا کام لیا گیا۔ اس کے بعد عالمگیر اپنی شاہزادگی کے زمانے میں اور تخت سلطنت پر بیٹھنے کے بعد برابر آپ کی خدمت میں ہدایا بھیجتے رہے۔ اور ساتھ اپنی طرف سے مکتوب گرامی بھی ارسال کرتے جو ان کے دست خاص کا لکھا ہوا ہوتا۔ خاندان چشتیہ میں سماع کا ہمیشہ معمول رہا ہے۔ اس لیئے ان کے یہاں بھی بغیر مزامیر کے صرف اشعار پڑھے

جاتے ، نعتیں پڑھی جاتیں ، مگر اس سلسلہ میں جب حکومت کی طرف سے زیادہ قیود بڑھادی گئیں تو اس بناء پر مرزا باقر جو محتسب تھے انہوں نے تمام جگہ اس بارے میں سختی کردی کہ کہیں بالکل مولود نہ ہو ۔ اور نعت گوئی ، شعر گوئی وغیرہ کی مجالس قائم نہ کی جائیں ۔ اسی وقت ہر جگہ یہ مجلس موقوف ہوگئیں مگر شیخ کی خانقاہ میں پھر بھی برابر جاری رہیں ۔ یہ چیز محتسب اور اس شعبہ کے ذمہ داروں کو بہت شاق گذری ایک روز محتسب نے یہ طے کیا کہ تمام گویوں کو شیخ کی خانقاہ سے پکڑ کر لے آؤ ۔ اور انکی تنبیہ و تادیب کرو ۔ تاکہ اس سے باز آجائیں ۔ اس ارادہ سے محتسب خود میر عرب کے گھر میں جاکر بیٹھ گئے ۔ جب یہ خبر شیخ کو پہنچی تو شیخ ناراض ہوئے اور ادھر شیخ بھی انکی آمد کے منتظر مستعد ہوکر بیٹھ گئے ۔ جب شیخ کی اس برہمی کی اطلاع محتسب اور میر عرب کو پہنچی تو میر عرب کہنے لگے کہ پہلے جاکر شیخ کو سمجھانا چاہیئے ۔ اگر وہ قبول کرلیں تو ٹھیک ہے ۔ چنانچہ میر عرب شیخ کی خدمت میں آئے مدّعا عرض کیا کہ محتسب اس ارادہ سے آئے ہوئے ہیں اس لئے بہتر ہے کہ چند روز کے لئے اس کام کو موقوف کردیا جائے ۔ اور بادشاہ کے حکم کا انتظار کیا جائے ۔ شیخ یہ سنکر بہت برہم ہوئے اور فرمایا : بادشاہ کون ہوتا ہے ۔ میں جس کو چاہوں تخت شاہی پر بٹھاتا ہوں جاؤ اور محتسب سے کہو کہ جلدی یہاں آؤ ۔ میر عرب اٹھ کر گئے اور ماجرا محتسب سے عرض کیا ساتھ یہ بھی کہ اس وقت جانا مناسب نہیں ورنہ عظیم فتنہ برپا ہوجائے گا ۔ مصلحت یہ ہے کہ اس کو دوسرے وقت پر موقوف کردیا جائے چنانچہ محتسب نے بھی سمجھ لیا کہ اس وقت جانا مناسب نہیں اٹھ کر اپنے گھر آگئے ۔ شیخ نے کئی مرتبہ یہ قصہ لکھ کر شیخ نظام کے صاحبزادے شیخ عبداللہؒ کے واسطے سے بادشاہ کی خدمت میں بھیجا مگر وہ خطوط بادشاہ کے پاس نہ پہنچ سکے ۔ بالآخر شیخ نے وہ خطوط میر سید علی رضوی خان کی معرفت بادشاہ کی خدمت

میں بھیجے، بادشاہ نے جب خط کو پڑھا تو اس کو بوسہ دیا، سر پر رکھا اور جواب میں معذرت کا خط لکھا، اور چار خطوط الگ الگ افسران کے نام تحریر فرمائے ایک راجہ جسونت سنگھ کے نام جو اس زمانے میں یہاں کے ناظم تھے دوسرا نظام الدین احمد کے نام کہ جو دیوان تھے۔ تیسرا امیر بہاؤ الدین کے نام اور چوتھا قاضی محمود شریف کے نام۔ اس میں یہ لکھکر بھیجا کہ مرزا باقر محتسب کو بتاکید منع کردیں کہ دوسری مرتبہ ایسے کام نہ کریں اور مختلف فیہ مسائل میں نہ الجھیں۔ چاروں نے شیخ کی خدمت میں جاکر معافی مانگی۔ اور حکم شاہی کے مطابق ایک ہزار روپیہ نقد اور چار تولہ عطر شیخ کی خدمت میں پیش کئے۔ اس کے بعد کسی نے اس سلسلہ میں آپ سے مزاحمت نہیں کی۔ حضرت شیخ رح دو مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت سے بھی مشرف ہوئے۔ پہلی مرتبہ والدہ بالکل راضی نہیں تھیں فرماتیں کہ اگر اس ضعیف کا وقت آخر آ پہنچا تو میری تجہیز و تکفین کون کرے گا۔ کہ تمہارے بھائی بھی یہاں حاضر نہیں ہیں وہ بھی دکن کی طرف گئے ہوئے ہیں مگر کسی طرح شیخ نے والدہ کو راضی کیا کہ ہم جلدی حرمین کی زیارت سے واپس حاضر ہو جائیں گے۔ چنانچہ حج و زیارت سے فارغ ہوکر آپ جلد واپس لوٹ آئے۔ اور والدہ کی خدمت میں پہنچے۔ والدہ ماجدہ کے وصال کے بعد پھر دوبارہ حرمین شریفین کی زیارت کا اشتیاق غالب ہوا بلکہ وہاں قیام کے ارادہ سے لوگوں کو اطلاع کئے بغیر آپ چل پڑے اور رکھاریہ دروازہ مسجد میں جو مولانا محمد قاسم صاحب کی مسجد تھی وہاں نزول فرمایا۔ شہر کے اکثر لوگ الوداعی اور رخصتی ملاقات کے لئے شیخ کے سامنے حاضر ہوئے اور شیخ ان سے رخصت ہوکر بندرگاہ سورت پہنچے۔ وہاں ساتھیوں نے عرض کیا کہ جہاز میں پیشاب پاخانہ وضو کے لئے نظافت کا لحاظ نہیں رہتا۔ تکلیف رہتی ہے اس کا کیا کریں گے شیخ فرمانے لگے۔ ایسا کیوں کرتے ہوں گے ان چیزوں کی تو احتیاج پیش آتی ہے

اس کے بعد جب شیخ جہاز پر سوار ہوئے تو سوائے قہوہ کے کوئی چیز نہ پی نہ کھائی جس کی بنا پر نہ سوئے نہ استنجا اور پیشاب کی حاجت ہوئی جس وضو سے آپ سورت سے سوار ہوئے تھے جدّہ اسی وضو سے پہنچے حالانکہ سفر میں چالیس دن گذرے اور اس کے بعد پاؤں کے عارضہ کی بناء پر حضرت نے حرمین میں اقامت اختیار فرمالی اور ایک سال مکہ مکرمہ اور ایک سال مدینہ منورہ میں قیام فرماتے اس طرح آپ نے چودہ سال حرمین میں گذارے یہاں تک کہ ۱۱۰۱ھ میں ۲۸ صفر یکشنبہ کے روز نماز کی حالت میں سجدہ میں آپ نے انتقال فرمایا۔ اور حضرت عثمان رضؓ کی قبر کے متصل آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کی عمر ۹۱ برس ہوئی۔ [۱]

قاضی محمد شفیع

م ۱۱۰۱ھ بمطابق ۱۶۸۹ء

شیخ محمد شفیع حنفی، یکے از علمائے کبار۔ فقہ و اصول فقہ میں ممتاز مقام حاصل تھا عالمگیر کے زمانہ میں احمد آباد کے مضافات کی تولیت آپکے سپرد ہوئی یہ تقریباً ۱۱۰۱ھ مطابق ۱۶۸۹ء کا ذکر ہے۔ [۲]

قاضی شیخ الاسلام

وفات ۱۱۰۹ھ بمطابق ۱۶۹۷ء

قاضی القضاۃ عبدالوہاب کے بیٹے ہیں۔ فقہائے احناف میں سے تھے۔ علم

[۱] خاتمہ مرآۃ احمدی صفحہ ۹۰ [۲] نزہۃ الخواطر عربی ۵۹۶ صفحہ ۳۱۹/۶ -

وعمل، زہد و ورع کے امام تھے۔

خافی خان نے منتخب اللباب میں بیان کیا ہے کہ جب والد کا انتقال ہوا تو انہوں نے ایک لاکھ اشرفی اور پانچ لاکھ روپیہ کے علاوہ قیمتی جواہرات اور اثاث بیت چھوڑا۔ شیخ الاسلام نے اس ترکہ میں سے کچھ نہیں لیا۔

آپ کے والد قاضی عبدالوہاب کے انتقال کے بعد ۱۰۷۶ھ میں عالمگیر نے آپ کو عہدۂ قضاء کی پیشکش کی لیکن آپ نے اُسے قبول نہ کیا عالمگیر کے اصرار کرنے پر اظہار ناپسندیدگی کے ساتھ اُسے قبول کر لیا۔ پھر آپ نے اس عہدہ کے فرائض بحسن خوبی انجام دیئے اور حق بات ظاہر کرنے میں بادشاہ کی بھی رعایت نہیں کی ۱۰۹۴ھ میں آپنے استعفیٰ دے دیا۔[۱] اس کے بعد آپ حج کو تشریف لے گئے۔ واپسی پر عالمگیر نے صدارت عظمیٰ کی باصرار پیشکش کی لیکن آپ نے قبول نہ کیا۔ ۱۱۰۹ھ میں وفات پائی اور اپنے بزرگوں کے قبرستان میں دفن ہوئے۔[۲]

رودِ کوثر میں ہے کہ قاضی شیخ الاسلام کا نام اس اندھیری رات میں چراغ کی طرح چمکتا ہے۔ وہ واقعی پرہیزگار اور دیانتدار تھے۔ انہوں نے اپنے باپ کے ورثہ سے ایک پائی نہ لی۔ اور جب اورنگ زیب نے بیجاپور پر حملہ کرنے کے متعلق ان سے استصواب کیا تو انہوں نے صاف صاف کہدیا کہ ایک مسلمان بادشاہ سے اس طرح جنگ شروع کرنی ناجائز ہے۔ لیکن ان کا دل قضا میں نہ لگتا تھا۔ چند سال خدمت کرنے کے بعد انہوں نے استعفیٰ دے دیا اور باوجودیکہ بادشاہ بڑا زور دیتا تھا کہ وہ یہ کام سنبھالے رکھیں، لیکن انہوں نے طریقے طریقے سے ٹال دیا۔ پہلے حج کو چلے گئے۔ پھر زیارتِ مقابر بزرگان و ملاقات عیال و اطفال کیلئے رخصت لی۔ اور اپنے آپکو اس سلسلے میں الجھنے نہ دیا۔[۳]

---

[۱] نزھۃ الخواطر ج۶ یاد ایام۔ [۳] رود کوثر ص۴۶۱۔

مولانا ابوظفر ندوی نے آپ کے حالات قدرے تفصیل سے لکھے ہیں۔ ابتدا میں قاضی دہلی تھے۔ پھر قاضی عسکر ہو گئے۔ اپنے باپ کے ترکہ میں سے انہوں نے کچھ نہ لیا جس کی مقدار ایک لاکھ اشرفی اور پانچ لاکھ روپے نقد تھی۔ یہ رقم دوسرے وارثوں میں تقسیم کردی۔ مقدمات میں اکثر یہ کوشش کرتے کہ دونوں فریق صلح کرلیں۔ (اور اکثر مقدمات اسی طرح فیصل کئے۔

۱۰۹۳ھ (تقریباً) میں یہ حج کرنے تشریف لے گئے۔ ۱۰۹۶ھ میں واپس آکر گھر بیٹھ رہے۔ ۱۱۰۹ھ میں عالمگیر نے ان کو ملاقات کے لئے طلب کیا جو انکی خوبیوں کے سبب سے ان کا بڑا گرویدہ تھا۔ اور چونکہ یہ ملازمت سے انکار کرتے تھے اس لئے بادشاہ کا خیال تھا کہ جب سامنے آئیں گے اور کوئی خدمت سپرد کرونگا تو انکار نہ کرسکیں گے۔ انہوں نے دعا کی کہ خدایا میری اور بادشاہ کی ملاقات نہ ہو۔ چنانچہ احمد آباد سے روانہ ہوئے تو راستے میں انتقال فرما گئے۔

شیخ الاسلام کے چار لڑکے تھے۔ (۱) سراج الدین (۲) اکرام الدین (۳) نورالحق (۴) عبدالحق (عبدالمعالی خان) ان میں سے اکرام الدین صدر صوبہ احمد آباد ہوئے۔ اور شیخ الاسلام خان ان کا خطاب تھا۔ اچھی عمر پائی اور اچھی دولت حاصل کی۔ احمد آباد میں ایک لاکھ چوبیس ہزار خرچ کرکے ایک عربی مدرسہ مع دارالاقامہ (بورڈنگ) قائم کیا۔ اور ساتھ ہی ایک مسجد بھی تیار کی۔ یہ مسجد آج بھی احمد آباد محلہ اسٹوریہ قاضی کے دھابہ میں موجود ہے۔ اس مدرسہ کو اپنے استاد حضرت شیخ نورالدین کے سپرد کیا۔ جن کا مزار بھی اسی احاطہ میں آج بھی موجود ہے۔

شیخ الاسلام آخر عمر میں حج کے لئے تشریف لے گئے۔ واپسی پر سیاسی صورتِ حال دیکھ سورت ہی میں رہ پڑے۔ یعنی مارواڑی اور مرہٹے تمام گجرات پر تقریباً قابض ہو گئے تھے۔ وفات کے بعد آپ کی لاش احمد آباد

لائی گئی، اور مذکورہ مدرسہ میں دفن کیا گیا۔

شیخ الاسلام کے ہندو شاگرد

"فتوحات عالمگیری" کے مصنف ایسر داس، قوم کے ناگرا د پٹن کے رہنے والے تھے، ۳۰ برس کی عمر تک قاضی شیخ الاسلام بن عبدالوہاب کی خدمت میں تحصیلِ علم کرتے رہے۔ شاہی ملازمت میں آکر جودھپور کے امین بنے۔ میدانِ جنگ میں بھی مفید خدمات انجام دیں۔ فتوحاتِ عالمگیری انکی ایک علمی یادگار ہے۔ جس میں عالمگیر کے چونتیسویں سالِ جلوس تک (۱۱۰۱ھ — ۱۱۰۲ھ) کے واقعات ہیں۔[۱]

قَاضِی القُضَاۃ قاضی عبداللہ بن محمد شریف

م ۱۱۰۹ھ بمطابق ۱۶۹۷ء

قاضی عبداللہ بن قاضی محمد شریف حنفی۔ فقہ اور اصول میں ممتاز مقام حاصل تھا۔ پہلے احمد آباد میں عہدۂ قضا پر تقرر ہوا۔ پھر جب محمد اعظم بن عالمگیر سے آپ کا تعلق ہو گیا تو اس نے آپکو اردوئے معلی کا قاضی مقرر کیا۔ اور ایک مدت تک آپ اسی عہدہ پر فائز رہے۔ پھر ۱۰۹۵ھ میں قاضی القضاۃ میر ابوسعید قضا سے سبکدوش ہوئے تو عالمگیر نے اقضی القضاۃ کا بڑا عہدہ آپکے سپرد کیا۔ چنانچہ آپ ایک مدت تک ہند کے قاضی القضاۃ کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے۔ پھر آپ صدر الصدور کے منصب پر فائز ہوئے لیکن کچھ ہی عرصہ بعد ۱۱۰۹ھ مطابق ۱۶۹۷ء میں آپ کی وفات ہو گئی۔[۲]

---

[۱] مآثر الامراء، مرآۃ احمدی۔ بحوالہ تذکرہ شیخ طاہر پٹنی ص۹۶، تاریخ ادبیات فارسی ادب ص۵۴۰/۱۷۔ [۲] یاد ایام، نزہۃ الخواطر عربی ص۱۶۷/۶۷، ۳۱۵۔

ماثرعالمگیری میں ہے کہ مفتی قاضی محمد اکرم حنفی دہلوی کبار فقہاء میں سے تھے۔ آپ نے اکابر سے علم وافتار کو ورثے میں پایا اور فوج میں افتار کی خدمت پر طویل زمانے تک مامور رہے۔ پھر عالمگیر نے آپ کو ۱۰۹۶ھ میں اورنگ آباد کی قضاۃ سونپی۔ پھر آپ کو قضاء اکبر قاضی القضاۃ کا عہدہ قاضی عبداللہ بن محمد شریف گجراتی کی جگہ پر ۱۱۰۹ھ میں سونپا گیا۔ ساری عمر اس عہدے پر آپ رہے۔ آپ فقہ میں بے نظیر تھے۔ نہایت خوش طبع نشیط خوش مزاج تھے۔ عالمگیر آپ کو آپکی وفات کے بعد اعلم المرحوم کے نام سے یاد کرتے تھے۔ آپ نے ۱۱۱۶ھ میں وفات پائی کما فی ماثر عالمگیری۔ [1]

مولانا زین العابدین

م ۱۱۱۳ھ بمطابق ۱۷۰۱ء

شیخ زین العابدین احمد آبادی۔ یکے از علمائے کبار۔ فن مناظرہ میں "آداب باقیہ" پر آپ نے حاشیہ لکھا ہے ۱۱۱۳ھ میں وفات پائی۔ [2]

خواجہ حسن محمد

م ۱۱۱۳ھ بمطابق ۱۷۰۱ء

انکے خاندان کے مورث اعلیٰ شیخ خواجہ عبداللطیف بڑے پایہ کے عالم تھے۔ ۷۳۶ھ بمطابق ۱۳۳۵ء میں بمقام بغداد صدارت کے عہدہ پر ممتاز تھے۔ بنی عبید کے قبیلہ سے تھے۔ جو مدینہ کے پاس آباد تھا۔ یہ بغداد سے گجرات آکر پہلے

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۲۸۲ [2] ایضاً عربی ج ۶ ص ۹۴۔

سرکھیج میں مقیم ہوئے۔ پھر پٹن نہروالہ چلے گئے۔ جب احمدآباد بسایا گیا تو شیخ کی وفات کے بعد خواجہ حسن محمد احمدآباد آئے اور تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔ انکی اولاد میں سے شیخ احمد اور شیخ عثمان سلطان احمد شاہ ثالث کے عہد میں دیوان ہوئے۔ پھر انکی اولاد سے صفی الدین سیف خان بعہد جہانگیر احمدآباد میں صوبہ دار مقرر ہوئے۔ پھر شاہجہاں کے عہد میں ان کے لڑکے محمد امین سورت بندر کے متصدی ہوئے۔ اور ان کے پوتے شیخ حامد سورت آکر مقیم ہوگئے۔ سنہ ۱۰۵۳ھ بمطابق سنہ ۱۶۴۳ء میں ان کو عمدۃ التجار کا خطاب ملا۔ چونکہ یہ بہت بڑے عالم تھے۔ اور دولت کے ساتھ علم کا بھی ذوق تھا۔ ایک بڑا کتبخانہ بھی ان کے پاس تھا جس میں بیس ہزار کتابیں تھیں۔ ایک سو سات ۱۰۷ برس کی عمر پاکر سنہ ۱۱۰۱ھ بمطابق سنہ ۱۷۰۱ء میں انتقال کرگئے۔ انکے صاحبزادے محمد فاضل اسم بامسمیٰ تھے۔ دولت اور عمر دونوں میں اپنے باپ کے وارث تھے۔ عمدۃ التجار کے خطاب کے ساتھ اور بہت سے شاہی عنایات سے مستفیض ہوئے۔ اور انکی مالداری کا یہ حال تھا کہ ساٹھ ہزار فقط زکوٰۃ ادا کرتے تھے۔ علمی ذوق اس قدر تھا کہ تیس لاکھ روپیہ خرچ کرکے چالیس ہزار کتابیں اپنے کتب خانہ میں جمع کیں۔

کتابوں کی خرید اور انکی نقل کے لئے ہر بڑے شہر میں آپ کے کارندے مقرر تھے۔ سنہ ۱۱۲۹ھ میں حیدر قلی خان متصدی بندر سورت نے عداوت سے بروده کے پاس گویوں کے ذریعے ان کو قتل کرادیا۔ ان کے لڑکے شیخ محمود کا جو صاحب دولت تھے سنہ ۱۱۸۴ھ میں بمقام سورت انتقال ہوا۔ ان کے صاحبزادے شیخ بہادر علوم وفنون میں بڑے ماہر تھے۔ ۷۳ رسال کی عمر پاکر سنہ ۱۲۴۵ھ میں رحلت کرگئے۔ ان کے لڑکے شیخ حامد بھی صاحبِ علم تھے انہوں نے سنہ ۱۲۵۵ھ میں وفات پائی۔ انہی کے صاحبزادے رضی الدین احمد عرف بخشو میاں تھے۔

انہوں نے اپنے آبائی کتب خانہ سے بڑا فائدہ اٹھایا۔ ۴۴۴ منتخب کتابوں سے ایک کتاب "حدیقہ احمدی" تاریخ میں تالیف کی۔ اس کی تیسری جلد کا نام "حدیقۃ الہند" ہے۔ مولانا ابوظفر ندوی رقمطراز ہیں کہ انکی نظر سے یہ تینوں جلدیں گذری ہیں اور اب تک غیر مطبوعہ ہیں۔ ۱۲۶۵ھ میں بخشو میاں رحلت کر گئے۔ ان کے خلف الرشید شیخ بہادر عرف شیخ میاں اپنے باپ کے خلف الصدق ثابت ہوئے "حقیقۃ السورتؔ" انہی کی تالیف ہے۔ ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ انکے لختِ جگر شیخ محمد امین صاحب احمدآباد کے محکمہ منشیات کے افسر رہے۔ فرماتے تھے کہ میری کم عمری کے باعث کتب خانہ برباد ہو گیا۔ [۱]

شیخ رکن الدین

متوفی ۱۴ ربیع الاول ۱۱۱۵ھ بمطابق ۲۷ جولائی ۱۷۰۳ء

شیخ رکن الدین بن یحیٰ عمری چشتی۔ یکے از مشایخ چشتیہ۔ احمدآباد میں ۱۰۵۹ھ بمطابق ۱۶۴۹ء میں ولادت ہوئی۔ اپنے والد اور شیخ فریدالدین سے تعلیم حاصل کی شیخ عبدالفتاح عسکری سے مثنوی پڑھی۔ پھر والد ماجد کی صحبت میں رہ کر سلوک طے کیا۔ جب آپکے والد نے حجاز مقدس ہجرت فرمائی تو آپ کو اپنا جانشین بنا گئے۔ گجرات میں آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور بہت سے لوگ آپ سے مستفید ہوئے۔ ۱۴ ربیع الاول ۱۱۱۵ھ بمطابق ۲۷ جولائی ۱۷۰۳ء کو احمدآباد میں وفات ہوئی۔ [۲]

---

[۱] گجرات کی تمدنی تاریخ ص ۲۲۰ [۲] نزہۃ الخواطر ص ۹۹ ج ۶ ۱۷۲

سید سعد اللہ بلگرامی

م ۱۷ ر شوال ۱۱۱۹ھ

شیخ سعد اللہ بن مرتضیٰ بن فیروز بن عبد الواحد حسینی واسطی بلگرامی ۔ یکے از علمائے صالحین ۔ ولادت اور نشو و نما بلگرام میں ہوئی ۔ بعض کتب درسیہ شیخ فیض امروہی سے پڑھیں ۔ اور اکثر قاضی عبد الرحیم مراد آبادی سے پڑھیں ۔ بلگرام ہی میں ایک طویل مدت تک درس و افادہ میں مشغول رہے ۔ پھر حج کے لئے تشریف لے گئے ۔ واپسی پر احمد آباد میں شیخ نور الدین ابن محمد صالح کے مدرسہ میں درس و تدریس کی طرف مشغول ہو گئے اور زہد و عبادت کو اپنا شعار بنا لیا ۔ عبادت کے لئے شب میں بیدار رہتے ۔ دن کے وقت درس افادہ میں منہمک رہتے ۱۷ ر شوال ۱۱۱۹ھ میں وفات ہوئی ۔ احمد آباد ہی میں مقبرۂ کھکن میں مدفون ہوئے ۔ [1]

ولی احمد آبادی

م ۱۱۱۹ھ

بعض اصحاب کے نزدیک آپ کا نام شمس الدین ، شمس الحق ، شمس مولا تھا ۔ اور بعض اصحاب کے خیال میں آپ کا نام ولی الدین ، حاجی ولی ، ولی محمد یا ولی اللہ تھا ۔

بہر حال اس پر سب متفق ہیں کہ آپ کا تخلص ولی تھا ۔ آپ بمقام اورنگ آباد دکن ۱۰۷۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۱۹ھ میں بمقام احمد آباد (گجرات) فوت ہوئے اور دریا خاں کے گنبد کے سامنے دفن کئے گئے ۔ آپ کی قبر حسب وصیت خام بنی ہوئی ہے اور

[1] نزہۃ الخواطر عربی ۱۸۹ ج ۶ ص ۹۹

بالیں کی طرف چینی کے ٹکڑے نصب ہیں۔ نیز ایک قطعہ سنگِ مرمر پر لکھا ہوا دیکھا گیا ہے۔ آپ کا قیام زیادہ تر صوبۂ گجرات میں رہا، شہر سورت کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ آپ دہلی بھی تشریف فرما ہوئے لیکن بہت زیادہ قیام نہیں کیا۔ میرا خیال ہے کہ بعض الفاظ جو آپ نے پہلے دکنی زبان کی مطابقت میں لکھے تھے، دہلی کے قیام کے بعد اُن کو دلّی کی زبان میں صحیح لکھنا شروع کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے کلام میں بعض الفاظ صحیح اور غلط دونوں طرح بندھے ہوئے ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں کلیات کے علاوہ ایک کتاب نور المعرفت بھی شامل ہے جو فنِ سلوک میں لکھی ہے۔ آپ اُردو شاعری کے موجد خیال کئے جاتے ہیں۔ اگرچہ سے آپ سے پہلے اور لوگوں نے بھی اردو میں طبع آزمائی کی ہے اور دواوین بھی مرتب کئے ہیں لیکن وہ اردو شاعری کے لحاظ سے ہرگز قابلِ اعتبار نہیں۔ آپ کے حالات گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے ہیں اور اس سے زیادہ آپ کے سوانحِ حیات ہم کو معلوم بھی نہ ہو سکے جس کا افسوس ہے۔

نام کے متعلق مقالاتِ شیرانی میں ہے کہ: مولانا آزاد انکا نام، شمس ولی اللہ، لکھتے ہیں۔ (صفحہ ۹۵ آبِ حیات)

حکیم عبدالحی صاحب نے شمس الدین لقب اور ولی اللہ نام دیا ہے۔ معلوم نہیں ان بزرگوں نے شمس اور شمس الدین کس بنا پر رکھا ہے۔ مخزن نکات، تذکرہ گلزار ابراہیم، تذکرہ گلشن ہند، وتذکرہ شعرائے اردو، میں شاہ ولی اللہ درج ہے۔ مگر گردیزی، شفیق، مصحفی، اور قدرت اللہ قاسم نے محمد ولی لکھا ہے۔ ان سب سے قدیم سند ہمارے پاس ثنار اللہ فانی کی ہے جو آٹھ سنِ جلوس محمد شاہ میں ولی محمد تحریر دیوان کی ایک نقل تیار کرتے ہیں۔ اور شاعر کا نام سید ولی محمد تحریر کرتے ہیں۔ ثنار اللہ فانی اپنا خاتمہ بدیں الفاظ لکھتے ہیں۔

: دیوان اشعار ولی مسمیٰ سید ولی محمد مرحوم بتاریخ چہار دہم شہر محرم الحرام

۸ رسن از جلوس میمنت مانوس محمد شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ تعالیٰ ملکہ و سلطانہ روز چہارشنبہ وقت چاشت در بلد خیر البلاد احمدآباد حمیت عن الفساد، بخط فقیر حقیر اضعف البلاد کلب محبوب سبحانی نمود، بی بود شناراللہ فانی سمت انجام وصورت اتمام پذیرفت ۔"

فانی کے بیان پر ہمیں اشتباہ کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ۔ وہ ولی سے یقیناً واقف معلوم ہوتے ہیں ۔ انہیں سید بھی لکھ رہے ہیں اور مرحوم بھی، جو لوگ انکو شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں وہ شاید ایک اور شاعر شاہ ولی اللہ اشتیاق کے ساتھ التباس کر رہے ہیں

مولانا آزاد صاحب لکھتے ہیں : آپ گجرات کے رہنے والے تھے اور شاہ وجیہ الدین کے مشہور خاندان میں سے تھے ۔ اپنے وطن سے ابوالمعالی کے ساتھ دہلی آئے جہاں سعد اللہ گلشن سے شعر وسخن کی تعلیم حاصل کی ۔ آپ کا سن ولادت اور وفات معلوم نہیں ہو سکا ۔ لیکن اتنا ثابت ہے کہ آپ کا ابتدائی زمانہ شاید عالمگیر کا آخری زمانہ تھا ۔ آپ اپنے دیوان کے ہمراہ محمد شاہی کے حکمراں بننے کے دوسرے سال دلی پہنچے ۔ آپ صوفی شاعر تھے ۔ آپ کے اشعار میں تصوف کا رنگ جھلکتا ہے ۔

آپ کو فارسی زبان میں کامل استعداد اور عبور حاصل تھا ۔ فارسی کے ساتھ ساتھ آپ نے اردو ادب کے لئے گرانقدر خدمات انجام دیں ۔ یہاں تک کہ آپ ہی کی وجہ سے ہند کی شاعری، نظم فارسی کے مدمقابل بن سکی ۔ آپ فارسی کی تمام بحریں اردو میں لائے ۔ آپ نے شعر کو غزل اور غزل کو قافیہ وردیف سے سجایا ۔ اور ساتھ ہی رباعی، قطعہ، مخمس اور مثنوی کا طریقہ ایجاد کیا ۔ آپ کو ہندوستان کی شاعری میں وہی مقام حاصل تھا جو چاسر کو انگریزی شاعری، رودکی کو فارسی شاعری اور مہلہل کو عربی شاعری میں حاصل تھا ۔

آپکی شاعری اورانشاپردازی کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ آپ نے ایک زبان کو دوسری زبان سے ایسا جوڑ لگایا ہے کہ آج تک زمانہ کے کئی کروٹ بدلنے کے باوجود اس میں جنبش نہیں آئی۔

آپ نے نورمعرفت کے نام سے تصوف میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس میں لکھتے ہیں کہ میں نورالدین محمد صدیقی سہروردی کے مریدوں کا خاک پا ہوں۔ اور شیخ سعد اللہ کا شاگرد ہوں۔[۱]

ولی نے دلی کا سفر کیا اور وہاں کے مشاعروں میں اپنا کلام سناکر وہاں کے شعراء کو اتنا متاثر کیا کہ وہ اردو میں لکھنے کی طرف مائل ہوگئے۔ اس وقت تک وہاں یہ زبان صرف عامی سمجھی جاتی تھی، اور علمی و ادبی محفلوں میں اس وقت تک اس کو جگہ نہ مل سکی تھی۔ ولی کی شخصیت اور ان کے دیوان کی مقبولیت کا یہ اثر ہوا کہ شعراء دلی نے فارسی کے بجائے اردو میں طبع آزمائی شروع کردی۔ حاتم، مظہر، آبرو، ناجی، اور فغاں۔ وہ شعرائے دہلی ہیں جنہوں نے ولی کا کلام خود ان کی زبان سے سنا۔ اور اپنے کلام کے لئے وہی محاورہ اور زبان اختیار کی جو ولی نے استعمال کی تھی۔

سفر دہلی کو بعضوں نے مشکوک بنایا ہے، مقالات شیرانی میں ہے قول صفحہ ۹۲:
"ابتدائے عہد، شاید عالمگیر کا آخری زمانہ ہوگا اور وہ مع اپنے دیوان کے سن ۲ محمد شاہی میں دلی پہنچے"

سن ۲ جلوس محمد شاہی ۱۱۳۳ھ کے مطابق ہے۔ ولی کا اس سال دہلی آنا کیا، وہ تو اس سے پندرہ سال قبل یعنی ۱۱۱۹ھ میں انتقال کرچکے ہیں۔

---

[۱] آبحیات ص ۹۶۔

ولی کا قطعہ وفات از مولوی حسن مفتی بقول مولانا عبدالحق ایک قلمی نسخہ دیوانِ ولی نشان ۴۲۷۹ کتب خانہ جامع مسجد بمبئی نوشتہ ۱۱۵۲ھ میں جو راقم کی نظر سے بھی گزر چکا ہے، حسب ذیل مرقوم ہے۔

مطلع دیوان عشق سیدار باب دل
والی ملک سخن صاحب عرفان ولی
سال وفاتش خرد از سر الہام گفت
باد پناہ ولی ساقیٔ کوثر علی!

مصرع آخر سے ۱۱۱۹ھ برآمد ہوتے ہیں۔ ۳ سنہ بلکہ ۲ سنہ جلوس محمد شاہی شاہ حاتم کی سند پر مصحفی نے دہلی میں ولی کے دیوان کی آمد کی تاریخ دی ہے۔ چنانچہ تذکرہ ہندی میں ہے۔

"روزی پیش فقیر نقل می کرد کہ در سن دوئم فردوس آرام گاہ دیوان ولی در شاہجہاں آباد آمدہ واشعارش بر زبان خورد و بزرگ جاری گشتہ"

(صفحہ ۸۰ تذکرہ ہندی از مصحفی)

مجھے ایسا گمان ہوتا ہے کہ مصحفی کا جو نسخہ حضرت مولانا کے پاس تھا اس میں کاتب سے "دیوان" کا لفظ کتابت میں رہ گیا ہے۔ جس سے جملے کا مطلب یہ ہو گیا کہ خود ولی دلی آئے تھے۔

قولہ صفحہ ۴۹ "کبھی کبھی خواجہ حافظ کی طرح بادشاہِ وقت کے نام سے اپنے شعر کو شان و شکوہ دیتے تھے۔ چنانچہ ولی کی تصنیفات میں سے ایک غزل میں کہتے ہیں۔

دل ولی کا لے لیا دلی نے چھین
جا کہو کوئی محمد شاہ سوں

"گل رعنا" میں حکیم عبدالحی بھی مولانا کے ہم آواز ہیں، لیکن شعر بذاتہ ولی کی ملک ہے اور نہ دیوانِ ولی میں موجود ہے۔ یہی شعر کسی قدر اختلاف کے ساتھ شفیق اورنگ آبادی نے "چمنستان شعراء" میں شرف الدین کے نمونۂ کلام میں درج کیا ہے چنانچہ۔

اس گدا کا دل لیا دلی نیں چھین
کوئی کہے جا کر محمد شاہ سوں

(ص ۲۵۷ ۔چمنستان شعراء)

ولی کی تعلیم احمد آباد میں شاہ وجیہ الدین رح کی خانقاہ کے مدرسے میں ہوئی۔

آپ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

گجرات کے فراق سوں ہے خار خار دل | شمشیر ہجر سوں جو ہوا ہے فگار دل
میرے سینے میں آکے چمن دیکھ عشق کا | ہے جوشِ خون سوں لتی میں مرے لالہ زار دل
ہجرت سے دوستاں کے ہوا جی مرا گداز | عشرت کے پیرہن کو کیا تار تار دل

علاوہ ازیں آپ کی نظم "در تعریف شہر سورت" سے بھی آپ کے گجراتی ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ ان باتوں کے علاوہ آپ کے کلام میں گجرات کے بعض مقامات اور گجراتی احباب کے نام بھی ملتے ہیں۔ مثلاً سورت، نربدا، اکرم کا باغ اور اسی طرح گجراتی احباب مثلاً کامل، اکمل اور شمس الدین سراج وغیرہ کے ذکر سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے کہ آپ کو گجرات سے منسوب کرنا زیادہ صحیح ہے۔

اردو یا ریختہ گوئی کا ایجاد جو آپ نے کیا وہ محض حضرت شاہ گلشن صاحب کا فیضان تھا مزے کی بات یہ ہے کہ شاہ گلشن کا وطن دہلی نہ تھا ان کا اصلی وطن گجرات تھا۔ البتہ انہوں نے دہلی میں اقامت اختیار کر لی تھی۔

آپ کا سنِ وفات عام طور پر ۱۷۴۲ء مطابق ۱۱۵۵ھ مشہور رہا۔ لیکن

ڈاکٹر عبدالحق کی تحقیق کی رو سے آپ کی وفات ۱۷۰۷ء مطابق ۱۱۱۹ھ میں بوقت عصر ہوئی۔ ان کا یہ فیصلہ دیوانِ ولی کے ایک قلمی نسخہ واقع کتب خانہ جامع مسجد بمبئی کے مطالعہ پر مبنی ہے۔ جس پر یہ قطعہ درج ہے۔

مطلع دیوان عشق سیدار باب دل — والی ملک سخن صاحب عرفان ولی
سالِ وفاتش خرد از سر ابہام گفت — بادپناہ ولی ساقی کوثر علی

یہ قطعہ ۱۹۲۴ء میں دریافت ہوا۔ اس کی تائید بعد میں احمدآباد کے ایک بزرگ کے ذاتی کتب خانہ سے بھی ہو گئی ہے۔ جس میں آپ (ولی) کی تاریخ وفات ۴ رشعبان ۱۱۱۹ھ وقتِ عصر لکھی ہے۔ آپ نے احمدآباد میں انتقال کیا اور نیلے گنبد کے قریب اپنے جدی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

پنجاب یونیورسٹی میں دیوانِ ولی کے ایک قلمی نسخے میں جو جلوس محمد شاہی کے آٹھویں سال یعنی ۱۱۳۸ھ مطابق ۱۷۲۵ء کا لکھا ہوا ہے۔ یہ عبارت ملتی ہے

" دیوان اشعارِ ولی مسمیٰ سید ولی محمد مرحوم بتاریخ چہار دہم شہر محرم الحرام سنہ ۸ از جلوسِ میمنت مانوس محمد شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ وسلطانہ روز چہار شنبہ وقتِ چاشت در بلدہ خیر البلاد احمدآباد حمیت عن العناد بخط فقیر حقیر اضعف العباد و کلب محبوب سبحانی نمود بے بو د شنا اللہ فانی سمت انجام وصورت اتمام پذیرفت "[1]

مثنوی پری دخت وسام ولی دکنی۔

ولی کی مثنوی کا یہ دو سو چالیس سالہ قدیم نسخہ طلبا کے لئے ایک کار آمد

---

[1] تاریخ ادب اردو مصنف ڈاکٹر جمیل جالبی ص۵۲۳

نسخہ ہے اس رسالہ میں مثنوی کے علاوہ غزلیات قطعات، رباعیات، مخمس، ہجویات بھی درج ہیں۔ اس کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے۔

ے زباں پر توں اے ولی اول
نام پاک خدائے عزّوجل

اور اختتام ان سطور پر ہوتا ہے۔

؛تمت تمام شد کیا دیوانِ ولی بعون الملک الوہاب روز دوشنبہ
بوقتِ نمازِ عصر ماہِ ذی الحجہ ۱۱۵۷ھ مطابق .... جلوس محمد شاہ
یہ مخطوط کتب خانہ ضلع خیرپور میں ہے۔ [1]

دیوانِ وَلی گجراتی

مُصَنِّف وَلی گجراتی

دیوان حافظ (فارسی) کے قلمی نسخے مکتوبہ (۱۲۱۷ھ) کے حاشیے پر ولی گجراتی کا دیوان درج ہے۔ اس میں صفحہ اول سے ۹۰ تک صرف غزلیات درج ہیں۔ غزلیات، ردیف کی ترتیب سے رقم ہیں۔ آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے۔

---

[1] سندھ میں اردو مخطوطات ص ۹۔

کیتا ہوں تیرے ناؤں کو میں وردِ زباں کا
کیتا ہوں تیرے شکر کو عنوان بیاں کا

ہر ذرۂ عالم میں ہے خورشید حقیقی!
اس گرد کوں میں کحل کروں دیدۂ جاں کا

کہتا ہے ولی دل ستی یو مصرع رنگین
ہے یاد سبب مجھ کوں تری راحتِ جاں کا

آخری غزل کا مطلع یہ ہے۔

آیا ہے ہاتھ لے کے جدھاں گلعذار شمع
روشن کیا ہے گھر کوں ہر ایک بار شمع

اور مقطع یہ ہے۔

شکر خدا کہ دریں وقت نیک ہے
پایا ولی نے حق سے دیکھو چار بار شمع

تحریر خوشخط ہے ردیف ج کے بعد کی غزلیں موجود نہیں ہیں۔ یہ مخطوطہ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ صاحب صدر شعبہ تعلیمات جامعہ سندھ کی ملکیت ہے۔[۱]

منتخب از کلیات ولی

حمد و نعت و منقبت و موعظت

ہے زباں پر تو اول اول
نام پاک خدائے عزّ و جل

لائق حمد نہیں ہے اس بن اور
اس اُپر متفق ہیں اہل ملل

[۱] سندھ میں اردو مخطوطات صد ۲۰۱۹۔

یاد اس کی ہے سب اُپر لازم
شکر اس کا ہے مدعائے مکمل
آسمان اور زمین کے سب ساکن
یاد کرتے ہیں اس کوں ہر پل پل
شکر اس کا محیط اعظم ہے
وہ ہے سلطان بارگاہ ازل
اس سے بہتر اگر ثنا ورہوں
روز محشر تلک سکوں نہ مکمل
بعد حمد خدائے بے ہمتا
یاد کر نعت سید مرسل
جس کی ہمت کی ہے ترازو میں
دو جہاں مثل دانہ خردل
اس کی مجلس میں آ ہوا ہے کھڑا
صف آخر میں جوہر اول
گر ہو وہ آفتاب گرم عتاب
آسماں جائیں مثل موم پگھل
دیکھ اس کے جلال و عظمت کوں
بادشاہاں کا رنگ ہے دنگل
گر کرے بحر پر غضب کی نظر
ماہیاں جائیں جل کے ہیتر جل
اس فصاحت اگے دسے مجکوں
نطق سحباں عبارت مہمل

کاملاں سوں سنا ہو یہ نکتہ
عشق اس کا ہے ہادی اکمل

نام اس کا ہے حرز ہر مؤمن
یاد اس کی ہے دافع کلول

دیکھ اس زلف و مکھ کوں بے جا ہے
بحر اور بر ہیں عنبر و صندل

بعد اس آفتاب انور کے
چار ہیں اہل علم و اہل عمل

صاحب صدق و عدل و علم و حیا
ایک سوں ایک اکمل و افضل

ان کو اصحاب میں سباقت ہے
دین کو جو کئے قبول اول

میں دُجے وہ کہ دین کے بل سوں
کفر کے دست و پا کون کینے شل

ہیں تجھے وہ کہ جن کے تو ہو سوں
رنگ پکڑا کلام عزّ و جل

نعت حضرت خیر البشر
صلے اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم

یا محمد دو جہاں کی عید ہے تجھ ذات سوں
خلق کوں لازم ہے جی کو تجھ پہ قربانی کرے

وہ اچھے آزاد جو بازار ہیں تجھ حسن کے
بندگی ہیں آپ کو جیوں ماہ کنعانی کرے
زینّوا الحانکم کا گر سنے داؤد ناد !!
ہووے خوش ، دربار پر تیرے خوش الحانی کرے
فرح تجھ رحمت کی کشتی باج کہیں باوے نہ تھا
تجھ غضب کا گر سمندر جوش طوفانی کرے
رتبۂ عالی ہیں دیکھے حق نزدیک اپنا کلام
گر کلیم اللہ آ تیری ثنا خوانی کرے
جسم کو ست روح سوں آوے بہت مشتاق ہو
گر تری امت خلیل اللہ کی مہانی کرے :
تب مسیحا فقر کے خط کوں سکھے کا تجھ نزدیک
مشق کرنے فقر کی جب لوح پیشانی کرے
جس مکاں ہیں ہے تمہاری فکر روشن جلوہ گر
عقل اول آ کے وہاں اقرار نادانی کرے

ہم یہاں نمونہ کے طور پر ولی کی مثنوی سے جو اس نے شہر سورت پر لکھی ہے چند اشعار نقل کرتے ہیں . اور اس دور کے شعراء کو توجہ دلانا چاہتے ہیں دور اوّل کے شعراء ... کن کن اُمور کا خیال رکھتے تھے . اگر وہ نظموں کی طرف راغب ہو جاتے . تو کیا کچھ کمال نہ ظاہر کرتے . دیکھئے ولی نے حسب ذیل اشعار ہیں شہر سورت کا نقشہ کھینچ دیا ہے . تشبیہات اور استعارات کے ایچ پیچ ہیں نہیں پڑا . سیدھے طریقہ سے اور سادگی کے ساتھ جو خصوصیات سورت تھیں بیان کر دیا ہے ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں کس قسم کے لوگ آباد

تھے۔ انکا طرزِ معاشرت کیا تھا۔ انکی بڑی بڑی عمارتیں کیا تھیں۔ یہ عہد عالمگیر تھا جب ولی نے یہ مثنوی تصنیف کی۔ آج اگر آپ کسی شہر کی تعریف میں کوئی نظم دیکھیں گے تو مشکل سے آپ کو اس شہر کی خصوصیات کا اندازہ ہو سکے گا۔ ہاں اس نظم میں زمین و آسمان کے قلابے ضرور ملا دئے جائیں گے اور تعریف کے پل باندھ دیئے جائینگے مگر اصلیت کا پتہ نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو ایسا جیسے دریا کے مقابل میں ایک قطرہ یا تشبیہات و استعارات میں اصل شئی ایسی گم ہو جائے گی کہ گویا تھی ہی نہیں

عجب شہراں میں ہے پر نور یک شہر
بلاشک وہ ہے جگ میں مقصد دہر

رہے مشہور اس کا نام سورت
کہ جاوے جس کے دیکھے سب کدورت

جگت کی آنکھ کا گویا ہے یہ نور
اچھو اس نور سوں ہر چشم بد دور

شہر جیوں منتخب دیوان ہے سب
ملاحت کی وہ گویا کہاں ہے سب

سرج سن آب اس کی جگ میں کانپا
سمندر موج زن رگ رگ میں کانپا

کنارے اس کے اک دریائے تپتی
کہ دنیا دیکھنے کوں اس کے تپتی !

کیا سب تن خجالت سوں یہ جیوں عرق
ہوا دریا اپس کے عرق میں غرق

شہر سوں ہے وہ ہم بازو ہمیشہ
دریا سوں ہے وہ ہم پہلو ہمیشہ

کہ آبِ خضر کی ہے اس میں تاثیر
ہوا دیتی ہے اُس کی یاد کشمیر

وہاں اشنان جب کرتا ہے عالم
صبح ہور شام جب کرتا ہے عالم

عجب قلعہ ہے وہاں اک باقرینہ
انگوٹھی میں دنیا کے جیوں نگینہ

نزک قلعے کے بارا گھاٹ ہے وہاں
کہ دائم گلرخاں کی ہاٹ ہے وہاں

رہے اس حاشیے پر جائے آرام
طلسمی باغ وہاں ہوتا ہے سرشام

اے بلبل پاک بینی سوں نظر کر
کثافت کی نظر سوں بس حذر کر

کھلے ہیں ہر طرف رخسار کے گل؛
ہر ایک گل کے نزک وہاں پر ہے سنبل

جو کئی دیکھا ہے ان کا باغ رخسار
ہوا اک دید میں وہ محو دیدار

جو ہیں وہ محض تصویرات اخلاص!!
سو عاشق پروری میں وہ سب ہیں خاص

کہاں ہے ساقی اخلاص انگیز
محبت کی کرے سے مجھ اپر ریز

صفائی سوں کھلے مجھ جیو کا باغ !
کروں اس قدر دہر کوں مرہم داغ

ہے دسورت حقیقت کی نشانی
کہ ہیں معمور وہاں اہل معانی

شرافت ہیں یہ ہے جیوں باب مکہ
تو ہے سب ملک پر اس کا جو سکہ

اگر دیکھے ہیں لوگاں شام و تبریز
نہ دیکھا کوئی ایسا ملک زرخیز

کہ اس بہتر کتنے ہیں ایسے تجار
کہ قاروں کو نہیں انکے زک بار

انی آتش پرستاں کی ہے لبستی
سکھے نمرود واں آتش پرستی

فرنگی اس میں آتے ہیں کلہ پوش
عدد وہاں جنکی گنتی میں ہے بیہوش

وہاں ساکن اِتے ہیں اہل مذہب
کہ گنتی میں نہ آویں انکے مشرب

اگرچہ سب ہیں ابنائے آدم
ولے بینش میں رنگا رنگ عالم

بھری ہے سیرت و صورت سوں سورت
ہر اک صورت ہے وہاں انمول صورت

ختم ہے امرداں پر رو صفائی
ولے ہے بلشتر حسن نسائی

سبھا اندر کی ہے ہر اک قدم میں
چھپا اندر سبھا کو ہے عدم میں
کشن کی گو پیاں نہیں ہے یہ نسل
رہیں سب گو پیاں وہ نقل یہ اصل
زلف اور مکھ کے طالب سوں پچھو بات
جسے ہر دن ہے عید، ہر رات شبرات
ہزاراں اس سبب شیدا ہیں بول
کہ ہیں وہاں غنچہ لب دائما گل !
نہ کی وقت سوں کھینچے شوخ چنچل
وہ مکھ کے باغ کن دیوار آنچل
نظر بھر کر دیکھو ہر گل بدن کوں !
کہ ہے پردے سوں بے پرواان کوں
رہے وہاں عاشقاں کوں عام آواز
کہ نہیں پردہ بغیر از پردۂ ناز !
کسی کوں نہیں نظر بازی بنا چین
کھلے ہیں رات دن سب غرفہ نین
ہر اک لب میں سو جیوں یاقوت انمول
کرے وہ بات جب میٹھے لباں کھول
وہ باتاں نہیں سراپا ہے مٹھا قند
کہ جن باتاں اپر ہے نیشکر بند
پڑا شیراں بچن سن انکے بس جو
پھنسا اس شہد میں جاکر مگس ہو

ہوا ان کوں فلک کا م دشوار
رہا تھا آخری دم تک گرفتار

شہر بھینر جو آوے نہاں کا دن
ہندو کی قوم کے اشنان کا دن

ہر اک جانب دکھوں ہیں فوج در فوج
تجلی کے سمندر کی اٹھے موج

نین کی بیٹھ کشتی پر تو لے پاک
بہ سطے کر اسیح ہیں موج خطرناک

مہرباں ہو کے اے ساقی کوثر
کرم سوں کشتی سے مجھ کوں دے بھر

ایس کے لطف سوں کر دے عطا مے
جو اس نشئے ہیں دریا کوں کروں طے

عبث باتاں ہیں بس کرا ے (ولی) تو
نہ کر مقصد سوں اپنے کاہلی تو

ولی نے فراق گجرات کے موضوع پر جو غزل لکھی ہے اسکے چند شعر یہ ہیں :-
گجرات کے فراق سوں ہے خار خار دل
بے تاب ہے سینے منے آتش بہار دل
مرہم نہیں ہے اس کے زخم کا جہاں منیں
شمشیر ہجر سوں جو ہوا ہے فگار دل
اس سیر کے نشئے سوں اول تر دماغ تھا
آخر کوں اس فراق میں کھینچا خمار دل

میرے سینے میں آ کے چمن دیکھ عشق کا
ہے جوش خوں سوں تن میں مرے لالہ زار دل
ہجرت سوں دوستاں کے ہوا جی مرا گداز
عشرت کے پیرہن کو کیا تار تار دل
ہر آشنا کی یاد کی گرمی سوں تن منیں
ہر دم میں بے قرار ہے مثل شرار دل

ذیل میں کلیات ولی سے منتخب اشعار درج کئے جاتے ہیں۔ سے

الٰہی رکھ مجھے تو خاک پا اہل معانی کا | کہ کھلتا ہے اسی صحبت سے نسخہ نکتہ دانی کا
نہیں سنتا کوئی احوال میری دلفگاری کا | کہوں کس سوں گریباں چاک کر دکھ بیقراری کا
پایا ہے جو کوئی دولت فقر | مشتاق نہیں سکندری کا
آج تیری نگہ نے مسجد میں | ہوش کھویا ہے ہر نمازی کا
گر ہوا ہے طالب آزادگی | بندمت ہو سبحۂ وزنار کا
مسندِ گل منزلِ شبنم ہوئی | دیکھ رتبہ دیدۂ بیدار کا
دریا میں بیم کے یہاں گرداں ہے کشتیِ عقل | اس موجِ شعلہ زن میں کیا آسرا ہے خسر کا
عیاں ہے ہر طرف عالم میں حسنِ بے حجاب اسکا | بغیراز دیدۂ حیراں نہیں جگ میں نقاب اسکا
نہ پوچھو عشق میں جوش و خروشِ دل کی کیفیت | برنگ ابر دریا بار ہے رو ماں عاشق کا
آئینہ تجھ سے ہو کے ہم زانو | حیرت افزا ہوا ہے گلشن کا
ہر ذرہ اس کی چشم میں لبریز نور ہے | دیکھا ہے جس نے حُسنِ تجلّی بہار کا
طاقت نہیں کسی کو جو یک حرف سن سکے | احوال گر کہوں میں دل بیقرار کا

نہ یاد دین کی لذت جیسے دنیا کی ہے خواہش
قفل ہے لذت دنیا حقیقت کے خزانے کا

حسن تھا پردۂ تجرید میں سب سوں آزاد
طالب عشق ہوا صورت انساں میں آ

نقش دیوار کیوں نہ ہو عاشق
حیرت افزا ہے بیوفا کی ادا

موسیٰ اگر جو دیکھے تجھ نور کا تماشا
اُس کوں پہاڑ ہووے پھر طور کا تماشا

تجھ حسن عالمتاب کا جو عاشق و شیدا ہوا
ہر خوبرو کے حسن کے جلوہ سوں بے پروا ہوا

نشۂ سبزۂ خط خوباں سے
والی عالم خیال ہوا

طاقت نہیں کہ حشر میں ہووے وہ دادخواہ
جس بے گنہ پہ تیری نگہ سوں ستم ہوا

بے منت شراب ہوں سرشار انبساط
تجھ نین کا خیال مجھے جام جم ہوا

جو ولی ہے مرجع ہر جزو و کل
وہ مرا مقصود جان و تن ہوا

گر نہیں ہے خنجر بیداد خوباں کا شہید
دامن صد چاک گل کس واسطے پرخوں ہوا

بیکسی کے حال میں یک آن میں تنہا نہیں
غم ترا سینے میں میرے ہمدم جانی ہوا

پھر میری خبر لینے وہ صیاد نہ آیا!
شاید کہ میرا حال اُسے یاد نہ آیا

سینۂ بلبل و قمری کو کیا محشر درد
جب کہ اس سرو نے سیر گل و شمشاد کیا

دل میں جب عشق نے تاثیر کیا
فرد باطل خط تدبیر کیا

غمزۂ شوخ نے بہ نیم نگاہ
کام عشاق کا تمام کیا

باعث نشۂ دوبالا ہے
حسن صورت کے ساتھ حسن ادا

کم نما ہے نوجواں میرا برنگ ماہ نو!
ماہ نو ہوتا ہے دائم اے عزیزاں کم نما

تماشا دیکھ اے لیلیٰ کہ تیرے غم کی گردش سوں
بگولے کی طرح پھرتا ہے مجنوں خوار ہر جانب

خلاصی کیوں کہ پاوے بلبل دل
نگاہ مہرباں ہے دام صیاد

ہوں گرچہ خاکسار ولے از رہِ ادب
دامن کوں تیرے ہاتھ لگایا نہیں ہنوز

زاہدا اگرچہ فہم میں ہے بوعلیِ وقت — میرے سخن کے رمز کو پایا نہیں ہنوز
پڑی جو نظر چشمِ دلبر طرف — ہوا ہوش یکبارگی برطرف
ولی شعر میرا سراسر ہے درد — خط و خال کی بات ہے خال خال
معشوق کوں ضرر نہیں عاشق کی آہ سوں — بجھتا نہیں ہے بادِ صبا سوں چراغِ گل
چوں گل شگفتہ رو ہیں سخن کے چمن میں ہم — جیوں شمع سربلند ہیں ہر انجمن میں ہم
صنم کے لعل پر وقتِ تکلّم! — رگِ یاقوت ہے موجِ تبسّم
سمجھ کر بات کر اے مرد ناصح — نصیحت عاشقوں پر ہے تحکّم
سختی کے بعد عیش کا امیدوار رہ — آخر ہے روزہ دار کو اک روزِ عید بھی
ظلمات میں یہ غم کے ملے گا تجھے آبِ خضر — دامن تلے ہے رات کے روزِ سفید یہاں
خوبی اعجازِ حسنِ یار اگر افشا کروں! — بے تکلّف صفحہ کاغذ یدِ بیضا کروں
کیا ہوں ترکِ نرگس کا تماشا — طلب گار نگاہ باحیا ہوں!
فرہاد لکھا صورتِ معشوق حجر پر — میں صورتِ دلبر دلِ شیدا پہ لکھا ہوں
آوے اگر وہ شوخ ستمگر عتاب میں — جرأت جواب کی نہ رہے آفتاب میں
جو ہے تیرے دہن میں رنگ و خوبی — کہاں یہ رنگ، یہ خوبی کلی میں
عشاق مستحقِ ترحّم ہیں اے عزیز — ان کے شکستہ حال پہ سختی روا نہیں
زندگی جامِ عیش ہے لیکن — فائدہ کیا اگر مدام نہیں
صدق ہے آبِ رنگِ گلشنِ دین — پاکبازی ہے شمعِ راہِ یقین
گل و بلبل کا گرم ہے بازار — اس چمن میں جدھر نگاہ کرو
حالِ دل پردگی کے اے جاناں — نظرِ لطف گاہ گاہ کرو!
میری طرف ساغر بکف آیا ہے وہ مستِ حیا — اے دل تکلّف برطرف مستانہ ہو مستانہ ہو
کیا مجھ عشق نے ظالم کو آب آہستہ آہستہ — کہ آتش گل کو کرتی ہے گلاب آہستہ آہستہ سلہ

ولی کے مزید... کچھ اشعار ملاحظہ ہوں

تو تو احباب نا فاین طریق
جانو اس راہ کوں ہیں کر تحقیق

تجھ دہن کا کلام سو بوجھے!!
حق نے بخشا ہے جس کوں فکر عمیق

اسی طرح ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ!

مدرس مدرسے ہیں گر نہ دیوے درس درشن کا
تو اس کو عاشقان استاد کامل کر نہیں گنتے!

خیال خام کوں جو کئی کہ دھووے صفحہ دل سوں
تصور کے مطالب کوں وہ مشکل کر نہیں گنتے

جو بسمل نہیں ہوا تیری نگہ اکی تیغ کا بسمل!!
شہیداں جگ کے اس بسمل کوں بسمل کر نہیں گنتے

بزرگان کن جو کئی اپنے کوں ناداں کر نہیں گنتے
سخن کے آشنا ان کو سخنداں کر نہیں گنتے

گریباں جو ہوا نہیں چاک بے تابی کے ہاتھوں سوں
گلے کا دام ہے اس کوں گریباں کر نہیں گنتے

عجب کچھ بوجھ رکھتے ہیں سرآمد بزم معنی کے
تواضع نہیں ہے جس میں اسکو انساں کر نہیں گنتے

(ولی) راہ محبت میں وفاداری مقدم ہے
وفا نہیں جس میں اس کو اہل ایماں کر نہیں گنتے

لہ مرآۃ الشعراء -

شیخ جمال الدین

م ۱۱۲۴ھ بمطابق ۱۷۱۲ء

شیخ جمال الدین بن رکن الدین عمری چشتی ۔ یکے از مشائخ کبار ۔ آپ کی پیدائش احمدآباد میں ہوئی ۔ اپنے والد ماجد سے علوم دین اور راہ سلوک کو اخذ کیا پھر درس و تدریس میں لگ گئے ۔

آپ نہایت صالح کریم النفس عبادت گذار اور طلبہ و فقراء پر احسان کرنے والے تھے ۔ تدریس کے ساتھ میدانِ تصنیف کے بھی شہ سوار تھے ۔ چنانچہ آپ نے مندرجہ ذیل کتابیں تصنیف فرمائی ۔

۱ ۔ حاشیہ بر شرح کافیہ ۲ ۔ حاشیہ برالمنہل الصافی ۳ ۔ حاشیہ بر زبدہ ۴ ۔ حاشیہ بر شرح شمسیہ ۵ ۔ حاشیہ برمطول ۶ ۔ حاشیہ بر شرح عقائد ۷ ۔ حاشیہ بر حاشیہ الخیالی ۸ ۔ حاشیہ برمختصر المعانی ۹ ۔ حاشیہ بر تفسیر المدارک ۱۰ ۔ حاشیہ بر بیضاوی ۔ ۱۱ ۔ حاشیہ بر تفسیر محمدی ۱۲ ۔ حاشیہ بر تفسیر حسینی ۱۳ ۔ تفسیر نصیری ۱۴ ۔ فتح الجمال ۱۵ ۔ شرح مثنوی معنوی ۱۶ ۔ شرح سوانح جامی ۱۷ ۔ شرح جام جہاں نما ۱۸ ۔ شرح فصوص الحکم ۱۹ ۔ شرح اسمار الاسرار ۲۰ ۔ شرح مرآۃ العارفین ۲۱ ۔ شرح التعرف ۲۲ ۔ شرح عوارف المعارف ۲۳ ۔ شرح آداب المریدین ۲۴ ۔ شرح اسرار الخلوۃ ۲۵ ۔ شرح بحر الاسرار آپ کی تصانیف کی تعداد ۱۴۲ بیان کی جاتی ہے ۔ ۱۱۲۴ھ میں رحلت فرمائی ۔ احمدآباد میں دفن ہوئے ۔

قاضی عبدالرسول

متوفی ۱۹ر شوال ۱۱۳۰ھ بمطابق ۱۴ر دسمبر ۱۷۱۸ء

قاضی عبدالرسول بن ابو محمد بن عبدالوارث ابن ابو محمد بن عبدالملک بن اسماعیل بن شہاب الدین بن حسام الدین عثمانی کپڑونجی۔

علمائے صالحین میں سے تھے۔ کپڑونج میں آپ پیدا ہوئے۔ جو احمد آباد سے تقریباً بیس میل کی مسافت پر مغرب کی جانب واقع ہے۔ آپ نے شیخ احمد بن سلیمان سے علم حاصل کیا۔ اسی طرح شیخ نصیر الدین بن عبدالماجد علوی سے بھی پڑھا۔ اور قرأت وتجوید شیخ فرید الدین سے پڑھی۔ اور طریقت شیخ عبدالماجد سے حاصل کی جو شیخ وجیہ الدین علوی کے خاندان میں سے تھے۔ پھر آپ نے دہلی کا سفر کیا اور وہاں سے دصولقہ گجرات کی قضا کا منصب لے کر آئے پانچ سال تک اس منصب پر فائز رہے اس کے بعد آپ نے کلکتہ کا اپنے شیخ کے ساتھ سفر کیا مگر عالمگیر سے جب دوبارہ ملاقات ہوئی تو آپ کو احمد نگر کی قضا سونپی گئی اور اخیر تک اسی کو انجام دیتے رہے مگر درس و تدریس بھی آپکا ہمیشہ مشغلہ رہا۔ ۱۹ر شوال ۱۱۳۰ھ بمطابق ۱۴ر ستمبر ۱۷۱۸ء کو پیر کی شب میں آپ نے انتقال فرمایا۔ [1]

مولانا عبداللہ بلگرامی

م ۱۱۳۲ھ بمطابق ۱۷۱۹ء

شیخ عبداللہ حسین بلگرامی۔ یکے از فقہائے حنفیہ، ولادت اور نشوونما بلگرام میں ہوئی۔

---

[1] دستور العلماء۔ نزھۃ الخواطر ۲۷۲ صفحہ ۶/۵۔

قرآن مجید اور چند بنیادی کتابوں کی تعلیم اپنے شہر میں حاصل کی۔ پھر آپ لکھنؤ تشریف لے گئے اور قاضی علیم اللہ لکھنوی سے درسی کتابیں پڑھیں اور پھر ان ہی کی خدمت میں رہ کر مختلف فنون میں بالخصوص فنون حربیہ میں مہارت حاصل کی۔

پھر آپ نواب سربلند خاں التونی کے مقرب ہو گئے۔ نواب نے آپ کو دیوان المظالم کی تولیت سپرد کی اور اس کے بعد احمد آباد کی صدارت آپ کے حوالہ کر دی احمد آباد میں آپ نے شیخ اسد اللہ علوی سے جو شیخ وجیہہ الدین کے پوتے ہیں شرح مواقف پڑھی اور ہدایۃ الفقہ شیخ قوام الدین سے پڑھی پھر شیخ نور الدین احمد آبادی سے روحانی تعلق قائم کر لیا۔ آپ کی وفات ۱۱۴۲؁ھ / ۱۷۲۹؁ء کو بلگرام میں ہوئی۔ [1]

مآثر الکرام میں آپ کے حالات ذرا تفصیل سے ملتے ہیں۔ علامہ بلگرامی فرماتے ہیں کہ: آپ کا تعلق بھی بلگرام کے ان سادات سے ہے جو محلہ میدان پورہ کے رہنے والے خاندانوں میں سے کسی نہ کسی ایک خاندان سے وابستہ ہیں۔ آپ علوم عربی و فارسی اور ہندی میں اعلیٰ درجہ کی صلاحیت رکھتے تھے۔ درسیات کی تعلیم میں آپ قاضی علیم اللہ لکھنوی کے شاگرد تھے۔ فن تحریر اور خوش نویسی میں آپ سات قسم کے خط میں مشاق اور ماہر تھے۔ فن سپہ گری اور اسلحہ کے استعمال کے علم و ہنر میں نیز جنگی ہتھیاروں کے بنانے میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ کاغذی پھولوں کے بنانے میں بھی آپ کو اچھی مہارت تھی۔ آپ نے تمام عمر بڑی عزت اور شان کی زندگی بسر کی اکثر نواب مبارز الملک سربلند خاں کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ بسلسلہ ملازمت آپ فوج کے اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔

شیخ قوام الدین احمد آبادی نے فقیر (مؤلف) سے بیان کیا کہ جب سربلند خاں تونی پہلی بار ۱۱۲۴؁ھ میں صوبہ احمد آباد کے ناظم مقرر ہوئے تو انہوں نے سید

[1] نزہۃ الخواطر عربی ج ۶ ص ۳۱۹ ۱۶۳۸ ۔ [2] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

عبداللہ کو صدارت کا عہدہ مرحمت فرمایا۔ سید عبداللہ نے ریاست کے وظیفہ خواروں اور جاگیرداروں کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کیا۔ غریبوں اور کمزوروں کے ساتھ بڑا احسان و اکرام کیا۔ سید عبداللہ بہت اعلیٰ درجہ کی علمی استعداد کے مالک تھے۔

شاہ اسداللہ نے جو شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی کے پوتے اور سجادہ نشین تھے سید عبداللہ کی خدمت میں "شرح مواقف" کا ایک نسخہ پیش کیا۔ اور میں نے فقہ کی کتاب "ہدایہ" حاصل کی۔ میرے ہی توسط سے مولانا نورالدین اور سید عبداللہ کے درمیان دوستانہ تعلقات قائم ہوئے۔

میں نے مولانا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ نے محمد اعظم شاہ کے دورِ حکومت میں فلاں فاضل کو دعوت دے کر بلایا تھا۔ اور اسی موقع پر علمی بحث و مباحثہ شروع ہو گیا تھا جس کا اختتام شکر رنجی اور کدورت پر ہوا۔ اب آئندہ آپ ایسا نہ کریں۔ یہی بات میں نے سید عبداللہ کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر کہی۔

سید صاحب نے فرمایا کہ تم ایسی بات زبان پر کیوں لائے۔ علمی ذکر اور مباحثہ میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ تو فائدہ پہنچانے اور حاصل کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ چنانچہ سید عبداللہ مولانا کے گھر پر تشریف لائے۔

لہ نواب مبارز الملک سربلند خاں تونی، میر محمد رفیع نام تھا۔ تون کے رہنے والے تھے جو ایران کا ایک شہر ہے۔ خلد مکاں کے زمانہ میں اپنے والد مرزا محمد افضل عرف مقتدر رے خاں کے ساتھ ایران سے ہندوستان آئے۔ والد کی وفات کے بعد اپنی صلاحیتوں کے ذریعہ مختلف اعزازات کے حامل ہوئے بادشاہی لشکر کے ایک امیر روح اللہ خاں بخشی کی لڑکی ہدیہ بیگم سے نکاح کیا چونکہ ہدیہ بیگم سلطان کی بیوی عائشہ کی بہن تھی اسلئے خلد مکاں کے زمانہ میں شاہزادہ کی جانب سے سربلند خاں کے خطاب سے نوازے گئے۔ پھر مختلف حالات سے گزر کر گجرات کی صوبہ داری کے منصب پر فائز ہوئے سنہ ۱۱۵۰ھ میں نادر شاہ کے آنے کے بعد موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ تاریخ مظفری میں انکا سال وفات سنہ ۱۱۵۴ھ تحریر ہے۔ (ماثرالامراء)

وہاں انہوں نے علمی بحث شروع کر دی اور اس انداز و حکمت سے گفتگو کی کہ مولانا اور مجلس میں موجود تمام حضرات بے حد مسرور ہوئے۔ اور سب نے سید صاحب کی بڑی تعریف کی۔ آخر کار 'دارالخلافہ شاہجہاں آباد' میں مرض استسقاء میں مبتلا ہو گئے۔ اور وہاں سے سید عبداللہ بلگرام آئے اور چند ہی دنوں کے بعد آپ انتقال فرما گئے 'باغ محمود' کے مغربی سمت اپنے قبیلہ کی دوسری قبور کے درمیان دفن کئے گئے۔

آپ کا انتقال ۱۱۳۲ھ میں ہوا۔

شیخ عبدالرزاق بانسوی

متوفی ۵ رشوال ۱۱۳۶ھ بمطابق ۲۷ رجون ۱۷۲۴ء

عارف وزاہد شیخ عبدالرزاق بن عبدالرحیم حسینی بانسوی قادریہ سلسلہ کے کبارِ مشائخ میں سے ہیں۔ آپ کا مولد و منشاء 'بانسہ' ہے آپ نے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی اور فارسی کے بعض مختصر رسائل پڑھے۔ پھر آپ نے ردولی کا سفر کیا۔

علم کے حصول کا یہ آپ کا پہلا سفر تھا کہ اچانک راستے میں رجالِ غیب میں سے کسی کی ملاقات ہوئی تو اس نے آپ سے سوال کیا کہ آپ کے ہاتھ میں کونسی کتاب ہے آپ نے فرمایا کہ 'یوسف زلیخا' اس رجل غیبی نے کہا کہ آپ کو 'یوسف زلیخا' کی کوئی ضرورت نہیں اپنے گھر چلے جائیے اور وہیں رہیئے۔ پھر اس رجل غیبی نے آپ کی طرف ایسی نگاہ کی کہ جس نے بڑا اثر پیدا کیا۔ اور آپ کے دل میں صوفیاء اور ان

کے طریقے کی محبت گھر کر گئی۔ اس لئے آپ نے تمام مشغلوں کو چھوڑا اور اپنے گھر بالسہ آکر ایک عرصہ تک وہیں مقیم رہے۔ مگر مجبوراً روزی کی طلب میں آپ نے دکن کا سفر کیا اور سات سال وہاں مقیم رہے۔ پھر "بالسہ" واپس لوٹے نکاح کیا۔

اس کے بعد آپ نے گجرات، احمدآباد کا سفر کیا وہاں سید عبدالصمد خدانما سے ملاقات ہوئی۔ ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور طریقت ان سے حاصل کی اور ان کے انتقال کے بعد اپنے گاؤں "بالسہ" میں مسند ارشاد کو زینت بخشی۔

آپ بڑے صاحبِ کشف وکرامات تھے۔ آپ سے طریقت میں استفادہ کرنے والے شیخ نظام الدین بن قطب الدین سہالوی اور آپ کے بھائی محمد رضا نیز آپکے بھتیجے احمد، عبدالحق اور آپ کے چچازاد بھائی کمال الدین بن محمد دولہ فتح پوری، اور اسماعیل بن ابراہیم حسینی وغیرہ حضرات ہیں آپ کی وفات بروز بدھ ۵ر شوال ۱۱۳۶ھ میں محمد شاہ دہلوی کے دور میں ہوئی انتقال کے وقت آپ کی عمر شریف ۸۸ برس تھی۔ [1]

مآثرالکرام میں آپ کے حالات یوں مذکور ہیں کہ بالسہ ضلع لکھنؤ کے رہنے والے تھے لیکن اصلاً آپ کا تعلق قصبہ محمودآباد سے تھا جو بالسہ کے قریب ہے انکے والد کی شادی خاندان قدوائی میں کسی شیخ کی صاحبزادی سے ہوئی جو بالسہ میں رہتے تھے۔ شاہ عبدالرزاق ان ہی عفیفہ کے بطن سے پیدا ہوئے اور والدہ کی وراثت کی بنا پر بالسہ میں وطنیت اختیار کرلی۔ ابتدا میں ملازمت آپکی وجہ معاش تھی۔ آخر میں ملازمت چھوڑ کر ایک مدت سیاحت میں بسر کی۔ اور احمدآباد گجرات کے مضافات میں شاہ عبدالصمد خدانما قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کیا۔ ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ اور مقصد اعلیٰ کے حصول

---

[1] مناقب رزاقیہ، نزہۃ الخواطر ص ۱۴۹ ج ۶۔

میں کامیاب ہوئے۔ پھر وطن مالوف کو مراجعت کی۔ ہمیشہ دنیاداروں کا لباس پہنتے تھے۔ اور زراعت میں محنت کر کے کسبِ حلال کے ذریعہ روزی حاصل کرتے تھے چونکہ فقر کی روشن نشانیاں آپ میں موجود تھیں۔ لہٰذا ادنیٰ اور اعلیٰ سب ہی طرح کے لوگ آپ کے منقاد و مطیع تھے۔ بلکہ علماء و فضلاء بھی آپ کے ارادت مند اور آپ کے حاشیہ بردار تھے اگرچہ بالکل امی تھے لیکن آیاتِ قرآنی کو بے تکان پڑھکر ان کی عجیب و لطیف تفسیر بیان فرماتے تھے اور ایسے حقائق و معارف بیان فرماتے تھے کہ دانش مندوں کو حیرت ہوتی تھی۔ انکی وفات ۵ رشوال ۱۱۳۶ھ کو ہوئی۔ مزار مبارک قصبہ بالسر میں زیارت گاہ عوام خواص ہے۔

شیخ جمال اللہ بلگرامی

م ۱۱۳۷ھ بمطابق ۱۷۲۵ء

شیخ جمال اللہ حنفی بلگرامی شیخ الہ داد صدیقی کی اولاد سے تھے۔ آپ کی ولادت اور نشو و نما بلگرام میں ہوئی۔ اور زمانہ کے اساتذہ سے علم حاصل کیا پھر آپ درس و تدریس میں لگ گئے۔ کتابوں کے مطالعہ میں بڑا اشتغال تھا۔ آخر عمر میں احمد آباد عازم سفر ہوئے اور وہاں آپ بیمار ہو گئے۔ آپ کا انتقال بڑودہ میں ۱۱۳۷ھ/۱۷۲۵ء کو ہوا۔ نوراللہ مرقدہٗ [1]
آپکی عمر تقریباً پچپن برس ہوئی

صاحبِ مآثر الکرام آپ کے متعلق لکھتے ہیں کہ: بلگرام کے فرشوری شیوخ میں محلہ میدان پورہ کے رہنے والے ہیں۔ اور قاضی اللہ داد قدس سرہٗ کی اولاد میں ہیں جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ آپ انتہائی با اخلاق اور منکسر المزاج، سوز و گداز اور دلِ دردمند رکھنے والے شخص تھے۔ خداوند کریم نے آپ کو علم

[1] نزہۃ الخواطر عربی ص ۱۱۹ ج ۶۔

وفضل کا بھی بہت بڑا سرمایہ عطا فرمایا تھا۔ آپ ہمیشہ کتب بینی اور درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے مجھ فقیر کی مجلس میں ارشاد فرمایا کہ نماز کی امامت کے بارے میں ؛نہر الفائق[1]، اور علم فقہ کی دوسری کتابوں میں فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ : المتیمم عن الجنابۃ اولی بالامامۃ من المتیمم عن الحدث :

پھر فرمایا کہ اگرچہ علماء مجتہدین کا قول ہمارے لئے سند ہے اور یہ قول دلیل رکھتا ہوگا۔ لیکن دل یہ چاہتا ہے کہ اس امر کا علم دلائل عقلی کے ساتھ حاصل ہو جائے میں نے عرض کیا کہ اس وقت ایک دلیل سمجھ میں آرہی ہے کہ حدثِ اکبر والے شخص کا تیمم غسل کا قائم مقام ہے۔ اور حدث اصغر والے کا تیمم وضو کے برابر ہے اس لئے طہارت کبریٰ والا شخص، طہارتِ صغریٰ والے کے مقابلہ میں امامت کا زیادہ مستحق ہے۔ ممکن ہے کہ حدثِ اکبر والے (یعنی نجاست کبریٰ والے کو) اور حدثِ اصغر والے (یعنی بے وضو شخص) دونوں کو اس سے پہلے غیر شعوری طور پر جنابت واقع ہوگئی ہو تو ایسی حالت میں طہارت کبریٰ والا شخص اپنی سابقہ اور حالیہ نجاستوں دونوں سے پاک وصاف ہوگیا۔ اور نجاست حکمی کا شک وشبہ

---

[1] شرح کنز الدقائق (فقہ حنفیہ میں جزئیات کی کتاب ہے اور درسیات میں متداول ہے) مصنف شیخ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد معروف بہ حافظ الدین نسفی متوفی ۷۱۰ھ۔ اس کتاب کے شارح مولانا سراج الدین عمر بن نجیم نے متقدمین اور متاخرین کی آراء اور ان کے خیالات کا نچوڑ بڑے اہتمام سے جمع کیا ہے۔ خاص کر زین العابدین بن نجیم مصری متوفی ۹۷۰ھ کی کتاب بحر الرائق کی تلخیص کی ہے۔ یہ شرح کتاب الطہارۃ سے کتاب القضاء کے باب الحبس تک تحریر کی گئی ہے۔ (کشف الظنون) کنز الدقائق کی متعدد شرحیں ہیں ان میں ایک فخر الدین زیلعی متوفی ۷۴۳ھ کی شرح ہے جو تبیین الحقائق کے نام سے موسوم ہے۔ دوسری شرح: رمز الحقائق؛ قاضی بدر الدین محمد بن احمد العینی متوفی ۸۵۵ھ کی تصنیف ہے۔ (کشف الظنون)

اس سے دور ہوگیا۔ اور طہارت صغریٰ والا شخص اس مشکوک نجاست حکمی سے دور نہیں ہوا۔ ایسی صورت میں جب کہ ایک شخص جنابت (نجاست کبریٰ) کا غسل کرچکا ہو اور دوسر شخص نے حدث اصغر کو دور کرنے کے لیئے صرف وضو کیا ہو تو ان دونوں اشخاص میں سے نجاست حقیقی کے امکان اور احتمال سے وہی شخص دور اور طاہر ہوگا جس نے غسل کیا ہے۔

حضرت شیخ جمال اللہ قدس سرہٗ اپنی عمر کے اواخر میں احمدآباد (گجرات) کی طرف چلے گئے اور بڑودہ کے شہر میں جو گجرات سے چالیس کوس کے فاصلہ پر ہے پہنچ کر بیمار پڑ گئے۔ ۱۱۳۰ھ میں بعمر تقریباً پچپن سال وصال فرمایا اور وہیں دفن بھی کیئے گئے۔

حضرت شیخ یحییٰ مدنی

م ۲۸ صفر ۱۱۲۲ھ بمطابق ۱۷۱۰ء

آپ کا نام محی الدین لقب یحییٰ مدنی اور کنیت ابو یوسف ہے۔ آپ کے والد گرامی کا نام شیخ محمود تھا۔ جن کا سلسلۂ نسب حضرت شیخ کمال الدین علامہ تک یوں پہنچتا ہے، حضرت شیخ محمود بن شیخ حسن محمد بن شیخ احمد میاں جیو بن شیخ نصیرالدین ثانی بن شیخ مجدالدین بن شیخ سراج دین بن شیخ کمال الدین علامہ رح۔

ولادت:۔ آپ کی ولادت بیس ۲۰ رمضان المبارک ۱۰۱۰ھ مطابق ۱۴ مارچ ۱۶۰۲ء بروز جمعرات ہوئی۔ فخرالاولیاء میں آپ کی تاریخ ولادت اس طرح لکھی ہوئی ہے۔

چوں سلطان الولایت شیخ یحییٰ — کہ بروئے از خدا صد آفریں باد
تولد یافت در تاریخ مسعود — سعادت ذات پاکش زآفریں باد

آپ کی والدہ ماجدہ کا نام بی بی رابعہ ہے جو شیخ تاج محمد عرف ملک تاجو کی دختر

نیک اختر تھیں۔ ان کے آباؤ اجداد قاضی النسب تھے۔ جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم و اشارہ سے احمد آباد سے منتقل ہو کر مدینہ منورہ میں جا کر سکونت اختیار کر لی تھی اسی وجہ سے آپ کو مدنی کہتے ہیں۔

وصال آپ کا وصال مدینہ منورہ میں ۲۸ رصفر ۱۰۲۲ھ مطابق ۲۸ اپریل ۱۶۱۳ء کو رات کے تیسرے پہر کے آخری حصہ میں ہوا۔ مجرالاولیاءٔ میں ۱۰۱۱ھ مطابق ۱۶۰۹ء لکھا ہے اور مرات ضیائی میں ۲۷ رصفر بھی لکھا ہے مگر پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔

آپ اپنی زندگی کے آخری چودہ سال مدینہ منورہ میں رہے۔ آپ کی قبر مبارک مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں حضرت عثمان غنی کی قبر کے قریب ہے۔ آپ کے مفصل حالات معارج الولایت فی مدارج الہدایت میں درج ہیں۔ نیز محمد فاضل بن شیخ فیروز نے بھی جو آپ کے مریدوں میں سے ہیں۔ ایک کتاب مفتاح الکرامات آپ کے ملفوظات و حالات میں لکھی ہے جس میں آپ کا مفصل ذکر ہے۔

اولاد:- آپ کی اولاد کافی تھی جو احمد آباد میں رہتی تھی۔

خلفاء:- آپ کے خلفاء بھی بہت تھے، مگر آپ کے مشہور ترین خلیفہ حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی ہیں جن سے سلسلہ چشتیہ آگے چلا ہے۔[1]

خزینۃ الاصفیاء میں آپ کے حالات اس طرح مذکور ہیں کہ! آپ شیخ اعظم چشتی قدس سرہٗ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم حاصل کرنے کے بعد مدینہ منورہ میں حضرت شیخ اعظم قدس سرہ کے مرید ہوئے وہاں ہی طالبانِ حق کو بیعت کر کے مقاصد اعلیٰ تک پہنچا دیتے۔ آپ کے بے شمار مرید اہل کمال میں شمار ہوتے تھے۔

---

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۸۱، ۸۲۔

شیخ رشید الدین

م ۲ رجب ۱۲۴۲ھ مطابق ۲۹ جنوری ۱۸۲۷ء

شیخ رشید الدین بن رکن الدین بن حسام الدین بن رکن الدین عمری چشتیہ سلسلہ کے اونچے مشائخ میں سے ہیں۔ ۶ رجب ۱۱۶۸ھ کو احمدآباد میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ نے اپنے والد اور گجرات کے دیگر علماء سے علم حاصل کیا۔ اور آپ نے اپنے والد سے طریقت میں فیض پایا۔ اسی طرح آپ نے اپنے جد امجد سے بھی روحانی فیض حاصل کیا۔ یہاں تک کہ علم و معرفت میں اپنے اقران میں اور اپنے ہم زمان میں سب سے ممتاز ہوئے۔

آپ کی تصانیف بکثرت ہیں۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ آپ کی تصانیف تقریباً ڈیڑھ سو ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) شرح المثنوی المعنوی (۲) شرح فصوص الحکم (۳) شرح اللوائح (۴) ربیع المعارج (۵) عروۃ الوثقیٰ (۶) مجمع الاولیاء۔

آپ کا انتقال ۲ رجب ۱۲۴۲ھ بمطابق ۲۹ جنوری ۱۸۲۷ء کو احمدآباد میں ہوا۔ اور احمدآباد ہی میں آپ دفن کئے گئے۔ [۱]

شیخ علی رضا سرہندی

وفات ۲۱ ذیقعدہ ۱۱۴۲ھ بمطابق ۷ جون ۱۷۳۰ء

شیخ علی رضا سرہندی کبار مشائخ چشتیہ سے تھے۔ آپ نے شیخ یحییٰ بن محمود بن محمد چشتی سے اخذ طریق کیا اور احمدآباد کو مسکن بنایا۔ آپ بڑے صاحب کشف وکرامات تھے۔ آپ کی وفات ۲۱ ذیقعدہ ۱۱۴۲ھ بمطابق ۷ جون ۱۷۳۰ء میں ہوئی۔ اور احمدآباد میں مدفون ہیں۔ نور اللہ مرقدہ۔ [۲]

خاتمہ مرآۃ احمدی میں شیخ علی رضا سرہندی کے متعلق لکھا ہے کہ سرہند سے گجرات تشریف لائے اور گجرات کو وطن بنالیا۔ آپ اپنے سلسلہ نقشبندی کے بزرگوں سے ارادت رکھتے تھے۔ اور آپ کو چشتی سلسلہ کی خلافت میاں شیخ چشتی سے ملی تھی۔ آپ صاحب وجد وحال تھے۔ اور شب بیدار، عبادت گذار بزرگ تھے۔ حالانکہ ظاہری رونق وثروت اور دولت ظاہری بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو دے رکھی تھی۔ دکن کے اکثر امراء جو فیروز جنگ کے ہمراہ گجرات پہنچے وہ بھی آپ کے مرید اور معتقد ہوئے۔ ۱۱۴۲ھ یکم ذوالقعدہ کو آپ نے رحلت فرمائی۔

---

[۱] محبوب ذی المنن، نزہۃ الخواطر ج۷ صفحہ ۱۷۶ [۲] نزہۃ الخواطر عربی ج۶ صفحہ ۱۹

اور آپکی قبر جوہری واڑہ سے متصل بنائی گئی ۔ آپ کے صاحبزادے محمد شاہ بھی صاحبِ علم تھے ۔ اور خوش نویس تھے ۔ [1]

مولانا محمد صالح

متوفی ۱۶ رجمادی الاولیٰ ۱۱۴۷ھ بمطابق ۱۳ راکتوبر ۱۷۳۴ء

شیخ محمد صالح بن نورالدین ۔ ولادت اور نشو و نما احمدآباد میں ہوئی سبعہ قرأت کے ساتھ قرآن مجید حفظ کیا ۔ پھر اپنے والد سے علم دین حاصل کیا پھر فتویٰ نویسی اور تدریس میں لگ گئے ۔ بڑے بڑے علماء نے آپ سے علم حاصل کیا ۔ دو مرتبہ دہلی کا سفر کیا ۔ ایک مرتبہ فرخ سیر کے زمانے میں دوسرا محمد شاہ کے عہد سلطنت میں ۔ اور دونوں مرتبہ بڑے اکرام و احترام سے نوازے گئے ۔ ورع و تقوی میں اپنے والد کے نقش قدم پر تھے ۔ اپنے والد کی حیات میں رحلت فرمائی ۔ آپکی وفات ۱۶ رجمادی الاولیٰ ۱۱۴۷ھ بمطابق ۱۳ راکتوبر ۱۷۳۴ء کو ہے دہلی میں انتقال ہوا لیکن آپکی میت کو احمدآباد منتقل کیا گیا ۔ اور اپنے دادا ملا محمود کے پاس دفن کئے گئے [2]

مولانا غلام محمد

متوفی ۱۱۴۹ھ بمطابق ۱۷۳۶ء

شیخ غلام محمد حنفی ۔ ولادت و نشو و نما احمدآباد میں ہوئی اور یہیں تعلیم حاصل کی ۔ پھر آپ نے لکھنؤ کا سفر کیا اور وہاں شیخ نظام ابن قطب الدین سہالوی سے درسی کتابیں

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی ص۱۰۵ [2] نزہۃ الخواطر عربی ج ۶ ص ۱۴۲ ، تذکرہ قاریان ہند ج ۲ ص ۲

پڑھیں اور مدت مدید تک آپ کی خدمت میں رہے۔ پھر دہلی کا ارادہ کیا اور وہاں شیخ محمد انور گوپاموی سے ملاقات ہوئی۔ شیخ محمد انور انہیں اپنے ساتھ برہانپور لے آئے۔ ان دنوں شیخ مذکور برہانپور کے والی مقرر ہوئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مولانا غلام محمد کے لئے ایک مدرسہ تعمیر کرایا اور سالانہ ۲۶ ہزار روپیہ آپ کا وظیفہ مقرر کیا۔ ایک مدت تک آپ نے اس مدرسہ میں درس و تدریس کی خدمات انجام دیں۔ اپنے بیٹے ولی اللہ کو بھی احمد آباد بلاکر اس مدرسہ میں داخل کرا دیا۔

جب آصف جاہ برہانپور آیا تو آپ نے اس کی خدمت میں حاضری نہ دی جس کی وجہ سے وہ ناراض ہو گیا۔ چنانچہ اس نے وظیفہ مقررہ بند کروا دیا۔ شیخ محمد انور نے سفارش کرکے وظیفہ جاری کروانا چاہا۔ آصف جاہ نے مولانا غلام محمد کی مہر طلب کی تاکہ وصول رجسٹر پر اس کو ثبت کرے جیسے کہ ان دنوں اس کا رواج تھا۔ لیکن آپ کے پاس کوئی مہر نہ تھی۔ آپ کے ایک شاگرد محمد فاضل نے آپ کے نام کی مہر بنوا کر مولانا غلام محمد کی خدمت میں پیش کی۔ انہوں نے اسی وقت اس کو توڑ کر پھینک دیا اور فرمایا۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ پھر آپ نے اپنے بیٹے ولی اللہ کو حرمین شریفین رخصت کر دیا ۱۱۴۹ھ/۱۷۳۶ء میں وفات پائی۔ [1]

روح الامین خانؒ [2]

م ۱۱۵۱ھ

آپ محلہ قاضی پورہ بلگرام کے عثمانی شیوخ میں سے ہیں۔ آپ کو قدرتی طور پر حضرت روح القدس سے تائید حاصل تھی۔ آپ عربی، فارسی اور ہندی کے

---

[1] نزہۃ الخواطر غ ل صفحہ ۲۱ ۳۹۴ ۔ [2] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

جملہ علوم وفنون میں مہارت تامہ اور ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپکے پاکیزہ اخلاق اور بلند کردار کی خوشبو سے عوام وخواص کے مشام جان معطر رہتے تھے۔ مزاج میں ظرافت اور لطافت بہت زیادہ تھی۔ زبان سے سلاست وفصاحت کا چشمہ جاری رہتا تھا۔ حافظہ اس قدر زبردست تھا کہ تینوں زبانوں کے ہزاروں اشعار، علمی مسائل، سینکڑوں واقعات اور بڑے بڑے قصیدے اور مثنویاں آپکی نوکِ زبان پر تھیں۔ ایسے حاضر جواب تھے کہ جب بھی کسی علم وفن سے متعلق آپ سے سوال کیا جاتا برجستہ جواب دیتے تھے۔

آپ کو سید العارفین میر سید لطف اللہ قدس سرہٗ سے مرید ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ تمام باطنی فضائل کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہری علم و فضل اور مال ودولت سے بھی مالا مال کیا تھا۔ آپکی فیاضی اور بہادری کی ہر طرف شہرت تھی۔ ہمیشہ فوج ولشکر، علم ونقارہ وطبل کے مالک اور فیل نشین رہے۔ اپنے ہم وطنوں، پڑوسیوں، دوستوں اور دشمنوں سبھی کے ساتھ نہایت اخلاق واحسان سے پیش آتے تھے۔

کچھ عرصہ تک آپ نے صوبہ پنجاب کے دو خاص شہروں سیالکوٹ اور جالندھر کے بائیس پرگنوں کی حکومت کا کام سنبھالا۔ اور کچھ زمانہ تک صوبۂ اودھ کے نائب صوبہ دار کے عہدہ پر بھی فائز رہے۔ آخر کار آپ نے صوبہ اودھ کے ناظم برہان الملک سعادتؒ خان نیشاپوری کی رفاقت اختیار کر لی۔ اور باوجود ملازمت کے کبھی آپ نے کتابوں سے اپنا تعلق ختم نہیں کیا آخری عمر میں بھی جبکہ آپ کا سن شریف ستر سال سے تجاوز کر چکا تھا۔ آپ نے

حاشیہ بقیہ صـــــ کا ملاحظہ ہو۔ ؎ ابن قاضی محمد سعید، اللہ یار خاں شہید کی بہن انکے عقد میں تھیں انکے منظومات کی تعداد تقریباً سات ہزار اشعار پر مشتمل ہے (مفتاح التواریخ۔ تاریخ خطہ بلگرام) اس صفحہ کا حاشیہ آئندہ صفحہ پر

صحیح بخاری شریف اور صحیح مسلم شریف کی اپنے ہاتھ سے کتابت کی اور ان پر حاشیے بھی لکھے ۔ احادیث نبوی کی خدمت سے آپ کو حد درجہ رغبت و محویت تھی ۔ یہاں تک کہ ذیقعدہ کی ۱۵ ر تاریخ کو منگل کے دن ۱۱۵۱ھ میں ہندوستان کی اس جنگ میں جو ایران کے بادشاہ نادر شاہ کے ساتھ شہر کرنال کے قریب واقع ہوئی تھی ۔ نہایت بہادری کے ساتھ دشمنوں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور اسی مقام پر دفن کر دیئے گئے ۔

نظام الدین احمد صانع جو انکی اولاد میں سے ہیں فرماتے ہیں ۔ ؎
(سات اشعار میں انکی تاریخ وفات تحریر کی ہے ۔ اس کا آخری شعر مطالعہ فرمائیں (آخری)

سال تاریخش نوشتم صوری و ہم معنوی   سال ہجرت بد ہزار و یک صد و پنجاہ و یک
۱۱۵۱ھ

اپنی موزونی طبع کے تحت یہ دو اشعار بھی فرماتے ہیں ۔

در سایۂ مژگان رُخِ یار است بہ بینید   آسائشِ گل در تہ خار است بہ بینید
ہر اشک کہ گل کرد ز نوک سر مژگان   منصور صفت بر سر دار است بہ بینید

حاشیہ ص — گذشتہ کا سلسلہ انکا نام میر محمد امین تھا ۔ شاہ عالم بہادر شاہ بن خلد مکان کے زمانہ میں ایران سے ہندوستان آئے اور کچھ دنوں نواب سربلند خان صوبہ گجرات کے ساتھ رہے اور محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں رفتہ رفتہ عنایت خسروانہ سے نوازے گئے ۔ صوبہ داری گجرات اور اودھ حاصل ہوئی ۔ اور نواب برہان الملک سعادت خاں کا خطاب ملا ۔ ۱۱۵۱ھ میں نادر شاہ سے جنگ کے بعد شاہجہاں آباد میں زخموں کی شدت اور تکالیف برداشت نہ کر سکے اور انتقال فرما گئے ۔ شاہ جہاں آباد دہلی میں مدفون ہوئے ۔ (مفتاح التواریخ ، مآثر الامراء)

شیخ حافظ سعد اللہ

م ۱۱ رشوال سنہ ۱۱۵۲ھ بمطابق ۱۰ رجنوری سنہ ۱۷۴۰ء

آپ حضرت خواجہ محمد معصوم کے فرزند و خلیفہ ۔حضرت محمد صدیق کے کامل خلفاء میں سے تھے ۔ تیس سال تک آپ نے اپنے مرشد کی صحبت اختیار کی اور طریقہ احمدیہ منسوب بہ حضرت احمد سرھندی مجدد الف ثانی میں بلند مقامات حاصل کئے ۔ خانقاہ کے فقراء نے آپ کو سید الصوفیہ کا لقب دیا تھا ۔

بڑے ناز سے فرماتے تھے کہ ہم نے اپنے پیر کی خانقاہ کا پانی اپنے سر پر اٹھایا ہے جس کی وجہ سے میرے سر کے بال گھس گئے ہیں ۔ بلکہ اللہ کی راہ میں میری آنکھوں کا نور بھی نثار ہوگیا ہے ۔میرے پیر نے مجھے شدید موسم گرما میں احمد آباد بھیجا ۔سورج کی گرمی سے میری آنکھیں بھی بے کار ہوگئیں ۔ خانقاہ کی خدمت کی برکت سے میرے پاس اتنے خادم آئے کہ ان میں سے ہر ایک کو میری خدمت کا موقع نہ مل سکا اور میرے دل کی آنکھیں نور معرفت سے بینا ہوگئیں ۔ اور میرے سر کی آنکھیں غیر کے التفات سے بے پرواہ اور مجھے دائمی مراقبہ حاصل ہے ۔ غیر کا تصور جو ظاہری آنکھوں کے ذریعہ دل میں آتا ہے وہ میرے آئینہ باطن میں راہ نہیں پاسکتا اللہ تعالیٰ کا ان نعمتوں پر شکر ہے ۔

جب آپ طریقہ نقشبندیہ میں داخل ہوئے تو ابتداء میں آپ نے عالم رویا میں ایک ایسا شہر عظیم دیکھا جو ولایت کی برکات و انوار سے معمور تھا ۔ اس کے ہر محلہ میں اولیاء کے گروہ اقامت گزیں ہیں ۔ ایک مرتبہ اس شہر میں بڑے اولیاء کے آنے کی شہرت ہوئی اور ساکنان شہر ان اولیاء کے استقبال کے لئے نکلے ۔ آپ نے پوچھا یہ سب کون ہیں ۔کسی نے جواب دیا اس وقت اللہ تعالیٰ نے

کمالات جدیدہ کے اظہار کے لیئے ان حضرات کا انتخاب فرمایا ہے اور ان کے سرحلقہ شیخ احمد سرہندی ملقب بہ مجدّد الف ثانی ہیں ۔ چنانچہ آپ نے ان بزرگوں کے اس طریقہ کے حصول کے لیئے ریاضات و مجاہدات کیئے ۔

مرزا مظہرؒ فرماتے ہیں کہ آپ پر تواضع اور انکساری کا غلبہ تھا ۔ لوگوں سے معافی مانگتے ہوئے اپنا سر مبارک ان کے پاؤں پر رکھ دیتے ۔

نواب فیروز خاں جنگ نے جو آپ کا مرید تھا ۔ آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ سید حسن رسول نما جس کو چاہتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف فرماتے آپ نے فرمایا ہم جس کو چاہیں دوبارا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف کریں تم آج شب کو فاتحہ پڑھکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کی طرف توجہ کرو ۔ اس نے اسی طرح کیا اور زیارت سے مشرف ہوا اور سو روپیہ ہدیہ منظور کیا اور دوبارہ فاتحہ پڑھکر سوگیا ۔ اور پھر زیارت کی سعادت حاصل کی اور ایک سو روپیہ پھر ہدیہ دینا منظور کیا ۔ صبح کے وقت خدمت میں حاضر ہوا اور سو روپیہ نذر کیا ۔ آپ نے فوراً فرمایا دوسرا سو کہاں ہے اس نے وہ بھی نذر کر دیا ۔

مرزا مظہر جان جاناں رح نے فرمایا کہ آپ علم ظاہری میں مہارت نہیں رکھتے تھے لیکن اپنے پیر کی خدمت کیوجہ سے باطنی نسبت قوی تھی ۔ آپ کی خانقاہ میں ایک بلی رہتی تھی جو آپ کے تصرف سے چڑیوں پر مہربان ہوگئی تھی وہ اپنا منہ کھولتی تو اس کے منہ میں گندم کے دانے ڈال دیئے جاتے ۔ چڑیاں اس کے منہ سے دانے چن لیتیں ۔ آپ کی وفات ۱۱ر شوال ۱۱۵۲ھ کو ہوئی ۔ آپ کے خلفاء میں شیخ صبغۃ اللہ مشہور ہوئے ۔ نور اللہ مرقدہٗ[1]
۱۰ر جنوری ۱۷۴۰ء

---

[1] مقامات مظہری صـ ۲۴۶ ۔

محمد سیف اللہ احمد آبادی

م ۱۱۵۳ھ

آپکی تصنیف کا ایک مخطوطہ مولانا ابو ظفر ندوی کی نظر سے گذرا ہے وہ لکھتے ہیں
شرح ظہوری قلمی، مصنفہ محمد سیف اللہ احمد آبادی، خوشخط، خط نستعلیق، تقطیع متوسط، کرم خوردہ ۱۱۵۳ھ۔ [1]

سید محمد علی

متوفی ۷ رصفر ۱۱۵۴ھ مطابق ۱۷۴۱ء

سید محمد علی جادۂ شریعت پر گامزن اور اسرار حقیقت و تصوّف سے واقف تھے۔ ہمیشہ ذکر خفی و جلی میں مشغول رہنے والے تھے۔ سید محمد علی کی ولادت احمد آباد میں ہوئی۔ ابتداء جوانی ہی سے دنیائے فانی کو ترک کر دیا تھا۔ اور عزلت اور گوشہ نشینی کو ترجیح دی تھی۔ آپ جمال پور کے راستہ میں ایک مسجد (جس کو سلطان محمود ثانی کے وزیر افضل خان بنبانی نے تعمیر کروایا تھا) میں مقیم تھے۔ ہر وقت عبادتِ الہٰی میں مصروف رہتے۔ اور حج و زیارت سے بھی آپ تین دفعہ مشرف ہوئے۔ ۱۱۵۴ھ میں ۷ رصفر شب یکشنبہ کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور مسجد افضل خان بنبانی کے صحن میں آپ کو دفن کیا گیا۔
میر حسام الدین خان نے جنکا تخلص اُمّی تھا آپکی رحلت پر یہ قطعہ کہا۔ ؎

---

[1] گجرات کی تمدنی تاریخ ص ۲۳۹۔

بحر مواج حقیقت مرشدِ روشن ضمیر
پیر اصحاب طریقت سید صاحب وقار
از صفر ہفتم زیکشنبہ قریب نیم شب
کردہ از دار فنا رحلت سوی دار القرار [1]

پیر محمد شاہ

م ۲۶ر جمادی الاولیٰ ۱۱۶۳ھ

پیر محمد شاہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کی اولاد سے تھے۔ آپ کے آباء و اجداد بغداد میں رہتے تھے۔ ان میں سے بعض حضرات ترک سکونت کرکے ہندوستان آگئے اور بیجاپور میں مقیم ہوگئے۔

آپ کے والد ماجد کا نام امین الدین تھا۔ پیدائش سے پہلے ہی والد رحلت فرما گئے ۱۰۱۱ھ میں بمقام بیجاپور پیدا ہوئے۔ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ والدہ کی شفقت سے محروم ہوگئے۔ آپ کی پرورش کی ذمہ داری پھوپھی کے حصہ میں آئی۔

تعلیم بنیادی تعلیم آپ کے عم مکرم سید عبد الرحمٰن کے زیر سایہ ہوئی۔ سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کرلیا۔ پھر حرمین شریفین کا عزم فرمایا اور وہاں پہنچکر وہاں کے مشہور اساتذہ سے تحصیل علم کیا۔

سفر حرمین سے قبل اپنے چچا سید عبد الرحمن سے سلوک کی منازل طے کیں اور پھر ان کے مجاز ہوئے۔ اور سلسلہ قادریہ میں لوگوں کو بیعت کرتے تھے۔

مکہ مکرمہ میں آپ کے چچا اور پیر و مرشد نے آپ کو مکہ مکرمہ بغرض علم سفر کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ اس مقصد کے لئے بیجاپور

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی صد ۱۰۵۔

سے براہ سورت مکہ مکرمہ پہنچے ۔ مکہ مکرمہ میں اس وقت زبردست علماء اور مشائخ تھے جو تشنگان علم کی پیاس بجھاتے تھے جن میں یہ حضرات بطور خاص نمایاں خدمات انجام دے رہے تھے ۔ شیخ عبدالرحمٰن بن محمد ذہبی ۔ شیخ مصطفیٰ بن فتح اللہ مکی ۔ شیخ محمد شرنبلالی شیخ تاج الدین بن احمد مکی ۔ شیخ شہاب الدین احمد بن محمد دمیاطی ۔ شیخ محمد بن سلیمان مغربی ۔

آپ تقریبًا چھ سال مکہ مکرمہ میں رہے ۔ اور شیخ عبدالرحمٰن ۔ شیخ محمد بن احمد بن سعید شیخ محمد بن عثمان ۔ شیخ مصطفیٰ بن فتح اللہ مکی کے علاوہ دیگر اساتذہ سے علم حاصل کرتے رہے ۔

مدینہ منورہ میں مکہ مکرمہ میں چھ سال قیام کے بعد آپ نے مدینہ منورہ کا سفر فرمایا اور یہاں بھی تقریبًا چھ سات سال قیام فرمایا ۔

اس مدت میں آپ ہمہ تن تحصیل علم میں مشغول رہے اور وہاں کے مشہور علماء و فضلاء سے مستفیض و مستفید ہوتے رہے ۔ جن میں سے حسب ذیل حضرات قابل ذکر ہیں ۔ مولانا احمد یک دست ۔ سید عبداللہ الحدادی ، شیخ علی بن ابراہیم شیروانی ، شیخ یوسف بن حطیب مدنی ۔

حرمین شریفین سے واپسی حرمین شریفین میں طویل قیام اور تحصیل علوم کے بعد آپ واپس ھندوستان تشریف لائے اور احمد آباد میں قیام فرمایا ۔

چلہ کشی ۱۱۲۲ھ کے آخر میں علامہ وجیہہ الدین علوی (احمد آباد) کے مزار پر چلہ کشی فرمائی ۔ دنیا اور اہل دنیا سے کنارہ کش رہے اور حضرت وجیہہ الدین کی روحانیت سے فیض یاب ہوتے رہے ۔

اوصاف آپ مادر زاد ولی تھے ۔ بزرگوں کی صحبت اور خدمت کو غنیمت سمجھتے تھے توکل اور قناعت شعار تھا ۔ دنیا سے بے رغبتی تھی ۔ ہدایا

قبول نہ فرماتے اور کسی کے اصرار پر فرماتے کہ فقیروں کے کس کام کی جاؤ لے جاؤ۔ علوم ظاہری اور علوم باطنی دونوں سے آراستہ تھے۔

شعر و شاعری آپ شعر گوئی بھی فرماتے۔ اردو کے اشعار میں شہید تخلص تھا اور فارسی میں اقدس تخلص تھا۔ فارسی کلام کے کئی مجموعے مرتب ہوئے ہیں۔ آپ کے فارسی اردو کلام کے چند اشعار بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں سے

من وجود بے نشان در نشان گرفتارم ہنوز
لامکانم جائے من در جہان بیمارم ہنوز
من بہ جہل کنہ ذات خود در آزارم ہنوز
بر ظہور کنز خویشم عاشق زارم ہنوز

کچھ سکھ نہیں دنیا میں دنیا اب جانا بھلا
دو روز کی دنیا میں جینے سے ہے مرنا بھلا

مدفن کے متعلق پیش گوئی آپ نے اپنی زندگی ہی میں اپنی آخری آرامگاہ کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔ علامہ وجیہ الدین علوی کے مزار پر نہایت پابندی سے حاضر ہوتے۔ وہاں ایک جھونپڑی تھی۔ اس میں ایک بڑھیا رہتی تھی۔ جب وہ بڑھیا آپ سے جھونپڑی میں تشریف رکھنے کو کہتی تو آپ فرماتے:

"ہاں ہاں جب اس جگہ آؤنگا تو پھر اسی جگہ رہوں گا"

آپ کے مریدوں کا خیال شاہ موسیٰ سہاگ کے قبرستان میں دفن کرنے کا تھا۔ جہاں آپ کا مزار ہے وہاں آپ کی نماز جنازہ ادا ہوئی۔ لوگوں نے جب وہاں سے جنازہ اٹھانا چاہا تو اٹھ نہ سکا۔ چنانچہ آپ کو وہیں دفن کیا گیا۔

وصال:۔ ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۱۶۳ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ اور احمد آباد میں آپ کا مزار مرجع خواص و عوام ہے۔[1]

گجرات کی تمدنی تاریخ میں ہے کہ "کلام اقدس" کے مصنف حضرت پیر محمد شاہ بیجاپوری ہیں۔ یہ شاعر بھی تھے۔ تخلص اقدس ہے۔ اردو کے مشہور شاعر ولی گجراتی کے ہمعصر تھے۔ ان کا دیوان نایاب ہے۔ مولانا ندوی نے اس کا ایک نسخہ احمد آباد میں دیکھا تھا۔ دوسرا نسخہ سورت میں سید قمر الدین کے کتب خانہ میں تھا جو اب تک غیر مطبوعہ ہے۔[2]

نیز آپ کے متعلق لکھا ہے کہ کتاب "کلام اقدس" کے مصنف حضرت پیر محمد شاہ بیجاپوری ہیں جو چالیس برس تک احمد آباد کی جامع مسجد میں معتکف رہے۔ یہ شاعر بھی تھے۔ متعدد نظمیں اردو میں لکھی ہیں۔ ان کا دیوان بہت نایاب ہے۔ تمدنی کارنامے کے مصنف تحریر فرماتے ہیں کہ "میں نے ایک مکمل نسخہ احمد آباد میں دیکھا ہے" اور یہ دوسرا نسخہ ہے۔ یہ دیوان ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔[3]

خاتمہ مرآۃ احمدی میں بھی سید پیر محمد کے حالات ہیں۔ ان سے مراد صاحب ترجمہ ہیں یا اور کوئی یہ معلوم نہ ہو سکا۔ خاتمہ میں لکھا ہے۔ سید پیر محمد۔ اس علاقہ میں تشریف لائے۔ جامع مسجد میں سکونت پذیر ہوئے اور اخیر تک یہیں مقیم رہے۔ آپ سلسلۂ قادریہ سے وابستہ تھے۔

میاں وجیہ الدین سے بھی آپ کو خلافت ملی۔ آپ بھی اصحاب طریقت میں سے تھے۔ اکثر اوقات تلقین و ارشاد میں مشغول رہتے۔ گوشہ نشینی اور عزلت کو آپ نے ترجیح دی۔ کسی جگہ آمد و رفت نہیں رکھتے تھے اور تصوف کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا تھا۔ قوم بواہر کے اکثر لوگ سید پیر محمد کے مرید تھے۔

---

[1] تذکرہ صوفیائے گجرات ص۱۶ [2] گجرات کی تمدنی تاریخ ص۲۴۲ [3] تمدنی کارنامے ص۲۹۱۔

اوران سے عقیدت رکھتے تھے ۔ زین العارفین اخوند عبدالعزیز کے صاحبزادے بھی طریق مشیخت اختیار کئے ہوئے تھے ۔ انکی طرف سے زیادتی پر آپکی طبیعت خراب ہوئی اور ۱۱۶۷ھ ۲۷ جمادی الاولی کو آپ نے انتقال فرمایا ۔ اندرون شہر صلاح الدین خان کی حویلی کے متصل آپ کو دفن کیا گیا ۔ [1]

قاضی نظام الدین

متوفی ۱۲ ذیقعدہ ۱۱۶۵ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۱۷۵۲ء

قاضی نظام الدین بن نورالدین بن محمد بن صالح ۔ یکے از علمائے صالحین علمی خاندان میں آپ نے نشو و نما پائی ۔ نہایت ذکی و ذہین تھے ۔ علوم و فنون میں اپنے ہمعصروں سے آگے نکل گئے ۔ فن ریاضی اور شعر و انشا میں خاص مہارت حاصل تھی ۔ ۱۱۵۱ھ میں احمد آباد کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے اور تادم حیات اسی عہدہ پر فائز رہے ۔

آپ صاحب عزیمت با وقار اور مذہب کے معاملہ میں نہایت سخت تھے شاہ پور کا واقعہ ہے کہ ھندوں نے ایک مسجد کے سامنے مندر تعمیر کیا اور روزانہ نماز کے اوقات میں گھنٹہ بجایا کرتے تھے ۔ قاضی صاحب نے حسن تدبیر سے انکو اس سے روک دیا جب اس کی اطلاع احمد شاہ دہلوی کو ہوئی تو بہت خوش ہوئے اور آپ کو خلعت فاخرہ سے نوازا ۔ اور سواری کے لئے ہاتھی عنایت فرمایا ۔

آپ نے تصنیف کے میدان میں بھی نمایاں خدمات انجام دی ہیں ۔ چنانچہ میزان الساعۃ ، تفصیل الفصول اور فضائل العلماء کے علاوہ اور بھی دیگر رسائل تصنیف

---

[1] خاتمہ مرأۃ احمدی ص ۱۰۳ ۔

فرمائے۔ ۱۲ ذی قعدہ ۱۱۶۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور اپنے والد کے پہلو میں بمقام احمد آباد دفن ہوئے۔ آپ کے چار بھائی اور بھی تھے جو علم و فن میں ماہر تھے۔ [1]

مرآۃ احمدی کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ: قاضی محمد نظام الدین خاں حافظِ قرآن، بڑے محقق تھے۔ بالخصوص ریاضی کے ماہر تھے۔ انشار پردازی اور شعر گوئی میں بہت ممتاز تھے۔ امراء اور سلاطین کی صحبت میں بھی رہے۔ اور ان کی طرف سے خلعتیں اور مناصب پائے۔ یہاں تک کہ احمد آباد کی منصبِ قضا پر فائز کئے گئے۔ اور نہایت عدل و انصاف کے ساتھ احکام شریعت کو نافذ کرتے۔

۱۱۶۵ھ ۱۲ ذیقعدہ کو اس عالم فانی سے عالم باقی کو کوچ فرمایا۔ اور اپنے والد کے پہلو میں مشرقی جانب دفن کئے گئے۔ آپ لاولد تھے۔ آپ نے متعدد رسائل تصنیف فرمائے۔ جس میں فضیلتِ علم پر ایک رسالہ ہے۔ اسی طرح میزان الساعۃ اور تفصیل الفصول اور قہوہ پر آپکا ایک رسالہ مشہور ہے۔ [2]

شیخ محمد محسن

استاذ قاضی عبدالنبی

شیخ محمد محسن بن عبدالرحمٰن صدیقی۔ احمد آباد کے ان علماء میں سے ہیں جو منطق اور

---

[1] نزہۃ الخواطر عربی جلد ۶ صفحہ ۳۰۲ تذکرہ قاریان ہند۔ [2] خاتمہ مرآۃ احمدی صفحہ

حکمت کے امام سمجھے جاتے تھے۔ درسی کتابیں آپ نے مفتی محمد اکبر بن محمد شریف دہلوی سے پڑھیں اور ایک طویل زمانہ تک ان کی صحبت میں رہے۔ پھر درس و تدریس میں مشغول ہوئے اور بڑی مخلوق نے ان سے علمی استفادہ کیا بالخصوص "دستور العلماء" کے مصنف قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمدنگری آپ کے تلامذہ میں مشہور ہیں۔ [1]

قاضی عبدالنبیؒ

م ۱۱۷۳ھ مطابق ۱۷۵۹ء

قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول عثمانی، گجرات نگر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتب اپنے والد سے پڑھیں۔ پھر شیخ عبداللہ، شیخ قطب الدین عثمانی، اور محمد محلن بن عبدالرحمن صدیقی سے درس لیا۔ اور ادب و لغت اور نحو و منطق کے ماہر عالم بن گئے۔ آپ قاضی کے فرائض انجام دینے کے علاوہ تدریس میں مشغول رہے۔ آپ اپنے زمانہ کے علامہ اور یگانۂ زمان تھے۔

قاضی صاحب کی مشہور تصانیف میں سے "کافیہ ابن حاجب" کی فارسی زبان میں شرح موسوم بہ "جامع الغموض ومنبع الفیوض" اور دستور العلماء (جو چار جلدوں میں علوم وفنون کی اصطلاحات کی لغت ہے) کے علاوہ "شرح التہذیب للیزدی، میرزاہد، ملا جلال، الفرائض السراجیہ، دستور المبتدی، خلاصۃ الحساب للعاملی المطول اور الرشیدیہ وغیرہ پر حواشی وتعلیقات قابل ذکر ہیں۔

قاضی عبدالنبی کی ان تصنیفات میں دستور العلماء (جس کا پورا نام جامع العلوم الملقب بدستور العلماء فی اصطلاحات العلوم والفنون ہے) علوم وفنون کی مصطلحات

---

[1] نزھۃ الخواطر ج ۶ ص ۳۴۷

کے بارے میں برصغیر کے علماء نے جو کوششیں کی ہیں ان میں دو ناقابلِ فراموش اور اہلِ علم کے لئے ناگزیر ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں سے ایک تو شیخ محمد اعلیٰ تھانوی کی کشاف اصطلاحات الفنون ہے اور دوسری یہ کتاب (دستور العلماء) ہے۔ کثرتِ مواد اور ضخامت کے اعتبار سے اوّل الذکر کو فضیلت حاصل ہے۔ مگر حسنِ ترتیب کے لحاظ سے مؤخر الذکر بہتر ہے۔

شیخ عبدالنبی نے اگرچہ کتاب کی ترتیب حروفِ تہجی کے لحاظ سے پیش کی ہے مگر آپ نے لفظ اللہ، الاحمد، اور اصحاب کا ذکر ترتیب حروفِ تہجی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سب سے پہلے کیا ہے اور مقصد صرف یُمن و برکت ہے کتاب کا تعارف کراتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں۔

"ان ھذا دستور العلماء جامع العلوم العقلیۃ۔ حاوی الفروع و الاصول النقلیۃ، فیہ فوائد غریبۃ وجوائد عجیبۃ، فی تحقیقات اصطلاحات العلوم المتداولۃ، وتدقیقات لغات الکتب المتداولۃ وتوضیحات مقدمات منتشرۃ مشکلۃ علی المعلمین وتلویحات مسائل مبھمۃ متعسرۃ علی المتعلمین،" (یہ کتاب دستور العلماء ہے جو عقلی علوم کی جامع اور نقلی فروع و اصول پر حاوی ہے۔ اس میں عجیب و غریب فوائد و بیانات ہیں جن میں مستعمل علوم کی اصطلاحات کی تحقیق ہے۔ متداول کتابوں کے الفاظ کی باریک تشریح ہے۔ ان منتشر معلومات کی توضیح ہے جو اساتذہ کیلئے مشکل ہیں اور ان مبہم مسائل کی وضاحت ہے، جو طلبہ کے لئے لاینحل ہیں)۔

یہ کتاب اپنے ضمیمے سمیت حیدرآباد دکن سے چار جلدوں میں چھپی ہے آپ کی وفات ۱۱۷۳ھ/۱۷۵۹ء میں ہوئی۔ [1]

---

[1] نزھۃ الخواطر ج۶ ص۱۶۲۔ تذکرہ علمائے ہند ص۳۲۵۔ تاریخ ادبیات ج۴ ص۲۳۹۔

نزہۃ الخواطر میں آپ کے حالات اس طرح درج ہیں کہ قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول بن ابو محمد بن عبدالوارث عثمانی احمدنگری مشہور علماء میں سے ہیں ۔ مولد و منشاء احمدنگر ہے ۔ مختصرات اپنے والد سے پڑھی اور والد کی وفات کے بعد عبداللہ احمدنگری اور سید بخش حسینی کرمانی فیروزآبادی سے پڑھی پھر گجرات چلے آئے ۔ اور ”حاشیہ قدیمہ“ وغیرہ کتب درسیہ شیخ قطب الدین عثمانی گجراتی سے پڑھیں ۔ اور ان میں سے اکثر شیخ محمد بن محسن بن عبدالرحمن صدیقی گجراتی سے پڑھیں ۔ ایک طویل عرصے تک انکی خدمت میں رہے یہاں تک کہ اپنے زمانے کے علماء میں نحو، منطق میں ماہر ہوگئے احمدنگر کی قضاۃ آپ کو سونپی گئی پھر بھی درس و افادے کو نہ چھوڑا اور اس میں مشغول رہے بڑی مخلوق آپ سے فیضیاب ہوئی ۔ آپ کی تصانیف ہیں ”جامع الغموض و منبع الفیوض“ ہے ۔ اور کافیہ ابن حاجب کی ایک بسیط شرح بھی آپ نے لکھی ۔ ”دستورالعلماء“ آپ کی ایک کتاب ہے ۔ جو علوم و فنون کی اصطلاحات میں ہے چار جلدوں میں ہے ۔ ایک مبسوط حاشیہ آپ نے شرح تہذیب پر لکھا ۔

منطق کی دوسری اہم نصابی کتاب تہذیب المنطق کی دو شرحیں لکھی گئیں اور ان کے مصنف دو مشہور علماء ہیں ۔ عبیداللہ یزدی اور جلال الدین دوّانی یزدی کی لکھی ہوئی شرح تہذیب المنطق پر شیخ عبدالنبی احمدآبادی (۱۱۴۴ھ مطابق ۱۷۳۱ء) نے یہ حواشی لکھے جن میں منطق کے اہم مسائل کی وضاحت کی گئی ہے ۔ ایک حاشیہ ”میرزاہد ملا جلال“ پر لکھا ۔

نیز آپ کا ایک حاشیہ ”دستورالمبتدی“ پر بھی صرف میں ہے ۔ اور عاملی کی خلاصۃ الحساب کا حاشیہ ، اور اصولِ حسامی کا حاشیہ مطول پر حاشیہ، شرح عقائد پر حاشیہ ، شرح عقائد کی شرح خیالی پر حاشیہ ، رشیدیہ پر حاشیہ جو شرح شریفیہ کی شرح ہے ۔ جو فن آداب کے بحث میں ہے ۔

نیز آپکی کتاب "سیف المبتدین فی قتل المفرورین" بھی ہے۔ آپکی تاریخ وفات نہیں مل سکی۔ البتہ دستور العلماء کی تالیف آپنے ۱۱۷۳ھ میں مکمل فرمائی اور اس وقت تک بقید حیات تھے۔

سید نور اللہ قدس سرہٗ

م ۱۱۷۳ھ

سید العارفین شاہ لدھا بلگرامی قدس سرہٗ کے حقیقی برادر صغیر تھے۔ بڑے دل سوختہ تھے خشیتِ الٰہی سے ہر وقت اشک بار رہتے۔ خدا دوست اور دنیا سے نفور تھے۔ حصولِ علم کی ابتدا ر شیخ ابوالفتح[1] ساکن نیوتنی اودھ کی شاگردی سے کی اور انہی سے فراغت حاصل کی۔ آپ ملّا ابوالفتح قاضی ضیاء الدین[2] کی اولاد سے ہیں جن کا شمار نیوتنی کے ممتاز لوگوں میں ہوتا ہے۔ احمدآباد جاکر شیخ وجیہ الدین علوی کی صحبت میں مرتبۂ کمال کو پہنچے اور مقام فضیلت حاصل کیا۔ شیخ ان کے ساتھ خاص عنایت سے پیش آئے اور اپنی صاحبزادی کے ساتھ عقد فرمادیا۔ قاضی ضیاء الدین کچھ دنوں بعد اپنی بیوی کے ہمراہ اپنے وطنِ اصلی لوٹ کر آگئے۔ ملّا ابوالفتح جوانی کے دنوں میں تحصیل علم کے شوق میں قصبہ قصبہ پریشان پھرتے تھے۔

---

[1] ابن سلیمان بن فضل بن قاضی ضیاء الدین معروف بہ قاضی جیاء عثمانی نیوتنی اودھی (نزہۃ الخواطر) ابن سلیمان سلوانی عثمانی۔ [2] علمائے وقت میں ممتاز تھے۔ قاضی وجیہ الدین گجراتی کے شاگرد اور داماد تھے۔ طریقہ قادریہ شیخ محمد بن یوسف قرشی برہانپوری ۹۷۲ھ سے حاصل کیا۔ شاہ جمال اولیاء کوروی ۱۰۴۷ھ ان کے شاگرد تھے۔ قاضی وجیہ الدین نے ۹۹۸ھ میں وصال فرمایا۔ (نزہۃ الخواطر)۔

ملا محمد زمان[1] ساکن کاکوری اور دیگر علمائے وقت سے انہوں نے پڑھا۔ اس کے بعد میر سید حسین شاگرد رشید میر زاہد کی خدمت میں گئے۔ کچھ دنوں ان سے بھی پڑھا اور پھر آخر میں میر زاہد ہی کی خدمت میں پہنچ کر آخر تک تحصیل علم کیا۔ (فارغ التحصیل ہوئے) پھر وطن اصلی لوٹے۔ اور شیخ پیر محمد لکھنوی[2] سے بیعت کی۔ اور آخر عمر تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔ بہت سے لوگ آپ سے فیضیاب ہوئے۔

مختصر یہ کہ سید نور اللہ علائق سے فارغ ہو کر دہلی چلے گئے اور وہیں سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے مزار مقدس کے نزدیک مقیم ہو گئے۔ قیام کے دوران بعض امراء نے روزمرہ کے اخراجات اور مدد معاش کے لئے اراضی کی سند پیش کی تو سید صاحب نے اپنے منہ پر طمانچے مارے اور سند کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا۔ سید العارفین کی خدمت میں پہنچکر ان سے بیعت کی اور سخت ریاضتیں کیں۔ آپ کی عجیب حالت ہو گئی تھی راتوں کو بہت کم آرام کرتے زیادہ تر روتے

---

[1] بن محمد رضا بن محمد اشرف بن عبدالقدوس بن شہاب الدین بن نظام الدین بھیکہ علوی کاکوروی بڑے علماء میں تھے۔ قاضی عبدالقادر عمری لکھنوی ۱۰۷۰ھ کے شاگرد تھے۔ طریقت کی سند شیخ پیر محمد لکھنوی سے حاصل کی شیخ عبدالغفور اشرفی بھاگلپوری و شیخ علی اصغر قنوجی ۱۱۴۰ھ و شیخ محمد غوث کاکوروی ۱۱۱۰ھ ان کے شاگردوں میں سے تھے۔ (نزہۃ الخواطر)۔ [2] بن اولیاء جونپوری بڑے قابل آدمی تھے علوم ظاہری و باطنی میں اور فضل و کمال میں بہت مشہور تھے۔ عمدہ اور لطیف تصنیفات۔ اور سوز عشق سے بھری ہوئی تالیفات والے تھے درسی کتابیں جونپور، حرمین شریفین اور دوسرے شہروں میں پڑھکر لکھنو آئے۔ اور قاضی عبدالقادر لکھنوی ۱۰۷۰ھ کی درسگاہ سے فارغ ہوئے۔ شاہ عبداللہ سیاح کے مرید ہوئے اور انہیں سے خلافت بھی حاصل کی۔ متوفی ۱۰۸۵ھ دریائے گومتی کے کنارے (ایک ٹیلہ پر جواب وسط لکھنو میں ہے) مزار مقدس زیارت گاہ عوام ہے اور ٹیلہ شاہ پیر محمد کے نام سے مشہور رہے۔ انکی تالیفات میں سراج الحکم حاشیہ شرح صدرا، فتاویٰ فقہیہ کتاب المنازل لاربعہ مشہور رہیں۔ (تذکرہ علمائے ہند، نزہۃ الخواطر، خزینۃ الاصفیاء)۔

رہتے۔ کبھی رکوع اور کبھی سجدہ کی حالت میں صبح کر دیتے۔ اور حدیث کریمہ حتیٰ تورمت قدماہ[1] (یہاں تک کہ آپ کے پائے مبارک متورّم ہو جاتے) کے مطابق اکثر دیکھا جاتا کہ پاؤں متورّم ہیں۔ ایک مرتبہ تو ایسی حالت ہو گئی کہ گیارہ روز تک نہ کچھ کھایا اور نہ پیا۔ ایک روز کھڑے ہوئے تھے۔ آفتابہ سے وضو کے لئے پانی لینے کو جھکے تو یکبارگی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ اسی طرح رکوع کی حالت میں تین دن تک جھکے رہے۔ اکثر دیوانگی کی حالت طاری ہو جاتی تھی۔ اور ضعف و ناتوانی میں پڑے رہتے تھے۔ گریبان چاک رہتے تھے۔ سونا چاندی ہاتھ میں نہیں لیتے تھے فرماتے تھے یہ مُردار ہے اس سے ہاتھ ملانا جائز نہیں ہے۔ خلافِ شریعت کاموں پر سخت گرفت فرماتے تھے۔ ایک روز آزاد قلندروں کے گروہ کا ایک شخص سید العارفین کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے کان میں ساز کی آواز آئی وہ قلندر گستاخی کے ساتھ حضرت سید العارفین سے گفتگو کرنے لگا اور کہنے لگا کہ جہاں ساز ہوں وہاں سے چلا جانا چاہئے۔ سید نور اللہ نے اس سے سختی سے کہا کہ یہاں تو ساز ہے۔ اور وہاں کیا ہے؟ قلندر نے کہا وہاں "اللہ" ہے۔ سید نور اللہ اٹھ کھڑے ہوئے اور قلندر سے کہا کہ اٹھو اور اللہ کو دکھاؤ۔ اس نے کہا کہ پہلے اپنے بدن سے نجاست کو دور کرو۔ انہوں نے کہا نجاست کیا ہے؟ اس نے کہا یہ دنیوی لباس جو تمہارے اوپر ہے۔ سید نور اللہ نے عمامہ زمین پر پھینک دیا اور کپڑے ہٹا دیئے۔ اور کہا کہ آؤ اور "اللہ" کو دکھاؤ۔ قلندر کو سخت تعجب ہوا۔ اور عاجزی و انکساری کرنے لگا۔ سید نور اللہ نے سختی کی۔ بالآخر سید العارفین نے درمیان میں پڑ کر قلندر کو ان کے ہاتھ سے رہائی دلائی۔ ایک رات نماز تراویح جماعت کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔ جب امام اس آیت پر پہنچا "فَلْيَضْحَكُوا

---

[1] حدیث مغیرہ بن شعبہ (مشکوٰۃ شریف)۔

قَلِیْلاً وَّلْیَبْکُوْا کَثِیْرًا ، (تم کو چاہئے کہ کم ہنسو اور زیادہ روؤ) عین نماز کی حالت میں گر کر بیہوش ہو گئے ۔ اور کئی دن تک روتے رہے ۔ ایک بار ان کو راہِ سلوک میں ایک مشکل پیش آئی ۔ سید العارفینؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا ۔ حضرت ہمہ وقت مصروف رہتے تھے اس وقت بھی ذکر میں مشغول تھے ۔ اور سید نور اللہ کی مشکل حل نہ ہوئی ۔ قلبِ ذاکر اسی وقت خاموش ہو گیا ۔ سید العارفین نے ان سے فرمایا جاؤ قرآن مجید حفظ کرو ۔ چند پارے حفظ کئے تھے کہ دل کی گرہ کھل گئی ۔ حضرت سید العارفین کی خدمت میں حاضر ہو کر قدم بوس ہوئے اور باقی قرآن حفظ کرنا شروع کیا ۔ پچیس پارے یاد کئے تھے کہ راتوں کو قیام کی وجہ سے دونوں پیر متورم ہو گئے ۔ اور اسی پیروں کے ورم کے عارضہ میں انتقال فرمایا ۔ وقت آخر لوگوں نے عرض کیا کہ اپنی کوئی خواہش بیان فرمائیں ۔ فرمایا یہ تمنا ہے کہ قرآن کے باقی پانچ پارے اور یاد کر لیتا ۔ مگر یاد کرنے کا موقع نہیں ملا ۔ انکی وفات ۱۳ ؍ شعبان ۱۱۷۳ھ کو ہوئی کاتب الحروف (میر غلام علی آزاد بلگرامی) نے آیت "بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ" سے تاریخ وصال نکالی ۔ ان کے انتقال کے بعد قرآن مجید کا وہ نسخہ جس میں تلاوت فرماتے تھے گم ہو گیا ۔ گھر والے سخت پریشان اور افسردہ خاطر تھے کہ سید نور اللہ مرحوم نے گھر کے لوگوں میں سے کسی شخص کو خواب میں بتلایا کہ فلاں شخص کے گھر فلاں جگہ وہ قرآن رکھا ہے ۔ گھر والوں کو جب پتہ چلا تو اسی جگہ رکھا ہوا وہ قرآن ان کو مل گیا ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

میرزا علی محمد

م ۱۱۷۴ھ بمطابق ۱۷۶۰ء

شیخ علی محمد بن محمد علی یکے از ماہرین سیر تاریخ ۔ تاریخ گجرات میں مرآۃ احمدی آپ ہی کی ہے بلاد گجرات کے صاحب دیوان الخراج تھے ۔ ۱۱۷۴ھ میں احمد آباد میں رحلت ہوئی ۔ [1]

[1] نزھۃ الخواطر ج ۶ ص ۱۹۰ ، ۷۶

سیّد غلام حسین اورنگ آبادی

م ۱۱۷۶ھ

فقیہ غلام حسین بن شہاب الدین بن محمد اسحاق بغدادی ثم الہندی اورنگ آبادی اپنے زمانے کے مشہور مشائخ میں سے ہیں۔ پیران پیر سید عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے ہیں۔ جنیر شہر میں آپکی ولادت ہوئی، اور بچپن ہی میں گجرات پہنچ گئے۔ اور اپنے زمانے کے علماء سے گجرات میں پڑھتے رہے۔ پھر شیخ علی رضا ابن فرخ شاہ سرہندی ثم الگجراتی کی صحبت میں رہے۔ ان سے فیضیاب ہوئے۔ پھر اورنگ آباد آئے۔ اور وہاں سکونت پذیر ہوگئے۔ اور زہد و عبادت میں خلوت گزیں رہے۔

آپ کا معمول تھا کہ روزانہ قرآن پاک کا ایک ختم فرماتے اور روزانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دس ہزار مرتبہ درود شریف اور بارہ ہزار دفعہ لا الٰہ الا اللہ ایک ہزار دفعہ درود تنجینا اس کے علاوہ اوراد پر بھی آپ مداومت فرماتے ساری عمر کبھی آپ کی کوئی نماز فوت نہیں ہوئی۔ آپ نے ۱۱۷۶ھ ۲ جمادی الاولیٰ کو اورنگ آباد میں وفات پائی۔ [1] (کما فی مجمع الابرار)

شیخ ابوالحسن ویلوری

م ۱۹ رمضان ۱۱۸۲ھ بمطابق ۲۶ جنوری ۱۷۶۹ء

شیخ ابوالحسن بن عبداللطیف بن ابی حسن۔ احمد آبادی ثم ویلوری، مدراسی۔ آپ

---

[1] نزہۃ الخواطر صفحہ ۳۹۴ ج ۶۔

مشائخ قادریہ سے تھے۔ ولادت ۱۱۱۰ھ میں ہوئی۔ آپ نے علوم دین کی تحصیل اپنے والد شیخ عبداللطیف۔ شیخ محمد حسین بےجاپوری۔ شیخ فخرالدین خلیفہ شیخ عبدالحق الساوی اور شیخ محمد ساقی وغیرہم سے کی۔

اپنے والد سے طریقہ قادریہ میں اجازت حاصل کی۔ نیز شیخ فخرالدین سے بھی اجازت ملی۔ پھر شیخ عبدالحق الساوی کی صحبت میں رہ کر منازل سلوک طے کیں اور موصوف نے آپ کو تمام سلسلوں میں اجازت عطا فرمائی۔ آپ شاعر تھے اور آپ کا تخلص قربیؔ تھا

آپ سے آپ کے فرزند شیخ عبداللطیف قادری اور علامہ محمد باقر آگاہ مدراسی کے علاوہ دیگر حضرات نے بھی علم حاصل کیا۔

فقہ، عقائد اور تصوف میں آپ نے کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ۱۹ رمضان ۱۱۸۲ھ بمطابق ۲۶ جنوری ۱۷۶۹ء کو آپ نے وفات پائی۔ نوراللہ مرقدہٗ۔ [1]

شیخ رکن الدّین

م ۲۵ شعبان ۱۱۹۸ھ بمطابق ۱۳ جولائی ۱۷۸۴ء

شیخ رکن الدّین بن حسام الدین بن رکن الدین بن یحییٰ عمری چشتی۔ یکے از مشائخ کبار۔ احمدآباد میں ولادت ہوئی۔ اپنے والد اور دیگر علماء گجرات سے تعلیم حاصل کی پھر والد ہی سے سلوک و تصوف کی منازل طے کیں اور والد کے جانشین بنے سات سال کی عمر میں حفظ قرآن کیا۔ ۲۵ شعبان ۱۱۹۸ھ بمطابق ۱۳ جولائی ۱۷۸۴ء کو وفات ہوئی۔ احمدآباد میں مدفون ہیں [2]

---

[1] نزہۃ الخواطر عربی ص ۶ ج ۱ [2] تذکرہ قاریان ہند، نزہۃ الخواطر ۱۷۳ ص ۱۹۱

شیخ سراج الدین

م ۱۲۱۳ھ بمطابق ۱۷۹۸ء

شیخ سراج الدین بن صادق بن عطاء اللہ بن عبداللطیف ابن پیر محمد چاپانیری فقہ واصول کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ ولادت وپرورش گجرات میں ہوئی۔ زمانہ کے اساتذہ سے علم دین حاصل کیا پھر درس وتدریس میں زندگی بسر کی اور بہت سے علماء نے آپ سے استفادہ کیا۔ ۱۲۱۳ھ ۱۷۹۸ء میں وفات پائی۔ احمدآباد میں مدفون ہیں۔ [1] نوراللہ مرقدہٗ۔

محمد امین گجراتی

تقریباً بارھویں صدی ہجری

محمد امین کے حالاتِ زندگی ہم صرف اس قدر جانتے ہیں کہ وہ "یوسف زلیخا" مثنوی کے مصنف ہیں۔ یہ مثنوی دوشنبہ کے دن جمادی الاولیٰ کی دوسری تاریخ کو ۱۱۰۹ھ میں بہ عہد اورنگ زیب عالمگیر ختم ہوتی ہے۔ چنانچہ

زمانہ شاہ اورنگ زیب کے میں — لکھی یوسف زلیخا کو امین میں
الٰہی تو ایسا عادل شہنشاہ — رکھیں قائم رہے جب لگ مہر ماہ

---

[1] الحدیقہ، نزہۃ الخواطر ۲۵۱ ص ۱۹۵۔

اگیارہ سو اوپر جب نو سو گزرے | برس ہجرت محمد مصطفےٰ کے!
اتھی تاریخ دو جی وے دل افروز | جمادی الاولیٰ اتوار کے روز
ضحیٰ کے وقت لکھ رہیا ایں رے | الہٰی توں محبت سب کتیں وے

(از خاتمہ یوسف و زلیخا)

یہ مثنوی ایک بڑی کتاب ہے۔ جس میں چار ہزار ایک سو چودہ ابیات ہیں۔

بتیاں ہیں چار ہزاراں اوپر ایک سو
دے کر چار دہ بیت گجری سنو

(کذا)

شاعر نے دیباچے میں حمد و نعت، خلفائے اربعہ، حسنین و بانیانِ مذاہبِ اربعہ اور شیخ عبدالقادر جیلانی کے ذکر کے بعد ایک علیحدہ عنوان کے نیچے معراج کا بیان دیا ہے۔ اس کے بعد عشقِ حقیقی پر رائے زنی کی ہے۔ زاں بعد تعریف سخن پر ایک فصل ہے۔ اس کے پیچھے اصل قصہ شروع ہوتا ہے۔ جس کی تمہید میں شاعر کہتا ہے کہ یوسف و زلیخا کا قصہ فارسی زبان میں بہت عام ہے لیکن میں اسے گوجری زبان میں منتقل کرتا ہوں تاکہ عوام الناس اس قصے سے واقف ہو جائیں۔ شاعر نے مثنوی کے خاتمے پر بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے۔

الہٰی توں مجھے توفیق جو دی! | تو میں نے فارسی کی گوجری کی
مرا مطلب ہے یوں سب کوئی جانے | حقیقت اس کی سب کوئی پچھانے
پڑا ہووے جو کوئی فارسی کوں | وہی جانے حقیقت ای سو دلیوں
انے جو نا پڑا ہووے بچارا | سو کیا بوجھے انوں کا عشق سارا
ایں اس واسطے کیتی سو گجری | حقیقت سب عیاں ہووے انوں کی
کہ عشق اول انوں نے کیوں نپایا | انے آخر اسے کیوں کر نبھایا

فارسی زبان میں یوسف زلیخا کے قصے کو مختلف شعرا رنے نظم کیا ہے۔ ان میں زیادہ مشہور تین مثنویاں ہیں۔ پہلی وہ جو فردوسی کی طرف منسوب ہے۔ دوسری کے مالک مولانا عبدالرحمٰن جامی ہیں۔ اور تیسری ناظم ہروی کے قلم سے نکلی ہے۔ امین کی مثنوی بلحاظ روایت و ترتیب مولانا جامی کی مثنوی پر مبنی ہے۔

قصے کے اہم خط و خال وہی ہیں جو جامی کے ہاں مروی ہیں۔ سرخیاں قریب وہی ہیں۔ لیکن جزویات وحشویات میں مختلف ہیں۔ اس مثنوی میں جامی کی رنگینیٔ ادا اور مکلف طرز بیان کو سلاست اور سادگی میں بدل دیا گیا ہے۔ اور ایسی خصوصیات کو بروئے کار لایا گیا ہے۔ جو ہندوستانی زندگی اور اس عہد کے مسلمانی رسم ورواج پر روشنی ڈالتی ہیں۔ مثلاً امین نے زلیخا کے لباس اور زیور کے ذکر میں جو بالتفصیل دیا گیا ہے۔ اس زمانے کے اعلیٰ خاندانوں کی خواتین کی پوشاک اور زیور و دیگر اسباب آرائش کی ایک صحیح تصویر کھینچ دی ہے۔ اشعار ذیل ملاحظہ ہوں۔

زلیخا کا سنو تم اب سو سنگار | کہتا ہیگا امین اب ہو کر ہشیار
زلیخا کے تھے ایسے بال سر میں | نہ آوے مشک ان آگل نظر میں
انوں کے رنگ آگل مشک ہے کم | نہ عنبر ان آگے مارے کچھو دم [1]

امین گجراتی کی کتاب ؛ ولادت نامہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ؛ کا مخطوطہ سندھ یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے۔

یہ مخطوطہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک سے متعلق ہے۔ اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ شروع کا ایک صفحہ دریدہ ہے کیونکہ حمد کا یہ شعر پہلے نظر آتا ہے۔

ہے جیونا دائم خدا نہیں موت کا اس پر گزر
بن نین سب ہے دیکھتا بن کان سنتا ہے خبر [2]

[1] مقالات شیرانی ص ۲۶ ج ۲ ۔ [2] سندھ میں اردو مخطوطات ص ۱۵۵ ۔

تاریخ ادب اُردو کے مصنف لکھتے ہیں کہ ؛ احمد آباد کے کچھ فاصلے پر گودھر کے رہنے والے امین نے اورنگ زیب کے آخری دور میں ۳۴ رعنوانات کے تحت اپنی ۱۱۴۴ اشعار پر مشتمل مثنوی ؛ یوسف زلیخا ، ۱۱۰۹ھ بمطابق ۱۶۹۷ء میں مکمل کی اور اپنی زبان کو گوجری کے لفظ سے موسوم کیا۔

زمانے شاہ اورنگ زیب کے بیں
لکھی ؛ یوسف زلیخا ، کوں اسیں بیں
الہٰی توں ایسا عادل شہنشاہ !
رکھیں جب لگ رہے قائم مہر ماہ
امین نے گوجری کیتی سو بول کر
کہ آپے تئیں رہے دنیا کے بھیتر
وجود اسے نہ ہے سو ہو جائیگا سب خاک
نہیں پاوے سو دھونڈ اجیو اے پاک
نشانی تب رہے گی اسے سخن رے
جو کچھ بولا امین میٹھے بچن رے

امین گجراتی نے ؛ یوسف زلیخا ، کو فارسی سے ؛ گوجری ، میں لکھا ہے ۔

الہٰی تیں مجھے توفیق جو دی ؛ تو میں بھی فارسی سیں گوجری کی

امین کیفیتِ عشق کو اثر آفرینی کے ساتھ اس طرح بیان کرتے ہیں ۔

زمانے کا ستم بسیار ہے رے ؛ زمانا ں توں بڑا خونخوار ہے رے
کسی کو عشق بھیتر ہے جلاتا ؛ کسی کو ہجر بھیتر ہے رُلاتا !
محبت کی کسی کے سر میں تروار ؛ لگاتا ہے اپنے ہے ڈالتا مار
نہیں اسے دیکھ سکتا جگ میں شادی ؛ اسے گمتی ہے سب کی نامرادی

زلیخا عشق بھیتر شاد رہتی ! ـــ زدردوغم ہمیش آزاد رہتی
ایکا ایک عشق میں جاکر پڑی او ـــ امین بولے بیاں دہر کا ن سن لیو
رمن کوں غم کی او مسند بچھا کر ـــ بیٹھی بادرد وزاری اوسکے اوپر
اکیلی سب سوں چھپ بیٹھی زلیخا ـــ کیا تب یاد ان قصارین کا
نین سوں پور آنجھو کے بہائی ـــ زباں سوں ان سخن یونکر چلائی
کہ اے موتی توں کہہ کس کان کا ہے ـــ کہ توں بے مثل اور بے شان کا ہے
اگر توشاہ ہے تو مقام بتلا ـــ وگر معشوق ہے تو نام بتلا!
اگر سورج ہے توکس گگن کا ـــ وگر چندرا ہے توکس انگن کا!
مرے دل کو چھپا کر لے گیا تیں ـــ اپس کا نام مجھ کوں ناں کیا تیں
ہمیں میں نام تیرا کس کوں پوچھوں ـــ مقام اور ٹھکام تیرا کس کوں پوچھوں
ہمیں تن جلایا ہے تیں میرا ـــ ہمیں تو ڈال پانی وصل کیرا
مثال پھول کھلا تھا میرا مکھ ـــ ہمیں کملا گیا اب تیرے دکھ
ترے اس عشق کیرے تیر کاری ـــ لگے میرے کلیجے بیچ کاری !
ترے اس عشق کا خنجر جو ہے تیز ـــ ہوا ہے میرے کارن وہلے خونریز
ترے اس عشق کا ڈسیا مجھے ناگ ـــ اٹھی سگلے بدن بیچ زہر کی آگ

ان اشعار سے شعر گوئی کی فنی سنجیدگی کا احساس ہوتا ہے۔ مثنوی میں موضوع کی ترتیب، قصے کا تسلسل اور شاعر کی پُرگوئی قابل توجہ ہے۔ اس مثنوی کو جب ہم بحیثیت مجموعی گجری ادب میں رکھ کر دیکھتے ہیں تو اس دور کا ایک ادبی کارنامہ معلوم ہوتی ہے۔ امین میں طویل نظم لکھنے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔

امین کی دوسری مثنوی ہے "تولدنامہ"۔ تولدنامہ تقریباً ڈھائی ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ جس کے تین حصے ہیں ایک تولدنامہ، دوسرا معراج نامہ، اور

تیسرا وفات نامہ۔ گجری ادب کی روایت موضوع کے اعتبار سے مذہبی ہے۔ یہی رنگ ہمیں یوسف زلیخا میں بھی نظر آتا ہے۔ اور تولد نامہ میں بھی ''تولد نامہ'' میں امین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا بیان کیا ہے۔ معراج نامہ میں واقعہ معراج کی تفصیل بیان کی ہے۔ اور وفات نامہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ وفات بیان کئے ہیں۔

محمد امین گجراتی کے ایک ہمعصر ''محمد فتح بلخی'' نے جو گودھرا ہی کے رہنے والے ہیں۔ امین کی فرمائش پر ایک مثنوی ''یوسف ثانی'' کے نام سے تصنیف کی۔ جس میں اسلام کے بنیادی قوانین کے علاوہ تجربہ و حکمت، علم و دانش ہر ئکہ مسائل و پند و نصائح کو مسلمانوں کے فائدے کے لئے چین کے بادشاہ اور بادشاہ زادی کی داستان کے ذریعے بیان کیا ہے۔ اس مثنوی کی زبان اور بیان کا وہی رنگ روپ ہے جو اس دور میں ہمیں عام طور پر ملتا ہے۔

بحر چھوٹی اور رواں ہے۔[1]

چار امین جنوبی ہند میں امین تخلص کے تین چار شاعر گزرے ہیں۔ ایک امین سلطان ابوالحسن تانا شاہ ''قصہ ابوشحمہ'' کے نام سے ایک مثنوی ۱۶۶۹ء بمطابق ۱۰۸۰ھ میں تصنیف کی تھی۔ اس کا ترجمہ ایک دوسرے امین نے سلطان ابوالحسن تانا شاہ کے زمانے میں کیا ہے۔ ایک اور امین بیجاپور یا گجرات کے تھے جنہوں نے ایک مثنوی بہرام وحسن بانو کے نام سے لکھی ہے۔ بلوم ہارٹ نے اسے دولت کی تصنیف کہا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اصل مصنف امین ہی ہیں۔ دولت نے اسے مکمل کیا ہے۔ ان کے علاوہ ایک امین ''ایاغی'' تخلص کرتے تھے۔ ان کی مثنوی کا نام نجات نامہ ہے۔

---

[1] تاریخ ادب اردو ص۱۴۳ تا ۱۴۴۔

جس کا موضوع مذہبی ہے۔ دکن کے مشہور بزرگ حضرت امین الدین اعلیٰ بھی امین تخلص کرتے تھے۔ قدیم اردو یا دکنی میں ان کے اشعار بھی ملتے ہیں۔

جن میر محمد امین کا ذکر ہمیں مطلوب ہے وہ مثنوی "یوسف زلیخا" کے مصنف تھے اور مغلیہ دور سے تعلق رکھتے تھے۔ نصیر الدین ہاشمی نے انہیں میر کی بجائے شیخ لکھا ہے۔ اصل گجرات کے تھے۔ لیکن اورنگ آباد میں بھی رہے ہیں۔

ملک محمد امین کمال کے الگ حالات ملاحظہ فرمائیں۔ عنایت اللہ فتوت نے "تذکرۂ ریاض حسینی" میں جن محمد امین، امین اورنگ آبادی کا ذکر کیا ہے غالباً وہ یہی امین ہوں گے۔ حافظ محمود شیرانی نے اپنے مضمون "مثنوی یوسف زلیخا از شیخ محمد امین" میں انہیں گجراتی کہا ہے۔ ڈاکٹر عبدالحمید فاروقی نے بھی گجراتی تسلیم کیا ہے اور ایک مضمون بھی "امین گجراتی یوسف زلیخا" کے عنوان سے لکھا ہے شمس اللہ قادری نے اپنی تصنیف "اردوئے قدیم" میں لکھا ہے کہ میر محمد امین شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے کے شاعر تھے اور انہوں نے قصہ "یوسف زلیخا" کو دکنی میں نظم کیا ہے۔ لیکن میر محمد امین خود اپنی زبان کو گوجری کہتے ہیں۔ حافظ محمود شیرانی نے اپنے مضمون گوجری یا گجراتی اردو سولہویں صدی میں "میں بھی یہی رائے قائم کی ہے۔

شمس ولی اللہ قادری نے اردوئے قدیم میں اگرچہ میر محمد امین کے ایک نعتیہ قصیدے کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو ۱۶۸۸ء بمطابق ۱۰۹۹ھ کا تصنیف شدہ ہے لیکن ان کا اصل کارنامہ مثنوی یوسف زلیخا ہے۔ رام بابو سکسینہ نے "تاریخ ادب اردو" میں اس کا سنہ تالیف ۱۶۹۷ء بمطابق ۱۱۰۹ھ دیا ہے۔

یوسف زلیخا کے قصے کا بنیادی موضوع تو قرآن اور کتب روایات و احادیث سے لیا گیا ہے لیکن شاعروں نے مختلف زبانوں اور زمانوں میں

اس قصے پر طبع آزمائی کرتے وقت جذباتی حاشیے بھی چڑھائے ہیں۔ اور شاعرانہ مینا کاری بھی کی ہے۔ میر محمد امین نے بھی اس قصہ کو غالباً اس کی شہرت اور سبب شہرت کی بنا پر دکنی یا گوجری میں منتقل کیا ہے اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ "قصہ" اور "کردار قصہ" کے زمانۂ قدیم اور ملکِ مصر وکنعان سے تعلق رکھنے کے باوجود اس میں معاشرت کی جھلک مقامی ہے۔ ؎۱

شیخ اکرم الدین

قاضی عبد الوہاب کے پوتے

شیخ فاضل اکرم الدین بن محی الدین بن قاضی عبدالوہاب حنفی۔ مولد و منشا احمد آباد ہے۔ آپ نے شیخ نورالدین بن محمد صالح سے علوم عقلیہ ونقلیہ میں کمال حاصل کیا۔

آپ اپنے والد محترم کی رحلت کے بعد ۱۱۱۱ھ میں گجرات کی حکومت میں آئے شاہ عالم بن عالمگیر نے آپ کو شیخ الاسلام خاں کا لقب دیا۔

آپ کی خوبصورت نشانیوں میں سے احمد آباد کا مدرسہ "مدرسہ ھدایت بخش" ہے آپ نے اس کی عمارت پر ایک لاکھ چوبیس ہزار درہم خرچ کئے۔ اس مدرسہ کی تعمیر ۱۱۰۲ھ میں شروع ہوئی اور ۱۱۰۹ھ میں مکمل ہوئی۔

پھر جب طلبہ محتاج ہو گئے تو صوبہ پٹن کے دو گاؤں اور صوبہ چاپانیر کے ایک گاؤں کی آمدنی کو مدرسہ کے لئے وقف کر دیا۔ ؎۲

مدرسہ شیخ الاسلام: یہ مدرسہ قاضی اکرم الدین خاں المعروف بہ شیخ الاسلام نے احمد آباد میں ایک لاکھ چوبیس ہزار روپے میں تعمیر کرایا تھا۔

؎۱ تاریخ ادبیات ص ۲۳۶ ؎۲ مرآۃ احمدی، نزھۃ الخواطر عربی ج ۶ ص ۳۸۔

اوراس کی عمارت نو سال (۱۱۰۲ھ - ۱۱۱۱ھ) میں مکمل ہوئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مدرسہ مولانا نورالدین کے لئے تعمیر ہوا تھا۔ جنہوں نے اپنی زندگی علم کی خدمت میں صرف کردی تھی۔ اور علامہ وجیہ الدین کے بعد گجرات میں باعتبار درس و تدریس وکثرتِ تصانیف کے ان سے بڑھ کوئی اور عالم نہیں ہوا۔ انہوں نے ۱۱۵۵ھ بمطابق ۱۷۴۲ء میں وفات پائی اوراسی مدرسہ میں دفن ہوئے۔ [۱]

قاضی عبدالحمید

ابن قاضی عبداللہ

قاضی عبدالحمید بن قاضی عبداللہ بن محمد شریف حنفی۔ فضل و صلاح میں مشہور تھے۔ ولادت اور نشو و نما احمدآباد میں ہوئی۔ شاہزادہ محمد اعظم ابن عالمگیر نے آپ کے والد قاضی عبداللہ کی جگہ ۱۰۹۵ھ میں اردوئے معلی میں آپ کو عہدۂ قضا پر مقرر کیا۔ ایک مدت تک اس خدمت کو انجام دے کر حج و زیارت کے لئے چلے گئے تقریباً ۱۱۰۸ھ میں واپس آکر صوبہ گجرات کے دیوان مقرر ہوئے ۱۱۲۱ھ میں شاہ عالم ابن عالمگیر نے ہند کے قاضی القضاۃ کا عہدہ آپ کے حوالہ کیا۔ تین سال اس عہدے کی خدمات انجام دیتے رہے پھر آپ نے استعفا پیش کرنا چاہا لیکن شاہ عالم نے اس کو منظور نہ کیا چنانچہ آپ نے اپنے خیمہ میں آگ لگادی اور فقیرانہ لباس پہن لیا اور مسجد میں گوشہ نشین ہوگئے۔ شاہ عالم کو مجبوراً آپ کا استعفا منظور کرنا پڑا اور شریعت خاں کو آپ کی جگہ مقرر کیا۔

اس کے بعد آپ گجرات میں خلوت گزیں ہو گئے۔ پھر آپ سورت کے منصدی مقرر

---

[۱] اسلامی کتب خانے صفحہ ۲۸۳۔

ہوئے ۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر مستعفی ہوگئے ۔ اور شیخ احمد مغربی المعروف شیخ کھٹو کے مزار پر احمد آباد میں تولیت حاصل کی انکی تاریخ وفات کا علم نہ ہو سکا ۔ [1]

قاضی ابوالفرج

قاضی عبداللہ کے بعد انکی جگہ قاضی احمد آباد

شیخ عالم فقیہ ابوالفرج آپ اہل علم میں سے تھے ۔ قاضی عبداللہ بن محمد شریف کی جگہ آپ عالمگیر بن شاہ جہاں کے دور میں احمد آباد کے قاضی مقرر ہوئے اور ایک طویل عرصہ تک مسند افتار پر فائز رہے ۔ ۱۱۲۱ھ میں آپ کی جگہ قاضی ابوالخیر کو احمد آباد کے مسند افتاء پر فائز کیا گیا ۔ [2]

شیخ محمد علی گجراتی

شیخ محمد علی واعظ جو اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندوں میں سے تھے ۔ آپ کے وعظ میں بڑی مخلوق اکٹھی ہوتی ۔ آپ کے دور میں ہندؤوں کے ساتھ ۱۱۲۵ھ میں بڑے فسادات ہوئے جس کی وجہ سے آپ نے دہلی کا سفر کیا تاکہ وہاں جاکر بادشاہ سے فریاد کریں ۔ اور وہاں دہلی کی جامع مسجد کی محراب میں آپ تذکیر و وعظ کے لئے کھڑے ہوگئے ۔ لوگ آپ پر فدا ہو گئے ۔ آپ کی خبر فضائل خاں نے فرخ سیر سلطان الہند کو پہنچائی ۔ انہوں نے اپنے سامنے آپ کو بلوایا اور آپ کا وعظ سنا جوان کو بہت اچھا لگا ۔ اپنے پاس قیام کا حکم دیا آپ دہلی میں ایک مدت تک مقیم رہے پھر دہلی ہی میں وفات پائی ۔ [3] (مرآۃ احمدی)

---

[1] نزھۃ الخواطر عربی ۲۵۹ ج ۶ ۱۴۴ الثنایا و ایام [2] مرآۃ احمدی ، نزھۃ الخواطر عربی ج ۶ ۲۹ ص ۱۶ [3] ایضاً ج ۶ ۳۳۱

حضرت شیخ عبدالواحد

مسلک حنفی کے کبار شیوخ میں سے تھے۔ مقبولین بارگاہ الٰہیہ میں ممتاز تھے علم و طریقت کے جامع اور عمل کے میدان کے شہسوار تھے۔ جب فتن و محن کی سختیاں انتہا کو پہونچ گئیں تو ۱۱۲۵ھ میں اپنی فریاد لے کر دہلی کی طرف چل پڑے۔ مگر راہ ہی میں راجہ رتن چند جو قطب الملک کا دیوان تھا۔ اس نے آپ کو قید کر دیا۔ طویل عرصہ کے بعد جب رہائی پائی تو واپس احمد آباد لوٹ آئے۔[1]

مولانا عبدالعزیز

بارہویں صدی ہجری

شیخ عبدالعزیز حنفی احمد آباد کے ان علماء میں سے تھے جو اس وقت کے امام سمجھے جاتے تھے۔ نور معرفت کا ایمان آپ کی جبیں پر روشن تھا۔

حافی خاں "منتخب اللباب" میں لکھتے ہیں کہ جب احمد آباد میں ۱۱۲۵ھ میں ہندو مسلم فساد ہوا اور داؤد خاں شہر کا امیر تھا۔ اس نے مسلمانوں پر ظلم ڈھایا تو مسلمانوں کی فریاد لے کر شیخ عبدالعزیز، شیخ عبدالواحد اور شیخ محمد علی واعظ دہلی روانہ ہوئے تاکہ بادشاہ سے اس کی فریاد کریں۔ مگر راجہ رتن چند جو عبداللہ خاں حسینی کا مدار المہام تھا۔ اس نے ان مشائخ کو جیل میں ڈال دیا اور طرح طرح سے آپ کو ایذائیں دی گئیں بالآخر شیخ جعفر بن قاسم دہلوی کو اس کا علم ہوا تو بمشکل

---

[1] مرآۃ احمدی، نزہۃ الخواطر عربی ص ۳۳۰ ۱۷۵/۶۔

انہوں نے ان کو چھوڑ دیا۔ مگر شیخ محمد علی واعظ دہلی ہی میں فوت ہوئے اور شیخ عبدالعزیز احمدآباد پہنچ کر فوت ہوئے۔ [1]

فن علم حدیث میں آپ کی ایک تصنیف ہے، ذریعۃ القبول الی حضرۃ الرسول۔ آصفیہ، ۴/۲۴۴۲

شیخ محمد بن عبدالرحمٰن

علّامہ محدث ابوبکر محمد بن عبدالرحمن حنفی۔ اپنے زمانے کے علماء عاملین میں سے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ مقبول بندوں میں سے تھے۔ ۱۱۴۲ھ کے حدود میں آپ زندہ تھے۔

صاحب نزھۃ الخواطر حضرت مولانا عبدالحی حسنی فرماتے ہیں کہ: الجمع بین رجال الصحیحین، کتاب پر میں نے آپ کی تحریر دیکھی ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو حدیث اور علم رجال حدیث سے شغف تھا۔ [2]

مولانا محمد حسین شافعی

شیخ محمد حسین بن محمد علی بن ناخدا حمزہ بلّو کان شافعی گجراتی جو فقہ کے ماہر علماء میں سے تھے۔ آپ کی ولادت اور وفات کی تاریخیں نہیں مل سکیں البتہ اتنا پتا چلا کہ نووی کی فقہ میں جو کتاب المنہاج، ہے وہ آپ کے خط سے لکھی ہوئی پائی جاتی ہے جس کی کتابت سے آپ ۱۱۵۰ھ ۲۰ رجمادی الاخریٰ کو فارغ ہوئے۔ نواب محمد غیاث خاں کے مدرسے میں جو خجستہ بنیاد، شہر میں (یعنی احمدآباد) ہے۔ اور یہ محمد شاہ

---

[1] مرآۃ احمدی، نزھۃ الخواطر ص ۱۵۵ ج ۶، ص ۲۸۳ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۸۶ [2] نزھۃ الخواطر ص ۴۸۶ ج ۶، ص ۲۶۲ ج ۶

غازی کے جلوس کا اٹھائیسواں سال تھا۔ [1]

سیّد محمد اشرفؔ، اشرفؔ

آپ کا نام سید محمد اشرف اور تخلص اشرفؔ ہے آپ کا ذکر متعدد تذکروں "نکات الشعرا" (میر) "گلشنِ گفتار" (خواجہ خان حمید) "عیار الشعرا" (ذکا) "گلزار ابراہیم" (علی ابراہیم خان خلیل) "چمنستان شعرا" (شفیق) میں ملتا ہے۔

میر نے نام کے ساتھ صرف ایک شعر درج کیا ہے۔ ذکا اور علی ابراہیم نے بالترتیب آپ کو ولی اور آبرو کا ہمعصر بتایا ہے۔ شفیق نے آپ کو معاصر ولی بتا کر ولی کا یہ شعر لکھا ہے جس میں مصرع ثانی اشرفؔ کا ہے۔

الفت ہے دل و جان کو مرے ہیم نگر سوں اشرف کا یو مصراع ولی مجھ کوں ہے دلچسپ

گلشن گفتار میں قدرے تفصیل سے آپکا ذکر ملتا ہے۔

شعرش در نواحِ گجرات شہرت دارد دیوان لطیف تصنیف نمودہ

دیوان اشرف کے انتخاب کا ایک مخطوطہ انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) کے کتب خانہ میں ہے۔ اس دیوان سے آپ کے حالات پر بھی کچھ روشنی پڑتی ہے اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت موسیٰ رح کی اولاد میں سے تھے اور آپ کے آباء و اجداد کا وطن مدینہ منورہ تھا۔ یہ خاندان کب اور کن حالات میں ہندوستان آیا اور پہلے پہل اس خاندان کے کن افراد نے گجرات میں بود و باش اختیار کی اس بارے میں کچھ نہیں کہا سکتا۔ "صاحب گلشن گفتار" کے بیان اور خود آپ کے متعدد اشعار سے آپ کے گجراتی الاصل ہونے کی تائید ہوتی ہے جن میں سے ایک یہ ہے۔

---

[1] نزہۃ الخواطر ص ۵۶۲/۶

ملک گجرات میں حبیب اللہ   تیری فرقت میں ہم کو مارے ہیں

حبیب اللہ سے مراد مشہور شاعر اور صوفی شاہ حبیب اللہ خروشی ہیں جن سے آپ کے خصوصی تعلقات تھے آپ نے خروشی کی زمینوں میں متعدد غزلیں بھی کہی ہیں۔

"بیاض ایڈنبرا" میں آپ کے جو مراثی ہیں، ان سے ڈاکٹر زور کے بیان کے مطابق پتا چلتا ہے کہ آپ اپنے زمانہ کے بہت ہی مقبول شاعر تھے۔ اور آپ کو استادِ فن تسلیم کیا جاتا تھا۔

آپ کی مثنوی "جنگ نامہ حیدر" ۱۷۱۲ء/۱۱۲۵ھ کی تصنیف ہے۔ اس میں بعض ایسے اشارے پائے جاتے ہیں جن سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آپ نے بہادر شاہ (۱۷۰۷ء - ۱۷۱۲ء/۱۱۱۹ھ تا ۱۱۲۴ھ)، فرخ سیر (۱۷۱۲ء تا ۱۷۱۹ء/۱۱۲۴ھ - ۱۱۳۲ھ) اور محمد شاہ (۱۷۱۹ء - ۱۷۴۸ء/۱۱۳۲ھ - ۱۱۶۲ھ) کا زمانہ دیکھا تھا۔ آپ کے انتخاب کلام کے مذکورہ ترقیمے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس کی تحریر کے وقت یعنی ۱۷۴۶ء/۱۱۵۹ھ میں بقیدِ حیات تھے ان تمام شواہد کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے طویل زندگی پائی۔

آپ ایک پرگو شاعر تھے۔ آپ کا جو کلام محفوظ ہے اس میں مراثی، مثنوی اور غزل کے نمونے ملتے ہیں۔ اگرچہ آپ بنیادی طور پر غزل کے شاعر تھے لیکن دوسری اصنافِ سخن میں بھی آپ کی انفرادیت پوری طرح اُجاگر ہوتی ہے۔ ڈاکٹر زور کا بیان ہے کہ آپ کے تیرہ مراثی اڈنبرا یونیورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ ہیں جو ایک سو چالیس اشعار پر مشتمل ہیں۔

آتشِ غم میں نت رقیباں کو   تیرے ملنے سنگی جلاؤں گی
روٹھ مت گر ہوا ہے مجھ سوں خطا   پاؤں پڑ پڑ تجھے مناؤں گی
تیرے آنے کی باٹ میں اے سجن   فرش انکھاں کا میں بچھاؤں گی

آپ کی چند غزلیں کتب خانۂ خاص انجمن ترقی اردو کی بعض بیاضوں میں بھی ہیں
ایک مخمس بھی ملتا ہے جو حسن شوقی کی غزل پر لکھا گیا ہے ۔ اس کا آخری بند یہ ہے

عجب رسنے ہیں یوں شاعر تخلف پر تکلف ہے ہوئے دو ہوش حیرت سوں مگر وحشیاں کی یو صفت ہے
سمجھنا غور سوں شوقی کی یہ تفسیر مصحف ہے جہاں کے شاعراں بہتر عجب عاجز ہوا شرف ہے
اسی ملکِ دکن میانے مگر شوقی حسن نکلے [1]

غلامی

آپ کا نام غلام حیدر یا غلام مرتضیٰ تھا ۔ آپ کا وطن گجرات تھا ۔ آپ چونکہ ہاشم علی کے ہمعصر تھے اس لئے آپ کا زمانہ ۱۷۱۳ع/۱۱۲۵ھ اور ۱۷۵۶ع/ ۱۱۷۰ھ کا درمیانی زمانہ قرار دیا جاسکتا ہے یہ زمانہ فرخ سیر اور محمد شاہ کا تھا اور مغلیہ سلطنت کی طرف سے گجرات پر ان کا نامزد گورنر حکمراں تھا ۔ [2]

رحلت کے دن پدر یو وصیت کیا مجھے
تجھ پر نثار ہونے نصیحت کیا مجھے
تاکید کر کے کام کی رخصت کیا مجھے
یہ سن انجھو سیں شد نے کیا پر نین مجھے

(اردو شہ پارے ۔ ج ا صفحہ ۲۹۶ تا صفحہ ۳۰۰)

---

[1] ادبیات ج ۲ صفحہ ۵ تا صفحہ ۱۱۵ ۔ [2] تاریخ ادبیات ج ۲ صفحہ ۵۱۹ تا صفحہ ۵۲ ۔

رضاؔ

آپ کے بارے میں بھی واحد ذریعہ معلومات وہ بیاض مراثی ہے جو اڈنبرا یونیورسٹی کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ اور جس کا تفصیلی تعارف ڈاکٹر زور نے "اردو شہ پارے، جلد اوّل) میں کرایا ہے۔ اس بیاض میں آپ کے پندرہ مرثیے ہیں جن کے ابیات کی مجموعی تعداد تین سو ساٹھ ہے۔ ڈاکٹر زور کی تحقیق کے مطابق "آپ گجرات کے ایسے مرثیہ نویسوں میں سے ہیں، آپ کا نام اور حالاتِ زندگی پردۂ خفا رہیں ہیں لبتہ آپ کے زمانے کا تعین اس واقعے سے ہوتا ہے کہ سورت کے مشہور شاعر بدالولی عزلت (پیدائش ۱۶۹۲ء/ ۱۱۰۴ھ وفات ۱۷۷۵ء/ ۱۱۸۹ھ) نے اپنے ایک مرثیے کے آخر میں گجرات کے مرثیہ گو شعراء پر یہ اعتراض کیا تھا۔

خام مضمون مرثیہ کہنے سوں چپ رہنا بھلا!!
پختہ دردآمیز عزلت نت توان حالات بول

رضا نے اس کا جواب یہ دیا۔

اے عزیزاں گرچہ عزلت مرثیہ میں یوں کہیا
خام مضمون مرثیے کہنے سوں چپ رہنا بھلا

لیکن اس مظلوم بے سر کا بیاں کرنا روا
تاکہ سن کر یو بیان ہو ویں محبان اشکبار [1]

---

[1] تاریخ ادبیات ج ۲ ص ۵۲۰۔

احمد

بارہویں صدی ہجری

آپ کے گجراتی الاصل ہونے کے بارے میں تقریباً تمام تذکرے متفق ہیں۔ لیکن اصل نام کسی نے نہیں لکھا۔ ڈاکٹر زور نے "احمد" تخلص کے ایک شاعر جس کا نام یتیم احمد تھا اور (وطن برہانپور) اور احمد گجراتی کو ایک ہی شاعر سمجھا ہے۔ لیکن یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔

آپ کا دیوان دستیاب نہیں ہوا، لیکن مختلف تذکروں اور بیاضوں کے ذریعے آپ کا جو کلام ہم تک پہنچا ہے اس سے آپ کی قادرالکلامی کا اندازہ ہوتا ہے۔ نیز یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ عربی، فارسی اور قرآن و حدیث سے بھی پوری طرح واقف تھے۔ آپ کا جو کلام دستیاب ہوا ہے اس کا بھی بڑا حصہ غیر مطبوعہ ہے صرف وہی چند غزلیں ابھی تک چھپی ہیں جو دو نایاب زمانہ بیاضیں (مرتبہ عبدالباری آسی) ہیں شامل ہیں میر نے آپ کے جو اشعار نقل کئے ہیں وہ زبان و بیان کی صفائی کے اعتبار سے قابلِ توجہ ہیں۔ ؎

ہوئے دیدار کے طالب خودی سے خود گزر نکلے
نہ پائی راہ دانش ہیں خروشاں بے خبر نکلے
نشانِ بے نشان ہم ملک یک رنگی ہیں پاتے ہیں
خبر چھوڑی، درئی کا ہم نے جب سے سٹ نگر نکلے
بھرے دونین کے چھگلاں، صبوری ساتھ لے توشہ
کمر ہمت سے باندھے ہو رپرت کی بات پر نکلے

ذیل میں کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن کی ایک بیاض سے آپ کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔ ؎

تجھ لب شکر کے دہاک تھے ور نبشکر ہنے شکر
تیرے شکر لب دیکھ کر دوکان جا چھپتی شکر

جب تجھ شکر سے ہونٹھ کوں شکر نے دیکھی اک تل
اشکوں سے جیو دینے کے تیئں پانی میں جا ڈبی شکر

چنچل نظر کے لطف کی، احمد خریدی واسطے
اب منکھ طبق میں راکھ کر سوغات میں لائی شکر

آپ کی ایک تصنیف "وفات نامہ حضرت فاطمہ رضؓ" بھی دستیاب ہوئی ہے اس کا ایک نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان کے کتبخانۂ خاص میں ہے۔ آپ نے اس مثنوی کا زمانۂ تصنیف خود بتایا ہے۔ ؎

انخا خوش یہ ماہ محرم تمام مرتب ہوا یو قصے کا نمام
سنہ یک ہزار ایک سو تیس سات کیا ہوں سال میں یو وفات

گویا یہ ۱۷۲۴ء/ ۱۱۳۷ھ کی تصنیف ہے مخطوطے کا سال کتابت ۱۷۶۸ء/ ۱۱۸۲ھ ہے۔

آپ کے ذاتی حالات پر اس مثنوی سے صرف اتنی روشنی پڑتی ہے کہ مثنوی کی تصنیف کے وقت آپ کے والدین اور استاد وفات پا چکے تھے۔ آپ نے ان کیلئے بخشش کی دعا کی ہے۔ اس مثنوی کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے۔ زبان غزلوں کی طرح صاف نہیں ہے۔ واقعات کو منظوم کرنے کی کوشش میں سادگی کو برقرار نہیں رکھا جا سکا۔ یہ مثنوی کسی ادبی اہمیت کی حامل نہیں ہے۔ [1]

---

[1] تاریخ ادبیات ج ۶ ص ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳

حضرت حبیب اللہ شاہ

شیخ حبیب اللہ بن سعد اللہ خاں بن فیض اللہ خاں ۔ آپ جہانگیر شاہ کے بھتیجے، داماد اور خلیفہ تھے ۔ دس سال کی عمر میں اپنے والد والدہ اور پھوپھی کی شفقتوں سے محروم ہوگئے تو شفیق چچا نے آپ کی سرپرستی فرمائی اور آپ کو احمدآباد سے لے آئے ۔ پندرہ سال کی عمر میں آپ کو شرف بیعت حاصل ہوا ۔ ۲۱ رسال کی عمر سے ۴۳ رسال کی عمر تک شاہجہاں پور رہی میں دریا کے کنارے ایک مسجد میں قیام فرمایا مرشد حضرت شیخ جہانگیر کی رحلت کے بعد اجمیر شریف میں رہائش اختیار فرمالی ۔ آپ کے مریدین کی ایک خاصی تعداد حیدرآباد، دکن شاہجہاں پور میں تھی ۔

خواجہ کمال الدین والد شیخ سراج

خلیفہ حضرت چراغ دھلوی احمدآباد

حضرت محبوب الٰہی کے خلفاء میں سے حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی ہیں ۔ آپ نے دہلی، اَدودھ، پنجاب اور گجرات میں مذہبی روحانی اثرات پیدا کئے ۔ آپ کے خلفاء میں سے خواجہ کمال الدین ہیں ۔

آپ کو حضرت چراغ دہلی نے گجرات (احمدآباد) بھیجا ۔ یہاں آپ نے اطراف وجوانب کے لوگوں کو اسلامی تعلیمات کے ذریعہ اپنا معتقد بنایا ۔ [1]

حضرت سید نصیر الدین چراغ دھلی

خواجہ کمال الدین، دختر زادہ حضرت سید نصیر الدین چراغ دھلی

حضرت نصیر الدین چراغ دہلی، حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ کے

[1] بزم صوفیہ ص ۲۲۷ ص ۳۹ ۔

خلیفہ اور جانشین ہوئے ہیں۔ نصیر الدین محمود نام اور چراغ دہلی لقب ہے سنت کے بڑے متبع، پرہیز گار اور صاحب اثر ولی تھے۔ اپنے پیر کے مسلک کے خلاف سماع کو ناجائز اور خلاف سنت سمجھتے تھے۔ اپنے خلفاء کو بھی یہی تلقین کرتے تھے کہ علوم دین کی اشاعت اور شریعت اسلامی کی ترویج میں مصروف رہو۔ اپنے بھانجے اور خلیفۂ اعظم خواجہ کمال الدین رح کو احمد آباد میں ہدایت کے لئے بھیجا۔ جہاں ان کی اولاد و احفاد نے سلسلۂ تبلیغ جاری رکھا۔ چنانچہ خواجہ کمال الدین کے صاحبزادے شیخ سراج الدین کا مزار گجرات کے پرانے پایہ تخت پٹن میں موجود ہے۔ [1]

شیخ الہداد

آپ کا تعلق سہروردیہ سلسلہ سے ہے۔ اپنے وقت کے پرہیزگار اور خدا پرست، عبادت گذ علماء میں سے تھے۔ علوم نقلیہ وعقلیہ میں کمال حاصل تھا۔ آپ کھانے میں قدر قلیل پر کفایت فرماتے۔ اور صرف ایک پیالہ دودھ آپ کی غذا تھی۔ آپ درس دیتے وقت عمدہ مضامین اور ان کے نئے حل سننے والوں کو بیان فرماتے۔ آپ شریعت کی رعایت کرتے ہوئے سرود وسماع کی مجالس سے پرہیز کرتے تھے۔ [2]

شریف شیخ

آپ کو ذاتی اور اکتسابی دونوں طرح کی شرافت حاصل تھی۔ دسویں صدی کے اختتام تک حیات رہے۔ احمد آباد کے ایک محلہ جوہری واڑہ میں آپ کی آخری آرام گاہ تھی۔ [3]

---

[1] مسلم ثقافت ہندوستان میں صہ ۲۴۵۔ [2] گلزار ابرار صہ ۶۲ [3] ایضاً صہ ۵۰۴۔

شیخ محمد عیسیٰ

آپ کا وطن ہمدان ہے۔ وہاں سے ہرمز ہوتے ہوئے گجرات تشریف لائے۔ اور احمد آباد میں رہائش اختیار فرمائی۔ یہیں آپ کے فرزند متولد ہوئے جو تمام دانشمند اور خداشناس تھے ان میں سے بڑے شیخ شہاب الدین تھے جو دینداری طلب علم اور تعلیم میں پوری دسترس رکھتے تھے۔ بعد میں یہی اپنے والد کے جانشین ہوئے۔ شیخ شہاب الدین کے بھی کئی بیٹے تھے ان میں سے شیخ خان نے خاندان کی رونق بڑھائی اور آپ کے بیٹے شیخ حسن سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کی آخری آرام گاہ احمد آباد میں ہے۔

شیخ کلیم الدین موسیٰ بن ابو موسیٰ

شیخ موسیٰ بن ابو موسیٰ۔ ملقب بہ کلیم الدین۔ اپنے دور کے مشائخ کبار میں سے تھے۔ شیریں سخن، کلام میں فصاحت، عبادت میں انہماک اوقات کے پابند تھے۔ احمد آباد میں رحلت فرمائی۔ [1]

گلزار ابرار میں ہے کہ: آپ اپنے زمانہ کے نامور علماء میں سے تھے۔ تقریر اور تحریر میں نمایاں مقام حاصل تھا۔ شمس عالم اور قمر عالم آپ کے فرزندان رشید تھے۔ آپ کے یہ دونوں صاحبزادے بارگاہِ الٰہی کے مقربین میں سے تھے ان تینوں حضرات کی خوابگاہ احمد آباد ہے۔ [2]

---

[1] گلزار ابرار، نزہۃ الخواطر ج۴ صن۳۹۰ ۴۳۵ [2] گلزار ابرار۔

شیخ حسن خطیب

شیخ حسن خطیب ۔ جو صاحب ولایت کے لقب سے مشہور رہیں ۔ آپ حضرت نظام الدین اولیاء کے خلیفہ ہیں ۔ ان کے ساتھ کچھ بزرگ گجرات کے علاقہ میں تشریف لائے ۔ اور یہاں سے دھولقہ گئے اور وہاں مقیم ہوئے ۔

ایک مرتبہ شیخ محمد عیسیٰ جونپوری سے ملاقات کے لئے دھولقہ سے جونپور تشریف لے گئے ۔ وہاں شیخ بہاؤ الدین کو دیکھا اور ان پر فدا ہو گئے ۔ اس وقت شیخ بہاؤ الدین طالب علم تھے ۔ بڑے قابل آدمی تھے اور شیخ محمد عیسیٰ جونپوری کی خدمت میں آمد و رفت رکھتے تھے اور وہ نوجوان حاجتمند فقیر آدمی تھے ۔ امداد کے مستحق تھے ۔ شیخ کیمیا جانتے تھے ان سے کہنے لگے ہم تمہیں اپنے ساتھ جنگل میں لے جائیں گے اور کیمیا سکھائیں گے ۔ چنانچہ جنگل میں لے گئے کیمیا سکھایا اور فرمایا کہ شیخ بہاؤ الدین اس کو اپنی ضرورت کے موقع پر استعمال میں لاؤ پھر بھی اگر ضرورت ہو تو ہمیں کہنا کہ ہم پھر تمہیں کیمیا بنا دینگے ۔ وہ کہنے لگے کہ مجھے آپ سے دوسرے کیمیا کی ضرورت ہے یہ کیمیا مجھے کام نہیں آئے گا ۔ شیخ ان سے خوش ہو گئے اور انکی باطنی تربیت میں مشغول ہو گئے ۔ اور جب شیخ عیسیٰ جونپوری سے رخصت ہونے لگے (اور شیخ عیسیٰ جونپوری سے واپسی کے وقت شیخ حسن نے خلافت پائی ۔ اور خرقہ تبرک حاصل کیا) دھولقہ کی جانب واپسی کے وقت شیخ عیسیٰ سے اجازت مانگی تو شیخ بہاؤ الدین نے شیخ حسن کا دامن پکڑ لیا اور عرض کیا کہ مجھے اپنی ارادت مندی میں قبول فرمالیجئے ۔ مگر شیخ حسن فرمانے لگے کہ آپ کے پیر (شیخ عیسیٰ) اسی شہر میں ہیں ہماری طرف سے اتنی ہی مقدار

فیض پہنچنا تھا سو وہ پہنچ گیا۔ کچھ مدت کے بعد شیخ بہاؤالدین شیخ محمد عیسیٰ کے مرید ہوئے اور ان سے فیض پایا۔ شیخ حسن کی قبر دھولقہ میں ایک کشادہ میدان میں روح افزا مقام پر واقع ہے۔ [1]

قاضی غضنفر سمرقندی

سید دانشمند اور مختلف فضائل سے آراستہ تھے۔ چند سال تک ولایت گجرات میں قاضی القضاۃ رہے۔ وہاں سے مکہ معظمہ چلے گئے۔ [2]

حکیم حمید

جہانگیر توزک جہانگیری میں لکھتے ہیں کہ۔

انہوں نے حکیم حمید کو جن کی مرتضیٰ خاں نے بہت تعریف کی تھی۔ طلب کیا تھا وہ بھی پہنچ کر حاضر خدمت ہوئے۔ طبیب سے بڑھ کر اسے ایک نیک اور سیدھا سادھا آدمی

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی صفحہ ۲۴ [2] طبقات اکبری صفحہ ۴۹۱/۲ -

پایا۔ کچھ عرصہ خدمت میں رہے لیکن یہ معلوم ہونے پر کہ گجرات میں ان کے سوا کوئی اور حکیم نہیں ہے اور وہ خود بھی رخصت ہونے کے خواہشمند ہیں چند شالیں اور ہزار روپے انہیں اور ان کے بیٹوں کو عنایت کیے اور معاشی مدد کے لیے ایک گاؤں کی آمدنی ان کے لیے مقرر کرکے انہیں خوش کرکے ان کے وطن کی طرف رخصت کیا۔ ؎

شیخ وہبان سندھی

آپ شیخ ابراہیم کلہورا کے مرید ہیں۔ حقیقی وحدت اور ایزدی غیرت کا بہت بڑا جلوہ اور بہت بڑا ظہور آپ کی ذات میں تھا۔ ایک روز چلتے چلتے سر راہ ایک حور سرشت کے چہرہ پر نظر جا پڑی۔ فوراً گوش دل میں ندا آئی۔ ابھی آنکھ غیر کے حسن پر نظر ڈالنے کی طرف مائل ہے۔ اسی دم آنکھوں سے قوت بینائی زائل ہوگئی۔ اس طرح آپ دل کو محنت وسوز سے اور جان کو غیرت وشوق سے مالا مال کیے ہوئے گاتے پھرا کرتے تھے یہ عادت ہے کہ چلنے میں ہاتھوں کو آمد و رفت وحرکت رہتی ہے آپکا ہاتھ زیادہ ہلتا تھا۔ فرمایا "اے ہاتھ! تو ہم سے پیشتر پہنچنے کا خیال بھی نہیں کرسکتا ہے" یہ کہنا تھا کہ اسی وقت ہاتھ خشک ہوگیا اور جنبش بھی جاتی رہی۔ آپ برہان پور میں مدفون ہیں۔

خاں جی بن پیر خاں

خانجی پیر خاں اسماعیلیوں کے مشائخ میں سے ہیں۔ ان کا مولد ومنشا گجرات ہے اپنے بھائی نجم خاں سے علم حاصل کیا۔ اسماعیلیوں کے داعی بدر الدین نے انکو احمد آباد بھیجا۔ وہاں انہوں نے ایک زمانے تک قیام کیا اور کلیم الدین اور

؎ توزک جہانگیری صفحہ ۲۰۹۔

صفی الدین اسماعیلی وغیرہ نے ان سے پڑھا۔ پھر اودھے پور چلے گئے اور وہیں مر گئے۔[1]

شیخ حسین بن باقر اصفہانی

امیر حسین بن باقر بن بو علی اصفہانی۔ عالمگیر کے دور میں ہندوستان پہنچے۔ سلطان نے آپ کو دیوان الخراج کا متولی بنایا۔ اور آپ کو امتیاز خاں کا لقب دیا ایک زمانے تک آپ ہندوستان رہے پھر آپ کو گجرات پر والی مقرر کیا گیا۔ عالم شاہ کے دور میں وہاں سے آپ نے اپنے ملک کی طرف سفر کیا لیکن چونکہ آپ کے ساتھ مال و منال بہت زیادہ تھا۔ اسلئے سندھ پہنچ کر خدا یار خاں نے اس مال کے لالچ کیوجہ سے آپ کو قتل کیا۔

آپ بڑے اونچے شعراء میں سے تھے آپ نے حج و زیارت سے بھی شرف پایا آپ کا فارسی کا دیوان مشہور رہے جس کا ایک مصرعہ بہت مشہور رہے۔ ؎

ع این ہمہ از پی آنست کہ زر می خواہد

پورا شعر یہ ہے۔

شہ کہ این کو کبہ داین کر و فر میخواہد — تاج و تیغ و علم و زین و کمر میخواہد
لشکر و کشور و اقبال و ظفر می خواہد — این ہمہ از پی آنست کہ زر میخواہد[2]

شیخ یحییٰ

شیخ یحییٰ، جو شیخ لطیف (مرید حضرت نظام الدین اولیاء) کے فرزند تھے۔

---

[1] سلک الجواہر، نزہۃ الخواطر ۱۴۹ صفحہ ۶/۶ [2] نزہۃ الخواطر صفحہ ۶/۷۴

گجرات میں بقول شیخ باجن شیخ یحییٰ کی نسبت یہ ضرب المثل مشہور تھی: "وقت شیخ یحییٰ جیسا بڑے نیسا سہے۔ اپنی پیڈن کسے نکہے۔" ؎۱

شیخ شرف الدین مشہور بہ جھجو خان

شیخ شرف الدین اساولی مشہور بہ جھجو خاں سلسلۂ رفاعیہ کے مشائخ کبار سے تھے انہوں نے شیخ نظام الدین عمر بن اکرم رفاعی، انہوں نے شیخ علی سے انہوں نے شیخ رکن الدین سے انہوں نے شیخ شمس الدین سے انہوں نے شیخ قطب الدین ابوالحسن علی بن عبدالرحیم سے انہوں نے برادرِ ممدوح شیخ شمس الدین محمد سے انہوں نے اپنے چچا شیخ محی الدین ابراہیم بن علی اعذب سے انہوں نے اپنے چچا مہذب الدین عبدالرحیم سے انہوں نے اپنے بھائی سیف الدین علی بن عثمان بطائحی سے انہوں نے قطب الکبیر سید احمد رفاعی ذکر ان کے ماموں تھے) سے اکتسابِ فیض کیا۔ اور ان سے شیخ نصیر الدین جمال توساری اور دیگر بے شمار حضرات مستفیض ہوئے۔ ؎۲

رضی

نصیر الدین ہاشمی نے آپ کا نام حافظ رضی الدین لکھا ہے۔ حمید اورنگ آبادی آپکے متعلق لکھتے ہیں "متوطن احمدآباد از شاگردان رشید ولی محمد"۔

آپ کی غزل کا مطلع ملاحظہ فرمایئے۔ ؎

خراب نرگسِ مستانہ ہوں نین کی قسم بزنگ بلبل دیوانہ ہو چمن کی قسم ؎۳

؎۱ مقالات شیرانی صفحہ ۱۵۱۔ تاریخ ادبیات ص ۹۱/ج ۲ ؎۲ نزہۃ الخواطر ص ۱۴/ج ۳۔
؎۳ تاریخ ادبیات ص ۵۶۶/ج ۲۔

حضرت اشرف جہانگیر

آپ زھد، تقویٰ، عبادت اور ریاضت کیوجہ سے اپنے وقت کے جنید و شبلی سمجھے جاتے تھے ۔ آپ معقولات و منقولات کے متبحر عالم تھے آپ کچھوچھ کے قریب ایک گاؤں میں رہائش اختیار کرکے عوام الناس کی دینی اصلاح اور روحانی تربیت کیا کرتے تھے ۔

شیخ الاسلام   کو اپنے علم کیوجہ سے بڑی شہرت تھی شروع میں ان کو ہئیت نجوم، حکمت اور دوسرے فنون پر بڑا عزد رتھا ۔ حضرت اشرف جہانگیر رح کا جب ورود مسعود احمد آباد ہوا تو شیخ الاسلام نے آپ سے بڑی بے باکی سے علمی مباحثے کیئے ۔ اور ادب کا لحاظ نہ رکھا لیکن پھر بڑی ندامت محسوس کی ۔ تائب ہوکر حضرت جہانگیر کے ہاتھ پر بیعت کی اور روحانی مدارج طے کرکے حقائق و معارف کے سرچشمہ بنے ۔ بعد میں آپ کے خلیفہ بنے ۔ گجرات کے مریدوں کی تربیت ان ہی کے ذمہ تھی ۔ انہوں نے ایک رسالہ بھی اشرف الفوائد و فوائد الاشرف کے نام سے لکھا ہے ۔ تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ حضرت اشرف جہانگیر رح نے ایک سو نوّے [۱۹۰] اولیائے کرام سے فیوض حاصل کیئے ۔ بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کے مزارات کی زیارت کی ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مزار مقدس سے خاص فیوض حاصل کیئے ۔ بعد میں حضرت غوث الثقلین شیخ معروف کرخی رح اور دوسرے بزرگوں کے مزارات پر حاضری دی ۔

قونیہ میں مولوی جلال الدین رومی کی خانقاہ میں اقامت کی ۔ اور پھر جہاں پہنچے وہاں کے بزرگوں کے مزاروں پر مراقبہ کیا ۔

آپ کے خلفاء میں شیخ مبارک نام کے ایک ممتاز عالم بھی تھے۔ دوسرے خلفاء میں سے شیخ راجہ کو زہد و تقویٰ اور شریعت کی پابندی میں بڑی شہرت حاصل تھی۔ وہ تارک الصلوٰۃ سے ملنا جلنا، بولنا، چالنا اس کے ساتھ کھانا پینا کسی حالت میں بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

خلفاء میں سے حضرت سید عبدالوہاب کو اپنے مرشد سے بڑا والہانہ لگاؤ تھا۔ ایک بار حضرت اشرف جہانگیرؒ نے ان کو کسی کام سے دہلی بھیجا۔ وہاں سے واپس آئے تو ان کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے۔ حضرت اشرف جہانگیرؒ نے ان کو اپنا جوتا عنایت کیا۔ حضرت سید عبدالوہاب نے غایت احترام میں جوتے کو اپنے سر پر رکھ لیا۔ اور اس کو اپنا تاج بنا کر چالیس روز تک گھومتے رہے۔ [۱]

ابن اخرش

ابن اخرش نے الشفاء (قاضی عیاض دمتوفی ۵۴۴ھ) کی سیرت نبوی علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام) میں مشہور و مستند کتاب کا محمود اعظم کے عہد میں فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ [۲]

مولانا یار محمد المشہور مولانا یاریاری

آپ مولانا ہرات سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نہایت خوش طبع تھے اور بلاغت میں مرتبہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ منجملہ آپ کے اشعار کے یہ بھی ہے۔

---

[۱] بزم صوفیہ ص۵۴ ، ۵۲۴ [۲] گجرات کی تمدنی تاریخ ص ۲۳۳۔

گجرات خوش دیارے اما بشرط یارے
بی یار چوں تواں بود در ایں چنیں دیارے

سلطان محمود خاں نے آپ کو اپنا ایلچی بنا کر درگاہِ معلی میں بھیجا تھا۔ جب کام انجام نہ پاسکا تو وہاں واپس لوٹ کر سیتپور میں مقیم ہو گئے۔ اور وہیں انتقال کیا۔ [1]

قاضی محمد شریف

محمد شریف بن محمد فرید صدیقی، فقہ واصول کے ماہر علماء میں آپ کا شمار تھا۔ گجرات میں ایک عرصہ تک درس وافادہ میں مصروف رہے۔ شیخ احمد بن سلیمان نے آپ سے علم حاصل کیا اور درسی کتب آپ سے پڑھیں۔ [2]

سید امام الدین

آپ کے والد سید کبیر الدین ہیں۔ عراق سے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ صاحبِ کشف وکمالات وکرامات تھے۔ اور ان سے خرق عادات بہت زیادہ ظاہر ہوئے۔ اور بہت سے ہندوؤں کو اور کفار کو آپ نے مشرف باسلام فرمایا۔ سید کبیر الدین لاہور میں آسودۂ لحد ہیں۔ سید امام الدین کی اولاد اپنا نسب سید اسمٰعیل بن حضرت جعفر صادق تک بیان کرتی ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔

سید امام الدین ابن سید کبیر الدین حسن بن سید صدر الدین محمود بن سید

---

[1] تاریخ معصومی ص ۲۳۹، تاریخ سندھ ص ۱۴۲ ج ۲ ص ۲ مرآۃ احمدی۔
[2] نزھۃ الخواطر ص ۲۸۵ ج ۵، ۴۲۵۔

شہاب الدین بن سید نصیر الدین بن سید شمس الدین بن سید صلاح الدین صالح بن سید اسلام الدین بن سید عبدالمؤمن بن سید خالد بن سید محب الدین بن سید محمود بن سید محمد بن سید ہاشم بن سید احمد ہادی بن سید جمال مستنصر باللہ بن سید عبدالمجید بن سید غالب بن سید منصور بن سید اسماعیل ثانی بن سید نورالدین بن سید اسماعیل بن ابی عبداللہ جعفر صادق ۔

کہتے ہیں کہ ایک بڑی جماعت نے سید امام الدین کے ہاتھوں اسلام قبول کیا اور ان کے بعد بھی ان کے اولاد میں یہ صفت رہی کہ غیر مسلم ان کے ہاتھوں بکثرت مسلمان ہوئے اور ان کو جو انکے ہاتھوں پر اسلام قبول کرتے تھے ۔ اس علاقے کی اصطلاح میں مومنہ کہتے تھے ۔ اور ان نومسلموں کو اس خاندان سے بہت والہانہ تعلق تھا کہ انکی ہرطرح سے معیشت کے لحاظ سے خبرگیری کرتے اور اولاد میں سے کسی ایک کو انکی خدمت میں چھوڑ دیتے اور انکے اشاروں پر جان دینے کے لئے تیار ہوتے ۔ آپ کے فرزندان گجرات اور ملک دکن کے اکثر علاقوں میں منتشر ہوئے ۔ چونکہ یہ حضرات برائے تالیفِ قلب بعض رسوماتِ کفریہ کو بھی گوارہ کرلیتے تھے اس لئے اس علاقے کے مشائخ ان کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھتے ۔ سید امام الدین کی قبر کرمتہ نامی ایک گاؤں میں احمد آباد سے پانچ کوس پر واقع ہے ۔[1]

سید قطب الدین علیہ رحمۃ اللہ

سید قطب الدین گجرات میں تشریف لائے تھے اور انکی اولاد میں سید عبدالخالق ہیں جن کا مزار انکی خانقاہ جماپور میں شہر کے اندر واقع ہے ۔ ان کا نسب

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی ص۱۲۳ ۔

بھی پیران پیر سید عبد القادر جیلانی رح کے صاحبزادے سید عبد الوہاب تک پہنچتا ہے۔ [۱]

مولانا شاہ محمد احمد چشتی

علامہ شاہ محمد معروف علماء میں سے ہیں۔ اپنے زمانہ کے علماء عرب اور علماء عجم سے آپ نے تعلیم حاصل کی۔ اور اپنے مشایخ کی زندگی میں آپکا شمار اکابر علماء میں ہونے لگا۔ حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ پھر ہندوستان پہنچے اور گجرات میں طویل زمانے تک درس و افادہ میں مشغول رہے۔ پھر ہندوستان کے مختلف علاقوں کی سیر کی۔ مندو پہنچے اور وہاں قاضی جمال الدین ترکستانی کی صاحبزادی سے نکاح کیا۔ سات سال تک وہاں بھی درس دیا۔

وہاں آپکے تلامذہ میں محمد بن حسن مندوی مشہور ہیں جنہوں نے آپ سے وہاں کشف، منار تلویح، اصول فقہ میں پڑھیں۔ انکے علاوہ علماء کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے علم حاصل کیا۔ [۲]

شجاع الدین نوری

آپ سادات گجرات سے تھے۔ یہ حیدر آباد میں سید مظفر وزیر تاناشاہ کے لڑکے کے اتالیق تھے انکی کوئی نظم تو نہیں ملتی۔ البتہ تذکرہ میر حسن وغیرہ میں ایک آدھ شعر اور بعض بیاضوں میں مرثیے دستیاب ہوئے ہیں۔ اس وقت حیدر آباد میں کئی اور شاعر مثلاً قادر، مرزا، روحی وغیرہ بھی موجود تھے۔ [۳]

عبد اللہ فتحی

آپکی تصنیف "مثنوی قیامت نامہ" کا مخطوطہ جامعہ سندھ پاکستان میں ہے۔ اشعار

ہنسے ایک سر دو جاروی لیبین
ایسا زلزلہ ہوئے گا بالیقین!

---

[۱] خاتمہ مرآۃ احمدی صـ ۶۲ [۲] گلزار ابرار، نزہۃ الخواطر ج۴ ص۲۶ [۳] دکنی ادب کی تاریخ صـ ۹۹۔

جینے کے یعنے کاٹے بچھڑا ایسا
کہ صورت میں ہوگا وہ باگ سا
صورت آدمی کی مبدل ہوئے
گناہان کبیرا جیسے آدمی کری

اس مثنوی میں تقریباً چار سو اشعار ہیں، قیامت نامہ، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے قیامت سے تعلق رکھتا ہے۔

ان دو اشعار سے سنہ تصنیف اور مصنف کے نام کا پتہ چلتا ہے۔

لکھا ہے ذکر سب کتابوں میں
عبداللہ بس کر سخن کو ہویں!
اگیارہ سے اوپر اڑتالیس برس
فتحی نے ہنادی میں کہیا ہے یوں [1]

شیخ حمید

محدث اہلِ صلاح و تقویٰ میں سے تھے احمد آباد میں مقیم تھے۔

ملّا موسیٰ سندھی

احمد آباد میں تھے۔ تقویٰ اور ریاضت سے آراستہ تھے۔

ملّا عبدالرحمٰن بوہرہ

احمد آباد میں تھے۔ [2]

---

[1] سندھ میں اردو مخطوطات صفحہ [2] طبقات اکبری ج ۲ ص ۴۹۳

وَالسَّلام

بچپن میں الف، ب کی تختی پڑھتے ہوئے شروع میں بسم اللہ اور اخیر میں والسلام بھی پڑھا تھا۔

مشائخ احمد آباد کے نام سے چند بزرگوں کے حالات جمع کرنے کی حق تعالیٰ شانہ نے توفیق عطا فرمائی اس پر جتنا مالک کا شکریہ ادا کروں کم ہے۔ نیز جن دوستوں نے مختلف کتبخانوں سے مطلوبہ کتب کی فراہمی میں مدد فرمائی جیسا کہ یہاں برطانیہ میں مولوی اشرف، مولوی اسمٰعیل گنگات اور ہندوستان سے ڈاکٹر محمد عمر سورتی کتابیں بھیجتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے، نیز دورانِ تالیف میں مولوی احمد علی، مولوی عامر عزیز، عزیزی مولوی عبیدالرحمٰن، عزیزی حبیب الرحمٰن کی معاونت ٹیپ اور کتابوں سے نقل کرنے میں شاملِ حال نہ ہوتی تو شاید کتاب مہینوں مؤخر ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ سب کو قبول فرمائے ان مشائخ کی توجہات اور ان کے فیوض سے وافر حصہ نصیب فرمائے۔

جن کتب سے ان حالات کے جمع کرنے میں مدد لی گئی ہے انکی تعداد کی کثرت کی بناء پر مستقل فہرست نہیں دی جارہی ہے البتہ اکثر جگہ حاشیہ میں حوالہ دے دیا گیا ہے۔ اور کہیں کہیں متن میں تصریح کر دی گئی ہے۔ البتہ چند امہات الکتب جو گجرات سے متعلق ہیں اس خاتمہ کے بعد ان کے نام ذکر کر دئے جائیں گے اللہ تعالیٰ اس تالیف میں جو فروگذاشت ہوئی ہو اس کو معاف فرمائے اور اس کو شرف قبولیت سے نوازیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ونبینا وحبیبنا وشفیعنا و
مولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اشاریہ

☆ اسماء

☆ اماکن

☆ سنین (عیسوی)

☆ سنین (ہجری)

☆ کتب

☆ مساجد

فہرست مراجع

ناشر	تالیف/تصنیف	نام کتاب
اردو سائنس بورڈ ۲۲۹۔اپر مال، لاہور	خواجہ نظام الدین احمد	طبقاتِ اکبری
معارف پریس اعظم گڑھ	سید صباح الدین عبدالرحمٰن	ظہیرالدین محمد بابر
شیخ غلام علی اینڈ سنز، کشمیری بازار، لاہور		منتخب التواریخ
شیخ غلام علی اینڈ سنز، کشمیری بازار، لاہور	محمد قاسم فرشتہ	تاریخِ فرشتہ
الفیصل پبلشنگ کمپنی، لاہور	ڈاکٹر ظہور الحسن شارب	تذکرہ اولیائے پاک وہند
نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی	سید صباح الدین عبدالرحمٰن	بزم صوفیہ
قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی		الفوائد البہیۃ
عالم الکتب	ابوریحان محمد بن احمد البیرونی	تحقیق ماللھند
	تقی الدین محمد	العقد الثمین
تاج کمپنی لمیٹڈ، قرآن منزل ریلوے روڈ، لاہور	مولانا عبدالماجد دریا بادی	خطوطِ مشاہیر
		طبقات الشافعیۃ الکبریٰ
مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۔سرکلر روڈ، چوک انارکلی لاہور	مولانا سید عبدالحئی بریلوی	نزھۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنو
مجلس ترقی ادب، کلب روڈ، لاہور	ڈاکٹر جمیل جالبی	تاریخ ادب اردو
مکتبہ مدنیہ، اردو بازار، لاہور	محمد حبیب الرحمٰن خان میواتی	تذکرہ صوفیائے میوات

توزک جہانگیری	اعجاز الحق قدوسی	مجلس ترقی ادب، کلب روڈ، لاہور
نہایۃ الارب		
تذکرۃ النجاۃ		
سندھی اولیاء	سید محمد مطیع اللہ	سندھی ادبی بورڈ جام شورو حیدرآباد
مقاماتِ مظہری	حضرت شاہ غلام علی	اردو سائنس بورڈ، اپر مال، لاہور
رودِ کوثر	شیخ محمد اکرام	ادارہ ثقافت اسلامیہ ۲ کلب روڈ لاہور
طبقاتِ ناصری	منہاج سراج	
الطبقات الکبری		
طبقات المفسرین		دارالکتب، بیروت
طبقات ناصری		مرکزی اردو بورڈ، گلبرگ، لاہور
انباہ الرواہ	محمد ابو الفضل ابراہیم	
تذکرہ مشائخ کرام	حسن برادرز	حسن برادرز، لاہور
سیر العارفین	حامد بن فضل اللہ جمالی	اردو سائنس بورڈ ۲۲۹، اپر مال لاہور
البدر الطالع	للقاضی العلامہ شیخ الاسلام محمد بن علی الشوکانی	
سفرنامہ ابن بطوطہ	رئیس احمد جعفری	نفیس اکیڈمی، اردو بازار کراچی
	محمود شکوی آلوسی	مرکزی اردو بورڈ، گلبرگ لاہور
الضوء اللامع		
اخبار الاخیار	ابو المجد شیخ	مدینہ پبلشنگ بندر روڈ کراچی
تاریخ ادب اردو	ڈاکٹر جمیل جالبی	مجلس ترقی ادب کلب روڈ، لاہور
خزینۃ الاصفیاء	مفتی غلام سرور لاہوری	مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، لاہور

تاریخ خان جہانی	د	اردو سائنس بورڈ، اپر مال لاہور
مخزن افغانی		
المسک الاذفر	محمود شکری	
تاریخ دعوت وعزیمت	سید ابوالحسن علی ندوی	مجلس نشریات اسلام
تین تذکرے	محمد احمد فاروقی	
بزم تیموریہ	سید صباح الدین عبدالرحمٰن	نفیس اکیڈمی، اردو بازار کراچی
معین الارواح		
تذکرۂ غوثیہ	سید غوث علی شاہ	دارالاشاعت، مولوی مسافر خانہ کراچی۔
مسلم ثقافت	عبدالمجید سالک	ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ لاہور
ابجد العلوم		
تاریخ مشائخ چشت	خلیق احمد نظامی	مکتبہ عارفین
مخدوم جہانیاں جہاں گشت	پروفیسر محمد ایوب قادری	ایچ ایم سعید کمپنی، پاکستان چوک کراچی
گلزارِ صوفیاء	عالم فقری	
طبقات اکبری	محمد ایوب قادری	اردو سائنس بورڈ، اپر مال لاہور
ظہیر الدین محمد بابر	سید صباح الدین عبدالرحمٰن	معارف پریس اعظم گڑھ

اشاریہ

☆ اسماء

☆ اماکن

☆ سنین (عیسوی)

☆ سنین (ہجری)

☆ کتب

☆ مساجد

فہرست نمبرا

اشاریہ

اسماء

اشاریہ اسماء

ا

ب

پ

ت

ث

ج

ح

خ

د

ذ

ر

ز

س

ش

ص

ض

ط

ظ

ع

غ

ف

ق

ک

گ

ل

م

ن

و

ہ

ی

فہرست نمبر۲

اشاریہ اماکن

ا

ب

ٹ

ج

ر

فہرست نمبر ۳

اشاریہ

سنین (عیسوی)

سنین عیسویہ

فہرست نمبر۴

اشاریہ

سنین (ہجری)

سنین ہجریہ

فہرست نمبر ۵

اشاریہ کتب

ا

ج

ح

خ

د

ذ

ر

ز

س

ص

ض

ط

ظ

ع

غ

ف

ک

گ

ل

م

فہرست نمبر ٦

اشاریہ مساجد

مساجد

اشاریہ اسماء

ا

ب

پ

ت

ث

ج

چ

ح

خ

د

ڈ

ذ

ر

ز

س

ش

ص

ض

ط

ظ

ع

غ

ف

ق

ک

گ

ل

م

ن

و

ہ

ی

اماکن

ا

ب

ت

ٹ

ج

س

گ

ل

م

ن

ی

سنین عیسویہ

سنین ہجریہ

۱۴۱۴ھ	۳۱

اشاریہ کتب

ا

خ

ز

س

ش

غ

ف

ک

گ

ل

م

ن

ی

اشاریہ مساجد